

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224104

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY	
Call No.	۸۹۱۵۴۳-۵
Name of Book	دبلیو دبا
Name of Author	۸۹۵۹ ر س اردی وینا

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY G.352

Call No. 191573.0

Accession No. P 305

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

بچوں کے بہترین باتصویر اخبار پریم کے متعلق پنجاب کے مقتدر انگریزی اخبار ٹریبون کی قابل رائے

پریم لاکوں اور لاکھوں کا ہفتہ وار باتصویر رسالہ ہے۔ جو مشہور اردو شاعر مولانا تاجو نجیب آبادی کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ اساتذہ میں مولانا موصوف کے علاوہ لالہ چرخوالال ایم۔ اے دہلی کا اہم گرامی قابل ذکر ہے۔ سرودق بہ بھارت مانا کی رنگین تصویر ہے۔ اس کے علاوہ ہر پرچے میں تصویریں بھی ہوتی ہیں۔ لکھائی چھپائی عمدہ زیب۔ طرز ادا صاف۔ زبان سادہ جسے ہر اردو خواں بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ مضامین آسان دل چپ اور پور کے لئے ہر طرح موزوں و سبق آموز ہیں۔ رسالہ کی قابل ذکر امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ہر قسم کے فرقہ دارانہ مضامین سے پاک ہے۔ اس کا واحد مقصد یہ ہے کہ بچوں میں اخوت و ہمدردی کے پاکیزہ ترین جذبات پیدا کئے جائیں۔ ہم اپنے معاصر کی کلیا کے خواہاں ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ مہلک اس کا مناسب طور پر استقبال کریگی۔

جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال
ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر پنجاب یونیورسٹی کی ڈپٹی رائے

بچوں کا یہ ہفتہ وار باتصویر رسالہ مولانا تاجو نجیب آبادی کے زیر ادارت شائع ہوتا ہے۔ اس کے جاری کرنے سے فاضل اوڈیہ کا مقصد یہ ہے کہ ہندو اور مسلم بچوں کے دلوں میں اتحاد اور اُلفت کا بیج بویا جائے۔ کسی کو یہ کہنے میں تاہل نہ ہوگا۔ کہ یہ مقصد نہایت قابل عزت ہے۔ مولانا تاجو زبان اردو کے مشہور ادیب اور نقاد ہیں۔ اور مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان کی نگرانی میں جو مضامین چھاپے جائیں گے ضرور عطا فطری اور معنوی خوبیوں کے اعلیٰ معیار کے ہوں گے۔

بچوں کے لئے عمدہ نقلیں ہیں۔ سرودق دیدہ زیب۔ لکھائی چھپائی نہایت نفیس۔ اور باوجود ان اوصاف کے چند صرف چھ روپے سالانہ ہے۔ میری رائے میں اسکول کے ہر طالب علم کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔

ایل نمبر ۲۲۸۲

فہرست مضامین

رجسٹرڈ

نمبر (۳۱)

بابت ماہ جولائی ۱۹۲۹ء

جلد (۱۱)

تصاویر (۱) جن معصوم سرنگی - (۲) بیسویں - (۳) چہرہ چیت - (۴) بیری ایلیگم - (۵) روت اور فوی - (۶) میرزا ظفر حسین ناظم - (۷) گوئے - (۸) شیخ عبداللہ الدین صاحب شمس

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	نمبر شمار	مضمون
۱	فہرست مضامین	ایڈیٹر	۱۹۹	دیوان مغرب	روز بخئی	۲۴۳	۱۷
۲	گہنی چو بکھون خدایا بن گیا	"	۲۰۰	ایرانی مال کا گیت	عمر ادارہ	۲۸۰	۱۸
۳	عرض حال	تاجور	۲۰۳	میسوینی	عنیت ہاشمی	۲۰۵	۱۹
۴	آئینہ عالم	ایڈیٹر	۲۰۵	اخلاقی حجتہ	مولانا مہر خواں صاحب شہاب	۲۳۱	۲۰
۵	افسانے	حنیف ہاشمی	۲۱۳	تربیت لطفال کا پلا اصل	حکیم علیاں صاحب بی۔ اے	۲۴۳	۲۱
۶	احساس گناہ	شیخ محمد عبداللہ شمس	۲۲۵	مکافات علی	بی۔ سی۔ ایس۔ مجتبیٰ مصطفیٰ حسن	۲۴۹	۲۲
۷	پانی	مولانا مہر خواں صاحب شہاب	۲۵۱	صدق و امانت	تاجور	۲۶۹	۲۳
۸	ایکٹرس	حنیف ہاشمی	۲۶۶	نظمیں	حضرہ فخر بی بی۔ اے۔	۳۶۱	۲۴
۹	ایشار (ایک بچہ واقعہ)	نور الیٰ علی مہر عمر	۲۷۳	دیہات کی رات	مولانا رضا علی صاحب صحت کلکتہ	۳۶۱	۲۵
۱۰	ڈراما	سرسید احمد رضا ایم۔ اے۔	۲۸۰	غزل	ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ لندن	۳۶۳	۲۶
۱۱	پورس (سلسلہ)	سرسید احمد رضا ایم۔ اے۔	۲۸۰	منظومات منتخبہ	عنیت اسانڈہ	۳۶۳	۲۷
۱۲	سیلنما	برفہ سرگرم علی صاحب ندیم کراچی	۲۵۷	تعلیمی حجتہ	پروفیسر نور حسن صاحب ایم۔ اے۔	۳۶۳	۲۸
۱۳	اردو اداس کی صحت	فتی محمد حسین اللہ صاحب	۲۵۹	بسا رک اور فرانس	مولانا ابو جعفر صاحب ایم۔ اے۔	۳۶۳	۲۹
۱۴	عہدہ رنگ و سیوٹ	پڈت میلاد رام صاحب دہلی	۲۵۹	میلینی کی کہانی کا بی زبانی	خان بہادر ڈاکٹر احمد اللہ صاحب	۳۶۳	۳۰
۱۵	تہذیبی حجتہ	ایڈیٹر روزنامہ دیر بھارت	۲۵۹	ایک غلط تاریخی واقعہ	آئی۔ ایم۔ ڈی۔ آئی۔ او۔ ایم۔	۳۶۳	۳۱
۱۶	نقائص شعری	عملہ ادارہ	۲۵۹	تلاش مسرت	رے محمد رفیع شہزاد شمس	۳۶۳	۳۲
۱۷	دکڑہو ایک خوش بیان کی	ابوظہر نازش رضوی	۲۶۵	شہنشاہ اشوک	اردو۔ ہندی۔ مرہٹی۔ بنگالی۔ سندھی۔ پالی۔ تامل۔ تلگو۔	۳۶۵	۳۳
۱۸	حیثیت سے	مولانا ظفر حسین صاحب ناظم جرم	۲۶۵	دنیا کے ادب	مچھلی۔ حادی۔ ملایا۔ کشمیری۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ ہندی۔	۳۶۵	۳۴
۱۹	انسان کا مذہب	عملہ ادارہ	۲۶۶		جسوس۔ پنجابی۔ ڈو۔ تری۔ اٹالی۔	۳۶۶	۳۵

کہتی ہے ہم کو خلق خدا غائبانہ کیا

جنابان ہمارے مرزا فیصل حسین صاحب ایم۔ اے۔ کے سی۔
آئی۔ ای۔ ریونیو نمبر پنجاب گورنمنٹ۔

پڑتا ہے ادبی دنیا اور زبان میں اپنی نوعیت کا سب سے پہلا رسالہ ہوا۔
رسالہ کے مقاصد نہایت بہتم ہا نشان اور مرضی ظاہر کئے گئے ہیں مثلاً
اردو زبان کو دوسری زبانوں کی عادت سے پاک کر کے ایک بکھری ہوئی زبان
بنانا۔ عربی، فارسی وغیرہ کے مشکل الفاظ کو کم کرنا۔ دنیا کی تمام ترقی یافتہ زبانوں
کے تراجم شامل کر کے اردو ادب کو وسیع کرنا اور زبان میں جدید الفاظ کا اضافہ
اور قواعد و دو میں موجودہ اردو کے مطابق ترمیمات کرنا مقنازعہ خیرہ ادبی
مسائل کی بابت بحث و تحقیق کے بعد ادبی جماعتوں کے فیصلے شائع کرنا۔ اردو
شاعری میں ضروی اور اصولی تبدیلیاں کرنا۔ وغیرہ۔

رسالہ کی محتاط اور ظاہری صورت اس قدر شاندار ہے کہ بلا مبالغہ کوئی
اردو کا رسالہ اس وقت اس کا ہم پل نہیں کہ جاسکتا ہے۔ کاغذ اور کتابت و طباعت
نہایت عمدہ ہے۔ سرورق میں نظر پڑے کے علاوہ خاص جلدت ہے۔ ادبی مضامین
میں نظم و نثر بھی عمدہ اور بہت ہے۔ افسانوں کا ذخیرہ بھی کافی ہے۔ دنیا کے ادب
کے زیر عنوان ہندوستان اور بیرون ہند کی تمام ترقی یافتہ زبانوں کے ادبی
مضامین کے تراجم پیش کئے گئے ہیں۔ ہندوستانی زبانوں سے ہندی، پنجابی
پنجابی، گجراتی، مراٹھی، سندھی، کشمیری، پشتو، ملائسی، سنسکرت اور سری لنکا
میں سے عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، فرانسسی، جرمنی، جادی، ڈچ، ملایا۔
کے ترجمے شائع کئے ہیں۔ آخر میں مغربی رسالہ کے مشکل الفاظ کی ایک
فہرست لگا دی ہے۔ غرض رسالہ کیفیت مجموعی قابل قدر ہے۔

ڈاکٹر لکشن میروپ صاحب بی اے پی ایچ ڈی۔ پروفیسر
پنجاب یونیورسٹی۔

ادبی دنیا کے دو نمبر کی نظر سے گزرے میں نہایت وثوق اور
مسترت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ادبی دنیا دنیا کے ادب میں ایک قابل قدر
اضافہ ہے۔ اس نے اور محتاط کیلئے ایک جدید راستے کا افتتاح کر دیا
ہے۔ اور بیرون ہند میں یا کسی اور جگہ اس شان کا رسالہ
اور کوئی نہیں ہے۔ اس کی تنقیدیں اور ادبی مباحثے نہایت عالمانہ چمکتے
ہیں۔ زبان نہایت دلکش صاف اور شستہ۔ ادبی دنیا کا اسٹاف اس
ادبی کارنامے کے لئے مددگار و آفرین کا منتظر ہے۔ میں دل سے
اس کی کامیابی کا منتظر ہوں۔

آپ کے ارادے نیک ہیں۔ اور افسوسکہ پہلا ارادہ کو تحریر آسان
نہم ہو۔ مگر ارادہ کو پورا کرنا عربی و فارسی کے عالم کے لئے کچھ آسان کام
نہیں۔ میں آپ کے ارادوں میں کامیاب ہونے کیلئے دعا دیتا ہوں۔
پاکستان نواب جمید علی خاں صاحب ممبر یونیورسٹی کونسل
آجکل اہل نظر عام کو پوریہ دیکھ اور محسوس کر رہے ہیں۔ کہ ہندوستانی
نوجوانوں کا ادبی مذاق سلیم نہایت پست ہوتا جا رہا ہے۔ ہمیں شک
نہیں کریں تو سینکڑوں جرائد و رسائل میں بدلان کل میں محض نو ہٹے اور
ہورہے ہیں۔ مگر ان میں بہت کم ایسے ہیں جو صحیح معنوں میں مقاصد جدیدہ
نکھاری کو انجام دے رہے ہوں۔ زبان کے اعتبار سے اگر ان کو دیکھا
جائے تو شاید ہی کوئی ایسا صفو نظر آئے جسے عجیب و غریب بڑا کچھ شکل
مطلق عربی الفاظ کی کثرت نہ ہو۔ عام اس کے مضمون عام نہ ہو یا نہ ہو۔
سادہ اور سلیس اور وہیں نفس مضمون ادا ہو سکے یا نہ ہو سکے مگر مضمون نکھار
کی یہ کشش ضرور ہوگی کہ شروع سے آخر تک عربی شعر غالب رہے۔
جب جرائد نگاری کا یہ سبب ہو تو نتیجہ معلوم۔ اچھی لیل و نہار رہے اور یہی
روش رہی تو وہ روزانہ دو زبان اور دو ایک جیہستان ہو کر رہ جائیگی۔
فیراس کے متعلق میں کچھ زیادہ کہنا نہیں چاہتا۔

ادبی دنیا کا پہلا پرچہ میری نظر سے گذرا رسالے کے امراض و مقاصد
نہایت صحیح اور درست ہیں جو ذرائع اور انتظامات اس کے کامیاب بنانے
میں کئے گئے ہیں۔ وہ قابل تحسین و مسترت ہیں۔ خدا کرے کہ ادبی دنیا
اسم باسملی ثابت ہو اور کارکنان جدیدہ کی فخت و جافغنائی ٹھکانے لگے۔
سب سے زیادہ قابل تحسین بات یہ ہے کہ رسالے کے لئے خاص حصہ پر
اس کا انتظام کیا گیا ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں کے تراجم سلیس اور
عام فہم زبان میں شائع کئے جائیں۔

مولانا محمد امجد صاحب غازی پوری ایڈیٹر روزنامہ رساوات لاہور
ادبی دنیا کے ذریعہ تبریک برائے رسالہ کا پہلا ہی نمبر ہے۔ جسے دیکھ کر کہنا

جبرقندی بانیوں سے آزاد اور موجودہ گرامر کی اصلاح بھی کر لگایا اس لحاظ سے یہاں قابل ذکر ہے کہ اردو زبان کا یہ نیا رسالہ ایک مخصوص پر وگرام کو لیکر میدان میں نکلا ہے۔ اور اس نے ایک امتیازی وصف کے ساتھ عام سطح سے بلند ہونے کی کوشش کی ہے۔ تمام مہمان ادب اردو کی عاقل اس کے ساتھ ہیں۔

سید شیر حسین صاحب بی۔ اے ایسٹنٹ ٹرکولٹیکسٹر ملز کراچی خدمات کتابت ادب و بحث ادبیت کا مقابلیہ بنائے گئے اس میں اردو کی لوگ اندازہ کر سکتے ہیں۔ جو قلم کاران بہادر صرف القاد اور آپ جیسے نامور ادیب ملک کے اس دردناک مزاج سے واقف ہوں جو آپ دونوں اردو کی ترقی کے لئے محسوس کرتے ہیں۔

پنجاب نیکسٹ بک کمیٹی نے چند کامیابیوں کی خریداری سے کوئی نیا آپ پر یا ادو پر نہیں کیا۔ بلکہ اندازہ لکھنے سے اس خریداری میں اپنے ذوقِ سلیم کا ثبوت دیا ہے۔ میں آپ کو آپ کی بلندی یا ادو یا ناز و محبت و عزت و ترقی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ کتاب ایک ایسے ادبی رسالہ کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں جسکی مدت سے دنیا نے ادب کو ضرورت تھی۔

حضرت مولانا فخر علی خاں صاحب (اخبار زمیندار)۔
اہل نظر کا وہ طبقہ جو اردو نے مظلوم ہندوستان کی سرکاری تعلیمی عدالتی اور کاروباری زبان کی حیثیت سے دیکھنے کا بدلہ تمسبی ہے۔ یہ سنکد خوش ہوگا کہ جناب شیخ (سر عبدالقادر) کے زیر نگرانی ایک بلند پایا رسالہ رسالہ حسن کا نام ادبی دنیا ہے۔ علامہ تاجز نجیب آبادی کی ادارت میں نکلا شروع ہوا ہے۔ اس کا پہلا نمبر صحت اور طاعت کے گونا گوں مہاسن کے ساتھ مرکب شامل ہیں اس لاہور سے چھپ کر یہ ادبی نظر سے غنڈا نظم اور نثر کے متعدد مضامین کے ساتھ ۲۰۴۹۹ کے چھاپے صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ مشرق و مغرب کے اس جدید تقویم ادبی امرتھ میں سات نقیصہ تصاویر ہیں۔ معنوں نگاروں میں ہندوستانی ہیں۔ اور مسلمان بھی۔ اور اس لحاظ سے اس رسالہ کو ہندوستان کی آنے والی قربت سمجھ کر کاشان بردار سمجھنا چاہیے۔

ٹیلی گرافک دہلی۔

پنجاب اردو زبان اور نثر کی نشوونما کی قابل قدر خدمات کے انجام دے رہے ہیں ادبی دنیا۔ ایس میں ایک اہم اضافہ ہے۔ یہ بلند پایا رسالہ اپنی دلکش معنوی اور صورتی خوبیوں کے ساتھ اردو صحافت میں ایک قابل ذکر درد کا آغاز کرتا ہے۔ دوسرے کی زبان اس سرانے کا بہترین آئینہ دار ہے جو اردو نے ادبیت نگری سے حاصل کیا ہے۔ انداز بیان نہایت دلکش اور دل فریب ہے۔ مضامین کا تنوع اور ہر گہری کی

ڈاکٹر بنارس داس صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ لیکچرار پنجاب یونیورسٹی۔

میں سے ادبی دنیا کے دونوں نمائندہ لکھی کے ساتھ بڑھے ہیں۔ اسکا شاندار تصاویر اور مضامین کی دلکش ترتیب دل کو آنا گریہ نہائے بغیر نہیں رہتی۔ ادبی دنیا آج بھی پچھلے نیکسٹ ادب میں جو سرسراہی اسکو حاصل کی کسی اردو نہیں ہو سکتی۔ اس کا ہر ایک مضمون اہل علم و اہل قلم کا کھلا ہوا ہے جو اپنے اپنے حلقے میں نہایت ممتاز ہیں۔ ادبی دنیا کی طاعت نہایت دل فریب ہے اور شاندار ہے۔ اور اس کے مقابلے میں نہایت کم ہے۔ میرے خیال میں اس قسم کے رسالے کی بہت عرصے سے ضرورت تھی جسکو مولانا جونا جونا نے ادبی دنیا کے اجرا سے نوکار دیا ہے۔ اسکا ملے کا ایک لا جواب پہلو یہ ہے کہ دوسری زبانوں کے لکچر سے بہتر مضامین کے اقتباس و دلکش اور پاری زبان میں ترجمہ کر کے شایع کیے جاتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ موجودہ فرقہ دارانہ کشیدگی کو یہ رسالہ کامیاب طور پر دور کر دے گا۔ کیونکہ یہ اپنے پڑھنے والوں کی تمام ادبی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ مولانا رضا علی صاحب وحشت ملکوتی ایچ۔ کولے۔ ایس۔ اینڈ۔ ادبی دنیا کی دلکشی نے مجھے اپنی جانب کھینچا۔ میں نے اس میں علامہ اس کے بہانے کے جو ایک امتیازی شان رکھتا ہے متعدد خصوصیتیں دیکھیں۔ سب سے بڑی اسکا تنوع ہے۔ پیکرنگی کے بجائے انکی رنگینیاں ایک نیرنگ کا عالم پیدا کرتی ہیں

نورق تالقدیم ہر کالکی گورم

کرشمہ دامن دل نیکشہ کہجا انجاست

مولانا عبداللہ مہاس ایڈیٹر مسلم راجپوت اکر سہر۔

اردو اہل قلم کی بڑی سنی و جمہور کا تازہ ترین کارنامہ رسالہ ادبی دنیا ہے جو اردو ادب کے نقص خدشہ دار حضرت تاجز نجیب آبادی کے زیر ادارت اور فکر و ادب کے چمکے کاراد نثر دکن سر عبدالقادر کے زیر نگرانی جاری ہوا ہے۔ نمبر اول کے مضامین کے شروع و ترتیب و انتخاب کی عالمگیری رسالہ کی نام کی موزونیت پر گواہ ہے۔ اور خاص محنت اور جستجو کا پتہ دیتی ہے۔ بہت وسیع ادب و مذاق کی جو روح اس کے صفحات پر نظر آ رہی ہے اس کے پیش نظر نہیں ہے کہ میں تامل نہیں کر یہ اپنے چوگانہ مفاد کی تحمیل میں کامیاب ہو جائیگا۔

آپنی دنیا "تعلیمی اردو کو عام فہم اور اردو ادب کو دوسری علمی نفاذ کے خواہوں سے مصلوبہ دانا بنائیگا۔ وہ اردو ادب و نثر کی اردو ادب و نثر کے متعلق طلبہ اور نوجوانوں میں صحیح ادبی ذوق پیدا کریگا۔ اردو ادب کی کو

لیا کا ہے اسے موجودہ اردو جرائد میں بلند ترین مقام پر جگہ دی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر لکڑی حیثیت سے بلند پایہ اردو صحافت کے نامیہ شاعر شیخ عبدالقدار کا اسم گرامی سربراہ اردو اور رسائل کی صف میں اسے ممتاز اور قابل فخر جگہ دیتا ہے۔

اس وقت جو نثر ہمارے سامنے ہے اس میں مختلف اہم موضوعات زبان، موسیقی، ڈراما، ادبی تنقید، مجلس اوقاف، اخلاقیات، ارتقا اور فلسفہ پر بہترین مضامین ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر زبانوں، سندھی، گجراتی، پنجابی، کشمیری، پشتو، مرہٹی، تامل، بنگالی، سنسکرت، فارسی، عربی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن، جاپانی، ملایا، ہسپانوی، اطالوی، ڈچ، جینی اور لاطینی وغیرہ سے دلچسپ اقتباسات کا دلکش ترجمہ شائع کیا گیا ہے۔ ادبی دنیا ایک عظیم ترین ادبی اہمی ہے۔

ابھی ابھی ہے کہ مولانا تاجدار مسٹر حفیظ ہاشمی جو ملک کے ممتاز ادیب ہیں اپنی اس قابل رشک ہم میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ رسالہ کی کتابت و طباعت اور مصوری اور مضمونی خوبیوں کے مقابلے میں تین رو بہت ہی کم قیمت ہے۔ اس کی تلافی ان تمام حضرات کے گھر گھر شائع و تقبل سے ہو سکتی ہے جو اردو ادب کی ترقی اور نشوونما میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

جناب اختر رحمانی صاحب بے منتاب :-

”ادبی دنیا“ اور پلے کے چاروں پہ میں لوگ کتنے ہیں کہ اسکے مدیر کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

پروفیسر ارشد احمد صاحب خلیق ایم۔ اے۔ ایم او ایل :-
میں اس قدر مشتاق کہ ایک استاد ہونے کی حیثیت میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے حکماء نے تعلیم کو ادبی دنیا جیسے معیار رسالوں کی سخت ضرورت ہے۔ ہمارے طلبہ کی زبان سے بچھا نہ ہونے چاہیے ہیں بلکہ اگرچہ سے وہ شائق نگاری کے سبب کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ ادبی دنیا نے جس شاعر اور ادیب صاحب طریق سے طلبہ کی اصلی ضرورت کو پورا کرنے کی جانب قدم اٹھایا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اس کا چیف ایڈیٹر ایک کالج کا پروفیسر ہے۔ اور طلبہ کی ادبی استعداد و نقدان سے براہ راست واقف ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ادبی دنیا کا مطالعہ طلبہ اور وزیکو لڑکیوں کے اساتذہ کے لئے بے حد مفید ثابت ہوگا۔

مولانا نظامی ایڈیٹر اخبار ذوالقرنین بدایوں :-

”ادبی دنیا“ ایک نیا ادبی رسالہ ہے جو عالم میں ہی لاہور کے پور شائع ہو نا شروع ہوئے اس کا پہلا نمبر جو بابت مئی ۱۳۵۷ھ ہے ہمارے پاس گذشتہ مہینہ میں پہنچا ہے اس رسالہ کی مگرانی کا کام

مصر عبد القدوس پیر پریٹ لا لاہور نے اپنے ذمہ لیا ہے جن کا نام اردو ادب کی دنیا میں مخزن کی وجہ سے اتنی شہرت حاصل کر چکا ہے کہ اب ان کے تعارف کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح اس کی ادارت کا بار مولانا تاجدار نجیب آبادی جیسے مشہور اہل قلم نے اٹھایا ہے جو اس نے اپنی زندگی ضمانت ہے کہ رسالہ اپنے اس وسیع پروگرام کو جس نے اپنی زندگی کا قلم کیا ہے پورا کرنے میں کامیاب ہوگا۔ اس پیلے پرے میں رسالہ کی اشاعت کے مقصد کو چار مدت میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جن کا خلاصہ (۱) صنعتی اردو کو عام فہم بنانا۔ (۲) اردو زبان کو دوسری علمی زبانوں کے خواہوں سے ملا مل کرنا۔ (۳) اردو لٹریچر پروازی اور اردو شعری پر آسان زبان میں تعلیمی مضامین لکھ کر نوجوان طلبہ میں صحیح ذوق پائی پیدا کرنا (۴) اردو شعری کو غیر قدرتی پابندیوں سے آزاد کر کے آزاد زبانوں کی شاعرانہ خوبیوں کا اضافہ کرنا اسی کے ساتھ اردو صرف و نحو میں ضروری تغیر و تبدل کرنا دوسری زبانوں کے ایسے الفاظ جن کا مفہوم ہم معنی الفاظ کے مقابلہ میں زیادہ وسیع اور خاص معنی کا حامل ہے اردو میں داخل کرنا۔

مولانا محشر عابدی مسکری ٹیگ میں مسلم ایسی ایشن حیدرآباد کو :-
پروجہ کا موقوف ہی دیکھ کر بیاضہ منہ سے نکل پڑا۔

عزت دارا باشد حضرت مدام مانڈ

یقیناً آس پڑے (ادبی دنیا) کے اجراء سے دنیا سے ادب میں آپ نے ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے اور اب ہندوستان اب بھی فخر رکھتا ہے کہ اس میں بھی ایسے رسالے شائع ہوتے ہیں جو یورپ کے ممتاز رسالوں کے مقابلہ میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ کیا یہ محاذ، مضامین اور کیا یہ محاذ تقابلیہ ہندوستان کی انتہائی خوش نصیبی ہے کہ وہ محاذ دراز کے بعد اس رقم کا رسالہ اردو میں شائع کر سکا جس کی ہر کامیابی کسی اور زبان میں ایسا رسالہ ہو نہیں سکتی۔ باوجود متعدد برصغیر میں کوئی اردو رسالہ دنیا سے ادب میں کوئی انقلاب پیدا نہ کر سکا۔ اور نہ کسی نے وہ مقاصد پیش نظر رکھے جو ”ادبی دنیا“ نے اب ناظرین کے سامنے پیش کئے ہیں۔

”ادبی دنیا“ کے مقاصد نہایت مفید اور اعلیٰ پایہ کے ہیں اور نہ صرف اردو کا اردو رسائل کو اس کی تقلید کرنی چاہئے۔ اور ”ادبی دنیا“ کے مقاصد پر نظر رکھ کر انہیں ترقی دینی چاہئے۔

میرادل بھی رسالہ کی شان و شوکت ہے اس قدر جلد متاثر نہ ہوا تھا جتنا ”ادبی دنیا“ کو دیکھ کر۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص اس رسالہ کا مطالعہ نہ کرے جس سے زیادہ بظاہر اردو کی انہیں ہو سکتا۔ دنیا بھر کی زبانوں

عرض حال

مضامین پر مداخلت کی رسم ہم نے اس لئے جاری کی کہ یہ مسائل کے مالک رسالہ جاری کر کے رسالے کی کتابی پس اپنی ذاتی اعتراضات پر درکار کرتے ہیں۔ کاتب۔ پیرس۔ کاغذ۔ ایڈیٹر۔ میجر۔ چرماسی۔ فلک وغیرہ صرف کرتے ہیں۔ تو پھر مضمون نگار غریبوں نے کیا قصور کیا ہے، ہاں کہ لئے مصلحت گراور دست خور نہجائیں۔

دوسرے یہ کہ مداخلت کی رسم جاری ہو گئی تو شرح کی اپنی دور چائیگی۔ ادبی رسالے بھرتی کے مضامین شائع کرنے بند کر دیں گے۔ مداخلت دیگر لکھنے والے بلحاظی کی طرح جو کچھ منوجھا اُسے دیکھ بیٹھنے سے قلم کو دیکھے اور مداخلت دیکھ کھولنے والے سے متحرک ہو کر لکھے اور بلا مداخلت میں چھاپیں گے۔ اور اس طرح ادب اردو ادب فالگیر کا مداخلت حاصل کر کے گا۔

البتہ میں مضامین کا مداخلت ادا کرتے تھے ایک نیا تجربہ منوجھا جسکا ابتدا میں یا تو خیال نہ آیا تھا یا ہمہ قسمس پر غور نہیں کیا تھا۔ وہ یہ کہ بعض مضمون نگاروں کے مضامین اپنے خیالات اور مطالب کی حیثیت سے تو بلند اور مفید ہوتے ہیں۔ مگر قلمبندی کے سبب زبان اور مطالبہ بیان کی دوسرے وہ اس قابل نہیں ہوتے کہ انہیں شائع کیا جا سکے۔ مضامین کو رد کر دینا تو ہونا اور یوں کی حوصلہ شکنی ہے۔ اور کاٹ چھانٹنے کے بغیر شائع کرنا رسالے کے میاں کو کپٹ کر دینا ہے۔ ہم نہ اس پر اطمینان ہیں نہ اطمینان۔

اب تک یہی چھتا رہا ہے کہ میں قسم کے مضامین کو عام حالات میں بہت کچھ رد و بدل کے بعد اور کبھی کبھی از سر نو لکھ کر درج کیا گیا جو اولاً پر مداخلت نہیں دیا گیا۔ اور نہ مداخلت ایسے مضامین مداخلت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ مداخلت ہم انہیں مضمون نگاروں کو دیتے ہیں اور وہیں گے کہ مضامین میں ہیں براے نام نہ چھپائی گئی پڑے۔ کیونکہ دوسرا نہ دیکھنے کے مضامین کو مداخلت دیکر شائع کرنے سے بہتر ہوگا کہ ہم اپنے اشتاف میں ایک لکھے ایڈیٹر کا اشتاف ذکر کریں۔ اور اپنے بلند معیار کے مطابق اُس سے بلند یا یہ مضامین لکھوائیں۔

تاہم

امی دنیا کا تیسرا نمبر شائع ہو رہا ہے۔ اسے شائع کرتے ہوئے ہم خدا سے برتر کا شکر ادا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی رسالہ کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا کر رہا ہے۔ اس خبر کے مضامین دوسرے کی بہ نسبت زیادہ محنت سے تیار کئے گئے ہیں۔ اس کی تصویریں تصاویریں زیادہ حجم میں تھیں اور شان میں بڑھ چلا کر ہیں۔ خدا ہماری اس دلی خواہش اور دعا کو لایا اب فرمائے کہ ہم اسی طرح ہر دوسرے نمبر سے بڑھتا چڑھا کر شائع کرتے رہیں۔

بعض اہل قلم نے ہمارے پیچھے ہوتے رہ مداخلت کو واپس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ مشرق کو مغرب بنانا چاہتے ہیں مگر کیا دیکھئے کہ مشرقی مشرق ہے اور مغرب مغرب اور یہ دونوں کبھی نہیں مل سکتے۔ بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے مقررہ اصول کے مطابق اپنے مصلحتی قلم کو مداخلت بھیجا تھا۔ اداس اصول پر اس وقت سے پابندی کی گئی تھی کہ ادبی دنیا کے محترم نگاروں کی خدمت میں بھی ان کے گراں پائے مضمون کا مداخلت ارسال کر دیا گیا تھا۔

ان اہل قلم میں سے کچھ حضرات نے تو ہمارا حقیر یہ قبول فرما کر جاری عزت پر مصلحتی بھی اوروں کچھ سر پرستوں نے انہما کہ سردی کے طور پر مداخلت واپس کر دیا تھا۔

بعض اصحاب نے مداخلت کے لفظ کو اپنے فحوس کی توہین سمجھ کر آئندہ سے اپنے مضامین کے لئے یہ لفظ استعمال کرنے کی ممانعت کر دی۔ کچھ کرم فرمایا ہے بھی میں جنوں نے مداخلت کی رقم کو اپنے مضمون کے مقابلے میں کم بتایا۔ ہمارے محترم رہنما سرورہ افتادہ سر سے اس اصول ہی کے خلاف ہیں کہ مضمون نگار کو مداخلت ضرور دیا جائے۔

جن اہل قلم نے ہمارے حقیر یہ رد کو منظور فرمایا ہے۔ ان کا شکریہ ادا ہو جنوں نے ہمدردانہ انداز میں اُسے واپس کر دیا ان کا بھی شکریہ ادا ہو۔ اس لفظ کو اپنے فحوس کی توہین تصور فرماتے ہیں۔ ان سے مخافی کے بھار اور جو گراں پایہ ادیب نہ مداخلت کو کم بتاتے ہیں۔ ان کی خدمت میں اس حقیقت کا اعتراف ہے اور ساتھ ہی یہ تذکرہ بھی کہ ہم کبھی قدر کو بھانسنے اصرار نہ کرنا کہ دشنامی کا فرض ادا کرنے کے قابل ہو جائیں۔

آئینہ عالم

اپنی رعایا کا بہترین حکمران تھا جو ہر منوں کو کسی نصیب نہ ہوا تھا۔ مزدور جماعتوں کی یہودی کے لئے سوشل خدمات کر سنے میں جو مئی اور پہلی سب طاقتوں سے آگے تھا۔

”قیصر جرمنی کے ملکی بیڑے کا ان تھک سر پرست تھا۔ وہ اس کو اپنے ملک کی تیزی سے بڑھتی ہوئی طاقت کی پہچان کرتا تھا۔“

”سکاگر کی چٹان کے سر کے میں اس ملکی بیڑے نے اپنی قوت و طاقت کا مظاہرہ کیا تھا اور ہر جگہ پر جرمنی بیڑا اپنی جماعت بہادر علیحدہ عزم کے لحاظ سے نہایت حیرت انگیز اور قابل تعریف ثابت ہوا۔ اس جہاز سہاہ بھی زلزلے نہیں لا جواب ملتی۔ قیصر نے اس زبردست فوج کو اپنے دادا سے وراثت میں لیا تھا اور اپنی فیصلہ کن جماعت اور پیش پنی سے اس کی ہدایت کا طریقہ توسیع کی سعی اور میدان فوج کے لئے ایک خوفناک تجربہ دہش کا کافی تجربہ نامزد تھا۔ چنانچہ جرمنی کے لوگوں کی یہ حالت تھی جب وہ کشمکش ہائی اور جرمنی تخت کے زیر نگین تھے۔“

”لیکن شروع ہی سے قیصر کی شخصیت کے خلاف کیا اور جس سے بھری جوتی آواز اٹھانی گئی اور اس امر کو بھی نظر انداز کرنا چاہیے کہ قیصر کی حکمت کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب ہمارا ملک کا نظام سلطنت سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔“

وفات کو دیکھ کر جرمنی کے لوگوں کی نگاہ اپنے آقا کے خیال سے تیرہ وندہ بوجائی تھی اور اس سے بیرونی دنیا میں ایک بھلا مہربا ہو جاتا ہے۔

ہم اس کی غلطیوں کو چھپانا نہیں چاہتے لیکن جہتہ ذکر وہیوں کو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ تمام اس میں نہیں ہیں۔

پرائیڈنٹ ہوور اور قانون

لیا تمنا سے تمہارے کیا پرائیڈنٹ مسٹر ہوور نے قانون کے جاری کر کے اور ہم اس کی تائید کرنے کے دعووں کے ساتھ میدان میں آنا تھا۔ ان تمام وعدوں اور یہودی پیش پیش جمہوریت کی قانون شکنی ہے۔ ہمارے ملک میں یہ مرض ادب لطیف کی زندگی بچھا گیا ہے۔ دیگر قوانین شمار ہو چکے ہیں اور ان کو توڑنے سے ۲ ہزار

کیا جرمنی میں شہنشاہیت ہر قائم ہو جائیگی؟ - وہ دن جب قیصر برلن میں دایں بیٹھا جو جرمنی کی جمہوریت کی پسند و نگوں کے لئے نہایت پریشان کن ہو گا۔ اور ملکا اور سوشلسٹوں کا خیال ہے کہ یہ دن بھی نہیں آسکتا۔ لیکن حکم میں کچھ دنوں سے ایسے آثار نظر آ رہے ہیں اگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جرمن خیالات کو ان میں کہاں تک جلی ہے اور یہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ ابھی کچھ دنوں سے جرمنی ہوا جبکہ جرمنی کی قومی پارٹی کی طرف سے قیصر کو گورنر اور پرنسپال سہا کر کپالیش کی گئی تھی۔ چنانچہ جرمنی کا ایک بااثر اور مقصد راجکار لکھتا ہے :-

”بہت کم جرمن لوگ ایسے ہونے جو جرمنی کے ان یا کم کو کر افسوس سے نہ دیکھتے ہوں۔ جب ہم ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنے اس واسطے ملک کی سلطنت کے مدد میں جو تمام جرمن قوم اپنا شہنشاہ ہو گئی تھی سعی و جہد سے کئے گئے اس کی خدمت میں سہا کر کپالیش کو سہنے تھے۔“

”ہم اس سے اکثر لوگ یہ سننے کے لئے تیار نہ ہوں گے کہ گذشتہ جنگ عظیم کے آغاز تک شہنشاہ ولیم ثانی کا عہد حکومت جرمنی کیسے بہترین اور خوشحال ترین عہد حکومت تھا۔“

”لیکن اس میں کسی کو کام نہ ہوگا کہ اس کے عہد میں ہم ولیم اول اور بئیس سلطنت کے عہد کی مصیبتوں کا ثمرہ اٹھا رہے تھے۔ تجارت اور صنعت و حرفت ترقی پزیر تھی۔ مزدوروں کی کافی آسٹی تھی۔ بے روزگاری کی صورت بھی نظر نہ آتی تھی۔ زراعت سرسبز تھی۔ علم و فن جو نہایت کی حد سے نہایت تیزی سے ترقی کر رہے تھے۔“

”مافی حالت نہایت اچھی تھی اور میکس لستدر کم سنے کے آجکل لوگ اس امر کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ ان دنوں حکومت کا کاروبار کس طرح چلتا تھا۔“

”یہ الزام کہ قیصر دوسرے جرمنی شہزادوں کی طرح شہنشاہی کو مضبوط کرنا چاہتا تھا۔ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔“

”حکومت کی باگ اس عظیم الشان شہنشاہ کے ماتھے میں تھی جو صرف اپنی ذاتی زندگی میں ہی لوگوں کے لئے ایک درخشاں مثال تھی تھا جبکہ

ہو نہ جواز اور یا پنج سال تک قید کی سزا دی جاتی تھی۔ دیگر مجلسی تہنیت اس کثرت کے ساتھ توڑے جاتے ہیں کہ کسی اور ملک میں ان کی مخالفت ناممکن ہے۔ یہ ممانعت شرب کے قانون کو لاکھوں آدمی روزانہ توڑتے ہیں۔ جمہوریت کے گورنر، میئر، جنرل، وکلاء، سینٹ کے ممبر قانون ساز، اور وہ بھی جن کا فرض ہے کہ ان میں اس قانون کی نگرانی ہے اس قانون شکنی میں عوام کے سامنے ہیں۔ اور عوام پر عام اثر پڑتا ہے جن ممکن ہے کہ موجودہ پریذیڈنٹ کے عہد میں اس قانون کا خاتمہ ہو جائے جس کی بنیاد ہولناک جرموں پر ہے جو شراب نوشی، موسیقی کے بڑے سے کثرت سرزد ہوتے ہیں۔ شراب نوشی کے جرم میں خدا جانے کتنے افراد اضافہ ہو گا جبکہ کل رپائیں تلسہ ہفتہ میں قتل کی وارداتوں کی تعداد گیارہ ہزار سالانہ ہے اور قتل کرنے والوں میں سے تقریباً نصف گرفتار ہوتے ہیں جن کا چھٹا یا ساتواں حصہ پھانسی پاتا ہے۔ اگر حساب کیا جائے تو امریکہ میں جس انسان کی وارداتیں ہیں ان کی تعداد کسی کی تیس گنا اور ڈاکے کی پچاس گنا ہے بلکہ اس سے زیادہ ہوتی ہیں۔

اطالیہ اور دیگر ممالک

فرانسیس ترکی معاہدہ جس کی دس سے ان دونوں ملکوں کے تمام اہم مسائل کو فیصلہ ہوتا ہے، انکو پہنچ چکا ہے۔ اب کچھ عرصے بعد پیرس میں دوسرا وفد تہذیب و تمدن کی اور اس وفد کے آخری میں کاغذات پر لکھ کر ہونے کے ساتھ مغرب پر جاکر ایک بین الاقوامی کے جدید طور پر عمل لے کر فرانس کو معاہدہ پریشان کر دیا ہے۔ کیونکہ اس کے خیال میں بیرونی کارور اس معاہدے کی تکمیل کے اطمینان سے کہیں زیادہ پریشان کن ہے۔ انکو یہ بھی پڑے کی تعمیر اٹالیہ کی زندگی ہوں پر مبنی ہے اور ترکی انفرس کی تربیت اور بھی پڑے کی نگرانی کے لئے اٹالیہ پوری مشرق کی خدمت میں کو پیشہ وازنیں برقرار رکھنا حاصل کی گئی ہیں۔ یونان اپنی ہمسایہ ترکی کی اس تباہی سے خائف نظر آتا ہے اور اپنے جتنی پڑے کی تعمیر رکھنا چاہتا ہے اس کے لئے میں دینا چاہتا ہے۔

اطالیہ اس امر کو بھی فراموش نہ کرے کہ یونان کے ساتھ بھی اس کے درمیان دوسرا معاہدہ ہے جن دونوں ہی ملکوں میں اور ترکی کے تعلقات کو بگاڑنے کے لئے کوشش کر رہا ہے۔ چنانچہ اگر اس کا کام ہو گا تو اس کا مقصد آئینہ جب مجھ سے ملے گا تو اس کی طاقت اس کے اشارات کی سرگردی میں اس کی کثرت ہو جائے گی۔

پارلیمنٹ کی تہذیب و تمدن

انتخاب سے پارلیمنٹ میں چند عہدید اور حسب خصوصیت کا

ہو گیا ہے۔ یہ پارلیمنٹ میں پہلی بار آئی ہیں۔ ان میں سٹر نامن۔ انجیل صحت، گریٹ ایڈیٹر، فارن افیئرز اور دیگر تہذیبی تہذیبی بیکر فوٹو آف گنگر کا لکچر بیکر، بین الاقوامی اتحاد مسلح کے پرجوش مبلغ اور پچھا ہارک ہیں۔ پریذیڈنٹ بیکر مجلس اوقام کے اکثر عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں۔ پارلیمنٹ کے درمیان میں عہد میں آپ اقتصادیات کے کالج میں بین الاقوامی تعلقات کے پریذیڈنٹ برطانوی یونیورسٹیوں کی طرف سے انڈین پرنٹ مائند کے کی حیثیت سے اس لائف کو انتخاب بھی نہایت دلچسپ ہے۔ اس موضوع کو ایک لیسواں کی پہلی مٹاؤ خانوں میں جن میں پارلیمنٹ میں جگہ ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اپنے دسین تجربہ اور علم سے وہ پارلیمنٹ میں ایک نئی نغضا پیدا کر دینگے، اور یہ امر کہ محمد یونیورسٹیوں سے بہت اسی شخصیت کو اپنی نمائندگی کے لئے انتخاب کیا ہے جو کسی پارٹی سے بھی تعلق نہیں رکھتی۔ اس انتخاب کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے قانون ممبروں میں اس میری اگینز متعلق بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ ایک ممتاز اٹالیہ اور بڑی تعداد میں ادبی مذاق کے لوگ آپ کے مکمل اٹالیہ زبان سے اچھی طرح واقف ہیں۔ دیگر ممبروں میں مشرے، الین، ہنر بلان، کاروٹس، مشر سائڈس جس سے سر مشکلات دلا کو بائری میں شکست دیتی تھی جو یہ نہ کہ اٹالیہ میں مسٹر فینر کو بھی قابل ذکر ہیں۔

جاپان اور مشرق وسطیٰ

مغربی تہذیب و تمدن سے مشرقی کو بہت بڑی طرح پہنچا رہا ہے۔ اور اب حالات ہے کہ مغرب کی ہر نادر دانتے ناروا بات پر بھی اس کو آمنا و صمد قرار دینے پر مجبور ہیں۔ تہذیب و تمدن کے الفاظ میں مشرقی زندگی کی اس طرح سادگی اور ظاہری زندگی بڑی سے نکلا ہوں کو اس قدر چوکا دیا ہے کہ ہمیں مغرب کے نقش قدم کے سوا کسی کا اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ ایشیائی ملکوں میں جاپان تہذیب و تمدن کی سب سے پیش ہے۔ لیکن تہذیب سے وہ بھی اپنے اس کمپن کی کوئی دست کا ایک جزو سمجھتا ہے۔ مغربی تہذیب کی تعمیر ہوں کو مضبوط کرنے کے لئے وہاں بھی دوسری صورتوں میں کوشش کر رہا ہے۔ اتالیہ تو پریذیڈنٹ کے لئے اس کی مخالفت کی لیکن اب یہ حالت ہے کہ تہذیب و تمدن کو لگتا ہے کہ اس کا مقصد متعلق حکمرانوں کی کتابیں ان صورت میں شائع ہوئی ہیں۔ جاپانی کھٹے کے لئے ان عہد کے مائیکہ راستہ بھی تیار کر کے پیش ہے۔ اس وقت تک ملکوں کی تعداد میں فروخت ہو چکے ہیں۔

پریذیڈنٹ انڈیاں اور جو ایک ممتاز انگریز زبان اور ہر صورت میں اس طرح کے بہت عام ہیں ان کا خیال ہے کہ دوسری صورت جاپانی زبان کے لئے وہ قدرت انجام دیتے ہیں بین الاقوامی اشارات سمجھ سکیں نہیں دے سکے کیونکہ جاپانی زبان جدیدہ اور بڑی پائی جاتی ہیں جو کسی اندر زبان میں نہیں ہیں۔

فرانسیس ترکی معاہدہ جس کی دس سے ان دونوں ملکوں کے تمام اہم مسائل کو فیصلہ ہوتا ہے، انکو پہنچ چکا ہے۔ اب کچھ عرصے بعد پیرس میں دوسرا وفد تہذیب و تمدن کی اور اس وفد کے آخری میں کاغذات پر لکھ کر ہونے کے ساتھ مغرب پر جاکر ایک بین الاقوامی کے جدید طور پر عمل لے کر فرانس کو معاہدہ پریشان کر دیا ہے۔ کیونکہ اس کے خیال میں بیرونی کارور اس معاہدے کی تکمیل کے اطمینان سے کہیں زیادہ پریشان کن ہے۔ انکو یہ بھی پڑے کی تعمیر اٹالیہ کی زندگی ہوں پر مبنی ہے اور ترکی انفرس کی تربیت اور بھی پڑے کی نگرانی کے لئے اٹالیہ پوری مشرق کی خدمت میں کو پیشہ وازنیں برقرار رکھنا حاصل کی گئی ہیں۔ یونان اپنی ہمسایہ ترکی کی اس تباہی سے خائف نظر آتا ہے اور اپنے جتنی پڑے کی تعمیر رکھنا چاہتا ہے اس کے لئے میں دینا چاہتا ہے۔

اطالیہ اس امر کو بھی فراموش نہ کرے کہ یونان کے ساتھ بھی اس کے درمیان دوسرا معاہدہ ہے جن دونوں ہی ملکوں میں اور ترکی کے تعلقات کو بگاڑنے کے لئے کوشش کر رہا ہے۔ چنانچہ اگر اس کا کام ہو گا تو اس کا مقصد آئینہ جب مجھ سے ملے گا تو اس کی طاقت اس کے اشارات کی سرگردی میں اس کی کثرت ہو جائے گی۔

پارلیمنٹ کی تہذیب و تمدن

انتخاب سے پارلیمنٹ میں چند عہدید اور حسب خصوصیت کا

انتخاب سے پارلیمنٹ میں چند عہدید اور حسب خصوصیت کا

میسوینی

میسوینی ایک گنام گاؤں میں ایک ہمارے گھر پیدا ہوا جو خود بھی عمر بھر ان منظم انصافیوں اور حق تلفیوں کے خلاف لہذا دت کرتا رہا تھا۔ جو اس نام نہاد مذہب میں قانون کی رو سے راجھی جاتی ہیں اور اسی بنی فوج کے نام پر اس کا نام رکھا گیا۔ جس نے غالی امریکہ کی سرزمین میں آخری شمشاد کی حکومت کو پالاک کے کیس کی صورت میں قائم کر دی تھی۔ گوارا سے لیکر اس کی برادری اور تربیت ایک انشرا کی روشنی میں کی گئی تھی۔ جو اس کی زندگی میں سے وہ غلط اور تباہ کن جماعتی سیاست کی خوفناک اور غلطیوں میں کود پڑا۔ اور ایک مالدار شخص کے مقابلہ میں بائیسٹ کی نشست کیلئے باؤساں جہاں اور ان کا کم کو شش شروع کر دی۔ لیکن ان کا بیانیہ انتخاب کو غلط اور ناجائز خیال کہتے جو نے غلط غرض کے لیے بے پناہ جذبے کے ساتھ اس نے انتخاب کے مستحق کو کہا پاس کر دیا اور قانونی مسئلے سمجھنے کے لئے سولٹر رینڈ کو بھاگ گیا۔ لیکن اس کو شش اس میں سولٹر رینڈ کے رباب مل و عقد سے اسے زیادہ تک نہیں دیا۔ ان کے خیال میں یہ شخص نہایت غلط ایک اصول کا حامی اور ان کا پھیلنے والا تھا۔ یہاں سے ہم کو سکی اور میریٹی کی حالت میں بھاگ کر فرانس اور آئرلینڈ میں پناہ گزین ہوا۔ یہاں وہ ایک زور کی مانند کام کرتا اور مادیوں کو بھرا مٹا اٹھا کر دیتا تھا۔ نہایت بھر کھا، لہذا نہایت کام کے لئے ملکہ۔ اکثر اوقات ہم کو سربا کے متنازعہ و سختی آسمان کے نیچے کاٹ دیتا۔ لیکن عموماً اس کے صلے میں حصول علم کی تربیت تھی جب اس کے ساتھ کے فروریوں میں مصروف ہوتے یا کالی سے پہلے وہ اپنے دو سیاستمدار کی کتابیں اور برٹسے برٹسے انقلابیوں کے حالات پڑھنے میں محو ہو جاتا

ملا وطنی کی مینا ختم ہوتے پر واپس آیا تو اس کی حقوق کے مطالعے کیلئے ایک انشرا کی اجارہ جاری کیا جس کو اس کی پرورش اور شعلہ سرگرمی کی وجہ سے نمایاں کیا گیا۔ جو ان کے اوقات وہ گرفتار کیا گیا اور قید خانوں میں بند کر دیا گیا۔ وہ باہر تھوڑا دیر پناہ گزینوں میں اس کی تشہیر کرانی گئی۔ مگر وہ میں اپنی جماعت سے نکال دیا گیا۔ کیونکہ اس کی وطن پرستی کا جذبہ کسی کی جماعت کی عقیدت سے کہیں زیادہ مضبوط تھا۔ جس کی سرگرمیاں مع قوی تعصب العین کے مطابق نہ ہوں۔ اس کے عقیدہ مند و متوسل آشادوں اور شاگردوں کی طرف سے اس پر بخار دی اور غارت خانہ کی کے الزام لگائے گئے

اس سے پیشتر میرے ذہن میں میسوینی کی ایک خود ساختہ تصویر تھی لیکن یہ کوئی دلکش یاد غریب تصویر نہ تھی بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک کسی شخص سے لینے نہیں میں اس کی ایسی تصویر نہ بنائی ہوگی۔ میرے خیال میں وہ ایک یو یو بورت چوڑے شانوں اور بچے زساموں والا انسان تھا۔ اس کی تانیکہ اور خوفناک اردوں کے نیچے دو انگارہ کی غصہ نیک آنکھیں فروں تھیں۔ جن کے تصور سے ہم میں ایک لرزہ خیز لرزہ دوڑ جاتی تھی۔ جس سے ہمیشہ زور و فکر کی افسروں کی اور روح کی تباہ کاری کھلتی تھی۔

میں یہ کہوں گا کہ ایک کسی شخص سے اس کی اس قدر عیب تصویر لینے تصور میں نہ پہنچی ہوگی

لیکن میں افسد کرتا ہوں کہ مجھے تصویر کی اس قسم کی پیکر نگاری پر عذر دہما جائیگا۔ جو گور میں سے اتنے خود خویش نہیں بلکہ اعلیٰ آرٹ کے فنون کو سامنے رکھ کر بنایا تھا۔ کہ سال میں میرے حبیب میں متواتر کئی اظہار میں ہاں تک قدیم فن تحریک کے کھنڈات پر اس تصویر کے نہایت ایک نگاہوں اور حشاشہ انداز میں اسروں کو گھورتے دیکھا تھا۔ ان تصاویر کی دیواروں پر اس قدر کثرت تھی کہ وہ نادانستہ طور پر ذہن میں نقش ہو جاتی تھیں ان سے بابت بھر جگہ بھی بچی ہوئی تھی۔ چنانچہ میری میسوینی کی تصویر میں بھی دم و سوردی کے جذبات نہ تھے۔ میں یہ بھی کہنے کو تیار ہوں کہ میں انوں کو دیکھ کر نہیں اس کی شکل کی ہے ان میں بھی یہ جذبات نہ تھے اور لہذا خود میسوینی کی تصاویر میں تو میں نے دیکھا تھا کہ صورت نہایت میرے۔ زسام چوڑے ہیں اور ایک ہاں دوسرے جھیلے ہوئے قریب لگانا چاہتا ہے۔ جس سے کے انداز و پیشانی کی کشنوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوڑائی کیلئے لگا ہوا۔ لیکن اس کی زندگی کے کارنامے نمایاں تھے جو ایک بدستی تصور بنانے میں میرے بہت حد تک شریک ہے۔ لیکن اس کی زندگی کے جو کچھ کی طوفانی ہوجوں پر غور کرتا تھا جو طوفان غضب میں دنیا کی انصافیوں اور دوزخ باغیوں کی ہلچل و پھول و رشوت سے لگ کر ان کی تفسیر اور ان کی پھرتی کی بجائے ان کو پاس کھینچنے کے ذریعہ پکلی تھیں۔ میری روح ان کی جذبہ شوق میں محو ہو جاتی اور خیال کا مرکز پیکر نگاری میں لگ جاتا تھا۔ لیکن ان کا نام لکھا نہیں جاسکتا ہے۔

ایک مجاہد ہے جس نے محبوس ہمدی میں جہنم لیا ہے۔

اس سرگرم طرز زندگی اور حیرت انگیز حالات کے آدی کو اصول کا بنکا متعصب و خوشنظر ملک مطلق العنان اور اس کے انداز کو ٹھکانا کیوں نہ بناتے؟ اور اختیار کیا ان کی وصیت سے پرہیز ہو کر جو نامعلوم تاروں سے مطلق العنان شجروں کی مغرب غذا رہی ہے بس بولینی اپنی کامرانی کی کامیاب ترین ساعت میں آخر کیوں ٹھکانا انداز اور آگے بڑھی ہوئی گئی تاریک بروڑوں کے سایہ میں تیر چلی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اپنے سے چھوٹا آدمیوں کو چٹائی کے ایک سرے سے لڑنا دیتا۔ اور قدیم قیصر کے اوانوں کی نشست پر کجا طور پر چمن بہر کو ایک جدید قیصر کے شایان شان ہوا دکانہ کارنامے سر انجام دیتا؟ ایک فانی انسان سے جو اپنی مختصر زندگی کے نصف حصے میں ایسے کام کرے اور اس قدر جتنی زندگی شروع کر کے ایسی مدت پر پہنچ جائے کہ حق کو قیاس کی جاسکتی ہے کہ وہ خود غرضی اور خود ستانی کے جنوں سے محفوظ ہے اور بیسویں کی طرح سیدھی چھبکیوں میں نہ پڑتا ہے؟

یہ خیالات تھے جو میسولینی کو دیکھنے سے پہلے میرے ذہن میں تھے۔ لیکن اس معنوں کو معرض تحریر میں لانے سے صرف دو روز بیشتر بیکار پڑنا ہی طبعی رفاقت کی کٹھن لئے فوٹس سے رو گیا۔ وقت پہلے سے مقرر کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ اس وقت اور اسی مقام پر میں نے اپنے تمام خیالات پر نظر ثانی کی۔ جو میں اس کی شخصیت اس کی ذہنیت اس کی جبلتی ڈبل ڈول اور روحانی امکانات کے متعلق رکھتا تھا۔

ہدایت کے مطابق میں وقت مقررہ پر پہنچی میں میں پہنچا جو کچھ کل کیوری نال سے جہاں بادشاہ رہتا ہے پر حکمران حکومت اطالیہ کا حقیقی مرکز ہے۔ کسی معمولی شاہی محل سے علاوہ اس کے میں جن پر تکلف و اب و مراتب کا بندھونا پڑتا ہے یہاں اس کا عشر مشیر بھی نفاذ آتا تھا۔ یہاں کے ہر کام میں آزادی کی وہ دلکش شان نمایاں تھی جو ایک معمولی امریکن کو دفتر میں ترین طور پر مشائش کے بغیر نہ سکتی۔

وہ ان سے قریب پہلے فرش پر ایک محراب کے نیچے جس کی اسٹیف پر ایک جھنگے والا صحن تھا اور قریب ہی متعدد موٹریں قطار میں کھڑی تھیں۔ دو یا تین اسپیکر ایک ایک سرکاری عہدہ دار سے اس وقت شہری لباس میں خطاب کر رہے تھے۔ باوردی آدی بوجھنے کے لئے آگے بڑھا اور قدیم ہمدی انداز میں سرگرمیوں سے پھر راج کر لیا۔ اپنا دامن ہاتھ آگے کو پھیلانے سے مستحکم کیا۔ میں اطالوی زبان نہ جانتا تھا اس لئے میں نے وہ تاریخ حال کر دھا دھا مجھے فلوئس کے چہرے پر پڑا

غنا و گوس میں اس کو ذلیل و سوا کیا گیا اور نہایت فحش اور نکو اموں کی تسلیع اس پر ملت کی گئی اور ۲۹ سال کی عمر میں صرف ایک رات کے مختصر سے عرصے میں ایک ہزار اور تیر جان کے رتبے سے گزر کر محض ایک بے بارو مد کا واسطے خاندان انسان رہ گیا جس پر ہر طرف سے نفرت و حسادت کے تیروں کی پھیلاؤ ہو رہی تھی۔ ایسی وقت اس نے اتحاد یوں کی طرف سے جنگ کرنے کی تائید میں ایک اور اخبار جاری کیا۔
... آتش فشاں مقالات لکھے مگر جیسے ہوئے علامات نشان کے تمام نیا نیاں پر نہایت وحشتانہ حملے کئے جاتے اور آدھی رات تک بجے اٹھنا اور دل سرور جلسوں یا کھلم کھلا نفاذ کے مجموعوں میں دور رس سے دھواں دھانہ تقریر کی جائیں۔ لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو اسے ایک ضاکر کی حیثیت سے متعدد اکمیشن (مدرسہ) میں ہو کر کلاس کے حق سے محروم کر دیا گیا۔ آخر کار وہ پیدل دستہ فوج میں مولوی عہدہ دار کی حیثیت سے بھرتی ہو کر نہایت جرأت و شجاعت کے ساتھ لڑا۔ اطالوی کے دوران میں توپ کا ایک گروپٹے سے اس کے جسم میں ایک سوزخم آئے۔ جسم سرے پا ڈال کر چھلی ہو گیا۔ اور وہ اطالوی کے ناقابل ہو گیا۔ بیماری کی حالت ہی میں اشتیاق (پائونیر) اور "سٹریٹ" دوی والوں کی سوت ضلعت شروع کر دی۔ اب یہ حالت تھی کہ کبھی بے کار اور کمر و رشاہی خاندان کو طاعت کی جاری سے اور کبھی صلح جماعت کے تار و پود سے جارہے ہیں۔ اور آخر کار جدید المالیہ کے تاریک ترین لحوں میں تنگ جگہاں خوشخوار اور عقل و غارت کرنے والے باشندوں کی برحق ہوئی ہو کے نہایت جس کے لئے پیڑ و گڑبے سے سراپا بہر پہنچا جانا تھا اور جس کی آبادی لینن اور ٹروٹسکی کی کہے تھے۔ شرفا کی بکھری ہوئی خاتون کو نظر کرنا شروع کیا۔ اس کے اندر بھی ہمیں سہا پڑشوں کے کپتان کے لباس میں نظر آتا ہے اور فوراً جدیدی نقاب فیصلی پہن کر منہ بند ۴ کا بے حلیف کا تار بن جاتا ہے۔ اسے ہ اطالیہ کی اس تمام آبادی کی اسر پند طبعانی کا قائد اور اہنما تھا جس نے اس کو اس کی جالیوں میں سالگرہ سے پہلے اطالیہ کا وزیر اعظم اور ملک کی فسطوں کا ناک بنا دیا۔ اس وقت اس کے ہاتھ میں وہ طاقت تھی جس کے ہونٹوں میں سے کسی کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ لاکھوں کی تعداد میں پت پستوں کی کسی عقیدت کے ساتھ اس کے نقش قدم پر چلنے والے اس کے ہر فعل پر چستین و آفرین کے غریبے لگاتے۔ نہ خراشاں میں کرتے اور جالیوں میں لگے رہتے مختصر اور سادہ الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ زمانہ قدیم کا فیصلہ انی اور گذشتہ دور کی بنیادیں تریں انسانی سہتی چند دھریں صدی کے مسیحی مکتول کا

عجیبہ نمیل کے پیشرو و اکثر کی طرف جلا جاتا تھا۔ لیکن اس کے سلام کے انداز میں کوئی ایکڑوں کی سی بات نہ تھی۔

اس نے میرے ہاتھ کو مات گرجو محشی سے واکر صاف ٹکرا اور نہایت سادگی سے صرف یہ الفاظ کہے کہ اس آپ سے ملکر بہت خوش ہوا ہوں۔ وہ اصل صورتیات کے لحاظ سے قسمت ابھی طبع گزری ہوتا تھا۔ لیکن گفتگو کا سب و لہجہ اس شخص کا سا تھا جس نے انگریزی بولنے والی اقوام کے افراد سے ملنے کی بجائے اسکول کے نصاب کے زبان سیکھی ہو۔

”آپ اٹلاوی زبان جانتے ہیں؟“ — ”نہیں!“
 اُس نے پوچھا اور میرے سر ہلانے پر خود ہی جواب گھرا لیا۔
 ”فرانسیسی — شاید؟“

میں نے اسے بتا دیا کہ گذشتہ چند موقوفوں پر میں نے فرانسیسیوں کی کوشش کی تھی لیکن چند مہرمان فرانسیسی احباب نے مجھے تسامع آمر الفاظ میں نفین دلا دیا کہ میں فرانسیسی نہیں ہوں! ”اُس نے کلام انگریزی میں گفتگو کر دی۔ لیکن آپ باطل آمر نہ ہوں تیز نہیں ورنہ میں سمجھ نہ سکوں گا۔“ آپ تشریف رکھنے کا ذمہ کلفت ہے۔“

حیدر مجھے وہاں لہجہ راہ تھا جہاں اس کے منہ کے پاس دو سوغت اور اونچی کرسیاں بالمقابل بڑی تھیں مجھے اس شخص کا جائزہ لینے کا ایک اور مختصر سامو ق مل گیا۔ میں نے دیکھا اس کے ہاتھ تھپتھپاتے اور بخلا رہے تھے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک منفی باصور کے حواس تھا کہ مجھے دکھ اُس جہاں کہہ دو رکے جو ایک زمانے میں نہایت محنت اور شفقت سے اپنی روزی کھاتا تھا۔ اُس وقت اُس کی کلاریٹ کے غیر معمولی چوٹے کفوں کی تکن و جھجھکی میرے ذہن میں آگئی۔ میرے خیال میں یہ ایک قابل معافی ذاتی خود مافی تھی۔ کیونکہ بڑھے ہوئے چھوٹے کفوں سے اس کے جوہر صبر تھا اور میرے معلوم ہوتے تھے۔ اس کی جلد میں ایک خفیف سی سہری ناک جھلک تھی جو برہنہ کا کام دے زیادہ غور و مشکر کرنے اور مدد کی کسی نرم باری سے پیدا ہو جاتی ہے یہ کوئی صحت کی علامت نہ تھی میرا خیال ہے ڈاکٹر اس رنگ کو خرابی صحت پر محمول کرے گا۔ لیکن اگر اس سے قطع نظر کی جائے تو اس کی کر مضمبوا اور ہڈیوں کی سی تھی۔ سید گھلا اور شاہ نے مجھے کہتے ہوئے ناگہان اور بازو قوت اور طاقت کے ساتھ حرکت کرتے تھے اور کاش کاش جودہ ایک اٹلاوی کی حیثیت سے بہت کم استعمال کرتا تھا لیکن انھیں

کے ایذا کی ناک کی طرف سے وصول ہوا تھا۔ اُس نے گسے پڑھا اسکالہ اور قہقہے جھمک کر دہاں ہاتھ کے زراغ زینہ کی طرف اشارہ کیا۔ دوسرے خرس پر اُٹھے ایک اور شخص عاجیاس اور خان سے عرض کی سلام ہوتا تھا وجہ مخفف فہم گروشن میں سے طاقت کے کرے میں سے گیا جہاں کوئی ایک خرافہ متانت اور دو قانسہ جانیدہ سیاست دان معلوم ہوتے تھے۔ خاموش لیکن منتظر بیٹھے تھے۔ ان حضرات کے پاس سے گذرنے کے بعد بسلا عرض بھی واپس آگیا اور دوسرا میرے ساتھ چلا گیا۔ اس کے بعد میں ایک وسیت ایوان میں سے گذرنا پڑا جس کے اختتام پر ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ یہاں میرے رابہرے اس کے منبہ و زاہ کی طرف اشارہ کیا اور نہایت پراسرار طور پر غائب ہو گیا۔

میں کسی برونی کرے یا فریم جانے کی امید پر اندر چلا گیا لیکن اس کے بجائے میں نے اپنے آپ کو ایک وسیع ایوان کی دیوار پر کھڑے پایا۔ جو نہایت مختصر طور پر رستہ تھا اور پھر خالی نظر آتا تھا۔ یہ ایوان یقیناً سترف برع ہوگا۔ تہجے طور پر میرے مقابل ایک کونے کے درجے کے پاس دو باروں کے ناوے سے لگا ہوا ایک لمبدا اونچا چار سلہ سلہ کیز تھا اور اس کے پیچھے سے ایک شخص ساکت بیٹھا میری طرف منکلی لگائے و یکور ہاتھ۔ اُس کے اور میرے سوا دوسرا کوئی متنفس اس کمرہ میں نہ تھا جب میں آگے بڑھا وہ بھرتی سے اٹھا اور مجھے قدیم رویہ طور پر سلام کیا۔ اور جو کہ میں اُس وقت تک اس رسم سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ میں نے بھی اُسی انداز میں سلام کا جواب دیا اور پھر جب وہ تیزی کے ساتھ میرے میری طرف آقا میں نے پہچان لیا کہ وہ میوینی ہے۔

اسی مختصر عرصے میں جب ہم ایک دوسرے کی طاقت کے لئے بڑھ رہے تھے میں نے اور چرس بنجی دیکھیں۔ میں نے دیکھا اور تعجب و حیران کی ایک سنی کے ساتھ دیکھا کہ وہ چھوٹے ڈکا آدی ہے اور اس بجائے کے مطابق جس سے ہم لڑیں میں بوجہ تک پہنچے مجھے مردوں کی پیمائش کرتے ہیں نہایت چھوٹا آدی ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ بی کی کی دھش تیزی اور شان کی دلفریبی کے ساتھ چلتا ہے جو اگرچہ اس کے لئے باکل فطری اور تصنع اور بناوٹ سے نہایت ہے۔ لیکن مختل رقص و سرود کے کسی پیکر ناز کے لئے اس کی زندگی کی کار کہ جس بامدوں سے ملتا ہے اور متوازش کا نتیجہ ہوتی اس کے لباس کو دیکھ کر جو درجہ فعالیت کے علاوہ ایک منہ جٹوں کے کوٹ۔ استری شدہ خوبصورت پا جاسے سیاہ ہڈیوں اور نہایت چمکدار جوتوں اور استیوں کے وہ غیر معمولی طور پر پورے اور مفید کتان کے کفوں پر مشتمل تھا۔ فہم فوراً کسی

جسائی طور پر پسیدہ اور چاق جو نہ شخص کی کسی قسم -

یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی کہ میسولین کیوں اپنے ماتحتوں سے زیادہ حوصلہ رکھتا اور تندہ رہ سکتا ہے۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فوراً فیصلہ کر لینے کی قابلیت کے ساتھ اس کو قدرت کی طرف سے انعام اور محنت کا پیش معاقل پر مشک علیہ بھی ملا ہے۔ اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کر دینا چاہیے کہ وہ بہت کم غذا کھاتا ہے اور نہایت پرشقت کاموں میں بوجھلانا - گھورتے کی پشت پر سوار سی کتا اور شہزادی زنی وغیرہ میں مصروف رہتا ہے۔ اور اپنی خلعت کے آگے اس میں سارے بھی اچھی طرح بجا سکتا ہے۔

ہم دونوں اس طرح بیٹھے تھے کہ ہمارے زانو تو بچا ایک دوسرے سے جھوٹے تھے۔ شا کے آفتاب کی کرنیں اس کے شانوں پر پشت کی طرف سے پڑ کر جھرے کو اور بھی نمایاں کر رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر میری حیرت کی ایک بار کھینک پڑی کہ اتنا زبردستی کسی کی پیشانی آگے کو بھیجی یا بھری ہوئی نہیں بلکہ وہ ایک فلسفی یا طالب علم کی پیشانی کی مانند خوبصورت مستقیم اونچی اور ہموار تھی۔ سامنے زیادہ بال نہیں تھے اور کپٹیوں کے پاس جاکرنٹ ہو گئی تھی کھڑا صرف پیچھے سے کچھ ابر کر رہا کرتا تھا کہ وہ ایک بہت قدیم متعل مراح اور ان ملک جا رہے۔ اس کا چہرہ چوڑا اور بڑھلا تھا اور اگر اس غلی نہیں کہتا تو اس کے ہونٹ نازک، چمکدار اور ایک فصیح بیان خلیب کے ہونٹ تھے لیکن ان سے شریبے بن۔ تجربہ کاری، خرافت اور بہدردی کی ایک جھلک نمایاں تھی اور وہ خفیف سی خرافت کے ساتھ کنارہ پر چمکے ہوئے تھے۔

لیکن آنکھ ذہنی اور ادنیٰ کی صحیح آئینہ دار تھی۔ نگاہ تیز اور خندا جانتا ہے کس قدر تیز تر اٹھتا ہے اور پھٹنے والی تھی لیکن یہ دیوانہ سرور غضبناک اور دشمنانہ آنکھ تھی بلکہ بڑی خشک آنکھ تھی جس میں عروت اور بہدردی ہی ہوئی اندر کی اور پھر دہائی جاتی تھی اور اگر یہ نہیں تو میرا اندازہ مثلاً علاء عباس جس جانتا میسولین کی آنکھیں انسانی کردی سے اس بہدردی ہی قوت اور نرم اور دراک اور مضبوطی دار لے کے آثار بھی موجود ہیں جو لیکن کی آنکھوں میں پلٹے جاتے تھے۔

اس سے پیشتر کو میرا گرامر کا مذکر کہوں میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگر میسولین اٹالوی نہ ہو تو کیا کہ جو ہم سے خدایتا سانی سے ایک شامی اٹھا سکتا ہے۔ میں میرا ہوں اٹالوی لیکن خصوصاً پادری اور ہمارے عورتیں شکل و صورت میں اس قدر کیوں بہدردی معلوم ہوتے ہیں اور میسولینی تو اگر سو فیصدی بھی دیوی ہو تو بھی چہرے کی سفاقت سے شامی اسل کی نظر آئے گی۔ یہ بھی

ہو سکتا ہے کہ یہ محض میرا ذاتی خیال ہو۔

وہ آپ نے مجھے کھانا کھا کر اٹھا کر چڑھا جاتا ہے۔ آپ مجھ سے ملاقات کرنا اُس سے کہا "جناب" میں نے جواب دیا "میں یہ سمجھتا ہوں" "خوب" اُس نے کہا "یہ انشورون نہیں، قوم آزاد کی سے حریف نکالنا کی طرح گفتگو کر سکتے ہیں اگر خدا خدا ہو تو آپ سے چند امور کے متعلق وچو سکتا ہوں"

چنانچہ اُس نے نہایت بے تعلقی اور بے باکی سے ایک تجربہ کار تیرانداز کی طرح جو سیدھا ہاتھ پر تیراٹا رہا ہے پوچھنا شروع کیا۔ وہ امریکہ کے صدر کال پیری راے دیاخت کرتا جاتا تھا۔ اُس نے امریکہ کی بڑی بڑی زندگیوں کے متعلق پوچھا اور وہ ایک کے نام بھی لے کر پوچھنا شروع کر کے متعلق سوال کیا کہ اگر امریکہ میں اس کا وہ جو ہے تو اسے کس قدر خطرناک خیال کیا جاتا ہے۔ امریکہ کی اندونی اقتصاد دی حالت کیا ہے۔ اور مختلف مسائل میں ہماری قومی حکومت کا کیا موجودہ طرز عمل ہے۔ میرا خیال ہے میں نے اس کے ب اور لیور اور انداز گفتگو میں امریکہ کے چند اداروں کے متعلق مع و قویف کی ایک لہر دوئی ہوئی محسوس کی۔ ابھی تک میسولین نے ہماری کھلم کھلا تعریف شروع نہ کی تھی۔

یہ جواب سن کر وہ اپنے سر پر ایک سوال کو فصح اور بلند اشارات سے واضح کر رہا تھا۔ میں جس جانتا تھا کہ تقریاً آزاد اور ہم کو جس طرح میں آگ لگانے والا میسولینی تقریر کے وقت کسی کی متاخرین اور بدینہ وراثہ جاس اعتبار کرتا ہو گا میں نے بھی میسولینی کو عوام میں تقریر کرنے نہیں کھنا۔ اس نے نہیں کہہ سکتا اس وقت اس کا طرز عمل کیا ہوتا ہو گا۔ اور وہ نہایت کے کس قدر شکن مہول کر رہے کا دلاتا ہو گا اور اپنے دوستوں کو بیدار اور آواز دہا کرے اور مخالفین کو ڈرانے دھمکانے کے لئے منہ بھانڈا حرکات کا مظاہرہ کرتا ہو گا۔ لیکن میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ اپنی نجی گفتگو میں بہر شرم کی انہستہ حق شکن حرکات۔ آواز کے پھر اور ہفت سے قطعاً آزاد ہو گا لیکن اس سے میری یہ مراد نہیں کہ اس میں درامیت نہیں ہوتی۔

میں نے آنکھیں لپکا کوئی اٹالوی نہیں کھنا جس میں فطری ذہنیت نہ ہو۔ لیکن میں کہہ سکتا ہوں کہ ہماری تمام گفتگو کے دوران میں اُس نے ایک بار بھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے نصیحت یا ناوٹ ظاہر ہوئی ہو۔ ذوق و شوق سادگی اور گہری دلچسپی کی تو اٹالوی تھی لیکن کوئی دیا کالانہ یا ناوٹ سے پیدا کیا ہوا جذبہ موجود تھا۔

میں نے اپنے علم کی مختصر سی مقدار کے مطابق امریکن لوگوں کے

کی جس پاس کے دیکھا ہوں۔

”بلیب غافل“ اُس نے کہا اور کڑی سی قسم کی آہٹ نکلتی تھی۔ ”جی جی تھی تبھی تبھی جھلک گیا۔“

”وہ آپ اٹھالیس میں چلے گئے تھے؟“ مسوہین نے پوچھا۔

”ہاں آیا تھا“ میں نے کہا۔ ”تیرہ سال ہوئے۔“

”تیرہ سال کی بات ہے۔“ میں ایک بیسے یہاں رہا تھا۔“

”تیرہ سال؟ کیا آپ اٹالیہ کو بلا ہوا ہے جس کے

”بہت بلا ہوا۔ اور بہتر حالت میں۔“

”بلا ہوا؟ اس کی آواز میں شکیا تھا۔“ فراسے وہ کہے۔“؟

”میں نے کہا۔“ اٹالیہ گداگوں سے پرستی۔ ہر طرف

گداگری نظر آتے تھے اور مجھے عاف فریادیں تھیں جو کہ آپ نے پوچھا

ہے اس نے عرض کرتا ہوں جو رومی کثرت سے تھی۔ مجھے تپا گیا ہے۔

کہ بذریعہ ڈاک قیمتی سہتا بھیجیں غلط سے خالی نہ تھا۔ یہ بھی کہا جاتا

ہے کہ گاڑیوں میں مسافروں کا حساب زدہ زمین لیا جاتا تھا اور

میں پھر معافی چاہتا ہوں۔ کہ وہ بار بار ریل کی گاڑیاں شیف مار گزرتی

اور لوگوں کا کثیر طبقہ آوارہ تھا۔“ الفاظ کہنے ہوئے میں نہایت اہمک

کے ساتھ اُس کے باتوں کی حرکات و تکرار تھا۔ اور حیران تھا کہ اس وقت

نادانستہ طور پر وہ ایک ماہر اشرافیت بن گیا ہے۔ جب میں نے گداگوں

کا ذکر کیا اُس نے دانش باغ کی پانی سی بنالی اور پھر لڑی برہمی ہوئی

انچھووں کے سروں کو انگوٹھے کی جڑ سے لگا لیا۔ ”جس کا دینا بھروس

مانگنے کا طریقہ ہے۔ جب میں چوروں کا ذکر کر رہا تھا اُس کے ہاتھ جب

کاٹنے کی کسی تیز حرکت میں مصروف تھے۔ میں نے سلسلہ کلام جاری

رکھا۔

لیکن اب گزرتا غائب ہو چکے ہیں۔ چوری کی وارداتیں متعدد

نہیں ہوئیں۔ میں جانتا ہوں اب بھی محفوظ رہتی ہے۔ روگ اب اس قدر

دشمنی اور جراثیم نہیں۔ کچھ دوا زنا بیکرہ، اور گاڑیاں صاف

نہیں ہیں اور ہر طرف جمائی اور اخلاقی ترقی کے آثار نمایاں ہیں۔

انقص میں کہہ سکتا ہوں کہ تیرہ سال پیشتر اٹالیہ ایک سالک تھا جو

محض فکر اور زمین نہ رہتا تھا۔ لیکن اب اس کے لیے کسی فکر مستقبل کا

مساوہ ہے۔ جو میرے خیال میں نہایت شاندار اور عظمت ہو گا۔ اس

کا مفہوم واضح ہے۔ ہر ذرہ دھمکے کے ساتھ تیرہ سال اٹالیہ نے سچی شکل

سے میں مل لینا کی جھک تھی کڑی کی طرف دیکھا جو ایک داپس مچا

لے Panormimist

اخلاق و عادات کے بشمار پہلوؤں پر فتح الوسع و دشمنی والی اور جرأت کر کے

میں ایک تیار پاک اٹالیہ ملک کے اس پار اٹالیہ اس کو کس وقت کی نگاہ سے

دیکھتے ہیں۔ اُس نے تمام باتیں نہایت توجہ اور اہمک کے ساتھ سنیں

اور جب میں نے بتایا کہ ہمیں سے آئے گا نابل ہے اٹالیہ سے اشتراکیت

کو کھڑکے کے لئے جارحانہ قدم اٹھا کر آپ نے انگریزی بولنے والے

لوگوں کو ان کی کے ہٹے ہوئے لوغان سے پچایا ہے اس کا ہر وہ

تکلفی کی سرست انگیز سرکامیٹ سے جگمگا اٹھائیں گے۔

”کیا پروکھشنی جانتے ہیں کہ کثیر اقتصاد امریکن آپ کو کس نام سے

بادکیت ہیں۔ وہ آپ کو اٹالیہ روز نوٹ کہتے ہیں۔“

اس فقرہ پر وہ بہت زیادہ ممنون ہوا۔

اس پر اُس نے کہا۔ میں بہت خوش ہوں اور فخر کرتا ہوں۔ میں

روز نوٹ کا بہت مدد ہوں اُس نے اپنی اٹھالیس ہڈیوں کو ”روز نوٹ

ماقت اور وقت گھٹا تھا۔“ اُس کا ارادہ مستحکم اور غیر متزلزل تھا۔

وہ جو کام چاہتا تھا نہایت قدرتی کے ساتھ کر سکتا تھا۔ وہ وقت کا مالک تھا

اور میں نے۔۔۔ میں نے۔۔۔ یہاں وہ پہلی بار کا اور فوراً لغزب

اور بحث اٹالیہ زبان کا ایک پیشہ چھوٹ نکلا۔ اس کے پہلو سے گزرتی

کی کسی ایک آواز پیدا ہوئی اور اس وقت مجھے پہلی بار ہر اٹالیہ میں سے

ایکے سر کوئی پیدا ہوا گیا ہے۔ یہ گزرتی ہے کہ انہوں نے

سابق پرینٹس روز نوٹ کی تمام خبریں پر میں نے۔۔۔ ترجمان نے کہا۔

پران اوہ میں کہوں میں سے ہیں جو ہر ایک سنسی نے انگریزی سیکھنے کے بعد بھی

میں۔۔۔ مسوہین نے اشارہ سے میرے دہی کو چپ کر لیا اور میری طرف متوجہ

ہوا۔

”آپ اٹالیہ میں کیا کرتے ہیں؟“

”میں یہاں یا فوٹرس میں میرے لئے آیا ہوا ہوں۔“ میں نے

کہا۔ ”آج کل میرا دادا اور میری لڑکی اٹالیہ میں رہتے ہیں۔ ان کا پہلا بچہ

سرزمین اٹالیہ میں پیدا ہو گا۔ پیدائش کی بجائے میں توقع کی جاتی ہے۔

یہی وہ ہے کہ میں یہاں ہوں۔ میرا اور میری بیوی۔“

اس کا چہرہ جگمگا اٹھا اور اس کی آنکھوں میں ایک جھک پیدا ہوئی

”خوب۔۔۔ میں نے سنا کہ نہایت خوش ہوا ہوں۔ میں آپ کو تہ دل سے

مبارکباد دیتا ہوں۔ میرے دل کی بہترین دعا میں اور امیدیں آپ کی

لڑکی اور اس کے خاندان کے ساتھ ہیں۔ براہ مہربانی میرا پیغام اُن تک

ضرور پہنچا دیجئے۔“

میں نے اُس سے سنا پہلی لڑکی کے لئے ایک ایسے فوٹو گراف کی دہشت

اسے سخت نفرت ہے جیسا کہ اس کی طرف سے گیند مارا گیا بھی متوجہ ہے
 میں نے اپنے الفاظ میں اضافہ کر کے ہونے لگا، لیکن بالکل بالکل سخت
 کے وہ چلا گیا وہ سختی اور متوجہ میں ہاں ہے اور آپ میں کہ سنا ہوں تعلیم
 وغیرہ اور صبح قارئین کے لئے اس میں ہاں ہیں۔ وہ ایک اور مسئلہ ہے جو کہ
 تھے لیکن آپ نے ان کی جاہ و سازش فرماتے ہیں۔ وہ دو چیزیں ہیں جو کہ
 تھے لیکن آپ نے ان کو فراموش کیا ہے؟

میرے اس بیان پر اس نے شکر یہ کا اظہار کیا۔ یہ شکر یہ بھی ایسا ہی صدق دل اور اخلاص کے ساتھ تھا جس طرح میرے الفاظ نے پہنچا دیا تھے۔

”ایک بات، اودھ میں گنا جاتا ہوں“ میں نے کہا، ”اس سوال کا جواب میں رومادو عاقبت میں نکلتا جاتا ہوں۔“ لیکن یہ تو گھبرا گیا جاتا ہے کہ اٹھالہ کا ناما میں اس بار آپسے کن کھوں پہلے۔ آپ گزشتہ سال چھ ماہ میں اس کی نئی زندگی کا سوچیں جس اودھ آپ نے اپنی ذات کو اس بار کا دمہ دار بنالیا ہے کہ اٹھالہ کی اور شناخت مائے کی طرف راہ نہائی کریں۔ لیکن فرض کیجئے آپ کا جیسے آج شب کا دمہ نہا سے اٹھائے غرض۔ اٹھالہ کا کیا کھڑ ہوگا؟“

اس کی آواز نہ جوشا ندار لوچدار اور موثر ہے۔ باہگ ڈہل کی ہند
میرے کان میں آئی۔

محب میرزا جواب دیکھ سکے جس۔ اس نے گونج کر نہایت اعماق نفس کے ساتھ کہا۔ "ہر چیز تیرے ہی ہر سے منظر ہے۔ اگر میں زندہ رہوں جدید اطالیہ ترقی پذیر رہے گا۔ اور اگر میں جاؤں تو اس میں کوئی شک و کاوش ہوگی۔ میری جان بخشی کیلئے لوگوں کی تربیت ہو چکی ہے۔ اور وہ تیار ہیں۔"

وہ اصرار کر کے دوا نہ لے تک میرے ہمراہ آیا اور دوا نہ لے پر دوبارہ مجھے معافی کیا۔

”خدا حافظ سائور کو اب اس نے کہا کہ آپ اہل امریکہ کو یہ بتانا مجھ کو جانیے کہ اللہ کیسے۔ اس کیلئے میں آپ کا ستمہ ممنون رہوں گا۔“

میں باہر آگیا۔ اس کے بعدیں کبھی میس لینے کو خوشوار شیر خنک بھینسا یا عقاب تصور نہ کروں گا۔ میرے دل میں اس کا خیال اس انسان اس عظیم ترین انسان کی حیثیت سے ہو گا۔ جس کا دل انسانی ہمدردی کے جذبہ سے

یقیناً ایک انسان کے لئے یہ نہایت تعجب خیز کارنامہ ہے کہ وہ ایک قوم کو
سباہی سے بچالے اور اس سے بڑھ کر حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس کو سباہی سے

منافق زانی اور منافقہ واقعہ انسانیت کو فراموش نہ کرے۔ اگر آپ دریافت کریں گے کہ ایسا

عنیف ہاشمی

آپ بجا ارشاد فرماتے ہیں: ”اُس نے کہا میں عرض ہوں آپ نے
 ناموس کا کٹنا شروع کیا ہے۔ اور میں عرض ہوں کہ آپ نے اس کا ذکر کر دیا
 ہے۔ مجھے امید ہے کہ اپنے واسطے میں سبحان امور کا تذکرہ کو دینے
 تاکہ امر میں جید اطالیہ کو بھی مطلع ہو سکے۔ آپ اُن کو کہنا ہے اطالیہ کے
 حالات مستثنا ہیں۔ اس نے آخری الفاظ کو اس زور کے ساتھ کہا کہ
 وہ میرے ذہن میں خاص طور پر نمایاں ہو گئے۔“

اب میں آپ سے اٹالیہ کے متعلق اس قدر کہوں گا کہ اس نے کہا
 کام اور تعلیم یہ جو ہم چاہتے ہیں۔ یہ ہے جس کے لئے میں کو شاں
 ہوں۔ کام نہ کر رہے اور تعلیم نہ ہو سکتا ہے۔

مہر کی گئی تھی۔ یہ سترین لاکھ عمل ہے۔ میں نے کہا میں جیتنے لگوں گا۔ ہم کافی طور پر جھگڑتے ہیں لیکن میرا خیال ہے ہم اس قدر قلم نہیں ہیں۔ جس قدر ہمیں ہونا چاہئے۔“

”یہ آپ کیا فرماتے ہیں؟“ اُس نے فوٹو گراف پر سٹخا کرتے ہوئے
سراٹھا کر کہا ”امریکا اس قدر پر عظمت ہے۔“

— کیا اس کے پاس حقیقی عظمت کے تمام ضروری ذرائع ہیں؟ —

”میں نہیں کہہ سکتا۔ لیکن ہمیں تنظیم کی بھی ضرورت ہے۔“
 ”تو اٹالیہ بھی منظم ہوگی اور ہم اسے دوڑ بڑو زیادہ منظم کرنے
 جائیں گے۔“

”یہ عالمی پالیسی“ میں نے کہا۔ ”میں نے عرض کر دیا ہے میں ۱۹۷۹ء کی اٹلی کی متعلقہ جنگ کی پینتھ کی اٹلی سے متاثرہ کرہے ہوئے کیا خیالات رکھتا ہوں۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کی مسئلہ طرز کی نامزدگی اور فتنہ جیسی کہ عکس اطالیہ کے تمام افعال انصرام میں دیکھ کر آپ کے متعلق میرا کیا خیال ہے۔“

تیس سُن رہا ہوں!“

دگر تمام امور کے علاوہ ایک راجنما اور قوم ساز کی محنت سے

آپ کے کار ہائے نمایاں کو نظر انداز کرتے ہوئے میں آپ کو دینیائے جدید میں عظیم ترین متوجہ جگہ امت بخشنا ہوں۔“

”متحجب؟“ معلوم ہوتا تھا اس نے لفظ لائے اس کو حیران سا کر دیا ہے۔ اس کی پیشانی میل آگیا اور میں نے اس کے ہرے سے اس کے

بل کے خیالات کو بڑھ لیا میرا خیال ہے اس کا ذہن خیالات کی بومیں
بہتا ہوا اس سرزمین کی طرف چلا گیا تھا جس کی موجودہ سیاسی تعلیم

۲۔ سچا کلاس کے ارتقا کی نشوونما۔ اسکی بہبودی اور سرکاری کا ضامین کر لیا جائے گا۔
کون کون سے قومیں، کلاک و مینڈیٹس، لینن، سیرا“ (ارون)

۷۔ دیر اہوں کا نہ لہ بیو میسوی ہے!

احساس گناہ

گلی کی کڑواہر جا کر میں نے اپنی جیب سے وہ کاغذ نکالا جو میں نے خود کشی کرنے والے کے ہاتھ سے چھین کر چھپا لیا تھا۔ یہ پولیس کسٹمر کی طرف تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ یہ اصلی کتاب الہیہ نہ ہونے چاہئے میں نے ایک پولیس واپس کے بغیر سکواپنے جوڑے کی اندوکی میں رکھ لیا۔ لیکن دل کی ایک آواز مجھے جیج جیج کر رہی تھی کہ پہلے یہ اصل مجرمانہ ہے اور مجھے بھی اس کا احترام تھا۔ لیکن پولیس کسٹمر لگا اس خود کشی کے اسباب سے واقف نہ تھی جو توجہ دے ہی کیا ہے؟

ایک پولیس افسر کے لئے یہ معمولی شے اور کاغذ کا ٹکڑا ایک شہنشاہ ہے لیکن پرسکتا ہے میرے لئے یہ غیر معمولی اہمیت رکھتا ہو۔ اس کے علاوہ غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے مجھے اسے کم کرنا پڑے گا کچھ ناکارہ کی زندگی کا کوئی اخلاقی اصول نہیں ہے۔

میں اُٹنے پاؤں زنجیر کے مکان چل گیا۔ اور دروازے پر دستک دی۔ ایک خادمہ نے کہا نئے ہوئے دروازہ کھولا۔ ملاقات کے کمرے میں ایک اور خادمہ نے جو رو رہی تھی مجھے بتا یا کہ سامنورا اس وقت ملائی نہیں کر سکتی۔ لیکن میں نے اس کی بات پر کچھ دھیان نہ دیا اور اندر چلا گیا۔

پروے کو اٹھا کر جوئے کی بلی سبکو کی آواز سن کر میں ٹھٹھکا کر بھراؤ داخل ہوا۔ زنجیری کی بوی چاندی کی بڑی صلیب کے سلسلے گنڈن کے بل سبک سبک کر رہا مانگ رہی تھی۔ اس کا بیٹا گھٹوئے ہلنے کے لئے آگے بڑھا۔ بیوہ نے کچھ کہہ بغیر بکرہ دیکھا اور دنیا دہ سکتا شروع کیا۔ میری طبیعت کی شیطنت اور بد نظری اس وقت بھی بچی نہ رہی۔ علم والہ کے اس نظارے نے میرے دل پر کچھ اثر نہ کیا۔ میں اپنا ہاتھ آہستہ آہستہ گنڈن کے دلفریب اور جھومرٹ گھونڈنے والے بالوں پر پھیرتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر علم بڑھ جانے والی مسکراہٹ علی لود میں سوچ رہا تھا جو انداز تو مہربان ہے اداس کے ساتھ ہر ایک حماقت آمیز ڈراؤ غوث کا بھی خاتمہ ہو گیا ہے۔ اب میں بے فکر سے ہر آہستہ پر تھکے بغیر اپنے تئیں حماقت کی ایک ساعت کے سپرد کر سکتا ہوں۔ میری

اس واقعہ کو جو میں بیان کرنے والا ہوں اور جو میرے افسانہ زندگی کے ناقابل فراموش پرہو واقعات میں سے ہے ہر ایک سال کا عرصہ ہو چکا ہے ادب میں اپنے تئیں افسانے راز کے اس اقرار سے آزاد محسوس کرتا ہوں جو میں نے اپنے دل میں کیا تھا۔

میں بنگ کے حکمران بادشاہت خارجہ کا افسر اعظم ہوں میں نے ابھی تک شادی نہیں کی اور میں اپنی ماں کے ساتھ رہتا ہوں۔ اپنی خواہ اور اپنے باپ کی جاگیر کی کچھ آمدنی ملا کر میں آرام و آسائش سے زندگی بسر کر سکتا ہوں۔

۱۸ نومبر ۱۹۷۳ء کو شام کے پانچ بجے میں دفتر سے واپس آ رہا تھا۔ میرا راستہ ایڈولین بار کی طرف ہو رہا تھا جو شہر میں شرفاء کی پُر رفتی بستی ہے۔ میں ابھی دیا سرمد کے سب سے اونچے مقام تک ہی پہنچا تھا۔ کہ میری آنکھوں نے ایک رُوح فرسا نظارہ دیکھا۔ ایک شخص نے تیزی سے کھڑکی کھول کر مکان کی تیسری منزل سے مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر اپنے تئیں سرسبز بل گلی میں گرادیا۔ میں خوفزدہ ہو کر ایک لمحے کے لئے چپکھڑا رہا۔ اور پھر ایک اس مصیبت زدہ کو اٹھانے کے لئے جھپٹا۔ یہ دیکھ کر میرے خوف اور ہشت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ خود کشی کرنے والا میرا آشنا بلکہ میں سمجھ سکتا ہوں میرا دوست جارج زنجیری ایک جہاز ان کمپنی کا مالک تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس نے ایک کاغذ کا ایک پرزہ نہایت مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے اس سے پشترت کو دیکھنے والوں میں سے کوئی نزدیک آتا میں نے جلدی سے اس کاغذ کو جیب میں ڈال لیا۔

حمارت کے ایوان میں رونے بیٹھنے کی آوازیں گونج تھیں۔ ایک قانون جو ہم میں سے تاناہ و دہائی اور اپنے تئیں لاش پر گردایا پولیس کے افسر نے صلیب انصر کے رکھا کر دل کو لاش بہتال میں لے جانے کی ہدایت کی۔ جب یہ مددناک مجلس روانہ ہو چکا تو جو ہم لے جو اب تک خاموش تھا بالوں خیالات اور اظہار فحش کا سلسلہ شروع کیا اور ایک موٹر میں انہماک کے کوئی ایک نایب سے بھی موٹہ تھا موجود ہوئے۔

نفس سستی ایک دلکش اطمینان کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ میں نے سوچا: آہ میری مبین بیوہ کا علم ہی اسوقت تک ہے جب تک اس کی باہر پہلے کا صبر یا ایک شک ختم نہیں ہوتا۔ اور کیا آپ یقین کریں گے؟ اس مائی کرے میں مقدمہ لگانے کی ایک جھوٹا خواہش لے بھجے ایکڑا۔ غلام الہ کی اس فصیحک سے پہنچنے کے لئے میں اُٹھ کر اڑا ہوا۔ خاتون صبر کرو:

لیکن ماتم گسار بیوہ نے پھر کر بھی نہ دیکھا۔

میں بھی دروازے تک پہنچ چکا تھا۔ میں نے بد مزہ ہو کر کہا۔ خاتون صبر کرو! زندگی ایک رقص ہے اور موت اس موسیقی کا انجام۔ زندگی کی اس تعریف پر خوشستانی یا کسی قسم کے جذبات محسوس کئے ہوئے میں نے گینو کو پیار کیا اور رخصت ہوا۔

دوسری صبح میں نے اس واقع کو ایک خاص انداز میں ملاحظہ کیا میں اس دن گھر پر آ۔ اور پھر ٹنڈنٹ جنرل دفتر مبادلات خارجہ کا ایک مختصر سارو لکھ کر بھیج دیا اور اس میں اپنی غرضیاضی کی وجہ بیان کرتے ہوئے جوڑوں کے درکار ہوا تھا۔ میں نے حفاظت احیالات منگوائے۔ جہاں زبان کہنی کے ماکہ نرٹی کی خوشی کے واقعہ سے کئی کالم ٹریکے۔ رپورٹروں نے اس کی وجوہات معلوم کرنے میں اپنی تمام تر قوت ایجاد کو صرف کر دیا تھا۔

مالی انفکارات؟ یقیناً نہیں۔ سائنسویزی کے کاواری معاملات ہمیشہ کامیاب رہے ہیں۔ خاندانی تنازعات؟ نہیں یہ بھی نہیں۔ ایک رپورٹر دلکیش اور شاعرانہ الفاظ میں سائنس اور اڈیا کے غانداری کی تعریف کے پہلے باندھ دیا تھا۔ لیکن اس امر پر شبہ یک زبان سمجھ کر دماغی خلل کا نتیجہ ہے یا پھر چون کالم میں بھی مجھے معمولی تعزیت کے الفاظ کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا۔ صرف میں اس کی موت کے بعد سے واقف تھا! اتنے میں امان کر کے میں آئیں اور کہا کہ تین صاحب تم سے ملنا چاہتے ہیں۔

”اماں! انہیں اندر ہی بھیج دو“

تین صاحب آئے اور کچھ کہے بیٹھ بیٹھ گئے۔ ایک مرحوم کا بھائی سائور گینو نرٹی تھا۔ دوسرا ڈاکٹر بیوٹیوٹھی۔ اگینو ارباب شہنشاہیت کا پرہیزگار بیٹ تھا۔ تیسرا افولی اسی اگینو کا کوٹھنٹ دادو محمد خورمہ۔

”فرمائیے؟“

سائور بیوٹیوٹھی نے کہا: گذشتہ شب جب سائور نرٹی کی موت کی المناک خبر شریں شہر ہوئی تو ہماری انجمن کی اختلاف کیلئے جس کا مرحوم بیس سال سے ممبر تھا ایک خاص اجلاس منعقد کیا اور بیٹھ کر کہا گیا کہ تجویز و تفسیر اور کفن کے موقع پر ہم انجمن کے خاص نشان کے ساتھ موجود رہیں۔ قبرستان میں تقریر کرنے کے لئے کیلئے آپ کو منتخب کیا ہے اور ہم اسی غرض کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ہیں۔

ان الفاظ پر میں چونک اُٹھا اور اگر مرحوم کے بھائی کی موجودگی کی بجائے ہوتا تو میں یقیناً قہقہہ لگا کر ہنستا۔ لیکن اب غلغلہ آواز اور اندوہ ناک انداز میں میں نے اس درد ناک فرض سے معذرت چاہنے کی کوشش کی۔

”آپ جانتے ہیں؟ میں نے کہا۔ میں کوئی مقرر نہیں ہوں اور چوش و زویش۔“

”اوہ بیوٹیوٹھی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا: کسی لمبی چوڑی تقریر کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف چند اوداعی الفاظ کافی ہیں۔“

”داعی! افولی نے کہا۔ الوداعی!“

باوجودیکہ نرٹی کے بھائی کی موجودگی نے میری پوزیشن کو نازک بنا دیا تھا۔ میں اس مائی تقریر کے خیال سے متواتر گریز کرتا رہا۔ اور

اس سے بے غائب گمان تھا کہ میں صاف انکار کر دوں۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کوٹھنٹ افولی نے میری پس و پیش پر غلبہ پانے کے لئے ایک مضبوط ترسیل دیں پیش کی۔ جماعتی نظام کی خاطر اس بار کو اٹھانا مجھ پر فرض ہو گیا تھا۔ اب مجھ پر دافع ہو گیا کہ انکار کرنا نہ زیادہ بے حاصل ہے۔ میں تقریر کرنے پر راضی ہو گیا۔ لیکن معاملات سمجھدہ ہو رہے تھے۔ میں دل سے پوچھتا تھا انجمن نے تقریر کرنے کے لئے مجھے کیوں انتخاب کیا ہے؟ ان ایام میں میں اجلاسوں میں شریک نہ ہوتا تھا۔ انجمن کے اراکین کو کسی نہ جانتا تھا۔ مقامی اور قومی سیاست میں دلچسپی لیتا تھا۔ مائی تقریر کا کیفیت وہ ادھم ادھم فوجی کسی انداز سے کیوں نہ سپرد کر دیا جائے؟ لیکن ان لوگوں کو اس قسم کی تقریر کرنے کے اہل ہو سکتے تھے ایک ایک کر کے دیکھتے ہوئے مجھے معلوم ہو گیا کہ ان کے لئے کسی نہ کسی وجہ سے ایسا امکان ممکن تھا۔

لیکن میری طبیعت میں بغاوت اور کیش کا ایک زبردست جذبہ تھا۔ میلاد قدیم ہمارے ”الغابی بیاری کے حنفی تلاش ہیں

تقریر کو ترتیب دے لینا چاہئے۔ لیکن زنجی کے حالات زندگی نہایت قابل اور پریشان ستے۔ کوئی خاص بات قابل ذکر نہ تھی۔ اس کی تمام زندگی خاموش اور پرسکوت تھی۔ عمر بھر میں بڑے سے بڑا عہدہ جس پر وہ فائز ہوا تھا بورڈ آف ڈائریکٹرز انجمن مالکان جہاز کے کی صدارت تھی۔ صبح کے انہماک کا وہ نہیں سمجھتے اس کی وصیت کا کچھ حصہ شائع کی تھا۔ جو اس کے کائنات کے درمیان بانی گئی تھی۔ میں نے اعداد و شمار کو دیکھنا شروع کیا۔ شاید کوئی فیاضانہ وقف مجھے اپنی فصاحت و بلاغت کے جوہر دکھانے کا موقع دے سکے۔ لیکن آہ! یہ بھی ایک سرب تھا۔ بالاسرکئی سرب ۱۱ لاکھ پونڈ کی رقم بکس میں سے صرف دو سو پونڈ ملا جو اس کے لئے ایک امدادی خزانہ قائم کرنے کے لئے دئے گئے تھے شیطان! اس چشما اندازہ تو خوار تنگ دلی نے میرے دل کو خون کر دیا!

لیکن یہ جیسا کہ آپ مانتے ہیں ملاحوں کے بچوں کے خیال سے نہیں بلکہ اپنی تقریر کی کامیابی کے دو سے تھا۔ میں نے اپنی تقریر کو دوبارہ ترتیب دیا۔ چند نوٹ لکھے اور انہیں دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ میری تقریر پر نہایت مختصر ہوگی۔

اس صبح قبرستان میں خزاں کے آخری سوردج کی شغافیں مرمیں کتبوں اور سنگی صلیبوں کو بوسہ دے رہی تھیں۔ جو میں نے ایک صفحے کی صورت اختیار کر لی۔ اور ایک لمحے میں اس موزونیت کے ساتھ اپنی ٹوپیاں اُٹا کر میں گویا اس بات کے لئے وہ کسی اشارے کے منتظر تھے۔ اب چمکدار مرمیں کا ایک سمند غیش نظر تھا۔ میرے ہندہ منٹ کی گھنٹی ہونے والی تھی۔ میں آگے بڑھا۔ ایک ہاتھ پتھون کی جیرب میں تھا اور دوسرا سینوں، پڑو کا لیکن غلغلہ انداز میں آگے بڑھا ہوا تھا۔ جو غن خطابت کے مطابق نامی تقریر کے ہمراہ ضروری ہے۔ میں نے محسوس کیا۔ ہزاروں نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ تلاوت کے تہریب جا کر میں سمجھ چکا تھا کہ ہرگز گیا۔ مردے کا چہرہ دیکھنے کیلئے صندوق کے کپڑے پر ایک چھوٹا سا بیسویں سوراخ تھا جس پر شیشہ لگا ہوا تھا۔ مردے کا تمام سر کفن میں لپٹا ہوا تھا۔ اور سوراخ سے جو کچھ نکلتی دینا تھا وہ مکمل انحصار تھیں۔

آہ! وہ انھیں، وہ سفید آنکھیں جو میں جانتا تھا مجھے گور دی تھیں ناں وہ باریک جھلی کے مہین پر دوں میں سے گور دی تھیں۔ میری سنا نازک تھی۔ میرے دل میں غیظ و غضب کا طوفان اُٹھ آیا۔

تو ڈھرا نہیں! اسے بد قضا؟

یہ غضبناک اور ڈھرا لیکن کچھ میری زبان پر آکر گر گیا۔ کیونکہ میرا

تھا۔ میں تین بار کمرے میں اور پھر ٹھکانا لیکن باقی دانت کی ایک صف میں صلیب کو دیکھ کر جو دلدار پر رنگ رہی تھی میرے دل میں اچانک تین بیوہ کا خیال آیا جو غالباً ابھی تک مسیح کے طویل تقریر جیسے کے حضور میں جو تائبی کے صلیب پر مصلوب تھا خود عالمی ہماری محبت ایک لڑنے ہوئے لڑائی ستارے کی مانند میری دفع کے کا اس پر سے گذر گئی تھی۔ میں نے ان الفاظ کو اکثر بار بار سنی بخش اثر کے ساتھ استعمال کیا ہے، اور مجھے اپنے دل میں اس امر کا اعتراف تھا کہ میں بہت حد تک غریب نرہی کا ممنون احسان ہوں اور مجھے اس احسان کی بڑائی کے موقع پر بے پروائی نہ ہوتی چاہئے۔

اس کے دل میں اپنی بیوی کی وفا شکاری کے متعلق کئی سال سے پوشیدہ شک تھا لیکن وہ اس کی بے وفائی کے ثبوت فراہم نہ کر سکتا تھا۔ ساٹھ سالہ بانیے قابل داد فہم و فراست کے ساتھ محبت کے تمام ظاہری آئنا چھپا رکھے تھے اور اس بد باطن کینہ و رکوباہل نہنہا کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ شہر کی وسعت ہماری ملاقاتوں کی معاون تھی۔

تو کیا یہ بالکل اخلاق کا انخفا — ماں اخلاق کا انخفا نہیں تھا کہ میں ساٹھ سو زنی کی متعلق اپنی مضمونیت اور شکر گذاری کے جذبات کا اظہار کر دوں۔ یہ صحیح ہے کہ اس امر میں مجھے کافی دیر ہو چکی تھی۔ لیکن یہ کس کا قصور تھا؟ بخلاف اس کے کیا یہ نامی تقریر ایک ذلت آمیز دیدہ دلبری نہ تھی؟ سینکڑوں دل گردہ دل میرے غلوں دل کے قابل ہو جائیں گے۔ یہ موقع ایک فائدہ مند اجتماع تھا جس کی حیثیت جس کے ساتھ مستقبل کا شاندار میدان ہو میری شہر کی بنیادیں مضبوط کر دے گی۔ میں خیالی خیال میں اپنے ہمسائے کی خیالی طاقت کا مذاق اڑاتا تھا۔ کلیسا کا وصف افسانہ خیالی خیال و اخلاقیات کا طمس اس قسم کی لطیف اندوڑی کو لیتا؟ ذہنی پستی کی پیدائش کچھ گام اسے تشفی جس طرح کے طالب علموں! اپنا کلمہ تیار ہے سپرد کر جاؤں گا۔

تمام جھگڑ ہو گئی۔ میں نے گھنٹی بجائی خادمہ نمودار ہوئی۔ تینا تینا کل میرے لئے ضروری سامان تیار ہے! سسٹنڈر ایسا ہی ہو گا۔ کھا تا تیار ہے۔

”بہتر! تمہارا سسٹنڈر ہو گا!“
کافی پینے کے دوران میں میں نے اجازت ماننے کا حکم کیا۔ مجھے

تھا۔ نہی میری وجہ سے موت سے ہلکانہ نہ ہوا تھا۔ بلکہ کسی اور کی کاروائی تھی۔ اب اس محفوظ اوقاف اور اعضا تحریر کی وجہ سے میں اس نتیجے پر پہنچنے کے لئے مجبور تھا کہ میرا کوئی بقیہ بھی ہے۔

میں اس واقعہ کو فراموش کرنے کے لئے اپنے جذبات اور احساسات کو مژدہ کر دینا چاہتا تھا۔ میں رات اس خود روشنی کے عالم میں بسر کرتا جہاں تھا۔ ایلیس بائیں مجھے اپنے یقین مل گئے جن کی میں تلاش میں تھا۔ اس رات میں کچھ رنگ رینگ میں غرق رہا۔ اور جب گھر جانے کے اٹھا، تو نو ذہن کی سرسوج بار کے دیکھوں میں سے جھانک رہی تھی۔ میری زندگی نے جو اس دن چارہ بیہوشی میں ہم سے جہانک رہی تھی۔ جوانی عناصر کے توازن کو کھنڈ کر دیا۔ خام کے وقت میں ڈرا چل دتی کیلئے باہر نکلا۔ اگرچہ شروع میں میلادادہ نہ تھا۔ میں وہاں چھپ رہی تھی۔ نو ذہن کے مکان کی کھڑکیاں بند تھیں۔ میں نے دیوار کی طرف دیکھا۔ اس پر اب تک خون کے نشان تھے۔ میں پکڑ لیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں ابھی تک زہنی کو اس کی سیدھی آنکھوں کے ساتھ دیکھ رہا ہوں۔ اب ایضاً حد کی روح نے مجھے میرے عذاب دینا شروع کیا۔ جو تھا شخص کما می تھا؟ یہ کون تھا؟ مبادلات خارجہ پر غریب زہنی کا مقابل اور بارگاہِ لغت میں میرا رقیب آخر یہ تھا کون؟

میں نے ہتھ کر لیا کہ اس کا کھوج لگاؤں گا۔ اس کو معلوم کر دیکھا۔ اس کو میدان میں لکھار دیا اور اپنے تیز چمکدہ خنجر کی نوک اس کے گلے جگہ میں گمار دیا گا۔ میں نے قسم کھائی کہ اپنا اور مرحوم خارج زہنی کا انتقام لوں گا۔ آہ! میں نے کہ قسط مدد دانا، جرأت آمیز اور شاندار کارناموں کے سلسلہ کو اس میں لانے کا ارادہ کیا اور انہیں اپنے ہاوارانہ اور بھلکڑی غلطو غضب کا شکار بنانا چاہا۔

چوتھا آدمی دریا منت کرنے کے لئے زہنی کی حادہ سے ٹھٹھکو کرنا ضروری تھا۔ چند دن بعد میں نے اس سے پہلے مارکٹ کے راستے پر ملاقات کی۔ میں نے اس سے اس کی مالک کی بیعت دریا منت کی۔ اپنی چالاک آنکھوں سے ٹھٹھکی یا نہ کر کے دیکھتے ہوئے اس نے جواب دیا۔ ”سامعہ اچھی طرح ہے!“

تو کبھی مینکا مجھے تم سے ایک نہایت اہم لہر کے متعلق گفتگو کرنی ہے۔ حادہ نے میری اس بڑا اعتماد آزمایا پھر حیران ہو کر اپنی بھوری اور کینہ دور نگاہیں لکھدی کھول دیں۔

”میں کچھ جانا چاہتا ہوں۔ بہتاری مالک کے پس کئی شخص آتا ہے؟“
”نہیں نہیں میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ میں کبھی نہیں جانتی۔“

خیال ہے میں نے ان خوفناک کئی آنکھوں میں ایک خفیف سی چمک دیکھی۔ کیا یہ خفیف تھی یا میں ہی غلط فہمی کا شکار تھا۔ میری اس گھبراہٹ کو بیوقوفی نے بجایا لیا اور اس کا خیال مٹانے کے لئے میں نے تقریر شروع کر دی۔ میں نے مرد سے پہلے لکھ کر بھی بتا دیا۔ گویا میں اسے لگا رہا ہوں اس مافی تقریر کا آغاز نہایت تکلیف دہ تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ میں نے پھر ایک بار اپنے اوپر قابو پا لیا ہے۔ آٹھ سڑک میری فصاحت و بلاغت کے ذخیرے کو محم کرنے کے لئے کافی سے زیادہ تھے۔ میں اپنی اس امید کو ظاہر کرنا بھی بھول گیا کہ قبر کی منزل مرحوم پر آسان رہے گی۔ لیکن میں نے اپنی کھولھی آواز میں لاطینی لفظ ”ویل“ یعنی الوداع کر دیا میں نے آخری نگاہ زہنی پر ڈالی۔ اس کی نگاہوں سے کیا ظاہر ہوتا تھا؟ لغت و حقارت؟ احسان مندی؟ چند لوگوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور سختی دہر کے بعد میں نے اپنے تئیں پھر کڑی میں پایا اور پکار کر کہا۔

”سر سٹ چل کو جوان؟“

دو دن بعد مجھے لکھا گیا کہ ایک رخصتوں میں صرف ایک لفظ لکھا تھا۔

اس وقت میں نے خوشی کا راز معلوم کرنے کا فیصلہ کیا کہ میں نے اپنے تئیں ایک کہے میں بزرگاری اور اس فعل کو انتہائی تقدیر کی گنجائش کا ارادہ کر کے نگاہ میں کوئی وصیت پڑھنا چاہتا ہوں۔ جو میں روکن کیں۔ آہستہ سے میں نے لفظ چاک کیا۔ لکھا تھا۔

”سامعہ پولیس کٹر۔“

وہ اہل سے مجھے خوشی پر مجبور کیا میری بیوی کا دوسرے میں اس کو اس شخص کے ساتھ جو اس کی خود بینی اور خود آرائی کا موجب ہے قتل کر کے کھا۔ وہ مبادلات خارجہ میں پہلے پہل جھٹکا ہے لیکن میں خوشی کو دل و آواز سے پرتوجہ دیتا ہوں۔ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو آپ ان حالات یا راپوں کی ترمیم کر سکتے ہیں جو میری موت کی وجہ ملانے لگا بنائیں۔

سنبھہ ۱۴ نومبر کو بیعت شام۔

جارج زہنی چاک جہاد۔

آہ! آج بھی میرے لئے ممکن نہیں کہ میں ان گونا گوں خیالات کے ایلچے ہوئے تاروں کو کاغذ پر رکھ سکوں جو اس لمحے کے پڑنے سے میری روح کی فضا میں تن گئے تھے۔ لیکن وہ ادھر سے مجھے گونا گوں۔ چٹائیوں کے دیکھتے ہوئے انگاروں پر ٹوٹا دیا۔ ایک نئے مارک کا کتنا

گرفت مجھ پر بھلی ہو گئی۔ اب جبکہ میرا رقیب میرے راستے میں نہیں تھا۔
میں اپنے تئیں غلام خیال نہ کرتا تھا۔

مارچ کے آخر میں مجھے نرہٹی کی بیوہ سے ملاقات کرنے کا خیال
آیا۔ اس واقعہ کے بعد وہ گھر سے باہر نہ بھیجی گئی۔ میرا خیال تھا یہ ملاقات
آخری ہوگی اور اس کے بعد میں مرضِ جنت سے شفا پا جاؤں گا۔

اس بار آؤ اور گرم شام کو لوگ بازاروں میں افسردہ اور خاموش
چل پھر رہے تھے۔ گویا نقصان اور گرمی نے انہیں ہکا بکا کر دیا ہے۔ میں
اپنے خون میں ایک خاموش اور پوشیدہ حرارت کی تپش محسوس کر رہا تھا۔
نرہٹی کے مکان پر جا کر مجھے معلوم ہوا کہ سرائیوارا رشتہ کے متعلق اپنے
خالوئی میں مشیت سے مشورہ کرتے ہوئے ہیں۔ اس اتفاق نے میری طبیعت
کو اور بھی ہلکے کر دیا۔ میں نے انتظار رکرنے کا ارادہ کر لیا۔ خادم مجھے
ایک چھوٹے سے کمرے میں لے گیا۔ جس سے میں اچھی طرح واقف
تھا۔ وقت گزارنے کے لئے میں نے ایک اہم اٹھارہ روپے گروانی
شروع کر دی۔ اس کے پہلے حصے میں معمولی بے حد اور احتیاط
چیزوں کی تصاویر تھیں۔ دوسرے میں عمدہ تصویریں کارڈ تھیں۔ اہم کے
آخر میں ایک کارڈ تھا جس نے فوراً میری توجہ کو اپنی طرف مبذول کیا۔ اس
پر ناستاری کے جہاز لاؤنجا کی تصویر تھی اور ڈاک کی ٹمبر کی تاریخ ۲۵ مارچ
فروری تھی۔ یہ راز معلوم ہونے کے بعد مجھے کے لئے میرے ہاتھ ایک
اور زبردست آواز آئی۔ اس سے میرے ظاہری غریب و غصہ میں بہت
کچھ اضافہ ہو سکتا تھا چند لمحوں کے بعد سامعور نہی بھی آگئی۔

ہم نے نہایت خاموشی سے ایک لفظ تک کہے بغیر ایک دوسرے
کو جھک کر سلام کیا۔

لیکن کونسا ہے؟

میری ایک بہن کے پاس؟

لڑیا ایک میرے مقابل کر کے پر بیٹھ گئی اور مجھ پر اپنی سرواہے ہر
نگاہیں گاڑ دیں۔ میں نے آنکھیں کیا میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ شاید یہ
میرے دل کی آبادی کے تائبک اور بلند درجہ کی آزادی کے لئے پوچھ
ہو۔

”سانجھا میں آپ سے جواب طلب کرنے آیا ہوں؟“

”آپ کو کچھ کس نے دیا ہے؟“

”ہمارے ایام رفتہ نے؟“

”آہ! میں آپ سے بات کرتی ہوں۔ اُن کی یاد تازہ نہ کیجئے۔ مجھے
نستارے اور بدلتا دکھتے ہوئے اس کے نازک ہونٹوں کی شدت سے

میں نے سونے کا ایک سکہ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ خادم نے سامان کی
لوگزی پیچھے رکھ دی۔ حبیب سے ایک بھاری دار و مال نکالنے کے کو
مضبوطی سے باندھا اور میری طرف متوجہ ہوئی۔

جہاز کا کپتان ہنری ناستاری نرہٹی کی خوشی سے پیشتر ساؤند
لڈیا کے پاس آکر آجاتا تھا۔ ————— آپ جانتے ہیں؟

”میکھ میں تمہارا ممنون ہوں۔“

دوسری شام میں اس کا فی خانے میں گیا جہاں ملاج اکٹھے ہوتے
تھے۔ میں نے ساؤند ناستاری کے متعلق پوچھا۔ خادم نے ایک ساؤند
قد اور چوڑے سینے والے شخص کی طرف اشارہ کیا جس کی آنکھیں پچھلے
اور گھٹیا بروؤں کے چھپے چھپک رہی تھیں۔ اس کا پتلا چوکندہ گنگا کا تھا
میں نے فوراً اس کا ادا ہونا متاقل کیا۔ وہ مجھ سے خالی زیادہ وسیع اور
عریں لقیہا ہوا تھا۔ میں نے ہر طرف دیکھا میں وہاں کی تمام چیزوں
سے نا آشنا تھا۔

آدھی رات گئے ایک جہاز کا ایئرٹ جو میرا ڈور کا رشتہ دار تھا آیا۔
میں اُسکو ایک طرف لے گیا اور ناستاری کے متعلق باتیں
دریافت کرتا رہا۔ میں نے اُسے بتایا کہ بیگ کے کاروبار کے لئے اُن کی
ضرورت ہے۔

وہ تباہ شدہ آدمی ہے۔ آخری ضرب دو سال ہوئے جاریج
نرہٹی نے لگا لی تھی۔ ایک عرصے کی رفاقت کے بعد وہ ایک نئے سرے
کے دشمن بن گئے۔ اور ایک دوسرے کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔
تھا۔ لیکن کوئی ناستاری کی شکست کی وجہ نہیں جانتا۔ معلوم ہوتا ہے
خاندان کی بددی گوارا کہ اس کی بیوی کی الفت اور محبت حاصل کرنے
میں کامیاب ہو گیا لیکن یہ عجیب انتقام تھا؟

میں نے ناستاری پر جو ایک دیوتا کے مسکن اور وقار کے
ساتھ ایک موٹا سگار پتی رہا تھا تو غصہ کی ایک نگاہ ڈالی اور
دل برداشتہ ہو کر رخصت ہوا۔

میرا دل نفرت و عناد سے پاش پاش ہو رہا تھا۔ ناستاری سے
زیادہ میرے دل میں جین لڈیا کے نفرت نئی جدوجہد و غم کے لشکروں
میں محصور ہونے کے باوجود حسن و دشمنی کی رنگینوں کے لئے وقت نکال
سکتی تھی۔

دسمبر اور جنوری گزرتے گئے۔ ان ایام میں میں باہر نہ نکلا۔ لیکن
مجھے اس امر کا بھی اعتراف کرنا پڑا کہ جس دن سے ناستاری اپنے
جہاز لاؤنجا کے ساتھ ایک طویل مسند سی سفر طبعاً ہوا تھا۔ محبت کی

مسوینی کی کہانی اُس کی اپنی زبانی

محبت کرتا ہوں جب حکومت کے اڈیشنل نے مجھے منفر لڑکھا تھا۔ تو مجھے ہوائی جہاز کے کچھین کا اعزاز نامہ (لائسنس) حاصل کرنے کے لیے چند اسباق کی ضرورت تھی ایک ماہ میں پچاس میٹر کی بلندی سے گر پڑا لیکن اس معاملے نے مجھے ہر دوا کے اشتیاق سے باز نہ رکھا۔

کسی کی پارٹی کی تقریب پر شہسوار کی کتابھی میرے لئے پڑھتے دیکھ کر
 گدگدا رہا ہے اور بخیر نشانی (جس سے مجھے وہی علامت ہے) کی روش سے مجھے
 سب سے زیادہ اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے علم دیاس کے عالم میں اگن میرا
 رفیق اور دوست تھا تو یہی موت ہے۔

جینٹل مین بیڑوں سے بہہ ہو کر کاموں اور ملکہ کو لٹائی تک سے پہنچا رہا تھا۔
 ہوں تا شہ اور بے تھکوں غلا کر کٹ، ہاکی، فٹ بال، ہاکی وغیرہ سے مجھے قطعاً
 دلچسپی نہیں ہے۔ مجھان کو گلوں کی حالت زار پر رحم آتا ہے جو اپنا غرض وقت
 مال و دولت اور بعض وقت اپنا مصلہ پہنچاتے ہیں کہ کوئی حد کر دیتے ہیں۔
 مجھے اس بات کا کفر حاصل ہے کہ اگر کشمکش عالمہ زندگی میں گھسنے
 تو دل کا اطمینان کھو جائے اور زندگی آزار بن جائے۔ بعضاں کہیں کہ کشمکش
 بخاندے سے چھوٹے دنیا جب صبر و عدم میں عام ہو جائے گا تو فطاری فقاہتیں
 نفس فطری سے فوجی سپاہیوں کو کم کر دیا تھا کہ وہ اس سلطنت کے گلی کوچہ
 میں غلام ہو کر رہیں۔

مصلح فوج جب جنگی گینت لگاتی تھی۔ تو لوگوں میں ترغیب پیدا ہوتی تھی۔
یو ایک ایسا طریق ہے جس سے عوام کو اپنا منہنا بنایا جاتا ہے میں نے اُن
محرم بیٹوں سے بہتر امیر غلاما میں خطاب کیا۔ جو بڑے بہادر اور شجاع تھے۔
”کہ ہم اپنے دشمنوں کو خض و خفا کا کیا انبار بنا دیجیے“

میں اور میری زندگی اس جہیز سے پیش نظر ہے۔ اور جو کچھ میں
 آپ کو کہہ رہی ہوں۔ اگرچہ گڑبڑ کا وہاں نہیں جو میری حکومت کے تحت طوعاً و
 نفعاً کسی ملک کی طرح یا پھر باغداد کو دوسرے دن کی مشغولیت کے انتظار
 میں گزارا کروں گا۔ نفعاً مشکل ہے۔ میں اس پر بہت زندگی کا ایک کڑی نہیں ہوں۔ یہ
 نظام اور میں ایک ہی جگہ سے رہے ہیں۔ لوگوں کے خیال میں جہیز ہرگز شاید
 کوئی اختلاص ہے۔ لیکن میں وہ ہوں۔ جہیز اور درست تقدیر ہے۔ لیکن جہیز
 یا نہیں جہیز کے۔ لیکن وہاں اور جہیز اس خیالات، تمام وقت اور جہیز کے

”میں جیٹ سے لڑا کی تو مگر کسی گھٹت گھٹاؤ کا ہوا میں نے بہت سی میدان
جی ہاں میں کیوں کسی اپنے ذاتی کام کے کی خاطر جنگ نہیں کی میں نے جیٹ
اپنے قریبی افراد کو حملوں کا حصہ تو لوگوں نے بہت سے متعلقوں پر میری تقریروں کی
بے شک کی تھی فاتح کہتا ہے اگر کسی قوم کا محنت و ذہنہ و ان خواتین اور نوجوانوں کی
انقلاب نے میرے دماغ میں سخت بھری کی ہیں ان بے جا تقریروں سے میں
کبھی معذور نہیں ہوا۔

میرے لہذا راجی طاقت اور صلاحیت تھی کہ وہ اس کے فوٹے پر جھڑپیں
 حکومت کی بنا دے کہ تاہم لیکن میں اس سے بچے خبر دے گا کہ اس نے تخت جن
 کے کہ دیکھنے میں حد و کثرت اور شرارت و سازش کرٹ کرٹ کھری ہوئی تھی عین
 اس موقع کی تاک میں بیٹھے رہتے تھے کہ کبھی قید کی کساح میں چلوں۔
 حکومت دیکھ رہی تھی کہ آئین کا قاعدہ عدو کے ذریعہ کیسے بکھر سکتا ہو۔
 میرا معمول تھا کہ برسات کو بکھٹا دو بار دیکھتا اور دوسرا غڑ غڑ دیکھتا۔
 میں اس کی کسی رائے میں کھنکھوں میں کاٹا لیکن وہ رائے خود کو اور اعلیٰ تہذیب
 سمجھنے کے لئے وقفہ کرتی تھیں۔ اس سونے اور پائے والے (پلیٹ) کو جس
 ایک حیدر کا کارنا دیا جاتا تھا۔ جو باہر انوش سے بے جا بار میں پلٹنے کے
 دعوادوں کو کشیدہ کر کے بڑک سکتا تھا۔ غصہ و حسرت (و غصہ و حسرت) کو فٹ تمام کر سکتا تھا۔
 ہوا میں باقی سرخام دیکھنے کی طاقت میرے اندر دولت تھی۔

میں نے ملکی کا ہر فرد پر اس سائیس دہائی کے کڑے حقائق کے بغیر
 حیش کے لئے غراہ دیا کہ وہ ایک بین الاقوامی کونسل کے قیام کے لئے
 مجھ کو اکاؤنٹس کے لئے بھیج دیتا تھا کہ میرے ان تجویزات پر عمل کر کے
 جو ذمہ دار تھے اس سے میری مصروفیت کے لئے صحت اور اضافہ کے خلاف
 بہرہ پہنچنے کے نام پر چل رہا تھا۔ سوائس کے ممبران کی فائینس کے میں نے
 کسی کسی برس کے دیوان خانے یا کسی سودا گری کے دیوان پر قدم نہیں رکھا۔
 میں اس مسئلہ پر مصروف تھا کہ انہوں نے کسی دور باف کی بہرہ نہ لائی
 سنے کیلئے میرے پاس تھا۔ کوئی وقت نہیں تھا۔

میں تمام کمپلیوں سے محبت رکھتا ہوں۔ میں موروث پر دے دے ہے اعتماد سے چلے سکتا ہوں۔ میں نے کئی مقامات کا دورہ کیا ہے جہے گدہ مشق اور بچہ کار مورث جلائے جانے کی قہقہہ کی آغوشوں سے دیکھا ہے۔ جس ہوائی جہاز سے میں

قرار دادوں کی ضرورت ہے۔ جن سے تاریخ عالم میں شہرت پائے گا خیال پیدا ہو۔

میری غایت و غرض بہت ہی مختصر ہے۔ جس انجی کو مہار اقام میں بزرگ معزز زادہ پیس پانا چاہتا ہوں۔ اور اس پر

(سولہوی) فیروز حسن برائے امیر اکمل او۔ ایل

قرت ممکن زندگی کے دائرے میں محصور ہے۔
میرا افسانہ کرنی عام فقر کہاں نہیں۔ جلد وہ اصول حکمت ٹھیلے اور
کسی حکومت کے منتقل کا افسانہ ہے۔
میں اپنے سے کوئی چیز نہیں مانگتا مگر اپنے اقربا کے لئے کسی شے
کا مطالعہ کرتا ہوں۔ نہ مجھے کسی مادی فائدے یا اعزاز اور شخصی رضامندی کی

جذباتِ داسِ مرثوم

جو تیرے ساز کی تانوں میں
دھچپ دھچپ دھچپ دھچپ دھچپ

(۳۵)

آنکھوں سے زمین و زمان کی کٹی
پر صبح کے فوڈیں جلوہ منا
جب آنکھیاں تیری چھپڑی ہیں
ہیں کرتی مست سمندر کو
کرتا ہے سروں کو بلند اگر
بائیل سی ہے پڑی آندھ صدفیں
کیا پتہ ہے یہ پوشیدہ بنا
ہوتی ہے کبھی جو آہ و فغاں
لرزہ میں ہے دنیا کی رگ رگ
رعشہ ہے انگول ہٹاری

(۳۶)

دی صبح نے بانسری چھڑائی
آواز ہے دلکش اور دھیمی
چھوٹی ہے ابھی سورج کی کرن
منہ بند کنول جو تیرے ہیں
جب کریش جھیل کے پانی کو
پھولوں کو ہنسا کے جھلکی سی
ہے صبح کی لہ میں تیری صدا
یہ وجد میں لائے والی ہوا
بے کوچ دری آواز اُس کی
کرم کہے ابھی پرواز اُس کی
ہے جھیل جھیل پانی میں
کھلنے پہ ہیں مائل پانی ہیں
چھٹا ہے سنہری کر ویشگی
پانی کی فضا میں بھر دیتی
کرتی ہے جھولیں مدد پیش جھے
رکھ سکتی نہیں خاموش جھے
وجہ الدین سلیم

آلے کر تیری ہر لہر سا
تو ست ہے عشوہ طرازی میں
تو نور و ضیا کا سمندر ہے
تو موج پہ ہے، تو ادراج پہ ہے
اس وقت کہ دنیا ٹینڈ میں ہے
ہے چاندنی پہیلی چاروں طرف
کیا کچ ہے کوئی بھی جلوہ منا
کیا تیری شبیلی آنکھوں نے
یہ کچ ہے۔ تو ڈال لے جسے نازل
مشتاق ہیں تیرے کوشے کا
ہیناؤں کا جامہ نظم کا ہیں
رگ رگ میں بربک برقی تپاں
اے مطربِ روح ہو جلوہ نگین
ہے چھڑا اپنے ترنم کو

(۳۷)

اس وقت ہے نور سحر کی کرن
پیلی ہیں فضا میں روشنیاں
سن سن کے صدائیں مست تری
انھی ہیں کبھی سب خوش ہیں آ
یہ کچ ہے تیرے ساز میں ہے
ہر سے کسی کے اشارے سے
پھر بھی مری فسک بلبل و سرا
ہے کس کا اشارہ غنچی یہ
ہے بحر تلاطمِ سخنریاں
فودڑی ہیں ہوا میں روشنیاں
موجوں پہ سماں ہے غب طاری
گرتی ہیں کبھی بے خود ساری
موسیقی کی اکب شان تھی
ہر تان تھی صبر آن تھی
رک سکتی نہیں اس راہ کو حل
ہے کس کا پسند ہر وہیل

ہسارک اور فرانس

کر دیا۔ اور امریکا پر پرتشیا نے سپین کی تخت نشینی کے معاملہ میں جو دست اندازی کی ہے اس کے لئے فرانس سے معافی مانگی جائے۔ یہ ایک ایسا مطالبہ تھا جس کی تعمیل کرنا پرتشیا کیلئے ذلت کا موجب تھا۔ اس لئے جنگ اٹل ہو گئی۔ نیپولن نے جنگ کی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ فرانسیسی فوج نے فوراً پرتشیا کے خلاف ہمشعہ فوجی شروع کر دی، لیکن ایسی شکست کھائی کہ چند ہی ماہ کے بعد پیرس پرتشیا میں فوجوں کا قبضہ ہو گیا۔

۱۸۰۶ء والی جنگ کی طرح ہسارک اس جنگ کی رفتار میں بھی فوجی طور پر پسپائی دیکھتا رہا۔ اس نے دقتاً فوج کے سپرکوارٹر کا سامنا اور فوجی انتظامات کے متعلق فکر کیا۔ تباہ کن حالات کیا۔ گر پو پوٹ کی لڑائی اندر ہی اندر کی تھی۔ اس جنگ کے اہم ترین واقعات میں سے ہے۔ ان دونوں موتوں پر بھی وہ ذرا غور کرنے کے ساتھ تھا۔ جب فرانسیسی فوج نے ہسارک ڈال دئے تو اس کے بعد ہسارک کو نیپولن کے ساتھ اسکی ملاقات ہوئی۔ جو تاریخ کا ایک قابل یاد گار واقعہ ہے۔ وہ شاہ پرتشیا کے ہوا فاختہ حلیت سے پیرس میں داخل ہوا۔ اسی کی ماہ تک وہ پیرس رہا۔ یہاں بیٹھ کر اس نے سلطنت جرمنی کا دستخط نامی مکمل کیا۔ ان دنوں اسے اس وجہ سے بڑی تشویش تھی کہ ہسارک کا غیر سپرکوارٹر اور فوجوں کو فرانس کے حق میں مداخلت کرنے کی نزعہ بندی ہے۔ اس کا ماب ہو جائے۔ پیرس کو حوالہ دینے سے پہلے اس نے فرانس میں سے عارضی طرح کی شرائط بھی خود پسپائی کی۔ فرانس اور پرتشیا کی جنگ کے دو اہم ترین نتیجے پہلے کو فرانس میں غنیمت سمیت کی بجائے ہمدردی حکومت قائم ہو گئی اور جرمنی پرتشیا کی تیار میں ایک عظیم الشان سلطنت بن گیا۔

۱۸۰۶ء کے بعد

۱۸۰۶ء کے بعد ہسارک کیلئے ملکی معاملات میں منہمک ہو گیا۔ اپنے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ۱۸۰۶ء کے بعد آسٹریا کو شکست دینے اور جرمن ریاستوں میں اس کا نذر توڑنے کے بعد اس نے اپنے پالیسی ٹری مخالفوں سے ہمدردی کی اور ایک نیشنل پارٹی قائم کر لی۔ اس سے کسرو ویاہاری کے ساتھ اس کی کشیدگی ہو گئی تھی۔ ۱۸۰۶ء کے بعد یہ کشیدگی اس حد تک

اگرچہ نیپولن سوم نے ہسارک کے ساتھ سمجھوتہ کر کے آسٹریا اور پرتشیا کی جنگ میں غیر جانبدار رہنا منظور کر لیا تھا، لیکن اسے اس بات کا گمان نہ تھا کہ پرتشیا کی فوجاٹھنے کی رفتار اس قدر تیز ہوگی۔ اس نے کوئی گڑبگ کی لڑائی کے بعد جب آسٹریا نے اس سے بیچ میں پڑنے کی درخواست کی، تو وہ فوراً آمادہ ہو گیا، پھر گفت و شنید کے دوران میں ایک ایسا آیا۔ جب صاف طور پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ آسٹریا کی خاطر پرتشیا پر دباؤ ڈالنا چاہتا ہے۔ ہسارک نے اس وقت کو اس کو کسی نہ کسی طرح راضی کر لیا۔ اور اس طرح پرتشیا سے صلہ کشیدگی کا خطرہ ٹل گیا۔ مگر جب عارضی صلہ کی شرائط طے ہوئیں تو اس کے فوراً بعد بین ڈینی نے گوٹنبرگ فرانس کے زیر مبادیت جبر جانڈری کا معاوضہ مانگا اور مطالبہ کیا کہ ریسلے راشن کے دائیں کنارے کا جرمن علاقہ فرانس کے حوالے کر دیا جائے۔ یہ بات ہسارک کے مصلحت پسند نہ تھی۔ اس لئے بھی ناقابل مبادیت تھی۔ چنانچہ اس نے جواب دیا کہ اس علاقہ کو فرانس کے حوالے کرنے کی بجائے فرانس سے جنگ لڑنا اچھا سمجھو لگا۔

اب نیپولن اور ہسارک دونوں اس تاک میں رہنے لگے کہ جب فریق ثانی گزرو۔ اسی وقت اس پر عمل کر دیا جائے۔ ۱۸۰۶ء میں کسبرگ میں فوج رکھنے کے حق پر چھٹا ہو گیا۔ اس وقت ہسارک نے دو ماہ بعد پیرس کو دسے جو اس نے جرمنی کی جوبی رہا ستوں کے ساتھ کھتے تھے۔ یہ ایک پہلی صفحہ پر تیار ہو گئی کی دولت سے فرانس کو دیا گیا۔ نیپولن مجبوراً غاموش ہو رہا اور آسٹریا کے ساتھ اتحاد کی بات چیت کرنے لگا۔ جہاں ہسارک کا پلٹنا ہی لغت ہو رہا تھا۔ ان دنوں چارلس میچ وڈر اعظم تھا۔ آؤسٹریا میں سپین کی تخت نشینی کے حوال پر چھٹا اور ہسارک سپین کے مارش پر ہم نے ہسارک پر زور دیا کہ خاندان ہسارک کی جوبی پر پلٹ کر سپین کا بادشاہ منظور کر لیا جائے۔ جب نیپولن کو اس تجویز کا علم ہوا۔ تو اس نے بین ڈینی کی معرفت شاہ پرتشیا سے جواب طلب کیا۔ پرتشیا کے دفتر خارجہ نے ہسارک کے سبب مبادیت اس تجویز کے متعلق ذمہ داری نہیں کی۔ ذمہ داری سے انکار کر دیا۔ بلکہ لاعلمی کا اظہار بھی کیا۔ شاہ پرتشیا نے بین ڈینی کو اس سلسلہ میں مثبت یا بار بار نوشتا۔ لیکن جب نیپولن نے غلام پرتشیا کو جیتنے دیکھا۔ تو اپنے مطالبات میں اتنا

بڑھی کر اس کے بہت سے بدلے دوست بھی اُس سے الگ ہو گئے۔
 ۱۹۵۷ء میں وہ وزیر اعظم پریشیا کے عہدے سے ریٹائر ہو گیا۔ لیکن چند
 ماہ کے بعد پھر واپس آ گیا۔ ۱۹۵۷ء میں مدین کیننگا چرچ کے ساتھ
 اُس کی جدوجہد شروع ہوئی۔ اس سلسلے میں اس کے خلاف اسقدر
 نفرت پیدا کی گئی کہ ایک نوجوان نے اس پر گولی چلا دی۔ ۱۹۵۷ء
 میں اس نے خرابی صحت کی وجہ سے دس ماہ کی طویل رخصت لی۔
 ۱۹۵۷ء میں برلن کانگریس کی عداوت کی اور یوروپ کو ایک عالمگیر جنگ
 میں مبتلا ہونے سے بچایا۔ اس کانگریس کی کامیابی کا شہدائس کی زندگی
 کے اہم ترین کارناموں میں کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس نے چند سال
 تک اپنی اچھوت تجارتی اصلاحات پر مصروف تھیں۔ ان اصلاحات کو وہ ۱۹۵۷ء
 ۱۹۵۷ء میں تھا کہ اس زمانہ میں پریشیا کا وزیر تجارت بھی وہ خود ہی بن گیا۔
 ۱۹۵۷ء میں ولیم اول کی وفات سے جو شاہی خلیفہ کے علاوہ اب فیصلہ جرنی
 بھی شہنشاہ ہوا۔ اس کا پریشیا میں بڑا فرقہ آ گیا۔ اگرچہ فیصلہ فریڈک
 جوزمانہ ویلہدی سے اس کا مخالف تھا۔ چنانچہ ماہ کے بعد باہی عدم
 ہوا۔ مگر فیصلہ ولیم دوم کے ساتھ بھی اس کے اختلافات تھوڑے عرصہ
 کے بعد اسقدر نمایاں ہو گئے کہ اس نے ہمیشہ کے لئے ریٹائر ہو جانا
 مناسب سمجھا۔ ۱۹۵۷ء کا واقعہ ہے۔

فیصلہ کی زندگی

ریٹائر ہونے کے بعد وہ برک کے قریب فریڈک سڑا میں قیام
 پذیر ہو گیا۔ یہ ایک عالی شان محل تھا۔ جو اس نے اپنی لاش برک کی
 جاگہ میں بڑا لیا تھا۔ اس کے ریٹائر ہونے سے فیصلہ بڑی سخت شکوہ
 میں گر گیا۔ ان مشکلات کا نقشہ فیصلہ نے اپنی یادداشتوں میں بدیں
 الفاظ کیا ہے:-

مجھے اس کے چائین کے تقر کا مسئلہ سخت پریشان کن
 نظر آیا۔ جو کوئی بھی اس کا چائین ہوتا۔ وہ اس کے سوا
 کچھ توقع نہیں کر سکتا تھا۔ اس پر چاروں طرف سے نکتہ
 جبین کے تیروں کی بارش ہو گئی۔ اور اسے ایک ایسے عہدے
 کا غائب سمجھا جائیگا۔ جس کا وہ اہل ادرہ قرار نہیں۔ یہ
 بات فیصلہ سمجھ کر اس کے کسی کارکن یاں کا احترام تو
 باہل نہیں کیا جائیگا۔ البتہ وہ عالمگیر مخالفت کا نشانہ بنے
 نہ جائیگا اور وہی الفاظ میں نہ صرف وہ لوگ خراب رہ گئے۔ جو
 ہمسارک کو عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں بلکہ وہ بھی
 جو اس سے پہلے ہمسارک کے مخالف تھے۔ مگر کچھ مخالفت

مشرقی پرنس کے کرکے۔ یہ بھی یقینی ہے کہ نئے چانسلر کے
 خلاف عداوت کی جو بڑی مدت لہریا ہوگی۔ اس میں خود
 ہمسارک بھی گھر کم خطر کا ایک عنصر نہیں ہوگا۔
 آگے چل کر فیصلہ نے لکھا ہے کہ ان سب باتوں کو مد نظر رکھ کر
 کسی ایسے شخص کو چانسلر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جو ہمسارک کے حلقہ
 سے تعلق رکھتا ہو۔ جس نے زمانہ کے جنگ میں اہم ذمہ داریوں کو سر
 انجام دیا ہو اور خود ہمسارک کے ماتحت حکومت کے کسی ممتاز عہدے
 پر مقرر نہ ہو۔ اس لئے میری نظر انتخاب پر پوری ہو گئی۔ اس کا گھر
 دس ہزار اس بات کی ضمانت تھا کہ وہ تعلیم اور نوجوان شہنشاہ کا قیام
 اور سکون پسند مشیر ہوگا۔

مگر ان تمام اختیاطوں کے باوجود ہمسارک اور اس کے ملاحوں نے
 گورنمنٹ پر بڑی کڑی چوڑی جاری رکھی۔ خود ہمسارک بعض اوقات مرن
 گفتگو میں اور بعض اوقات اخبارات کے کالموں میں گورنمنٹ پر اپنی
 تلخ نکتہ چینی کرتا تھا کہ کوئی رتبہ اس کے اور فیصلہ کے درمیان کھلی کشیدگی
 پیدا ہو گئی۔ ایک بار یہاں تک نکتہ چینی کرکے کہ کوئی کپڑے جو جن میں
 کے نام ایک خیریت شتی مرسلہ جاری کیا۔ جس میں ان کو تنہا کیا گیا کہ ہمسارک
 جو کچھ سنا ہے یا لکھتا ہے اسکو ہرگز کوئی اہمیت نہ دی جائے۔ ایک مرتبہ
 جب ہمسارک اپنے لڑکے کی شادی کے سلسلہ میں دامنیایا، تو وہاں کے
 جرنل مٹھر پرنس ریوس کو ہدایت کر دی گئی۔ کہ اس کی آمد کا کوئی نوش نہ
 لیا جائے۔

وفات

۱۹۵۷ء میں فیصلہ کے ساتھ ہمسارک کے تعلقات بحال ہو گئے
 ۱۹۵۷ء میں اس کی سالگرہ مارے جرنی میں بڑی دھوم دھام سے
 منائی گئی۔ ۱۹۵۷ء میں یعنی ریٹائر ہونے کے ایک سال بعد پالیٹ
 کا میر بھی منتخب ہو گیا۔ مگر اس کے اعلان میں کوئی شریک نہ ہوا۔ فیصلہ
 کے ساتھ ملے ہو جانے کے بعد وہ عام طور پر گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتا
 رہا۔ ۱۹۵۷ جولائی ۱۹۵۷ء کو ہی فریڈک سارنگا انتقال ہو گیا۔

ہمسارک کی خدمات کا اعتراف

پہلے بتایا جا چکا ہے۔ شاہ ولیم اول ہمسارک کو مدبر اعظم بنا، انہیں
 چاہتا تھا کہ کوئی نہ ہمسارک سے خیر خواہی کی سخی کہ میں غایب یا بیسی میں
 شاہ کو دخل انداز نہیں ہونے دے گا۔ لیکن جب پالیٹ سے جھگڑا
 چلنے لگا تو اس نے اُسے اپنا ج رخصت خیر خواہی نظر کیا۔ تو اُس کے
 لئے اُس کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ ہمسارک کی شرائط منظور کر

بہارک کی عظمت

اس میں کلام نہیں کہ بہارک اپنے زمانہ کا سب سے بڑا درہنہ تھا۔ یوس۔ فرانس۔ آسٹریا۔ اور انجلیکٹا سب اس کا جواب پیش کر رہے تھے۔ عجم کا اعتراف کرتے تھے۔ اس کی حکمت عملی کو کبھی ناکامی کا سہ نہ دیکھا پڑا۔ نتائج کے لحاظ سے اس کی کوئی پالی غلط نہ ہوئی تھی۔ بین الاقوامی تحفہ کو کسٹھانے اور صورت حالات کو اپنے موافق بنا لینے میں کوئی اُس کے کمال کا حریف نہیں تھا۔

ولیم اول نے بہارک کو نہ صرف جمہور مہر کا چانسلر بنایا تھا، بلکہ بھاری عمارت کو چانسلر بنانے پر مجبور کیا۔ اس نے کئی بار ریشٹروں کو جانے کی خواہش ظاہر کی، لیکن اس کی یہ خواہش ہمیشہ رد کر دی گئی۔ ایک بار ولیم نے اس سے بڑے دھڑکے ساتھ یہ کہا کہ میں آپ کو ہرگز ریشٹروں میں سے ہونے دوں گا۔ بہارک ولیم کو اپنے کام میں دخل انداز نہ ہونے دیتا تھا۔ کئی مرتبہ دونوں میں سخت اختلاف بھی ہو گیا۔ مگر مزید ولیم کو جھکا پڑا۔ ایک دفعہ بہارک کے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد ولیم اصطلاح کی حالت میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے کابینہ کا اعلیٰ اہلکار ایڈمیل اس کے پاس آ نکلا۔ ولیم کا چہرہ غصے سے تھما رہا تھا، جنرل ایڈمیل نے جب بہارک کے ساتھ اس کی جھڑپ کا حال سنا، تو اسے اندیشہ ہوا کہ اب کبیں تھنشاہ کی محنت پر اس کا گرا اثر نہ پڑے۔ اس نے بڑے ادب کے ساتھ کہا: "جہاں نہاں ہے آپ کو آئندہ کے لئے اس قسم کی کامیابیوں کے امکان کا خاتمہ کر دینا چاہئے اور اگر بہارک جہاں نہاں کی مرضی کے مطابق کام نہیں کرنا چاہتا۔ تو اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ آپ اسے بطور کرپس نہاس پر ولیم نے بے بسی کے انداز میں جواب دیا: "تقریر اور شکر گزاری کے ان جذبات کے باوجود چانسلر اعظم کے متعلق میرے دل میں موجزن ہیں، میں اس سے پیہ کیسی بار اس کو بطور کر دینے کا خیال کرچکا ہوں۔ کیونکہ اس کی خود مقررہ دوس اکثر اوقات حد سے زیادہ ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ لیکن میں امیدوار ملک دونوں بڑی طرح اس کے خلع ہیں۔ صرف وہی ایک ایسا شخص ہے جو بیک وقت باغی گیندوں کے ساتھ کھیل سکا ہے۔ جن میں سے دو ہر وقت ہوا میں رہتے ہیں یہ ایک ایسا کھیل ہے جس کا کھیلنا میری قوت سے باہر ہے؟"

اس کھیل سے ولیم کی مراد بین الاقوامی بڑے قدرتی اور باغی گیندوں کو اور پھینکنے اور پھینکے سے دلچسپی کا عمل بہارک کا عزیز مشغلہ تھا۔ ویڈیو کی باغی بڑی طاقتیں تھیں، جن میں انجلیکٹا بھی شامل تھا۔

لے۔ بہارک نے بھی وزارت سنبھالنے کے بعد بادشاہ اور اداہرک کی خدمت ایسی منہدی اور وفاداری سے انجام دی کہ چارہا سال کے قلیل عرصہ میں بادشاہ کو پریشیا میں اور پریشیا کو جرمنی میں غلبہ حاصل ہو گیا۔ پھر فرانس کو شکست دیکر اس نے پریشیا کی قیادت میں جرمن سلطنت قائم کی۔ ان شاندار کارناموں اور دوسری اگلا فائدہ خدمات کی وجہ سے ولیم اول اور عام اہل ملک اس کی اس قدر عزت کرتے تھے کہ وہ متواتر ۲۸ سال تک پریشیا اور جرمنی کا چانسلر رہا۔ یہ اس کی خدمات کا عملی اعتراف تھا۔ ان خدمات کا دوسرا بڑا اور مزید اعتراف وہ پریشانی تھی جو تھیرولڈیم کو اس کا مائٹین مقرر کرنے کے سوال پر لاق ہوئی۔

ملی طور پر بھی اس کی خدمات کا اعتراف کرنے میں ملک و قوم نے بڑی دیادگی کا ثبوت دیا۔ بادشاہ میں جنگ آسٹریا کے بعد پارلیمنٹ نے تختہ جیروں کے لئے ایک گرا فائدہ رقم منظور کی جس میں سے حصہ رسدی ہمزاد پولڈ بہارک کو ملے۔ اس وجہ سے اس نے پورے مائٹین دن کی جاگیر خریدی۔ جسے وہ بغیر زندگی میں سکون ہاسن کی بجائے اپنی رہائشی رہائش گاہ کے طور پر استعمال کرتا رہا۔ اس کی سترویں سالگرہ کے موقع پر بیک چندے سے ۱۲ لاکھ ہمزاد پولڈ کی پیشہ رقم کی گئی۔ اس رقم کے نصف حصہ سے سکون ہاسن کی وہ جاگیر خرید کر اسے ملیں دے دی گئیں جن کو اس کے باپ نے چالیس سال پہلے ملی مشکلات کے باعث فروخت کر دیا تھا۔ باقی رقم سے اس نے سکول ماسٹرول کی امداد کے لئے ایک فنڈ قائم کر دیا۔

ذاتی اعزاز کے اعتبار سے بھی بہارک اس بلندی پر پہنچ گیا تھا۔ جو شاہی خاندان کے لوگوں کا حصہ بھی جاتی تھی۔ بادشاہ میں اسے خاندانی خدمات کے صلے میں کوٹ کا خطاب دیا گیا اور بادشاہ میں جب وہ ریشٹروں کو بغیر ولیم دوم نے اسے ڈوک آف لائن برگ بنا دیا۔ بادشاہ میں اس کو پریش کا درجہ عطا کیا گیا۔ ڈوک آف لائن برگ کا خطاب اس نے کبھی استعمال نہ کیا اور اس کے بیٹے کو دے دیا۔

مئی حیثیت سے اس کی جو عزت افزائی ہوئی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ پہلا پرسنٹ تھا جسے پوپ نے آرڈر آف کراؤٹ عطا کیا۔ اس عزت افزائی کو اگر اس شخص کی سوتلی میں کھیا جائے۔ جو اس کے اور دونوں کھیل چرچ کے درمیان پیدا ہوئی تھی۔ اور جس کی وجہ سے ایک نوجوان نے اس پر گولی چلا دی تھی۔ تو تسلیم کرنا پڑے کہ دنیا کے مذہبی بادشاہ بھی بہارک جیسے ریشٹروں کے مقدس خطابات دینے میں غرور نہیں کرتے تھے۔

بحری طاقت سے پر وائی

جہت کا مقام ہے کہ بین الاقوامی سیاست کا یہ علم انظر بامبحری طاقت کو ذرا بھی اہمیت نہیں دیتا تھا جس کی بدولت انگلستان نے دنیا کے ہر حصے میں ایسی غیر نشان سلطنت نافذ کر رکھی ہے۔ یہ قصور ہیوم دوم اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے۔

”یہ خور آبادیات کے سوال پر متعدد بار پرنس ہسماک سے گفتگو کی۔ مگر اسے جہد سنا اسے برقاہ یا پاکو آبادیوں کو فاولینڈ کیلئے مفید بنانا یا عام ہرلدار سمجھنا بھالی منہ پوں کے طور پر استعمال کرنا اتنا شائع نہیں۔ جتنا پلینڈ کیل میں سودوں کی غرض سے کام میں لانا۔“

جبکہ کیمبرل فرس تھا۔ میں نے پرنس کو اس بات پر توجہ دلائی۔ کہ ہمارے تاجروں اور سرمایہ داروں نے بڑی تندہی کے ساتھ نوآبادیوں کی نشو و ارتقا کا آغاز کر دیا ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ یہ تاجروں سرمایہ دار اپنے مفاد کی حفاظت کیلئے بھرے فوج پر انحصار رکھتے ہیں۔ اس لئے جتنی کولیک جنگی بیڑا بنانے کے لئے ضروری تدابیر عمل میں لانا چاہئے۔ تاکہ جرمنی کے غیر ملکی مفاد پر محفوظ حالت میں نہ رہیں۔ میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ چونکہ آپ نے جون جنڈلر غیر محاکم میں نصب کر دیا ہے اور اس کا نام جوئی اس جنڈلر کے کشت پر ہے۔ لہذا اس کے حفاظت کے لئے بحری فوج بھی ہونی چاہئے۔ لیکن پرنس نے میرے بیانات کو برے کانوں سے سنا اور اس کے جواب میں محض یہ فقرہ جواب دے موعوں پر اعلیٰ لکھ کر کلام مہنہ تھا۔ استعمال کرنا کہ

”اگر گمریز ہماری سرزمین پر قدم رکھیں گے تو میرا یہ کام ہو گا۔“

کہ انہیں جگہ گنا کر دیا جائے؟

”پرنس کا خیال تھا کہ ہم نوآبادیوں کی حفاظت اگھر میں ہٹ کر کریں گے۔ وہ اس خیال کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا کہ یہ بات جرمنی کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ کہ اگر گمریز بلا مزاحمت اپنی فوجوں کو جرمنی میں تار کئے ہیں۔ کیونکہ کیمپلر لینڈ پر ان کا قبضہ ہے۔ نہ وہ اس خیال کو خاطر میں آتا تھا کہ انگریزوں کے لئے جرمنی میں وہیں انارے کو قطعاً ناممکن بنانے کے لئے ہمیں زبردست بحری فوج بنانے اور پہلی کولینڈ کا قبضہ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔“

ہسماک کے ریٹائرڈ جوہلنے پر جب کیرلوی کے عہد وزارت میں مشرقی افریقہ کے دو غیر مسلم قبوضے جو جرمنی سے کنٹرول ہی عرصہ پہلے حاصل کئے تھے۔ پہلی کولینڈ کا تیلورڈ کرکھ کی تجویز پیش ہوئی اور اس وقت کا وزیراعظم انگلستان لارڈ ساسبری بھی اس تیلورڈ کے لئے رفا مند ہو گیا۔ تیلورڈ کے اس تجویز کی مخالفت میں ایک طوفان برپا کر دیا۔ اگرچہ یہ مخالفت کامیاب نہ ہوئی۔ لیکن اس سے یہ ظاہر ہے کہ ہسماک بحری طاقت کو جرمنی کے لئے کس قدر غیر ضروری سمجھتا تھا۔

ہسماک کے متعلق قیصر کی رائے

قیصر کے سطور گزشتہ میں بیان ہو چکا ہے۔ پرنس ہسماک کو جنرل قیصر کے ساتھ اختلافات کی وجہ سے بدولت کرکھ ریٹائر ہو گیا تھا اور اس کے بعد بڑے زور شور سے اس کی مخالفت بھی کرتا رہا۔ اس لئے عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے متعلق قیصر کی رائے اچھی نہیں تھی۔ مگر قیصر کے اپنے الفاظ سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے۔ چنانچہ اپنی یادداشتوں میں وہ لکھتے ہیں۔

”ایک مدین کی حیثیت سے پرنس ہسماک کی عظمت اور ریشا اور جرمنی کے متعلق اس کی لافانی خدمات اس قسم کے نمایاں ہیں واقعات ہیں کہ کسی شخص کو خداوندہ کسی بارٹی سے توقع لکھتا ہو۔ ان میں شک کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ صرف یہی ایک وجہ ایسی ہے جس کی موجودگی میں مجھ پر یہ الزام لگانا حق حماقت ہے کہ میں پرنس ہسماک کی عظمت کو تسلیم نہیں کرتا۔ اسی سلسلہ میں یہ بات اجماعی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے۔ کہ میں نے جس زمانہ میں اپنی زندگی کی ابتدائی تئیس طے کیں وہ ہسماک کے عقیدت مندوں کا زمانہ تھا۔ وہ سلطنت جرمنی کا بانی اور میرے دادا کے وقت سے چالان تھا۔ ہم سب انکو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا مدبر سمجھتے تھے۔ اور اس بات پر خوش کرتے تھے کہ وہ جرمن ہے۔ وہ میرے دل کے مندرکابت تھا۔ اور میں اس کا پرستار۔“

”لیکن فرما زرا بھی دوسرے انسانوں کی طرح گوشہ پرست کے ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کے طریقہ عمل کے اثرات ان پر بھی پڑتے ہیں۔“

لے دنیا کی توجہ ہر ایک قوم اپنے آبائی ملک کو بار وطن کہتی ہے۔ انگریزی زبان میں اس کا ہم معنی لفظ ولینڈ ہے۔ مگر جرمن میں ولینڈ کہا جاتا ہے۔ فادر کے معنی باپ کے ہیں۔

بسمارک کے ریٹائرڈ جوہلنے پر جب کیرلوی کے عہد وزارت میں مشرقی افریقہ کے دو غیر مسلم قبوضے جو جرمنی سے کنٹرول ہی عرصہ پہلے حاصل کئے تھے۔ پہلی کولینڈ کا تیلورڈ کرکھ کی تجویز پیش ہوئی اور اس وقت کا وزیراعظم انگلستان لارڈ ساسبری بھی اس تیلورڈ کے لئے رفا مند ہو گیا۔ تیلورڈ کے اس تجویز کی مخالفت میں ایک طوفان برپا کر دیا۔ اگرچہ یہ مخالفت کامیاب نہ ہوئی۔ لیکن اس سے یہ ظاہر ہے کہ ہسماک بحری طاقت کو جرمنی کے لئے کس قدر غیر ضروری سمجھتا تھا۔

میں اور رشید نے تمام رات آہستہ آہستہ باہیں کھلے رہے۔
 حتیٰ کہ سپید صبح سے رات کی تاریکی پر آہستہ آہستہ غلبہ حاصل کرنا
 شروع کیا۔ سارے دیکے بعد دیگرے نظروں سے نہیں ہونے لگے
 اس وقت تک روسیوں کے آلاؤ سرو پانگے تھے اور سپارو کی بلند
 چوٹیوں کے پیچھے سورج کی چوڑیا دینے والی گیند حیرت نرآن
 و خوبصورتی سے لہر ہو رہی تھی سورج تبدیل رنگ بالائے آفتاب کے رنگ
 ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خون میں ڈوب کر نکلا ہے اور دیکھے والوں کو دیکھنے
 ہوئے بھاؤ کی طرح جلا کر خاک سیاہ کر دینگا۔

اتنے میں فوج کا کپتان ہارسے زویک سے گزرا۔ پھر سپاہیوں
 کو قاطب کے کہنے لگا اگر تھری کیپوں میں کچھ پانی باقی ہے تو گئے
 نہایت احتیاط و حفاظت سے رکھا۔ کیونکہ ہارسے پاس بائی کا ایک
 قلعہ بھی نہیں رہا۔ تمام پیہ واپس کیپے گئے جس میں اور شام سے پہلے یہاں
 نہیں پہنچ سکے۔

”لیکن توفیق ہے“ ایک فوجی افسر نے روسیوں کی جانب
 اشارہ کر کے کہا دماغ کا پانی باقی موجود ہے ایک پورا دماغ ہے
 ”ہمیں اس طرف ایک سپاہی بھیجے گی بھی سخت حفاظت ہے۔
 کیونکہ اگر یہاں غلہ روسیوں کو بہرہ فرما دے گا تو اسے کی ترغیب دینا
 ہے۔ فوج کا سردار مست شام سے پہلے یہاں نہیں پہنچ سکتا۔ اور
 اس وقت تک ہمیں کسی خطرے کا سامنا ہے۔“

”پانی حتم ہو گیا ہے“ بجلی کی کسی تڑی کیساتھ یہ الفاظ حربہ سپاہی
 کے کاؤں تک پہنچ گئے۔ ناچیز یہ کارنگوٹ جنہیں اس سے پہلے
 میدان جنگ کی صورتیں برہداشت کرنے کا تجربہ نہ تھا زیادہ متشکر
 نفوذ آتے تھے۔ لیکن سرد و گرم چشمہ سپاہی جانتے تھے کہ ان
 الفاظ میں کتنی نفی کتنی پریشانی اور کتنی ہیبت نہیں ہے۔ اس وقت
 تک فوجی جواؤں نے ان الفاظ کو زیادہ اہمیت نہ دی تھی حالانکہ
 افسران بالا کے نزدیک یہی الفاظ موت کے مترادف اور ہم سے تھے۔
 ایک فوجی آدمی نے جو مجھے کچھ زیادہ فاصلے پر تھا ذرا بلند آواز
 میں کہا ”پانی کے بغیر کتنے عرصے کوئی زندہ رہ سکتا ہے۔ ہر ویں کے بغیر
 زندہ رہنا ممکن ہے لیکن پانی کے بغیر سرگ نہیں۔“

”عبداللہ! اس قسم کی حماقت گھٹو نہ کرو گرا فٹ نے خدا
 ترش بوجس کر کہا کہ تیس معلوم نہیں برس سپاہی اس قابل ہو چکا ہے کہ
 سردی، ٹھوک اور ہر ضرورت کا مقابلہ کر سکے۔“
 ”مفلوک۔ سردی اور دوسری ضروریات برداشت کا سکتی ہیں لیکن چار

خند تیں بھی کھو دی جا رہی ہیں“ پھر ذرا سہرا دانہ بوجس اسے مخاطب
 کر کے کہنے لگا ”تم سو کیوں نہیں جانتے تھک تیس سارا دن پشت
 کام کرنا ہوگا۔“

لیکن اس نوعیت کا جس میں ایک قسم کا پدرانہ مذہب شامل تھا رشید
 پر کوئی اثر نہ ہوا۔ تمام فوج اس لوہے کے اعلاطوار و اخلاق کی دولت
 اس کی گردیدہ تھی۔ اس وقت وہ اپنے سر کو شیلی پر رکھے متفکرانہ
 انداز سے سخت کے چاؤ میں دور فاصلے پر چلنے والی آگ کی طرف
 دیکھ رہا تھا۔

”رشید بے تمہیں کس چیز نے فوج میں شامل ہونے کیلئے
 مجبور کیا تھا؟ میں نے تیری سے پوچھا۔“

اس نے نہایت شرفانہ انداز میں جواب دیا ”کیا کہوں عجیب
 بات ہے۔ کالج میں میں کوئی ہونا طالب علم نہ تھا اور پڑھنے سے
 رہینہ ہی کرتا تھا۔ میرے ایک ماموں فوج میں ملازم تھے مرن کی دیکھا
 دیکھی مجھے بھی لفٹنٹ بننے کا شوق چاہا۔ اس امید پر کہ شاید ایک دن
 میں بھی اس اعلا علم کے تک پہنچ جاؤں گا۔ بس یہ بات فوج میں نے
 مجھے فوجی کا غذا اس میں اپنا نام درج کرانے کیلئے مجبور کیا تھا۔ بد قسمتی
 دیکھ کر میرے بھری ہونے سے چند ہی ماہ بعد ملائی شروع ہو گئی۔“
 پھر نہایت ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہنے لگا ”تم سمجھتے ہو اس ملائی میں آنے
 کے لئے تیار تھا؟“

اس بات کا میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نازک اندام کے
 کی طرف جس کی ابھی سسپن بھی نہیں تھی بوجس کا معصوم چہرہ انتخاب
 تیز کوئی کوئی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا تھا
 کہ وہ برضا و رغبت ملائی پر آئے کیلئے آمادہ نہ تھا اور شاید اس کی یہ
 معصومیت اور مجبوری ہی تمام سپاہیوں کو اس کے ساتھ محبت و شفقت
 سے پیش آکر کا باعث ہوئی تھی۔

”تہہ حال“ اس نے چند لمحوں کے وقف کے بعد کہا ”میں اپنے
 کئے پر پشیمان نہیں ہوں۔ کیونکہ اس قسم کی زندگی ایک جگہ شایان
 شان نہیں۔ البتہ جب کبھی مجھے اپنے گھر کا خیال آتا ہے تو طبیعت اہل
 ہو جاتی ہے۔ ہمارے خاندان کے بہت سے افراد تھے۔ لیکن میری
 والدہ کا گھر گریز نشاۃ تھا کہ میں فوج میں بطور ایک سپاہی کے بھرتی
 ہوتا۔ ہم دیہات کے بسنے والے ہیں۔ جہاں لطیف و دسترس زندگی
 بسر ہوئی ہے۔ گاؤں کے قریب ہی ایک خوبصورت دریا ہے۔
 اور مجھے جھلی کے شکار کا بہت شوق ہے۔“

پاس کا آپ نے ذکر نہیں فرمایا۔ پیاس ہرگز برداشت نہیں ہو سکتی؟
محبوب قوت، "رافت" نے ذرا حال کا انداز نہیں کہا کیا تم اتنا بھی
نہیں سمجھ سکتے کہ ہر شخص میں پیاس بھی شامل ہے؟

سچا بہوں نے ایک موقع لگا دیا اور عبدالحی کہ شرمندہ ہو کر
خاموش ہو گیا۔ لیکن یہ خندہ سرور اس شخص کے کا اندھا خیال ایک عجیبی
بانولے گنہگار کے کسی دار پر پڑے ہوئے مجرم کو دیکھ کر لگا یا ہو کسی کا
دل تھا جو بالی کی عدم موجودگی پر ہلک نہ رہا ہو اور کسی کے حواس تھے
جنہیں اس لڑکھنڈ خیال نے پران نہ کر دیا ہو۔ ہر شخص یہ سمجھ
رہا تھا کہ جب ہمارے پاس بانی موجود ہی نہیں تو اسے بھانج گئے کیا
کیونکہ بانی کا ہر قطرہ گزشتہ رات کے طویل سفر میں سرک ہی پر
ختم ہو چکا تھا۔

نامہ سچا بہوں کے چروں پر ایک قسم کی آداسی اور سرسبکی
چھائی تھی بانی کی قسم ہو گیا ہے، قابلِ توشیح امر یہ تھا کہ آبیانی کے
بہرے ہوئے پیسے پاس پڑی ٹیٹ میں اتنی تیزی سے واپس بھی لائے
جائیں گے کہ وہ ضرورت کیوقت یہاں پہنچ جائیں۔ رشید بے نے
خوف و حیرت سے بھری ہوئی لفظ نہ سمجھیں تھے سیری طرف دھجکا
کہا، آبیانی کے بغیر ہم کس طرح زندہ رہ سکتے ہیں؟ مجھے تو اس وقت بھی
پیاس محسوس ہو رہی ہے۔

سورج ہر لحظہ طیندہ ہو رہا تھا اور اس کی تانناک شعاعیں ہمارے
چروں پر پڑ رہی تھیں۔ ہر شخص یہ محسوس کر رہا تھا کہ آبیانی کے بغیر اتنی
سخت برداشت و گرمی سے عمدہ رہنا ہونا ممکن ہے۔ آدھر
دوسری افواج باطل خاموش پڑ چکی تھیں۔ انہیں پروا ہی کیا تھی؟ ان کے
پاس بانی موجود تھا۔ ایک برادر لڑاؤ کے قدموں میں لہریں لے
رہا تھا۔ شاید وہ اس بات کے منتظر تھے کہ ہمیں نماز نافذ
ان کی مدد کے بغیر کس حد تک ہمیں تباہ و برباد کر سکتی ہے پھر یں چنیں
جن کی اوٹ میں ہم جھیلے ہوئے چہرے چھپا رہے تھے، تو سبکی طسج
دبک رہی تھیں

انتظار اور درد و کرب کی طویل ساعتیں نہایت سست رفتار
سے گزر رہی تھیں اب گرمی کا ناخواب برداشت ہو چکی تھی۔ یہاں تک
کہ سانس لینے سے وقت ہوا کی بجائے آگ کے شرا سے ناک اور
منہ میں گھٹتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ خشک ہونٹوں پر پیریاں جاں
گئی تھیں اور بانوں میں اتنی ہی بجی بانی نہ تھی کہ طے ہوئے لب ہی
نہنکے جائیں۔ ہر طرف ہی نفسا نفسا کی دینا تھا۔ بانی، آبیانی،

فج کے کسی سچا بہ کو دنیا کی کسی چیز سے کوئی رغبت نہ رہی تھی
آفتاب کی حدت و تیزی کی طرح بڑھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ بندوب
کی نالی پر آتھ رکھنا غیر ممکن ہو گیا تھا۔

رشید بے نے ایک قسم کی نیم مدہوشی کے عالم میں کہا، "ہار دیا
کتنا خوبصورت، کتنا جھکدار، صاف ستھرا اور کتنا گہرا ہے۔ اس کا
ٹھنڈا اور صاف پانی تھوڑی سی طرح چلنے والے خوبصورت رنگین پتھروں
پر رہتا ہوا ہوں دکھائی دیتا ہے جس طرح یا قوت و لا جوردگی چٹانوں پر چھلی
ہوئی چاندی۔ پھر وہاں ایک حباب اٹھنے پر ابلا ہوئی طرح شفاف
کیسی دھبی درخشاں نئی کے ساتھ ہی ساتھ تیرتا ہوا چلا جاتا ہے جی کہ
ایک ٹوک دار تجرے ٹکڑا کر کھٹ جاتا ہے۔ چوٹی چوٹی پھیلان میں
کے کنارے کے خرب نہایت بے پروائی سے تیری پھرتی ہیں۔ اگرچہ انہیں
پکڑنے کیلئے پانا تھوڑا دھواؤ وہ وہاں سے نکلے ہوئے تیروں کی طرح
مختلف اطراف و جانب کو کھل جائیں گی۔ اگر تم پانی چینا جاؤ تو نہایت
آسانی سے گھٹنے ٹیک کر اپنے چومیں برف جیسا سرد پانی بھر لیتے ہو۔
یہ ایک کسی سے ہست حال آئینہ آواز میں کہا سچا بہ شہسازان
ہم پاس سے جان لب ہیں اور بانی کی مدد سر لائی کر رہا ہے۔
معلوم ہوتا تھا کہ رشید بے اس آواز کو سنانے کا طریقہ

اسی قسم کی مدہوشانہ گفتگو کے بعد وہ خود بخود چپ ہو گیا۔
سورج کی مجلس میں والی شامیں اب زیادہ تیز اور زیادہ گرم
وید رہ رہی تھیں۔ بدن دیکھتے ہوئے انگوروں کی طرح تپ رہے تھے
اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ ایک ایک منٹ ایک
ایک سال سے زیادہ طویل معلوم ہوتا تھا۔ اتنے میں ہمارے کچن
کے ذرا حوصلہ دلنے والے انداز میں کہا کہ بانیانی کے پیسے بہت حد
یہاں پہنچ جائیں گے۔ اگر ان بیویوں میں زار دوس کے جواہر ہاں سونا چھل
ہوتا تو شاید اس بے صبری سے ہم ان کا انتظار نہ کرتے۔ میں آپ کو
یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہمارے لئے خاص بانیانی آ رہا ہے کیا اس
دنیا میں بانی سے ستر بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے؟

"بانیانی؟"

بجائے اس کے دوسروں کے کیپ میں باطل سکون تھا۔ صرف
گھوڑوں کے ہنسنے کی دھیمی سی آواز میں ہمارے کانوں تک پہنچی
تھیں جس سے ہم پر غیظ نکلتے تھے کہ انہیں سنانے کے لئے دیا
جسے چاہیے ہیں۔ ہم کتنی ہی لمبی کے عالم میں تھے۔ دشمن کے اس
بانیانی کی اتنی فراوانی کہ وہ جانوروں تک کو سناں میں اور ادھر اتنی

وقت کہ صرف ٹھکرا کر نکلنے کے لئے پانی کا ایک قطرہ بھی موجود نہ ہو۔“

”پانی!“

لیکن میں اس صبح پڑے پڑے سے مائل ہوا، رات بے سنے پر جوش و آواز میں کما کر وہ صرف دو سیسوں تک پہنچے کی ہیں اجازت دے دیں تو ہم پانی حاصل کر سکتے ہیں! اللہ اکبر! ہم کس سنجھا غافلانہ میں لاپس گئے! ہمیں کسی ملک وغیرہ کی ضرورت نہیں!“

میں نے آنکھ اٹھا کر سپاہیوں کی طرف دیکھا۔ اُن میں سے کچھ بیٹھے تھے، کچھ اپنے بازوؤں پر سر رکھے لیٹے ہوئے تھے اور سانس نہ چاند زمین کے کتب کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ذال آفتاب نصف النہار پہنچ چکا تھا۔ اُس کی زیادہ دینے والی شاخیں ہماری تہا نیت بیداری و سفاکی سے ڈاک کر رہی تھیں اور ہم باہر بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔ اسی طرح دھنکے ڈنکے گئے۔ آفتاب ابھی تک ہمارے سروں پر

ٹھاکر کس سپاہی کی صند آفتاب سے بہت دور ہو گئے جنہیں اٹھا کر فوجی ہسپتال میں لایا گیا اور پانی کے چند قطرے اُن کے من میں پکے گئے۔ میں سوچ سے منہ چھپانے اوندھے منہ اٹھا تھا اور ہر قطرہ دھنکے والی پلاس خون جات کو میری رگوں میں خشک کرنے دیتی تھی۔ اُس وقت میں سوچ رہا تھا کہ کیا پانی کی شدت سے دھار کو دنیا میں کوئی اور چیز بھی اتنا دکھ اور اتنی تکلیف دے سکتی ہے۔ میری زبان خشک ہو کر نہ دے چٹ گئی تھی اور میرا سر غمناکے بیضا میں تیرا ہوا نظر آتا تھا۔ ہاں بہر ہیرم سوچ ابھی تک بالائے سر جھک رہا تھا۔

اگرچہ مجھ پر بھی کسی وقت ایک ذرہ کی بہوشی یا غنودگی طاری ہو جاتی تھی۔ لیکن ہر گھمبھی میں اپنے ارد گرد کے شور سے واقف تھا۔ میں نے کچھ پانی دیکھا۔ اُس کے پینے کی تمیز پر آواز سننی ملے دھیمے مڑوں میں ٹھنکے سے بھی سناتا اور اُس کے ٹھنکے نہ چھانے والے اثرات کو بھی محسوس کیا۔ لیکن جو من میں نے سر اٹھایا وہ دلفریب خواب میری نظروں سے غائب ہو گیا اور باقی کی بجائے میں نے گرم اور جھلکی ہوئی تربت دیکھی۔

رشدید بے سیرے قریب ہی دو دفن ہاتھ اپنے گھٹنوں کے گوشہ عقد کے بیٹھا تھا اُس کی کمرھانی ہوئی آنکھوں سے ہراس اور بیماری کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس تو غریب سپاہی کو دیکھ کر میری تکلیف کی شدت میں اور اضافہ ہو رہا تھا۔ میں نے کئی سے دریافت کیا کہ کیا تم بہت زیادہ تکلیف محسوس کر رہے ہو؟

میں نے حاجت آمیز نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اُس نے کھٹکھٹ کرنے کی حرکت باقی نہ رہی تھی، چنانچہ نہایت دقت سے اُس نے جواب دیا۔ میں زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ پانی کی تکلیف اب مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی۔ دنیا کی ہر چیز میری دھند کی آغوشوں کے سامنے تیر رہی ہے۔ پھر آئنا ہستہ ہستہ اُس کی آنکھوں سے نکل کر خساروں پر بیٹھنے لگے۔

بجلی کی سی تڑپ کے ساتھ ایک خیال میرے دلیں پیدا ہوا لیکن وہ آنسوؤں نے کتنی لچائی ہوئی ٹھکا جوں سے اُن کی طرف دیکھا۔ یہ بھی ذرا صلی پانی تھا اور اُن کا اُس سے ملنے کوئی ترجیحا میں سوچ ہی رہا تھا کہ رشید بے نے کیا کیا اپنے ہاتھ اٹھا کر سر پر رکھے پھر زمین پر لیٹ گیا۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ یہ قصد مدد آفتاب ہے۔

لتنے میں ہمارا فیصلہ مرچن بھی طرف سے گذرا اور کسی نے ہلکار کر کہا: ”ڈاکٹر اسے ہسپتال میں لے جاؤ۔ اس کے جواب میں ایک غلطی تیز آواز نے کہا: ”ہسپتال میں کیا رکھا ہے۔ خواہ وہ ہسپتال میں ملے یا جہاں چلا پے وہیں ہے اس کے لئے بار بار ہے۔ نہ پانی و نا موجود ہے نہ یہاں سہتیا بہ ہو سکتا ہے۔“

رات نے، جو ابھی ابھی دیاں سے آیا تھا۔ ان الفاظ کی تصدیق کی پھر کنگنا گئی۔ ”کی حقیقت پانی و نا موجود نہیں۔ دوسری طرف پورا اوسر فرج محمد مدد آفتاب سے بیہوش پڑا ہے مجھے ڈر ہے کہ پانی اگر بہت جلد نہ آ گیا اُن میں سے بہت آدمی مدد حاصل نہیں کئے۔ پھر رشید بے کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا ”اور یہ غریب بھی مرجا نہ گا۔ آہ۔ ماں باپ کا لاڈلا بیٹا۔“

ہمارا سپاہی نکمروں کی طرح گر رہے تھے۔ اگر کوئی اُس وقت ہم پر حملہ آور ہوئے تو غنودگی سی جلد و جلد سے ہمیں پسپا ہونے پر مجبور کر سکتے تھے۔ لیکن ایسا ممکن ہوتا تھا کہ گری کی اس شدت نے اُن کے حوصلے بھی پست کر رکھے تھے حالانکہ اُن کے پاس حیات بخش پانی کی اتنی مقدار تھی۔

میں بے ہوش رشید بے کے قریب ہی بیٹھا تھا کہ کسی نے نہایت سختی سے میرے شانے کو جھونٹا اور ایک آفاقی طرح میرے کان میں آئی: ”پانی! ایسے پہنچ گئے ہیں!“

میں اٹھ بیٹھا۔ نہیں، سوچ تو الفاظ میں یوں کنا جابائے کر کسی نے مجھے اٹھا دیا اور میں اُٹا ہوا دیاں پچھا جہاں میوں کے گرد ہتھار ڈی جھوم کئے ہوئے تھے۔ رات بے سیرے ساتھ تھا۔ صرف وہ لوگ

پہچہ وہ گئے تھے جس جہنم ناگہری نے بننے سے منع دکر رکھا تھا اور ان میں رشید بے بھی تھا۔

بیسوں کے گروانا ہجوم تھا کہ غیر معمولی طاقت سے بھی کسی کو بٹا کر آگے نکل جانا ممکن تھا۔ افسوسہ سو طور پر بیستوں سے اس میں انتظام قائم کرنے کی سعی میں مبتلا تھے۔ پیاس تادیب و سزائش سے زیادہ طاقتور تھی۔ اتنی آہ و زاری۔ اتنی چیخ و پکار اور آناشوہ و غل غغا جیسے ہر آدمی دیوانہ ہو گیا ہے۔ اس جاہلی اور ریل پیل میں مجھے رافت بے سے بھی پیچھے دھکیل دیا گیا اور ایک لمحے بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ میں سبکے پیچھے کھڑا ہوں زندگی کی تحفے والے پانی سے دور۔ بہت دور۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے جان کئی کی سی حالت میں چھٹا شروع کیا۔ اور ان لوگوں کی پشت پر ہندو زبردے کے ہاتھ شروع کئے۔ جو مجھے آگے بڑھنے سے روک رہے تھے۔ لیکن سوائے اس کے وہ مجھے گالیاں دیں اور اپنے پاؤں سے ٹھوکریں ماریں کسی سے میری اس شدید تکلیف کا ذرا احساس نہ کیا۔

رافت بے کو میں نے ایک بار بھونک دیا۔ ایسا مسلم ہونا تھا کہ وہ خاک پر لٹ کر اٹھا ہے۔ اس کا چہرہ بڑھوئی کی طرح سُرخ اور پسینہ ترس رہا تھا اس کی ٹوپی کا تھما ہوا پانی والی گچھ دو تھیں ہاتھوں سے ختم کراس نے چھائی سے نکال رکھی تھی میں نے اس میں سے فلفل کی آدھائی۔ اس میں پانی تھا لیکن یہ بات میرے ذہن میں نہ آئی تھی کہ بے دو لہجے ہجوم سے وہ کس طرح پانی حاصل کر لیتے ہیں کامیاب ہو گیا تھا۔ میں اس کی طرف تیزی سے بڑھا اور نہایت زاری سے بولا رافت۔ مجھے ٹھوڑا سا پانی دو۔ اس کے عوض جو چیز تم طلب کرو میں دے دوں گا۔ ہوں!

اس نے میری طرف رحم بھری نگاہوں سے دیکھ کر کہا "تو کیا خود کو کچھ بھی حاصل نہیں کر کے؟ پانی تو بالکل ختم ہو گیا ہے۔ نام پیسے چالی پڑے ہیں۔"

گرمی و تبش کے باوجود یہ سننے ہی میرا بدن سرد ہو گیا۔ میں نے لجاجت آمیز انداز میں بے صبری سے کہا "مجھے کچھ بھی نہیں ملا صرف ایک ٹھوٹا ہی دے دو۔ جو چیز جاہلوں سے دینے کو تیار ہوں۔"

رافت نے مستقل مزاجی سے جواب دیا "افسوس میرے پاس صرف آٹھ پانی ہے جس سے میری اور شید کی جان بچ سکے۔ کم از کم میں اُسے اپنی بری حالت میں مرتے نہیں دیکھ سکتا۔"

میری حالت بدستور ہو رہی تھی۔ اس وقت درختیہ نے

کسی اور کی زندگی مجھے اپنی جان سے زیادہ گرامی اور عزیز نظر آتی تھی میں نے سوچا کہ رشید بے کو کوئی اور اپنے ہتھ سے پانی کے چند قطرات دیدیگا۔ آہستہ آہستہ سترہا مین پختہ ہو رہا تھا کہ افسانہ عشا تک پانی کے دو ایک گھونٹ مجھے میرے ذمے سے تیری روح جب فنا کی سے پروا کر گیا۔ جی۔ بری کسا تیزی سے ایک خیال میرے دل میں پڑا ہوا۔ مجھے اس وقت ہر کاری اختیار کرنی چاہیے اور رافت کو قہقہے لگا چاہیے کہ رشید مر گیا ہے تاکہ میں اس کے تحفے کا پانی حاصل کر سکوں جان کتنی عزیز ہوئی ہے؟ امتحان کے وقت محبت و الفت اور شفقت و مہربانی کے کیسے کیسے دعوے بے بنیاد اور باطل ثابت ہوئے ہیں؟ صرف چند گھونٹ پیلے میں چاہتا تھا کہ اگر ٹھوڑا سا پانی بھی میرے آٹھے تو میں تمام کا نام شہید بنے کو دیدوں گا۔ کیونکہ اس تکلیف کو برداشت کرنے کے لئے میں بہتر حالت میں تھا۔ لیکن اس وقت کہ نقصانے محیط کر کے تاریں تبدیل ہو چکی تھیں۔ میرے مہم وقت کے جذبات بہت اور عنصر اخلاق و جذبہ کینگی اور فریب کاری میں منتقل ہو رہا تھا میں نے مری ہوئی آواز میں اُسے مخاطب کر کے کہا "رافت، رشید تو مر چکا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اسے دم توڑتے دیکھا تھا۔ اُسے اب پانی کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ کیا تم ایک سرورہ انسان کے لئے پانی چبا رکھا جانتے ہو؟ لیکن میں پیاس کے ایسے بلکاں بن چکا ہوں۔ یہ یودو قرش نصف پانی کے لئے۔ خدا کے لئے مجھے پانی دو۔ مجھے پانی دو اُٹ! پانی! پانی!

یکمک میں دو زانو ہو گیا۔ اور سر ٹھکرا کر اس کے گھٹنے پکڑ لئے۔ مجھے معلوم ہے کہ میری حالت زار اس کے دھوکے جذبات کو سدھار کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو گئی تھی۔ لیکن رافت ابھی تک شش پنج میں تھا۔ چانچہ کچھ لکھوں کے وقت کے بعد اس نے کہا "اے اگرا وہ مر چکا ہے تو خدا اسے عذاب میں مبتلا کر دے۔ اور اس کی روح کو اطمینان عیب کر کے بدو بہت زندہ دل اور خوش الحوار آدمی تھا لیکن کیا کیا بے سہاٹی کی زندگی کی کج رہی ہوئی ہے؟ اب تم مجھے اپنی کٹی ہوئی تو میں اس میں ٹھوڑا پانی آندھیں دوں۔ اور یہ چاندی کے کئے تم اپنے ہی پاس رہنے دو!"

جس غصے کے لئے اُس نے میری کٹی ہوئی تھی مجھے معلوم تھا۔ یہ خوف تھا کہ اگر اس نے اپنی کٹی میرے حوالے کر دی تو میں تمام کا نام ہانی پانی جاؤں گا۔ اور اس کا خیال بالکل صحیح تھا۔

پانی مل جانے کے خیال ہی سے میری آنکھیں جھک اٹھیں میں نے

اُس کی طرف دیکھا۔ صرف ایک لمحے کے لئے ہم دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے سے ملیں۔ لیکن مجھے جرات نہ ہو سکی کہ اُس کی شعلہ باز آنکھوں کی طرف دیکھوں جو مجھے انتہائی حقارت و نفرت سے دیکھ رہی تھیں میرے شرم و خجالت کے جذبات سے مغلوب ہو کر پھر اپنا سر جھکا لیا۔

تھکنے غلط فہم کے بلجے میں اُس کے منہ سے نکلا۔ پھر میرے منہ پر چھو کر کہنے لگا: ”اُس سے زیادہ طاقتور ہو۔ شام تک پانی کا انشعاب کر سکتے تھے ممکن ہے اُس وقت تک کوئی مسلمان ہو جانا۔ وہ غریب یا سیر جاتیگا! کتنا ذلیل اور کتنا شرمناک فعل ہے۔ ایک لمحہ کا ایک حرکت ایک مسلمان کی شان سے گرا ہوا ہے۔“

یہ کہو اُس نے منہ پھیر لیا اور دو دو لڑکے شعیب بے کی طرف گیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ کس طرح سے دو دُعا چا چا رہا تھا اور پھر یہ بھی دیکھ کر کس پیرا نہ شفقت سے جھجک کر اُس نے رشید بے کے سر کو پس ماندہ پانی سے تر کرنا شروع کیا۔ اور کس ہیبت و سہمہ دی سے اُس کا منہ کھول کر پانی کے قطرات نہایت اعتقاد سے اُس کے منہ میں چمکائے۔ عبادا امانا دنا کے زور و جا رہے یاد دہیتی پانی کا قطرہ کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ اُس کا یہ ایشاد اُسکی ملک نفسی اور اس کا جذبہ ترجمہ میرے دل کو شرم و خجالت کے بلے پناہ تیروں سے چھین کر لے لیا تھا۔ اُسے اپنی جان کا کچھ خیال نہ تھا۔

مجھے حیاتِ نو کی کس اُس کے قریب جلا جانا۔ میں اسکی نکلیاں اور شب و ستم کی آواز سن رہا تھا اور فی حقیقت اسی کا منظر تھا۔ اس وقت ایک لمحہ کی دُعا بھی طاری تھی لیکن اس کے باوجود میری دلی تمنائی کہ عبادِ پہاڑی اپنی جگہ سنگینوں کے پچھو کے سے مجھے ہلاک کر ڈالیں کیونکہ اس سنگینی میں اس بزدلی کا احساس نہ صرف اُس وقت ناقابلِ برداشت تھا بلکہ اب بھی سالہا سال گزر جانے کے بعد جب کبھی اس روع فرما و اقدس کی یاد آتی ہے تو شرم و انفعال سے گرنے جھکا لینا ہوتا ہے۔

ماخوذ

محمد صابر الدین شمس

جی گرم اور گندے پانی کا جس میں سے سخی کی بو آ رہی تھی۔ نہایت بے صبری کے ساتھ مٹلے سے پیئے اُٹارنا شروع کیا۔ اپنی ساری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ پانی مجھے اتنا لذیذ۔ اتنا شیریں اور اتنا خوشگوار معلوم ہوا۔ رات نے بھی چند قطرات منہ میں ڈالے۔ پھر اپنی کچی کو نہایت پیار سے چھکی دے کر کہنے لگا: ”اُسے میں سخت ضرورت کے لئے غصہ ڈال رکھوں گا۔“

لیکن خدا کے بندے تو کینک بغیر پانی کے زندہ رہ سکتا ہے؟

میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ مجھے ابھی اور پانی پیئے کی خوشی تھی۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ جاگنمل پیاس کی شدت اور جانگلی کی کڑی تکلیف، جس نے دنیا کی ہر چیز کا خیال میرے ذہن سے محو کر دیا تھا، اب منقود تھی۔ حواس درست ہوئے پھر میں اپنے خود غرضاً فضل پر مذمت و اہم سے زمین میں غرق ہوا جانا تھا۔ مجھے رہ رہ کر یونین شیعہ کا خیال آ رہا تھا کس طرح وہ اپنے تصور میں پانی کی تشریف آفر تھا۔ اور کس بے کسی اور بے بسی سے خش کھا کھینچے ہوئے سر پر وار پڑ گیا تھا۔ ہمارے قریب ہی شعلہ بھرم کے افراد ایک دوسرے کو دھکیل کر خالی پیروں کو دھرا دھرا کر رہے تھے اس مہوہم اُکیر نہ شاید وہ پانی کا صرف ایک ہی قطرہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ میں نے کئی سہا پہنچو نہ کیا۔ وہ جگلی ریت کو زبان سے ہات دے رہے تھے اور کئی اپنے گرم رخساروں کو پیو میں کے کنارے تختوں سے لگا لگا کر اپنے سہیلے زمین دلوں کو دھوکا دینے کی سعی میں مشغول تھے۔

”آؤ اپنی کینٹی میں چلیں“ رات نے کہا تھیں تو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں مل سکتا۔ چند قدم کا فاصلہ طے کر کے میں نے تندرہ دوسری طرف پھیر لیا پھر نہ امت و انفعال آمیز آواز میں لولا کہ رات میں پیسے تم سے جھوٹ بولا ہے۔ رشید بے زندہ ہے اُس غش آگیا ہے۔“

میں ابھی فقرہ پورا بھی نہ کر کے پایا تھا کہ رات نے ایک نعت اپنا قلم رک دیا۔ اور میں بھی غرض اختیاری طور پر پھر گیا میں نے اپنا سر اُٹھا کر

میں اپنے ہوش میں اے فتنہ گر نہیں نہ ہی
ان مریضوں میں مرے علیسی نے رکھا ہر مجھے
کون ہے نرم کے قابل وہ سمجھ جاتے ہیں
تری خبر تو ہے اپنی خبر نہیں نہ ہی
جن کے حق میں درد اچھا ہو وادھی نہیں
سب نہالے گئے پروانے نہ نکالے نہ گئے

تربیت اطفال کا پہلا اصول

اور یہ کہ وہ بچہ تار شک و شبہ کا تجربہ نہیں بنایا جائے۔ اور یہ کہ اس کے ماں باپ اور استادوں کو اس پر اعتماد ہے۔ وہ اس کی مردانگی و انسانیت اس کے مقصد کی دیانت کو یاد کر رہے ہیں۔ ورنہ اس کے وہ اچھے اخلاق جو خدا نے اس میں ودیعت کئے ہیں بیکار خراب و برباد ہو جائیں گے۔ اگر ہم ہمیشہ اپنے بچے کی تاک نہ جھانک سکیں گے، بہو گے اور اس پر بھروسہ نہیں کرو گے تو بعد اس رویت کی جبکہ اس کے اوصاف جو قدرت نے اسے عطا کئے ہیں۔ کبھی بھی نہیں اُپسریں گے بلکہ بچہ کا یہ خیال کہ تم کسی جاسوسی کر رہے ہو اس حواس نہایت۔ اور اس کی طبیعت کی جولانی اور خود بخاری کو برباد اور اس کی سرگرمی اور کام کے دلہنے کو افردہ کر دیگا۔

اپنے بچے کو کیسوت کر دے۔ اسے چار کر دے۔ اس کی اس میں اور تجویز یہ ہے۔ سردی کر دے اور اس کو دکھا دو کہ اس سے توقع رکھتے ہو کہ وہ ہمیشہ اچھا کام ہی کرے گا اور یہ اس پر بالکل اعتماد ہے۔ اگر اس کا کوئی تجربہ اس کی فطرت میں بھی ہو تو نام بہترین اور شریف ترین فطرتوں کو یاد دلاؤ گے۔ لیکن جتنا تم اسے بار بار دہاتے دو گے اس کی بد باشا اور عزت میں شبہ کرتے رہو گے اور اپنے خیال کے مطابق کہ ایک بچے کے لئے کیا مناسب حال ہے۔ اس کی ہر ایک ذمہ داری پر غلط ڈیٹ اور سرزنش کرتے رہو گے تو یہ کہو کہ تم اسے ہر گز ایک شریف آدمی کی صورت میں نشا نہ پاتے تھے نہیں بلکہ گمراہی کا شکار ہو جاتی اور غلام بن جاتی ہوئی سنسنی و توترنی و دوج حاصل کر سکتی ہے۔ اہل مغرب کو کفر کی پید کر سکتی ہے۔ اسی طرح دیا گیا ہو۔ غلام بنایا ہو، سو سائیکہ کا ایک فرد بھی جو اہل مدیہ و باعورت با بچہ پرگزشتی ملنے کی اور دست نہیں پاسکتا۔

جس وقت بارش و نور ہو سکتی ہے پرزیشٹ اور پرد فیسروں پہلے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ ہر ایک طالب علم کو آزاد چھوڑیں گے اور اس کی نگرانی نہ کریں گے۔ اس کو اس بات کا احساس ہوئے دینگے کہ وہ آنکھوں پر ہر کسی نکتہ جین کی گنجائش میں ہے۔ توان پر یک کی طرف سے بہت سختی سے لے دے ہر پرستی۔ اور جب انہوں نے اعلان کیا کہ طالب علموں پر محاسن و عقاب لکھنا یا عبادت میں شامل ہونا لازمی نہیں ہے تو تک بھریں بارش و نور ہو سکتی ہے طلبہ کے ماں باپ نے خوف و خطر سے

کیا نہ کسی ایسے لڑکے کو جانتے ہوں کی بھلائی نہ کرانی کی باقی رہی ہو۔ اگر اس کے ہر ایک کام میں سختی کے ساتھ کسی خاص قسم کی آئینہ کسی خاص بات کو ڈھونڈا جائے۔ کیا تم نے کبھی ایسا لڑکا بھی دیکھا ہے جس نے اس طرح بات ہی خوش آئند عادیوں کو نہ بڑھایا ہو۔ کیا تمہیں کسی ایسے آدمی کا کھوج ملا ہے جو اپنے ماں باپ یا استاد کے ظن و گمان کی خورد میں کے ہمیشہ سانسے رہا ہو اور ہر اس سے امید یہ رکھی گئی ہو کہ وہ کیڑوں میں نہ لگے جو خدا و سرور ماں باپ سے ہر ایک فائدہ کی طرح اس میں بھی مستحق ہے لیکن عام طور پر ہم اس بات کو صحیح یا غلط کے جن بھوں پر بھروسہ نہیں کیا جاتا اور ان کو ان کی ذاتی خودداری پر نہیں دیتے دیا جاتا وہ ہمیشہ بڑے چوکریں اور ذلیل۔ تنگ حوصلہ و بھاری اور شکی مزاج کمزور و عورت بن کر رہ جاتے ہیں۔ جیسا کہ وہ لیا بھرو اور یہ قدرتی قانون ہے۔ انہیں بل کی بات نہیں کرنی چاہی۔ اسی ہر صریح کی طرف سختی سے کہے مطابق کہہ نہیں دوسرے کے محبوب و موندلے والی اور شکی طبیعت دوسری طہان میں بھی جن سے اسے واسطہ پڑتا ہے۔ لاپرواہی اخلاق کی کرداروں کو پیدا کر دیتی اور ان کو بھی ایسی ہی خفیف حرکات کا بار دیتی ہے۔ شکی مزاج آقاؤں کے نوکر بعض اوقات اس لئے خائف ہو جاتے ہیں کہ ان کے متعلق شکی خیالات کو ہر ایک تک ترقی دی جاتی ہے کہ وہ بھارے خود بھی اپنی استیلا والہ منت میں شک کرنے لگے ہیں اور اگر خود بھی ایسی ہی ہر صریح ہو جاتیں وہ بھی پتہ نہیں کہ کیوں نہ وہ مکمل شروع کر دیں جس کا انہیں بھلائی بنایا جاتا ہے۔ وہ بچے جنہیں احساس ہے کہ ان کے متعلق ان کے سرپرستوں اور نگاروں کی یہ خیال ہے کہ وہ اپنے کام سے ہی جڑے اور اپنے دوزخہ فرائض کی بجائے اور دی میں عمل انگاری اور بھول سے کام لیتے ہیں۔ یقیناً خود بڑے عرصے بعد خود ان ہی کا اپنے متعلق یہ خیال ہو جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ کے قابل نہیں اور یقیناً ان میں سے کچھ بڑی باتیں موجود ہیں۔ ورنہ ان کے ماں باپ یا استاد ان کو ایسا کیوں خیال کیسے ؟

اگر مضبوط اور شہادہ کی تکرار کو نشوونما دینے کے لئے کوئی بات سے زیادہ اہم ہے تو وہ آزادی کا احساس ہے۔ اس لئے ایک بچے کو ضروری طور پر بھروسہ ہونا چاہیے کہ اس پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔

کیا جانا تھا کہ گویا وہ اس قابل ہی نہیں کہ وہ اپنے اعمال و افعال کا پابند رہے
کوئرا و نظیرہ مکیں۔ ان تینوں کے باعث جب کسی بھی طلبہ اپنے
پرہیزیوں کی نگاہ سے اوچھل جاتا تو مقصد ہائے نئے دور و دور تمام
کو ایک طرف رکھ دیتے اور بہترین قسم کی ادابیوں میں مبتلا ہو کر ایسی
بے اعتدالیوں کے گڑھے میں کود پڑتے تھے کہ جس سے ان کا کلکنا اثر
ناممکن ہوتا تھا۔

اصلاح کا وہ قدم جو اول اول بار روڈیونیورسٹی نے اٹھایا تھا آخر کا
حکام بحیرہ کے نام سربراہ دورہ تعلیمی مرکزوں میں اختیار کر لیا گیا۔ اور مکمل ویدل
ہے کہ ہمارے بہتوں کا بچوں نے اپنے طلبہ کو عطا ہر قسم کی روک ٹوک
آزاد کر رکھا ہے۔ انہوں نے ان کا معاملہ ان کی اس اہمیت۔ ان کی قوت پر
رکھ دیا ہے۔ ان پر اعتماد کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اوپر قابو پائیں گے۔ ان
کی تربیت ہی اسی ہوئی ہے کہ وہ اپنے عمل و افعال میں آزادی اور حریت
سے کام لیتے ہیں۔ اور اس نکتے ان کو مضبوط اور زیادہ آزاد اور مست یادہ
باقاعدہ انسان بنادیا ہے۔ آج اگرچہ ہمارے روڈیونیورسٹی کا تعلیمی مرکز چلے
سے بہت زیادہ ترقی کر گیا ہے لیکن جس وقت پر پریزنٹ موصوف نے یہ
اصلاحات باہر مشتاس کر لیں تھیں۔ اس کے مقابلہ میں اب اس کے
طلبہ کی گرفتار باہر ان کی ہم باہر انہیں بہت کم چھٹی ہیں۔

حریت کا دل افراہوت کو نشوونما دینے کے لئے آزادی عمل کی نہایت
ضرورت ہے کسی ایک روکے لئے یا ہر نارباہر سے کہ وہ جب اپنی اشتیاق
ذمہ داری پہنی کا کر باہر ہو تو غلطی پر غلطی کرنا چاہتا ہے۔ پسندتاس کے
کہ وہ چلے تو یہاں کہیں سے پہلے پر باہر سے کہیں سے (لے کیلئے بہتر
کہ وہ تنہا چلنے ہوئے کسی قدر آزاد ہو جائے پسندتاس کے کہ وہ باہر سے پہلے
لیکن اس کی باگسی کیلئے کسی باہر سے ہو چھٹ ناکامی اور ٹوکریں بھی خالص
ہی ہو کہ بہتر سے کہ باہر سے پہلے پسندتاس کے کہ وہ پہلے ہی ٹوکریں بھی ہو
دھرم جو خاص شتاب۔ مایہر ٹوکری

(سویٹ لڈن)

فطرت

آؤ کہ ہم ان سروں کا لطف اٹھائیں جن کا زور صرف دانا لوگ ہی اٹھاتے ہیں۔ آؤ کہ ہم ان کے پاکیزہ دشتی ہیں کہیں کی طرف بگایا ہے۔ جہاں
مضمر اور سادہ مسرت ہادی منتظر ہے۔ آؤ کہ ہم ٹوکریوں سے بھری ہوئی وادی میں جہل قدی کریں اور اپنے حلقے کی گیت گائیں۔ دیکھو نسیم
آسمت آسمت ہادیوں کے ساتھ اپنے ناگ چھوڑی ہے۔ ایک ڈالی پر چھٹے نئے گایوں سے پھنسے چھڑا رہے ہیں۔ ان مسرت بھری آنکھوں میں
خوشی کی چمک ہے اور ان کے نرم نرم شہن میں صحت کا سر ہوا ہے مائے گھمبائے اور ایل۔ اور اسے ہلا دیا اہم قدرت کی کس قدر عاتبتیں ہیں۔
تمہارا سنکر طرح پاکیزہ روح کو اطمینان و مسرت بخشتا ہے۔ بہتر اکیٹھیاں کسی آرٹ کی مٹکی میں ہیں۔ اور یہ مٹکی ہرستان کی ان گیندوں
ادشا دباہوں سے کہیں زیادہ دلاور نہیں جس پرانی پائوں کو فخر ہے۔

(پرستار فطرت)

پورس

ارکان

سکندر = شاہِ دہلی
پورس = ہندوستان کا ایک راجہ
ہنگملا = ہنگملا کا راجہ
اکشانا = ہندوستان کی ایک ہمارائی
کلیو فیلا = راجہ ہنگملا کی بہن
ہسپستیان = سکندر کا سنہری
(دیباچے جملے کے نکلے راجہ ہنگملا کا کیوب)

ایکٹ اول

پہلا سین

شاہِ شاہ تسلیم کیا ہو۔ اُس کی شہرت سے سہم چلا تو کچا وہ تو یہ
خاکِ ارجس سے گئے وہ فتح و نصرت کا واحد جامہ دار نہیں۔
اردو بہن لاپ بچھے اُس سے مدد مانگنے کی صلاح دیتی ہیں جس
کے ساتھ وہ بدلاؤ کیلئے میری تلوارِ بیان سے باہر ہو رہی ہیں
کلیو فیلا۔ کہتی کچھ ہوں۔ سمجھتے کچھ ہو۔ تو آپ کی رفاقت اور
محبتِ منت سے مانگتا ہے۔ اس سے کیا واسطہ کہ کسی اور کے نظر
میں نہیں لاتا۔ ہائے کس قدر آپ کا پاس ہے کہ جب اس کے
غیر غضب کی بجلیاں کو نہتی ہیں تو وہ چپکے چپکے آپ کے بچاؤ
کا بھی انتظام کرتا جاتا ہے۔

ہنگملا۔ مگر حیرت ہے اس خوف کیلئے مجھے کیوں چنا گیا۔ اس کے
دشمنوں سے جملہ کار کا بنا پڑا ہے۔ اُن میں سے کسی پر یہ نظر
حیانت کیوں نہ پڑی فرمائیے آخر میری جان انہیں کیوں بتو
غزب ہے کہ مجھے دیکھ کر اپنے شعلہ غضب کو دامن میں جھپٹتے ہیں
اس لئے تو میں کہ انہیں پسِ وقتِ آفرینِ کرم کا سزاوار فوج سے
زیادہ کوئی نظر نہیں آتا۔ پورس موجود تھا۔ اُسے کیوں نہ کہا؟
شاہِ سکندر یہ جانتا ہے کہ اس کی محبت مردانہ وطنِ فروشی
کی روادار نہیں۔ وہ الہی دعوت قبول نہیں کر سکتا۔ محترم
فلت در سوالی ہو۔ پس یہ ہے وجہ کہ جو تاجِ غمور سپاہِ ارجس
لے ٹھکراوا اس سے غمے مرزا کرنا منظور ہے۔
کلیو فیلا۔ وہ اور آپ کو ہشیا خیال کرے۔ کوئی عقل کی بات ہے

کلیو فیلا۔ ذرا ہوش کی بنیے اُس بادشاہ کے مقابلے کا دعویٰ
جس کے جلال کے سامنے کھمان مرزا قہرِ شرم کرنا ہے۔ ایشیا
کے سب بادشاہ جس کے قدموں سے گزرتے ہیں جس نے تقدیر
کو بالِ باندھی نہ ڈی بنا رکھا ہے۔ یہ خیال خام دل سے نکال دو
بیٹا! انہیں کھو لو اور دیکھو سکندر کس طرح سلطنتوں کو الٹ دیتا
ہے۔ کیونکہ خود بخار بادشاہوں کو باہر تیر کرنا ہے۔ اور قوموں کی
قوموں کے کافر میں حلقہ غلامی ڈالتا ہے۔ اس لئے زمانہ کی
آواز بچاؤ۔ اُن کے انجام سے سبق لو اور وقت پر گولی بھاؤ۔
ہنگملا۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس کی مالگیر گرفت سے کانپ کر اپنی گردن
پاس کا چراگہ لوں۔ تاکہ سامانِ ہندوستان ایک زبان ہو کر یہ
طنع دے کہ میں اپنے ساتھ قوم کو بھی غلامی کے گڑھ میں نہ ڈو
آپ یہ چاہتے ہیں کہ پورس سے منہ موڑ لوں۔ اُن مارجنِ شہداری
کروں جو وطن کی آندھی کے لئے جانِ تھیل پرستے پھرتے ہیں
جنہوں نے گلے بندوں۔ ہائے بکارتے کہد یا ہے کہ اُن کی زندگی
اور موت مارجن کی شان کے شاہان ہوگی۔ کوئی ایک ہی
بتائیے جو سکندر کا نام سکندر کا نب اٹھا ہو جس نے اُلٹے سے
جی چڑھا جو اوداس کے غلاموں کے ذریعہ میں داخل ہو سکے
لے ماتہ پھیلے ہوں یا غلامی زبان ہی سے اسے سختِ ظلم کا

کون پر جاہ قید و بند کی دھمکیوں کو مذاق سمجھتی ہے۔ کون پر جا جس نے اپنا صرف اس کی شہرت کے لئے اٹھا رکھا ہے۔ جس بھی اس آبادی کا ایک فرد ہوں۔ اس نے میری تلوار پہنچا کشتیا کا قہقہہ ہے اور جس جال وہ جلا بھی اُسے جلا ہو گا۔

کلیو فیلا۔ تو رو کتا کون ہے آپ کو شوق سے سسل ہو کر اُسے اپنے تیشے کا نمنا دیکھ لے۔ ایسی تیز و خند آؤں میرے کپ کے رقیب کی کامیابی کا راستہ صاف ہو جائے۔ اُس دشمن جان حسین عمرہ کے ملکوں کی تعیل میں جان لڑا اُسے اور اپنے خن سے اپنے رقیب کی کشت آندو کو پیچھے! جلدیئے لے کشتیا کا کھر ہے۔ کہ پورس کی کامیابی کے لئے سو کر کارزار گرم ہو تاکہ وہ کشتیا کے ملک کی مملکت پر آرام اور اطمینان سے حکومت کرے کون دل پہنچے آپ اپنی طرف مائل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

نگسلما۔ ہاں۔ ہاں توہن آپ کا مطلب ہے کہ پورس
کلیو فیلا۔ کیا آپ کو اس میں کام ہے کہ کشتیا پورس پر پڑتی ہے۔ کیا آپ کے کانوں سے نہیں سنا کہ وہ کہیں نہ بے دیکر اس کے حیرت گاتی ہے۔ کیا آپ کی آنکھوں سے نہیں دیکھا کہ اُس کی تعریف سن کر وہ کس طرح مستانہ وار چھوٹی ہے اور بھی اس جنگ میں اپنا لہو پانی ایک کر دس گئے۔ اپنی دہائی کے جھنڈے گاڑ دس گئے گردنیا جاتی ہے کہ فتح کا سہرا پورس ہی کے سر پرے گا۔ آپ لاکھ تدبیریں کر رہے ہیں لیکن جب تک پورس سر نہ جلائیگا ایک بھی نہ چلے گی۔ گویا ہندوستان کی آزادی کا مدار فقط اس کی ذہت پر ہے یعنی اگر اس کا قدم پیچ میں نہ ہوتا تو ہمارے فیصلہ بدت کی راہ کا ڈھیر ہو گئی ہوتی۔ صرف وہی ایک ہے جو فتح کی چوٹی قدمی کے سامنے سر نہ سکندری کا کام دے سکتی ہے اس دہرا مارا جاؤ کشتیا نے اپنا دوتا جانا دکھا ہے۔ آپ لاکھ بار نہ کریں مگر میری کبھی لگہ نہ کھنڈے کہ کشتیا پورس ہی سے شادی کرے گی۔

نگسلما۔ بھلا! اگر جانتا ہوں کہ یہ حقیقت افسانہ ثابت ہو۔ ایسا لفظ نہیں سننا چاہتا جو شمع اُمید گل کرے۔ مجھے وہ تصویر نہ دکھائیے جس پر نگاہ ڈالنے سے دنیا آنکھوں میں اندھیر ہو جائے کوشش کیجئے کہ میری آنکھوں پر دے پڑے رہیں اور میری دل پر غلط فہمی کے بیٹے کا تانہ پڑے نہیں نہ آئے جن کو غور و زبیب دیتا ہے۔ پس اتنا کہہ دیجئے کہ وہ سب کے ساتھ میرے

بلکہ اُس کے خیال میں تمام ماجوں میں آپ کی بڑی کڑا سوا سب باہر ایک ہی نہیں لگتے جہن ہے کہ اگر آپ صرف اس جنگ کے ہاتھ بچیں تو باقی آن کی آن میں ہتھیار ڈالیں۔ اُس کا حسن بخت موجب ننگ نہیں۔ سر ہائے افغانی ہے کہ جس کی آپ کو دعوت مل رہی ہے اُسے کوئی بڑے دل کرنے کا انسان ہی قبول کر سکتا ہے کہ طرف اس کا ننگ پر نہ سمجھ لیتے۔ جنگ و ساری دنیا کو اپنے زیر نگیں لیٹھا جاتے۔ مگر اُسے ہرگز ہند نہیں کہ اُس کے حلقہ ہتھیار میں کوئی ظلم شامل ہو۔ بھائی اگر اس کی دوستی سے عاقل ہو آپ نے مجھے اس دن سے کیوں نہ بچا جس کی سپاہی دوزخ میں شمع ہوئی جاتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ جو ہر ہتھیار کی غارتگری ہے لیکن آپ نے کبھی اس سلسلہ کی دیکھ نہیں کی۔ آپ جانتے ہیں میں اس کی غور و نظر ہوں اور اس کے سینکڑوں خفیہ ہتھیار اس کی محنت کا زندہ ثبوت ہیں۔ میرے ذوق میں وہ جا ہیں بھر تاجے۔ وہ حریفوں کی صفوں کو کھیر کے دل کیسے پیچ جاتی ہیں۔ آپ کو زبیا تھا کہ آپ میری غیرت و دجا کے جذبات کو پھار نہ کرے اور ان تعلقات کو کچے دھاگے کی طرح توڑ کر رکھ دیتے۔ اس کے خلاف آپ ہمیشہ مجھے ہی فرماتے رہے کہ میں اس سے بڑا محنت سے ہتھیار آیا کروں خود مجھے اس کی محنت قبول کرنے پر آمادہ اور تیار۔ کہ دفعہ دفعہ میرے دل میں بھی اس کی محنت پیدا ہو جاتی تھی۔

نگسلما۔ اگر سکندریا جیوٹ سپاہی اس حسن و شوں ساز کی تاب نہ لاسکا تو اس میں کچھ لے کر کون بات ہے۔ اگر وہ طاقت آپ کے دل پر سلا ہو گئی جو فزات کے ہوا میں رکھا پیدائش کی ہے تو کیا جیتا ہے یہ سب دست! پرہیز میری تقدیر اور میرے وطن کی قسمت میں چلی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ جاتی ہو بھی بات ہے کہ میری رہبری کے بغیر وطن کی نجات محال ہے۔ آپ چاہتی ہیں میں اس کام پر ہاتھ نہ ڈالوں۔ مگر وقت چاہشیت کو آزادی وطن کیلئے سینہ سپر ہو جاؤں۔ جانتا ہوں میری باتیں ناگوار لگند رہی ہوں گی۔ مگر میں بھی تمہاری طرح دل رکھتا ہوں اور اس فافوس میں بھی محبت کی شمع جل رہی ہے۔ آپ ہی کہیں جب کشتیا کی قبر آلود آنکھیں سکندریہ پر چھو کر اس کا کھر دس تو کس طرح دوزخ دانی کردوں۔ اس دلوں کی مادی کا کھر ہے کہ اس کی ساری پر جا وطن کی آزادی کیلئے صاف باندھ کر کھڑی ہو جائے۔ کون پر جا جسے صرف اس کی لڑائی گراہیہ دہاں میں چھٹا سکتی ہے

ہیسا سلوک ردا رکھتی ہے۔ مجھے زندہ رہنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

کلیو فیلا۔ نا اُمید ہونے کی کوئی بات نہیں۔ یاں یہ ضرور ہے کہ آپ کی اس سنگ دل کو ہم نہیں کر سکتی یہ آپ سے خود اور یہ نالے بیکار رہیں۔ آپ جس چیز کو میدان جنگ میں تلاش کرتے ہیں۔ وہ سکندر خود ہنسا سے حوصلے کے دیتا ہے۔ بخور سے دیکھئے تو آپ کی جگہ سکندر سے نہیں ملکہ پورس سے ملتی ہے جو اس مجرب حسن کو چھیننا چاہتا ہے۔ شہرت نے اوروں کے کمالات کی طرف سے انھیں بند کر لی ہیں اور صرف پورس کا رنگ الہ اپنی پھرتی ہے خواہ کام کوئی کرے مگر تحسین ناشناس کا سختی پورس ٹھہرتا ہے۔ اور آپ سب کو نوکروں کا گرد کی طرح اُس کے پیچھے دوڑنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں کم جھوٹا اگر نوکر دنیا ہی منظور خاطر ہے تو کیوں نہ ہوتا؟ قاصد کو خبر کہ اور دو نانیوں اور ابراہیم کیسٹ میں کھڑے ہو جاؤ۔ اس غلامی میں کئی بادشاہوں کا قریب غیب ہو گا اور ایک دن پورس ہی نہیں ملکہ دنیا جہان کے فرماؤں تھارے ساتھ آئیں گے لیکن آپ کو سکندر غلام بنانا نہیں چاہتا بلکہ اس کی یہ خواہش ہے کہ وہ تلج جس کی دنیا باری آپ کے مفرد رقیب کی آنکھوں میں چلکا جو دنیا پر رہی ہے آپ کے سر پر چلکا ہے۔ سکندر میں پورس آپ کو غلام بنانا چاہتا ہے اس لئے ابھی وقت ہے اس کے جال کو توڑ کر نکل جاؤ۔

یادش عجم آپ کے مران تشریف لارہے ہیں۔

کلیو فیلا۔ وقت زیادہ گفتگو کی اجازت نہیں دیتا جاتی ہوں۔ اب چاہے سکندر کے دوست بنو یا پورس کے غلام۔ آپ کی قیمت آپ کے ہاتھ میں ہے۔

سین دوسر

پورس اور سکندر

پورس۔ ہمارا اگر سرری اطلاع صحیح ہے تو ہمارے مفرد دشمن ہی آسانی سے قدم نہیں بڑھا سکتے۔ سہنتا ہوں کہ ہمارے بیابانوں تلواریں سرخو ہوئے کے لئے میاؤں میں مل جل رہی ہیں۔ فوج کے حوصلے بلند و رازدارے استوار ہیں اور فتح کا جیبا جلا رہا ہے۔

ایک بڑا بک سودا سبقت لیجا نا جاتا ہے۔ ہر صف و فوج میں مست ہاتھوں کی قضا معلوم ہوتی ہے۔ اور ہماروں کے لئے آسمان کی خبر لا رہی ہیں۔ انہیں شکایت ہے جو صرف اس بات کی کہ انہیں شجاعت کے امتحان کا موقع نہیں ملتا۔ اور وہ کیمپ میں سکا رہ پڑے وقت ضائع کر رہے ہیں۔ آخر کب تک انہیں روکے رکھوں۔ سکا رہ دشمن خوب جانتا ہے کہ ہماری غفلت اس کے لئے کس قدر مفید ہے۔ اسے اپنی کمزوری کا علم ہے۔ اس نے اُس سے ہتھیاریاں کو بھیج دیے کہ میں باؤں میں لگا کر رکھے۔ اور حملہ نہ کرے۔

سکندر۔ مگر ہمارا انسا سب ہی معلوم ہوتا ہے کہ اسے فرار یا بی بھنا جائے۔ کیا جائے وہ کیا شرائط لیکر آیا ہے۔ عین ممکن ہے کہ سکندر صلح کا خواہشمند ہو۔

پورس۔ صلح؟ تو کیا آپ اس کی کٹنی ہوئی صلح قبول کر سکتے ہیں؟ درجے ملوں سے ہمارے امن و آسائش کو دہم پریم کر ڈالا ہے۔ بھل گئے ہیں ہمارا وہ وقت جب دوش مکلف ملازم ہمارے ملک میں آکر اور ان سے لگے لڑوں کو تھوڑے گھٹا ملا لڑا جنہوں نے خواب میں بھی مجھے ملی آنکھ سے نہ دیکھا تھا۔ ابھی صلح ہے نہ جس سے ہماری آباؤں کو ویران کر ڈالا۔ جس نے ہماری پہنچ پر جانے خون کی ندیاں بجا دیں۔ اور اب ہوتاؤں سے اسے ہمارے بس کر دیا ہے۔ تو میں آنا جن نہیں کر سکتا۔ وقت کا انتظار کروں جب ہماری زندگی اس کے دم و دم پر منحصر ہو۔

سکندر۔ اگر تو اس سے گڑھے تو اس کا یہ جاہ و جلال نہ ہوتا۔ وہ ابھی ہنگام کے کشت و پناہ ہیں۔ ہمارا ڈرا دھیر ج سے کام لیجئے۔ وہ بادشاہ جس کے برو کے ایک انشا ہے۔ بڑی بڑی سفینیں کاب جاس اسیا دشمن نہیں جیسے کوئی نا۔ حقارت سے دیکھئے۔

پورس۔ میں اسے حق نہیں سمجھتا۔ اُس کی شجاعت کا علاج اُس کی سبت کا معترف ہوں۔ لیکن میں وہ صلح فوٹو لیا جاتا ہوں جو اس کی خوبیاں مجھے طلب کر رہی ہیں۔ ہمارا آپ کیوں فکر کرتے ہیں سکندر اگر آسمان پر جا کر دو تاؤں کی گرد میں پناہ لے تو میں، اُس کے بھی کھینچ لیا گا۔ میں ان ہریکوں کی اینٹ سے اینٹ لگا دوں گا جو اس دن کے کاٹنے ہوئے اُنھوں نے اُس دوتاؤں کی یادگار بنائی ہیں۔ آج کبھی سوک سکندر نے ان بادشاہوں سے

عزت کی کچھ قیمت ہی نہیں سمجھتے۔ میرے خیال میں بڑائی کے دلغ کے بدلے ناچ جھل کر ناست گراں سودا ہے۔ اس کے علاوہ کیا آپ کو یقین ہے کہ اسکندر حبیب باہادر اور نامور بادشاہ اس ملک میں آسمان و ارضی آد کا کوئی نشان چھوڑے بغیر چلا جائے۔ دیکھ لیجئے بادشاہ سکندر سے تباہ کئے ہیں۔

اُن کے خطاب میں اس لئے فخر میں کہ سکندر کی شان میں اصناف کر پس یاد رکھئے اگر کچھ خراج دنا قبول کیا تو ہمارے لئے اپنے تاجوں کا سنبھالنا مشکل ہو جائیگا۔ اور اگر کبھی وہ نادہن ہو گیا تو پھر حکومت کی باگ ہم سے چھین گئی۔ کون ہائیگا کہ وہ یوں ہی ملک بلکہ دارا مارا پھرتا ہے۔ اور انہیں اپنی حالت پر چون کا توں چھوڑ چلا جائے۔ ہمارا جو گرہ وہ باندھتا ہے اس کی گزرتے کوئی راہ چلنے نہیں پاتا۔ اور وہ مٹی کے مادہ ہونا کر انہیں غلاموں پر حکومت کرنے کے لئے مامور کر دیا ہے۔ مگر کچھ ارادے کو ان فیصلہ خیالات سے کیا علاقہ یہ جو کچھ کہا کھنٹا آجکا سو مسرور کرانے کے لئے تھا۔ پورس سٹولٹا صلح پر غور کرنے سے انکار کرتا ہے جب اقبل اس سے پہلا کہ ہو تو وہ کسی کی نہیں سٹکارا۔

ہنگسلا۔ ہمارا ج! مجھے بھی عزت کا اسی قدر پاس ہے جتنا آپ کو ہے جو عزت کا تقاضا ہے کہ خواہ کچھ ہو پس وطن کو آفت سے بچائیں۔

پورس۔ صرف وطن ہی نہیں بلکہ عزت کو بھی بچائیے۔ آج ہی وہ دن ہے جب آپ حملہ آور ہو کر حملہ کر کے ہیں۔ اس لئے بڑھئے۔ اور اس کے لشکر کو جس نہیں کر ڈالئے۔

ہنگسلا۔ محبت اور محارت ناقابل اعتبار رہیں ہاں پورس۔ بدل کے جھٹے خاست کے سوا کچھ نہیں آتا! ہنگسلا۔ وہ راجے باجی رعایا کی حفاظت کرتے ہیں ان کے غضب ہوجاتے ہیں!

پورس۔ مگر ان کی زیادہ عزت ہوتی ہے۔ جو جانتے ہیں کہ حکومت کس طرح کی جاتی ہے!

ہنگسلا۔ اس کی تاریخ و رد کے سوا کچھ نہیں کر سکتا!

پورس۔ راجے اس پر سرور میں گئے۔ اور ہمارا نیاں آنکل میں ہائیڈ پھر پھر کی!

ہنگسلا۔ مگر ہمارائی کی آنکھوں میں تو آپ کس رہے ہیں اُسے تو

کہا ہے جن کے مالک پر آج اس کا پرچم لہرا رہا ہے۔ اگر ایشیا میں داخل ہونے کے بعد اس کی ہر آزداری میں ذوق آگیا ہوتا تو دارا کو یہ رحمت نہ گوارا کرتی پڑتی کہ دم داپسین اس کی شاہنشاہی کا کل رہتا۔

ہنگسلا۔ لگدارا کو یہ احساس ہونا کہ وہ کس قدر کمزور ہے تو آج اس کے ملک پر اس کی بجائے کوئی اور حکومت نہ کرنا۔ پھر بھی اُس کا غرور آپ کی موجودہ محارت سے زیادہ باسلام تھا۔ اس وقت سکندر کی ناموری کا آفتاب گناہی کے بادلوں سے نہ نکلا تھا۔ دارا کے کاناس کے نام ملک سے نا آشنا تھے۔ اور وہ آسانی سے فتح حاصل کر لینے خواب دکھ رہا تھا۔ لیکن اُسے حید معلوم ہو گیا کہ سکندر کسے کہتے ہیں۔ اس کی بے شمار فوج کے دھوئیں اُٹھ گئے۔ اور ایک پھر فوادی سے اُسے پس کر سرسہ نہ ڈالا۔ یہ بجلی پھیل گئی ہوئی تو دارا کی آنکھیں کھل جاتیں۔

پورس۔ اچھا تو بتائیے اس صلح کے عوز میں کیا اور کیا ہو گا۔ ہمارا ج آپ کو سیکڑوں فرس تیار ہیں کی کوئی صلح کے پھیرس اُن کے پاؤں میں زنجیریں لٹکائیں۔ ہمارا ج فریب کار سکرٹ پر نہ جائیے۔ اس کی دوستی کی دعوت ہمیں کیلئے غلام بنادی۔ اور دھوری اطاعت کسی کا آنے کی۔ وہ دو ٹوک فیصلہ کیجئے۔ یا اس کے غلام بن جائے۔ یا دشمن رہئے۔

ہنگسلا۔ اعدا و ہندو حملہ کرنے سے منہ موڑنے کو بڑی نہیں کہتے۔ لیکن جے کہ سکندر بے ضرر اطاعت پر قیامت کرے۔ گولے سے تو زہر کھیں دیں۔ باؤں سے مان جائے تو لاؤں کی کا ضرورت۔ بے لٹے جائیے جب تک یہ بلا اوپر کی اور کسی اور ملک کو نہ مل جائے بھلائے جائیے۔ اس وقت وہ پھاڑی نہ کی طرح اُٹھا رہا ہے اور جو چیز اس کے سپہ سالار ہیں پڑتی ہے اُسے ہالے جاتا ہے اس سیلاب کے پیٹ میں ہزاروں تباہ کاریوں کے خربز اور اس سیلے کے خرابے کی آواز سے دنیا گونج رہی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جس بھانڈے کے لئے اسے جھٹ دانا کہاں کی دانشمندی ہے۔ میری تو یہ بات ہے کہ اس کا تباہی سے ہتھیال کیجئے۔ اور اُن حقوق سے دست بردار ہو جائیے جنہیں ہم ہمیں پھر حاصل کر سکتے ہیں۔ بہر حال اس چکر کو نہ جانے دیجئے جو جھٹ ہاتھ آ رہی ہے

پورس۔ آپ باور کرتے ہیں ہمارا ج صلح بغیر کچھ دیے ہو جائیگی یا آپ

اسکی وجہ ؟

پورس - مذمت کے حجابے کو رو پونٹی سے بہتر نقاب اُسے مل ہی نہ سکتا تھا۔ حوصلہ ہانک کر سہلے آپ کے سامنے آتا۔ ہمارائی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتے۔ وہ اپنی بہن کو ساتھ لیکر سکندر کی قدیموں کو جانا چاہتے۔ تو جانے دیجئے۔ لیکن ہمیں اس مقام سے ہٹ جانا چاہیے جہاں محسوس اپنے شہنشاہ کی راہ میں آنکھیں بھجوا رہا ہو۔

اکشیانا - مگر ہمارے! میں بھی تو سنوں کہنا کیا ہے۔

پورس - صاف تو کہہ نہیں سکتا۔ گلاس کی باقوں سے اس کے دل کی کیفیت آشکارا ہونے سے نہیں ہوتی۔ اس کی ذہنیت کا اس سے اندازہ لگنا بھی بے فائدہ ہے۔ ابھی اسی کی غلامی پر اترا ہے تھے اس پر اس نہیں عینک مجھے بھی اس نعمت سے محروم فرما چاہتے تھے۔

اکشیانا - جو شرم میں نہ آئیے۔ روٹنے کو ماننا مجھے آپ ہے۔ دل شکستہ ہو گیا ہے تو کیا ہوا۔ موزمبیک کی جنگاری اس میں باک رہی ہے۔ خیر خواہ کچھ یوں اس سے دو باتیں کہنے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ ہمارے! نفرت اور عقارت سے آپ کسی شخص کو اپنا نہیں بنا سکتے!

پورس - میں غلام عرض نہیں کر رہا۔ ہمارائی! اس آستین کے سب پر بھروسہ نہ کیجئے وہ موقع ملے ہی آپ کو سکندر کے چھوٹے دیکھا اور پھر آپ کو اس سے انعام میں مانجھکا۔ صاف ظاہر ہے کہ اس پر اعتماد کرنا اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔

..... وہ ہینک
..... جو ہے وہ نعمت چھین لے جو مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے
..... گو آپ پر اپنا سرخا کرنا میری تمنا ہے اور یہ وہ صداقت ہے جسے دیکھ کر اس کی رقیبہ لاگ ڈانٹ خرمنندہ ہو جاتی ہے
..... اکشیانا - تو آپ مجھے ہیں کہ میرا جذبہ محبت اٹانگ لگے کہ اس کی حرکت کرے اور اوار ہو گا۔ اور میرا دل اس کی حکومت کو قبول کرے گا۔ ہمارے! الزام لگاتے وقت آپ کو شرمناک جابھنے۔ بنائے آج تک آپ نے کبھی میری طبیعت کا میلہ اس کی طرف دیکھا ہے۔ اگر مجھے وہوں میں سے کسی کو منتخب کرنا ہوتا تو شاید مجھے زیادہ سوچنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ کیا میں نہیں

کچھ نہ جھنکا ہی نہیں۔

پورس - وہ سب کچھ دیکھتی ہے مگر اسکی نگاہ کی غلام پر پڑتی ہے تو نفرت و عقارت دکھائی دیتی ہے!
..... گلگلا - ہاں یہ فرما ہے کہ کہاں کی محبت ہے کہ آپ اپنے ساتھ آئے اور اس کی رعنا کو لے کر ملتے ہیں۔ میرے خیال میں آج کا یہ قدم ہمارائی کی محبت کے لئے نہیں بلکہ سکندر سے عداوت کی بدولت اٹھا رہا ہے۔

پورس - میں ماننا ہوں کہ میری غیرت اسی قدر جنگ کی خواہش ہے جس قدر آپ صلح کے طالب ہیں۔ یہ آگ ہے جو میرے سینہ میں ملگ رہی ہے اور مجھے کھسکتی ہے کہ اپنی تلوار کا لوہا سکندر کے پیرزور سے سنواؤں۔ لیکن ماننے جب اس کی ہادری کا فیصلہ شہنشاہوں و امیران کھل اٹھتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ اس ہمارا کہن کا انتظار کرنے کو ہے میری آنکھیں پتھر کیوں ابھی اُسے ہم پر حملہ کرنے کا خیال تک نہ کیا تھا کہ میں اس کی دست و پاؤں کی خبریں سن کر راجت پیا کرتا تھا۔ جب مجھے اطلاع ملی کہ اس نے ادھر کا رخ کیا تو میں غامضانہ نگاہ کر زمین کی طنائیں کھینچ جائیں ادھ لک لکاتا آج آئے۔ بعض اوقات بے صبری مجھے مجبور کرتی تھی کہ سرزمین ایران میں پہنچ کر اس کا ہتھ دھک لوں۔ اب اگر وہ میرے سامنے سے نکل جائے کی کوشش کرے اور اس ملک سے نکل جائے کی کوشش کرے تو میں اس کی ناکہ بندی کروں گا اور اس صلح کے مستقبل کرنے سے انکار کروں گا جسکی اس وقت وہ ہمیں دعوت دے رہا ہے۔

..... گلگلا - ضرور ہے کہ اس قدر عالی حوصلہ اور مستقل مزاج انسان کو تاریخ میں نمایاں نہ کر لے۔ اور گو آپ اس سرفروزش کا نام لے کر بھینٹ چلے جائیں آپ کا نام رہی دنیا تک زندہ رہے گا۔ اچھا اب اجازت دیجئے ہمارائی شریف لاہری ہیں۔ اُن کے سامنے اُس خوش و خروش کی نائش کا رنگ خوب مجھے گا۔ میری موجودگی اس عہد راز و نیاز میں غلط ہوگی اور میری بزدلانہ دوراندیشی آپ کی سرگرمی پر اوس پر سامتیگی۔

سین میسر

پورس - اکشیانا

اکشیانا - گلگلانے مجھے آئے دیکھا اور ہتھ کاٹ کر ہلا گیا۔ حسد

مست کے دو انصاف کھول رکھے ہیں ممکن ہے اکشیا بھی جلد اپنے پاس پہنچ جائے۔ مگر آہ اکون کہ سبکے کہ کیا ہو گا چھا۔ خبر۔ سدا ہے۔ اور فوج کو سب ان میں لپکتے۔ جی بھر کے تپیں چھبیں اور شاید آپ بھی ناخبر سے ٹھگ آئے ہوں۔

پورس۔ عمارانی! خدا خیر جائیے اور میرے دل میں جھانک کر دیکھئے کہ اس میں محبت اور وفا کے کس قدر بیاب جذبے پڑ چکے ہیں۔ سر صدقہ اُترنے کے لئے وبال دوش ہو رہا ہے روح قدسوں پر تار بٹو کے لئے طعش کر رہی ہے میں مانا ہوں کہ ناموری میرے دل پر چڑھی ہے۔ مگر آپ کی اداؤں کو دیکھ کر وہ بھی سنبھل جاتی ہے۔ میں بھول رہا ہوں کہ میں کیا کرنا ہے شگ میری سب سے بڑی آرزو یہی تھی کہ اپنی نوع کا علمبرد کر کے اپنے رقب کا سر سریش کے لئے بجا کر دوں۔ نگران باقوں کا زنا نہ گذر گیا۔ اور اب ہمارا ہی آپ کے حکم کا منتظر ہوں ناموری اور انخام دونوں آپ کے قدموں پر پڑے ہیں۔

اکشیا۔ تو اطمینان رکھئے کہ رفرنا بردار دل ایسے اقلوں میں نہیں چلاؤاوت میں جانتا کرں اسکی خوشی مجھے اس قدر سنو رہے کہ اس سے میلن میں فتح کا حصلہ کلاٹنے کی اجازت دیتی ہوں۔ ماراج! شوق سے دشمن جملہ کچھ۔ گلانا دھیان ہے کہ رقیب ساتھ چھوڑنا نہ پائیں سر سہل سے ان کی دلداری کیجئے اور مجھے ٹھنڈے دل سے جھکنا کو نا راست پر لانے دیجئے میا نیاں! جسے کو دشمنی رام ہو جائیگا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہ آپ کے حصہ سے لئے کھڑا ہو گا۔

پورس۔ عمارانی میں صدق دل سے تمیل حکم کا عمد کرتا ہوں۔ اب میں کیوتا ہوں کہ ہر پستیان کیا رنگ لانا ہے۔ اس کے بعد تلواری کھینچے لیتا ہوں۔ (دور لکھی محمد عمر)

جانی کہ اس کا دل ہم دور جا کی کشش میں پھنسا ہے اور اگر میں دل نہ دیتی تو اس کا منور دل ایک مدت کا اپنی بہن کی مکاری کی غم ہو گیا ہوتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب وہ اسٹنڈر کی قد میں رہ کر پھر گھسلا آئی۔ تو میں فوراً بھانپ گئی کہ وہ بھائی کو اپنا ہم قرض سنانا چاہتی ہے۔

پورس۔ اور باوجود ان باتوں کے آپ کو اس کے پاس ہٹنا تو اربابے۔ ماریانی! اسے اپنے جرم و عیصان کی تار بٹوں میں چڑا رہے ہیں۔ دیکھئے۔ اور ایک راجہ ہاتھ سے جاتا ہے تو جانے دیجئے۔

اکشیا۔ میں اس کا دل آپ کی فتح کے لئے جیتنا چاہتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ مخالفت کا سارا بار آپ کے کندھوں پر پڑے۔ اور آپ تنہا لیکے اس دے پوریکل دشمن سے دوچار ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ گھسلا سرکہ کا زنا دریں آپ کے ساتھ چھوڑ دے اور اس کی بہن کی ریشہ و ایاں طاق رہ رہ رہ جائیں۔ ماراج! کاش دے دل رنگ میں آپ کو جو میرا بھی دھیان رہتا۔ گزری ضیف باتیں شاید آپ کے دل پر اثری نہ کر سکتی ہوں۔ آپ تو صرف۔ جانتے ہیں کہ آپ کے دشمن مسدان جنگ میں فتح بکف کام آئیں اور ہر میرا جو کھانا ہو کر ہوا کرے۔ حیران ہوں کہ آپ انہی نہیں سوچتے کہ میں سدا سے بھلا کر کہاں جاؤں گی اور آپ کے رقب کی ہوسنا کی سے کہاں جان بچائی جب وہ مجھے قید کر کے ذلت میں دیکھے گا تو آپ کے خون کے انعام میں مجھے طلب کر لگا۔ مگر آپ کو ان مسکوں سے واسطہ۔ جانتے اور میدان جنگ میں اپنے جان سپارنا نہ کارنا سے دکھائیے۔ صرف سرکہ رانی کا خیال کیجئے۔ یاد رہی جان کی مخالفت کو قلعہ داروں کر لئے لے لے رہی ہیں بھول جائیے کہ وہ تو ناؤں سے آپ کے لئے کشش

اسے ہوش تنجھ کو آنے سے میں روکتا نہیں
میں عکس ہوں آئینہ امکاں میں تمہارا
ساتی کو تیرے آنے کی سیکن خبر نہ ہو
تم سا جو نہیں کوئی تو مجھ سا بھی نہیں اور
جانتے ہیں تجھے ہم روزا دل سے لیکن
یہ نہیں جانتے کیوں کہ تجھے ہم جانتے ہیں
دفا نقش ہے وہ نقش جو مٹا کر بھرتا ہے
جنہیں دل سے بھلا دو گے وہ بہیم یلو آئنگے

پس پردہ

نہیں تھا۔ کیمرو والا اور اس کا ڈاکٹر کٹلاری کے سامنے کے ایکسل پر کھڑے تھے۔ انہیں صرف آگے کے پیچھے سے کچھ سمجھنا تھا۔ کٹلاری انتہائی رفتار پر جا رہی تھی۔ اور وہ ظلمت میں مصروف تھے اس حالت میں انہوں نے ہلکے ہلکے لپٹا لپٹا کر کہا۔ تین بارن کا توازن قائم نہ ہو سکا۔ اگر ان کی کمپن میں حفاظت کے لئے پہلے ہی سے رہے نہ ہوتے تو ان کی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا۔

لاہور میں گذشتہ سال کرس کے آئیام میں ایک زبردست فلم ”دی ونگز“ دکھایا گیا تھا جن حضرات نے اسے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس کا سرچین کس قدر حیرت انگیز اور سنی پیداکرنے والا تھا۔ لیکن ساتھ ہی بہت کم اصحاب جاننے والے تھے کہ اس کی تاریخی میں کیا خطرات پیش آئے ہوں گے۔ اس برس سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے صرف دی ہے کہ اس کے ڈاکٹر کو ولیم ہلین کے اس بیان کا ایک اقتباس پیش کیا جائے جو انہوں نے اس کے افتتاح پر بانی دوا میں آکر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں کبھی خواہ بھے کوئی لاکھوں ڈالر پیش کرے ”ونگز“ کے سے خطرناک فلم کی تیاری اپنے ذمے نہ لوں گا۔ کیا شروع کرنے سے پیشتر ہی نے کپنی کے سرخسند سے کہا تھا کہ جو شخص خطرے کا نام بھی نہ جان بولا بیٹھا اس سے کوئی سے آٹا دوں گا۔ لیکن جب کام شروع کیا گیا تو ہم اس کے کسی کا دل بھی خوف سے جھٹکتا تھا۔ ایک گھر سے دیا کے کناروں پر محمودی سنگلچ خانہ کھڑی تھیں۔ اور دو دفوں کے درمیان بہت تنگ فاصلہ تھا۔ رچرڈ آکر لین کے ہوائی جہاز کو اس گرائی میں غوطہ کھانا تھا۔ اس موقع پر اس کی جان بال بال بچی۔ اگر وہ فوراً اس میں سے کو نہ جاتا تو جہاز کے ساتھ جو جہازوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا اس کی زندگی کا بھی فیصلہ ہو جاتا۔ ہوائی جہازوں کا جو مرکز اس میں دکھایا گیا ہے۔ وہ ان تیزروں اور گھاتوں کا نقشہ ہے جن سے جنگ غیر ممکن کام لیا گیا تھا۔ فوجی نوٹشٹر کرنے کے لئے طیاروں کو اکثر بہت دور تک زمین کی سطح کے ساتھ ساتھ اڑانا پڑتا تھا۔ ایک موقع پر ایک ہوا باز اپنے طیارے ایک

جہاز کا کیا گیا ہے میدان کا رزاکر کی فلم لپٹا بڑی جان جو کھوں کا کام ہے۔ ایکڑوں اور فائٹر کیکڑوں کے علاوہ ان لوگوں کی زندگی بھی محض خلوص ہوئی ہے جنہیں کیمرو اور میگافون..... کے پیچھے کام کرنا ہوتا ہے۔

”ورڈن“ اس نوع کے فلموں کی لائٹنی مثال ہے یہ مشہور میدان جنگ کا انگریزی فلم ہے اور گوگل ریش کپنی.....

نے اسے سین سوکڑ کا رازدار جبکہ گولیاں سین کی طرح برس رہی تھیں اور ہر سے بڑے تباہ کن گیسے برطرف اڑھتے پھر رہے تھے۔ فلم کیا ہے اس کی خوفناک واقفیت اور تفصیل کی صحت سے قطعاً انہیں کیا جاسکتا۔ فلم سڈی سے عام دستور کے برعکس اس کے لئے خاص طور پر اس غلیظ اور بے کیف موسم کا انتظار کیا گیا جو ایام جنگ میں واقع ہوا تھا۔ بند ی میں مٹی گولے استعمال کئے گئے۔ اور میدان جنگ کو خطہ دامن کے علاوہ مین ہٹم کر لیا گیا۔

اس دوران میں کوئی ایک حادثات رونما ہوئے لیکن اس سے کچھ زیادہ نقصان ہوا۔ وہ کیمروے والے منظر کی تصویریں میں مصروف تھے۔ کہ ایک بڑے سے گولے کا ایک ٹکڑا ڈاکٹر ان کے پاؤں میں اچڑا اس گولے کا طول وہ خطہ اور جو منہ تھا ایک ایک فٹ بھی اور وزن میں چندہ بڑھتا تھا۔

خفا مقدم کے طور پر کوئی ممکن احتیاطا طمانہ رکھی گئی تھی۔ نزدیک کی تصاویر لینے کیلئے خندق میں کھودی گئیں۔ ریت کے پھیلے مینا کئے گئے۔ تاکہ کیمرو والا ان کے پیچھے خطرے سے مامون ہو کر اپنا کام کر سکے۔ باپس بہرہ تو ڈاکٹر فرانسسہ باناتان کے سر میں شدید زخم کیا اور صلیب امریکی جماعت جو فلم کپنی کے براہ بھی انہیں صحت پر سے اٹھا لیکن تاکہ زخم کی شست و شو کرے۔

فلمس ڈاکو اس حصے کی ایکل میں بھی سخت خطرے کا مقابلہ کرنا پڑا جس میں ۲۵ آدمیوں سے بھری ہوئی لاری کے ڈرائیور کی تصویر

ناگام رہیں۔ پانچویں فراس کے بادبانوں کو تیل میں زکے تختوں پر چل رہا دیا گیا اور جوت میں بھکے سے اڑھانے والا باد روک دیا گیا اور ارد گرد کی کشتیوں سے گولہ باندوں نے گیسے برساتے شروع کئے۔ آگ کی تپتی والوں کو چڑیا لگا تھک گیا جب ناخون ہوسنے لگے تو سمندریں کو گرانی جانیں بچائیں۔ لیکن جہاز سرعرت کے ساتھ ڈوب رہا تھا کہ دو آدمیوں کی جانب سخت خطرے میں تھیں۔ اگر اس وقت کمال دانشمندی سے کام نہ لیا جاتا تو جان کے ساتھ وہ بھی نذر آتش ہو جاتے۔

بعض ڈراموں کی تیاری کے لئے فلم سازوں کو مناظر و منظر بنانے پڑتے۔ یہ عین فطرت سے لئے جاتے ہیں۔ بطور قیاس امر بیت سان نظر آتا ہے۔ لیکن اس میں بھی موسم کی ایک جگہ تبدیلی سے ہزاروں لوگوں کی جانب خطرے میں پڑ جاتی ہیں۔ لارنس سٹانلگ کے شہر ناول اولڈ لائنز میں کاظم فریڈ "سی" تیار کر کے میان لوگوں نے جنہیں اسے ایک نیا کھانا امریکہ کے ساحلوں کے سخت خوفناک طوفان برداشت کئے۔ ان میں استھرا لائن چارلس فادرل، مایس ہیری اور جارج میکروڈ بھی تھے۔ ایک بار یہ ایک شدید طوفان میں گھر گئے اور متواتر آٹھ گھنٹے سمندر میں پھرتے رہے۔ آخر ہزار جنہیں تصویر بننے کے لئے فوجی ترتیب سے آہستہ کیا گیا تھا ایک اور طوفان میں غرقاب ہو گئے۔ یہ طوفان اس قدر زبردست تھا کہ بڑے عسکری جہاز کانسٹیبلوشن کے تین بھاری ستون ٹوٹ گئے اور تختہ پرستاروں سے چند قدم کے فاصلہ پر بڑے دھماکے سے گرے ان میں سے ہر ایک کئی من زنی تھا۔

قوٹے کام میں نہج کی دست اندازی گئے دو واقعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جب اس نے ارزہ فرزند ناٹکی تصویر بننے کے وقت غل غل کو کھدایا۔ غلط کام اٹھاد کر دیا۔ ان میں سے ایک حادثہ ٹوئس وقت مونا کو واجب یلیون گیش برف کے غلط چلنے اور سمندر میں سسل بننے ہوئے قوف پر ایکٹ کر رہی تھی۔ اس وقت قریب تھا کہ اس کی زندگی متعلق ہو جائے۔ دو روزہ اور دو فلورا برائن "کا ہے۔ جب وہ" جیسی کو کیلے میں ایکٹ کر رہی تھیں میں یہ دکھانا مقصود تھا کہ فلورا کو بچ پڑیگی ہے۔ اور ایک سلاب آجانا ہے اور اس کیلے کوئی جاتے دار باقی نہیں بچتا اس نازک موقع پر ہر شخص کا پارٹ جاب کا بڑا کھڑا کارڈ کا غافل ہونا ہے اور باقی جان کو خطرے میں ڈال کر حیثیت اگلیٹھ پر اسے نجات دیتا ہے۔ سلاب کا غافل پلے ہی سے دریا کے ایک حصے میں نہ باندھ کر کیا تھا لیکن جب خند ٹوٹے گئے سلاب غرق ہو کر ریاست شدت سے آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ غیر معمولی طور پر سخت بادش نے پانی کے حجم میں خوفناک اضافہ کر دیا تھا۔

یکس کلاس قدر ذریعہ لے آیا کہ سپاہیوں کو جاس پر مامور کر رہے تھے اپنی جان بچانے کے لئے دیباہی خط لکھا۔ اگر ایک ہوائی جہاز نے غرقہ رہتے سے جو قسمی ایک طرف ہوتا تو کم از کم کچاس آدمیوں کی جانیں بچ جاتیں۔ ہر سیرس سڑ و لین اکثر وں کے ہمراہ ہوتے تھے اور تا فیکہ خود اس میں حصہ نہ لیتے تھیں کوئی خط نا ایکٹ کر کے کی اجازت نہ دیتے جب ہوائی جہاز زمین سے کچھ بلندی پر اٹھتے ہوئے وہ اکثر ان تک پہنچ جاتے تھے ہاتھ لگا کر واپس آتے تھاروں سپاہیوں ہوا باندوں اور فاکٹور کٹوں کی حفاظت کا بالان کی گردن پر تھا اور اس کے علاوہ ہسٹنٹ ڈاکٹر و کیمرو والوں اور ایکٹروں کی تعداد بھی انہیں ہی کرنی پڑتی تھی انہوں نے بچان چلوں اور دیگر متعدد کام کیلئے سے قطعاً اکٹھا کر دیا۔ چنانچہ بچیں صحیح فائدہ کی تصویر سے تکریمہ والوں نے اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈال لکھا تھا کوئی ایجن کے پیچھے پروڈر سے چنانچہ کے فاصلہ پر بندھا ہوا تھا۔ کئی جہازوں کے باندوں سے مربوط تھے۔ اور ہمارے بھی تیر کی ہی سخت کے ساتھ بلندی پر سے نیچے کی طرف گرتے زمین سے دو بلندیوں پر قلابا بیل لگتے تھے۔ اور کچھ خوش کی کا تھاک سمت جھڑکا ایک جگہ دوسری سمت پھر جاتے۔ اور یہ ایک ہی سمت پر ایک ٹک جاتے جاتے خوف اس اسیدر کہ زمین پر صحیح سلاست پہنچ جاتی تھیں۔ جہازوں کی تیز رفتاری اور سخت اور سخت کاٹل ہینے کے لئے انہیں کچھ دھڑے (جھلکناٹ) سٹڈو

میں کا کرنا پڑا تھا ایک جہاز نہ تھے پر انہیں ٹھاکر ہر مرکز میں آتے آہستہ اور تیزی کے ساتھ حرکت ہی جاتی۔ یہاں تک کہ وہ اس کے عادی ہو جائے۔ داروں کی طرح "سسام" میں بھی ایسی گولے استعمال کئے گئے تھے۔ سپاہیوں کے چلنے پھرنے کی جگہ سولہ زخموں میں تباہ کن باد و طوفان ہوتا تھا جس کو ایک گولے سے کئی فٹ زمین سخت دھماکے کے ساتھ پھیٹ جاتی تھی جو سپاہی کو اس کی نقل و حرکت کے متعلق نہایت دقیق رہا بات ملی ہوئی تھیں۔ اس فلم کی تیاری میں کئی ہزار آدمیوں نے کام کیا۔ انتہائی احتیاط کے باوجود ہونا حادثات بھی وقوع پذیر ہوئے تھے۔ کاپول ول دی۔ سی۔ جوش و خروش میں ایک جہتے ہوئے گولے کے اس قدر ذریعہ چلے گئے کہ ان کا تمام چہرہ ٹوٹ جھٹکا گیا۔

حیرت انگیز پوری فلم "کوئسٹ" جس کا ہر سیرس گ و پلے میں سخی پیدا کر دیتا ہے۔ ایسے واقعات سے بھرا ہوا ہے جس میں تاکر نے والوں اور ایکٹروں کی زندگی سخت خطرے میں بھی رکھے نہاد مشکلات کا باعث پر اسرار جہاز "آسی" ثابت ہوا۔ سین اس امر کا متعنی تھا کہ اسے غرق ہونا دکھایا جائے۔ چار باس کو ڈوبنے کی کوششیں باطل

مکافاتِ عمل

از مکاناتِ عملِ نائلِ مشو

گنہم از گنہم برود جو ز جو

پیشانی اور لغزت و لغائی کی ہوگی۔

طہریت قلب عاقبت ہے۔ اور پیشانی کی خیالات کمزوری۔ یا بوسا ز خیالات کاٹنے و ارجحائیاں ہیں۔ جو اچھی پیادار کا گلا گھونٹ کر کھیتی کو تباہ کر دیتی ہیں اگر ہم بس اکر اکر بھی طہر ذہن نشین کر لیں کہ ذہنی قانون بھی فطری قوانین کی مانند اثر اور فیض منتقل ہوتے ہیں۔ تو زندگی کے پیچیدہ مسائل نہایت آسان ہو جائیں جیسا کہ اول جہل میں پیدا ہوا ہے۔ اپنا پورا کاشا یا گلاب، جو یا گھسوں آجاتا ہے۔

ہماری زندگی کے واقعات ہماری ذہنی کاشت کا ثمر ہوتے ہیں، اگر ہم آدمی کوئی تو بکر لکھتے ہیں۔

اگر ہم کثرت و فراوانی کے خیالات کا بیج بوئیں۔ تو ہم فصل بھی لائی کاشتے ہیں لیکن اگر ہم دولت، دانش، پیادری اور ناکامیابی کے خیالات کی بذرش کریں تو فصل بھی تلاش اور خلاکت زدہ ہوگی زندگی خیالات ہی سے بنتی اور خیالات ہی سے گزرتی ہے۔

جب ہم ایک فرد غرض اور لغزت، تجرہ و دیکھتے ہیں تو ہم سمجھ جاتے ہیں کہ یہ خود غرضی اور پوری کے خیالات کا نتیجہ ہے۔ لیکن جب ہم ایک پر سکون مطلق اور مسرت افراد پر دیکھتے ہیں۔ تو جان لیتے ہیں۔ یہ طہریت و طہین اور امید افزا خیالات کا نتیجہ بری کا پل ہے۔ اگر آئین نظرت میں کوئی ایسا آئین ہے۔ جسے سب نے یاد نہایت دی پاسکتی ہے۔ زورہ کہتے ہیں۔

گنہم از گنہم برود جو ز جو

ایک شخص جو یا تو نے اپنے ختم کو ان شروع کر دے۔ یہاں تک کہ ظن پہنچے۔ نتیجہً کل خاتمے میں بند کر دیا جائے گا۔ لیکن ہم اپنی ذہنی قوتوں کو عیش تیز خیالات، آفات لغزت، انتقام، غصہ، عجب و حد سے کاشتے رہتے ہیں باہر۔ تینے تیسے صبح اٹھ کر سلیم العیاد اور سہارا خیالات کرتے ہیں۔

ہر خیال ایک بیج ہے جس سے تقریباً اس بیسیا ایک ذہنی پیدا

”خیالات تقدیر کا دوسرا نام ہے ایسی تقدیر کو خود انتخاب کرو۔ اور منتظر ہو کہ کیمکیت سے محنت اور لغزت سے لغت کا پل لگتا ہے۔“

ایلا ویلرو لکھتے ہیں۔

”خوف و صرحت خیالات مشاقت اور بھڑکی کی ان عادات میں رونما ہوتے ہیں جو جاں کشی اور دوش ساحت میں ستر لہو کی ہیں۔ کسرت و تعجب کا مقام ہے کہ تمام لوگ جانتے ہیں کہ غصہ میں ہیں پر تھیں جس چیز کا پورا ہوتے ہیں۔ زمین سے ان کو دہی چیر پختی ہے۔ اور جو ہو کہ گنہم کا کاشا قطعاً ممکن ہے۔ لیکن جب ذہنی اور مادی کاشت کا سوال آتا ہے۔ تو اس قانون کو کبھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

جب ہم سالہا سال سے ان کے معاملت جذبات کا بیج بو رہے ہوں۔ تو اب سرت و طہین ان کی فصل کی کس طرح امید رکھ سکتے ہیں؟ جب اس تمام عیش میں صرفہ ز خیالات کی پرورش کی گئی ہو تو اچھی محنت کی امید کس طرح کی جا سکتی ہے؟ اگر کہ ان کاشتے ہو کر گیوں کی فصل کے انتظار میں ہو تو ہم اسے دیوار خیال کریں گے۔ لیکن ہم تخم بڑی تو عزم، فکر و خوش اور شک کے خیالات کو کرتے ہیں۔ اور پھر تعجب کرتے ہیں کہ ہماری زندگی کیساں اور طہینان کیوں نہیں؟ ہمارے ذہن اور دماغ کی فصل بھی تو اسی قانون کی پابندی ہے جو کہ ان کی فصل پر مادی ہے کیہ تم نے گنہم از گنہم برود جو ز جو

نہیں سنا؟

انسان کی کارکردگی بس کی فصل ہے جس کی کثرت و قیمت اور شادابی اور چمردگی کا پختہ دماغ کے خیالات پر ہے جس طرح ایک کان کاٹنے کو کر گنہم نہیں کاٹ سکتا۔ اسی طرح جی و نا کاروائی کے خیالات کی آبیاری کرتا ہے کامیابی کی صورت نہیں دیکھ سکتا۔ اگر وہ روشن، پاکیزہ اور زندگینہ خیالات راستہ بڑی اور چمکتی کے خیالات، کھلائی اور فراوانی کے خیالات اور اعتماد و یقین کے خیالات پلے کردہ یعنی فصل بھی ایسی ہی حاصل کئے گا لیکن اگر وہ کارکردگی اور پیشانی اور لغزت و لغائی کے بیج بو تے۔ تو فصل بھی آوارگی و

ایک غلط تاریخی قہر

سُن اشیطان جس لوک کے لئے قہر اتنی خوشی کا سامان کیا اس لوک کے بہشت میں جلسے کا سامان کر اسیا ہوئے سے خوشی کی اُتھان نہ کی اس بچے کو ابھی گناہ ہے جو ان کے نہیں اسی وقت اس کی جان جیلے سے یہ سید حارث کو جانیگا

اس حکم سے سب لوگ حیران ہو گئے۔ بڑے اور بڑھی سے خوزدہ ہو کر آسنو پونچے ہوئے آتھ جو گرفت آسنو آقا زین کما خداوند آپے عایا کے ماں باب میں تصور صاف کیجئے۔ لیکن اس آہ و زاری پر بھی اس ظالم نواب نے ایک نہی اور ماں دونوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے ہاتھوں معصوم بچے کی جان میں مجبور اُن دونوں نے ذاب کے حکم کی تعمیل کی اور مجر پارے کے سر کو گرہ سے الگ کر دیا۔

دونوں گھر باہر لوگ گھبرائے۔ دربار جاگیر میں حاضر ہو کر سردار دیکھا جادشاہ کو سنبھالیا۔ بادشاہ آگ بگولا ہو گیا۔ فوراً معصوم و ختم دونوں کو ساتھ لے کر لاہور بھیجا۔ اور دوسرے قلعہ میں ایک بڑا دینا دیا اور دوسرے بڑھی کو چھتیدہ رکھا۔ اور دوسرے پر چاکر ہاکم کا سلوک رعایا کے ساتھ کیا ہونا چاہئے "اصف جادہ اور اہل دربار نے بیگ آواز کیا کہ جہاں نہا علیا کی عزت و ناموس اور جان کی حفاظت کیلئے اگر جان بھی دینا ہو تو بلاس میں حاکم اپنی جان تک دیکتا ہے۔ بادشاہ نے مسکاکر کہا سچ ہے۔ اگر حاکم اپنے آسام کی بند میں مل پڑے پر کسی معصوم بچے کی جان سے تو کیا وہ حاکم کلم مدلی نہیں کرنا؟

بادشاہ کی بات سن کر اصف جادہ کا نپ اٹھے اور انگلیں نیچ کر کے بیٹھ گئے۔ بادشاہ نے ہنس کر حاضرین دے بارے کہا۔ آپ نے دیکھا نہیں ا بھائی اصف جادہ رعایا کے اکسم کا قدر و خواہش مند ہے۔ رعایا پر ظلم کی بات سن کر زین بر بیٹھ گیا۔ فوراً اس سے دو چالہ بیہ ظالم کی کیا سزا ہونی چاہئے فوراً اس نے عرض کیا جس طرح اس ظالم شگول سے والدین کے ہاتھوں سے معصوم بچے کو ذبح کر دیا ہے اسی طرح اس ظالم کاس کے حوزیک کے ہاتھوں ذبح کرنا چاہئے۔ بادشاہ کے اشارہ سے وہ دونوں حبیب زود دربار میں حاضر کئے گئے۔ انہوں نے سن سن تمام بیٹا کسے سنانی اہل دربار کی آنکھوں سے آنسو پک پکے دل قابو سے بہہ رہے گئے۔ واقعہ کے ثبوت پر شاہد اس گدیں اس وقت دربار بجلی کی طرح تڑپ کر کھٹ سے نیچے

بسا اوقات حسن ظن اپنے جہد کیلئے عین ثابت ہونے کے کھضر ثابت ہو سکتے ہیں۔ وجہ یہ کہ کج کشمکش واقعات کی تفتیش میں غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر کسی سیاسی مذہبی پیشانی کو صحیح سوانح عمری دریافت کرنا ہوئی ہے تو ہمیں اس سن میں کی جسکے کورے کو کھولنے سے الگ کئے نہیں جی بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں اور کبھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ سہیت کے گوہر و شفا سے نقلی صورتیں میں جھپ کر قدر شناس جوہری کو اپنی خبریاری سے محروم کر دیتا ہے۔ یہی اختلاف کی بنیاد ہے اور قبول حق کے لئے سخت مسئلہ تاریخ میں اس سے نہایت کی جاگتی اور سیاسیات کی فضا پہلے سے بھی زیادہ گرد آلود نظر آئے گی۔

ایک معزز اخبار نے اپنی قریب اشتاعت میں اصل جاگیر کے معززوں سے نور جہاں کے بھائی اصف شاکر ایک غلط واقعہ منج کر دیا ہے جس کی نقل اکثر اردو اخباروں میں چھپ چکے ہیں اس سے پہلے کہ اصل نقل کا ان اردو دریا کیا جائے اس واقعہ کو مختصر کے ساتھ یہ ناظرین کرنا ہوں دو معزز اخبار بیان کرتا ہے کہ۔

اصف جادہ نور جہاں کے بھائی اور متاثر محل کے باپ تھے، جاگیر کے دربار میں ان کی بڑی قدر تھی بادشاہ نے ان کو لاہور کا صوبہ دار مقرر کیا تھا اصف جادہ لاہور کی صوبہ داری کے زمانہ میں ایک آدمی رات بچ رنگ دیکھنے کے بعد اچھی ناپائی خاکہ پر دوس کے گھر سے جس میں ایک بڑا حاکمان دلی محمد اپنی رشتہ خان کوئی اولاد نہ تھی اس پر بھلے سے ایک اولاد کو لگے گھر کے لوگ خوشیاں منانے لگے تھے تاہم سرت کی ابتدا ہو گئی نے والی لاہور کی بھی خیر جم کر دی۔ انھیں گلیں آٹھ چار دینہ و غضب کی حالت میں گھر باگداس پر دینہ و دھوکے کو بدلہ پر لایا۔ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی غریب بڑا اور بڑھکی بڑا کر لائے گئے۔ ذاب کے قصص کے نویں کہا۔ اتنی مات گئے تھے کہ خود کیوں چھایا۔ ہم جنم کی سیر کرنا چاہتے ہو۔ اس غریب بڑے سے دست بستہ عرض کی خداوند! اچھا ہے میں سے اولاد دپائی ہے۔ اس نے رات کو خوشی منائی ہوئی۔ دو ایک حصوں کی میرا قصور صاف ہو۔ تو مجھے ہنس کر کہا ہاں اس بڑے کو دیکھا پیدا ہوئی اس قدر خوشی ہے۔ اچھا اب اس خوشی کا خاتمہ ہو۔ اس نے اپنے ذوق سے کہا کہ جاؤ اس لوک کو مٹا لا۔ حکم ہونے ہی کو کر کے کئے گئے۔ نواب نے حکم دیا۔

ہوا اور اس شخص کی موت جہانگیر کی موت سے پہلے ہو گئی تھی۔
جہانگیر کے والدین سے دینے والی سے عالم باقی کا سفر کرتا ہے۔ صفت
بٹھانے کے ہمارے موجود تھا۔ شہزادہ ارشد شاہ جہاں میں حصول تخت کیلئے
رقابت بھیج رہے تھے۔ آصف خاں شاہ جہاں کی مدد کرتا ہے اور شاہ جہاں
آصف خاں کی مدد سے اس میں تخت حکومت کا مالک ہو جاتا ہے۔
شاہ جہاں ارشد شاہ ہو کر اپنے سرسبز ملک خاں کو جو دنیا میں زحل کا باب
اور نور جہاں کا بھائی ہے وزیر اعظم بناتا ہے۔

کسی فارسی یا انگریزی مورخ نے اس کو نوجواں اقد کو آصف خاں کی
طرف منسوب نہیں کیا ہے۔ مذکورہ بالا انیسویں صدی کی فارسی کا تو دور ہے
کا اقد لکھا ہے۔ حالانکہ بعد جہانگیر کی زبردست تاریخی آئینہ ترک جہانگیر
ہے جس میں درجہ جہانگیر کی کا اقدی سے ادنیٰ واقعہ ملتا ہے۔ اس میں اس
اقد کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ انارکلی کے فرضی واقعہ کا بھی ترک جہانگیر
میں کہیں نہیں ملتا۔ جہانگیر کا عدل بہت مشہور معروف ہے۔ تاریخی
میں بہت سے معجز واقعات موجود ہیں جن سے کسی کو انکار نہیں۔ اور یہ عدل
جہانگیری کے دشمنان موی ہیں۔

رب آصف خاں تو اس کی رحمت کا بہترین قابل ہے۔ صرف اس کی
وجہ سے شاہ جہاں میں نرم دلی اور علما پر دلی کے اوصاف ظاہر ہوئے
نور جہاں جب مات خاں کی جان کی گنج نبی ہوئی تھی اور وہ بھاگا
بھاگا پھرتا تھا تو یہی آصف خاں نور جہاں کی نکت سے مستغرق ہو کر ہاتھ پائی
پر دم کرتا ہے اور اپنے دل میں اسے جگہ دیتا ہے۔

اس واقعہ کو صحیح تسلیم کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آصف خاں جہانگیر
کی موت سے پہلے مارا جاتا ہے۔ حالانکہ جہانگیر کی موت کے پانچ سال بعد
گوکہ وہ کی لڑائی ہوئی ہے۔ شاہ جہاں اس میں آصف خاں کو افواج سلطان
کا سپہ سالار بنا کر بھیجتا ہے۔ یہ دیکھ کر جہانگیر میں دلچسپی ہوئی
آصف خاں اس جنگ کے بغیر زخمی واپس گھر جاتا ہے۔ اس کی موت گوکہ
کی جنگ کے بعد باری سے دلچسپی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ دربار شاہ جہاں میں
یہ مذکورہ جلا کر چار شہزادوں، دایا شہو، شجاع، اورنگ زیب، مراد میں
کون حکومت کی صحیح نامیت رکھتا ہے۔ اور دربار آصف خاں وزیر
اعظم کو اس جوہر شہزادہ کی سفارشات کیلئے مقرر کیا۔ اور اس نے اس کا کو
تجن و فوجی انتظام دیا۔

مکن ہے واقعہ کا ذکر خود بھی اس واقعہ کی صحت میں شک ہو۔ اور
اس بنا پر اس نے لکھنؤ میں ایک دور کو تہمت کے طور پر پیش کیا ہے۔
لیکن یہ واقعہ کسی غلام مالک کے حکم سے نہیں ہوتا ہے بلکہ شہزادوں کے

آخری بیٹے کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر بھی طرح طرح کی۔ جو آدمی ایک قوم
بچے کی جان لینے وقت ذرا بھی متاثر نہیں ہوتا۔ جو ملک دل ہاں کے
ہاتھ سے اس کے تخت جگہ کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے، غلام اور باہی اس
دخت جان کی امان کے لئے دوسرے کے پاؤں پر سے کی طرح لپٹتا ہے
سیریات الدین کا فرزند اور نور جہاں کا بھائی ایسا سنگدل اور نامور نہیں
ہو سکتا۔ تلوار نیام سے کہ نہ کر آصف جاہ کے خرمین جات پر گری۔ اور
مرد اور بیکتیرے بھرا ہوا سفر خاک پر جا پڑا۔

آصف جاہ کے مژدور و ظلم کے اس واقعہ کو بھی ثابت کر نیکی لے کر
ذکورہ آئینے میں تحریریں لکھتا ہے کہ ہندوؤں میں برہمنوں کی ایک کھاٹی شہزادہ
ہے کہ ایک ہمان کے عہد کے پانچ رانی لے اپنے بیٹے کو کاٹ ڈالا
تھا۔ طانی لے اپنے بیٹے کو دونوں آنکھوں سے پکڑ لیا اور راجہ نے تلوار
سے اس کا سر کاٹا۔ ایک ہمان کی یہ تواضع ہو سکتی ہے۔ تو کیا ایک نواب
کے حکم سے ایسا نہیں ہو سکتا؟

اب قابل غور امر یہ ہے کہ واقعہ کماں تک صحیح ہے۔ آصف جاہ
نامی کوئی نواب یا خسر و کبریٰ سے دور شاہ جہاں کی ملک دربار خلیہ میں
نہیں گذرا۔

آصف جاہ خطاب کا ایک امر جس کا پہلی نام شہزادہ تھا اورنگ زیب
کا تجربہ کار افسر تھا، دکن کی جنگ میں کارناماں دکھا چکا تھا، بجا بجا
گوری پر مہمور تھا، زیادہ تر نظام الملک کے خطا سے مشہور تھا۔ اس کے
اقبال کا سبب اس کا زیادہ تر نظام الملک کے خطا سے مشہور تھا۔ اس کے
آصف الدولہ اور دھکا نواب تھا، دس برس تک اورنگ زیب کی حکومت

کی اور شہزادوں میں اشغال کر گیا۔

ہاں آئینہ آصف خاں نامی عہد کبریٰ سے دور شاہ جہاں کی ملک
موجود تھا۔ یہ نور جہاں جہانگیر کا بھائی شاہ جہاں کا سرسبز متاثر عمل کا
والدہ جہاں گھر کا سال تھا، اور کبریٰ میں صوبہ کی مشرقی کا گورنر تھا
جہانگیر کی کے آخیں وزیر اعظم مقرر ہوا تھا۔

جہانگیر کے سب سے زیادہ میں اشغال کر گیا تو شاہ جہاں نے ۱۶۲۷ء میں
اپنے سرسبز آصف خان کی مدد سے حکومت حاصل کی۔ گوکہ وہ کی جنگ میں
جہانگیر میں ہوئی تھی وہ اس میں حکم سپرد سالار تھا۔ اس کی موت جنگ
گوکہ وہ کے بعد ہوئی اور اپنی موت مر۔

واقعہ نویس نے آصف جاہ کو نور جہاں کا بھائی لکھا ہے حالانکہ
آصف جاہ نامی کوئی آدمی درجہ جہانگیر میں موجود تھا۔ نور جہاں کے بھائی
کا نام آصف خاں تھا۔ وہ جہانگیر کے حکم سے نور جہاں کی تلوار کا شکار نہیں

باپ کے ہاتھوں ذبح کیا گیا۔ گوشت بھاکر دسترخوان پر چڑا گیا۔ برہمن نے کہا کہ میری ایک یہ بھی عادت ہے کہ کبھی میں منائیں کھانا۔ ایک صوم بچے کو ضرور شریک طعام رکھتا ہوں، تم بیٹے بچے کو ملالو۔ راجہ نے کہا وہ کہاں سے آئے، وہ تو ذبح ہو چکا ہے۔ برہمن نے کہا غلط! وہ دوسرے بچوں کے ساتھ کھلی کھل رہا ہے۔ آزاد دی گئی بچہ فوراً دوڑنا ہوا گیا اس نے لگے لگے برہمن نے اشیرا دی اور کہا تو سچا ہے۔

یہ واقعہ ہے جسے تاریخی واقعات کی شہادت میں پیش کیا جاتا ہے! آصف جاہ کا واقعہ بالکل غلط ہے۔ تاریخی غلطی تو ظاہر ہو چکی ہے۔ مگر یہ عقل کے بھی بالکل خلاف ہے۔ کوئی والدین جاہرے جاہر حاکم کے حکم سے اپنے معصوم بچے کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح نہیں کر سکتے۔ اپنی جان دے سکتے ہیں مگر حکومت کے حکم سے اپنی جان بچانے کے لئے اپنے ہاتھوں اپنے ننھے بچے کو ذبح نہیں کر سکتے۔ اور نہ بائیس میں اس طرح کا کوئی واقعہ موجود ہے۔

محمد عمر زکریا بھگت گلیوری

علم الاقسام کا ایک افسانہ ہے جو مسکرت کی کتابوں میں پون لکھا ہے کہ راجہ کرن ستیہ جگہ میں گذرا ہے۔ سخت میں اپنا تانی نہیں رکھتا تھا ایک دن میکان نے یہ خیال کیا کہ جلد اس راجہ کی آزمائش کی جائے چنانچہ ایک بوڑھے برہمن کی صورت میں راجہ دربار میں حاضر ہوا۔ راجہ نے غلط دیکر غصہ من کیا۔ کہا ارشاد ہے برہمن نے کہا میں نے برت رکھا ہے اب تک کچھ نہیں کھا ہے۔ تیرے گھر برت کھولوں گا تو وعدہ کر کہ میں جو کچھ کھاؤں گا کھلائیں گے راجہ نے کہا جو کچھ ارشاد ہو گا بھلاؤں گا۔ برہمن نے کہا میرا یہ عہد ہے کہ میں گوشت سے برت کھولوں گا۔ راجہ نے عرض کیا کہ ہر طرح کا گوشت حاضر کیا جائیگا!

برہمن نے کہا جلد ہی نہ کرو ورنہ جو تھے وعدہ کر لیا ہے تو اب اس کا پورا کرنا فرض ہے۔

تم بی بی شوہرا اپنے ہاتھ سے اپنے گھر کو بڑا کر ذبح کر کے اس کا گوشت بھاکر کھجے وہ میں اس سے برت کھولوں گا ورنہ میں وہیں رہا ہوں عد غشی کا وبال تیری گردن پر ہو گا۔ راجہ رانی نے کہا کہ تیشا اشور ہمارا امتحان کو برہمن کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ ورنہ برہمن اور گوشت کا ایک جگہ جمع ہونا ممکن نہیں، ان کے سے کہا گیا۔ وہ بھی خوشی یار ہو گیا۔ لڑکا کا

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے
اُس پہ نچائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہو تو چھپائے نہ بنے
پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کٹھائے نہ بنے
تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے
کام وہ ان پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے
میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اے جذبہ دل
غیر پھرتا ہے لئے یوں ترے خط کو لکھا اگر
کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ بنے
بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھ

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب

غالب

کہ بگائے نہ لگے اور بچائے نہ بنے

نفاۃ الصّٰشری

کے صدے تمام عوام کے نزدیک کسی شعر کا غلط ہونا ایسا ہی نامکن ہے جیسا ایک مطلق العنان بادشاہ کے کسی جرم کا سرزد ہونا۔

نثر کی نسبت نظم صرف اس لئے مشکل نہیں کہ نظم میں وزن قافیے کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ بلکہ اس لئے کہ وزن اور قافیے کی پابندی کے ساتھ ہی ساتھ ان تمام اصولوں کا احترام کرنا بھی لازمی ہوتا ہے۔ جن کے بغیر شعر معنوں میں نثر نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بات تو بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ کسی شعر کی زبان نثر کے جس قدر قریب ہو، اتنا ہی وہ شعر اچھا سمجھا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہم کسی شعرے لطف اندوز ہوتے ہیں تو غیر محسوس طور پر ہم اس بات کا اندازہ کر لیتے ہیں کہ اس کے کچھ میں شاعر نے کون کونسی شکلات پر غلبہ پایا ہے۔ اس طرح سے شکلات نظم کا مصحف نہیں کہ ان کا مذکر کہ کرم شاعری کی زبان کو بائبل کا یوں اور اس بات کا خیال نہ کریں کہ ہم جو الفاظ استعمال کرتے ہیں ان سے ہمارے مافی الضمیر کا اظہار صحیح طور پر ہوتا ہے یا نہیں۔ کسی شعر کو شعری صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ اس میں جو الفاظ استعمال کئے جائیں وہ نہ تو ضرورت سے زیادہ ہوں نہ اولیٰ مطلب میں قاصر۔

فارسی زبان کا ایک شعر ہے

صائب و چہیزبے شکندہ قدر شعرا

تحسین انشاوار سکوت سخن شناس

اس شعر کا حوالہ ادھن کے سلسلہ میں اگر جواب بھی کثرت کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ مگر انہوں نے یہ بات یہ کہ تمام نثر تحسین انشاوار ہی کو سراہا ہے اظہار جاتے ہیں "سکوت سخن شناس" کا غلط فہمی بھی نہیں لاتے۔ بلکہ اُسے معاملہ ذات پر حمل کر کے ہیں الفاظ و کلمات "تحسین انشاوار" ہی کی شعری حقیقت رہنا ہے وہ دیکھتے ہیں کہ عموماً لوگوں میں ان کے شعر قافیوں کے باوجود دینے کے طبع نہیں انہیں ہے تماشا داؤد مل جاتی ہے۔ یہی کوئی اعتراض یا تنقید نہیں ہو سکتا اس لئے وہ شعر کچھ میں معاملہ دینے کی کوشش نہیں کرتے

بلکہ اس کا تعلق اوقات میں داخل سمجھتے ہیں۔ نہ فخر نہ ذلت یہاں ہر قسم کی تعریف ہے کہ انہیں قافیوں کا احساس بھی نہیں ہوتا یا ایک ہی خوالی ہے کہ اگر اس کا مناسب اور بروقت تذکرہ نہ کیا جائے تو یہ شعر بھی غلط ہے کہ اردو شاعری کا اس بار کو ہرگز کے بعد بدیہی ہی بہت ہو جائیگا۔ انگریزوں کی حالات ضروری معلوم ہوتے ہیں

یہ بات برخص خاص جانتا ہے کہ نثر کی نسبت نظم لکھنا زیادہ مشکل ہے کیونکہ نثر میں تو صرف قواعد زبان کی پابندی کرنی ہے مگر نظم میں وزن اور قافیہ کا بھی خیال رکھنا ہوتا ہے۔ بسا اوقات اکثر نا درمخانیں اور اچھے خیالات محض اس لئے نظر ہوتے ہیں کہ شاعر ایک نظم کیلئے جو وزن اور قافیہ مقرر کر لیتا ہے۔ اس میں ان ہضانیہ اور خیالات کو داہلے والے الفاظ بندھا نہیں سکتے۔ یہ وہ شاعری ہے جس کی وجہ سے فن شاعری کے جاننے میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ ضرورت شاعری قواعد زبان کی خلاف ورزی کو اجازت دیکھ لیتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس ساتھ سے ضرورت شاعری کی حالت میں زبان نثر کی بعض پابندیوں سے آزاد ہو جانا ناگزیر رہا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں طبیعت رک جائے وہیں ضرورت شاعری کا اصول رت لیا جائے بلکہ ضرورت شاعری کیلئے قواعد زبان سے انحراف کرنے کیلئے خاص قواعد میں محض وزن اور قافیہ کی تلافی اختیار کر کے کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہو جاتا کہ وہ اپنی تمام خوبیاں کو بلائے قافیہ کے ادھ جو کچھ اس طرح اس کے ہی میں آئے کہ وہ ایک وزن اور قافیہ تو ایسی چیزیں ہیں کہ جو شخص ان کو نہا ہے پر قادر نہ ہو اسے شعر کہنے کی ہمت ہی نہیں اٹھانی چاہئے۔ شاعر کی کام از کم تعریف یہ ہے کہ وہ وزن اور قافیہ کی تدبیر میں اتنا ہوا ہوا عذر بان و اوصول ہا غنت کی پابندیوں کو بوجھ احسن نہ کرے۔ ورنہ اگر ضرورت ان چند الفاظ کے وہ با قافیہ لکھوں کہ نام ہو جن کے لئے ہے ایک وزن پیدا ہو جائے تو دنیا ایسے آدمیوں سے خالی نظر لگے گئے گی جن کو شاعر کہلائے سے ناہمو۔

فی زمانہ شعر کے صحیح مذاق کا جو فقدان نظر آ رہا ہے اُس کی ذمہ داری بھی زیادہ تر ضرورت شاعری کے عذر رنگ پر ہے۔ محد وہ ہے کہ اگر آپ کسی صحیح فاضل نظم یا قصیدہ انسان کے سامنے یہ کہ نہیں کہ فلاں شاعر صبر و وزن عزیز ہے عجیب ہے جو غلط ہے تو وہ فوراً یہ جواب دے کر اپنی حاضر ہوائی کا ثبوت دیتا کرے گا کہ ضرورت شاعری کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے جو یا ضرورت شاعری ایک ایسی جہ ہے جو تمام خوب شاعر کی پردہ پوشی بڑی آسانی سے کر سکتی ہے۔ شعر گو یہ تنقید عا دے کا غلط استعمال۔ الفاظ کا ناقص انتخاب۔ غرضیکہ کوئی عجیب ہی ضرورت شاعری کی موجودگی میں عجیب نہیں ہو جاتا۔ بلکہ میں تب تبدیل ہو جاتا ہے۔ ضرورت

پھیلی کے تلازمات میں تو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جمہلی کے معنی بازو یا بازو کے معنی پھیلی ہینا کی طرح بھی جائز نہیں اس قسم کے دو راذا کر استعمال سے شوقی کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔
آئے اہل نہ عیسیٰ بے موت ہی مرے گے
(۲) دونوں کو ہومارکس ناخبر اپنی اپنی

پہلے مصرعے میں ”بے موت ہی مرے گے“ اس طرح بندھا ہے۔ گویا اہل کی طرح عیسیٰ کا کام بھی ہلاک کرنا ہے۔ شاعر کتا ہے کہ اگر اصل بھی نہیں آتی تو نہ آئے۔ اور حضرت عیسیٰ بھی تشریف نہیں لاتے تو نہ لائیں ہمیں۔ دونوں میں سے کسی کی پروا نہیں۔ نہ ان کا اظہار کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہم بے موت ہی مرے گئے ہیں۔ اگر سچائی جو حضرت عیسیٰ کے دوسرے نام مسیح سے مشتق ہے، بیشتر زندہ کرنے کی طاقت کے منور میں استعمال ہوتا ہے۔ دوسرے مصرعے میں اپنی اپنی محض رائے ردیف ہے جسے کسی طرح بھی سمجھ سکتے ہیں یا جا سکتا۔ اگرنا خیر کے مفہوم کو بھی ملے ذہن نشین کر لیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ اس کے ساتھ اپنی اپنی لکھنا محاورے کا خون کرنا ہے۔

کون سی راہ جلوں کفر و محبت سچ کھے

(۳) کام آجنگا دیاں مذہب اسلام کہ تو

اس شعر کا شماران شعروں میں بھی نہیں ہو سکتا۔ جن کے سنی نپا فائدہ طبعی شاعر جو جس سطور پر ہے میں زیادہ سے زیادہ عقیدت مندوں کی آئندہ نسلوں میں سیدہ سیدہ عقل ہوتے چلے جاتے ہیں سنی بھی کی ساری طاقتیں اس بات کا سرچا نکالنے میں نابل ہو کر رہ جاتی ہیں کہ پہلے مصرعے میں شاعر کا مخاطب کون ہے۔ اگر مخاطب کا نشانہ کفر و محبت کو ٹھکانا گیا، تو یہ ممکن نہیں آتا کہ ان کے لئے عہد واحد حاضر کیوں استعمال کیا گیا ہے اور دوسرے مصرعے میں ان کو لکھنا ”تو“ سے مخاطب کہنے کا جواب کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ: ”اگر اصل استعمال بھی غلط ہے شعر کے سہاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اپنے مخاطب سے منورہ طلب کر رہا ہے۔ حالانکہ جب کسی سے سچ کہنے کی ناکید کی جاتی ہے۔ تو ایک نہ محبت و اطمینان کی تصدیق یا تزیید کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ”مذہب اسلام“ کی ترکیب بھی شاعر کی بے پروائی کا ٹھکانہ کر رہی ہے جب پہلے مصرعے میں کفر و محبت کو صرف کفر و محبت کہنے پر اکتفا کی گئی ہے۔ تو دوسرے مصرعے میں سلام کے ساتھ مذہب کا ذکر مہلکا گانے کی غلط گئی ضرورت نہ تھی۔ اگر کفر و محبت شاعر کے نزدیک دو قریب المعانی الفاظ ہیں۔ تو اسلام کے ساتھ کوئی ایسا لفظ بھی لگانا چاہئے تھا۔ جو قریب قریب اس کا ہم معنی ہوتا۔

کر عوام میں شعر کا صحیح مذاق پیدا کیا جائے اور انہیں بتایا جائے کہ وہ کونسی بات پر جن کی وجہ سے شعر ناقص ہو جائے۔ اس اصول کے مطابق گانا اسی چیزوں کی ناپیش کرنا ہے جن کی خریداری زیادہ ہو۔ اگر عوام میں شعر کی داد دیتے وقت اس کے حسن و قبح پر غور کر لینے کی عادت رائج ہو جائے تو شعر بھی اپنی کوئی نظم عوام کے سامنے پیش کرنے سے پہلے یہ دیکھ لیا کریں گے کہ اس میں کوئی نقص تو نہیں ہو گیا۔

نفاذ شعری کی ترویج کرنے کے لئے جو شعر منتخب کئے گئے ہیں۔ ان کے مصنفین پر بعض ایسے بھی جن کی قابلیت سلسلہ ہے اور جو بجا طور پر آسانی سخن کے درشن سلسلے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ان اشعار سے اگر وہ تنقید حیات ہوں، رقم بطور کی گزارش ہے کہ اس مضمون سے کسی کی تفتیش مقصود نہیں۔ بلکہ شاعر کی اصلاح طلب ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں کسی شعر کے مصنف کا نام ظاہر نہیں کیا جا چکا۔ بلکہ بعض شعروں کے متعلق خود راقم السطور کو بھی یہ معلوم نہیں کہ ان کا وجود کون کون سے شعرا کی کاؤ پر شکر کا دین منت ہے۔ بہر حال ذیل میں ایسے اشعار کے نمونے جمع کئے جاتے ہیں جو قواعد زبان اور اصول فن کی کسوٹی پر پورے نہیں اتر سکتے۔

حلا غضب ہے بازوئے شاہ حجاز کا

(۱) لکڑہ ٹوٹ جائے نہیں کے حجاز کا

اس میں شک نہیں کہ زور بیان اور صفائی زبان کے اعتبار سے یہ شعر ایک امتیاز یافتہ شان اپنے اندر رکھتا ہے۔ اگر پہلے مصرعے میں غلط ”بازو“ بلا ضرورت یا ضرورت شعری سے استعمال کیا گیا ہے، لیکن مضمون کی ضرورت کو دور کرنے کے لئے شاہ حجاز کا حملہ کلمہ دینیائی کا ہی تھا۔ پھر یہاں بازو کا استعمال محاورے کے بھی سراسر خلاف ہے۔ فوج کا حملہ شہر کا حملہ، ان اشعار کا حملہ تو بلا اور لکھا جاتا ہے۔ لیکن فوج کے قدموں کا حملہ شہر کے بچے کا حملہ بابا ان اشعار کے ساتھ کا حملہ کبھی نہیں سنا۔ اسی طرح شاہ حجاز کے بازو کا بھی وہی سطر پر گرا کر رہا ہے۔ اس کی بجائے اگر شاہ حجاز کی فوج کے بازو کا حملہ ہوتا تو ایک بات بھی کا جو معتد بہر کی طرف پھیلا ہوتا ہے اسے بازو کہتے ہیں۔ لیکن فوج کی رعایت سے جانا تو جازی اصطلاحات کو قیصر مل لائے کی ضرورت نہ تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ بازو کا استعمال حجاز اور ملکی کی رعایت سے کیا گیا ہے اور بازو سے مراد مجلی ہے جس کا گھر حجاز کی طرح صندیاں دیا ہوتا ہے تو اس میں بھی یہ اعتراض پیدا ہوگا کہ مجلی سے مراد کونسی خط و نہیں ہو سکتا اور ذیل میں لکھا گیا کہ کا جود الفاظ شعر سے ثابت نہیں اس کے علاوہ جمہلی کو بالو یا بازو کو

کیا جاسکتا ہے

حقیقت میں ہوتم دنیا سے ایسے
(۵) حقیقت میں مگر دسیا ہی کیا ہے

بادی نظریں یہ مشربت ہی اچھا ہے۔ دوزوں مصرعوں کے
شروع میں حقیقت میں اپنی برستی کے ساتھ آپا کے کہ لطف بکوار کے
ساتھ ہی شعر میں کمال کی صفائی اور روانی بھی پیدا ہو گئی ہے لیکن اگر کو
معافی کی تلاش کیلئے خود و فکر کے سمند میں غوطہ لگایا جائے تو ایسی کے
سو اچھو بھی ہاتھ نہیں آتا۔ شاعر اپنے مشرقی سے کہتا ہے کہ تم حقیقت میں
دنیا سے اچھے ہو۔ مگر حقیقت میں دنیا ہی کچھ نہیں ہے مشرقی کو کاپی
چیز سے اچھا ثابت کرنا جو خود بھی نہ ہو کسی طرح بھی کمال سخن میں دلائل میں
شاعر نے تہہ کیا تھا اپنے مشرقی کی تشریف کرنے کے کار لفظا کے پیر میں
اگر لگیا اس کی مذمت ایک سند شاعر اور اس القوت آتا دے ای
صریح لغزش ہو جانا بلاشبہ باعث تعجب ہے۔ دھوم دھام کے ساتھ
اُٹھنا۔ اور قدم اُٹھانے سے پہلے مہرے زمین پر گر پڑنا اس کو کتنے
ہیں۔ اغلب ہے کہ شاعر کی یہ لغزش غیر ارادی ہو مگر یہ لغزش

میلارام وقت

ایڈیٹر روزانہ دیبھرت لاہور

پھر کو تو مسطور پر اسلام کی ضد ہے۔ مگر محبت کے متعلق حالات میں یہ نئی
صاف دہنیں کیا جاسکتا۔ عاقبت کے مصرعوں میں لفظ ”واں“ کا استعمال
بھی عجیب پر دلالت کر رہا ہے۔ پہلے مصرع میں ”کوئی راہ جلیوں“ کہنے
کے بعد دوسرے مصرع میں ”کام آجکا“ لکھنا بھی رعایت لفظی یا معنوی
میں داخل نہیں ”راہ چلے“ ٹھیکہ باندھی جائے تو متزلزل رہے گی کی بات کرنا
چاہئے۔

بجائے نے دیباچی کا لکھ کلاس مجھے
بجھ لیا میرے ساتی نے جوں مجھے

(۲۴)
یہ شعر حالیہ شاعری کے بہترین نمونوں میں شمار ہونے کے قابل ہے
شاعر شراب پینے کی عادت میں بڑی طرح متبلا تھا۔ اس عادت نے اس کی
صحیح فطرت ناک مدیک خراب کر دیا تھا اور انجام کار اس کی جان بھی
سے لی۔ حالت میں اس نے اپنے ملازم سے شراب مانگی۔ مگر ملازم نے غیر
خواہی کے خیال سے اسے پانی دیا۔ شاعر نے ملازم کا طلب بھی لیا۔ اور
یہ شعروں کی زبان سے نکل گیا یہ شعر کہ یہ کتنا کراں لی ہے مجھے بدحواس مجھ
لیا ہے۔ ورنہ شراب کی بجائے مجھے پانی کا گلاس پر گرنہ دیتا۔ ایک
ایسی رندانہ جوڑ ہے جس کا لطف اُٹھانا ذوقِ مسلم سے تعلق رکھتا ہے
لیکن پہلے مصرع میں لفظ ”اک“ محض وزن پر راکرنے کے لئے استعمال
کیا گیا ہے اور یہ ایک ایسا نقص ہے جسے آسانی سے نظر انداز نہیں

دیکھا کئے وہ مست لگا ہوں سے بار بار
فرنگی سے کہا پشن بھی لیکر لب نہیں رہئے
لے جائیں آہ مجھ کو مری بدگسٹیاں
شکارتوں سے محبت کی اور کیا حاصل
کیونکر نہ مریں موت پہ بیمار محبت
دنیا میں وضدار حسین اور بھی تو ہیں
وہاں جھوٹے وعدہ پہ لب ہل گیا
جب تک چلی شراب کٹی دوز ہو گئے
کہا جینے کو آئے ہیں یہاں مرنے نہیں آئے
ظالم و مال کہ تیرا پتہ بھی جہاں نہ ہو
کچھ افعال تمہیں ہو کچھ افعال مجھے
ایسا یہ مزہ ہے کہ مکر نہیں ملتا
مستوق اک تمہیں تو نہیں اور بھی تو ہیں
قدح یہاں کس قدر ہو گئی

گودھٹائے ڈاکٹر کی ان باتوں پر کان نہیں دھرا اور بدلی سے کہا۔
”تم نے تین گھنٹے پیائے ہیں۔“

”ہاں قریباً تین گھنٹے۔“ سائورا دنیا کی کوئی چیز نہیں ان میں گھنٹوں کو کھو دینے پر بالکل نہیں کھینچ سکتی۔ سچ ہی سمجھو اس نے اپنی وصیت مکمل کی ہے اسے پتہ تھا کہ وہ مر جائے۔ سائورا اس نے اپنی اوسمی جاندا دتھارے نام منتقل کر دی ہے۔ اور تم جانتی ہی ہو کہ یہ ایک دو تہہ شخص ہے۔“

”تین گھنٹے....“

اس نے سائورا اور خاترات سے بھری ہوئی نگاہ ڈاکٹر پر ڈالی۔
”بہت اچھا اب تم جا سکتے ہو۔ میں جانتی ہوں کہ میرا فرض کیا ہے۔“
اُس نے ڈاکٹر کی طرف سے منحنی موڑ لیا۔ اسے خوب معلوم تھا اس کا بلند ترین فرض کیا ہے۔ آرٹ، آرٹ ڈاٹ! وہ ضرور دے گا۔ وہ ضرور ہلکے کے سامنے اپنے قص کا کمال دکھائی دے گا۔ نعمت کا مچھوہ ہوا زندگی میں ایک ہی بار دکھایا جاتا ہے۔ اگر ہر پناہ وہ موقوفہ کھودیں تو پھر تیس دو سراسموقع ہاتھ نہیں آتا۔

دھکڑھکڑ سے گزری اس نے دیکھا کہ پرس کے خدشہ نگار دروازوں پر گھنٹوں کے بل ہوں ہو کر گڑاؤ لے رہے ہیں اور آہستہ آہستہ منتیں ان رہے ہیں۔ سردی کی شام طبعی پھی آ رہی تھی۔ پہلی تہی شہر خدا ان میں دشمن ہو چکی تھی۔

وہ بیٹھ گئی اور صاب کر کے لگی۔ اسے اپنے ڈرائنگ روم میں چھ بجے پہنچ جانا چاہئے۔ کیونکہ تبدیل لباس اور تیاری کیلئے ایک گھنٹہ سے زیادہ کی ضرورت ہے۔ اور پہنچ پر جانے سے پہلے آدھ گھنٹہ اسے بغیر کسی قسم کے غصے کے بوسے طور پر استراحت کر لینا چاہئے۔ ورنہ وہ کانٹوں کے کی۔ بے خفت یا اس وقت کیوں مرتا ہے کیا اس نے اس کو نام مدد اسی گمراہی کے لئے دی تھی۔ کہ اسے آخری وقت میں اپنی شفقت و جانفشانی کے بغیر مے حرم کر دے۔ کیا یہ شہزادے کی طرف سے اس کی سرور ہوں کا انتقام ہے جو وہ اس سے برتی تھی اور جس کے جھیلنے کی اسے قدرت نہ تھی وہ وحشت اور اس کی گریباں اور خاترات۔ یہ سب باتیں اس کے گانے کے کمال کے ساتھ نصرت ہو گئیں۔ بھلا اب وہ ایک آدمی کیلئے گانے کا یہ جو دوسکتی ہے۔ اس کی زندگی کا سادہ بھلا تو اس کی آواز میں ہے۔ اب دوسرے طرح اس کا دل سرد نہ ہو۔ اور کس طرح کی اس سے اس فائز شہزادہ کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ جو اس کے فن ہی کیلئے وقف ہو چکی ہے۔ ہرگز نہیں۔ اسے اس شخص پر ملن رحم نہیں آتا چاہئے وقف کی ہو یہ باغ جس کی باجنت اور شوق وار نہ کھیل اس سے جاس کی ہو یہ باغ جس کی باجنت اور شوق وار نہ کھیل اس سے

سرپرستی اسے حاصل نہ ہوتی تو وہ ابھی تک کہیں واپس لا رہا ہوتا ہی پڑی رہ گئے۔ پہنچ رہی ہوتی۔

”ہینا۔“ اُس نے کہا ”تم تو تھک چکے جاؤ۔ اور میں ابھی ایک گھنٹہ میں واپس پہنچتی ہوں۔ دیکھو سب سامان لیس ہے۔ شہد اور فیصل کا ایک مرکب تالیانہ اور۔ اس میرے لئے تین انڈے۔ اور نو کپکپش۔ ایک کے چند قطرے پیاسے ہیں۔“
اُس نے پیچھے سے جھوٹے سنہرے بالوں پر اومٹھی سی ڈالی۔

سائورا اس کو باہر حاضر ہے۔ اس کو رکھ لیا۔

اُس نے کمرے کے چاروں طرف دیکھا کہ اب جب وہ دوبارہ اس کمرے میں داخل ہوئی تو وہاں اس کے ہر ایک چیز سے بے شمار مختلف ہو گئی۔ بادشاہ اُسے مبارک باد دیکھا۔ وہ مشہور ہو گئی۔ چوم اُس کے نام کے گھر سے لگا ہوا تھا۔ اُس نے گھر سے باہر قدم رکھا کہ اُس جتنے سے ملاقات کیے جس کا اُس نے خواب دیکھا ہے۔ اُس کی موٹر وائی کی سڑکوں پر سے اُٹھتی جلی جا رہی تھی۔ اور سٹون۔ فوارے۔ گر جا گھروں کے دیوانے عجلات کی کھینچیں بالوں کی تیزی سے اس کے پاس سے گزرتے جا رہے تھے۔ شہر کی مختلف آوازیں شہر ان کے مروجوں کی مانند اسی موٹر سے ملتی تھیں۔ آج کے بعد کل اسے ہر ایک شخص کی طرف سے مبارک باد ملے گی۔ سرپرست کے لئے اس کے سامنے چھکس گئے۔ لوگ اس کی آمد کی آواز سننے ہی اس کے لئے رات چھوڑ دیں گے۔ آج نہیں کل۔....

وہ اچھل کر موٹر سے نکل گئی۔ لیکن پرس شہیل پور رہا ہے۔ مرنے پر پہنچا اسے کیا؟ اس کے پاس اب کسی کے لئے وقت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اتنا بھی نہیں کہ وہ اپنے سرپرست سینئر جی بیٹا سے دعا ہی کر سکے۔ برابر کے کمرے میں ڈاکٹر تھا جو اس کی تیاری کر رہا تھا۔

”سائورا میں پھر آتا ہوں۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ غائب شہزادہ تین گھنٹہ تک اندر نہ رہے گا۔ اب درد کا کچھ احساس نہیں۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ خاموش ہو جانے سے پہلے اس کی زبان پر لگانا رہتا ہادی نام تھا۔ اس کی گھٹیں نہیں نیکو کرنا چاہئیں۔ اس کے کانچا نہیں کہ وہ نہیں دیکھے بغیر نہیں کر سکتا تھیں ضرور اس کے پاس طبعاً رہا ہے۔

”تین گھنٹے....“

”میں ایک گھنٹہ میں پھر آتا ہوں اور اب اسے کسی چیز کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔ تم خاموشی سے اس کے پاس بیٹھو۔ دوسری آخری عطیہ ہے جو اس زندگی میں تم سے مل سکتی ہو۔ یہ نعمت اور ذوق کی آخری خدمت ہے۔ تم سے مر جائے گے۔ تھے نہیں پھر دوسرے کی۔“

جواس کے دل میں بکھرے تھے دیکھتا تھا ابھی تک اس سے اس کا اتہ نہیں جھوٹا۔ نہیں جھوٹا نہ گروٹھ لگانے لگا اس طرح جس طرح کہ وہ اسے دیکھ رہا تھا کہ دفعہ اُس نے چلا کر کہا۔

”میں تمہیں مار ڈاؤں گی۔ آخر کیوں اور کس لئے میں اپنا مستقبل اپنی زندگی تمہاری بے پرواہی کی آخری ساعتوں پر قربان کر ڈاؤں؟ وہ کیا تمہاری موت سنا ہی گراں محبت ہے جتنی کہ میری شہرت سیملیو! میرے لئے اپنا کر۔ وہ دو بیہوشم نے مجھ پر اور میرے لئے اٹھایا وہ تمہارے واسطے کوئی چیز تھا۔ کچھ محبت نہیں تھا تمہارا میری ساری زندگی میں سے صرف دو گھنٹے بچے دیو۔ لومہا دیے ہو گیا۔ ہاں طے ہو گیا۔ کیونکہ تمہیں بے رحم بنایا اور پیدا کیا ہے۔ اور کب کی رات تو مجھے گنا ہے۔

پھر اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے نائٹ ٹیل کا ایک دراز کھولا۔ اور اس میں سے ایک ڈربنچا لیا جس میں کچھ خوف رکھے تھے ان میں سے ایک اُس نے اکثر دفعہ شہزادے کو ٹھلانے کے لئے استعمال کرایا تھا۔ اور وہ اس کی طاقت سے واقف تھی۔ اس شخص میں بہترین قسم کے خوف موجود تھے۔ اُس نے ان تینوں کو ٹکڑا کر ٹکڑا کر گلاس میں ڈالا۔ ان میں بائیں ڈالا۔ اور بائیں کے ٹکڑے ختم کرنے کا آغاز کیا۔ مرنے والے کا منہ کھلا تھا۔ گروٹھ لگانے اپنے

بائیں ہاتھ سے باوجود اس کے بھاری ہونے کے اسے بہترین میں ٹھہرایا۔ اور اس کے سر کو سہارا دیا۔ گلاس میں اٹھایا اور مرکب اس کے منہ میں اُنڈیل دیا۔ شہزادے کے مرکب کو حلقی سے اُٹارا۔ کچھ ٹھوکا۔ پھر لی۔ گروٹھ کے دل میں رحم کا کوئی خائبہ نہ تھا۔ اُس نے پرنس کو مرکب کا آخری قطرہ تک نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ اور فانی گلاس کو دھویا اور فانی منگ کے پچھلے طرف کے قالین پر گر کر دیا۔ اس کی گلاس اور کتنی دیر تک چمکی؟ فقط منٹ منٹ اور اس کے بعد گروٹھ آزاد ہو جائے گی۔

ایک لمبا دیر سے فالا خوف اس کے دل میں آیا کہ اس کی غصہ فوری کیا انجام ہوا جائے۔ یہ خیال اس کے سر میں تھا۔ زبان پر نہ تھا۔ وہ گلے لگی وہ گارہی تھی اور اس کا اتہ ابھی تک مرنے والے کی گرفت ہی میں تھا۔ اور وہ اس کے بہتر چمکی ہوئی تھی۔

وہ واڑہ کھلا اور اکول کا اسٹاک آتوہ چہرہ نظر آیا۔ گروٹھ لگانے اپنا رنگ نیکر کے بے ہماری سے کہا۔

”اس کی خواہش ہے کہ میں کاؤں۔ بڑبڑ رہو!“
اکول دروازے میں کھڑا رہا۔ گروٹھ لگانے کی۔ ہاں وہ گارہی تھی وہ جیسا راگ جو اسے بہت پیا تھا۔ اس کی بائیں کی کسی آواز کا زبردی

چھین کر اسے دایاں اور صبران نصیب بنا دینا چاہتا ہے۔

شہزادہ اپنی بڑی سہری پر ہوا لیتا ہوا تھا کہ شمع کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ وہ دم توڑ رہا تھا۔ اور صرف روشنی کی شامیں ادبی راحت حاصل ہونے سے پہلے اس پر پڑ رہی تھیں

اکول کو اسے باہر چلا گیا۔ گروٹھ۔ ریشمی لباس کی سرسریلے کے ساتھ بیکار کے بستے کے پاس گئی۔ اُس نے کمرے کے ادھر دھونڈا لی۔ مگر کمرہ خالی تھا۔ قطعاً مرنے والے کی اکھڑی اکھڑی سانس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ شمع کی روشنی میں ایسا معلوم ہوا تھا گویا پرانے نقش و نگار پر حرکت کر رہی ہیں۔ اور دم کے گھڑیوں کے محافظ دیوتا۔ محافظت کے لئے اُن کے پیچھے پیچھے ہر آدمی اور عشق کا دیوتا کیو پڈان پر سکرار ہے۔ مرنے والے نے اپنی آنکھیں کھولیں ان میں دھندلا سا جالا جالا ہوا تھا۔ کیا وہ اندھا ہو گیا؟ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی چیز ڈھونڈ رہا ہے۔ گروٹھ لگانے اُس کا ہاتھ تمام لیا کہ ایک ناک پرنس سیملیو نے اس کا دایاں ہاتھ ٹکڑا لیا۔ اور اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوطی کے ساتھ اسے دایاں اور چمکیا۔ اب گروٹھ اس کی گرفت میں تھی گویا کہ وہ ایک وحشی

دن سے کے جھڑوں کے درمیان ہے۔
”مجھے چھوڑ دو! ورنہ میں تمہارا بازو توڑ ڈاؤں گی!“

لیکن وہ اس طاقت سے بے خبر تھی جو مرنے والوں میں غیب سے آجاتی ہے۔

پرنس سیملیو نے اپنے بائیں فولا دی گرفت میں لے رکھا تھا۔ وہ اب نہ مٹتا تھا۔ نہ دیکھتا تھا۔ اور نہ مٹتا تھا۔ زندگی تمام جسم کے کھینچ کر اس کے بازوؤں کے عضلات میں لگی تھی۔ آخر گروٹھ لگانے جدہ جدہ چھوڑ دیا اور اپنا ہاتھ مرنے والے آدمی کی گرفت میں ہی رہنے دیا۔ اس سے اس کی روح نکلی جاتی تھی۔ اُس نے خیال کیا۔

”مجھے اس کمرے سے آدھ گھنٹہ بعد چلی جانا چاہیے۔ ورنہ بہت زیادہ دیر ہو جائیگی۔ اب کیسے کہ کھینچا سے سوایا چمکی کی آواز آرہی ہے۔ مجھے چھوٹے گھنٹوں میں حاضر ہونا چاہیے۔ ورنہ آج کی رات میں نہیں گاؤں گی نہیں گھاسکوں گی۔ ہائے! یہ کس کی نہیں جانا؟

کیا وہ اپنی مدد کیلئے چلائی چلائی؟ تو کون اسے چلائے؟ آنا ہنس لوگاسی کو مجبور کر کے کہ نہیں طغیر ہی ہے۔ جب تک کہ ہر چلے۔ نہ چلے۔ تین گھنٹوں میں شہر لے کر آئے گا۔ اس پرچی ہوئی تھی۔ کیا وہ اسے بھانسا تھا؟ اگر بھانسا تھا تو اس پر اسرار ساعت میں کس قدر بچا تھا؟ کیا گروٹھ کے دل کا راز اس پر کھل گیا تھا؟ کیا وہ ان خواہشات اور خیالات کو

”مرگیا“ اس نے گھٹنوں کے بل ٹھیکہ دعا میں کہنے اور سبکیاں بھرے ہوئے نوکروں کو جلا کر کہا۔ ”مرگیا! مرگیا!“
 اب وہ سرتابیہ قدم کا میا بی اور نفع منی وہ جانتی تھی کہ اس کی آوازیں خیر جمی حسن اور نفع ہے۔ وہ آج رات اپنی آواز سے دنیا کو سمجھ کر رہی۔ اور کل شہر لکھنے کی حائیداد کی وارث شہرہ آفاق ایکٹرس شہنشاہ اور پوپ سے زیادہ مقتدر عورت ہوگی۔
 وہ موٹیں بھٹی اور بولی ”تھمشیر“
 مہر محمد ظان شہاب باہر کوٹلی ماخوذ

”مرگیا! مرگیا! آہ میرا آغا مرگیا!“
 ”مرگیا“ ایکٹرس نے اس کی آنکھیں بند کرنے ہوئے کہا
 وہ مکر سے نکلی اور غلام گردن میں سے جھپٹ کر بھٹی چلی گئی

غزل

ہو بس سود میں سودا سے ندیاں کرتا ہوں جو مجھے چاہئے کرنا وہ کہاں کرتا ہوں
 دل بھینکا جاتا ہے پرآہ کہاں کرتا ہوں کہ قدر پاس ترا سوز نہاں کرتا ہوں
 حال دل کچھ تو لگا ہوں سبیاں کرتا ہوں اور کچھ طرز خموشی سے بسیاں کرتا ہوں
 شغل الفت میں کوئی موم بھی نہیں سے بیکار اور جب کچھ نہیں کرتا ہوں فغاں کرتا ہوں
 ہمنشیں میرے بہر تیں نہیں ہر کوئی دل کی جو بات کہے کب قف زباں کرتا ہوں
 عقل حیران ہے خود اپنی کہیں کیا کیا کچھ دوستی میں تری لے دشمن جاں کرتا ہوں
 جانتا کیا نہیں میں تیری دُعا کو لیکن صرف رنگینی عنوان بسیاں کرتا ہوں
 شغل مے ہو مجھے کیا کام مگر جب ناصح پوچھتا ہے تو میں کہتا ہوں کہاں کرتا ہوں

لطف آ جاتا ہے ارباب سخن کو وحشت

جب کبھی تذکرہ حسن بتاں کرتا ہوں

وحشت ملکوتی

تلاشِ مست

دنیائے اوسرست کی تلاش میں ہے کچھ لوگ۔ اسے جہل اور جھگڑاؤں کی آلودہ دنیا کی شدتوں سے دور دھڑلے میں ایک کھردھانے والی دولت کے کاشانوں، نائچ رنگ کی مٹھلوں میں غافل کرنے ہیں۔ لیکن آہِ ہست تیرا کبھی پتہ نہیں ملتا۔ غریب خیال کرتے ہیں تواریموں کے سرلیٹک ایوانوں اور پائیاہل کے مٹھلوں میں رہتی ہے۔ اداسیہ کہتے ہیں۔ غریبوں کی جھوپڑیاں تجھے غروب ہیں لیکن حقیقت یہ ہے یہ دو جھوٹے سنا آشنا ہیں۔ اگر غریب کو شکوہ ہے کہ تو ان کی آشنا نہیں مگر تواریموں کو بھی شکایت ہو کہ وہ اپنے تاروں کے سے خزاؤں سے بھی تجھے نہیں خرید سکتے۔ لیکن کام اور مسل کام تجھے اسیر کرنا چاہتا ہے۔ تو جھوٹے پھٹا ہو کر کام میں مصروف ہوا ہے۔ نامعلوم طریقہ پر ہے اس کے سر پر اپنے بازوؤں کا سایہ ڈال دیتی ہے۔ دنیا والے تیری تلاش میں ایک دہائی کی عمر بھاری جھال کرتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے سب سے زیادہ دولتمند ادیب سے بڑے موجد اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔

کیا ایڈلین خوش ہے؟

(از مہتری وردی)

مجھے کوئی ایسا انسان دکھاؤ جو اپنے کام میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہا ہو اور جو تقوٰہ کے لئے کام نہ کرنا ہو تو میں نہیں ایک خاص طور پر کوئی دکھاؤں گا۔ مسٹر ایڈلین کا خیال ہے کہ دنیا میں کسی کو بھی خوش نہیں۔ لیکن مجھے اس خیال سے کچھ اختلاف ہے کیونکہ میں مسٹر ایڈلین ہی کو بطور مثال کے سرور آئی کی کیفیت میں پیش کروں گا۔

میرا خیال ہے کہ کام کرنا ان کے ادا اپنے کام سے دلچسپی لینا ہی وہ چیز ہے جو ایک انسان کے لئے کسی دوسری شے کے مقابلہ میں باعثِ مسرت ہو سکتی ہے۔

بڑے کام کرنے اور ان کو انجام تک پہنچانے کا دلوری وہ چیز ہے جو انسانی زندگی کی بڑی مسرت ہے۔ بطور مثال مسٹر ایڈلین کی طرف سے مجھ کو کیونکہ میرے علم میں وہ اس بات کی بہترین مثال ہے۔ وہ اپنے کام میں لگن سے اور خوش۔ وہ کام کرتے ہوئے دنیا و مافیہا کو بھول جاتا ہے باوجود کہ اس نے اخباراتوں سے یہ کہا ہے کہ وہ کسی سرور آئی سے قطعاً نہیں پھر بھی وہ خوش ہے۔

متم ضرور دریافت کرے کہ مسٹر ایڈلین اس قدر خوش کیوں ہے۔ اور اس نے کس طرح یہ خوشی حاصل کی ہے۔ یہ سچ ہے کہ کچھ میں وہ بہت خوش تھا کچھ میں اس نے بڑی خوشی سے وقت گزارا ہے۔ اور ان مسرتوں کی کمائیاں دلچسپی سے سنا کر لیتا ہے۔ نوجوانی میں بھی یہ خوش تھا۔ جب یہ تارگھ میں کام کرتا تھا۔ جب یہ ایک اخبار کا ایڈیٹر تھا۔ اور بالآخر جب وہ ایک نوجوان موجد تھا تھا خوش تھا۔ اور پھر اس نے کہ ایک منزل پر پہنچنے کے لئے کام کرتا تھا اور کام میں اس کا ایک نصب العین تھا۔

کام کرنے کی اس کے دل میں ایک لگن تھی۔ ایک خاص قسم کی

کیا مسٹر فورڈ خوش ہے؟

(از ایڈلین)

جی ہاں وہاں موجود تھا کہ لوگ کس طرح فرد کی نئی ایجادات جاری کر کے گزرتے تھے۔ دنیا میں اس موٹر کارکس شان سے استقبال کیا گیا ہے۔ یقیناً ایک شخص خیال کرے گا اس وقت سے فورڈ کو تعمیر کر کے مسٹر فورڈ وائل بنادیا ہو گا۔ لیکن ایسا نہیں۔ کیونکہ فورڈ اس قسم کا آدمی نہیں جو زیادہ دیر تک خوش رہے۔ اس کا ذہن ہر وقت کام میں لگا رہتا ہے۔ اسے نظر آتا ہے کہ کبھی کس قدر کام ہے۔ جو اسے کرنا ہے۔ جب وہ کوئی کام کرتا ہے اور اسے اس کام میں کوئی چیز ہے تو یہ کام کیا ہی ہے تو یہ ضرور خوش کر دیتی ہے۔ لیکن ایسی خوشیاں فورڈ ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ایک اور کام اس کے سامنے آجاتا ہے۔

موجودہ حالت میں نسل انسانی کے علاوہ کچھ اس قسم کے چھٹنے نہیں۔ کہ ان کے بہت زیادہ خوش رہنا ناممکن ہے۔ ہاں جو لوگ ہمیشہ گھانا خوش ہی رہا کرتے ہیں وہ ایسے ہوتے ہیں جن کے دل میں وہ لے کر ہوتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے کام یا مصروف کام کیا کرتے ہیں۔ بھلا وہ آدمی جس کا کام جی ہی ہو کہ وہ تیریاں کیل تار سے یقیناً وہ ہمیشہ خوش نظر آئے گا۔ جیسی لوگ بھی حد سے زیادہ خوش رہتے ہیں۔ لیکن مسٹر فورڈ خوش نہیں ہے۔ یہیں پہلے جب وہ ماچسٹ میں رہا کرتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ ریاستہائے امریکا کا پریذیڈنٹ بوجھے۔ لیکن اب جبکہ وہ وائٹ ہاؤس میں مقیم ہے۔ تو اس کی خوشی ہمیں ہے کسی طرح وہ یہاں سے نکل جائے کیونکہ اس کے عہدے کی ذمہ داریاں اس قدر زیادہ اور بڑی ہیں جتنی موجودہ میں کوئی شخص زیادہ دیر تک خوش نہیں رہ سکتا۔ میری زندگی کا سب سے زیادہ پورتر وقت وہ تھا جب میری عمر ۱۲ سال کی تھی۔ کافی بڑا تھا کہ جب میں دنیا میں خوش تھا لیکن اتنی عمر کا بچہ کہ دنیا کی قابلیت کو سمجھتا تھا اب جب میں

جیسے دماغ میں عجیب عجیب خواب سہائے ٹھٹھکتے۔ یہ رات کو دن بنادینے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ چنانچہ اس نے برقی روشنی کے ذریعہ اپنے خوابوں کو بجا کر دکھایا۔ اس کا ایک خواب یہ بھی تھا کہ براہ راست آواز کو ریکارڈ میں محفوظ کر دے۔ وہ کام کرنا تھا۔ حتیٰ کہ اس کے خواب حقیقت میں تبدیل ہو گئے۔ ایڈیسن اپنے کام میں ہمیشہ خوش رہا ہے۔

بیس جوا آدمی اپنے کام سے محبت کرتا ہے وہ عموماً مسرور رہتا ہے۔

ڈاکٹر احمد اللہ خاں آئی۔ ایم۔ ڈی

میں نے گذشتہ ۴۷ برس کے زمانے پر مڑ کر کچھ بڑا اُلتا ہوں۔ تو میں یہ دیکھ سکتا ہوں کہ اس وقت خوش تھا۔ اور مجھے اس وقت دوسرے لوگوں سے زیادہ خوشی کا موقع حاصل تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ مجھے بہت ناخوشی دیکھنی پڑی ہے

مجھے معلوم ہے کہ جب بھی میں کبھی تکلیف سے دوچار ہوا ہوں۔ تو اس سے نجات پانے کا میرے لئے ایک ہی ذریعہ تھا کہ بہت محنت سے کام کر دوں۔ اور اس چیز کو بھلا دوں۔ جو مجھے تکلیف دے رہی ہے۔

منہی لڑکی

لب گل کی پتیاں میں صورت ہو چھوٹی صالی
چمکے کارنگ دیکھو۔ کندو کر چھول والی
سیر کا رہی ہے ان کو کس ناز کس اداسے
دیکھیں نظر سے لیکن واقف نہیں نظر خود
بالوں میں بن رہے ہیں گھونگر ادھر ادھر خود
آنکھوں میں لال ڈورے لائے ہیں رنگ دیکھو
یہ جو مکمل میں ہے ہو کان کی خبر کیا
باچھوں میں جم گیا ہے کچھ رنگ پیک کا سا
کچھ چھوٹے چھوٹے اڑ کر مانتے پر آ پڑے ہیں
جھونکا جو آیا پھیلا چمکے کو کس اداسے
ڈرے چمک رہے ہیں سر پر زور اذاسے
دامن بھٹا اٹھ کر کھینچا جو دے کے کھٹکا
پھر کچھ جو دعبان آ باجیرت سی رخ پہ چھائی
یہ ڈر نہیں تو چھوٹی چہرے پر کیوں ہوائی
ماں سے یہ کہہ کہے کی بس سوچ اسے ہی ہے

شوقِ قندلی

زلفیں یہ ناگنیں سی آنکھیں یہ کالی کالی
نازک بدن ہے اس کا یا نخل گل کی ڈالی
رخ پر جو آ رہی ہیں اڑا کر لیں ہوا سے
دلچپ میں ادا میں لیکن یہ بے خبر خود
ماتھے ہے خود شکفہ لب پتلے پتلے تر خود
کتنا دہن ہے پیارا۔ کتنا ہے تنگ دیکھو
الجھا ہوا پڑا ہے بالوں میں ایک بُندا
کا جل رہا ہوا ہے اس کو نہیں ہے پروا
چوٹی میں بندھ گئے ہیں وہ بال جو بڑے ہیں
کیس بند دو نوں آنکھیں گرد آئی جب ہوا سے
بالوں پہ چبتي ہے گرد۔ اڑا اڑا کے جا بجا سے
کرتا کرب کا ہے۔ جھاڑی میں اڑکے اٹکا
کرتے کو دیکھ کر یہ پہلے تو مسکرائی
جو جھینگ مال کہاں سے کرتے کو بھڑلائی
کرتے کو دیکھتی ہے جھاڑی کو دیکھتی ہے

ہیں کالی ایرانی اور عربی انکڑتے رہتے ہیں۔ کو ایک لفظ یہاں کے خاص بل
 دیکھو کہ انہیں کہہ سکتے اور وہندوستان سب نہیں و انکڑا دھبہ کہ نہیں رہتا
 کچھ انجمنی زبان کو اس قدرت سے آدا کوئے ہیں کہ اپنی زبان کا کھوکھو ہونا
 اور دوسرے جہاں اور زبان میں عزیزانوں کی سبغاں و آوازوں کیلئے حرفت نہیں
 دیاں اور دوسرے اکثر وجہ بالوں کی قریب آقا و آوازوں کیلئے حرفت ہو جس اور
 اسلئے عزیزانوں کا لکھنا کہ تو ہی کے من میں بل و حرفت کو لکھا کر بیچ کر دیا کہ تہا
 آدو کے ان اوصاف کو دیکھ کر یقین ہو تہا ہے کہ اس میں ترقی کرنے
 اور تام کا باروری اور ملی خیالات کو آدا کرنے کی قابضیت اور زبانوں سے
 زیادہ ہے اور چند ایک زبانوں کے مادی سرلئے پر قابض ہونے اور دیگر زبانوں
 کے الفاظ کا آسانی کے ساتھ لینے کی وجہ سے اس کی دولت لا زوال ہے
 اور ہر لوگ جو افوس اور دست اپنی زبان کے عدم محنت کے متعلق غار کیا
 کہتے ہیں اس کا باعث خود ہماری کوتاہی اور غفلت ہے و نہ کہ شش کہتے
 سے ہم ترقی کے نام باجے لے کہہ سکتے ہیں اور ضرورت سے توسی قدر کہ
 ہر لوگ علوم کی طرف توجہ کر سکیں اور اپنی زبان میں ہلنے کی ٹھان ہیں
 ہیں جو کام کا بجا سے مشکل ہو تہا ہے۔ مگر ہر مذہق کے بعد کچھ ہیں کہ الفاظ
 کی وجہ سے کسی وقت کا اندیشہ نہیں میں ہے ابھی تک اور دکھا کہ ایک سیر
 دیکھا ہے اور ایک امر میں غور کیا جاتی ہے۔ اور وہی ایک وقت ہے جو سیر
 خیال میں آرد کہ ترقی کو مانے ہے اور کہ شش کرنے والوں کا جو حکم ہے
 کردی جی ہے اور وہ یہ ہے کہ زبان کا سرمایہ ہے شک الفاظ ہوتے ہیں مگر
 صرف الفاظ ہی پر زبان کا دار نہیں بلکہ الفاظ کو ترکیب دینا اور کسی کو لکھ
 اور کسی کو پیچھے نہ کہ کلام کو موزوں کرنا جس کو حادہ کہتے ہیں
 یہی ایک کام ہے اور آرد کہ کیفیت ہے کہ وہ ایک خاص شہر میں پیدا
 ہونی ہے۔ اور اس شہر میں الفاظ کو ترکیب لینے کا جو دستور بتی حادہ رکھا
 اس کو آرد کہ جز و لا یشک قرار دے لیا گیا ہے۔ البتہ واقعات سے کہ
 مدد کی آرد کہ دوسرے کو بتی دلی بخت کی اور اپنی سخن کی تو قیرت پر ہی
 اور کھٹو والوں سے قدر افزائی کے درجا ہادے بسبب بالکل مرہ
 وہاں سے ہو گئے۔ اور پھر یہی قانون قدرت خاک و دھڑوں کا لہر لہو
 اور آوارہ ایک ہو۔ چنانچہ خود ملی کا تھا۔ مگر کھنڈی سرزمین میں پرورش
 پاکر رنگ و بپ میں کچھ نہ فرما آگیا اور یوں آرد کہ کو ایک شہر کی بجائے
 دھڑوں کے حادہ سے مل گئے۔ اگرچہ سیر ہی اُس وقت ہی حادہ سے
 کی سیرتھیں اور لکڑی کے بازاری کو آرد کہ محنت کا مارا کہتے رہے
 زبان کرلنے کے وجہ سے علیحدہ باہر والوں سے بات کرنا گوارا نہ کی۔ مگر
 زمانے کا تہ ضرورت تھا۔ ان کی بات کو سننا۔ دلی کے ساتھ کھنڈ

یہی ہے کہ اس میں ہر مقامی اور شہری اور علمی ضرورت کے الفاظ کا ذخیرہ موجود ہو۔ اس خاندان کو پیش نظر کہ کرب اردو کو دیکھیں تو اس میں پیدا سے شہری ضروریات اور شہری تکلفات کا سامان کثرت سے موجود پڑتا ہے اور اس سے پہلے درجہ کا سامان یعنی دیہاتی ضرورتوں کے الفاظ اور زرعت کے اسباق مختلف مقامات میں اگرچہ حقیقت میں اردو کی کلیت میں ہیں کیونکہ وہ شہر میں ہی ہے تاہم چونکہ کثرتوں اور گٹاؤں کا یہ مطلق نہیں ہے۔ اس لئے ضرورت ہو تو وہ الفاظ اردو میں جو یہی استعمال ہو گئے ہیں اور ان کے کاسلہ یعنی علمی اور مصطلحی الفاظ ان کی جگہ ابھی قلم نہیں ہوئی اور یہی کہ اور دیکھا جائے اور ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ ان کے الفاظ کو اس طرح علمی الفاظ اور زبانوں میں اچھا ہوا کر لیتے ہیں۔ اردو میں بھی نہیں ہیں۔ یعنی اردو زبان میں کہ تو خدا ہے مہار اوداؤں سے نئی تشکیل ایجاد کی جاتی ہیں اور دیگر علمی معنوں کا یہ غیر زبانوں کے الفاظ کیلئے جاتے ہیں اور یہی زبان میں برتنے لگتے ہیں۔ درہم دیکھتے ہیں کہ اپنے معنوں سے کسی درہم الفاظ اعلیٰ کے ہیں جس قدر معنوں سے پہلے وضع ہو چکے ہوں اور وہ کسی زبان میں کہیں کسی میں زیادہ اور غیر زبان سے لفظ وقت کرتز یا زبان بہت نال کی ہیں اور اس نال کی علامات یہ ہے کہ لفظ کو اس کی اپنی شکل اور تلفظ برتنے نہیں جانا۔ مگر وہ اپنی شکل اور لفظ کا کہ نہ کوسا یہ ڈال اور عرب یا ہندسہ وغیرہ بنا کر استعمال کیا جاتا ہے اس کے برخلاف اردو کا یہ حال ہے کہ اس کا پہلے معنوں کا سراپا ایک لحاظ سے کچھ بھی نہیں کیونکہ وہ بنی بنی بن کی کوئی وجہ کرنے سے ہے۔ اور ایک لحاظ سے جس قدر دماغی سراپا ہے اس میں اس سے اور کسی زبان میں کہے کہ ہوگا۔ کیونکہ یہ فارسی اور سنسکرت میں بہت وسیع اور علمی زبانوں کی اعانت میں داخل ہیں اور یہی ان میں سے کسی کا لفظ ہے تو شہر کی طرح ابھی نہیں معلوم ہوتا اور اس طرح قدیم جیسے پراس کو تصرف ہے وہ اور زبان کو مال نصیب۔ اور بچان تینوں کے علاوہ اور زبانوں کے الفاظ جو علم یا دیگر کو دہانے کا ساتھ میں اردو کو اور زبانوں کی طرح ان سے کوئی نصیب نہیں۔ چنانچہ ابھی الفاظ کی جملہ زبان اور فارسی وغیرہ میں ابھی کہ مٹی ہے کہ بجائے نہیں جاتے مثلاً اندر (اندرون) (الطریقہ) (آسٹری) و کنوڑ (کنس سیدہ) دھن، ہاں اور دھون ان کو سرانگھوں پر بچھو جاتی اور دیکھا جاتا ہے کہ نہیں لگتے۔ اور یہی طرح اس ودان سے کہ جو مٹی میں گواہ اپنے کہیں میں یہی مٹی لفظ ہے اور یہی ہے۔ اور سبکی و جہ ہے کہ ایک قابل ہندو کو کہ ابھی کی نقل کرتے ہیں جو مال نہیں ہیں، بنا کی کسی قوم میں نہیں۔ انگریز ہندوستان میں مرسوسہ کرتے

پراکرا حق اور قرار کیا گیا! وہ جس کے مثنویوں سے لالہ قلعے کی غزلیں صبا سند بننے کا مستحق محال ہو سکتا اور اس طرح دلی کی برہادی اور اہل سخن کی جدا دلی کا یہ خوشگوار نتیجہ ہے شک بہرہ آکر جہاں پہلے دلی کے محاوروں کے خلاف بولنا غلط سمجھا جاتا تھا۔ وہاں یہ عنصر پیدا ہو گیا۔ کہ دلی نہیں تو لکھنؤ والے ایسا کہتے ہیں اور محاورے میں نہ باعث الگمی۔ مگر پھر بھی زبان کے لئے دو شہروں کی کیا حقیقت ہے؟ چاہے کیسے ہی بڑے شہروں اور کیسے ہی بڑے شہر کا وہاں کے متعلق بول چال کا اتنا ہی ہونا ہو۔ تاہم وہاں سے محاورے اور زبان کو وسیع اور ملی زبان بننے کیلئے جس طرح پر دو شہروں میں استعمال ہونے والے الفاظ کا کافی نہیں ہیں۔ اور آئندہ اور الفاظ ایجاد کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح الفاظ کے بار بار نئے ہی الفاظ سے کم مگر پھر بھی بہت بڑی مقدار مختلف طرز اور رجحانات کی دکان ہے۔ اور الفاظ کی طرح اس غرض کو بھی! شہر و رہائش کر سکتے۔ اور قبضی یہ لکھنؤ کے بعد کہیں اور اہل سخن کا وہ جھگڑا نہ ہوا۔ اور جدید محاورے زبان میں مل نپایا اور مان لیا گیا کہ اگر وہ وہ ہے جو دلی اور لکھنؤ کے محاورے کے مطابق ہو۔ اور اس لئے اور شہروں کا کوئی ایسا ہی قادر الکلام سخن اور وہاں کے کلام میں نہ تو کوئی محاورہ دونوں شہروں کے خلاف آئے۔ جسے غلط دیکھنے والے کو اوردے سے ناواقف قرار دیا گیا اور یہ دلی اور لکھنؤ کا عربی ایسا ہی کاب اکثر اہل علم و علوم و فنون کے ذخیرہ کا دروس میں کر سکتے ہیں ترجمہ کرتے ہوئے یا کتاب لکھتے ہوئے سمجھتے ہیں کہ ہم دلی یا لکھنؤ کے محاوروں پر قدرت نہیں رکھتے مبادا غلط اردو لکھ زبان والوں کی عادت کا لاشا نہیں اور واقع میں جو شخص اپنے شوق سے مجبور ہو کر دلی تصنیف کرتا ہے۔ تو زبان کے ٹھیکہ دار بن جاتی اور وہاں کوئی اردو لکھ کر اسے بے نہیں مانہتے حالانکہ یہ نہایت دشوار ہے کہ کوئی شخص جگہوں میں پیدا ہوا اور شہر میں اُس سے بولنے کے وقت لے لی قطع میں ذرہ بھر لغزش نہ ہو۔ کیونکہ جس طرح ہر شہر کے عادات، اخلاق اور رسم و رواج میں اختلاف ہوتا ہے اور ممکن نہیں کہ دو شہر بات میں یکساں ہوں اسی طرح الفاظ کو ترکیب دینے اور اسامہ و افعال کے ساتھ حروف کو ملائے جس میں ہر شہر کا انداز عطا ہوتا ہے اور نامکن ہے کہ اہل شہر بے شکر کے لڑاؤ کا شکار نہ ہوں۔

مثنوی زبان ہوتا مقام ملک کی اور اُس کی محبت کا اجارہ صرف وہ شہر کو دیا جاسکتا ہے۔ اردو کا یہ ایک ایسا خاصہ ملک لکھنؤ ہے جو اور کسی زبان میں نہیں ادیب پیدا ہوا اسی لئے کہ دلی اور لکھنؤ جیسے دار الحکومت اردو کے مالک قرار پائے۔ اور انہوں نے اپنی غزلیں کے آگے کسی کو بات کہنے کے قابل نہ سمجھا۔ درنتہا ہم کہتے ہیں کہ عربی مشکل میں پیدا ہوئی اور جب شہر

ہے اور شہر والوں نے اُس میں ترش خراش کی خوشگل والوں کی محال مثنوی جو اُن کے منہ آتے۔ وہ جس طرح شہر والوں کے رسم و رواج اور کیفیت سے مرعوب ہو جاتے ہیں اسی طرح اُن کے طرز کلام پر بھی نہ بول سکے اور اسی طرح شہر والوں کی چونکہ اپنے فکر کی جامعہ نہ مثنوی اُن کو بھی اُس کے متعلق قہقہہ نہ ہوا۔ اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں جاکر مقرر ہونا آگے زبان کی معمولی قدر بڑھ جاتا گیا۔ اور ایک کو دوسرے کی زبان کو غلط کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور کہیں سے کوئی لطیف استعارہ کہیں سے کوئی بانگ کہنا نہ زبان میں داخل ہوتا ہوا اُس کو وسعت نہ ملتا تھا۔ یعنی کہ زبان ایک ملک نکلی کہ دوسرے ملکوں میں پہنچا اور وہاں کا اثر قبول کر لینے بعد بھی صحیح زبان سمجھی جاتی تھی۔ اور گو کہ جو اُس اور دیکھوں کے مہاتے ہوئے رہے۔ اور عرب و مصر کی دلک جھونک جاری تھی کسی نے اپنی زبان کو ترجیح دی تو اسی قدر کہ اس کو فصیح کہا اور دوسری کو غیر فصیح۔ لیکن ایک کو فصیح اور دوسرے کو غلط نہیں مانا گیا۔ اور اگر چہ مصر کی زبان عرب کے شہنشاہ اور اس کے قریب صرف تھو و معانی دیکھ کر مہیا کردان کو کبھی مانتے تو غلط ہے لیکن وہاں کو دلی و لکھنؤ ہوتا تھا اور مصر کی زبان پر غلط اور خلاف تھا ورنہ ہرے کا مثنوی صاف دیکھا جاتا تھا جس قدر حد علم و فنون کا ذخیرہ اور جدید خیالات کا دیکھنے کی قابلیت عربی زبان کو مصر والوں کی بدولت حاصل ہوئی ہے، بالکل ہوئی۔ یہی حال دیگر زبانوں کا ہے۔ میں انگریزی کی نسبت کوئی لٹے دینے کے قابل نہیں مگر اس قدر یقین ہے کہ انگریزی صرف لندن کی زبان نہیں اور مصر اور انگریز کے شہروں اور بستیوں میں بہم محاوروں کا تفاوت ہوگا۔ مگر حسب کی انگریزی انگریزی ہے۔ اور انگریزوں نے باہر امریکہ کی انگریزی محاورے یعنی مختلف ہیں گلیں لیکن انھیں کو غلط کہنے کی محال کسی کو نہیں اور یہی ہے تعمیری ہے جس میں اس زبان کو دواؤں میں حاصل ہے اور اسی طرح ویدوں کی سنسکرت جو خطا الٹا سے آتی اور کا لیداس کی سنسکرت جو ہندوستان میں پیدا ہوئی، یہ مختلف ہیں لیکن وہ سنسکرت ہیں۔

شیراز کی فارسی بے شک فصیح ہے۔ مگر بڑا ت کی فارسی بھی فارسی ہے اور صدی کی تعریف کرتے ہوئے حامی پر خندہ زن ہو چکا ہوں تو کوئی نہیں اور یہاں لاہور والوں کی خُلقہ کھنکھار دنا دلی بول چال سے خلاف پاکر دلی والوں کے پیٹ میں لے کر پڑ جاتے ہیں اور لکھنؤ والے صفا اردو کی انجمن ناک رنگ سکھ و مہاراجوں کو غلط بتائے اور ان کو لکھنے والوں کے حصے کے مطابق صحیح کہنے کی کوشش میں، صرف ہر اور لکھنے والوں کے حصے بہت کہنے جاتے ہیں۔

مثنوی ہر شہر میں اردو کا یہ بہت بڑا نقص ہے کہ دلی اور لکھنؤ

محامدوں کے خلاف کھنڈا غلط بھی چلنا ہے اور بارہا لوں کو غلط لفظ پر خیال رکھنا پڑتا ہے کہ کوئی بات ان دونوں شہروں کے خلاف طبع نکل جائے تو نہ ہمارے تحریر و دست نہ ہو گی۔ اور اس طرح ہر جماعت مختلف تعلیمیتوں میں محصور کو مختلف سلیبوں سے خارج کر کے لی ہوئی ہے اور زبان کو وقعت دیتی ہے۔ اور اس کے فائدے سے محروم نہ رہی جاتی ہے لیکن یہ نقص اگرچہ بڑا ہے مگر اردو کی خدمت میں داخل نہیں کیا بلکہ زبان کی تنگ خیالی سے پہلے ہمارے دلی بھول چلیا چرو کہتے تھے۔ کھنڈا دلی بھول کا ایسا چرو کہتے تھے۔ دلی والوں کے سامنے پہل آیا۔ مگر زبردست کا ٹھیکہ کاسر پر چھوڑنا ماننا پڑا کہ تعجب یہ بھی ایک حادہ ہے اور ایک مضمون کے لئے دو مصلوب پیدا ہو گئے۔ اسی طرح اگر کسی شہر کے لوگ بھول کا کھنڈا سے اور جیسا دلی سے لیکر بھول چلیا چرو کہتے تھے اور یہ حادہ بھی شہرت پا جائے تو دلی والوں کا کیا جمع ہے، جب کھنڈا کا راج تو ثابت کا خدمت میں سکتا ہے تو جہت آباد دلی کی خدمت میں اسلوب پیدا کر کے برکوں قابل ملامت ہو اور اس کے لئے سیارہ سے خیال میں یہ ہونا چاہئے کہ جو نیا حادہ کو دلی کی ایک شخص استعمال کیے اور دلی اور اس کا ساتھ دینا ہوا ہے غلط سمجھا جائے لیکن جب کوئی مصلوب ایک جماعت میں دلی کو تو دلی کا حادہ نہ کہو مگر اردو کا ایک حادہ مزدور سمجھا دہی میں نانا ڈاؤ اور اس مصلوب کے مطابق اگر خود دلی کا حادہ الحکام اقرار کر دے یا خود کو شہر مانے تو کیا ہونے کے سبب غلط سمجھ۔ اور اگر تعجب دلی کے جیسے جیسے ہے۔ کی طرح میں سے جاننا ہے استعمال کریں تو نہ صرف استعمال کی وجہ سے غلط الفہام فصیح کی دفعہ مذکور اور جواز کا فتویٰ دو۔ کیوں کہ زبان میں محنت اور تمام ملک کو اردو بولنے کی جرات پیدا ہو گی تو اسی طرح۔

ادب میں قاسم قاعدہ کو ہمارا تک وسیع دیکھنا چاہتا ہوں کہ انگریز جو دلی نہیں بولیں ہمارا کارڈ لایا۔ ہاں لوگ سیکرولانا لکھا ہے۔ پیر ڈنٹر جانے کا عظیم صاحبان کے ساتھ مانا سکتا ہے۔ چونکہ یہ انگریزی ایک جماعت کی شہرت زبان ہے اور وہ پیر دلی میں قدر اردو بولتے ہیں مگر انہی محامدوں کو استعمال کرتے ہیں اور نہ صرف بلکہ ہفت ہفتا میں جمنٹین جو انگریزی طرز پسند کرتے ہیں وہ بھی اکثر اپنے نوکر دلی مانتوں اور ایسے لوگوں کے ساتھ جن سے انگریزی بولنی نہ چاہیں اسی گھڑی بولی بات کرتے ہیں تو میرے نزدیک اس کو بھی اردو کا ایک حادہ قرار دینا چاہئے۔ بیشک دلی کی انہیں اور مانا کہ فصیح اردو بھی نہیں۔ اگر انگریزی فارسی بھی نہیں۔ اور وہ۔ کیونکہ الفہام اردو ہیں۔ البتہ ان کے استعمال کرنا ڈھنگ اور ہے اور مطلب سمجھ میں آ سکتا ہے۔ تو پھر اس کو اردو کا ایک نیا گھڑی مصلوب کیوں نہ لکھا جائے۔

دلی والے مصدقہ مذکر ٹرنٹ، واحد جمع کہتے ہیں اور شعر کہنا بات کرنی کا قصیدہ کہتے ہیں۔ دلی میں کھنڈا دلی سے لے کر کھنڈا دلی کا کھنڈا پڑا۔ اور اپنا پڑی آہم کھنڈا پڑے کہ ہر ایک الف و قاف رکھتے ہیں۔ اور ان کا کھنڈا مانا گیا۔ اسی طرح انگریزوں سے مانا جانا سکتا ہے کہ مصدقہ کو فرار کے کی دم تکلی دیا گیا کہ کیا۔

بے شک سہل دلی دیکھتے دوں موجود باب فساد ہیں اور کوئی اردو کو کیا کہے گا۔ جیسا کہ مجھے میں گھبراہٹ کسی اور شہر اور کسی اور جماعت کے کام کا مصلوب ایسا ہی آسانی سے سمجھیں۔ جیسا اپنے شہر کی زبان کا کہتے ہیں اور الفہام بھی بغیر آواز کے ہوں اور کام سے اسی قدر غرض ہے کہ مضمون سمجھ میں آئے اسلوب مختلف ہونے کی وجہ سے اس کو غلط اور قابل تفسیر نہ ہو کیوں کہ مانا جائے۔

بہر حال ہوا فہم میں ہونا ان کے کتب و شائع ہونے تھے۔ حسرت مولیٰ اپنے پرے میں ان کا ذکر کرتے ہوئے ایک جملے پر آئے ہیں۔ وہ جملہ بکھلیا حادہ اور کے ساتھ میرا حق توڑی پڑھا ہوا ہے۔ کیوں کہ وہی صاحب فرماتے ہیں کہ غلط ہے اور عالمی غیاب میں رہنے کے باعث آزاد کی زبان سے ایسی غلطی ہو گئی۔ یہ ایک مثال ہے اس کی جگہ جی اور کو کھنڈا کا کھنڈا کی جواہر دلی دیکھنا ہر کے محامدوں کو زبان سے طرہ دیکھنے کے لئے کرتے رہتے ہیں۔ ورنہ اگر آزاد کا جملہ کھنڈا دلی والوں کے حادہ سے کے خلاف ہے اور لاہور دلی ہوں دلی میں تو میرے نزدیک آزاد نے اسے بول کر زبان میں ایک مصلوب کا اٹھا دیا کیلئے۔ ہاں تو ثابت کا خدمت میں غلط ہے۔ اور ایسا ہی ہونا چاہئے۔ کہ ان کا پڑا۔ اور اگر اردو تمام ملک کی زبان بنے گی۔ ہاں اگر اردو میں محنت پیدا ہوگی تو اسی طرح کہ یہ صرف و شہروں میں قید نہ رہے۔ بلکہ ہفتا کے تمام شہروں کو اس کا اعتقاد ان کے محامدوں کو لکھا بعض بعض الفہام کو بھی جرح پائی یا دیکھی وغیرہ زبانوں سے نہ صرف استعمال کے ساتھ اس میں داخل ہو گیا۔ اردو کا اپنا سرمایہ اور اس کو محنت اور ترقی دینے کا ذریعہ ملنا چاہئے اور جیسے کسی شہر کو دلی والوں کے سامنے صحیح ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل کافی ہوتی ہے۔ کہ کھنڈا کا خانہ یوں کہتا ہے۔ اسی طرح کی جملہ لاہور والوں کے حادہ سے ہمارے کوئی فقر و حیدر آباد والوں کی طرز پر ہونے کے سبب سمجھ اور ہاں ہمارے سمجھ کر ایسا اور جیسا کہ اردو میں۔ اور اس کے اختلاف سے باہم دگر تفسیر و تفسیر کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ فقہ۔

محمود علی زیدی صاحب کی کچھ تھلہ

دیہات کی رات

چپکے چپکے گیت غامشی کے گاتی ہے فضا
 اوڑھ کر اپنے تن نازک پہ چادر چاندنی
 مسجد و محراب سے شورِ اذان اٹھتا نہیں
 لیٹ جاتی ہیں گھروں میں بیباں آرام سے
 ساگ لے لے کر گھروں میں پھر غولی اترتیں
 سارا دن چکی پہ محنت کرنے والی لڑکیاں
 - بھاری بھر کم اور صدی گاؤں کسادہ نہیں
 مسجدوں کی کہنہ دیواروں کے کھولے امام
 - خانقاہوں کے مجاور اور سبک منگے فقیہ
 - موسی گیتوں سے واقف خوش گلو میرا نہیں
 - ڈوم جن کی بہنڈل باتوں پر ہنستے ہیں سب
 وہ مدرس جن کے دم سے مدرسہ آباد ہے
 - رفتہ رفتہ نیند سے مدہوش ہو جاتے ہیں سب
 دیکھ کر تاروں کی جانب مُسکراتی ہے فضا
 بام گردوں سے اترتی ہے زمیں پر چاندنی
 سرد اور خاموش چولہوں سے سُھول اٹھتا نہیں
 آومی بے فکر ہو جاتے ہیں اپنے کام سے
 شوخ اور مُنہ بھٹ مگر شب رنگ کی گھڑتیں
 کم سے کم اجرت پہ پانی بھرنے والی لڑکیاں
 پہلوانوں، مجلسوں، کتوں کے طدادہ نہیں
 آئے دن پردیسیوں سے جھٹنے والے امام
 ادھ موئے گستاخ، بسر اور پاؤں سے نہ گھٹیر
 ہر کسی سے لڑنے والی تند خو میرا نہیں
 اپنا اپنا من گھڑت شجرہ نسب سنتے ہیں سب
 جن کو سعدی کی گھستال کھنڈ بانی یاد ہے
 اور اس پر کیفیت وادی میں کھو جاتے ہیں سب

آدھی اعمال سے دوچار ہوتے ہیں جہاں

(فاخر ہیراؤی بی۔ اے۔)

خوابِ رُوحوں کے لئے تیار ہوتے ہیں جہاں

شہنشاہ اشوک

کا طریق تھا کہ وہ اپنا دھرم اتھنہ پھیلانے کے لئے خود بخود ان کا طرز عمل اختیار کر لیتے تھے۔ باضابطہ دھرم کے دائرے میں انہیں اس کے لئے تیار و ستر کرنا دینا پس سب سے پہلے بدھ مت والوں نے شروع کیا ہے ان کے بعد نندو اور ان کے بعد اسلام نے اور خود کی پہلے کی ہے۔ جماعتی پرستش بدھ کو کاٹنا۔ نرگوں کے تھیرے بنانا۔ مقدس کتاؤں کا غیر بائبلوں میں ترجمہ کرنا بھی زمانے سے شروع ہوا ہے۔

شہنشاہ اشوک نے اپنے لڑکے اور اپنی لڑکیوں کو لٹکا بھیجا۔ وہ اپنے ہزاروں سال پہلے کی ایک شہنی لے گئے تھے جہاں بدھ کو کشف حاصل ہوا تھا وہی انوراہا دور میں لگائی گئی اور انہیں وقت تک وہ چل پڑی اعتبار سے رکھا گیا ہے اور وہ دنیا کے موجودہ دشمنوں میں سے سب سے بڑھا ہے۔ اشوک کے شہزادے اور شہزادی نے شاہ سیلون کا بدھ بنایا تب سے بدھ مٹھ سیلون میں رائج ہوا۔

خود شہنشاہ بھی آخری عرصے میں بدھ بن گیا۔ اور بدھ کی زندگی میں کتا رہا۔ باسیرو دین تھے ہیں ان کا ان کا کوئی شہنشاہ اس کی شان کو نہیں پہنچتا۔ وہ تاریخ میں ایک بیل ٹھکانا ہوا ہے۔ بہت سے موعن صنفی ہیں کہ اشوک ایک جھکار ستارہ ہے جس کے آگے سب شاہ اور شہنشاہ مانا نہیں۔

باد جو کہ وہ خود بدھ مت کا پیرو تھا۔ لیکن ہندو یونانیوں کے منہ اور برہمنوں کو بھی اس نے اپنے فیض سے عود نہیں کیا۔

ہندوؤں کے زمانوں کی راجہ ہمارا بدھ نہیں گذرا۔ جس کے زعمین ہندوستان کا اس قدر قدیم ہو۔ شمالی ہندو دھم اور راجہ پناہنا اور وہ

پنجاب وغیرہ ممالک میں مختلف راجے ہیں۔ صرف اشوک کا ہی ایک درجہ اس ملک میں آیا ہے جس کے زیر حکومت ہندوستان کی مملکت برطانیہ

سے زیادہ مالک ہو سہمیں۔ اب ہم کتھوں سے مختصر اقتباس ہیں کہتے ہیں جو بننے ٹراس کی کتاب کے اندر وہ ترجمہ سے نقل کئے ہیں۔

ان حکام میں سے جو پھر لوں پر کتھ ہیں ہم ایسا مختصر اقتباس کر رہے ہیں جن سے مطلب قوت ہو سیکے اور شہنشاہ کے اوصاف ظاہر ہو سکیں کہ ان کا

کہ وہ مستحق تھے کہ ان سے پہلے اس شہنشاہ کی ظالم اور خود بخوار ہونے کی شہرت تھی۔

”اپنی مملکت اور اپنے مہسایوں میں میں نے انسانوں اور مہسایوں

کے اندر اعظم کے ذریعہ سلوک سے چند گیت نے ہندوستان کے چند مہسایوں میں سے تھے۔ چند گیت خاندان مہسایوں کا بیٹا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا بندو سار جانشین ہوا۔ اشوک بندو سار کا بیٹا تھا۔ اپنے باپ کے بعد اس اشوک کثیر وغیرہ ممالک کا ویرانے تھا۔ بیان کیا جا رہا ہے کہ سرنگر اسی نے بنایا تھا۔ جب اشوک تخت پر بیٹھا تو اس وقت وہ ہندو دھرم تھا تھا۔ اس نے کتھ کو قوم پر دھارنا کیا نہیں منسوب کیا۔ جب میدان جنگ میں اس نے لائیں دیکھیں تو کانپ اٹھا۔ اس کے پیوستہ صدر ہوا۔ یہ جنگ اس کے نوین سال میں ہوئی تھی۔ یہ صوبوں میں جلوس میں اس نے قسم اٹھائی کہ جس کے ملک فتح نہیں کر سکا۔ ملک جرم کے پرچار سے دلوں کو تھک کر لے گا۔ پھر اس نے ایسا ہی کیا اس کی سلطنت کی مدد بھی تو معلوم نہیں لیکن یہ جانتا ہے کہ بدھ کش سے شروع کر کے افغانستان بلوچستان۔ ہمالیہ تک شمالی ہندوستان کے افغانستان کی آسمانی جزئی حد تک۔ مسندہ کثیر۔ خیال بھی اس میں شامل تھے۔ سوات کی وادی میں شامل تھی۔ گویا اس کی سلطنت کا رقبہ ریش ہمالیہ سے اگر باخاں کر دین تو زیادہ تھا۔

اس کے کتھوں نے ثابت ہوا ہے کہ اس نے ہندوستان کی بہت میں بدھ کی مٹھ بھیجی اور بدھ دھرم کا رچار کیا بلکہ یونان اور مصر وغیرہ ملکوں تک اس نے اپنی ایک روانہ کئے اس کی تفصیل اس کے کتھوں میں پھر برکدی ہے۔ بہت دھم تک اس کے کتھ پر دھم نہیں جاتے تھے آخر اس کی اجداد یافت ہو گئی بعض کی عبادت دائیں سے بائیں ملتی ہے اور بعض کی بائیں سے دائیں۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ بری اور خرد پتھری حروف میں مضمون کندہ کئے گئے ہیں۔

اسی شہنشاہ کے عہد میں بہت سے کتھیں کھوف گئے۔ سایہ دار اور خرد اور خرد لگائے گئے۔ اور یہ کتھیں لے جایں یونان وغیرہ ممالک سے لاکر ہندوستان میں لائی گئیں۔ ممالک تھیں جہاں ان کی یا تو قومی حدود سے تجاوز کر کے اپنی ایک بھیجے گئے اور بدھ دھرم پہلا یا گیا بدھ مٹھ میں ہوتے تھے جن مشنروں کا دستور اس کے عہد سے شروع ہوا۔ بدھ مالک مٹھ کا بیٹھ مشنروں کرتے تھے ہیں لیکن اس ملک کی تھی کہ ہر ملک و مٹھ ہر ملک و مٹھ کا ہر مٹھ ہر ملک کے دائرہ میں بلا تکلف اس کے ہندو

ہر شخص کی عزت کا لحاظ رکھیں گے۔ خواہ وہ غریب ہو یا مفکوک الحال
”تو کر ہوا آقا“

”پہلے شاہی باورچی خانہ میں سینکڑوں جافور بچہ ہوتے تھے
اب ہر روز صرف تین جافور بچہ ہوتے ہیں۔ آئندہ یہ تین جافور بچہ
نہیں ہوں گے۔ میری ملکیت میں ترابی کے لئے کوئی جافور بچہ نہ ہوگا
”ا میں جانب قلماری تعظیم ادا ان کی جہاں پروا نہیں کرتے۔
ہر فرقہ میں نفس معاملہ کے لب باب کی ترنی جاتے۔ اس کی کئی مثالیں
ہیں لیکن صمد کی جرحضہ کلام ہے۔ بلا کسی وجہ کے اپنے فرقہ کی صفین،
یا دوسروں کے فرقہ کی خدمت نہیں کرتی جاتے۔ کیونکہ دوسروں
فرقہ کی عزت اپنے فرقہ کی عزت کو تباہ ہے۔“

”کلنگوں کو اس جانب سے متوجہ کیا۔ ایک لاکھ پچاس ہزار اسیر ہوئے
ایک لاکھ قتل کئے گئے۔ دواولس سے کئی لکھ زیادہ تباہ ہوئے۔ بالائی کلنگ
اور کلنگوں کو متوجہ کرتے سائپا جانی پیدا ہوئی کیونکہ ملک کی فتح سے کثرت
وخلن ہوتا ہے۔ بہت لوگ اسیر ہوئے ہیں۔ اس جانب کو اس کا عزت
افسوس اور پشیمانی ہے۔“

”اگر کوئی شخص اس جانب کو اذیت پہنچائے تو اس جانب جانیہ
ہو سکے گا۔ جہاد شدت کریں گے کیونکہ اس جانب کی خواہش یہ ہے کہ
ہر ایک آدمی امن میں رہے۔ اور سکون اور اطمینان حاصل کرے

”اس جانب کی رائے میں سب سے بڑی فتنہ ... قادیان تقویٰ کی
ہے۔ اور اسی فتنہ سے اساطع حاصل ہوتا ہے۔“
”اس جانب کو قادیان تقویٰ پسند کیا ہے۔“

”مستر ایچی ولسن کہتے ہیں کہ دنیا کے فرمانرواؤں میں سے
صرف اسٹریگ ہی ایک ہے جس نے فتنہ کے بعد جنگ کی بند کردی تھی۔
”دب لوگ میرے بچے ہیں میں کیا کہیں اپنے بچوں کی خوشی اور
بہبودی چاہتا ہوں۔ رعایا کی بھی چاہتا ہوں۔“

شیو رامن شتیم

کے لئے معاملے کا اختتام کیا ہے۔ جہاں جبری روٹیاں نہ ہوتی تھیں۔ میں
نے بارہ برس شلوکار کاشت کر لی ہیں۔ جو سائفل اور دوسٹیوں کے لئے مفید
ہیں۔ مسکو میں پچیس لاکھ کھدولے ہیں۔ اور ان کے لئے آرام گاہیں
نہاوی ہیں۔ میری ملکیت میں ایک لاکھ پچاس سال دودھ پر جائیں۔ اور
علاوہ اور کام کے تقویٰ کا پچاس لاکھ ہیں۔ یعنی۔

”ماں باپ کی اطاعت۔ دوستوں۔ واقفوں۔ ہشتہ داروں
برہمنوں اور تارکوں کے ساتھ خدات کا برتاؤ نیک کام ہے۔“
”جاہلدار کے مارنے سے بچا نیک کام ہے۔ کہ خرچ اور کھانے کرنا
کا ثواب ہے۔ سرکاری کام میں کچھ حصہ سے تاثیر ہو گئی ہے۔ اب
میں نے یہ انتظام کر لیا ہے۔ کہ خواہ میں کھانا کھا رہا ہوں۔ روٹیاں
ہیں۔ یا سونے کے کپڑے ہیں۔ یا پھنسی کے میں ہوں۔ یا گاڑی پر
سوار ہوں یا محلات کے بلوغت میں ہوں۔ سرکاری رپورٹوں کو چاہئے
کہ رعایا کا کام پیش کریں۔ اور میں ہر جگہ رعایا کا کام کرنے کو تیار ہوں
کیونکہ مجھے اپنی ذاتی کوشش اور کار براری پر پورا اطمینان نہیں ہے
سب لوگوں کی بھلائی کے لئے کام کرنا چاہئے۔ اس کا رٹہ یہ ہے۔ گا
سے جانی نہ چلائے اور اسے اتنا نہ ڈالے۔ میں اپنے کام کو انجام تک
پہنچاؤں گا۔ سب جاہلداروں کا دین اور اکروں کا۔ تاکہ وہ سب خوش
رہیں۔“

”ا میں جانب کی خواہش ہے۔ کہ ہر جگہ ہر قسم کے لوگ۔ بسیں۔ ڈ
سب خواہشوں کو مکمل اطمینان قلب حاصل کریں۔ لوگ خود بخود نہیں اور
میلان مختلف کہتے ہیں۔ بعض جڑ اور بعض کلا احکام کی تعمیل
کریں گے۔“

”ہر شخص کے لئے زیادہ مفادات ناممکن ہے۔ تاہم اس کے
لئے اس پر قابو پانا مفاتی قلب حاصل کرنا ضروری ہے۔“
”میرے ایک نابالغ بندہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ دو
کریں گے۔ خوب ضعیف۔ عمر بڑے تھے۔ دلوں کو ادا دیں گے

رباعی

اپنا جو اُسے کہہ دیوانہ ہے

یہ رنگا ہے عارضی ہیکاشہ

میر تقی میر خاں لاہور

غافل جو شباب میں نہیں دانا ہے

رہتی ہی نہیں سبز عارض کی با

دیوانِ مغرب

(نقدی کنی کاغذ میں نغمات کی مہکت کو نکل جا اور مٹی کو جانے کیلئے اس کے وطن کی جستجو کر)

موتے ہی محروم کمال کی تمام نگہیں اراچی انداز میں ہیں اور جس کا میا بی کے ساتھ اس مغربی مٹی ہے، اپنے دل پر کتا ستر مشرقی کیفیات طاری کر کے مشرقی شاعری کی روح کو..... ہم آہنگی اور کمال کے ساتھ ادا کیا ہے۔ مشرق کی فنی مزاج طبیعتیں اس کی مزاج جو جاتی ہیں، کھانے کو یہ امر نیت قبول کیے بغیر نظر آنے کے بغیر جن زبان اس قدر دلکش اور لطیف اور چار خیالات کے جان کی بھی طاقت رکھتی ہے۔ وہ کھتا ہے کہ گونٹے نے اس میں مشرق کی ان تمام دلاویزوں اور لہجوں کو رکھ دیا ہے جن کو مغربی زبان میں مشرق کی روایت کما جاتا ہے۔ اس کتاب کی دلاویزی بیان نہیں کی جا سکتی۔ یہ نایاب بودوں کے جنسٹان سے چنے ہوئے چھوٹے گلدرستہ ہے جسے عقیدت کے طور پر مغرب کی طرف سے مشرق کی بادگاہ میں پیش کیا گیا ہے۔.....

..... یہ سچے گلاب کے پھولوں اور داؤد کی کے پھولوں اور ہندی کی پتیوں سے تیار کیا گیا ہے۔ جس کے درمیان جن بنفشہ کالک شاہینگو فہم ہے۔ یہ گلدرستہ مشرق کی طرف یہ پناہ گزینا ہے کہ مغرب یا اپنی نام نہاد اور انفرادہ روحانیت سے بیزار ہو کر اس کے تاناکہ سینچنے نہ کی تلاش کرنا چاہتا ہے۔ اس کی کھتر نقبیں مسعود اور فرید کے درمیان عرصے میں لکھی گئی تھیں اور آخری مال انہیں شائع کر دیا گیا تھا۔ یہ مجموعہ کلام بارہ کتابوں پر مشتمل ہے جن میں سے زلیخا نامہ کو جو نعت مشق کا شریک ادا نمائندہ بہترین خیال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کی ایک مشہور ترین نظم کہ آج پہلی بار اردو میں شائع کیا جاتا ہے۔ دلیخا نامہ

زلیخا نامہ

میرزا خیال ہے کہ ایک سردرات کے لمحوں میں میں نے خواب میں چاند دیکھا۔ لیکن جب میں نیند سے بیدار ہوا تو دیکھا کہ آفتاب نامعلوم طور پر پانی کی گہرائی سے طلوع ہو رہا ہے۔

اس میں کیا کام ہو سکتا ہے کہ زلیخا کو برف سے نہایت محبت تھی۔ وہ جوان تھا اور شباب آنکلوں کو بھاتا ہے۔ وہ خوبصورت تھا اور بے انتہا خوبصورت تھا۔ وہ بھی حسین و جمیل تھی اور دونوں حسن و عشق کے متوالے تھے۔

اے تو جو میرے انتظار میں ہے اور مجھ پر شہباز آفتون نکلیں ڈال رہی ہے تو بھی اپنی محبت سے مجھے سرفراز کر دے گی یا ہاں میرے نغمے تیرا گیت گائیں گے اور میں تجھے ہمیشہ کے لئے زلیخا کہوں گا۔

آفتاب طلوع ہو رہا ہے کس قدر شاندار قطار رہا ہے۔ ہلال اس کے گرد لپٹا ہوا ہے۔ اس حیرت انگیز وضال اور اس مہمے کو کس طرح حل کیا جا سکتا ہے۔

میرزا محمود بیان شاہد اب اور گہنی شاخوں کو دیکھ۔ دیکھ ان کے خوشترنگ پھلوں کو بھی دیکھ۔

ابھی تک وہ خام ہیں۔ انہیں اپنی دلچسپی اور دلفریبی کا احساس نہیں۔ صرف ایک لکھی ہوئی شاخ انہیں معمولاً بھلاتی ہے۔

لیکن وہ اندر سے یکے کے ساتھ ہیں۔ ان کا رنگ شمع ہوتا جا رہا ہے۔ اب انہیں ہوا کی قناہ ہے اور آفتاب کی خواہش اب وہ خوشی سے مشغول ہو رہے ہیں۔ یہی شان میرے لمحوں کی ہے۔ وہ ہر روز تیرے پاؤں پر شمع رہتے ہیں۔ "لودیٹی"

میرزا طر حسین خان نسیم

افغان کے تکرار سے جو خوبی پیدا کرتے ہیں وہ داغ کے سوا کہیں اور کم نظر آتی ہے۔ نظر کی طرح ششیں بھی بہت ہمارے رکھتے تھے۔ ”میرزا طر حسین خان“ اور ”ناصر المندھانہا“ کے پیچھے مدقوں آپ کی ایڈیٹری میں نشانے ہوتے رہے آپ نے بہت سی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ مگر دست بردوان سے مخلص ہو گئیں۔ جو باقی ہیں ان کے نام یہ ہیں۔ دیوان دارالسلام، خطبہ سلطنت، یہ خطبہ حضرت علیؑ کے یکایک الف خطبہ کا کامیاب ترجمہ ہے۔ جس کے ۳۴۴ بندوں میں ایک باجمعی الف نہیں آیا (۳) پنج گارین (۴) مجموعہ راقی (۵) نعرہ و توحید، مکیانیت میں سے جو کتب ہو چکی ہیں ایک یونان ”سافر خون“ تھا۔ جو عالم منقور نے داغ کے دیوان کے جواب میں لکھا تھا۔ جسے علامہ تاجر غفر نے بہت عرصہ ہوا ایک ہندو صاحب ذوق کے پاس دیکھا تھا۔ داغ کی ہر فذل کے جواب میں کبھی مصغیر فذل بھی۔

مسلمانوں کے علاوہ ہندو حضرات اور اراکین حکومت سے بھی آپ کی راہ و رسم بھی۔ قیام نجاب کے بعد آپ کئی سال حکومت برطانیہ کی طرف سے سفارت کے عہدہ پر فائز رہے، کا خفایت میں آپ کو ناصر المندھانہ کوٹنٹ لکھا جاتا تھا۔ آپ کا انتقال (الحوم الحرمہ) ۱۳۷۵ھ کو قلیل عرصہ کی علالت کے بعد لاہور میں ہلاؤڈ چرچ آف دی سینٹینج اب کی مغرب کی شمع روشن کی غرض سے ہو گیا۔

انتخاب کلام

خوش شیدائیں کے نور سے روشن ہرین ہوئی

ہے تاج ہر جہد نامہ محمدؐ دار فناء محمود ہے ترسیم بخم
ناخبر سے خود شاہ و تقدیم محمدؐ قرآن ہے دیباچہ تقدیم محمدؐ
ہے ان کے تقریب کی گواہی بھی سندی
انھیں ہے آل بھی احمد بھی احد بھی

آنحضرت صلعم کے معجوتہ نوپر

آئے کی خبریں کے نمی ناگہ وہ آیا۔ اک ہاتھ میں تیغ ایکس قانون کو لایا
بدوہ جہالت کا رزا تھا وہ آٹھایا اتنی نے سبق علم الہی کا پڑھا یا

”ناصر المندھانہ“ میرزا طر حسینؒ کی ولادت ۱۲۷۵ھ میں ہوئی سن ۱۳۰۵ھ میں نام سے نکلتا ہے۔ والد کا نام میرزا طر حسین خان تھا۔ وطن مکرولی ضلع مظفرنگر۔ تعلیم و تربیت والد بزرگوار کے زیر سایہ ہوئی۔ فارسی میں یرا بہت کی نشان نمایاں تھی۔ عربی میں بھی درگہ رکھتے تھے۔ سادہ و رازد زبان میں قزوہ کمال حاصل تھا کہ اساتذہ عصر میرزا سیدانیؒ، مرزا داغ اور میرزا طلال سب کی غفلت کے مستغفرت تھے۔ شاعری میں میرا شیں کے خاندان سے تلمذ تھا۔ حجب آب پنجاب میں کئے اردو کو بہر و لغز نوری اور مقبولیت عام حاصل تھی۔ جو کج نظر لگتی تھیں آپ نے اس خلوص اور سرگرمی کے ساتھ اردو دنیا کی خدمت انجام دی کہ وہ زبان جو کچھ عرصہ پہلے صرف اہل علم کی زبان سمجھی جاتی تھی۔ اب عوام کی اسی کو اپنی زبان سمجھ کر بولنے اور اس میں فکر کر کے لگے۔ یہ ناصر منقوری کا دم تھا جس نے لاہور کی علمی ادبی اور ادبی مجلسوں کو گرہ گرم کار و دو کے دلکش اور شیریں تراشوں کے آشکار کیا۔ شاعری سے آپ کو فطری لگاؤ تھا۔ بارہ جودہ سال کی عمر ہی سے چالیس غزلیں سوزا و صفا پڑھنے لگے تھے۔ اور پھر تو شمس سخن نے وہ رنگ پیکار آپ کے اشعار میں پیش کئے جاتے تھے۔ سلاست روانی۔ فصاحت و بلاغت میں مہر آفرینی اور محاورہ کا سادگی آپ کے کلام میں نمایاں ہے۔ غیر نادر اس افغان سے زبان کلام آغا نہیں

حمد

(منقول خطبہ الف)

چشت موقن سے کچھ بھی نہیں اور خیر ہے ہر وقت پروردہ و شفیق و کبیر ہے
بہنہ کہ گیتے ہوں کیلئے سیرگاہ ہے رحمت میں بھی نہ ذوق کیوں و سیرگاہ ہے
ہے ہم مہین عدل شہادت درست ہے
دو رب کے بعد بھی چوہت شخص ہے

نعت

بھلی ہوئی تھی تیرے جہل سربہر بخت سب کی شمول کل تیرا دل بند
نے جس کی خبر بھی کی کو نہ شے ڈر ظلمت کہ تیرے کھری ظلیہ ہے شہادت
سینکھل بھی کہ صورت لبش میں ہوئی

ان تیز روں پر سخت ہاں عافہ کرش
شام علی ہی کا کما کرتے تیریش
دفا پریش رہا جو عادت تھی ہوا کی
باگس نہ تھیری تیرے گیت کی صبا کی

مشک و علم
سو کھی ہوئی وہ مشک لکڑی تھی علم پر
یاد اس کو لٹے سے ہم آغوش تھا کر
یاد شام علی آل محمد کی خبر پر
لائے تھے خوش خبر جیوں کو کھانگر
مشک نہ ہی زین علم شاہ و اگر تھا
سرشار بہ خوشنید کا تفتہ ہر جہاں

قتل گاہ کا نقشہ

موت کی گاہ پر فائدہ رکھا جانے والا
نعت کی ہا کشف و رگشاں ادا کر
فوج غلامانہ پر خوش حال اک طرف
عصمت کبریٰ کے میدان پر کھیل کر
شہر و شیون اک طرف فریاد زین اک طرف
یہ اکلی اک طرف سخن جہاں سب اک طرف

بھائی کے لئے بہن کی آہ و زاری

جھوٹے بھائی کو سیر کا پتہ لگا
زنجی سینے سے اڑھا لیا وہاں بھڑا
خاک پر لیٹے بھائی کے بچہ جا رہا
دینے غوث جھوٹے بھائی کے ہونے کا
جھوٹے گیسو میں برسے گا خونِ فلاں
پاک کرنے سے سنگدیش اقدس خاک سے

ہو نہ رہیں غمی کا لینے سے اپنے
حال ل کا بھائی سے کہہ دے ہر گز
من و لینے سے صبر کرنا پھر
ساتھ بیٹھا جھوٹا ایک تو بھر ملے گا
سر دلائے بھائی سے پلے تو اس کا
موت سے بدترین کو بھڑا بھائی کا

حضرت نادم مغفور کے سرشار پر دل پر صبح شام
انہ سے شان ستار خیراں ابل بیت
نفس اس کی دودھ پشیمان ابل بیت
نارنگی اس کی چھائی کون و مکان پر
شمال غلامی شام علی دوش جہاں پر

(نارائش رضوی)

سنا کر دھوئے طاق غرض ملو اداب میں
رب رب کی صدا چاروں طرف کو بجی رہے ہیں

مقیبیت

دریائے فتنہ جو دھواں لگی رہے
بجور کم و صوری رسالت پاک ہے
میر کے دے آبرو پائی تھیں
میر علی سے جڑے نورا قات ہے
ہابی سے تار ماہ ہے جو کھو گیا ہے
ہر خشک و تر میں سائی کوڑی جا ہے

پند و نصائح

فخر صبر کرو نہ خود رنج کرو
بھینس کر صیتوں میں بھی تم شکر کرو
ہر دم حضور رب میں غرض خرب کرو
معبود سے طلب کرو گو کہ طلب کرو
یکہ درد ہو کہ غم ہو غرض نہ کرو
سروقت حق کی سمت گردن جمع ہو (از خطبہ جامعہ)

حضرت عباس علیہ السلام کی آمد

اس شان سے آئے صفایا علیہ السلام
ہو تو خدا جیسے گنگار پہ نازل
جب فوج ملتی ہوئی دیکھی سے سال
بہن کر کیا یہ عام خیالی میں ہو دل
کس دے سب فوج یہ دریا پھیل گئی ہے
گئی ہوئی کجی کجی خرم سے گئی ہے

یتیم کی تعریف

عالم کے جلالت کا گریخ سبب تھی
جو طور یہ چکی تھی یہ وہ برق غضب تھی
خجور کمر کے بدھا کوئی رسالہ
جو نہ دیا اُس برقی کا کھلا حوالہ
سرن نہ تھا تا جہاں باگ پڑا
میدان میں ہوئے اکیب کرب نہ دلا
گر گئے جو برق غضب کو نہ رہی تھی
خاکستر خرم کو قصا رو نہ رہی تھی
گزارتا تھا جو سرکش تو فرس کا تھا دل
ہر ماں میں ہی جمل تیرے نال
انبار تھے لا شکر کتہ کسکی تھی پائیں
دل تیری خمی دم کیے جو ہوتا تھا بھال
جہاں لڑتے تھے ملک کا تیرے سے کئے
تھک کر ملک الموت کوڑے ہانپتے تھے

گھوڑے کی تعریف

ہر وقت سواری میں اہل بیت
لہو کی صدمے نال غش تماشاوش

اثبات

تھا۔ بلکہ کھڑا ہوا اور اڑے کر اس شوق اور انتظار سے دیکھ رہا تھا جسے کبھی کرمیرا دل سرور چاہیگا۔ اس کی نگاہوں میں یہ چمک میں نے بار بار دیکھی تھی اور اسے دیکھ کر ہر بار میرے جسم میں ایک لرزش پیدا ہو جاتی تھی۔ میں جانتی تھی کیا ہونے والا ہے، ماں میں جانتی تھی!

دروازہ کھلا اور رونق انداز داخل ہوئی۔ اُس نے اپنا مختصر سا کس ایک طرف رکھ دیا اور بے تابانہ میرے غاوند کی طرف بڑھی۔ اور بے ادبیت محبت سے ہاتھ ملایا۔

ان کی گفتگو سے میں نے اندازہ کیا کہ دونوں ایک دوسرے سے متعلق طویل پر کوئی عہد و پیمان کرنا چاہتے ہیں۔

میں یہاں زیادہ دیر کھڑی نہ رہ سکتی تھی اور کھڑکی کے مقابل سے علی آئی امد اپنے کمرے میں آکر دروازہ کو اندر سے مقفل کر دیا۔

صاف ظاہر ہے کہ دل میری موجودگی کو باطل فراموش کر چکا تھا۔ کیونکہ جب اس نے آکر دروازے پر دستک دی اس بات کو پورا ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔ میں دروازہ نہ کھول سکتی تھی۔ میں نے اپنی معمولی آواز میں یہ کوشش کرتے ہوئے کہ کہیں میرے دل کی کیفیت ظاہر نہ ہو جائے۔ کہہ دیا کہ مجھے اس وقت دوسری شکایت ہے امد میں آرام چاہتی ہوں۔

میرے سامنے مستقبل تھا جس کا جوان کے طوفانی دنوں میں میرے ذہن میں خیال تک بھی نہ آیا تھا۔ مجھے اس مستقبل سے دوچار ہونا تھا۔ جس میں اس نرکا پتہ نہ تھا جس سے مجھے محبت تھی۔

دوسری طرح دل ٹپک لگ گیا۔ جب وہ مجھے خدا حافظ کہنے لگا۔ وہ نہایت مشکور تھا۔ وہ پلنگ کے پاس کھڑا رہا اور اس کی پیشانی پر کب تھے۔

”میری بیماری میں تمہیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتا۔ میں چاہتا ہوں ڈاکٹر بلوایا جائے“

یہ کہتے ہوئے اس نے محبت کے پرانے میں میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبایا اور چلا گیا۔ میں بستر پر لیج گئیں چند ہفتے کے واقعات پر غور کر رہی تھی۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ ان ایام میں اس کا پیار اور محبت ظاہری اور مجبوری تھا۔ لیکن میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی تھی۔ صرف محبت کی کمی ایک حالتیں ہوئی ہیں۔ لیکن جب تک اس کی محبت اور وفا شکاری

میرا خیال ہے دوسری عمر توں کو بھی میرے جیسے حالات پیش آئے ہونگے۔ صرف میں ہی ایک ایسی پوی نہیں ہو سکتی جسے کئی سال کی ازدواجی زندگی کے بعد اچانک معلوم ہوا کہ اب اس کا خاندان کا نہیں رہا۔ لیکن میری طرح ان خواتین کے لئے عجیبان باہمی تعلقات کا خاتمہ کروینا۔ نہایت مشکل ہو گا جس میں ان کی مشترک سرسٹیں اور علم برابری کے شریک رہے ہوں اور فی الواقع اکثر واقعات میں یہ لڑاں ہوتی ہوں کہ جو وقت میں نے اپنے خاندان سے طلاق لی تو کیا میں نے دل کے ان تمام رشتوں کا بھی خاتمہ کر دیا تھا جن سے گھر کی دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔

میں نے یہ چرچا سنا تھا کہ دل اپنی حسین جھیل سکر مڑی ہو چاہتا ہے۔ لیکن میں نے اس کو باطل معمولی بات خیال کر کے اپنے دل میں جگ نہ دی۔ رونقہ المیوں ایک ہوشیار لڑکی تھی اور دل کے کاروبار میں نہایت مہمگرم تھی وہ دلچسپی لیتی تھی۔ میبل ناؤ دروکیل ہے۔ اس وقت اس کی کافی آمدنی تھی لیکن وہ اپنے پیشے کی کامیابی اور ترقی کے باوجود روتہ کی امداد پر خوش تھا۔ اس کی وجہ سے میں بھی خوش تھی۔ اور اس کے علاوہ مجھے اس لڑکی سے محبت بھی تھی۔

میں اس کو اپنے ساتھ دیا کہ کنارے والے مکان میں لے جاتی تھی اور اگرچہ رونقہ اور دل وقت کا ایک کثیر حصہ اکٹھے رہتے تھے۔ مجھے ان کی بے لیا دوستی کے سوا کبھی کوئی خیال ہی نہ آیا تھا۔

مجھے یہ علم باطل اتفاقی طور پر ہوا۔ ان دنوں ولی انفونڈرل کے جیل کی وجہ سے گھر پر نہ تھا۔ وہ اپنے مقدموں کے متعلق نہایت مگرمند تھا۔ اور رونقہ اس کی خواہش کے مطابق شام کے وقت تازہ ترین تفصیلات دیکر آتی تھی۔ اس شام دل اپنے طالعہ کے کمرے میں رونقہ کے انتظار میں شام کے اخبارات پڑھ رہا تھا۔ میں باغ کی روش پر ٹپل رہی تھی۔ پچھلے پچھلے میں نے لکڑی میں سے اُسے دیکھا۔ وہ میرے مقابل کرسی پر نہ

متعلق جانتی تھی

میں نے سہرا لیا۔ میں اس دن سے جانتی ہوں جب سے میں نے تم کو کھیلے میں دیکھا ہے۔ تم دو کون اس کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ معلوم تھا ہے میری اس بات سے اس کے دل کو سخت اذیت پہنچی۔ اس کا خیال تھا کہ میں جوش و خروش میں کچھ اور کوئی ٹیکن میں خاموش رہی، اور وہ اپنی خوش قسمتی پر خوش تھا۔

اُس نے کہا "شائد تم مجھے جہاں خیال کرتی ہو لیکن — میری! میں نہیں کیا بناؤں بتم جانتی ہو مجھے تم سے کس قدر محبت ہے۔ خطرناک طور پر محبت ہے۔ لیکن آہ کم نہیں جانتیں۔ تم خیال نہیں کر سکتیں۔ روتھ کس قدر سحرور لڑکی ہے؟"

یہ بات سوچنے میں بڑی چیز کن ہے کہ مرد کے لئے پوری سلی بی محبوبہ کا تذکرہ نہ کرنا کس قدر دشوار امر ہے۔ تمام مرد ایک سے ہوتے ہیں۔ اور وہ اس تذکرے سے باز نہیں رہ سکتے۔ دل مجھ سے میری طرف زندگی کے متعلق اس طرح باتیں کرتا تھا گویا مجھے اس سے یا روتھ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

میری تم سمجھتی ہونا؟ میرا کیا مطلب ہے؟

"دل میں میرا خیال یہ ہے میں سمجھتی ہوں روتھ تمہارے لئے شہرت کا پیکر اور رومان ہے؟"

"آہ! وہ آسانی مسرت ہے میرے لئے!"

میں کیا کہوں۔ اس کی آواز میں کچھ ایسی کیفیت تھی کہ میں اڑھکنیں کھاتی ہوئی ماضی میں چلی گئی۔ اس وقت وہ باطل وہی تھا جس نے بیس سال ہوئے مجھ سے پہلی بار محبت کی تھی۔ میری وہ اس قدر بڑھ چکا ہے اور اس قدر خندہ رو۔ اسے دیکھ کر مجھے محسوس ہوتا ہے

کہ میں وہ کام بھی کر سکتا ہوں جس کی مجھ میں قابلیت نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا "جین جانتی ہوں۔ تم اسے جانتے ہو۔ اس کی تہمتا رکھتے ہو۔ نہیں یوں ان اور شہرت کی آرزو ہے۔ تم تمہاری سرت کے خواباں ہو۔ نیچرے پیارے میں نہیں باز نہیں رکھ سکتی۔ دیکھ سکتی ہوں کیا؟ میں تمہاری مخالفت نہیں کرونگی مگر روتھ کے دل میں بھی یہ جذبہ عشق ہے اور وہ بدنامی اور تنگ دھامس کے خیال سے ترساں نہیں ہے۔ تو میں تمہیں جانے کی اجازت دے سکتی ہوں۔ میں تمہاری منتظر ہوئی اور تمہارے واپس آنے تک انتظار کر دوں گی؟"

تیرا انتظار کرو گی میری؟ اس نے باطل ایک پتھر پتھر کی مانند مجھے دیکھا۔ تو تم نہیں سمجھتی میری آہ میں جانتا ہوں یہ انتہائی دلیل کی حد تک

پر اعتماد ہونا اس کی ہر اد کا جواب سکاٹ سے دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر اعتماد ہو؟ میں اُنھ کو بیٹھ گئی اور یہاں دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

میں نے ولی کو اس انداز سے روتھ سے انہماج کرتے دیکھا تھا جس کے صرف ایک ایک میں سے ہو سکتے تھے۔ اور مجھے کیا کہنا ہے؟

میں نے ارادہ کر لیا کہ میں مانت نہ کھاؤنگی۔ میں اپنے ترقی حیات کو متبادل کے بغیر روتھ سے نہ دوں گی۔ میں نے روتھ کے دل سے اپنا اداس لڑکی کا مقابلہ کیا۔ اور یہ کسی لحاظ سے اس سے کم نہ تھی۔ آپ جانتے ہیں میں کسی سن و سال و جمال رکھتی ہوں۔ مگر یہ خود ماضی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ حقیقت ہے۔

اب دوسرا مسئلہ جس کا مجھے فیصلہ کرنا تھا یہ تھا کہ کیا دل جذبات کے اس اندھا دھند طوفان سے سلامت نکل آئیگا۔ یا یہ لڑکی اس کی زندگی کا مستقل جزو بن کر رہے گی؟

یہ سوچتے تو حق سے کچھ پہلے ماتہ آ گیا۔ ایک شام ولی کی بہن سلویا چارے ٹال آئی۔ ہم دیکھ کر ان کے کمرے والے مکان کو چھوڑ کر شہر کے پرستار مکان میں چلے گئے تھے۔

سلویا اس بات پر ہمیشہ بجا طور پر فخر کیا کرتی ہے کہ وہ بھی بات کو بلا تکلف کہہ دیتی ہے۔ چنانچہ اس شام بھی اس نے اپنے معمول کے مطابق کیا اور مجھے صاف صاف بتا دیا کہ اس نے ولی اور روتھ کو بزمین میں دیکھا ہے۔ میں نے نہایت بے پروائی سے اس بات کو ٹال دیا اور کہا شاید وہ کاروبار کے لئے وہاں گئے ہوں گے۔

ولی سلویا کو اس وقت ملا جب وہ واپس جا رہی تھی۔ اس نے اسے دیکھ کر ناک سمجھ چون چڑھا لی اور اس سے عقارت سے ان کی حق بجانب عقارت سے بہکام ہوئی جس کو ہمیشہ سمجھتا ہے۔ ولی نے مسکراتے ہوئے یا کاپتی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میری! سلویا نے نہیں کیا کچھ بتایا ہے؟" وہ مجھ سے خائف اور صبر پر آمیز نظر آتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وقت آگیا ہے۔

"میرا خیال ہے تم جانتے ہو؟"

اس نے بے تالی سے ایک پاؤں سے دوسرے پر ہمارا دیتے ہوئے کہا "تمہاری مراد ہے تم — روتھ کے

کی تھی۔ صرف اُسے پچانے کے لئے ڈھانچا دیا۔

میں نے کہا "تو لیٹی سیم" سے طلاق لیتی ہوں!

آہ! کرسقندر خوفناک تھی وہ چمک! جو بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اُس کی آنکھوں میں پیدا ہو گئی۔ وہ خوشی میں آپے سے باہر تھا اور ممنونیت اور احسان مندوں کے جذبات کے سمندر کو جو اس کے دل کی کڑائی میں اُبلا چلا آ رہا تھا دوک نہ سکتا تھا۔ میرے اور دل کے رشتہ دار رحمت خفا تھے اور چند احباب کا خیال تھا کہ مجھ سے یہ ایک نہایت اعلیٰ قدرت کا آدمی ہے۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میری زندگی میں ایسے لمحے بھی آئے ہیں جن میں مجھے اتنی کاپا جاسکتا تھا صرف اسی ایک واقعہ کو دیکھ لیجئے۔ دل کے غصے ایک اشارے پر جس نے مستقبل ہی کو نہیں بلکہ ماضی کو بھی خطے میں ڈال دیا تھا۔ اس وقت چاروں طرف تاریکی تھی۔ ہر طرف ناکامی اور غلامی، صرف ابید کو ٹپکٹا نا ہوا دیا دور سے دکھائی دے رہا تھا جس پر میری زندگی کا انحصار تھا۔

طلاق کے مقدمے کا فیصلہ ہونے سے پیشتر میں باہر چلی گئی تھیں کی تعلیمات میرے لئے نہایت تکلیف دہ اور صدمہ انگ تھیں۔ مجھے اس کا گمان بھی نہ تھا۔ کہ مجھے عدالت میں پیش ہو کر خوشی اپنی سرزوں کا فائدہ کرنا ہوگا۔ اس وقت میری روح کی فضا میں یہ زبردست وحشت افشاں ایک جگہ کے کی طرح پیدا ہوئی کہ میں اس تمام کارروائی کو روک دوں۔ میں یہ بھی نہیں جانتی کہ صبر و تحمل کی اس جاسوس آزمائش سے میں کس طرح عمدہ برا ہوئی صرف اہد یاد ہے کہ بہت سارے دانشور اور اوج پندہ منٹ میں تاہم تھک چکا ہوں۔

اگلے چھ مہینے میں نے دیہات میں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ اس لمحے کے بعد طلاق کے کاغذ کی تصدیق ہو جائیگی۔ اور دل و دوسری شادی کر سیکھائی میں پہنچی تھی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے میں دو بارہ شادی کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔ میری شمع کس کے پرواؤں کی تھی نہ تھی۔ اس بات پر میں دو ایک ایسے بھی تھے جو مجھ سے دلی محبت رکھتے تھے۔ خصوصاً ایک شخص نے جو مجھے اس وقت سے جب کہ میں نے شباب کی گھوش وادی میں قدم بھی نہ رکھا تھا جانتا تھا۔ مجھ کو شے کئی بار شادی کے لئے پچھا امد وہ بھی ایک بار نہیں کئی بار۔

میں خاندان کی حیثیت سے اُس کا تصور نہ کر سکتی تھی؟ آہ یہاں پھر میرے شیشے دل کو دھکیں گئی تھیں۔ دوسری شادی پر میرے نصیب کے سلف نے تھی۔ وہ دل سے ہر لحاظ میں بہتر اور مردانہ سن کی سحر کاری کا اس سے کہیں بڑھ کر مانگ تھا۔ لیکن میں اپنے شباب کی

اور سنگلی ہے لیکن میں کیا کر سکتا ہوں؟۔ بات یہ ہے میں روتھ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ تم مجھ سے طلاق کوئی میری؟

اس وقت ضبط و تحمل کی باگ میرے ہاتھ سے جاتی رہی۔ اب میں ایک قدیم عورت تھی جو اپنے ہزاروں کے لئے لڑ رہی تھی۔ طلاق لوں؟ میں نے کہا تم مجھے یہ کہہ سکتے ہو؟۔ میں نے نہیں آزادی دے رکھی ہے۔ جس نے نہیں اپنی محبوبہ کے پاس جانے کی اجازت دے دی ہے۔ اور میں نے طعن و تشنیع کا ایک لفظ تک نہیں کہا۔ لیکن یہ میری روح کی برداشت سے باہر ہے۔ اگر میں تم سے طلاق لے لوں تو میرے پاس کیا رہ جائیگا؟ اور میں اپنی زندگی کے باقی ماندہ ایام کس طرح بسر کروں گی؟

دل کا انداز اس کشمکش کی آواز پر فوراً بدل گیا۔ کس طرح بسر کروں گی؟۔ تم حسین اور خوشمند عورت۔ یقیناً میرے علاوہ تمہارے لئے کچھ اور بھی کام سامان بھی جو سکتے ہیں؟

میں نے کہا تم نہیں دیکھتے؟ کہ میں نے تمہاری کی رحمت کو بھی فراموش کر دیا ہے؟ میں تمہاری کی مصیبتوں کو کھول گئی ہوں۔ دل کیا ان ایام رفتہ کی تمہارے دل میں کچھ وقت نہیں؟ وہ نہ تھیں ماضی تمہارے لئے کچھ بھی نہیں؟ جب میں نے یہ الفاظ کہے میں نے محسوس کیا کہ میں صرف اپنے لئے نہیں بلکہ تمام شادی شدہ عورتوں کے حقوق کے لئے آواز اٹھا رہی ہوں؟

لیکن اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموش کھڑا تھا اور اس کے چہرے پر خدا اور شرمندگی کے آثار تھے اور میں جانتی تھی کہ میں جس قدر زیادہ غضبناک ہوئی اتنا ہی وہ سنگدل بنتا جائیگا۔

میں تمام رات دو دو کر جان ہلکا کر رہی۔ میں یہ برداشت نہ کر سکتی تھی۔ کس طرح نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن مجھ سے یہی غصے لگے ہوئے امد پا پال جذبات کا یہ اندھا خند طوفان اُتر گیا۔ اور میں نے واقعات کو دل کی پاکیزہ اور نور پاش روشنی میں دیکھا۔ میں نے اس امر کا فیصلہ کر لیا کہ دل سے طلاق لے لوں۔

آہ میں اپنے خاوند سے اس امید پر، ہاں صرف اس مجنونانہ امید پر چل کر میں خود محسوس کرتی ہوں۔ صحت بردار ہو جاؤں گی کہ اسے دنیاوی رسوم کی قید سے آزاد کر کے پھر اپنی محبت کی سحر دیکھوں میں ابھیر کر لوں۔ میں نے بیس سال بعد تعلقات کے اس محل کو جس کی تعمیر جوانی کی آنگٹوں اور جد باہت محبت و عشق کی رنگینوں نے

دنیا نئے ادب شام عید

میری نظروں میں ہے وہ انجمنِ برہم حسن
برہم ہستی پہ چھایا ہوا اک عالمِ حسن
وہ جنوں تپشِ عشقِ دہخے رہم حسن
ذرہ ذرہ نظر آتا ہے مجھے محسوسِ حسن

ایک مہتابِ لطافت کی جھلک دیکھی ہے
حسن دیکھا ہے کہ بھوں کی ہلک دیکھی ہے

اُس کی آنکھوں سے ہے مڑتی صہبائے بہار
روحِ تنویر ہے وہ انجمنِ آرائے بہار
اُس کے جلووں سے ہے رنگینی گھمائے بہار
ساننے اُس کے گلے تو شرمائے بہار

اُس کی باتوں سے محبت کا فناء رنگین
اُس کی اک برق تبسم سے زمانہ رنگین

عشقِ پامال کہاں حسنِ سرفراز کہاں
میری تقدیر میں وہ انجمنِ ناز کہاں
واہنِ وحش پہ ہو خاک کی پرواز کہاں
اتفاقات یہوتے ہیں خدا ساز کہاں

فلکِ حسن کے تارے سے محبت مجھے
اپنی تقدیر کی رونق سے شکایت مجھے

(دہلیاؤں)

فلسفی

ادبی دنیا پائی جانے اور جن کی زندگی کی روش اور معاشرت کا طریقہ نکلتا
اور اعمالِ صالحہ سے خالی ہو وہ فلسفی نہیں بلکہ ایک نقلی جواہر ایک
کھوٹا سکواور مصنوعی مال ہے جو فلسفیانہ زندگی کے معیار پر چھک کر پیش
کھڑا ثابت ہو گا۔ اور اُس عقائد کی صلاحیت اُس کی طبیعت میں
پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ نفسِ نفسانیت کی آلودگیوں سے پاک
نہ ہو۔ احساسِ قدت ہو نہیں سکتا۔ جب تک کہ علاقہ نیوی زیمیلہ ہو
اور اسرارِ کائنات کی عقدہ کشائی ناممکن ہے تا دقتیکہ شہرتِ اعزت

دنیا کا ہر بہرہ سناک فلسفہ کی کتابیں پڑھ لینے سے فلسفی نہیں ہو
سکتا۔

(۱) مطالعہ قدرت کے سوا جس فلسفی کی زندگی کا کوئی دوسرا مقصد
ہو وہ کالِ فلسفی نہیں کہا جا سکتا

(۲) جو فلسفی لہذا انذنیات و کوائفِ زندگی سے متاثر ہو سکتا ہو
وہ فلسفہ کی حقیقت سے بہت دور ہے۔

(۳) جس فلسفہ میں زبان اور اعمال کی بنیادگی اور متانت بدرجہ

دولت..... کے عارضی مذہبات کے علاقے سے آزاد ہونا نصیب نہ ہو۔
جوفلسفی آج تک دنیا کی عملی جہتوں کے تسلسل میں ان کی زندگی کے
عجیب وغریب انسانے عالم نگاہوں میں مجبوزمانے کے جائز تھے لیکن ان کی
زندگیاں نفس کشی کے ایسے مدیم افسانے بن گئیں جس میں ان کا پورا دارک مھوئی لانگ
کی قدرت سے باہر ہے پھر کیا نفس کشی مذہب کی سب سے پہلی تعلیم نہیں ہے و
ہر فیطس نے جاہ و دولت کو لات مار کر حکومت کے عتاب کا شکار بنا ہوا
گوارا کیا۔

ہم ہمیں اپنے اپنی آبی دولت عزت کو خیر واکمل یعنی تمام عمر
کلاس حقیت میں گذاری۔

انگسٹا غورس نے اپنی تمام ذاتی وجاہت اور آبی جاہ و خفاقی زندگی
ولا زوال دولت حاصل کرنے پر قربان کر دی اور پیشانی پر بل
بھی نہ لایا۔

دقیقہ طس نے جس کے باپ ادا کر سکی جیسے منشاہ کی مہمانداری
کا فوٹا مل تھا اپنی ساری املاک کو خیر واکمل صر کی ہنگامہ
میں اپنی عمر صرف کر دی اور جب وطن واپس آیا تو ناشنید
کے لئے متعجب تھا!

دو چنانچہ کلاہتر کا منات ایک عصا اور ایک چالہ تھا۔ لیکن
جس دن اس نے ایک بچے کو ادک سے پانی پیئے دیا
تو اس چالہ کو چھینک یا اور یہ خیال کیا کہ وہ جانس جب
تیری پاس مقوسے بھج سکتی ہے تو چالہ کا رکھنا نفس کی
تغیرش کو کام رکھنا ہے۔ اس نے نئے آسانی کا یہ ذرا سا
سلسلہ بھی لکھوں قائم ہے۔ ان حکما کی زندگی میں کب
نفس کی عجیب عجیب مثالیں نظر آتی ہیں۔

فیثاغورس اپنے شاگردوں کو تزکیہ نفس کا اصول اس
طرح سکھایا کرتا تھا کہ پانچ سال تک بات چیت کرنے کی
مانعت کر دیتا تھا۔

فلاطون کو تمام عمر صرف ایک نفسی ہنسی آتی۔
دیمقراطس نے یہ دیکھ کر اس کے موسسات خارجی اس کے
قولیئے مشکوہ کی راہ میں حائل ہیں۔ اپنے ہاتھ سے اپنی
آنکھیں بحال ڈالیں۔

اسوہ حسنہ

اپنی حد تک کروٹیں لیتی ہو بخانے کی خاک
بیٹھتی اٹھتی چلی جاتی ہے دیوانے کی خاک
تمہی مگر زندان کی دیواروں میں دیرینے کی خاک
اب بجائے شمع تو دیتی ہے پروانے کی خاک
آگے آگے ناقہ پیچھے پیچھے دیوانے کی خاک
دل کا پیانہ بنا ہے لے کے میوانے کی خاک
قید ہو کر نہ نہیں سکتی تمہی دیوانے کی خاک

کل صراحی کی تھی مٹی اپنے پیالے کی خاک
دوری منزل سے ہے اماندگی بھی شوق بھی
چلتے ہی باد بہاری ہو گیا میدان صفا
جذب کابل کی بدولت اٹھ گیا فرق دوئی
دیکھ لینا وادی حشر سے تامل میدان حشر
تو کیا ہو تر کئے ہے میری فطرت کی خلافت
زلزلوں کے قبر ٹوٹی قبر سے اندھی اٹھی

آرزو اب کس جگہ دس کہاں آنسو بہائیں
ایک کردی آسمان اپنے بیگانے کی خاک

مبصر کھنڈو

سندھی

سند و نصائح

اگر تم اپنا مکان بھاڑی پر بناتے ہو تو جنگلی درندوں سے کیوں
خوف کھاتے ہو؟
اگر تم اپنا مکان سمندر کے کنارے بناتے ہو تو اس کی لہروں کا کیا
ڈر ہے؟
اور اگر تم دارا مکان شہر میں ہے تو شور و غوغا سے کیوں خائف ہو؟
اس دنیا میں ہمیں صبح و توصیف اور وطن و شہر کو بلا چوں و چرا
برداشت کرنا چاہئے۔
اگر نیک تباہ و مبرا ہو جائیں تو وہ نیک ہی رہیں گے۔

سنسکرت

سنسار

سنسار کیا ہے جس میں ابھی نیا دگر تک پیدا نہیں ہوا
چاندنی
چاندنی کی سفید روشنی آکاس سے آکر دھرتی پر پڑ رہی تھی۔ باقی
تاریک جنگلوں میں اسے دیکھتا اور پانی سمجھ کر ٹوک جاتا تھا۔ جی چکیں ہے
وہ سمجھ کر چلتی تھی اور دریاں پا کر جھرن ہوتی تھی اور ایک کنواری لبتے پر اسے اپنا
سفید و پتہ سمجھ کر اپنے گرم مہ سے پلٹنا چاہتی تھی لیکن ناکا رہتی۔

انگریزی

دکٹر لیگ کو ایک خوش بیان کی خدمت

وہ بچے کے قریب پہنچ کر خیرات ثابت ملے غناؤں میں پروردگار کرتے
اس وقت؟ خدا کے صفات اور عالمی ضرورت الہام اور مادہ پرستی کی حاکمیت پر
بحث کرتا۔ خدا کی ہستی سے انکار کرنا کس قدر حاکمیت آئینہ ہے! خدا موجود ہے
مجھے اس کا یہاں یقین ہے جیسا کہ اپنی ہستی کا۔ اگر خدا نے مجھے فرصت دی
تو میں ایک کتاب لکھیں گا جس میں لکھاؤں گا کہ خدا کا لکھاؤ کس قدر صرح پرورد
اور ضروری ہے۔ اور میرا تو یہ حال ہے کہ سبوتا چار گھنٹے دھاکے..... بغیر

والی کرسی میں آرام سے بیٹھی ہوئی۔ لیکن خاموش نصورات سے بیدار ہو کر اپنی زنجی مصروفیت کی تائید قوت کے ساتھ وہ احتجاج کرتی۔ ”تم کس صبح کہہ چکے ہو کہ جتنا عرصہ تم نے باتیں کیں میں سوئی رہی“

وہ خالق عالم ہے لیکن کہنا صحیح نہیں کہ اس نے دنیا کو پیدا کیا وہ ابدی طور پر خلق کرتا ہے۔ وہ کہنا کائنات کی لوح ہے۔ وہ لا محدود ”اے“ ہے۔ وہ تم سو رہی ہو

یہ الفاظ وہ اپنی بیوی سے کہتا جو کھانے کے وقت سے ایک باؤل

ہندوستانی آرٹ

نصرت آمیز دلکشی اور اس دلگی میں۔ ثقافت رکھتا ہے۔ ہندوستان کی آرٹ کی اس خاص شان کا انحصار ہندوستان کی مصوروں کے طبع نظر پر ہے۔ ہندوستان کی مصوری یا سنگتراش ہندوستان کی فلسفی کی مانند مادی عالم کو ظلم فریب کے کچھ اہمیت نہیں دیتا۔ بلکہ وہ کسی شے کی ظاہری شکل و صورت کی بجائے اس حقیقت کی ترجمانی کی کوشش کرتا ہے جسے وہ مجاز کے پرنے میں دیکھتا ہے۔ جب ایک ہندوستانی مصور کسی دیوی یا دیوتا کی لا محدود طاقت کا تصور ظاہر کرنا چاہتا ہے تو وہ ایک ایسی صورت بناتا ہے جس کے بازو اور سروں کی تعداد غیر قطعی پُر زیادہ ہوتی ہے۔ ایک مغربی کے لئے جو اس کے اعزاز بیان سے بھی طرح واقف نہ ہو تصور نہایت مضحکہ خیز ہوگی۔ لیکن ایک ہندوستانی کے لئے ایسا نہیں ہے وہ ان خاص مضامین یا سنگتراشوں کے جن کو مصوری اور ادب میں خاص طور پر برتا جاتا ہے ان کے روحانی ہونے کی وجہ سے بھی طرح ہوتا ہے اور جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مہاکوٹ گیتا کا۔ اقباس پریش نیا گیتا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ ان جنگ کا ہیرو کشف کی حالت میں خدا کو کسی اصلی شکل و صورت کیساتھ دیکھتا ہے اور اس طرح بیان کرتا ہے۔

”اے لا محدود میں تجھے ہر ملک تیرے پیشا پر چروں۔ آنکھوں بازو ب

اور بیٹوں کے ساتھ دیکھتا ہوں“

”ہندوستان دیو“ ادباء و

بھارتی غلطی کی نامزدگی کی فتح کے وقت ہندوستان کی سرزمین میں بھی ایک سرگرم انقلاب برپا تھا۔ یہ سدا منوں کا حلقہ تھا جو تین ہزار برس قبل کے آریں نو چاروں کی طرح شمال مغرب کے پربائی راستوں سے ہندوستان کے میدانوں میں آئے تھے۔ وہ ایک خاص مذہب ایک تہذیب اور فن کے معیار اپنے ساتھ لائے گئے اور ان میں وہ ہندوؤں میں باہم بہت فرق تھا ہندوستان کے آرٹ اور خصوصاً فنِ تعمیر میں انہوں نے ایک نمایاں اضافہ کیا۔ اکثریت نرس عمارتیں۔ اگرہا کشہرہ آفاقی مقبرہ تاج محل اور دیگر شہروں کی مسجدیں اور محلات ان کی مادی قابلیت کی شہرہ آفاق شاہی ہندوستان کے فنِ مصوری میں بھی انہوں نے نہایت قابل قدر اضافہ کیا۔ مغل آرٹ کی تصاویر و محسوسات تفصیلات کی باریکی اور لطافت کے لحاظ سے نہایت قابلِ توجہ ہیں اور مصوروں نے آرٹ کے اس پہلو پر غور پر روشنی کی ہے۔ مغل آرٹ کی مصروفیت کی بجائے واقفیت اور مصوران تمام اشیاء کو نہایت دفاوری کے ساتھ صفی قرطاس پر رکھ دیتا ہے جو وہ دیکھتا ہے۔ چنانچہ مغل آرٹ کی کسی فطری منفرد تصویریں درختوں کی اقسام کو نہایت آسانی سے پہچاننا جاسکتا ہے۔ اور وہ یہی نظام ہے جہاں پر فاضلین کا آرٹ مفتوحین کے دیسی آرٹ سے جس کے نمایاں پہلو

یونانی

موت کیا ہے

کرہے ہوں تو کوئی شخص زندگی کی تمنائیں کرنا کیونکہ ہماری موت پہلے عناصروں ایک سنگ کا سر اور پرلرشی کا آقا کا زہر تو تاجیہ اور دم میں ایک بار موت کی غنٹی کی گھونک ہو چکا ہونے کے قابل نہیں رہتا۔ لیکن خیال فرمائیے کہ اگر فطرت اشیاء جانگاہ و از اظہار ان الفاظ میں ہمیں علامت کہے ”موت“ تو حقیقتاً ہماری کیوں ہے اے فانی انسان فو ہمیں نہ ہمارے نالہ و نام کی آواز ملے کہ تارے۔ اعلیٰ اگر تیری زندگی بہت پرست تھی، اور تیرا ہر روز وہ خیر اور ہر شب شب برات تھی تو

بادہ خواجہ دنیا کے لاکھ ہواشب کی انجمنوں سے آزاد ہو کر میکدے میں بیٹھے ہیں پکار کر گوش میں ہوتا ہے۔ اور ہر طرف سے ناؤ خوش کی صلہ ملے ہوئی ہے۔ اس وقت یہ آزاد جوان کے بدل سے محنتی ہے ماحول پر مستحق جاتی ہے خوشی کی گھڑی بہت مختصر ہے اور یہ پھر نہیں نصب ہوگی گویا کہ موت کے دروازے پر ایسے نہیں شرب کی تسکینی شائے گی۔ ان کی مرے بڑی خواہش شرب کیلئے ہوگی اور اس کیلئے ان کا کل خشت ہو رہا ہوگا لیکن جنہیں جانتے کہ جب ان اور موسم ایک ہونے کی حالت میں آرام

خوش کر سکوں۔ تمام کشمیا اپنی فطرت پر جس اور امن میں کوئی تفریق نہیں کیا۔ اگر تیر جسم ضعیف نہیں اور اعضا بھی صحیح و سالم ہیں تو کیا ہے۔ ہر ایک نے اپنی حالت پر برکتی ہے۔ اور اگر تو ہزار سال کی عمر ہمیشہ کیلئے بھی زندہ رہے تو تیرے عناصر میں کبھی تغیر نہ آئے گا۔

ایک مہمان کی طرح جو مجلس سے اٹھا کر آرام کیلئے خلوت میں چلا جاتا ہے اس عظیم انسان سکون سے ہم آغوش نہیں ہوتا جو موت سے تیرے لئے تیار کیا ہے اور جس میں کوئی فکر و صیبت نہیں۔ اور اگر تو تمام زندگی اپنے مصائب کا ماتم گسار رہے تو اب اس صیبت کی زندگی کے ختم ہونے پر یہ کیا چیخ و پکار ہے کیونکہ میرے پاس اب کچھ نہیں ہے کہ میں بچے و دیگر

فرانسیسی

نفع نقصان

کے باہمی اطلاقی جھگڑے میں ہوتی ہے اور اعزاز و اکرام اور مذہبی سموت کی بناء بھی تو ہماری موت پر ہے ایک قدیم یونانی مقولہ ہے کہ کوئی حکم اپنے احباب کو اچھی صحت میں دیکھ کر خوش نہیں ہوتا۔ اور اس طرح کوئی سپاہی شہروں کے امن و امان اور فوج کے سکون سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ میں کہتا ہوں ہم میں سے ہر ایک اپنے ضمیر کا جائزہ لے اور وہ دیکھے گا کہ ہماری ملی تمناؤں۔ اور اعزاز و شرف و دوسروں کو نقصان پہنچانے کی کبیر پروردش باقی ہیں۔ میرا خیال مددزدہ مضربوں پر ملتا جاتا ہے کہ تمام قوانین فطرت اس اصول کے ماتحت ہیں ایسا نہیں بتاتے ہیں کہ بیادیش فراوانی اور دنیاوی تبدیلی اور صورت کی دلیل ہے۔

ایک یونانی فلسفی نے شہر میں تجزیہ نگارین کا سامان فروخت کرتے والوں کو بہت ملامت کی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اس پیشے کے آدمی کا فی نفع کما ہے۔ یہ نفع تا وقتیکہ بہت سے لوگ نہریں ان کو نہیں مل سکتا۔ یہ نظریہ مجھے معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ کوئی شخص اس وقت تک فائدہ نہیں اٹھا سکتا جب تک کہ دوسرے کا نقصان ہوا اور یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ ہر قسم کے نفع کو اپنے لئے اچھا نہیں سمجھتے۔ ایک سوداگر صرف کچی حالت میں متول ہوتا ہے جبکہ نوجوان زیادہ مشوقین اور فضول خیز ہوں۔ اور غلط فروخت کرنے والا اس وقت خوش ہوتا ہے جس وقت شہر میں کال پڑا ہو۔ یہی حال دلیل کا ہے، یہی جائزہ ہمیشہ مقدموں اور لوگوں

جرمنی

موسیقی

موسیقی کی اقسام مقرر کی جاتی اور قوانین بنائے جاتے ہیں۔ لیکن موسیقی کے بنانے سے زیادہ خوش نفسی بخش اور کئی شے نوجوان میں اس میں شک نہیں کہ یہاں قوانین اور صحیح قوانین ہوتے ہیں۔ لیکن یہ قوانین موسیقی میں ہوتے ہیں صرف ایک مقصد کے حصول کے ذرائع ہوتے ہیں اور ان میں کبھی نگاری میں جو اہمیت تو ملے اور رنگ کی ہے وہی موسیقی میں قوانین کی ہوتی ہے۔ تو علم اور رنگ تصویر میں ہوتے ہیں اس کے حصول کا ایک ذریعہ ہوتے ہیں۔ موسیقی کی روح اہم ہے۔ اور اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ موسیقی کی تنقید کی بنا صرف تجربہ اور مشاہدہ پر ہوتی ہے۔

لیکن موسیقی کیا ہے؟

رات کے خیال سے سنے پہلے سحر اثر ایک گھنٹہ تک میرے ذہن میں رہا جس کو سن سکتا ہوں کہ موسیقی میں کوئی حیرت انگیز اور عجیب عنصر ہے اور عنصر کیا ہے۔ خیال اور بصیرت کے مداخلت باوجود اور اسے کی دوسری دہری ہے جو دونوں سے ہم آغوش اور دونوں سے متفاوت ہے۔ یہ ایک موضوع ہے جسے وقت اور مادے کے بچانے کی ضرورت ہے۔ جو اس مکان کی زندگی سے نکل کر کوئی جہم نہیں جانتے کہ موسیقی کیا ہے۔ لیکن یہ کہ موسیقی کس قدر عالم فریب ہوتی ہے۔ یہ ہم سب جانتے ہیں اور یقیناً جانتے ہیں۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ اچھی اور بری موسیقی میں کیا فرق ہے۔ کیونکہ ہم ہم عام طور پر بری موسیقی سننے سے

مشتاقی کی تنقید کی بنا ہمیشہ تجربہ پر ہوتی ہے۔ تجویز پر نہیں۔ اس

بنگالی

انسان کا مذہب

کہ ابھی ہماری اور آسمان کے نور باس کروں کی تخلیق ہو رہی ہے اور ہماری آرزو میں اور متناہیں یوں انکشافات میں اپنا صیغہ شام تلاش کر رہی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم نہ جان سکیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہم خاک کے ایک ذرے کے متعلق بھی یقین سے کہہ نہیں کہہ سکتے۔ لیکن مذہب ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہماری زندگی کی روح خارجی عالمگیر زندگی کی روح سے ہم آہنگ ہے تو ہماری تمام خوش سیالی اور مسکون اور اطمینان کے ایک شے میں شک نہ لاتے ہیں اس حقیقت کا احساس کہ میں ہوں، میں حرکت کرتا ہوں، میں نشہ دہا ہوتا ہوں صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم اس حقیقت سے بھی رہنمائی ہو جائیں کہ کائنات کی ہر شے میری ہمنوا ہے اور میری جاک کا ایک ذہ بھی برقرار نہیں ہو سکتا۔ خزاں کی سن لہریاں اور دھن صبح۔ اس عالم غور سے میری روح کا نہایت فریبگار شے ہے۔ تمام عالم رنگہ بواور موسیقی میری روح اور کائنات کی غنی سم آغوشی کا راز نہیں۔ یہ ہم آغوشی میں کچھ ہے اس ہویا نہ ہو سکتا کہ آواز کا رگمشی ہے۔ میری اعلیٰ اور خارجی دنیاؤں کی اس ہم آغوشی سے مجھے مذہب مکمل ہوتا ہے۔ اور بات ہے کہ وہ کم ہے یا زیادہ؟ یہ میری سہما اور پھر ہے اور مجھے آسانی فرشتوں کو اس سے پیشتر کہیں انہیں اپنا ناؤں۔ اسی رومنا ہو سکتا ہے۔

تملگو

برسات

کہ جاگنا اپنے پریم ناہیدیاں کہ رندہ سے ہم آغوش ہو جائے۔ ہر جوش اور ست دوشہ زمین کی شرمین اداسیں نرد میں چراگا ہوں میں لرزشیں پیدا کر رہی نہیں۔ آہ! کلاے کلاے بادلوں کی بلند آہنگ موسیقی امور کا ہر سرست ناچ۔ آہ یہ حقیقت ہے کہ یہ پرست کج خدا رخص کی نقص گاہ ہے۔

تامل

پداگنی تھیں اور ماتم باؤں سو کو کڑیاں رو گئے تھے بتایا گیا کہ اس کا

مذہب جو میں خارجی فرشتوں سے ملتا ہے کبھی ہمارے دل کا مذہب نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ محض ایک شے ہوتا ہے جس کی زنجیروں میں ہم جکڑے جگتے ہیں۔ لیکن اپنے دل کا مذہب اختیار کرنا انسانی زندگی کا سب سے بڑا کام ہے انسانی مصائب اور تکالیف کا رفیق بننا ہے اور خون حیات پر زندہ رہنا ہے اور پھر خواہ وہ انسان کمال کو سرست اور آنکھ سے سمور کر کے یا نہ کرے۔ لیکن اس کی یا تر اندر و خوشی پر جا کھڑے ہوتی ہے۔

ہم اس امر کا بہت احساس کرتے ہیں کہ جو مذہب ہم لوگوں سے سننے یا اپنی زبان سے کہتے رہتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے دل میں حقیقت کا سند بہت درجہ تغیر ہو رہا ہے۔ وہ مذہب کس قدر فریب کا ہے جب ہم اپنی سرسوں اور غموں سے ایک طرف ہو کر ان پر نظر کرتے ہیں اور وقتاً بوقت تیز رفتاری سے اڑا چلا جاتا ہے۔ ہم اس لافانی قصے کے اسرار معلوم نہیں کر سکتے۔ اس کی مثال بالکل اس جملہ کی سی ہوتی ہے جس کا مفہوم ہم انہما کے گو کہ وہ ہندو میں مذکور دریافت نہیں کر سکتے۔

جب ایک بار ہمیں اس تمبر کے قانون کی وحدت کا ادراک ہو جاتا ہے جو ہمارے دل میں ہو رہی ہے تو ہم اپنے اوپر اسرار کائنات کے رستے سے بھی آگاہ ہو جاتے ہیں۔ ہم کو اس امر کا بھی احساس ہو جاتا،

تاریک بادلوں میں سے برقی کی مقامہ نے دکھا کہ کیسی اری کے بھول مکمل کیے ہیں یا ابھی اس کی کو پٹیں ہی بھٹ رہی ہیں۔ دلفریب مندہ کے شگفتہ بھول نہیں ہیں لہر کر ویش آواز میں خند کی بھر واد انہی کا خیر مقدم کر رہے تھے وک دار چاؤں کے پلوں کو دل کے بچوں کی سی آنکھوں والی تیز رفتار درجہت پاش پھاڑی ندی پھل رہی تھی

ایک بوٹھی عورت کو جس کے جسم پر بڑھاپے کی جبکہ خبر بیاں

نہیں بھاگ سکتا یہ کہتے ہوئے اس نے غصے سے دیوانی ہو کر ناگہجی لی اور چوڑا میدان جنگ کی طرف بھاگی۔ آہ! جہاں آخر کار لاشوں کے شہنشاہ سے اپنے بیٹے کی لاش مل گئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں سب کٹ چکے تھے صرف خون رنمایا ہلاہلا تھی تھا لیکن چڑھا کادل خوشی اور مسرت سمیٹ کر ہو گیا وہ اپنے بیٹے کی شہادت پر فخر کر رہی تھی اور اس نے ابھی زیادہ خوشی بھی بن اسے ملنا نہ جہنم لیا۔

بیٹا بزدلی سے میدان جنگ کے اپنے ہتھیار چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ شرم سے برہمیا کے پٹیلے میں برہمی ماری اور اس نے غصے بنا کر ہو کر کہا۔ جری اہد ہمارے سوراؤں کا یہ بزدل جانشین میرا نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ واقعی مرنے کے دوسرے بھاگ نکلا ہے تو میں اپنی چھان چھوٹوں نے اسے دودھ پا کر پرورش کیا ہے کاٹ دوس کی۔ لیکن میرا دل کہتا ہے یہ میرا میدان ہے

کشمیری

تلاش دوست

نافل پوچھٹ چکی ہے تیزی سے قدم اٹھا اور تلاش دوست میں کودا دیکھ صبح ہونے کو ہے اپنے پر پیدا کر اور تلاش دوست میں نکل جا۔

میں لالہ اس کی تلاش اور جستجو میں نکلی۔ میں نے اپنا لباس سے زیادہ مشقت کی اور اپنے آپ کو بن پھر نے سے تھکا لیا میں نے اُسے دیکھا لیکن اُس کے معنی مقل تھے۔ اور وہ میرے اس آل میں تھا جس میں اس کے دھال کی خواہش تھی اور میں کھڑی اس کے جمال کو دیکھ رہی تھی۔
”لالہ دو“

بے شبہاتی

ابھی میں نے ایک رات بابت دیکھا تھا۔
اب چل ہے نہ کوئی کشتی۔
ابھی میں نے چھوٹوں سے لے لی ایک بھاڑی دیکھی تھی۔
اب بھول ہے نہ کوئی کاغذ۔
ابھی میں نے ایک چوٹا جتنا دیکھا تھا۔
اب دھواں ہے نہ کوئی شعلہ۔
اور آہ! ابھی میں نے تمام پانڈوں کی ماں کو دیکھا تھا۔
اور اب میں ایک کھار عورت کو دیکھتی ہوں۔

مرہٹی

سے خوشگوار بیٹہ ہیں اور محبت کی معواذ اور ٹھنڈی ہوا سے ان کی دنیا کی فضا میں سمور رہتی ہیں۔

صرف وہی میاں بیوی کملانے کے سستی ہیں جن کی روح ایک ہوگی اُن کے جسم اور خیالات جُدا جُدا ہوں۔
وہ زندگی کی کالہ میں دو بچوں کی اندیش اور نگاہوں کو لکڑی کے ٹکڑے پر حرکت کر رہی ہیں جہاں میاں بیوی کے یہ تعلقات نہیں ہیں۔ ہاں زندگی نہایت بیزار کن ہے خاندان بیوی کے لیے اپنا بیج ہے۔

جب تیل اور دہی دو ڈول ملے ہیں تو نور کی لالہ ملتی ہے۔
صرف روجوں کے انجاسے دینا قائم ہے۔

پالی

آندادی کا سانس

ہر چند میں ضعیف و کمزور ہوں اور میری جوانی کی بہار زحمت میں اپنے ہوا کے سہارے پر بہاؤ کی بلند ترین چوٹی پر

ہے۔ میں نے اپنے بچے کو چھوڑ دیا ہے۔ اپنی خوبصورت اور سفید سفید بھڑوں کو چھوڑ آیا ہوں۔ خامشات سے اب میں آزاد ہوں اور دل کا کینہ اور لعنت بھی جا چکے ہیں۔ جہل کی تاریکی منتشر ہو چکی ہے جس سے آواز شہادت لگا کر میرے پاؤں میں لوٹ رہے ہیں۔ اور میں اب آزاد ہوں۔ میرے دل کو سکون حاصل ہے۔ میں گمان میں گمن ہوں۔

جزیرے میں کاساب ہو گیا ہوں۔
میں نے اپنی گدڑی اُٹا کر کھینک دی ہے اور کھنکول اوندھا کر دیا ہے۔ میں یہاں چٹان پر بیٹھا ہوں میری روح آزادی کے سانس لے رہی ہے۔ آہیں نے حامل کر لیا ہے۔ کر لیا ہے۔ وہ گمان وہ حرفات حامل کر لیا ہے جس کا بدہ متناہی تھا۔

گھر باہر چھوڑ چکا ہوں کیونکہ میں نے اپنی دنیا کو ہی تیاگ دیا

ہندی آقا

جمال میرٹ انگیزدیکہ کر تیرے حضور میں سر جھکا تا ہے۔

میں اپنے پیہم کی وفادار ہوں۔ سبھی اس میں خرابے کی کیا بات ہو دن کے وقت مجھے بھوک نہیں ملتی۔ اور رات میں بچہ پی سسے کھلیا میں کاٹ دیتی ہوں۔ میں مہینوں اور نکلیوں کو چھوڑ کر اس پار چلی جاؤں گی کیونکہ عسل کے خزانوں کی کتبیاں مجھے لی گئی ہیں تیرے تمام جذبہ واقار۔ میں کھڑک شہد کی کھینکوں کی طرح مجھے نہیں لیکن میں اپنے پیہم کی داعی ہوں جو دنیا کے بلند پہاڑوں کا مالک ہے۔ اگر کوئی مجھ پرست ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں

لے جیہا آقا! اسے چند مرست! الہ کائنات کے محبوب اتری تشریف ہو۔ تو عالم القلوب ہے۔ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ اسے رحمن۔

آپا تیرے حضور میں جھکتا ہے!
تیری لامکان بقی ادبیت کے عین اور ناپید اکنا رسد کی مانند ہے خوشی کی لہریں متواتر تھکی ہیں۔
لیکن میرا دل بیکل اور مضطرب ہے۔ تیری ظاہری صورت ایسی ہے کہ دیکھ کر میرے دل کی تمام آرزوئیں پوری ہو جاتی ہیں۔ اور دایا

گجراتی

قدرت کے بھید

وہی جان سکتا ہے۔ جس نے ان پر غور کیا ہو۔
لیکن یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ خدا نے مطلق کو جاننے کے بعد کوئی مادی چیز باقی نہیں رہتی۔ صرف لطیف ہم رہ جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ انسان کی اہمیت۔ اور پر ماتا میں تمام کائنات زندگی باقی ہے۔ ایک ہے! میں کہتا ہوں کہ آتما اور پر ماتا ایک ہیں۔ لیکن لوگوں کے لئے یہ اعتقاد چھوڑنا بہت مشکل ہے کہ کہ وہ وہی اور خدا نے مطلق کے بھیدوں کو صرف وہی جان سکتا ہے۔ جو ان پر غور کرتا ہے۔

خدا نے مطلق کے بھیدوں کو صرف وہی جان سکتا ہے جس نے ان پر غور کیا ہے۔
ان بھیدوں کے جاننے کے بغیر انسان گمراہی سے نہیں بچ سکتا اور جب تک گمراہی دور نہ ہو جائے اعمال اچھے نہیں ہو سکتے۔ اور جب تک اعمال اچھے نہیں ہو بھید معلوم نہیں ہو سکتے اور خدا نے مطلق کے بھیدوں کو صرف وہی جان سکتا ہے جس نے ان پر غور کیا ہے۔
ان بھیدوں کے جاننے کے بغیر شکوک و شبہات رہ سکتے۔ اور شکوک و شبہات کوئی شے یقینی نہیں۔ کہانی سننا نے سے اس کا ختم ذہن میں آجاتا ہے۔ لیکن ان بھیدوں کو جاننے کے بغیر اٹل زندگی محال ہے۔ اور خدا نے مطلق کے بھیدوں کو صرف

عربی

صدقات امانت

صلح پر مجبور کر دے۔ مگر اس سے شرط یہ کر لی کہ اگر وہ صلح پر آمادہ نہ ہوں تو ہمیں ہمارے پاس دایں آنا پڑے گا۔

رہیلوس نے یہ شرط مان کر مافی حاصل کی اُن کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ آیا۔

حب و مایں پہنچا تو رومی حکومت مجلس میں کھڑے ہو کر اس نے اہل روم کو جنگ پر ابھارا اور اس بات پر زور دیا کہ لڑائی مسلسل طور پر جاری رکھی جائے۔ اور یہ کہ قیدیوں کا تاجا دلہرگز نہ لیکاجائے اس کے بعد اس نے شرط کے مطابق دایں کا ارادہ کیا تو روم کے بڑے بڑے لوگوں نے اسے روم کا اور تاجا کہ تمہاری قسم ساتھ ہو گئی ہے۔ کیونکہ قیدی کی قسم اختیار ہی نہیں ہو سکتی اور ایسی قسم ٹوٹ جائے تو اس پر کوہ گناہ بھی ہو تا ہے اس پر رھیلوس نے کہا کہ تم روم کی بڑی بڑی شخصیتوں کے لوگ کیا اس سے بیعت جوئے ہو کہ میری عزت امیری شرافت اور میرے وقار کو نہ مانے گی کیا تم لوگ اور میری لغتوں کے حملے کو دو میں جانا نہیں کرتے تو میں میری دایں اور رنگ نہاد اور قتل میرا منتظر ہے۔ لیکن اس قتل اور عذاب کو میں اپنے واسطے آسان اور قابل برداشت سمجھتا ہوں اس کیلئے میں سے کہیں وعدہ خدا کی کر کے اپنی قسم کو پالیں کروں اور اپنے خمیر مخمر جمع پہنچاؤں۔

میں دشمنوں کے ذمے میں ہوں یہ غیر کی قید میں ہر حال میں سیکر پیلوں ایک آدمی دل حرکت کرے گا میں نے اُن کے سامنے سہکائی مٹی کہیں دایں آؤں گا۔ ابیر اور ایں جانا چھینی ہے میں اس قول سے کبھی نہیں بھر سکتا۔ خدا جو جانتا ہے وہی ہوتا ہے۔

خوشنکد بھی رھیلوس نے وعدہ خدا کی دت ٹکڑا نہ کی اور اپنی بات پورا کرنے کی غنوں کے پاس دایں گیا اہل طاجانہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ اس نے جا کر اہل روم کو صلح کی بجائے جنگ پر ابھارا ہے اس نے انہوں نے بڑے بڑے عذاب و دیکر بھیج دیس کو مار ڈالا۔

حقیقت یہ ہے کہ عبادوں اور مردوں کی زندگی ایسی ہوتی ہے۔

خوشنکد و مارکوش اور بیس کا قول ہے کہ جو شخص ظلم کرتا ہے وہ کاٹر ہے اور وہ دین کیونکہ جب خدائے تعالیٰ نے انسانوں کو ایک دوسرے کا معاون و مددگار بنا کر پیدا کیا ہے تاکہ ہر شخص دوسروں کی رحمت کا سبب بنے اور دنیا سے تکلیف اور مصیبت نہ ہو تو جو شخص اس خدائی

سچائی اور امانت ایک رحمت کی دہلی بلی خاصیت ہیں۔ یا ایک ماں کے دو جڑواں بچے ہیں حقیقت یہ ہے کہ امانت سچائی کا دوسرا نام ہے اور سچائی دراصل امانت ہی کا دوسرا پہلو ہے۔ سچائی انسان کی عظمت کی بنیاد ہے امانت با عظمت انسانوں کے دلوں میں گھر کرتی ہے۔ سچائی مروت کی نوع ہے، شرافت کا جوہر اور نیرنگی کا حصہ ہے۔ امانت کی پہلی شرطوں میں داخل ہے۔ ہر اس مانہ سچائی اور صداقت سے زیادہ کسی چیز کے محتاج میں ہیں۔

جھوٹ اگر جھوٹے نہیں عام ہو رہا ہے۔ مگر ہر جگہ ہر شخص اسے برا سمجھتا ہے اور تو اور خود جھوٹ بولنے والا آدمی بھی جھوٹ کو برا خیال کرتا ہے جب جھوٹا آدمی تم سے کہے گا کہ یہ سچ ہے تو اس جواب کا میں میں جھوٹ نہ چوگا تو دوسرے غفلت میں وہ یہ کہہ رہا ہے کہ جھوٹ قابلِ تفرس گناہ ہے اور سچائی جہاں بھی ہو سچی صفت ہے۔

جھوٹ دوسرے گناہوں کی نسبت لوگوں میں سب سے زیادہ عام اور اُن کے لئے سب سے زیادہ آسان ہو گیا ہے معاشرت میں بے تکلف اور بے جوابک بولنا جاتا ہے۔ اکثر لوگوں نے اسے اپنا شعار بنالیا ہے۔ کوئی کسی کو گھر پر پوچھے اسے توبہ ضرورت کھلا دیا جاتا ہے کہ گھر میں نہیں۔ حالانکہ گھریں موجود ہوتا ہے۔

رکسن کا قول ہے۔

کھجور کا خواہ کتنا ہی معمولی اور حقیر ہو دل کو لٹا لٹا اور ضمیر کو آلود کر دیتا ہے۔

جھوٹ کی ایک قسم پشکیل صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ملکی مصالحت کیلئے سیاسی رہنما جھوٹ بولنے میں پس پشیم نہیں کرتے لیکن دراصل یہ ایک کمینہ اور مدد دہرہ کی زدلی اور ظلم ہے۔ انسان کے ذرائع میں یہ دھوکا ہے کہ زبان سے کوئی بات کہتے وقت اس ضمیر کا زناؤ خیال لٹکے جو اس کے دھوکوں پہلوؤں میں ہے۔

اہلِ طراخانہ دکانچہ اور دیوین کی جنگ کے انہیں دیویوں کا مشہور لیڈر رھیلوس غم ہے کہ اگر خدا ہو گیا تھا۔ اہلِ طراخانہ نے اسے اس مقصد سے قید سے رہائی دی کہ ممکن ہے روم جا کر اپنے اہل وطن کو

افانوں اور اقلی مذہب کو توڑنا ہے وہ صلح دہستہ ہلا کا فر ہے۔ تاجر

(البلاغ قاہرہ)

فارسی

ایرانی ماں کا گیت

تو میرے دل کا گلو ہے! اور اپنے باپ کی یاد گار ہے! اٹھ میرے
دل کے برقع اٹھ! اپنی آنکھیں کھول کر میں تیری آنکھوں میں غیرت و
شجاعت کے وہ نشان دیکھوں جو تیرے باپ کی نگاہ میں موجود تھے!۔
آہ تیری آنکھیں جسے باپ کی آنکھوں کے کس قدر شاہ ہیں! اٹھ کہ
میرا دودھ تجھ پر حلال ہوا! میری جان تجھ پر خدا ہو! تو میرے مگر کا گلو ہے تو اپنے
باپ کی یاد گار ہے۔

اٹھ! میری جان کی! دوح اٹھ! کیا تو نافرمان کی آواز دہرائے جانوں کی
فریادیں سننا تیرے فقی تر لا انتظار کر رہے ہیں اور تجھے مدد کیلئے گما ہے
ہیں! اٹھ! اور میدان جنگ کی طرف دوڑ! یا تو سرحدی اور غریزی کے ساتھ رہیں
آج اپنے باپ کی جگہ آزادی وطن کی راہ میں! اپنے باپ کی طرح جان قربان کر لکھ لکھ
دودھ تجھ پر حلال ہو! میری جان تجھ پر خدا ہو! تو میرے مگر کا گلو ہے
تو اپنے باپ کی یاد گار ہے!۔

محمد خاں شہر ایدہ ٹیڈی

اٹھ! میں تجھ پر تیراں! اٹھ کہ اب تو بہت سوچا! اٹھ کہ اب تجھ پر
سونا مسم ہے! اٹھ کہ تیرا باپ آزادی کی راہ میں مارا گیا۔ اور اپنی جگہ تیرے
سپر کر گیا۔ اٹھ! کہ میرا دودھ تیرے لئے حلال ہو۔ میری جان تجھ پر خدا
ہو! تو میرے مگر کا گلو ہے! تو اپنے باپ کی یاد گار ہے!
اٹھ! کہ میں تیرے باپ کی یہ تیار تیری کرے ہاتھ دوں اور تجھے
میدان جنگ میں بھیج دوں۔ اٹھ کہ دشمن گھر کے دروازے تک پہنچ چکا ہے
اپنے باپ کی جگہ کھڑا ہوا اور اس کا بدل لے! اٹھ! میرا دودھ تجھ پر حلال ہو
اور میری جان تجھ پر خدا ہو۔ تو میرے مگر کا گلو ہے! تو اپنے باپ کی یاد گار ہے
اٹھ! میری دہ نون! آنکھوں کے چارغ تیرے ہائیکے بعد تیری مال بکس ہے
بیدار دس ہزار تیرے سو اس کے لئے کوئی امید گاہ اور پشت و پناہ
نہیں۔ دشمن دروازہ کی جو کھٹ پر پہنچ چکا ہے۔ اٹھ! اور اپنی ماں کے کانوں
کی حفاظت کر! اٹھ کہ میرا دودھ تجھ پر حلال ہو۔ میری جان تجھ پر خدا ہو!

جاوی

روشنی

میں ناہیدانکار روشنی میں سستہ کم کر چکا ہوں اور اس کی خیرہ کٹن جھک میں
میں اندھوں کی طرح بھرتا ہوں۔ ہم واقعی روشنی کی اولاد ہیں تو ہم ہم روشنی
کو دیکھ کر اس سے خائف کیوں ہوں؟ آہ ہم سرخ و سفید دیکھتے ہیں کس کی آنکھیں ہیں
روشنی کے اس ناہیدانکار رشتہ میں اگر کوئی دیکھتا ہے۔ تو عجیبے دو
کون کہہ سکتا ہے کہ یہ پھر بھی روشنی نہ ہوگا۔

ہم روشنی کی اولاد ہیں اور روشنی کس قدر ناہیدانکار ہے ہمارا
بیدار ہونا اور سونا سب روشنی میں ہے۔ ہم روشنی میں جیتے ہیں روشنی میں
تیرتے ہیں اور ہماری زندگی ایک کھیل ہے۔
ایک عظیم نشان شامیانے کے بچے ایک عظیم آفتاب کی شعاعوں میں
آہستہ آہستہ بہت آہستہ زندگی کے میثار لپیٹ جیتے ہیں۔

اطلاع

بیرونی مضامین کی کثرت کے سبب اس بااثر و ادب کے اہل طرز کا مضمون شائع
نہیں کیا جاسکا۔ آئندہ نمبر سے شائع ہوگا

راہدینا

ہسپانوی

دریا کے اس پار

میں کچھ ملا جوتا ہے۔ لیکن اب سیریس جلدی کرنے کا کیا فائدہ - کیسا فائدہ ہوا مجھے اس قدر کہ عرصہ آرام کا؟ اور رات بھر جاگنے کا اگر میں یہاں ٹھہرا ہوں اور اگر کسی ذریعے سے بھی مجھے تیرے اُس پار جانے کی اجازت نہیں۔

لے دو یا اپنے پانی کو ایک لمحے کیلئے ٹھہرا لے۔ ہوا زور کی چل رہی ہے اور تیری مویں جو شے سے بڑا بڑا ہی ہیں، نصیب ایک غریب کو بھی نصیب کر کے لے کر نکلتے ہیں اور اپنے پانی کو ایک لمحے کیلئے ٹھہرا لے بھی نہ سکتے ہیں اور جاتا ہے۔

ملایا

میں دل چاہتا ہوں

فراموش کر دے اور وہ تیری محبت سے بھر جائے۔ میں بس بدل چاہتا ہوں میں آسانی اور پاکیزہ دل چاہتا ہوں۔

میں خوبصورت اور سحر کا دل چاہتا ہوں۔ وہ پاکیزہ ہوا فضا سے منور صبح کی مانند اور نیم تنہا سمندر کی ہلکی ہلکی آوازوں کی طرح۔ وہ خوشی میں خوں کے چاند کی طرح ہوا اور ایک ایسی جھلک کی مانند جو جس کو بادشہ نے کناںوں پر بڑایا ہو۔ میں خوبصورت اور سحر کا دل چاہتا ہوں۔ اُس دل سے محبت کرنا ہوں محبت کا دیوانہ ہے۔ جو دوسروں سے ان کی خوشی کی امید میں محبت کرتا ہے۔

فوج

آرزو

تو شہر و غلے سے میرے دل کو اور نہیں نکھاتا ہے۔ تو نہیں جانتا کیا غم ہے جو اسے کھانے جاتا ہے۔ اور کیا خون شدہ آرزو میں ہیں مجھے نام نہانے۔ اگر یہ بات ہے تو اُن کو تو بھی جان ہے۔ آرزو میں پھر زندہ ہو سکتی ہیں۔ اور جس کو کی امیدیں ہیں کتنی ہیں۔ تیرا اچھی عمری کیا ہے۔

مجھے نہیں بتا مجھے کس شے کی آرزو ہے وہ بہت دیر ہے وہ آسمانوں کے بلند اور زمینوں سے غم کی شے کی ملکیت میں اور زمین کے کاشاؤں میں۔ مشرقی اسکوچر کا کندہ آوازوں میں تلاش کرتے ہیں اور مغربی اسکوچر کا کھلکا صداؤں میں۔

اے دریا تیرے کناروں پر سرنگوں کی قطاریں آگ رہی ہیں اک لمحے کے لئے اپنے پانی کو ٹھہرا لے مجھے اپنی محبوبہ کے پاس جانا ہے۔ تیرا کوئی بل نہیں ہے۔ نہ کوئی کشتی ہے۔ پار جانے کا کوئی اور ذریعہ بھی نہیں۔ مجھے یاد ہے تو ایک چھوٹی سی ندی تھا۔ اور میں تیرے پار جانے سے نہیں جھکتا تھا۔ اس وقت تیری سطح کی لہریں مشکل میرے گھٹنوں تک آتی تھیں۔ لیکن اب تو بہاؤ کے اس درے سے آسان ہے۔ تیری پرورش برف سے ہوئی ہے اور تیرے طوفانی پانی

میں دل چاہتا ہوں اے خدا مجھے نعل و جامہ کے خوافوں کی ضرورت نہیں مجھے حکومت کی ضرورت نہیں۔ میں عاتق نہیں چاہتا۔ اگر مجھے دل مل جائے تو میں اپنی زندگی کو ہر چند کہ وہ تیری انگوٹھ سے تیرے حضور میں پیش کر دوں گا میں دل چاہتا ہوں۔ دل ایک قابل پرستش دل۔ میں ایک بچے کا سامنا ہوں دل چاہتا ہوں۔ اُس کے جوٹ معصومیت کے لہزوں اور اس کے انصاف میں بناوٹ نہ ہو وہ بھی نہ جانے کہ لوگوں پر کس طرح آواز دے سکے جانتے ہیں اور ان کی ہنسی آواز جاتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو

یکساں ہے کہ تو اُس ہے۔ بال چٹانیں ہیں اور چوڑا ہوا ہے۔ حالانکہ دنیا کی ہر چیز خوشگئی ہے۔ تیری گلابی آنکھوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تو رومی کی آدکس قدر آسنو ہے ہوں گے۔!

اگر میں وہی کوئی لایر کوئی شریک نہیں ہے تو میرے دیکھنے میں سے ہو گیا آہ جب یہ لڑاؤں مجھے لگتا ہے آسنو کہ میرے دل سے پھر اٹھاتے ہیں۔

دیکھو تیرا خوش نصیب دوست ہوں اور تجھے ملتا ہوں۔ آہ! مجھے اپنے دل کا غم بتا دے میں کوئی ادا کر سکوں۔

شعراے ارد کے کلام کا انتخاب مع اُن کی
 فان ٹرن فولڈ اور اسخ حیات جلد و بصیرت
 منتقن مطالعہ لکھائی چھائی و میزب قیمت (ص ۱)

جس کے ۱۰ فیسے ۱۱۰ روپہ فیخلد کے حساب سے
کل چکے میں اسی کارڈز کی پیشکش تیار ہو جائے
آرڈر جس پر کارڈ کی قیمت صرف معصوم

اكثر اقبال
در ترجمہ ناری بلا بد سے معیار
از اردو روزنامی
مکتب جباردو
مولانا شبلی
سید ابوبکر بلال محمد
الغفور فی جبل
فیضانِ اسلام

مولانا آزاد مرحوم

دیار اکبری
آب حیات
خبرستان فارس

شیخ مبارک علی تاج کتب اندرون ہمارے واہ لاهور

اردو زبان میں اپنے رنگ کی واحد کتابیں

نامک ساگر - زبان اردو میں تاریخ ڈرامائی پہلی اور ایک ہی کتاب جس میں دنیا بھر کے ڈراما نگاروں اور ایکڑوں کے سوانح حیات - جملہ ممالک عالم کے سیر کے عروج و زوال اور غنڈہ ڈرامائی کیفیت بیان کر کے ڈراما اور سیر کے محاسن و معائب آمیزہ کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے صدر میں پنجاب یونیورسٹی نے سارے سات سو روپیہ کی گرانٹ سے تصنیف اور عطائی - ہندوستان کے ہیشمار اردو اور انگریزی رسائل و جرائد نے نہایت شاندار رپورٹیں دی ہیں جنہوں نے مجاہد کے نزدیک کتاب کی صورت اختیار کر لی ہے۔ طاعت و کاندیدہ زیب جم پڑی ہے جس کے قریب پانچ سو صفحات قیمت جلد چھ روپے جلد چھ

نامک ساگر کے دو باب - آخر زمان اردو کا نصاب ہندوستان اور ایران کے ڈراما کی تاریخ قیمت فیصد (ہر) موجود لندن کے احمدیہ لکرن کے حیرت انگیز دستخطی ہدا کرنے والی دار و اتوں کا آئینہ ایک نغمہ نامعنون میں کہا کی سی ولاؤ دہری کیفیت مشہور کرد - اخیر خیر کئے جھوٹے دول میں چاہتا ہندستان کی اندرونی زندگی کی مکمل تصویر اس میں آپ دہیا بیان دیکھیں گے۔ جو علم پر مشتمل ہے مبادوں کو سب مانت کر دیں گی۔ قیمت جلد چھ روپے

ڈراما نگار کے ولی - فرانس کے مذہب وادیہ ڈراما نگاروں کے کفر و آفرین شاہکار - کا ترجمہ ایک مرتبہ مطالعہ کیجئے اور اگر کہیں آپ کا چھپا چھوڑا توہمارا ذکر قیمت ۸

ڈراما نگارین کو پیان - اگر آپ نے فناء واد کے خوبی کے نامان کا نقشہ دیکھا ہو تو اس کتاب کو ضرور مطالعہ فرمائیے۔ بہترین عرفان بہترین مصنف اور بہترین تہذیب و ادبی یونیورسٹی کے طلباء اس ڈراما کو نہایت کامیابی سے پہنچ گیا قیمت ۸

ڈراما قرائن - چرخ کے مشہور آئی ڈراما نگار مشرک کے ایک نہایت کامیاب ڈراما کا وادین ترجمہ - اس تصنیف پر مصنف کو نامہ اور یہ مختلف ممالک سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔ ایسی سوز و گداز میں لکھی ہوئی تحریر شاید ہی آپ نے ملا خطہ فرمائی ہو قیمت ۸

ڈراما فطری موت - میجر کے چابک دست ڈراما نگار مشرک کے ایک نغمہ ڈراما کا کامیاب ترجمہ محبت کی ناکامی کی وقت انگیز تصویر نامک لکھا - تازہ ترس تصنیف - قدیم ہندوستان کے سات بہترین ڈراموں کی کہانیاں اور ایک تاریخی کہانی - بلا اضافتیں زیر مطالعہ

نہایت عجیب و غریب قیمت آٹھ روپے (۸)

ملنے کا پتہ :- محمود برادر اس (جہوں) تاجران کتب جہوں (منجبت)

<p>لاہور سپیڈسٹس و کسٹمانا رکلی لاہور</p> <p>کا پتہ یاد رکھئے - جہاں پر ہر ایک ہم کے سپورٹ کاغذ سے علم اور بہترین سامان مل سکتا ہے۔ منیڈ ٹوٹے ہوئے سامان کی مرمت جو حسب لوازیم کیا جاتی ہے آؤنا کسٹم شریٹ ہے۔ فہرست قیمت طلب فرمائیے۔</p> <p>یہ بخیر دوی لاہور سپیڈسٹس و کسٹمانا رکلی لاہور</p>	<p>دارو علم جراحی میں حیرت انگیز ایجاد</p> <p>لاہور سورمغذاتی چھوٹا نامہ سور - واپسین خازن بر - رسوئی خیر عید ہر قسم کی عیدیں ہماروں کا آمودہ خیر طبع بہت بھارت ملا ہے۔ دوران ہستعال میں نہ زخم کو نقصان دہرت اور نہ نہانے کی حالت قیمت فی شیشی دو روپے (۲) جھوٹا کسٹم</p> <p>المشہور شیشہ طاهر الدین بزرگ انارکلی لاہور</p>
--	---



ڈی۔ آر۔ بی۔ ٹیٹیل ورکس شہر سیالکوٹ (پنجاب)

ذیل کی اشیا تمہارے کارخانہ میں تیار ہوتی ہیں فہرست مال و ذخائر منگوا کر ملاحظہ فرمائیں۔

حبِ منشا سیویاں تیار کر لیں۔

(۱) تالے لوہے اور تیل کے نہایت مضبوط اور پائیدار خاص کر ماسٹر چابی والے تالے کارخانہ کی مشہور ساخت ہیں۔

۱۴) **مثنیں باوم** روضوں کے ذریعہ سے بہت آسان طریقہ سے روضوں کا نام لکھا جاتا ہے گنگا روضہ باوم ڈالے اور مثنیں کا مینڈل چھماتے جاؤ۔ باوم روضوں نکلتا جاتی ہیں۔

(۴) مشین بیرونی ایک سیٹ میں بیرونی کے ڈیجیٹل جانچے۔

وہم اترنا سوٹ لیں؟ پوچھا مہیں

(۵) اونٹ، گھوڑے، دگدگے کے پاؤں میں؟ اے کیسے! ہمارا عذاب آئندہ بگڑے گا

نرخامہ کارخانہ سے مفت طلب کیجئے

برقعہ نو ایجاد

تیس سال سے ہندوستان کے ہر طبقہ کے لوگوں میں روز بروز زیادہ مقبول ہو رہا ہے۔ اس کی اختراع مختلف مائنتوں سے بارہ ملائی، وغیرہ فی نسخہ مل چکے ہیں۔

خوبصورت آرام دہ زمانہ کے حسبِ حال و پرند کا پر اور محافظ ہے۔

بشروط الی منکوا میں کہنے سے پرکھتے تھے کہ ان کو صدمہ کی تاب نہ لائے کہیں بندہ یہ دیکھ لے گا کہ خود مسائے کریں اور پردہ نشین خواتین کو کہہ دینے کا موقع دیں۔

سفیدم اول قسم دوم رنگین نرمه رنگین ثابین رنگین طر پوستی سبب مینی ریشم

وَاللَّهُ

حساب خانہ درسی مفت
 ایک نیا دور ہے وقت گزریں گے ہم اس نئے دلی کا شہر ملامت کا دفتر ہو گیا۔ کیا اس کا نام خانہ درسی اور یادداشت ہے جسے ہم کبھی نہیں
 اٹھاتے۔ لوگوں کی ہر ایک غریب کی مسکرتی نے ہمارے لئے ایک نیا دور بنا دیا۔ ہمارے لئے ایک نیا دور بنا دیا۔ ہمارے لئے ایک نیا دور بنا دیا۔ ہمارے لئے ایک نیا دور بنا دیا۔
 یہ کتاب خانہ درسی ہے جسے ہم کبھی نہیں اٹھاتے۔ لوگوں کی ہر ایک غریب کی مسکرتی نے ہمارے لئے ایک نیا دور بنا دیا۔ ہمارے لئے ایک نیا دور بنا دیا۔ ہمارے لئے ایک نیا دور بنا دیا۔ ہمارے لئے ایک نیا دور بنا دیا۔
 یہ کتاب خانہ درسی ہے جسے ہم کبھی نہیں اٹھاتے۔ لوگوں کی ہر ایک غریب کی مسکرتی نے ہمارے لئے ایک نیا دور بنا دیا۔ ہمارے لئے ایک نیا دور بنا دیا۔ ہمارے لئے ایک نیا دور بنا دیا۔ ہمارے لئے ایک نیا دور بنا دیا۔

خاتون دے۔ بی اسٹورز نمبر ۲۱۔ دھلے

فرنیچر کا بہترین اور مستند گارخانہ

جہلم فرنچیز ہوس کشمیر بلڈ گس میکلورڈ روڈ لاہور

یہاں پر عمدہ مضبوط غولصورت اور پائدار ہر یک تم کا فرخجہار عایت اور مناسب قیمت پر دستیاب ہو سکتا ہے

کہتی ہے ہم کو خلق خدا غائبانہ کیا

شیخ عبدالحی صاحب ریاض سب نج بھیرہ :-

آپ نے ادبی دنیا کے اجراء سے اردو زبان کی وہ خدمت کی ہیں کہ اردو جاننے والے کبھی اس بالا حسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ جس قدر بھی اردو رسالات و دیگر اخبارات ہیں ان کی شکل نویی کی وجہ سے اردو خوان اصحاب کی ایک کثیر تعداد اردو سے متفر ہو رہی ہے۔ ادیبی و جہتی کا اردو کی بجائے ہندی کو پیش کیا جاتا تھا۔ آپ نے اس اعتراض کو دفع کرنے کی جو کوشش کی ہے کہ اس برہی خواہ زبان اردو کا فرض ہے کہ آپ کا ہاتھ بٹائے۔ مجھے خود آسان عبارت میں کافی وقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اور میں نے آج محسوس کیا ہے کہ آپ کے رستے میں خود نکالیے ہیں۔ برکیت خدا کی رحمت اور ارادہ کو اس مقام تک عطا فرمائے تاکہ آپ اس کام کو سرانجام دے سکیں جس کا بیڑہ اپنے اٹھایا ہے۔

خان محمد افضل حال صاحب سب نج جھنگ :-

آپ کے رسالہ ادبی دنیا کے تین نمبر میری نظر سے گذرے ہیں۔ میں نے انکو خوش سے دیکھا اور غور سے مطالعہ کیا ہے۔ رسالہ کے مقاصد قابل تعریف ہیں۔ خدا کو ترقی اور کامیابی نصیب کرے۔ میں نے علو الوع اس کی ترقی کے واسطے کوشش کرونگا۔

زبان کی سلاست، سادگی اور محبت ایسی چیزیں ہیں جنکو تین عرصہ سے ادب اردو کے لئے نہایت ضروری سمجھتا رہا ہوں اور جنہیں موجودہ زمانے کے کثر الہ کلم کے مضامین میں جو عموماً رسائل میں شائع ہوتے ہیں مغفوق داتا تھا اپنی لیاقت کے ظہور کی فضول کوشش، عوہی غازی کے غیر بالوں اور مشکل الفاظ کا استعمال اور اکثر غلط اور بجا استعمال۔ چر زبانوں شعوراً انگریزی کے محدود کتبائی زبان میں درست طور پر ادا کرنے کی ناقابلیت کے باعث فطری زجر یا خود ساختہ ترکیبوں پر انحصار و توجہ و تفرہ۔ اصلاح کا طریق صرف یہی ہو سکتا تھا کہ ایک رسالہ ایسا جاری کیا جائے جس میں ان غرض ایسے مضامین کو چھوڑ دیا جائے جو اس قسم کی غلطیوں سے پاک ہوں اور اس طرح سے سلیس اور مستند اردو لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ مآمنون نگاروں کو معقول معاوضہ دیا جائے تاکہ وہ جی ٹکا کر مضامین لکھیں اور اس کام کو کھنچ بیگاڑ دیکھیں اور ایڑیڑو کچھانے بھر کر کے مضامین شائع کرنے

میں محمود سلام اور قیدی دونوں قیامت ہیں۔

سید سجاد احمد صاحب بی۔ اے دلیک مصنف خیالات ان سابق

رہبر طراز مسلم یونیورسٹی علیگندھ :-

”ادبی دنیا“ دنیائے ادب کا نطووع جاننا شیدایان اردو کیلئے پیام مسرت لایا جو جس رسالے کے نگارن سر عبد القادر اور ایدہ طراز تاجد جلیطہ لب ہوں اس سے جس قدر امیدیں وابستہ ہوں کم ہیں۔ بسود جو کیا امیدیں ہوتی تھیں، پوہری فطر اللہ انصاف حبیبی کے ایل ایل بی۔ اے (انڈین یونیورسٹی) بار ایٹ لا ممسٹر جامعہ علیگندھ کو تسلیم :-

میں جہانگیر ادبی دنیا کے پہلے نمبروں سے اندازہ کر سکا ہوں لیکن دیکھتا ہوں کہ مجھ سے سارا المیری ان تمام آرزوؤں کو پورا کرنے والا ہوگا جو جمعیت سے اردو ادب کے متعلق میرے دل میں اٹھی رہی ہیں۔

خان صاحب میرے کرم بخش صاحب ایم۔ اے دلیک لکچریشن انشپک مہر صوبہ سرحد :- ادبی دنیا اردو زبان کی خاطر غنیمت ہے۔ اپنی نوعیت میں

میں لا جواب ہے۔ ادب نہایت مستند میرے خیال میں یہ نہایت مناسب ہوگا کہ آپ اس کی قیمت بڑھادیں تاکہ رسالہ پختہ مول پرکھراہ سکے۔

عرض حال

نوش آید

دو قسم کے تمبر جدا جدا چھپوانے میں بہت سی پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ اس لئے اس تمبر کے بعد سے عام تمبر کی اشاعت بند کی جاتی ہے۔ آئندہ جو خریداریں گے ان سے قسم خاص کے تمبر کی سالانہ قیمت چار روپے بارہ آنے وصول کی جائے گی۔ جو حضرات اس سے پہلے قسم عام کے تمبر کے خریدار بن چکے ہیں انہیں بھی آئندہ تمبر قسم خاص کا بھیجا جائے گا۔ اور ان سے کوئی اضافہ نہیں لیا جائے گا۔

ایضاً حضرت!

آپنی دنیا کے اکیڑوں کو اطلاع دیجائی ہے کہ بعض اکیڑوں کی تبلیغ اور بارہ سال کی سبب آئندہ سے یہ فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ صرف تین اکیڑوں کو پرچہ بھیجا جائے گا جو مطلوبہ پرچوں کی قیمت کیشن کا طرہ چنگی بھیج دیں گے۔

تصاویر

(۱) کلیو پٹرا۔ ایک فرانسیسی مصور جو شے واکروڈ کا شاہکار ہے، یہ اس وقت کی تصویر ہے جب کلیو پٹرا اپنی زندگی کشتی سے اتر کر ساحل اسکندریہ پر فرش ہوئی تھی اور بارگاہ حسن سے انٹونی کے نام حاضر تھے۔ کافران جاری ہوتا ہے تصویر ساحل میل کے مناظر کو اچھی طرح دکھایا گیا ہے۔ کلیو پٹرا کے سامنے مصر کی شراب کا بیانیہ کیا جا رہا ہے کہ انٹونی کے آگے قاتل نگاہیں اندھی خونریز ہو جائیں۔

(۲) مصور دوست م دولن تصویریں انگلستان کے مشہور ڈسٹ رس کسٹن کو خوش آمدید۔ لارن لینڈ کے حکم کار نامہ ہیں۔

(۳) زارلین اپنی جوی اور بچوں کے حلقے میں

(۴) تین کیکلر۔ دنیا کی ایک مشہور ترین عورت جو ادبی اور تہری ہے۔

(۵) ڈاکٹر خلیفہ عبدالعظیم صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ایچ۔ ڈی۔ دہلی کے پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن۔

(۶) مولانا محمد علی صاحب شوق قدوائی۔

تاجور

اس ماہ سے آپنی دنیا کے عمدا دارۃ میں دو قابل قدما اہل قلم کا اضافہ ہوا ہے۔

(۱) مولانا حامد انصاری ایڈیٹر اخبار مہاجر۔ ایک کامیاب اخبار نویس ہونے کے علاوہ جدید و قدیم عربی و فارسی ادبیات پر بہت وسیع نظر رکھتے ہیں۔ امید ہے کہ ان کی قوجہ سے ادبی دنیا کے صفحات مشرقی ادبیات کی درخشانیوں سے چمک اٹھیں گے۔

(۲) مشہور اناشاد پرواز پندت میلارام ونا جو اس صوبے کے بلند پایہ روزانہ اخباروں میں چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے ایک مدت سے کام کر رہے ہیں۔

قصاصات کی بلند و پاکیزہ اور دلنہیں دیکھ کر اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اردو شاعری مسلمانوں کی کوئی میراث نہیں ہے۔

ان کی ساتھ ملنے نظم کی ادبیات نشر نگاری، ان کا بے مثل ذوق تنقید، ان کی جدت آمیز اناشاد پروازی انہیں ملک کے ان چند چند قابل قدما اہل قلم میں شمار کرتی ہے جن پر اہل ملک اور ملکی ادب کو فخر ہو سکتا ہے۔

ریلوے بک مشال و دیگر کتب کی سیلے نہیں اطلاع دی ہے کہ ہماری کمپنی کسی ایسے پرچہ کی اجبسی لینے پر آمادہ نہیں جو عام و خاص دو قسم اور دو قیمتوں کا چھپایا جاتا ہو۔

دوسرے ہمارے بہت سے خریداروں نے اکیڑوں پر قسم خاص کے پرچوں کو دیکھ کر ہم سے مطالبہ کیا ہے کہ انہیں خاص پرچہ بھیجا جائے کہ اسے اور ایک دویہ زندہ خاص پرچہ کی سالانہ قیمت کا وصول کر لیا جائے۔

ان حالات کو پیش نظر رکھ کر ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ آئندہ سے قسم عام کی بجائے قسم خاص ہی کا پرچہ چھپوایا جائے گا۔ اس مرتبہ دونوں قسم کے پرچے چھپوانے کے لئے ہمیں تکرار سب کو عام و خاص پرچوں میں فرق کرنے کا موقع مل جائے۔

رسالے کا پانچواں نمبر صرف قسم خاص کا چھپوایا جائے گا کیونکہ

اسیئہ عالم

جنگ عظیم کی تصاویر

ڈاکٹر اے۔ وی سینٹ جارج، ایگزیکٹو ڈائریکٹر اور الٹ انچ طر نے اس کا مزید تجربہ کیا ہے جس کی بنا پر ان کا خیال ہے کہ ریڈیم کا اثر جسم پر ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے اور مرنے کے بعد بھی زہل نہیں ہوتا۔ چند سال کا عرصہ ہوا کہ انگریز (امریکہ کی ایک فیکٹری میں چند فوجانہ لوگیاں گھڑیوں کے ڈائل پر ریڈیم لگانے پر ملازم تھیں۔ ان میں ایک اطالوی لڑکی بھی تھی جس کی عادت تھی کہ برشل کی ٹونڈی بھی کبھی دانتوں میں بکڑ لیتی تھی۔ اس لڑکی کی عمر ۲۳ سال تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد اسے درد اعصاب کی شکایت شروع ہو گئی اور ڈاکٹر نے بتایا کہ اسے گھٹیا کی بیماری ہو گئی ہے۔ ۱۹۲۱ء میں اس کی حالت اور خراب ہو گئی اور کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ اسے شرمناک بیماریوں میں سے کسی بیماری کی شکایت ہے۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۲۲ء میں یہ لڑکی مر گئی۔ اس وقت اس کو سنہ سے خون بھی آتا تھا۔

اس کے بعد دیکھا گیا کہ فیکٹری کی دوسری لڑکیاں بھی ریڈیم کے اثرات سے بیمار ہو رہی ہیں۔ اور ان میں سے ایک دوم بھی گئی۔ پانچ سال کے بعد اس اطالوی لڑکی کے دو ٹائپو گراف کے لئے فز کسور کراس کی لاش نکالی گئی اور پورٹ مارٹن سے معلوم ہوا کہ اس کے جسم میں بھی ہنگ ریڈیم کے اثرات باقی ہیں یہ وراثت اس کے جسم کے ہر حصے مانفہ پاؤں۔ جگر۔ پھیپھڑوں۔ تلی اور دماغ میں موجود تھے۔ ایکٹر سکوپ اور فلوگرافی کے نشیون سے معلوم ہوا کہ ریڈیم کی ذہی مقدار اس کے جسم میں محفوظ ہے۔ جو اس کی زندگی میں موجود تھی۔

جذبات کا اثر قوت ماضیہ پر

بی تحقیقت ایک عرصہ سے مانی ہوئی ہے کہ شدید جذبات طاری ہونے کی حالت میں معدہ اور مثانے کی رطوبت خشک ہو جاتی ہے۔ اور ان کے ساتھ ہی قوت ماضیہ بھی کم کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ اب ڈاکٹر ڈبلیو۔ سی۔ الویز نے اپنے ذاتی تجربوں کی روشنی میں اس تمام طریق پر نظر ثانی کی ہے جو اس موضوع پر لکھا گیا ہے۔ ان کی رائے بھی یہی ہے۔ کہ جذبات طاری ہونے کے دوران میں بھوک پیاس سب

لنڈن میوزیم کو ایک بلینین سے میدان جنگ کی سات سو تصاویر کا مجموعہ دستیاب ہوا ہے۔ یہ تصاویر جرمنی کے جنگی بیڑے کے افسروں کی ملی ہوئی ہیں۔ اور ان میں انگریزی اور جرمنی کے جہازوں کو غرق ہوتا دکھایا گیا ہے۔

جنگ کے دوران میں کثیر تعداد جرمن فہر انڈر مینڈو کے کمرے رکھتے تھے اور جب وہ سمندر میں کوئی جہازہ بریا کرتے تھے تو اس واقعہ کی تصویریں لیتے تھے اس سے شاید ان کی غرض اپنی کارکردگی کے ثبوت پہنچانا تھا۔ یا وہ ان واقعات کی یادگار اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے ان تصاویر کو بڑا کرانے کے لئے اس بلینین کو مامور کر رکھا تھا۔ اسنے یہ خیال کرتے ہوئے کہ جنگ کے بعد تصاویر تاریخی لحاظ سے بہت اہم ہونگی۔ ان کی نقول اپنے پاس رکھیں لیکن ان ایام میں ان کا پوشیدہ رکھنا نہایت مشکل تھا۔ جرمنوں کے غنائی ہمدیکہ ڈاڈے نڈر مشور سے جاری تھا۔ اور جرمن سپاہی بے متوقع طور پر فغانہ تلاشیوں کرتے پھر رہے تھے۔ فوگرافر جانا تھا کہ اگر تصاویر میری دوکان سے پکڑی گئیں تو وہ بہت جلد اپنے ان ہم وطنوں سے جا ملیگا جو اس سے پہلے جرمن سپاہیوں کی نوریزی یا مصلحت اندیشی کا شکار ہو چکے۔ چنانچہ اس نے ان تصاویر کو دوکان کے نیچے کمرے کرکٹ میں چھپا دیا لیکن اس جگہ کو محفوظ نہ دیکھ کر ایک گورکھن کی منت و مساجت کر کے اپنے خاندان کے مقبرے میں انہیں دفن کر دیا۔ اختتام جنگ کے بعد اب انہیں اس مقام سے نکالا گیا ہے۔ اور اب ان تصاویر کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ انہیں لنڈن میوزیم میں رکھا گیا ہے۔

ریڈیم کا اثر موت کے بعد

ریڈیم کے ذرات جسم میں داخل ہوتے ہی اعصاب، خون اور ہڈیوں پر اشعاع کا تباہ کن اطاری ہوجاتا ہے۔ جسم کے تین اتر اکثر باشرکہ کے گئے ہیں اور ان میں کا ایک تجربہ بتاتا ہے کہ اس کے اجودہ کو کس احتیاط کے ساتھ استعمال کرنا چاہئے۔ حال میں

رٹک سے ایک طرف ہو کر ایک گڑھے میں جا پڑی ہے۔ پہلی بار معائنہ کرنے پر معلوم ہوا کہ موت کھوپری پھٹنے اور دماغ کو صدمہ پہنچنے کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔ لیکن پوسٹ مارٹم کے بعد معلوم ہوا کہ کھوپری پر چوٹ کا کوئی نشان نہیں۔ دماغ کو بھی کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔ اور خون کے فزات کی تبدیلی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ موت دل کی حرکت اچانک بند ہونے کی وجہ سے ہوئی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ جو دل کی اس بیماری سے جان بچتے ہوئے ہیں اکثر کرسی یا گاڑی میں سیدھے بیٹھے مر جاتے ہیں۔ اور اکثر قویوں پر قبضہ کے پاس بیٹھنے والے کو علم بھی نہیں ہوتا کہ موت کب واقع ہوئی ہے۔

مجھڑ اور مویشی

پورٹوگو رامرک میں طبیب کے اندر اسکے لئے جو حکمتا پر کیا گیا جو اس نے حال میں بہت سے تجربے اس کے اسباب دریافت کرنے کے لئے کئے ہیں۔ ان میں ایک دلپ تجزیہ یہ ہے کہ طیر یا کچھ انسان کی خون کی نسبت دیگر جانوروں کا خون بہت پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ دیکھا گیا کہ ایک مکان میں جہاں گھوڑے بھی باندھ رکھے تھے۔ آدھوں کو بہت کچھ دیا گیا تھا۔ اور ان کا جو جم گھوڑوں کے گدھی رہا۔ لیکن جب گھوڑوں کو اس مکان سے نکال لیا گیا۔ وہ فوراً آدھوں پر ٹوٹ پڑے۔

ایک اور یوچین ڈاکٹر نے بھی کافی تحقیق اور تجربوں کے بعد حکمہ زراعت کی سالانہ رپورٹ میں لکھا ہے۔

مجھڑ انسان کی نسبت جانوروں میں بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ کچھ جانوروں کے خون پر بدوش پالتے ہیں۔ ان کی تنواری زیادہ تر آفوضیہ ہوتی ہے۔ اگر بھینسوں کو باہر کھلی جڑیں دیا جائے تو وہ مکان کے اندر جا کر جہاں اس قدر اہیں ہوتی انسان کی خون پیتا ہے۔ اور اگر ان کو مکان کے ساتھ ہی ایسی جگہ باندھا جائے جہاں وہ نہ ہو تو ان میں مجھڑوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

ط
ایڈیٹر

بند ہو جاتی ہے اور معدہ غذا قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ اور بھوک کا انحصار جقد جسمانی ندرت کی پر ہے۔ اسی قدر ذہنی حالت پر ہے۔

ڈاکٹر اورین مشورہ دیتا ہے کہ جب تک جذبات کی آندھی اتر نہ جائے۔ اور طبیعت کی کسل مندی دور ہو کر ایک سکون حاصل نہ ہو جائے کھانا پینا ملتوی رکھنا چاہئے۔ کیونکہ جب اطمینان ہو معدہ اور آنتیں اس طبیعت کو خارج کرنی ہوں جس پر غذا کے ہضم ہونے کا انحصار ہے۔ اور امعا میں۔ اور ہر کی طرف ایک خاص حرکت شروع ہو جاتی ہے۔ جس حالت میں یہ حرکت نہ ہو کہ شش کرنی چاہئے کرفعال کو کسی اور طرف لگا با جائے اور ایسی غذا پیش کی جائے جو رنگ و بو کے لحاظ سے اپنے اندر ایک کشش رکھتی ہو۔

اس کے برعکس جب جذبات پیدا ہو رہے ہوں اور ناتوں کی حرکت بند ہو کر معدہ کی طبیعت خشک ہونے والی ہو فوراً کچھ کھا لینا چاہئے۔ تاکہ معدہ اور امعا صدف کار ہو کر جذبات کو طاری نہ ہونے دیں۔ اگر بڑی زبان کے اس مقولے کی بنا کہ آرام کا ایک لغز ہے آرامی کی ضیافت سے بہتر ہے۔ اسی انسان کی تجربہ پر ہے۔ ہماری زبان میں ”بھوکے شیر“ کی کہاوت اس امر کو دیکھ کر بنا تی گئی ہے کہ بھوک کی حالت میں غصے کا جذبہ نہایت شدت سے طاری ہوتا ہے۔

موٹر سے اچانک موت

اخباروں میں موٹر ڈرائیوروں کی اچانک موت کے واقعات اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ڈرائیور نہایت اچھی جماتی حالت میں ہوتا ہے۔ اور رٹک کے کنارے موٹر میں مردہ پایا جاتا ہے۔ اکثر بار موٹر دھکتی ہوئی کسی گھاٹی یا دریا میں جا پڑتی ہے۔ شکار گاہ (کریم) کے ایک اخبار نے اپنی ایک تازہ اشاعت میں ایسے تین واقعات شائع کئے ہیں۔ پہلا واقعہ ایک ۵۵ سالہ شخص کا ہے وہ موٹر لائے جا رہا تھا۔ کہ دیکھا گیا موٹر فوراً روکھتی ہوئی پستی میں جا کر ر۔ پوسٹ مارٹم سے معلوم ہوا کہ موت موٹر روانہ ہونے سے پہلے دل کی حرکت بند ہو جانے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ ہر چند خون کھوپری کے نیچے موجود تھا۔ لیکن سر کو صدمہ آنے اور ہڈی ٹوٹنے کا کوئی نشان نہ تھا۔

دوسری مثال ایک ایسے شخص کی ہے جس کی عمر ۶۷ سال تھی وہ ایک مجنن رٹک پر موٹر لے چلا جا رہا تھا۔ جو لوگ موٹر کے پیچھے آ رہے تھے انہوں نے دیکھا کہ وہ بل کھا کر جانے لگی ہے اور آخر

میں بہری ہوں لیکن سننتی ہوں

وہ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ مجھ پر فطرت کے دھواڑے بند ہیں جن کی اس شاداب دنیا کا نقصان بھی نہیں کر سکتے۔ جو میرے لئے سوچنے اور سمجھنے کی قوتوں نے آباد کر رکھی ہے۔ لیکن میں آفتاب، شبنم، شبنم ہری ہری گھاس اور جھاڑیوں پر شبنم سحر کے چھینٹوں۔ شام کے سکوت اور فطرت کی دوسری دلہریوں فزن کی دلکش جھاڑیوں اور زمین چمنستانوں میں دلہریاں بارش گل سب کو دیکھتی ہیں۔

نرم جنوبی نسیم کا خیال آتا ہے۔ بلکہ اردوانی جو میری معدن کا دلہندہ رنگ تھا میرے دل میں ان چروں کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ جن سے میں نے محبت کی ہے اور انہیں سو سے دے ہیں۔

میرے نزدیک سورخ رنگ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سورخ تو وہ ہے جو صحت مند جسم کے گرم خون میں نظر آتا ہے اور دوسرا سورخ آتش افروز اور نفرت و حقارت کا رنگ ہے۔ میں پہلے سورخ رنگ کو اس کی بلان پروری کے باعث بہت پسند کرتی ہوں۔ اسی طرح بادامی رنگ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک زمین کے رنگ کا زندگی بخش گہرا اور دوستانہ حوصلہ پرلے دھتوں کے گرم خوردہ تنوں یا سونے ہوئے ڈبلے ہاتھوں کا سا۔

نارنجی رنگ سے میرے دل میں خوشی اور مسرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی کچھ وجہ یہی ہے کہ یہ دوسرے دلہریاں رنگوں سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ زرد رنگ میرے لئے کثرت و فراوانی کا نشاں ہے۔ اور اسے دیکھ کر میرے دل میں فوراً آفتاب کی لہریں اُپنی ہوئی گزروں کا تصور آ جاتا ہے۔ یہ نہایت زندگی بخش اور امید افزا ہے اور نرم و نرم رنگ سر یا شادابی ہے۔ سورج کی گرم کرؤں سے مجھے ایسی خوشبو آتی ہے جس سے ذہن فوراً سورخ رنگ کی طرح چلا جاتا ہے۔ اور ٹھنڈک سے ایسی محسوس ہوتی ہے گویا میں سرسبز روئیدگی کے درمیان کھڑی ہوں۔

اور سیاہ! سیاہ ناکامی اور بامی کی علامت ہے۔ لیکن مجھ اور کا دھوؤں کے گرد پلٹے ہوئے شال کی مانند ہے۔ سفید کے پھنے اور اور سرخ فزائی کے جن۔

پلکے نیلگوں رنگ سے امید اور گرمے نیلگوں سے تشعل اورادہ

میں اندھی ہوں لیکن بچھتی ہوں

لوگ اس امر پر اکثر اظہارِ کوب کرتے ہیں کہ میں ایک اندھی اور بیری عورت ہونے کے باوجود فطری مناظر اور باغ و بہار کی دلچسپیوں کا لطف اُٹھاتی مسرت کے ساتھ اُٹھاتی ہوں۔ ان کا خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی بیش تر چیزیں دلہریاں ہیں۔ میرے سر پر جو اس کے احساس سے قطعاً باہر ہیں لیکن لذت لے کر بھرا کر کاٹھ لٹختے نہایت نمایاں دکھائے۔ اور زمین کے لطیف اور دلکش نشانات سے قوت ساتھ اُفقت باصرہ کی بجائے دیگر روشوں سے مجھ تک پہنچ جاتے ہیں۔ ڈبلیو۔ ایچ۔ ہنس کا قول ہے۔

”جو ہم دیکھتے ہیں محسوس کرتے ہیں“

لیکن میری حالت اس کے برعکس ہے۔ جو میں محسوس کرتی ہوں۔ میں بچھتی ہوں۔

وہ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ مجھ پر فطرت کے دھواڑے بند ہیں۔ جن کی اس شاداب دنیا کا نقصان بھی نہیں کر سکتے۔ جو میرے لئے سوچنے اور سمجھنے کی قوتوں نے آباد کر رکھی ہے۔ لیکن میں آفتاب اور شبنم ہری ہری گھاس اور جھاڑیوں پر شبنم سحر کے چھینٹوں۔ شام کے سکوت اور فطرت کی دوسری دلہریوں فزن کی دلکش جھاڑیوں اور زمین چمنستانوں میں دلہریاں بارش گل سب کو دیکھتی ہوں۔

میرے پینے کے لئے بل کھاتی ہوئی ندیوں کا شغاف اور لذت پانی ہے۔ میں نہری سبب اکٹھے کرتی ہوں اور مجھے شاہ بلوط کی ان کھنٹی ہوئی نازک شاخوں کا بھی احساس ہے جو ہوا میں قص کرتی ہیں۔ میں جھینے جھینے رنگوں کو بھی دیکھتی ہوں۔ میرے نزدیک رنگوں کا میلندہ معیار ہے۔ میں اُسے بیان کرنے کی کوشش کر دوں گی۔

پلکے گلابی رنگ سے میرے دل میں کسی بچے کے رخسار یا نرم

اور دلاویزی کی بھی نعم نہیں ہوتی۔

بے بصر ہونے کی وجہ سے میں کوئی دنیا سے زلی نہیں ہوں۔
شائد یہ امر ان عناصر سے میرے محبت کو اور بھی شدید کر دیتا ہے۔
جو نہایت حیران کن طور پر میری روح کے قریب معلوم ہوئے ہیں۔
پانی جو مختلف پتلو بدلتا۔ زندگی کے دم بہرتا۔ حدود توڑتا اور ایک
مضبوط ارادہ لئے ہوئے سمندر کی آزادی سے ہنگامہ ہونے جاتا
ہے۔ میرے پروردہ احساس کو سکون بخشتا ہے کیونکہ وہ روح کی مخفی
آرزوؤں کا ہم آہنگ ہوتا ہے

پانی کی قوت لا ماسہ کے لئے سرگرم ایک قسم کا نہایت گراؤ پرستی پیدا
کرنے والا احساس مہیا کر دیتا ہے۔ ایک جھیل کے کنارے کنارے سے
پھٹے پاؤں چلا کر دیتا ہے۔ پانی کے پھٹنے سے ہونے والی سبز کافی سے بعض
ہوئی چٹان سے پانی کے پھٹنے سے ہونے والی ستاروں سے نغمہ دینا لگا
کی مانند لگتی ہوئی ندیوں۔ شور آگیز آبشاروں۔ دھماکے سے پھٹتی
ہوئی دراوڑوں اور خاموش پرسکون اور نیکشہ سینے ہوئے دریاؤں
اور اس کے دیگر مناظر کی بے شمار تصاویر کے کراہنے دماغ کے تصویر
خانے میں رکھی ہیں۔

لیکن یہ محبت آمیز عذبات سمندر سے میرے دل میں پیدا نہیں ہوتے۔
اس کی وسعت اکثر اوقات بے رحم طور پر اس افرا ہوتی ہے۔ یہ
وسعت آفتاب کی فیاضانہ حرارت یا فضا کی اس غیر محدود لیکن
آشنا چھوٹی کی سی وسعت نہیں جو میرے گرد اس مسرت آمیز قوت
سے جلتے ہوئے ہے گویا کہ میں ان عناصر کے پہلو میں ایک دھت
ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ تارکی اور خاموشی کے سمندر سے مسلسل طور پر
مانوس ہونے نے میرے سمندر کے اصلی احساس پر کچھ رنگ چڑھا
دیا ہو۔ جس طرح میں متحرک حسن یا آفتاب میں بیگمنا ہونے سے مصفا
پانی کے تالاب کے کنارے کھڑی ہو کر سانس لیتی ہوں اسی طرح
میں اپنی روح کے دل کو بے بصری کی ہمیت ناک فضا کی بجائے
انسانی آنکھ کی ظلمت دباؤ سے آباد کرنا چاہتی ہوں نیز بھلائیوں
کی بیدار طاقت کا بازو اور رنگ تصور کرتے ہوئے اکتا جاتی ہوں اور
پرسکون دلوں میں میں اس امر کے احساس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔
کہ ہر جسم جو جس سکون کے ساتھ بے شمار جہازوں اور انسانوں کو
تباہ و برباد ہوتے دیکھتا ہو گا۔ اور وہی بات ہے جس سے دم
گھونٹنے والی خاموشی کا احساس ہوتا ہے۔

زندہ دلی اور سمندر کے عظیماد مقابلے کے ایسے لمحے بھی ہوتے

اسی طرح حرکت فطرت کی دیہشت قوتوں کو نمایاں کر دیتی ہے اور
ہوا زمین کی جان ہے۔ میرے خیال میں یہ درخشاں ترین مناظر کو اور
دشمن اور حسرتناک نظاروں کو نمودار کر دیتی ہے۔ یہ خیال ہے۔ کہ
دشمن۔ لہذا نے کھیتوں اور سمندروں کا حسن حرکت کی وجہ سے ہی ہے
جب میں ہوا کو شاید فطرت کی سبز گھاس کی کھلیں پریشان کرتے یا
پتوں کی دنیا میں اپنے بازو پھریڑا دے دیکھتی ہوں۔ میری انگلیاں
کاٹنے لگتی ہیں۔ یہ غیر مرئی ستیر اور لا محدود حقوق جو دور دور سمندوں
اور میدانوں پر بے غامائل بھرتی ہے۔ نشوونما اور ابدیت کا نشان ہے
یہ میری حس لا ماسہ کے لئے وہی رہتہ رکھتی ہے جو افاق آنکھوں کے لئے
ہے۔ اس سے مجھے لا محدود غلامی کا نشان اور بلندی کا احساس ہوتا
ہے۔ ہوا ان مسرتوں۔ آرزوؤں اور امیدوں کا نشان ہے جس سے
خدا کی روح میرے دل کی زندگی کو روشن اور نور رکھتی ہے۔

ذاتی آزادی کا انتہائی مل نہایت بخش احساس مجھے اس وقت ہوتا
ہے جب میں اپنے تئیں ہوا کا جزو محسوس کرتی ہوں۔ یہ احساس مجھے
پہلی بار اس وقت ہوا جب کیلے فوٹوٹاں (Dance) کے
نغم میں کام کرتے ہوئے مجھے ہوائی جہاز میں پرواز کرنے کا اتفاق
ہوا۔ جب میں اڑتے ہوئے گرد و غبار۔ لہذا نے ہوئے انگور تالوں
تیز خوشبو اور لپکھٹنے کے درختوں کے پاس سے ہوتی ہوئی ہوائی
کو ہزاروں کی بلند چوٹیوں پر اڑ رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ نہایت
اور بالائی فضا میں سے نمایاں فرق یہ ہے کہ بلندی کے ساتھ ساتھ
ممک کم ہوتی جاتی ہے۔ جب ہم ہوا کے دوش بدوش جا رہے ہوتے ہیں
ارغونوں کی مومکتی سمندروں کی لہروں کا شور اور دھڑکے پہاڑوں
اور لا محدود میدانوں میں ہوا کے فراتے سن رہی تھی۔ جہاز فضا میں
گمنا اور اٹھنا۔ میرے لذت آفرین خیالات میں بھی زیروں پیدا ہو
جاتا اور مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں دیوتاؤں کے قصص کو محسوس
کر رہی ہوں۔

کیا ہمیں سے بے حس ترین لوگ بھی پانی سے محبت نہیں کرتے؟
کیا یہ مہاسے لئے بمنزل ایک دوست کی محبت بھری آواز کے نہیں
ہے؟ آفتاب ہر صبح اور ہر سال بالائے سرگمنا ہے لیکن ہم اس
سے کبھی نہیں اگرتے۔ یہ کہنا۔ ”سورج جگ رہا ہے“ نہایت ستر
بخش ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی جیسا کہ میں کئی بار کہہ چکی ہوں ”یہ پانی ہے“
نہایت دلکش ہے۔ یہ خدا کی ان بہترین نعمتوں میں سے ہے جنہیں
میں جانتی ہوں آفتاب اور پانی! ————— ان کی ولعری

زندگی کی صحیح تفہیم کر لیا جاسکتا ہے۔ اماں بھی چشتیوں کے مشاغل کو بہت پسند کرتی تھیں، اماں کو پھولوں سے زیادہ کی چیز سے محبت تھی۔ اور پرندوں سے بھی اسے اس قدر بی محبت تھی جقدر کہ خوش رہنا۔ پھولوں سے۔ وہ درختوں میں اپنے گھر کے نزدیک ایک ٹھکانے سے اس کی لکھی پرندوں کی محفل میں لہر کر رہتی تھیں اور نہایت دلچسپی سے انہیں آشنایاں توہیر کرتے۔ بچوں کو داد دیکھاتے اور انہیں اڑنا سکھاتے کچھنی تھیں۔

میں نے ملک کے طول و عرض میں تا ہی سفر کیا ہے لیکن میں نے اپنے آپ کو شہروں کی اجنبیت سے کبھی مانوس نہیں پایا۔ ماں جہاں جھلکی کی کھلی بات چیت ہے وہاں میرے دل کو ایک عجیب اطمینان محسوس ہوتا ہے۔ بہار و خزاں، سرسبز چرچا ہوں، ندیوں اور پہاڑاتے ہونے کھیتوں کے اس پار سے میرے لئے دلچسپ پیام لاتے ہیں۔ میں خدا کی آزادی اور آزاد زندگی کے لغتوں کو طرف محسوس کرتی ہوں۔ لیکن ان پرستوں اور وسیع حسیات کا لطف کا کڑوں اور نوروں کی بیٹی با شہر کے بلند ہوٹلوں اور تنگ و تاریک گلیوں میں اٹھانا ناممکن ہے۔ میں اپنے تئیں ہوٹلوں کی زندگی کا کچھ بھی عادی نہیں بناسکتی۔ وہاں کا اضع آمیز لطف میرے دل کو بیز ار کر دیتی ہے۔ وہاں ایسے باغات نہیں ملکتے جہاں میں تنہائی میں بیٹھ کر اور شاندار آرام کی مسرت کو محسوس کر سکیں۔ اس وقت میں کبھی آزادی کے فقدان کو نہایت اہم ناک طور پر محسوس کرتی ہوں دلچسپ میں زیادہ ہی میں کھیل رہی ہوں جے بیشتر نفس کے لئے نہایت تکلیف دہ تجربہ کا وہ تمام بے اہم آزمائشیں کرتی ہوں۔ اور ان کی تعداد کچھ کم نہیں ہے۔ سیر کا خوب لطف اٹھاتے ہیں میرے لئے بھی یہ ایک دلخیز شے تفریح ہے لیکن شہر کے دل میں اس کا کبھی لطف نہیں اٹھاسکتے جہاں یہ دل چلنے والوں کا جہم۔ کچھ ڈپوں اور ٹرولر کا شور و ایل کے راستوں کی گھنٹا گھنٹ میرے حواس کو گھبرا دیتی ہے اور ان پر انسانی بدحواسی طاری کر دیتی ہے۔ کچھ ہر وقت ہوں محسوس ہوتا ہے کہ شور و شلوں کا ایک عظیم نشان پھیلنا غضبناک مگر میری طرف بڑھا چلا آتا ہے گویا وہ میرے جسم کو فنا کر دیکھا۔ اگر ایک توپ میں گولہ بھر کر اس کا دانہ میری طرف کر لیا جائے تو یہ خیال ہے مجھ پر کسی لہر زہ خیر ہیبت طاری ہو گی۔ وہ بات میں میرے دل کو گونہ اطمینان ہوتا ہے۔ بچہ ہر اس چیز میں جو میرے پاؤں سے جھوٹی ہے کہ کبھی نہ کسی محسوس ہوتی ہے۔ بارغ میں خواہ میں کسی وقت جاؤں، خشک اور بارشوں صبح جو جب مشرق کی طرف آفتاب کے سنہری دروازے کھول دے طے

ہیں جب میں اس پر تیری یا اس کی موجوں میں کود پڑتی ہوں۔ میرے لئے بے غرض شکر کی سے قدم اٹھا کر تیرا دل دنیا کو اپنے سامنے سے بھاگتے اور شکست کھاتے ہوئے محسوس کرنا نہایت اطمینان بخش ہے مجھ میں دیکھ کر میرا دل اچھلتا ہے۔ جب میں ان کو غضبناک ہونے کے اپنے جسم سے پھیراٹے مارنے اور تیرے بدسلوکی محسوس کرتی ہوں۔ میرے جسم کی تمام سطح کا خون کاٹا ہے۔ سمندری بلیوں کو لہرائے اور ابھرتے ہوئے دیکھنا کھونکھوں۔ سپیوں اور کوربوں کا پاؤں سے جھوٹا اور ہلچو یہ خیال کرنا کہ دوسری لہر مجھے اس خوفناک رات سے دور لجا دے۔ ایک عجیب قسم کا احساس پیدا کرتا ہے۔

جب میں پہلے پہل دنیا کے آبشار کو دیکھنے لگی۔ بہت کم غور کی تھی۔ میں ڈاکٹر الیگزینڈر گریم مل کے ساتھ چوٹی پر قعر کے کنارے تیراں کڑی تھی اور آبشار کی دنیا کو بلا دیتے والی گونج میرے جسم کے ذریعے دوسرے میں گھرا رہی تھی۔ اس منظر کی ہزاروں دلچسپیاں ہماری روح کو اس پر غور و شک کی طرف لے جاتی تھیں جہاں سے بادلوں کی مانند موجیں لہتی چوٹی پہنچا کر اٹھ کر یہیں چھپا لیتی تھی۔ کیا یہ قدرت اپنی تمام تر شان و شوکت اور زبردست قوت کا مظاہرہ کر رہی ہے یہاں اس میں مختلف تنوع و صفات پائے جاتے ہیں۔ وہ دنیا کا دغا باز، دلدار، تشکیلوں کی طرح نرم و خوشوار جیڑے کے مانند وحشی ہے۔ اور اپنی گرائی کو کوس تفریح کی چھوڑ سے چھپا رکھتی ہے۔ ہم نے تجاہل معلوم کرنے اور سرگم کر کے ہوئے پانی کو مختلف مقامات سے دیکھنے میں کئی گھنٹہ صرف کئے۔ ہم ایک عجیب قسم کے جھولے میں کار ہو کر بیٹھے اترے۔ میں نے محسوس کیا کہ میں شور کے ایک سمندر میں غرق ہوں۔ گویا میری دنیا کے گرد گردوں گھوڑے دوڑ رہے ہیں جن کے نقشوں سے مجھے زور شور سے جھاک اٹھ رہے ہیں۔ میں نے پانی کو برف کے گرتے ہوئے آدوں منجمد ندیوں چشموں کی چھاروں۔ سمند کی موجوں اور دوسری بہت سی صورتوں میں محسوس کیا ہے لیکن پانی کا بیخودان اچھی میرے تصور میں بھی نہ آیا تھا۔

جب میں سوچتی ہوں کہ قدرت کی زبان میرے لئے کس قدر واضح ہے۔ میں اپنی معجزہ منہجی کے متعلق مضمونیت اور شکر گزاری کے جذبات محسوس کرتے ہیں کہ میں جس نے میری ہر عبادت اور تربیت اس طول میں کی جس نے میرے دل میں زمین کے دلکش مناظر، سمندر اور ہوا کی جذباتی محبت پیدا کر دی۔ یہ صرف اس کی ہی ہستی تھی جس نے زمین کے مکتب اور آسمانوں کی لہریں میں مجھے وہ حقیقی تعلیم دی جسکو آئیں

ہیں اوسے سرسراگئی شاخوں میں پرندوں کو ان کی زندگی کا احساس کرتے ہیں یا وہ پرکار وقت جو بخت زندگی کے پھر پرے اڑائے جاتے ہیں۔ اور سورج کی لکڑی دنیا کی ہر شے پر ایک شاندار منع رکھتی ہے۔ شام کا سحر پاش سکوت جو بخت سامنے چپ چاپ میرے سامنے پھیل جانے میں پرندے پر سیٹ لیتے ہیں اور گھاس کی تاریکی میں جلیوں اپنی پیشانی تھمیں روشن کرتے ہیں۔ میں ایک لاجوردی دستر سے معور ہو جاتی ہوں۔ اور میز دل اس خالق کی تعریف کے گیت کا تہ ہے جس نے مکان اور زمان کی دنیا میں میرے لئے یہ مختصری جگہ بنائی۔ اور میرے تاریک لمحوں کی تسبیح کے لئے پھولوں کو پیدا کیا ہے۔ میں ہر موسم میں اپنے باغ کی نفا کا لطف اٹھاتی ہوں۔ سرد یا بھی اپنی اپنے دلہیز سیب اور دلچپ مشاغل سے میرے لئے سامان تفریح مہیا کر دیتی ہیں۔ جب میں باغ کی روشنی پر خوشی سے معور ہو کر چلتی ہوں ہوشاؤں کو ہلا کر گھج پھل کی شکر کی بارش کرتی ہے۔ میں چند چن چنٹ کے دھنوں کے بعد دھن سے آواز کو بھونک دیتوں اور پھولوں کو پھولوں کیوں کھدا کی صندت گئی کہ اس شاہکار کو کھسک کر وہیں کس کو اس نے ہوا اور برف کے انوکھے اوزاروں سے تعریف کیا ہے۔ اسس پختہ راستے پر چلتے چلتے تو راتیں طرف کو گڑھا جاتیں ہوا گڑھوں کے کچھ میں پھنکنی ہوں۔ لیکن جب برف ڈگر ماری ہوئی ہے باغ کے تمام راستوں کے نشان مٹ جاتے ہیں۔ میرے پاؤں باغ کے تمام فرش کو ہوا محسوس کرتے ہیں۔ میں راستہ بالکل بھول جاتی ہوں۔ اور اندھا دھند راستے کی تلاش میں پھنکنی ہوں اور بھٹو کر کھاتی اپنی بے لعلی پر ہنسنی۔ باؤں گھج پھل جاتی ہوں جہاں سے روشنی شروع ہوتی ہے۔

جب وقت کا ہاتھ کتاب قدرت کے اور ان الٹ کر حوں کا معرہ نکالتا ہے۔ میں اپنا ہر کام خواہ کچھ ہی ہو چھوڑ کر خوشی کی مملکت میں داخل ہوتی ہوں۔ اس وقت فطرت کی بارگاہ میں ہمارے پھول نذر رکھتے جاتے ہیں۔ اور ہر آنے والا دن حسن کی اس مناسبت گاہ میں حسن کے اچھوتے نمونوں کا اضافہ کرتا ہے۔ جون کے ایام میں سدا ہار سیلوں کا چمکنا جو میرے باغ کے چاروں طرف بکھینچا ہے۔ طلحہ عطا رہتا ہوتا ہے۔ سدا ہار اور میلائی گھاس کی خوشبو سون اور لالہ کی جھنی جھنی نمک سے ہم آغوش ہوتی ہے۔ بچکار اور خوش رنگ پھول میرے پہلو پہلو پہلو چلتے اور اپنے پیارے پیارے چہرے اٹھا کر مجھے دیکھتے ہیں۔ جہاں گھاس زیادہ نرم ہوئی ہے نقشہ اپنی نیلگوں میں کھول کر جراتی سے میرا منہ ہنستی ہے۔ میں وادی کے غنچہ اور سوسن

کے پھولوں کو خواب آلود پھول کہتی ہوں کیونکہ وہ ہمیشہ خواب کے چمنستان میں کھلتے ہیں۔ سدا ہار کی باؤں پر شہد کی کھیلوں کے جھتے قطار در قطار لگے ہوئے ہیں اور اس طرف سے آنے والی نسیم انکی دلہیز بہ خوشبو میں بسی ہوئی ہے۔ یا ہمیں کی سیلین اپنی تیلی تیلی نازک شاخیں مجھ سے بغلیں ہونے کے لئے آگے بڑھاتی ہیں۔ لیکن جب میں گزرنے کے لئے انہیں ایک طرف جھٹک دیتی ہوں تو اس کے نازک پھولوں کی ہماروٹھنے والی گستاخ اور بے ادب لمبیاں دھوپ میں پھنکتی ہوئی منتشر ہو جاتی ہیں۔ ایک قسم کے حسین اور طویل پھولوں کے پودے جو جہاں اور جرمی سے لائے گئے ہیں اس روش کی دلوں جانب اپنے خاص قزح کے سے رنگوں کی ہمار کھاتے ہیں جو ان کے گلابی مکان کے گرد ایک لیشی ڈو سے کی مانند ہند کی ہے۔ باغ کے ایک گوشے میں سفید پھول درختوں کا ایک بچھاڑ ہے۔ جون میں اس کی شاخیں سن فطرت اور خوشبو سے لد جاتی ہیں اس حسن فطرت اور خوشبو سے جس کو آجک کوئی شاعر الفاظ کا جامہ نہیں پہنا سکا۔ اگرچہ میں پھولوں میں ماسکتی میں تو میری روح اس پھول کو زیادہ پسند کر لی۔

مئی کے سارے مہینے اور جون کے اوّلین ایام میں گل لگا کر تیشیں طوفان وادی اور بزمہ زار کو ہوا چاٹ لیتا ہے۔ درمیان میں کہیں کہیں ٹرکس اور نیلوفر کے ٹکڑے بھی نظر آتے ہیں لیکن میں ہاتھ بڑھا کر سون کا پھول بھی توڑ سکتی ہوں۔ آہ ہجرت جراتی پھیل اپنے ناز و دل کو زندگی بخش کر کرتی ہے میرے اس باغ عدل پر اپنا تسلط جما چکی ہے۔ کچھ عرصہ بڑا دو مہمان آکر ایک سفید پھولوں اور شگوفوں سے لدے ہوئے درخت پر بیٹھ گئے۔ وہ ان درختوں میں سے ہے۔ جو میرے باغ کے ارد گرد لگے ہوئے ہیں۔ صبح شام جب میں اس کے پائوں سے بادیا گزرتی ہوں میں اس کی شاخوں کو پھونکتی ہوں۔ وہ دفن مہمان یعنی چنڈروں اب اس وقت پر امانت مند رہیں ہیں۔ وہ زندگی کے کاہل میں نہایت توجہ سے منہمک رہتے ہیں اور میرا خیال ہے اب مجھ سے خائف نہیں ہیں۔

شروع شروع میں جب میں شاخوں کو پھونکتی تھی وہ اٹھ کر کسی قریب کے درخت پر جا بیٹھتے تھے اور میں محسوس کرتی تھی کہ وہ نہایت توجہ سے مجھے دیکھتے ہیں۔ میں ان کے لئے دانہ لے گئی اور انہیں اپنے ناموزوں انسانی طریقے پر بتانے کی کوشش کی کہ میں ان کی دوستی میں معلوم ہوتا ہے وہ بھی اس بات کو سمجھ گئے۔ کیونکہ وہ اپنے انسانی

معلوم ہے میرے دل پر کیا گزیر رہی ہے۔ اس تردد میں ہوں کہ باہر جاؤں یا یہاں ہوں بالآخر اس نے ہمت سے اپنے بازو پھیلائے اور بادل ناخوشانہ تازہ اور مٹی ہوئی فضا میں چلا گیا۔ اس کے بعد میں نے سسکا پھر کبھی نہیں دیکھا۔

آہ جب میری روح دنیا کے آشکرات سے غموم ہوئی ہے میں سدا بہار کی روش پر تکی ہوں اور اس سے میری روح کو بہت تسکین ہوئی ہے۔ میں اس پھل کی مانند محسوس کرتی ہوں جو رات بھر کا پالا برواشت کرنے کے بعد صبح کے وقت اپنا سراٹھاتا اور آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔ اور جب میں سبز پوش دوستوں کے حلقے میں پھرتی ہوں مجھے محسوس ہوتا ہے کہ زمین کی تاریکی میں چڑوں کا گیت سن رہی ہوں۔ وہ اپنے اس دلغیب شاہکار کو سمجھ نہیں دیکھتیں جس کی آغوش و مار وہ زمین کی سطح کے اوپر کرتی ہیں۔ وہ زمین کی تاریک گلیوں میں غمی رہتی ہیں۔ لیکن ان سے نور کے پھول کھلتے ہیں۔ وہ ذلیل اور حقیر ہیں لیکن پھول اور شاہکار پیدا کرنے کی قوت رکھتی ہیں۔

میں جنکل میں گھاس پر پناہ جیہ کہ کھنٹی غمی خدق کی رفتار محسوس کرتی ہوں۔ مجھے ان تاریک راستوں سے محبت ہے جن سے سہرا اور نکل گھاس کی نورانی ہے۔ مجھے وہ تنگ گھاٹیاں اور وادیوں پسند ہیں جن سے درخت اور جھاڑیاں مجھے سادہ چلنے والے جھوٹے ہیں۔ میں جھوٹے سے پہلے پکڑے ہو کر اس ندی کے گیت سننا پسند کرتی ہوں جس کی سطح پر کچھ سے پتے ہیں۔ ساکن اور شگمگ صم کے ساتھ میں لاکھوں اور کروڑوں آواز پرستی ہو رہی ہیں۔ میں بنیادی عمل متلاطم ہوں اور گھاس کا سر سرایا۔ شاخوں کا اس وقت کا لچکا جب کوئی پرندہ اُگیا پر بیٹھا دو طرفہ لکھن سے تنکوں کا کسی شے سے جھٹکے کے لوجھ سے لوان اور سر کرناؤں کے چروں کا ہوا میں چڑھتا پھرتا۔ میں ان سب آوازوں کو سنتی ہوں۔

اکثر اوقات جب گھم میں سب سوئے ہوتے ہیں میں غامضی سے پر سکون اور دھندلے باغ میں جہاں سبز اور گلاب کے پھول جھونپو اُگ رہے ہوتے ہیں جاتی ہوں۔ میں صبح صادق کے دلفریب دھندلے میں پھولوں کے سایوں کے پاس کھڑی ہو کر دنیا کی پیدائش کا انتظار کرتی ہوں۔ زمین کا سینہ بغض سے پر برگ پودوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ آسمان پر اچھلا چھٹا ہوا ہے۔ میں سراٹھاکر اپنے عاشق آفتاب کو اس کے حسین چہرے کے ساتھ نفرتی اور دھندلے سمندر پر طلوع ہوتے ہوئے سمجھتی ہوں۔ اور اس سے نئے سمندر آغوش ہوتی ہوں کی تمنا اور امید

حقیقت نامی

دہشیدہ کیلر

ہاں آگئے۔ اور پھر اس طرف تو میری کہیں کیا کہیں ہوں۔ اس کے بعد میں اپنے دلوں پناہ شاخوں پر کھکھکبت عرصہ کھڑی رہتی اور اکثر غصہ ہوں اور نازک شاخوں کو اپنے ہاتھوں پر جھٹکے محسوس کرتی۔ ایک بار میں نے اپنے ہاتھوں کے بہت قریب کچھ حرکت کی محسوس کی۔ اور چند دن بعد ایک شے سے پیچھے کو اپنی پہلی پریشانی لینے دیکھا۔ اب نرمجابت اطمینان سے میرے ہاتھ پر آکر کھینچا جاتا اور ہر دونوں کیلے مسر کو اچھی طرح جانتے تھے۔ کوئی پرندہ کسی کے ہاتھ پر بیٹھ کر خاموش نہیں رہتا۔ چنانچہ یہ بھی میرے ہاتھ پر لگتا اور پھر درخت کی لمبیلوں پر بچھڑکتا پھرتا۔ میرا خیال ہے وہ اپنی مادہ کو بھی میرے شعلہ بتاتا ہوگا۔ جب وہ اندے سے رہی تھی وہ بھی کبھی باہر شاخ پر آکر بیٹھتی اور مجھے دیکھتی اسے برضو یقین ہو گیا ہوگا کہ میں انہیں کوئی گزند نہ پہنچاؤں گی کیونکہ وہ اپنے بچوں کو میری حفاظت میں جھوڑ کر اس کے تلاش میں نکل جاتی تھی۔

آجیر گرام میں میری ایک نابینا سہیلی مجھ سے ملاقات کرنے آئی۔ ہم مطالعے کے کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ایک بابک بادل گرج کر آیا اور موسلا دھار مینبر بنے گا۔ میری سی اٹھ کر کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ وہاں اسے ایک پرندے کی دردناک آواز سنی اور میرا دل بڑک کر ویاں لے گئی۔ شاید کوئی پرندہ جالی میں پھنس گیا ہے اور اب وہ پھڑپھڑا رہے۔ اس نے کہا۔ اس بات میں کھڑکی کے باہر کی جالی ناخوش شکل تھا۔ لیکن سراسر اس کا مایاب ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ میرا چند آنکھوں کی بیلوں کے پیچھے جالی میں پھنسا ہوا ہے۔ چنانچہ جالی اُٹارنے سے وہ پھڑپھڑاتا ہوا میرے ہاتھ پر آگیا۔ اس کے پیر بارش سے بھیک رہے تھے اور اس سے اڑا نہیں جاتا ہے۔

جب وہ درخشاک ہوئے تو اس نے کمرے میں ڈانٹ شروع کیا۔ میں آنسو کر رہی تھی کہ وہ اپنی غمی غمی آنکھوں سے میرے کمرے کی سریز کا جائزہ لے رہا ہے۔ جیسے ہی کسی کو چھڑا کر دکھائی تو ہم اسے کھڑکی کے پاس لے گئے۔ لیکن وہ ہمیں جھوڑ کر جانا چاہتا تھا۔ وہ اپنے نوکلار پتوں سے میری آنکھ کو مضبوط پکڑے ہوئے تھا۔ اس کا جسم آگے کو جھکا ہوا تھا۔ گھر کا وہ کتنا چاہتا ہے میں باہر جانا نہیں چاہتا۔ تم مجھ کو کھینچو نہ لگائی ہو۔ میں نے اسکو ہلیر پر سجا دیا لیکن وہ ڈوکر پھر کمرے میں آگیا۔ اس بار وہ کوچ کے پیچھے چھپ گیا اور ہم اس کو نہ پکڑ سکے۔ کیونکہ اس کے لئے دیکھنے والے کی ضرورت تھی۔ لیکن وہ پھر پھٹک کر کھڑکی کی دلیز پر آ بیٹھا۔ میں نے خیال کیا کہ وہ کہہ رہا ہے آہ آہیں

کلیو پیٹر

انٹونی میرے بانی بیوی کی وفات اور موت کی خبر سنکر روتا رہا
آنا چکیں میرے خلاف تو بغیر تعلقات چھوڑ جاتے ہیں۔ اور
انٹونی کا وہی اس کی بہن اکاٹا رہا ہے جو جاتی ہے بیکار ایک
دوست نہایت انٹونی کے بانی بیوی کی کلیو پیٹر کے متعلق جو چیتا ہے۔
میا سنا۔ اگر میری اطلاع صحیح ہے تو وہ بہت اقبال مند خاتون ہے۔

ایجو۔ اس نے سنا پہلی بار میں سنا تھا میں ہی انٹونی کا دل اڑا لیا تھا۔
اگر یہاں وہاں کا آنت ب۔ مٹا کی چوٹی نمودار ہوئی۔

ایجو۔ میں جانا کرتا ہوں۔ سنی زنگر کبھی متعدد رنگ تخت کی مانند نیس کی
سطح چمک رہی تھی۔ ایجو ایک سو نے کی تھی۔ بادبان اسقدر عطیں
ہے جو بے تحاشہ اور بانی فضا طبعی طور پر ہونی تھی چپو چاندی
کے تھے وہ بالائی کی آواز کے ساتھ باقی میں گرتے اور اڑھتے تھے۔

بانی کی بخت دان سے نیز جو بانی بھی گویا وہ اس کی بخت میں دیوار ہوڑ
ہے۔ اس کا حسن و الفاظ اس کے بیان سے قطعاً قاصر ہیں۔ وہ
سنہری شامیہ میں میں میرا دالے کے تار پر سے پھٹے ہوئے تھے
اس کا لباس طلسم اور زریں رنگ تھا اور وہ فطرت کے دھڑکیں
حسن کی دیوی کی مانند نظر آتی تھی اسکی نمودوں کا جب وہ بختور زلفوں
والے تھوکرے مسئلہ کے ہونے کیو پیٹوں کی مانند زنگر کے پچھلے
نہا۔ اس نے لکھنے سے پہلے بختی جوت اس کے زخماں بھی تنہا جاتے تھے۔

اگر یہاں۔ انٹونی کا اقبال!
ایجو۔ تو اس کی کلیئر جن کے انداز میں آسمانی دیویوں کا سا دکھ تھا۔
نہ کی حسین اور زین پر یوں کی مانند اس کے گرد حلقہ کے ہونے
تھیں۔ ایک نازک انداز میں غایت و لہر لب انداز میں پو ایا پیٹی
کشتی کے رہی تھی۔ نازک اور بھلے کے سے ناقد شعی بادبانوں کی
بہن چھینچھنے کشتی سے ایک عجیب مسرت اور دلکش خوبوڑ
گرم صل دینا کو بڑھتی کے ذہنی تھی۔ اسکندریہ کی تمام آبادی سال
برائی آئی۔ اور انٹونی میدان شہر میں تخت پہنچا تھا تو کویتیاں سجا
کر مارا تھا جو کلیو پیٹر کے حسن کی جبار کوشتی بھی تھی۔ اور فطرت
میں خلا پیدا ہو گیا تھا۔

اگر یہاں۔ اسے حسن ہوا
ایجو۔ جب وہ اصل پنگل انٹونی کی تو انٹونی نے اسے کہنے پر بلا بھیجا۔
اسے جواب دیا کہ وہ چاہتی ہے وہ انٹونی کی بہن کی ہے۔ چنانچہ وہ

ہم کلیو پیٹر اس کی بانی بیوی کی کلیو پیٹر اور انٹونی کے ہونے کی کلیو پیٹر
کو کہوں گے اسے بانی بیوی کی کلیو پیٹر کو کہوں گے۔
چارلین۔ اسے غریب ستارے
کلیو پیٹر۔ میرا پیٹر دیکھی ہے تو۔ یہ ایک پیٹر دیکھی ہے تو۔ یہ ایک پیٹر دیکھی ہے تو۔

چارلین۔ اسے غریب ستارے
کلیو پیٹر۔ میرا پیٹر دیکھی ہے تو۔ یہ ایک پیٹر دیکھی ہے تو۔ یہ ایک پیٹر دیکھی ہے تو۔

چارلین۔ اسے غریب ستارے
کلیو پیٹر۔ میرا پیٹر دیکھی ہے تو۔ یہ ایک پیٹر دیکھی ہے تو۔ یہ ایک پیٹر دیکھی ہے تو۔

چارلین۔ اسے غریب ستارے
کلیو پیٹر۔ میرا پیٹر دیکھی ہے تو۔ یہ ایک پیٹر دیکھی ہے تو۔ یہ ایک پیٹر دیکھی ہے تو۔

قسمت

اس پر وحی کی طرح یقین رکھنا تھا۔ بات اس کے راح بزق عقائد میں شامل ہو چکی تھی کہ تین عجیبی اشارات کے ذریعہ اس کو بتایا جائیگا کہ تین نہایت جبرت انگیز واقعات اس کی زندگی میں رونما ہونے والے ہیں۔ ان تین اہل واقعات میں سے پہلا واقعہ جس پر اس کا خوشگوار خیال تھا درجہ پہلی کے ساتھ بحث کرنے کا عادی تھا۔ اس کے ساتھ اس دکنشیزہ کی ملاقات تھی جو کینٹسے زوردار ہو گئے کی وجہ سے اپنے نغمہ عزت کے ذریعہ اسے محفوظ و مسودہ کر کے۔ شاہ مقصود سے چمکنا رہنے کے لئے اسے تمام دنیا کا چکر لہانا تھا جتنی کہ وہ ایک ایسی خوبصورت لڑکی تھی جو دھارما جس کے سینہ پھل کی شکل کا ایک قیمتی ہیرہ آویزاں ہو۔ اس دلچسپ اجنبی سے روبرو ہونے کے بعد اسے اس سے یوں خطاب کیا کہ تھا: ”دوستو! میں تیرے پاس ایک آرزو بھرا دل لایا ہوں۔ مجھے اجازت دے کہ تیرے سامنے اظہار کرتا کہ میں اپنے بوجھ کو تیرے ہلکا کر سکوں اور اگر حق تعالیٰ سے وہ دیکھیں ہاں اس کی ہونے والی ہو ہی ہو۔ اور اگر جبرت کی ان دفعہ کی نوبت کی قسمت میں دنیاوی ملاپ سمجھا ہو تو آگے ہلکا بادی زندگی میں انہیں ”فنائی الشفق“ اگر دے تو وہ اپنے دل کی شکل والے سیرے کی طرف اٹھلی سے اشارہ کرتے ہوئے یوں جواب دیتی: ”محبت کا یہ نشان جو میں عرصہ دراز سے پہنچے ہوئے ہوں اس میں کی تصدیق کرتا ہوں کہ تمہیں اظہار کرتا کی اجازت ہے۔“

دوسری بات جو راج کرین فیلڈ کے دل میں جاگزیں ہو چکی تھی۔ یہ سنی کہ دنیا کے کسی معلوم مقام پر ایک خزانہ دفن ہے جس کی جانے دہو کے متعلق سوائے اس کے کسی اور کو معلوم نہ ہو سکتا تھا۔ اس خزانے کی تلاش میں جب اس کے قدم اس مقام پر پہنچے۔ تو اس کے سامنے کی طرف سے ایک ماتہ نودار ہو کر پھٹنے کی طرف اشارہ کر گیا۔ یہ تینا درمختل امر ہے آدھ ماٹھ سنگ مرمر کا جو با پائیل لہندی پر سے کوئی مسیب و جسم چہرہ ظاہر ہوگی۔ باغضائے آسمانی میں کوئی شعلہ نظر آئیگا۔ لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ وہ ایک ماتہ جو گاہ جس کی شہادت کی اٹھلی پھٹنے کی طرف اشارہ کرتی ہوگی۔ اور اس کے پیچھے لاطینی حرف میں لکھا ہوگا ”کھودہ“ اس مضمون کے قرب و جوار میں زمین کھودنے سے ڈلوں اور سکڑوں کی مصدت میں مینا

ایک بلند قامت۔ قدرے سیاہ رنگ شخص جس کے چہرہ پر ایک ڈور دراز مقام کے سفر کے وارفتگی کی کیفیت پیدا کر رہی تھی۔ عین اسوقت ایک گاؤں میں داخل ہوتا ہوا دیکھا گیا جبکہ فاق کے سفر کے درمیان کنارے دن کو لڑوہی پیغام دے رہے تھے۔ وہ عصا جس کی ٹیک پر اپنے جسم کی ٹکان کو دھرنے کے لئے دھکیلی ہوئی رہا تھا۔ مندرستان گئے جگہلات ہی سے اس کے سفر کا ریفق رہا تھا۔ وہ ٹوٹی ہوئی اس کے سینہ چہرہ پر سایہ کئے ہوئے تھی۔ اسے تین کے آفتاب کی لٹکان نماز سے بچانے میں مامور رہی تھی۔ اور اس کا چہرہ حوالے عرب کی مجلس دینے والی مردم سوسائٹی پکڑنے کے علاوہ منقطع بارود کی تھمر کر دینے والی ہوا کے اثرات بھی قبول کر چکا تھا۔

دستی اور خوشخوار اقام کے درمیان عرصہ دراز تک رہنے پہنچے سے وہ اٹلی تک دینی چمچا مار زب کر کے ہوئے تھا جو اس نے ایک دفعہ ایک ترک ڈاکو کے سینہ میں صوب کر دیا تھا۔ اجنبی ممالک کی زور و باش اس سے کوئی کوئی امریکن خصوصیت چھین لی تھی۔ اور مختلف اقوام کے ساتھ میل جول اور ارتباط کے باعث اس نے بڑے عرصے میں طویل و صد کی ہمالیہ نودی کے بعد ایک فخر بھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ جب ایک طویل و صد کی ہمالیہ نودی کے بعد ایک فخر بھی اس نے اپنے ہیڈ کوارٹر گاؤں میں قدم رکھا تو کوئی اسے پہچان نہ سکا۔ اگرچہ سب کے سب ایک ایسے انداز سے جس میں اشتیاق اور مستحباب ملے ہوئے تھے۔ اس کی طرف غصہ مٹھو کر دیکھ رہے تھے۔ تاہم چہلنے میں اتفاقاً طور پر اس کا بازو ایک نوجوان عورت کے ساتھ حوشام کا پیکچر بننے کے لئے جاری تھی۔ چھوٹا تو وہ جو تک اٹھلے اڑا ایک بچی کی بیچ بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گئی۔ رلیٹ کرین فیلڈ اس نے دہلی توڑا میں کہا۔

مافرنے اس نوجوان عورت پر ایک غلط انداز نظر آتا ہے ہوئے کہا ”ہو نہ ہو یہ عورت فیتہ بدچرخن چھل کے ساتھ میں لوگوں میں کھلا تھا۔“ آغازِ یام جانی ہی سے رلیٹ کرین فیلڈ محسوس کئے تھا کہ غلط فہمی نے اسے ایک نہایت قابل فخر زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ خیال اس کے گد دریش میں سرایت کر چکا تھا۔ اگرچہ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس کا خیال پختہ ہونا کسی خواب یا الہام کا نتیجہ تھا یا محض اس کے اپنے دلہا تخیل ہی نے اس کے دماغ کی فضا کو مھو کر رکھا تھا۔ اور اب وہ

یاقتی پتھر اور جو اہر ت برآمد ہوں گے۔ یہ رفیدہ اس کی تمام کدو کاوش کا صد ہونگا۔

اس خوش قسمت انسان کے حیرت انگیز واقعات زندگی کا تیسرا اور آخری کا نام یہ ہو گا کہ اسے بنی نوح انسان کے درمیان ایک نہایت وسیع اثر و اقتدار حاصل ہو گا۔ یہی طوطہ پر نہیں کہا جاسکتا۔ آپ اس کی قسمت میں کسی خاندان کا مورث اعلیٰ یا بادشاہ بننا لکھا تھا۔ یا اس کے لئے کسی ایسی قوم کی کامیاب رہنمائی کرنی تھی جو اسے سرگرمی سے آزادی کی طرف لے جائے۔ یا اس کے ذمہ تمام آلائشوں سے پاک زمین کی تبلیغ سپرد کی جائیو گی تھی۔ الغرض یہ ایک ایسا مقام تھا جسے انیسوے واقعات کے سوا سوائے اد کوئی چیز مل سکتی تھی۔ اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے سامنے کی طرف سے تین عزیز شخصانہ روئے ہو کر ایک عجیب اشارہ کے ذریعہ اسے عمل کی دعوت دیں گے۔ ان کا سردار ایک بالغ النظر اور باوقار انسان۔ زمانہ تدبیر کے خدادیدہ بزرگوں کی طرح ڈھیلے پکڑے پہنے اور ہاتھ میں اپنے تقدس اور بزرگی کا نشان ایک نمٹا سا عصا لئے ہو گا۔ اور اس شخص عصا کی مدد سے فضا سے آسمانی میں ایک شکل ناکارائے الہامی پیغام اس پر منکشف کروائی جس کی حرف بہ حرف پیروی سے نہایت شاندار نتائج برآمد ہو سکتا یقین تھا۔

نوجوان کرین فیڈ شا نذا قسمت اس کے کش نظر پر کو پیش نظر ہونے اس روشنی پر۔ خزانے۔ اور خدادیدہ بزرگوں کی تلاش میں جسے اس کو دلوں کو فتح کرنے والی وسیع سلطنت کا قطعہ عطا کرنا تھا اور خدا پر بھروسہ کیے گھر سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ اور کیا وہ اپنے معصود حاصل کر کے کامیاب واپس آیا تھا؟ نہیں۔ بلکہ اس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اسی ماں کی گلیا کی طرف وہ اس کامیاب انسان کی حیثیت سے لوٹ نہیں گیا تھا۔ چاہے دیگر معصودوں سے کہیں اعلیٰ و ارفع زندگی بسر کیے میں کامیاب ہو گیا ہو۔ بلکہ اس کی بازیافت اُس ذلیل انسان کی ہی تھی۔ جس کے چہرہ پر خاص قسم کے صاحب کا متواثر مقام بد کرتے رہنے کے باعث یاس و افسردگی چھائی ہوئی ہو۔ وہ اپنے کاؤں کو اس لئے داپس لے گیا تھا۔ کہ تھوڑی دیر کے لئے مقدس رخت سفر باندھ کر علیحدہ رکھ دے۔ اس امید پر کہ شاید اس مقام پر چند سے رہتے ہیں گے۔ باعث جہاں پہلے وہ خود سہما نہ قسمت نے اسے اپنی مستقبل افروز تھک دھائی تھی۔ اس کی موجودہ زندگی کی پٹری کی جوانی کی تروتازگی میں تبدیل ہو جانے۔ اس کے کاؤں میں کوئی خاص تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ کوئی ترقی یافتہ شخص نہ تھا۔ جہاں پر ایک سال کی عمر خصال زندگی کی تروتازگی صدیوں کے متزلزل غلط

کی پٹری کو زناہل کر دیتی ہے۔ بلکہ وہ ایک پراسے طرز کا چھوٹا سا قصبہ تھا جس کے لمبی لمبی گھاس سے چھپنے ہوئے مکانات۔ پراسے درخت۔ اور بوڑھی کنواری۔ تھنیز تمام دیہاتی بچپنیں کارکر بنے ہوئے تھے۔ تبدیلی کے اثرات بلند مقام سے تو نہیں وارد رتوں کے جن کی نشوونما میں ایک پُر رنگ و رعایت پیدا ہوئی تھی۔ مختلف موسموں کا ساتھ بدلنے کے ہوئے مکانات پر جن کی چھتیں پہلے سے زیادہ بچان گھاس کی تھوں سے سج گئی تھیں۔ یا نیلا سے زیادہ قبرستان میں جہاں کی قبروں کے کتبوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اور جن پر ان اشخاص کے نام کندہ تھے جنہیں اُس نے کچھ سال پہلے بازاروں میں چلتے پھرتے دیکھا تھا۔ یا تمام دس سال کی دُوری کی تباہیوں کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ کرین فیڈ اس صبح کو گاؤں سے باہر گیا تھا۔ اور کچھ دیر تک ایک پریشان سے خواب میں غور رہنے کے بعد شام کو واپس آیا۔ لیکن اس کا دل گاؤں والوں کی طرف سے افسردہ ہو چکا تھا۔ کیونکہ انہوں نے اسے ۳۰ جلا دیا تھا۔ ان کے غور و خیر کی یاد ابھی تک اس کے دل میں تازہ تھی۔

تبدیلی واقع ہوئی ہے تو تیاں! اس نے سیرسکیاں بھر لیں اور اپنے ناموں سے چھائی چلتے ہوئے کہا "کوہ ہے یہ یاس رہتا۔ شکر۔ مغموم۔ جہاں گو مسافر!۔ وائے افسوس!۔ جب یہ نوجوان یہاں سے نصعت ہوا تھا تو کیسا خوش تھا مگر اب اس کی خوشی کیا ہوئی؟

اور اب یقین کرین فیڈ اپنی ماں کے چھوٹے سے مکان کے دروازہ کے پاس کھڑا تھا۔ جمال وہ عمر رسیدہ خالوں اپنے محدود مگر ضروریات زندگی کے لئے کافی وسائل کی مدد سے اپنے بیٹے کی لمبی فیاضی کے زمانہ میں آسائش کے ساتھ اوقات بسر کرتی رہی تھی۔ اپنے مکان کی حدود کے اندر داخل ہو کر وہ ایک پراسے درخت کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت وہ اپنے بے صبری کے جذبات دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جیسا کہ لوگ اکثر توقف کے انہوں میں کرنے کے عادی ہیں جب سہما نہ سال کے واقعات ایک منٹ کے اندر جمع کر دے جائیں۔ اس نے اپنے لڑکپن کے دنوں کے اس پراسے دوست درخت کے ساتھ جس کے سہما نہ وہ اس وقت کھڑا تھا اپنی واقعیت کو از سر نو تازہ کیا۔ اس کے تنے کے ساتھ ساتھ اوپر سے نیچے تک نظر ڈراتے ہوئے اسے کوئی چیز نظر پڑی جسے دیکھ کر اس کے لبوں پر ایک مایوسانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ یہ لالچیں حوت کا ایک چھوٹا سا کلبہ تھا جس کے نقوش اور قریب قریب مٹ چکے تھے۔ "کھورو۔ کھورو"۔ اب اُسے یاد آیا کہ یہ الفاظ اس نے درخت کے تنے میں ایک بوندے دن کی کدو کاوش کے بعد اس وقت کھوئے تھے۔ جب کہ پہلے پہل اس نے اپنے خوش اُردہ مستقبل

مقدس عصا بایا اور اس سے عزت کے تحت کی طرف اشارہ کیا یہ غیر متشکل اور نظر نہ آنے والے مناظر ہیں کے وقت بھی اس کی لکھا کے گرد چکر کاٹنے۔ اگرچہ اس وقت وہ رات کی نسبت کم شوخ تھے اور مانوس چہروں کے جھوم کے اندر گم ہو گئے۔ جو کہین فیلڈ کی واپسی پر اسے خیر مقدم کے لئے دایم جمع ہو گئے تھے۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہ ایک بند قامت فدر سے سیاہ رنگ۔ باربع اور اجنبی وضع قطع کا آدمی تھا۔ تعلیم غلیظ۔ مگر اس کی آنکھیں کلشش اور حضور ی مفقود تھیں۔ جس سے پتہ چلتا تھا۔ کہ کبھی کبھی کسی غیر مرئی چیز کی طرف دیکھنے کے لئے اٹھ جاتی ہے۔ اس آشنا میں کہین فیلڈ کی والدہ مکان کے اندر نشاں و خیراں ملتی پھرتی اور یہ دیکھ کر بھولی دسمائی حق لے ایک لمبے عرصے کے بعد اپنے بیٹے کی لپوں کے باعث ایک وفد پھر اس کا دل مادرانہ شفقت اور ہمدردی کے جذبات سے لرزہ زہو گیا ہے اور وہ دروازہ زندگی کی معمولی کادھوں کی پر وہ ٹکرتے ہوئے اس کے آرام کی خاطر ہر طرح کی تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار ہے۔ دوپہر کا وقت تھا کہ اس نے مکان کے دروازہ سے باہر نکل کر دیکھا کہ کئی محروم شخص درختوں کی گھسی پھاؤں اور دوپہر میں سے گذر کر بازار سے ہوتے ہوئے اس کے مکان کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ اس نے اس فرخے انداز میں جس میں سرتاپا محنت مادی مومیں نے ہی تھی کہا نہ دیکھو مطلب فواب ہیسیکوڈ اور ان کے ساتھ دو ہمراہی کسی خاص مقصد کے لئے تہاڑی ملاقات کو آ رہے ہیں۔ اب اپنی چھپ کر مرگشت سنا کر انہیں محفوظ کر دو ان تین ملاقاتیوں میں سے فواب ہیسیکوڈ سب سے زیادہ ذی عزت معلوم ہوتا تھا۔ وہ ظاہری شان و شوکت کا دلدادہ ہونے کے باوجود ایک نہایت خوش سیالی عرصہ بہہ البان تھا۔ گاؤں کے تمام معاملات میں اس کی رائے اور شہریت کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی۔ اور گاؤں میں اپنی شرف اور برتری کے اعزاز سے وہ ایک خاص شہرت کا مالک تھا۔ وہ اس وقت تین کنادوں والی چوٹی پہنچا تھا۔ جو ان دنوں رفتہ رفتہ فیشن سے خارج ہو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چاندی کے دستے کی ایک چوڑی تھی جس سے چلنے میں مدد لینے کی بجائے محض ٹھنڈی فرخ کے ساتھ حرکت دینے کا کام لیا جاتا تھا۔ اس کے دو ہمراہی علاقہ کے دو محروم و متوکل زمیندار تھے۔ جو ملک کی انقلابی پارٹی کے شدید مخالف اور بڑی شان و شوکت کے زبردست حامی ہونے کے باعث فواب صاحب کی جلوس میں چلنے کو خاص عزت سمجھتے تھے۔

انہیں اپنی طرف آتے دیکھ کر کہین فیلڈ ایک آرام گہری پر لپٹ گیا۔ اور ایک نیم خود راہی کے انداز میں ان کے معروف و مانوس چہروں کو

کے متعلق غور کرنا شروع کیا تھا۔ جس اتفاق دیکھو۔ کہ رات کی تاریکی میں ان الفاظ کے اوپر کا چمک چا رہی تھی۔ بے فائدہ معلوم ہوتا تھا کچھ کچھ ہاتھ کے شاہدیت جس کی ایک انکلی لفظ گھوڑی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ ریلٹ کہین فیلڈ نے ایک لابلانہ انداز میں اپنے آپ سے کہا اب ایک ضعیف اعتقاد کا پتہ البان فوراً فرض کر لیا کہ وہ خزانہ جس کی تلاش میں ہیں نے تمام دنیا کا چکر لگایا ہے عین اس جاگیر میں اس کے مکان کے بعد وائے کے پاس دفن ہے۔ یہ ایک نہایت پُر لطف بات ہوگی اس نے اس معاملہ پر کچھ زیادہ سوچ بچار نہ کیا کیونکہ اب مکان کا دروازہ کھل چکا تھا اور ایک پورچی عورت دروازہ پر ظاہر ہو کر شام کی تاریکی میں یہ معلوم کر کے کی خوش کر رہی تھی کہ وہ کون شخص ہے جس نے ہر شام ان کے مکان پر آ کر دستک دی ہے۔ اور اب درخت کے نیچے کھڑا اور دروازہ کے کھینے کا منتظر ہے۔ یہ ریلٹ کہین فیلڈ کی والدہ تھی۔ ہم ان کے ملاقات کے واقعہ پر کچھ زیادہ لکھنا نہیں چاہتے۔ ناظرین خود اندازہ کر لیں کہ دس سال کے طفل عرصہ کے بعد اپنے بیٹے سے ملکر ماں کے دل کی کیفیت کیا ہو سکتی ہے! اور آیا کہین فیلڈ کو جسے دن بھر کی تھکان کے بعد سب سے زیادہ آرام کی ضرورت تھی۔ محنت و خوشی کے جذبات کے درمیان آرام کی کئی گھڑی نصیب ہوئی۔ جب صبح نوراد ہوئی تو وہ اٹھا مگر اس کا داغ پڑشیاں تھا کیونکہ سوئے جائے اسے تمام رات خواب دیکھنے میں کاٹ دی تھی۔ اپنی سہ گانہ قیمت کے معیار کو عمل کرنے کے ہشتیا کی آگ جو عرصہ سے اس کے سینہ میں بھڑک رہی تھی اس واقعہ کے بعد ایک بار پھر پوری تھ کے ساتھ نکلن ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بام چوٹی کے دل خوشی خواہوں کے جھوم اس کی والدہ کے مکان میں اس کے آنے کے انتظار میں تھا۔ اور اب وہ ایک فوٹو میں بے تمیزی کی طرح اس کی واپسی پر اسے خوش آمدید کہنے کے لئے اڑا چلا آ رہا ہے۔ مکان اس کے مانوس کہہ رہا تھا۔ وہ اس دعاغت کی فیلڈ سولے کا عادی رہ چکی تھا۔ رات کی رات اس نے وہاں ایسی۔ بے چینی اور اضطراب کے عالم میں کاٹی نہ شاید کسی جھانک جنگل کے خوشنک سا پتے یا پھوٹے عوب کے اندر کسی جگہ میں بھی اسے ایسی خطرناک اور پڑشیاں رات بسر کرنے کا موقع و اتفاق نہ ہوا ہوگا۔ رات اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک خیالی مدیترہ نے اس کے قریب لبریز ہینکلر اس کے سیلاب سے تر پڑتے ہوئے دل پر اپنی انکلی رکھی۔ ہاتھ کی شکل کا ایک خشک تاریکی میں نمودار ہوا۔ اور اس نے زمین کے پڑا سرور و فین کی طرف اشارہ کیا۔ ایک معرکہ زبردست بزرگ نے اپنا

”ہاں تو مجھے پہلے یہ بتایا جائے۔ کہ آخر وہ کون ایسا عہدہ ہے۔

جس پر میری تقریری مجھے بادشاہوں اور شاہوں کا ہم پلہ وہم مرتبہ بنا چکی
ریفت نے ایک ایسی آواز میں جس میں لڑش پیدا ہو گئی تھی۔ اپنے ہاتھوں
سے دریافت کیا۔

”عہدہ؟ بوڑھے نواب نے کہا۔“ میری مدد اور ہمارے دیہاتی اسکول
کے مدرس کی اس زبردادۂ آسمانی سے جو مرحوم و پیشہ کی پیاس
سالر ضا کا راز خدمات کے بعد اس کی وفات کے باعث اس وقت غالی
خالی ہے؟“

ریفت نے جلدی سے کہا۔ ”آپ کی اس تجویز پر غور کرونگا اور تین
دن کے اندر اندر آپ کو اپنی رائے سے مطلع کر دوں گا“۔ مٹوٹی دیر کی مزید
گفتگو کے بعد گاؤں کے سرکردہ کا کہن تو وضاحت ہو گئے۔ لیکن ان کی غالی
تصور ابھی تک کہیں فیڈل کے دماغ میں چھوڑا نہ تھی۔ اور چون وہ ان کی
پُر رعب صورتوں پر جیسا کہ وہ خواب کی حالت میں ان کے سامنے نمودار
ہوئی تھیں اور جنہوں نے آگے چلکر بیاداری کی حالت میں ایک ماؤں شکل
اختیار کر لھی تھی۔ غور کرتا ان کے لغزش زیادہ دشن اور شوخ ہوتے جاتے
تھے۔ اس نے بوڑھے نواب کے قد و خال کے متعلق مختلف انداز میں
خیال آرائی شروع کی اُسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ نواب کو فی معمولی انسان
نہیں بلکہ کوئی خدائیدہ سمجھتی ہے اس نے خیال کرنا شروع کیا کہ یہ تو وہ
چہرہ ہے جو مصر کے بلند ترین مینار پر جلوہ نگار ہوا تھا۔ یہی تو وہ شکل
ہے جس نے غراطہ کے شاہی محل کے سبب ستلوں کے درمیان سے
سے اس کی طرف اشارہ کیا تھا!۔ ہاں تو عجیب کہ یہی وہ صورت زیبا تھی
جس نے فرازد کہہ پر سے اترتے ہوئے پانی کے کے

گرم چٹے کی مائی کی رخ نمائی کی تھی! اچوں چون وہ اپنی یادداشت پر زور
ڈال ان سے علم ہوتا تھا کہ گاؤں والوں کی چھوٹی سی دنیا کے اس مشہور
معروف، خوب پسند خوش پوش پوش اور ظاہری ٹیپ ٹاپ کے دلدادہ
انسان میں وہ سب صفات موجود ہیں۔ جو اس نے خواب میں ظاہر نہ
والے پتہ بزمیت کی شخصیت میں دیکھی تھیں مگر یہ فیڈل اسی قسم
کے خیالات کے جوہر میں جو سارا دل اسی کو کھڑی میں بیٹھ کر سوچتا
رہا۔ اس کی والدہ نے اس کے سفر کے واقعات کے متعلق اس سے
بسیوں سوالات کئے مگر یاد آ رہی تھیں نہ اس نے انہیں سنائیں اور اگر سننا بھی
توان کے جوابات بالکل بے ربط وہم سے دئے۔ غروب آفتاب
کے وقت وہ سما ہوا خوری کے خیال سے اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اور جب
اس پٹانے درخت کے پاس سے ہو کر گذر رہا تھا تو اس کی نظر اس

معین کسے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے فریضے سے گرا کر کہا لو
وہ سلسلہ تین محرز و سبیل علی آہی ہیں۔ اور ان میں سے ہر شخص جس کے
ہاتھ میں ایک عصا ہے خدا رسیدہ بزرگ معلوم ہوتا ہے یہ کیسی ممکن نہیں
کہ ان بزرگوں کی آمد میری اس خوش قسمتی کا پیش خیر ہو؟ جس کا مجھ سے
وقت سے وعدہ کر لیا ہے؟

بوڑھا نواب اور اس کے ہمراہی مکان کے اندر داخل ہوئے۔
ریفت اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کا استقبال کرنے کے لئے چند قدم آگے
بڑھا۔ جب وہ قہبانہ طور پر اپنے ہمسائوں کی طرف جھک رہا تھا۔ تو اسکی
مرعوب کن شکل و صورت سے ایک نظری ہیبت ظاہر تھی۔ جو نواب کے
امیرانہ طعنے کے مقابل میں اپنے اندر ایک خاص شان رکھتی تھی۔ بوڑھے
نواب نے قدیم رسم کے مطابق ایک خاص انداز کے ساتھ اپنی چھڑی کو
فضا میں حرکت دی۔ پھر اپنی ملاقات کا مدعا و مطلب بیان کرنے کی طرف
متوجہ ہوا۔ ”میں اور میرے ہمراہی۔ بوڑھے نواب نے کہنا شروع کیا۔
”گاؤں والوں کے منتخب کردہ اہل الرائے ہونے کی حیثیت ہے ایک
اہم فرض کی ادائیگی کا بوجھ اٹھانے ہوئے ہیں۔ ہم گذشتہ تین روز سے
ایک نہایت اہم عہدہ کے لئے کسی موزوں شخص کے انتخاب کے مسئلہ
پر غور و خوض کر رہے ہیں۔ یہ عہدہ اپنی ذمہ داریوں کے اعتبار سے ایسا
مہتمم بال نشان ہے کہ بادشاہوں اور شہنشاہوں کی ملذباہی شان کے نشاں
ہے۔ آپ ہمارے گاؤں کے ایک معزز باشندہ ہیں۔ خدا نے آپ کو
ذہن رسا عطا فرمایا ہے۔ اور چونکہ انجینی ممالک کے سفر نے آپ کے عقلی
توقی کی خاص طور پر تربیت کی ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ ہیں اس امر کا
پورا پورا یقین ہے کہ جوانی کا جوش و خروش ادبے عنواناں اب آپ
میں نہیں ہیں۔ اس لئے ہم پر سے غمزہ و خوسل کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں
کہ خدا نے اپنی قدرت سے عین وقت پر آپ کو ہماری مطلب براری کے
لئے ہمارے پاس بھیجا ہے“

بوڑھے نواب کی اس طولی انگیز تقریر کے دوران میں ریفت اس پر
نظریں گاڑے سموت کھڑا رہا۔ اسے اس کی شخصیت میں پُر اسرار اور
غیبی طاقت محسوس ہوئی۔ اُسے ایسا معلوم ہوا کہ وہ کوئی پُر شکوہ پوشاک
پہننے کی بجائے زمانہ قدیم کے خدا رسیدہ بزرگوں کے سے کھلے کھلے کپڑوں
میں لباس ہے۔ اس کی ہر جہر جہرے وجہ نہ تھی کہ کوئی فضا میں اُس کی چھڑی
کی حرکت لینے۔ وہی حرکت کہ دہریہ جی قسم کے اشارہ سے اس خدا رسیدہ
بزرگ کا پرہیزاں اس پر ظاہر ہو گیا تھا۔ اور اس کی تلاش میں اس نے دنیا
کا چہرہ چہ چہاں مارا تھا۔

ساکن ہو چکے ہیں۔ یہ ہم ان کے بظاہر تسفوت چروں پر ایک خاص قسم کی کیفیت عاری تھی۔ یہ حیرت کی دہلی ہی آگ کی تماشائی تھی جو ان کے چہروں کو یکساں طور پر منور کئے ہوئے تھی۔

”ہمیں اپنے وطن مالوف کی طرف تیز و خوشی لوٹنا مبارک ہو فیضہ ابجیوٹ نے کہا لیکن کریں فیڈلے اس سوال کا جواب دینے میں جلدی سے کام لیں۔ یہ کہنا اس وقت اس کی آنکھوں کی شکل والے زیور کی طرف توجہ دینا۔ اپنے سینہ پر آویزاں کئے ہوئے تھی۔ دیکھنے میں مصروف تھی۔ یہ بتانی معمولی پتھر کی جی ہوئی تھی۔ ادواب اسے یاد آ گیا کہ اس نے جینیوں کے ایک ویران کھنڈر کے ایک پتھر سے تراش کر فیڈلے کو دی تھی۔ اور اس پر طرز تاشہ یہ کہ اس کی شکل بعد اس زیور کی سی تھی جو اس نے خواب میں دو خیرہ کے گئے میں دیکھا تھا۔ سفر پر روانہ ہوتے وقت اس نے یہ بتانی فیڈلے کو قلعہ کے طور پر دی تھی۔ اور خزاں اس نے کہا ”اے توں دلی ابھی تمہارے پاس صحیح و سلامت موجود ہے۔“

’ہاں‘ فیڈلے نے جواب دیا۔ اور اس کے چہرے پر گہری شرمی دوڑ گئی۔ پھر تیرے آئینہ لہجوں میں ”ہی“ اور ”جو میرے لئے مسند پار سے کیا کھد لائے ہو“ ایک نیا قابل مبالغہ جذبہ کی محبت سے ساختہ وہی الفاظ ریغ کے منہ سے نکل گئے۔ ”فیڈلے“ اس نے کہا۔ ”میں ایک محنت بردار دلیر سے پاس لایا ہوں مجھے اجازت دے کر تمہارا تکرر کر کے اپنے ہوجہ کو قدر سے بلند کر سکوں۔“ محبت کی یثاشی جو میں غصہ دراز سے پہنچے ہوئے ہوں اس امر کی تصدیق ہے کہ ہمیں اظہارِ تمنا کی اجازت ہے۔ فیڈلے نے کہا۔

”فیڈلے“ فیڈلے نے کہا۔ اور وہ ہم آغوش ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد غراب کا یہ وہ کریں فیڈلے کی آنکھوں سے ٹپک گیا۔ اور اصلی واقعات حقیقت کی بدھنی میں اس پر شکست ہوئے گئے۔ پھر اسرارِ یزدا نے کو معلوم کرنے کے لئے اسے اشارت بتایا جا چکا تھا۔ کہ وہ اپنی والدہ کے رہائشی مکان کے قریب دو چاروں زمین کھود کر دیکھے کہ اس میں کیا مدفون ہے۔ جیگی حکام مجازی کرنے لیا یا تا جی امداد غیبی اور قدر کی پیمائش اس کی قسمت میں ہوں گے کیوں پر روحانی اقتدار و تسلط قائم کرنا کھجا جا چکا تھا۔ اور اس خیالی و دنیوی کی تصور اس کے پردہ عقل پر سے مٹ کر اس کی جگہ ایام طفولیت کی رفیق ابجیوٹ کی تصویر اس کے لوحِ دل پر نقش ہو چکی تھی!

کھتے لوگ ہیں۔ جو اپنی لاعلمی اور غفلت اور غفلت خواہشات کو پورا کرنے کے لئے فطنی سرگرداں و حیران نظر آتے ہیں۔ یہ حالانکہ ذہنی سوچی سمجھا کے بعد یہ حقیقت ان پر شکست کھچتی ہے۔ کہ ان کی خوشی۔ نارسہ عالمی۔ اور فرائض کی ادائیگی کے منبعِ خدا ان کے اپنے قبضے میں ہیں۔ خوش

باقہ کی طرف اٹھ گئی۔ جو دھندلے سے کتبہ کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ جب ریغ کاٹوں کے بازار میں سے گذر رہا تھا تو دوتے پہنے سورج کی بدھنی میں اس کا سایہ قدم پر پڑنا چلا جا رہا تھا۔ اس نے خیال کیا کہ جس طرح اس کا سایہ دودھ دراز کی چہروں پر پڑ رہا ہے۔ اسی طرح اس کی آنکھ دندگی کے واقعات قبل از وقت ہی عکسِ حال رہے ہیں۔ اور جب وہ کسی ایسے مقام کے پاس پہنچا جہاں پر اس کا سایہ پہنچے پڑ چکا تھا۔ تو مگلا کہیں اور جاتی کے مشہور واقعات اس کے ذہن میں تازہ ہو جاتے۔ راستہ کا وہ کوٹساموٹو تھا جس سے وہ واقف نہ تھا۔ مگر پیش نظر مظلوم کی غرضی کیفیتیں بھی وہی تھیں۔ جو اس نے ایامِ گذشتہ میں محسوس کی تھیں۔

وہ گاہیں سربراہ چربی تھیں جن کے خوشگوار سانس نے اس کی طبیعت میں فوجت پیدا کر دی۔ مغلجہ کے جزائر سے چلتے وقت باد کے وہ جھونکے جو ہمارے جہاز کو وطن مالوف تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس قدر خوشگوار نہ تھے جتنا کہ ان خوشدم گاہیوں کا تغص ہے۔ اس نے یلا سانہ انداز میں کہا۔ قریب کے ایک مکان کے دروازے میں سے ایک ٹھکانچہ لوٹتا نہ اڑیں پر آ رہا۔ اور اس کے پاؤں کے قریب آ کر مکرملے لگا۔ وہ بلند قامت انسان نیچے جھکنا۔ اور نیچے کو گھٹنا کر اس کی والدہ کی گود میں واپس دیدیا۔ اس نے اپنے عہدہ کی تقرری کا خیال کرتے ہوئے کہا ”پچھے اپنی گھاٹوں کے پچھے! ان کی قسمت اب مجھی سے وابستہ ہونے والی ہے۔“ اس وقت مجلس لطیف کی محبت کا فطری احساس اس کے دل کی گراہیوں میں نمودار ہوا۔ اور وہ ایک ایسے مکان کے قریب پہنچا۔

جس کے اندر داخل ہوتے ہوئے اسے کبھی قسم کی جھجک محسوس نہ ہوئی۔ ایک سرخی اور جو کسی کی روح کی گراہیوں کا پتہ دیتی تھی۔ مکان کے اندر ایک دلگداز نغمہ پیدا کر رہی تھی وہ سر جھکائے مکان کے چھوٹے سے دروازے میں سے گذر کر اندر داخل ہو گیا۔ جو بنی اس نے دلیریز پر قدم رکھا۔ ایک نوجوان عورت مکان کے اندر سے پہلے قدم بڑھائی اور پھر ذرا دُک مُک کر کھینچی ہوئی اس کی طرف بڑھی جی کہ وہ دونوں کے دوسرے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ان دونوں کی شکل و صورت میں ایک عجیب فرق نمایاں تھا۔ وہ مین و جاذبِ توجہ جمالِ گروہ جہاں دیدہ۔ یہ صاف مسخری۔ طردار۔ خاموش۔ دنیا کے نشیب و فراز دیکھتے ہوئے۔ اور پھر جوشِ مرستہ میں بھی خاموش! ایسا معلوم ہوتا تھا جیگانہ کی گراہی کے طرز کے ماتحت اس کے تمام جذبات

(ماخوذ)

مشاہدہ کرتے ہیں :-

ہیں وہ لوگ جو بے غامہ جہاں گردی اور وقت ضائع کرنے کی بجائے
خود اپنے اندر زندگی کا مسماہل نہ چھوٹنے کی عمدہ کشائی کے سامان

غلام مصطفیٰ بی۔ اے اترسری

غزل

درماں سمجھ رہا ہوں جنوں کے اثر کو میں دشمن بناؤں سر کو نہ توڑوں جو گھر کو میں
ہے ننگ عشق اہل صمم گریہ و بُکا نفرت سے دیکھتا ہوں ہر اک نوہر کو میں
دل نذر سوز عشق ہوا بھی تو کیا ہوا میری چلے تو آگ لگا دوں جگر کو میں
سُن اے حریف ملت صبر و رضا ہے یہ کرتا ہوں پیار مخبر بیدار اگر کو میں
ہے سجدہ گاہ اہل تقدس سیر زمین کیونکر کہوں نہ کعبہ تیری رہگذر کو میں
بھولا ہوں رہ مناظر منزل کو دیکھ کر بدنام کر رہا ہوں عبث راہبر کو میں
روئے سخن ہے مجھ سے لگا ہیں وہ پہ میں پہچانتا ہوں خوب تمہاری نظر کو میں
پھر اتصال طالب و مطلوب ہے محال بیٹھے رہے اُدھر کو اگر تم اُدھر کو میں
حیران ہوں کیا کروں کہ ابھی سے ہر بد ہوس دل اپنا دوں کہ اپنی زباں نامہ کو میں
جاؤں کہاں بتا تو سہی اس کو چھوڑ کر کس آسماں سے لاؤں سچ رنگ کو میں
قطرہ بھی خون کا دل مایوس میں نہیں پہچاؤں اب کہاں سے رسد چشم کو میں
حیران ہوں اضطراب دل درد مند سے سمجھاؤں کس دلیل سے اس بے خبر کو میں

گو تر تہیں بتاؤ کہ اب کا ہے کیا علاج
سمجھے ہوئے ہوں دشمن جان چارہ گر کو میں

گو تر

برز تہنائی

اپنی روح کا کپتان

علم کے بعد نیکول کا درجہ ضرور آتا ہے مونیٹن نے لکھا ہے "دنیائے آدمی کے لئے سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ وہ اپنی اپنی مالک آپ سے پہلی (دشوار کا نام) اگرچہ قسمت کا مارا ہوا تھا۔ مگر ہر بھی خوش ہو کر پیدا تھا۔

کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ راستہ خواہ کتنا ہی تنگ ہو

میں محالیف سے کتنا ہی بدلا ہوا ہوں۔

پھر بھی میں اپنی قسمت کا آپ مالک ہوں۔

میں اپنی روح کا کپتان ہوں۔

مجھے اس بات کا کلی یقین نہیں ہے کہ آدمی اپنی قسمت کا مالک آپ ہو سکتا ہے لیکن ہم میں سے ادنیٰ آدمی بھی اپنی روح کا کپتان تو ہو سکتا ہے موجودہ دنیا نقل کی دنیا ہے ہم ایک دوسرے کی مانند کپڑے پہنتے ہیں ایک دوسرے کی طرح نغلاتے ہیں دریا کے دوسرے کی مانند سوجتے ہیں۔ ہم اپنی جہانوں اور نیکیوں میں بھی ایک دوسرے کی نقل کرتے ہیں۔ لیکن اگر آدمی سنا ہے ہی جہان کو چلانا نہ سیکھا ہوا اس بات کا فیصلہ نہ کیا ہو کہ اسے کس بندرگاہ تک پہنچنے ہے وہ اپنے ہی جہان میں سوار ہو کر لگاں بہتا اور انوار العزلی کے ساتھ پری صاف دنیا بھی ہوئی چاہے دوسرے کے ساتھ ٹھوڑا بڑا نہایت ہی کروہ ہے اور اپنے آپ سے چھوٹا بولنا تو سراسر بڑبڑ ہے۔ یہ ظاہر کرنا کہ کینیے افعال میں بے غرض راستی جوئی ہے اور یہ کہ فلاں شخص جھگ گیا ہے۔ یہ کہ جو وہ نہایت ہی سچا آدمی ہے کس قدر غلط ہے۔ صاف دلی مسرت میرے لئے غور فہم کی نہایت ہی دلکش ادا ہے۔ یہ اپنی نوعیت کی ایک کتاب ہے مسرت میرے لئے اپنے دل کو کبھی بھی یہ نہیں بتلا یا کہ اس کی شرارت میں شرارت نہیں ہے اس کی جگہ و بڑی صاف ہے گھبراتا اور سیلوں کے ایک ڈولے کے کیر کیر کی مانند وہ بھی یہ خیال نہیں کرتا۔

بڑائی نیکی ہے اور سبکی بڑائی
اچھی خیر خراب ہے اور بڑا بچہ

بڑے بڑے شہروں کے تنگ، کانوں میں ہادی زندگیوں کا کانز حصتہ کیلئے ہی گزرتا ہے۔ غور و دریک صنعت کا نام، اسے ایک تیر لکھا تھا کہ جو آدمی سوچ رہا یا کام کر رہا ہو وہ ہمیشہ کیا ہی ہو نا بے خواہ وہ کہیں ہو اور ممکن ہے کہ اگر ہم تہنائی کی جانب زیادہ مائل ہوں تو زیادہ سوچ کیس اور سوچ کیس خواہ ہم بند کریں یا نہ ہیں اپنی سوسائٹی کو برداشت کرنا ہی ہو گا اور اس امر کی احتیاج کہ مانی ٹھنڈی ہو گی کہ جتنے ہم تہنائی میں گذاریں وہ ہمارے حسب منشا خوشگوار ہوں۔ آدمی بل ٹھکرے سے والا جا تو ہے اور وہ سوسائٹی کا مبر بکری دنیا کی بہترین چیزوں کو چھل کر سکتا ہے کسی شخص نے لکھا کہ اگر کامیابی حاصل نہیں کی۔ زندگی کے بڑے بڑے معاملات میں ہم کیلئے یہ ہتھیار اور ہادی اصلی تانچہ کا پتہ دوسروں کو نہیں لگ سکتا۔

اپنی شخصیت کی اصلاح

غور و حاصل کرنا اپنی صلاح کی ضروری تبدیلی ہو کرنا ہے۔ اس سے ہمیں اپنی قدما پر کئی بھی اچھی ہے۔ اگر آدمی کی زندگی تنگ اور بے طرف ہو اور وہ اپنی دوستی کی رکت سے محروم ہو جسے ملنی کا خیال ہی نہ آتا ہو اسے چاہئے کہ اس دوستی کے حاصل کرنے کی تکلیف دوا کرے پہلے تو اسے اپنی ہی سچی کا علم ہونا چاہئے۔ پھر اس کی اصلاح ہونی چاہئے اسے اپنی تربیت اس جمع سے کرنی چاہئے کہ وہ دنیا میں اس یقین کے ساتھ سیر کرے لکھ کر وہ جائے خوشگوار اور دلکش ہے دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب ہے کہ جب تک تصدیق معنوں میں کوئی نقص پایا دوست نہ ہو تب تک وہ دوسروں کا دوست نہیں بن سکتا۔ حقیقی دوستی کا انحصار علم پر ہے باریک بین کی کشش کی دولت تو تھک حاصل ہو سکتی ہے جس مانند جو کہ غور و قدر سے خود پسند تھا۔ اگر اس نے لکھا ہے میں اپنے آپ کی اور انسانی سچی سمجھتا ہوں اور میری جان میں کوئی خدشات اور عجب بات کا نظا نا میں ہی ہوں اسی دونی کا احساس ہے جس کے ذریعے میں اپنے آپ سے انتہائی دور دکھاتا ہو سکتا ہوں جتنا کسی اور شخص سے خواہ میرا تجربہ کتنا ہی سخت ہو مجھے اپنے ایک حصے کی موجودگی اور نیکی پر کا احساس ضرور ہوتا ہے گو یہ کہ وہ میرا حصہ نہیں ہے بلکہ ایک اور شاخہ بڑے والا ہوا ہے جو تجربہ میں دوسرے نہیں جوتا لکھا اس کو نہ ہر میں نہ رکھنا جانا ہے اور وہ میں نہیں لکھ آپ ہیں۔

اگر میں جس کی اپنی سبھی اٹلے میں ماہر نہ ہوتا تو وہ کبھی بھی نہ کہتی
یا نیک عیسائی نہ ہوتا اور نہ اتنا آسودہ ہو کر اس سے زندگی گذار سکتا۔

سچے خواب

یقین کر لینا سخت حماقت ہے کہ ہم وہ ہیں جو حقیقت میں نہیں
ہیں۔ البتہ یہ خیال کرنا کہ ہم وہ ہو جائیں جو کہ نہیں ہیں زحمت بخش ہے
ہم فطرتاً ایک نونہ کی صورت میں اپنے آپ کو ڈھالتے رہتے ہیں اور جس قسم کے
خیالات ہمارے دل میں آتے ہیں انہیں کے سچے ہیں وہ ڈھٹے جاتے
ہیں البتہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حیرت انگیز نتائج کے ساتھ
ہمارے خواب سچے ہو جاتے ہیں چنانچہ یسوع مسیح نے ہمیں ان الفاظ میں
آگاہ کیا ہے کہ ممکن ہے کہ آدمی خوابوں ہی میں اپنی زندگی گزار دے۔ اور
پھر بھی ان کے حصول کے لئے تیار نہ ہو۔

گر بعض طبیعتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو حقیقت میں اپنی تمنائی سے ہر
نہیں آتیں یعنی صوفی اور مجذوب لوگ جو دنیا کی شورش سے دور بھاگ گئے
لیکن ہم جیسے لوگوں کے لئے اکیلے ہٹا اور غور سے دیکھا جائے تو دوروں
کے ساتھ رہتے کیلئے تیار ہی ہوتی ہے۔ ہمارا اپنی دھیس جو باندھنا سکے کے لئے
ہیں ان میں ہم آہستہ و پرامتہ ہو کر روزانہ زندگی کے ڈرامے میں اپنا ہاتھ
کھینے کے لئے پیچ پاتے ہیں مٹھوڑی کی تار دھکنی دھکیل لاتی ہے۔

زندگی کی مناسب گاہ

یہ فرض نہیں کر لینا چاہئے کہ ہر شخص کو اپنی ذات کا علم فوراً ہوا
ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ امر یقینی ہے کہ ہم دوسروں کی نسبت اپنے آپ کو
ہر حال میں اور اس علم کی بدولت خود غلطی خود اور کسی قدر خود
سے کام کیرا جاتا باز دیکھو اس اور اس بھروسے کے ساتھ زندگی کے نتیجے پر
جائیں کہ جب برہم گرہ لے تو ہم اس بارگاہی کے ادا کرنے سے قاصر نہ رہیں
جو قدرت نے ہمارے لئے تیار کر رکھا ہے۔

سلیمن خاں بی۔ ایسے پلیسی اس

اعتراف

اگرچہ ہم کسی پروردگار کے سامنے اپنے گناہوں کے اقرار کرنے کو
بہت نہیں کرتے۔ لیکن اپنے سامنے ان کا اعتراف کرنا صحت بخش ہے
کوئی شخص اپنے آپ کو کجبات نہیں دلا سکتا۔ لیکن ہم زما یا بشر انگیزی کا
خاموش اعتراف ہماری اپنی سوسائٹی کو ذرا خوشگوار بنا دیتا ہے۔ جو
شخص اپنے آپ کو جاننے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا وہ نفاہر اس بات سے
ڈرتا ہے کہ اسے کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے گی کہ جس کی وجہ سے اس کی
اپنی صحت قابل برداشت ہو جائے گی۔

حماقت، رفا، بیوقوفی، رباکاری، بناوٹ اور ہر قسم کی خبی کی
تمام عیوبیں اور برائییں جیز ہم بجا فخر و مباہات کے ساتھ فوج انسان پر اپنا
دباؤ ڈالتے ہیں یہ تمام بائیں ہو کر نکلے والے کا نشانہ بنتی ہیں اس کے تہوں
کے لئے اسنے نشانے ہیں اور اس کے جسے کے شکار ہیں اور ہمیں کجی
معلوم ہے کہ دنیا لیلے شکاروں سے کس قدر مہرور ہو رہی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہم خود کس قدر جلدی کر گئے اور ڈیگ مان گئے
ہیں اور جب ہمیں اپنا کاروبار اور ہنگ معلوم ہو جائے تو پھر ہم ان کے صخر
اثرات سے بچنے کی کوشش کرنے لگ جاتے ہیں۔

”اعترافات“ لگانا کر گئے والہا حلالہ اس کی

یکتا ایک بہت بڑی خود نوشت سوانح عمری ہے اور اگرچہ وہ نہایت بجا
خود پسند آدمی تھا اور اپنے بارے میں دلچسپی لیتا تھا مگر پھر بھی وہ اپنے
آپ کو جاننے سے قاصر نہ تھا۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے کہ بے وطن میں
اپنے مذہب اپنے خاندان اور دوستوں کی آغوش میں رہ کر کسی خوشگوار
پیشے کی یکسانیت میں نہ رہا اپنی زندگی اطمینان اور امن سے گزار دیتا۔ میں
ایک نیک سچی اچھا شہری نیک دوست اور نیک آدمی ہونا چاہتا تھا اپنی حالت
کی حاجت ہوئی۔ انا میں اپنی حالت کیلئے باعث ہو تا اور آسودہ
گمشادی میں آسودگی کی زندگی بسر کر کے اپنے ہی خاندان کی آغوش میں رہے
امن سے اس دنیا کو تیرا د کہ جاتا۔

حقائق

دنیا میں ہر شے شاعرانہ اور عالم موجود ہیں لیکن ایسا کوئی نہیں جو
دس آدمیوں کی بھی رہنمائی کر سکے۔

حکمت قہوں کے پھر بات کا نام ہے

سیاسی انسان کا دل اس کے دماغ میں ہوتا ہے۔ دنو لیں

اس دنیا میں دنیا کی اصلاح کا کام کرنا سب سے زیادہ مشکل ہے۔ رہا مذہب

فوس صدی میں کل دنیا کے باشندوں کی تعداد آٹھ سو ملین تھی
لیکن اس وقت کل دنیا کے باشندے ایک تیرہ آٹھ سو ملین ہیں۔

شمالی زمین میں بعض ایسے گوشے لوگ موجود ہیں جن کا رنگ یورپ کے
گوروں سے ملتا جلتا ہے۔

تجربہ جاکس ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے کبھی سڑی کو بچا کر نہیں کھایا۔

شاعر کا گھر

ندی کا ہے کنارا موسم ہے پیارا
چھوٹے بڑے ہیں دے ہر سو کھڑے ہیں پونے
نہت سے پُر فضا ہے اور جانفزا ہوا ہے
پودوں کی ڈالیوں پر چڑیاں ہیں زمزمہ سر
کچھ اڑ کے جا رہی ہیں کچھ مڑ کے آ رہی ہیں
یہ حسن کا جہاں ہے شاعر پڑا ہوا ہے
کسار کا ہے دامن دلچسپیوں کا مامن
جاری ہیں آبشاریں پیاری ہیں آبشاریں
جھڑتے ہیں بے شرابے جوں چرخ سے تارے
بادل کا نیمہ سر پر سیمیں ہمے کی جھالر
اور بیچ ایک چشمہ چھوٹی ٹسی جھیل گویا
ہے شاعر کھڑا ہوا ہے
یہ حسن کا جہاں ہے یہ حسن کا جہاں ہے
فطرت بنی دلہن ہے
جنت کی منز میں ہے
فصل بہار گویا
دل دوز اور دلجو
رحمت کا یافتہ
ہے آدھی رات بن ہے
اک بارغ یا سیمیں ہے
یہ شاخسار پیارا
قمری کی گاہے کو کو
گاہے کوئی پرندا
ہے چاند چود ہویں کا
رگ رگ میں ہیں ہی ہے
خاموش سو رہی ہے
گھل جاتی ہے فضا میں
خطاک صدا کا کچھ کر
اداس دلہن کا دولہا
راحت برس رہی ہے
یاں مست ہو گئی ہے
اڑتی ہوئی ہوا میں
جاتا ہے یوں گزر کر
نہ جاتا ہے ہوا پر

اک خوشنما ہے ٹیلا خاموش اس پہ بیٹھا ہر سو بنظرِ غائر ء کچھ ڈھونڈتا ہے شاعر
 یہ حُسن کا جہاں ہے شاعر کا گھر یہاں ہے جس کے مکین سارے ہیں خواب اور بچنے
 اس زندگی سے خالی پانی ہے ارغوانی اک ندی وِستاں ہے اور ندی میں رول ہے
 جہیں کوئی حسینہ بیٹھی ہوئی ہے تنہا اور عشق کا فرشتہ ساحل کو لارہا ہے
 پلکوں کے چوڑوں سے نیا چلا رہا ہے اس سحر کی فضا میں اس گنبدِ نوا میں
 فردوسِ جادواں کا شاعر سوار ہو کر اڑتا ہوا ہے جاتا جادو کے گیت گاتا
 یخن کا جہاں ہے شاعر کا گھر یہاں ہے روشن الدین وکیل

انتر صبح

ستارہ صبح کا رونا تھا اور یہ کہتا تھا ملی نگاہ مگر فرصتِ نظر نہ ملی
 ہوئی ہے زندہ دم آفتاب سے ہر شے اماں مجھی کو تہ دامنِ سحر نہ ملی
 بساط کیا ہے بھلا صبح کے تارے کی نفسِ حجاب کا تانا بندگیِ شرارے کی
 کہا یہ میں نے کہ اسے زیورِ جبینِ سحر غمِ فنا ہے تجھے؟ گنبدِ فلک سے اتر
 ٹپکِ بلندی گردوں سے ہمراہِ شبنم مرے ریاضِ سخن کی فضا جہاں پرور
 میں باغبانِ ہولِ محبتِ بہارِ ہوا کی بنامشالِ ابد پائیدار ہے اسکی
 اقبال

پورس

ایکٹ دوم

سین-۱

کلیو فیلا ہیپنٹیان

ہیپنٹیان۔ آپ کے راجوں مہاراجوں کی نجات و اطمینان نظر نہیں آتی کیوں نہ کہ بقول ہمارے مذکورہ دلوں جن کی دولت میں یہاں کھنچا آ یا ہوں میں اس آنا کا محم راجوں میں سے دل میں آپ کی خواب کو آ کھوں سے جذبات کی ایک نیا پیدا کر دی ہے۔ پہلے میں انہیں فتنہ خیز آ کھوں سے پوچھتا ہوں۔ جانتا ہوں کہ یہ انبیاء صلعم ان کے خیال میں کس اثر کا مالک ہے اگر وہ لوہا مان گئیں تو ان راجے مہاراجوں کو ڈھب چلے آنا کوئی بات نہیں۔ آہ! جس کا ایک لفظ دنیا کو تہ و بالا کرنے کا دم نہ کھس کی آتش ریزا میں اور فلک شگاف نالے بلی کی اس تنگ پیمانہ کر سکیں۔ کلاسیکی کی توقع یہاں تنگ مان ہو کہ آپ کے بھائی کے منہ سے بھی ہاں کا گلو کہ لفظ نکل جائے گا آپ کے شغل و خدو وعدوں کو قرار دیا اور لا بائی بن چکا ہے۔ رانی جو مان پھڑکے اس کی جان کے ناگو ہو نا کماں کا سرسبز ہے جو دنیا کی بادشاہت کو اتار کر آپ کے لئے دھونی ماسے بیٹھا ہوا اس کے دلوں کو ٹھکانا کماں کی مشورہ گری ہے یہ صلعم و جنگ کا گور کہ دھندا جو کسی کے کھولے کھلے نہیں نہیں آ کھوں ایک کھلو نا ہے جس کی چابی آپ کے ہونٹوں میں بند ہے۔ سو کی ایک کھوں دینا اور اس کی عقیدت اس کے نزدیک بے سود میں اگر آپ کی چشم غایت شامل حال نہ ہو۔

کلیو فیلا۔ اپنی طرف دیکھتی ہوں تو میں ہانکا مسکندر جیسے مشہور جہان کو یک باہر حسن محو کر کے اس شان و شکست کے مالک کو کیا بڑی ہے کہ مجھ جیسی ناچیز محبت کے لئے اپنی جان ہیکان کرے۔ جناب الاکہ نادان ہی مگرتا جانتی ہوں کہ ایسے گریز پا صید ویرنگ بائینیں

رہتے نئی چراگاہ دیکھتے ہی زنجیریں توڑ کر نکل جاتے ہیں اور ان کی چتر نئی انگلیں جو یک زیادہ ویرنگ نہیں کھیل سکتیں۔ آسمان سے بار بار کھاجے کہ آفتاب نصرت کا کمال جذبات لطیف کے زوال کا چرخ خیمہ ہوتا رہا ہے ممکن ہے کہ میں آپ کے سامنے بھی اُنہیں ہر ایک کو باس غافل ہو لیکن جب میں آزاد ہوئی تو ان کی زنجیریں بھی کٹ گئیں۔

ہیپنٹیان۔ اگر آپ اسے آتش چڑیں ملے اور تائے من گن کر رات بھر کہتے دیکھ جائے تو آپ کو یقین آنا کہ اس کی رنگ رنگ میں آپ کی محبت میں دبی ہے جس کوئی کی تلاش میں وہ جنگ کے طوفان میں کود پڑا وہ آپ ہی کی داشتہ ہے آپ ہی کی محبت ہے۔ جاس تاجر فراع کی گردن میں سن ڈھلے ایک سونے سے دوسرے میں کھینچے لئے جاتی ہے اور اس راہ دشمن میں جو چیز آ پڑتی ہے اس کا اپنی بچہ اُسے سل ڈالتا ہے۔ یہ جذبات غفلت نہیں تو کیا ہے جو جانے اور آپ کے عقیدے ایک ہی میدان میں لہرا رہے ہیں۔ یہ آپ کی ہی کشش ہے جو وہ اپنے مورچوں میں کھڑا آپ کے مورچوں پر نظر ڈال رہا ہے لیکن ان کا غلبہ کے باوجود اس کا نتیجہ ابلی اس اندیشہ سے سم جانا ہے کہ مبادا یہ سب کچھ بیکار جاسے اور آپ کے لٹا جھوڑی دو ٹکڑے۔ یہ یلغار پر یلغار کہنے سے آج تاحمت ہے اگر آپ کے دل میں گھر نہ کر لے اور آپ اپنی تعامل شکاری کو حق بجانب قرار دیتے کہ لئے ہر روز اس کے حمد و فائیں بچ نکالتے ہیں۔ آپ کا دل بے اعتدالی

اور بھڑکا دیتے ہیں جس میں کہہ کرنا جانتی ہوں تو ایک راجہ کی مثال
اور ایک ہمارا بی کی جھگڑا کرنا نکمیں میرے ہونٹ سی دیتی ہیں۔
ترودات کے اس ہجوم میں جس قدر پریشان ہوں تھوڑے۔
میری ایک آنکھ بھائی کے لئے اشکبار ہے دو دوسری ساندکے
فلوٹس خون ووری ہے میں جانتی ہوں کہ سکندر نے سینکڑوں
تاجداروں کو جو اس کے مقابلہ میں آئے تباہ و برباد کر دیا ہے لیکن
میں پرس سے بھی ناواقف نہیں جس کے جھنڈے جمع تھے جو کہ
بھاری قوم نے بڑے بڑے حملہ آوروں کے دانت کھٹ کر لیں ہیں
گدشتہ کامیابیوں کے نظریں سرشار اور فرح و اودھوت سے بے پروا ہو کر
اس کی پیروی کیلئے کمر بستہ ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے۔

ہسپنستان۔ آپ ان فصول اندیشوں سے ملول نہ ہوں۔ پرس کو
طین آئے ہندوستان کی سب یا تین اس کی حمایت پر کھڑی
ہو جائیں۔ گویا آپ کا بھائی ان سے ایک لپے ہے تو۔ ایسے وہ
آ رہے ہیں۔

کلیو فیلا۔ آپ کے تنکے ارادے کامیاب ہوں آپ کی دامانی ان غوروں
بدلوں کو ارادے۔ ہر کسب اگر وفادار ہو گئے نہ کہ آپ کا یہ
فرض ہے کہ اسے ورنہ پراگشیں ہم دونوں پر آج نہ آئے ہائے۔

سین دوسرا

پورس۔ نکسلا رہے ہسپنستان

ہسپنستان۔ بیشتر اس کے کہ آپ کی تمام ریاستیں جنگ کے شیعہ
کی ایک میں اگر ہمارے مالک محروسیم دہل ہوں میرے نشانہ
ہنگامہ کارزار گرم کرنے سے احتراز کر کے آپ کو آخری دفعہ دعویت
صلح دیتے ہیں۔ ایک کی قومیں ہوموم امیدوں کے بل پر فوج خوات
کی پیش قدمی کو روکنے کا دم بھرتی نہیں۔ لیکن گو وہ ریت کے
ذروں کی طرح پھیل گئیں۔ حملے ہائے علم کو اپنے کھنڈے لہرائے
دیکھ ہی لیا۔ یہ علت کے بعد آپ کے مورچوں پر کاڑے جاتے اور
کہتے آپ لوگوں کے خون سے میرا سب ہو جائے برتے مگر ہمارے
کوہ و دشتا رستہ رمان رواں ہائے بادروں کے جو من کو تمام لیا
آپ کو معلوم رہے وہ اس ملک میں جاگیر اٹنگ لیکر نہیں آیا
اور اس کا ہرگز پیشانی نہیں کہ آپ کو ہر سال کسے۔ وہ عیدین ہیں

کلیو فیلا۔ افسوس میری بہتر خواہی بھی آپ کے شلوک کے لئے مایہ زاری
ہے۔ جاری ہیں سنائی خوشنات کو سنہ تہہ دار سینے کیلئے ہاں
دلائل سے پریشان ہونے کی عادی ہیں۔ کاش آپ کے قاصد میرے
دل کے بازو آگاہ ہوتے بہر حال نمون ہوں کہ وہ مجھے اس قدر
چاہتے ہیں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ میں ان گذشتہ سان کا جوش دم
نہ ہو گیا ہو۔ میں محبت کی بخوبی ہوں اور کہیں جسے انہوں نے بھاری
سر میں قدم رکھتے ہی مجھے اسیر کر لیا اور مجھے معلوم ہوا کہ ساری
دنیا پر ان کا قبضہ ہے تو اس قدر کہ میں نے مرہائی خیال کیا بات تو
ایسی تھی کہ میں گل گل کر ماتی۔ مگر مجھے اس قیدی میں عزت آگیا کہ آزادی
ایک پریشان خواب ہو گئی اور اس کے حصول کا امکان سوچنے کی شای
ہوئے لگا۔ آپ دنیا خیال کیجئے کہ ان کی آمد کی خبر میرے دل کی
کیا کیفیت ہوئی ہوگی مگر وہ مجھے خوشی ہوئی دکھانا چاہتے ہیں۔ اور
ایک ٹکٹ کے انداز سے جلوہ ناہوئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری
آؤں میں وہ مزید نشان و شکوہ کے تھلائی ہیں۔

ہسپنستان۔ زانی یہ عجول ہے۔ آپ کے کس فسوں سازنے اس کا
فاتحہ جوش دم کر رہا ہے۔ اب تو وہ اپنی تیغ آبدار کے جوہروں
کو غلاف میں چھپا رہا ہے اور ان راجوں کو صلح کی دعوت دے رہا
جو اس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگا سکتے وہ اس بات کے
اٹھانے سے ہرگز باز ہے۔ جوان مغزور راجوں کو روٹی کی طرح
دھتک کر رکھے۔ جانتے ہیں آپ کس لئے ہض اس وجہ سے
کہ کہیں اس کا نذرہ آپ کے بھائی کے سینے پر نہ پڑے۔ اسکی نعمت
آپ کے دل کو نہیں لگائے سے دہتی ہے اس کا دل فحشابی کے
اس نشان کو نہ نہیں کرتا جس پر آپ کے آنسوؤں کے موتی لگے
ہوں۔ زانی! اس کی محبت جو دالہا نہ نشتر نشین پیدا کر رہی ہے۔
اُسے پروان چڑھا ہے۔ اور اسے رنجیدہ فتح حاصل کرنے کی جرئت
سے بچا ہے اس وقت اس کا دریائے کرم جوش پر ہے ان راجوں
کو سمجھائیے کہ اس لیے گدشتہ منکر اندوہ کیے دلاؤ کہ وہ جو
اور اس لطف حسروانہ کو بصد زاری قبول کریں۔ جو انہیں صرف
آپ کے صدہ قدیم ل رہا ہے۔

کلیو فیلا۔ آہ! کیا جاؤں میرا بی بی ہاتھ ٹھنک رہا ہے جب بھائی کا
دھیان آتا ہے تو میرا تن دن کا پتہ اٹھتا ہے۔ دہونا نہ کر سکیے
پار سے دشمن کے ہاتھ اس کے خون میں رنگے جائیں۔ مگر میں
بھائی کے شعلہ غضب کو دم کمر کرتی ہوں تو پورس اور انکیا نامے

شرطاً صلح کی طالب ہوئیں۔ وہ خوف سے مرعوب ہو کر یہ خیال کرتے تھے کہ دونوں کا مقابلہ کرنا وہم کے خلاف ہے۔ لیکن ہم جو فاطمہ کو وہ سرکاری گاہ سے دیکھتے ہیں۔ خوب جانتے ہیں کہ دیوتا ظالم نہیں ہوا کرتے۔ پس اس کے غلام اُسے لاکھ آسمان پر چڑھا دیں۔ ہم تو اس پیر شری کو محض انسان سمجھتے ہیں۔ ہم اس کی راہ میں بھول بھالنے کے لئے تیار نہیں اور وہ ہمیں ہر لمحہ سبک یا ٹیگہ پر قدم پر اس کی فتوحات کا راستہ دکھانے والے کھڑے ہوں گے۔ یہاں ایک چٹان سینکڑوں جانی لیکر پہاڑی ایران کی مٹی کی دل کو پریشان کرنے میں اتنی زحمت و اشنا وقت اتنے محنت صرف نہ کرتے پڑے ہوں گے جو اس چٹان پر قبضہ کر کے لئے اور کہیں جس آرام طلبی نے ایران کو برباد کیا۔ اُسے ہم نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ ہمارے ملک کے ریلے سے ہماری مردانگی کو رشوت نہیں دے سکتے۔ صرف ایک چیز رہا راول لعلی نام ہے اور وہ ناموری ہے جس کے لئے میں اور اسکندر ریزہ آنا ہوتا ہے۔ ہم صرف یہ بات

ہم نے یہ سنا۔ اسی کی سکندر کو تلاش ہے۔ اس سے کمتر درجہ کی چیزوں کی طرف توجہ نہ لگے۔ اٹھ کر بھی نہیں دیکھتے۔ صرف اسی کے لئے وہ اپنے ملک سے چل کر اراکے تخت تک آئے۔ اور اس عظیم نشان سلطنت کی بنیادیں بنادیں۔ اس کے مسلح حملے آف و نصرت کے تاج و تخت اُس کی تحویل میں دے سکے ہیں۔ آپ کا نذر اس معافی کو روکتا ہے۔ مگر آپ کی آنکھوں کو اس کی کامیابی کے نظارے دیکھنے سے نہیں روک سکتا کج کا دل دیکھ لگا کہ وہ ناموری کے لئے کس طرح جنگ کرتے ہیں اور یہ کب صرف فوج تک لٹا کر کیتے چلے جاتے ہیں۔ پورس و شرف لے چاہیے میں اُن کے مقابلے کو حاضر ہوں

سین (۳)

پورس - نکلسا۔

نکلسا۔ اس قدر جوش۔ اسی بے مبری۔ کیا آپ کا ارادہ۔

پورس۔ میں آپ کی اطاعت پذیری میں دخل دینا نہیں چاہتا۔ ہم ہشتیان صرف مجھ سے کہیں وہ غلط ہو کر گیا ہے۔ اور اپنے بادشاہ کو آپ کی فرائض رادری سے مزدور ملنے کرے گا۔ جہاں انی کشانی کو فوجیں میرے ساتھ ہیں اور میرے ہتھیارے کے ساتھ ہیں

ایسا رسانی سے کام ہے۔ اور جہاں تک اس کی پہنچ ہے آگ لگائے چلی جاتی ہے۔ جو سوائے تکبر و آبریزدخات کے کسی کے سامنے ٹھکنا نہیں جانتی وہ دنیا کا ایک وسیع قید خانہ بنا چاہتا ہے جس میں ہر جیسے سب انسان اس کے قیدلوں کی طرح آباد رہیں۔ ملک پر ملک فتح ہوا اور بادشاہ ہر بادشاہ کا غلام ہوتا چلا جاتے۔ اس کے گنہگار تھب کو ایک زنجیر آہنی میں باندھ رہے ہیں۔ اس کی ٹانگہ میں پیلے ہی نکل چکی ہے۔ سینکڑوں نامداروں سے اب ہم چند ایک رہ گئے ہیں۔ کیا کہیں نے صرف ہم چند ایک نہیں مجھے یہ کہنا چاہئے صرف میں جس میں سلف کی کوشاں باقی ہے۔ آہ! اس خیال سے میرا خون کھول اٹھتا ہے۔ اس وسیع دنیا کو متزلزل دیکھ کر میں اسے خوش ہوتا ہوں کہ اگر یہ ممکن ہے تو صرف میرا بازو اس کی آزاد ی کال کر سکتا ہے۔ جب اس واماں کا سکہ جاری ہوگا تو میں کس لگے کہ سکند اعظم ماری دنیا کو فتح کر لیتا۔ اگر دور دراز سرحد پر وہ مجھ سے دوچار نہ ہوتا جس نے اس کی زنجیروں کو کھاس کے شکنے کی طرح توڑ ڈالا۔ اور دنیا کو آزاد کر دیا۔

ہم ہشتیان۔ کم از کم آپ کے لفظوں سے تو یہی ظاہر ہو سکتا ہے کہ آپ بڑے بشر اور واقع ہوئے ہیں۔ لیکن اس طوفان کے روکنے کا وقت ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ اس ہلگلاتے ہوئے ملک اور خود آپ کی ذات کو صرف آپ کا سہارا ہے۔ بہر حال میں نہیں کہتا کہ آپ پیش دستی کریں۔ آپ شوق سے میرے بادشاہ پر حملہ آور ہوں۔ مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ اس آپ اس کے حالات سے زیادہ واقف ہوئے اور شہرت سے اس کے نصف ہی کا ناتا بنائے ہوئے تو اس صورت میں آپ دیکھتے

پورس۔ میں کیا دیکھتا؟ میں جان لیتا ہوں کہ مجھے تو نا سکندری کے پاؤں میں سر رکھ دینا چاہئے۔ یہی کہ ایران نے ایک ہم اسکی اطاعت قبول کر لی۔ یہی کہ ہمارے اہل خون آشامی سے تنگ گئے ہیں۔ لیکن میں چھٹا ہوں کہ بیش پسند آرام طلب بادشاہ کو مطیع کر لینا کو فوجی بات ہے۔ ایک ایسی جیسے اس اور بے جان قوم پر غالب آنا کو بڑا کارنامہ ہے جن میں اپنی سنہری زندہ کیتروں کا اٹھانا دو دھروں کا تھا جنہوں نے ذرا مقابلہ نہ کیا۔ آپ کو دیکھتے ہی زمین پر جھک گئے اور آپ کے بادشاہ کے سد راہ ہونے کے لئے صرف لاشیں رہ گئیں۔ اس کارنامہ کو دیکھ کر میرا تو ہم کی آنکھیں چند ہا گئیں۔ اور عاجزانہ انداز سے سجدہ دینے کو

تہ ذبہ کیا ہے۔ مجھے ہمیشہ ہی اذیت دہا کر رہا کہ کب سے یہ کڑوا بار دبوس قوت
وقت پر غاندیں، ایک خدا راہی میں خوش کرنے کے لئے الگ الگ ہو گیا
خوب ہوا۔ اس نے ہمیں اس قدر غور نہیں کیا جس قدر اس کی بڑا
لطف سے ممکن تھا
اکشیا۔ جڑ میں نہ آئے۔ آپ کی ہادی نزاروں دشمنوں سے ہمدرد
نہیں ہو سکتی۔ اکیلے دم اس کی ضرورت کو روکنا اور بے شمار دشمنوں کا
مقابلہ کرنا ممکن نہیں

پورس۔ ہیں! کیا آپ جانتے ہیں کہ میں بھی غدار کی کروں اور دوسرے
مارے آپ کو دشمن کے حملے کو روکنے کے لئے کیمپ میں مجب کے
بھٹا ہوں اور اعلان جنگ کے بعد لٹے سے ہی جڑوں ہمارا ہی میں
اس بات کو بار دہیں کرنا ملک کو جانی کا ہتا ہوں کہ آپ کے دل میں بھی
نام ریشک کا شعلہ بھول کے ہائے۔ بھلا میں یہ فراموش کر سکتا ہوں۔ کہ
یہ صرف آپ کی بھرازی کے قلیل ہے کہ ہمارے تمام باپے میلن جنگ
کی طرف کھینچے چلے آئے ہیں جن کی غلی حوصلگی اہانت سے نفرت
کرتی ہے۔ اور ہر اس کو محبت کی آنکھ سے دیکھ سکتی ہے جو سکنہ
کو زبردستی سے میرا روض ہے جس کے لئے میں دنا جا رہا ہوں اسے
نہیں کہیں اس کا قیدی نہ ہوں بلکہ اس نے آپ کی حراست سے
باز رہنا چاہا۔ ہمارا فی ان میں جانتا ہوں تاکہ اس دل پذیر تہ کا مسئلہ
نہ ٹوٹے جائے۔ یا تو میدان مار لیا یا میدان میں کام آیا۔ تیسری کوئی
صورت مجھے نظر نہیں آتی۔ اور چونکہ تیسری آہیں اس پر کھپا کر نہیں
کر سکتیں۔ جسے ناموری کے سوا کچھ نہیں بھانا۔ اس لئے میں غم چاہا
کرنے کے لئے بھٹا ہوں جو ناموری کو میرے نام کا لفظ بنائے گی
ممكن ہے کہ جو اندرونی کی قدر دانی آپ کے دل کو فلاح کی طرف مائل
کے۔

اکشیا۔ ہمارا آپ میدان کو سدھارنے میں تمکا کے کیمپ کا جائزہ
لیتی ہیں مگر ہے کہ کوئی ایسا شخص نکل آئے جو اپنے راجہ سے زیادہ
سباور زیادہ وفادار ہو میں ایسے سوراؤں کو آدہ پکا کر کرتے کی آخری
کو شش کروں گی۔ پھر آپ کے کیمپ میں جا کر آپ کی مشکلات میں
شریک ہو جاؤں گی۔ میرے دل میں جواز بند ہیں انہیں سرسہ ہی سے
ہیں۔ اس قدر ہی دعا ہے کہ زندہ رہو اور فتح کے مہرے لڑاؤ
پورس۔ حال دل تباہ میں تاخیر نہیں ہے۔ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ میری
منیں ہمارا ہو میں اور آپ کا دل بند بجا۔ کیا آپ کا دل بند کرنا ہے
کہ ایک بے قیمت ماجرہ کو راجہ رحمت بنایا جائے۔ جسے شاید گرفتار

آغا جنگ کا اختیار کر رہی ہیں۔ ہمارا ہی کے تخت کی حفاظت میرا
فرض ہے۔ گویا وہ میرا ہی تخت ہے اور آپ میرے اس فرض
کی صداقت میدان جنگ میں دیکھیں گے مگر ہمارا ج اپنے دل کو
بچائے۔ سب بادائے دوستوں سے کرم جو میں فاداری کے اظہار
میں وہ آپ کے لئے کوئی نئی آتش جھٹکتا نہیں کرے۔

سین (۴)

اکشیا۔ پورس تمکلا

اکشیا۔ ہمارا ج میں کیا سن رہی ہوں۔ ہمارے دشمن اڑا رہے ہیں کہ
لئے اہانت کر لی ہے۔ کہ اڑا کر اس کا دل تابع ہو گیا ہے اور وہ اس
بادشاہ کے خلاف فوج کئی دہے کہ جس کی دھڑکتا رہا ہے۔
تمکلا۔ دشمنوں کی باتوں پر کوئی اعتبار نہیں کرنا وقت آپ کے علم میں
بہتر ماضی کرنا چاہیے۔

اکشیا۔ تو ہمارا ج اس خواہ کی تردید کیجئے اور ان کی گوشا کی فرمائے چہل
لئے یہ ہوائی اڑا رہی ہے۔ پورس کی طرح بڑھتے اور ان کے منہ بند کر دیجئے
انہیں تباہی آپ کا قہر کس غضب کا ہے تاکہ انہیں معلوم ہو جائے
کہ آپ سے بڑھ کر ان کا کوئی دشمن نہیں۔

تمکلا۔ ہمارا فی ان میں صفا آتا ہوتا ہوں۔ ان خواہوں سے لینے دل کو پش
نہ کریں۔ پورس اپنا حق داکر لیا تو میں بھی اپنے فرض کی بجا آوری میں
کو تباہی نہ کروں گا۔

سین (۵)

اکشیا۔ پورس

اکشیا۔ اس کی بہن میں کچھ نہیں کہتی۔ اس کا اڑا ہوا چہرہ اس وجہ
کا معلوم نہیں ہوتا جس کے دل میں تسخیر کی آہنگ ہو اور جس میں
اعتماد کر سکیں۔ اب کوئی شبہ نہیں رہا کہ میں حو کا دیا گیا ہے اور اس
طریقہ میں ہر رنگ و دانوس اور وطن کو قربان کر دیا ہے۔ جند کے
بارے میں وہ ہمارے ذوال کا خواہاں ہے اور اس آرزو کے اظہار کیلئے
اُسے صرف جنگ کے وقت کا اظہار ہے۔

پورس۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تمکلا کے جانے سے ایک کڑور تکا سیر
اترے سے نکل گیا میں اسے ایک مدت سے جانتا ہوں۔ اور اس لئے
میں اس کی مدد پر کبھی بھروسہ نہیں کیا۔ ان آنکھوں سے اس کا

یعنی دلاتا ہے تو یا اعلان ہی کیوں نہیں کرتا کہ وہ ان مجرموں آجروں کا
مقصد نہیں کر سکتا۔ نہ اس کی طاقت میں
اکٹیا نامہ جاننا چھو کر روکنے کے لئے بڑے گواہ کو میرے دل سے بھی
زیادہ مضبوطی چیرے کیوں نہ مقابلہ کرنا جو اگر آپ بہر صورت کاٹھا
ہیں + (محمد عمر نورانی)

اس بت کی یا اس کے محرم کر کے جو میری صبح کی عہدہ گاہ ہے اور میں ہے
مراؤ دینا سے اٹھ جاؤں۔
اکٹیا نامہ اب میں کیا کہوں۔
پورس۔ میرے دل کی جھارانی! اگر آپ کو مجھ پر رحم آتا ہے تو اپنے دل کو
مجھ سے کہ میری محبت کا عقور اس اعتراف کرے۔ مجھے بیا بیخ کا

غزل

گہرے تعلقات میں اُس رنگ و بو کے ساتھ جہتِ رگوں میں دوڑ رہی ہے ہلو کے ساتھ
گذریگی جس طرح بھی گذارینگے زندگی وعدہ نباہ کا ہے ہر اک آرزو کے ساتھ
یہ جانتی ہے سوختہ ساما نیوں کا راز صحرائے جل اٹھے مری آواز، بُھو کے ساتھ
ہے اضطراب اور بلا کا ہے اضطراب بجلی سی دوڑتی ہے رگوں میں ہلو کے ساتھ
بے لطفی حیات کی رُو داکھ نہ پوچھ دن کاٹنے پڑے دل بے آرزو کے ساتھ
منت پذیر دیدہ خونبار ہے ہمار مینِ جنتیں بکھیر رہا ہوں ہلو کے ساتھ
الفاظ کو لباسِ حقیقت میں پیش کر لو اشکوں کا سلسلہ بھی رہے گفتگو کے ساتھ
میری طرح نصائیں دو عالم کی مست تھیں وہ انجمن ہی اٹھ گئی اک خوش گلو کے ساتھ

ثنا قب امیر ہو کہ گناے فسادہ پا
انسان ہے وہی جو ہے آبرو کے ساتھ
ثنا قب جانِ صری

انتظارِ ناکام

خانہ کھولا۔ غینک دست کی۔ اور الماری سے ایک چرمی کتاب نکالی۔
 ”یہ اُس رسلے کی پہلی جلد ہے جس میں میں مضامین لکھتا تھا۔“ یہ کیا
 اور لیب کے پیچھے بیٹے کو درق اُٹنے لگا۔ اس وقت اُس کا سانس کچھ بھولا
 ہوا سا تھا۔

”یہ ہے جس میں پرکشی شنب کوئی مضمون پڑھا تھا۔ مجھے دوسرے کہ یہ
 مضمون بہت روکھا پھینکا ہے۔ غنائی مجھے واضح کرنے کی ضرورت ہوگی....
 نہیں! مضمون! اپنا مطلب آپ بیان کیے گا۔ مجھے فرشتا ناکا نہیں ہے۔ کہ
 جس وقت میں نے یہ مضمون لکھا تھا اُس وقت میرے دلی دلو سے سرو
 ہو چکے تھے۔“

اُس نے اپنی گہری اور غرض آئینہ آواز میں جو کچھ پڑھا وہ مسکندیل ہے
 ”وہ جد کے دن سے جد کے وقت میں اپنے قدیم فرہم صورت مکان میں لکھا تھا
 اور ابھی ابھی میں نے پانا بابا بھیری کے پاس جانے کے لئے باندھا تھا۔
 مکان میں صفائی کا بھی کوئی اہتمام نہ تھا۔ کیونکہ کچھاروں سالانہ اور دوسرا
 کوٹا کرٹ وہیں ادھر اُدھر کیا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو ابھی ایک دن اور کام
 کرنا تھا۔ اسٹین میں سامنے کے دروازے کی گھنٹی بجی۔ پہلے تو مجھے خیال آیا کہ
 شاید یہ بھی سے بچ گئی ہوگی لیکن جب وہ بار بار بجی تو مجھے ایسا
 محسوس ہونے لگا کہ گھڑت بلا اور خالی ہے جس میں بالکل اکیلا ہوں۔ خاصہ

اس وقت اپنے گھر جا چکی تھی۔ میں اس کا ہاتھ لکھ میرے جانے کے بعد وہاں
 طبری رہے۔ آخر میں خودی نیچے گیا۔ سامنے کے دروازے میں تالا لگا تھا اور
 جالی میرے پاس۔ سچی کیونکہ کارکنوں کو گھبراہٹ میں اپنے منہ سے نکلے گئے
 تھے اور میرے لئے یہ تجربہ کر رہی تھی کہیں ضرورت کے وقت ان لوگوں کے
 دروازے سے آیا جائے گا۔ اس لئے مجھے پہلے کے دروازے سے نکلنا پڑا۔
 گھوم کر گئیں جس جانا بلا جب وہاں پہنچا تو میں نے کھانے کے جھونڈا نہیں ایک لنگ
 کوڑی ہے۔ اس کا لباس سیاہ تھا۔ میں اسٹراٹا اپنی ڈیڈی آتارنا چاہتا تھا
 لیکن اس وقت مجھے یاد آیا کہ میرے سر پر ڈیڈی نہیں ہے اس لئے اس سے
 دریافت کیا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ اُس نے کہا کہ میں مسٹر رافیل خیل سے
 ملنا چاہتی ہوں اور پھر کہہ گیا آپ خیل نہیں ہیں؟ میں نے اُسے اپنے اُسے
 جین آئینہ حالات بتائے۔ اور پھر اسے چور کر بار کے دروازہ کی طرف سے

وہ خالی کروں سے ہو کر ملاقات کے کمرو کی طرف گئے
 ”آہ! کھانا بنی کی میز پر بھی ہے جس کے متعلق میں تم سے باتیں کر رہا تھا۔“
 بڑے سے کہا۔ کتنی خوبصورت ہے کیوں نہیں!

”بہت خوب صورت! بہت عمدہ۔“ ڈورا نے اسے دیکھنا لگا کر تعریف
 کے لہجہ میں کہا۔ لیکن وہ حقیقت اس کا یہ خیال تھا کہ نیراتی خوبصورت ہے
 اس میں شک نہیں کہ وہ دلچسپ لکھی، گرم دلی درجہ کی۔ وہ صبران تھا کہ پڑھا اس
 میر کا گھر یہ وہ کیوں ہے۔ پڑھا ابھی تک اس کی تعریف کرتا چلا جا رہا تھا۔ اور
 اپنے اس جذبہ کو نہیں دبا سکتا تھا۔

”عجب مینر ہے“ خیل نے کہا۔ ”بہت عجیب چیز ہے۔“ مجھے اتفاقاً پیر
 کے دن نور پیر سڑے میں یہ مل گئی۔ اب کی دفعہ میں اسے اس کی قیمت سے
 کم دی ہے جتنی کہ میں نے منشن میں ادا کی تھی۔“
 ”تو کیا یہ پتلا بھی آپ کے قبضہ میں رہ چکی ہے؟“ ڈورا کے لبوں میں شہنائی
 پیدا ہو گیا۔

”جی ہاں اور اس کے متعلق ایک عجیب واقعہ بھی ہے۔“
 ”گیاس میں اسے شے ملتا ہوں؟ یا یہ راز ہے؟“
 ”اس سے نہیں آیت ہوگی۔“

”مسٹر فیڈر رافیل“ ڈورا کی سیاہ آنکھیں مہوئی تعریف سے جھک
 رہی تھیں۔

”تھا تو یہ راز ہی لیکن اس کو اتنی مدت ہو چکی ہے کہ اب اسے براہ راز
 کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُس وقت اسے کھ لیا تھا۔ نہیں معلوم ہے کبھی
 مجھے بھی تصنیف و تالیف کا شوق تھا؟“

”تصنیف و تالیف کا شوق مسٹر فیڈر کیا ابھی جاننے کی ضرورت ہے؟
 میری لائبریری میں ہندوستانی تینوں کتابیں موجود ہیں
 یہ سن کر بونے کا چہرہ اطمینان سے جھک۔ ”خار اور پستے سے نریا دو چہل
 کی سادی اور بھولا پن اس کے منہ پر بیٹھنے لگا۔

”خار چاہے ہو کہ نہیں وہ مضمون پڑھ کر سنوں۔“
 ”میں اصل کرتا چل مسٹر فیڈر!“
 آہستہ آہستہ دھنکے بن سے بڑھنے سے چاہا بن نکالیں کتابوں کا

اور انجینٹ سٹریٹ پوسٹ آفس" میں پہنچا جہاں مجھے بہری کوتاہ دیتے ہوئے کافی وقت صرف ہو گیا۔

جب میں پوسٹ آفس سے لوٹ کر آیا تو وہ فرش پر بھاڑ دے رہی تھی۔ بلکہ وہ بھاڑ دے چکی تھی۔ اس کی فوٹی ایک کرسی کی پشت کی طرف ٹک رہی تھی۔ میں لرز گیا اور ایک لفٹ تک نہ سنے نہ نکال سکا۔ اور دیر تک ہم میں کھٹنے سے جھجھے محسوس ہوتے تھے۔ وہ مسکرائی میں نے اُسے کہا کہ خرابی ہوئی اور وہ لوہوں کی سطح ہی تمہاری تصویر بنا رہا ہے جانتا ہوں۔ میں نے جو جسے پرکھی رکھ دی اور اُسے کہا کہ وہ ڈراماتورگ کر بیٹھ جائے۔ صناعہ میں اپنا تصویر کھینچتا ہے اور رنگ ملتا۔ یہ وہ خاموشی کے ساتھ درجے سے باہر کی طرف دیکھتی تھی۔ وہ فٹ اُس نے کہا "اور تصویر کی قیمت کس قدر ہوگی؟" میں نے کہا یہ کوئی بات نہیں! اس کے متعلق ہم بعد میں گفتگو کریں گے یہ باتیں ہونا تو کسی کئی کبھی بی ہیں لیکن اُس نے اصرار کیا کہ میں شرح کو کتنے سے پتلے قیمت کا فیصلہ کرنا چاہتی ہوں۔ اس نے پیشے سے کہا کہ بہترین قیمت مقرر کرو۔ اُس نے کہا کہ میں پچاس پونڈ ادا کر سکوں گی۔ میں اس پر راضی ہو گیا اور وہ پانچ پونڈ کتنی تو اس میں اُپر بھی رضی ہو جاتا۔ اُس نے سانسے پوچھے میں سے نوٹ نکالے اور لوٹی چونکہ تم مجھ سے واقف نہیں ہو اس لئے میں بٹنی اجرت دینا چاہتی ہوں میں نے انکار کیا۔ لیکن اس نے مجھ کو اجرت کا خاتمہ تہہ ہوا۔ جب اُس نے چوکی سے اُتر کر نوٹ چمکی کا دانس پر رکھ دیے۔

پون گھنٹہ تک تصویر پر کام کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ تصویر خانے سے کچھ زیادہ ہی ہوا۔ اور میں باسپر سارا دن کام کرنا دہوں۔ لیکن اب اور ایک بجے کے مابین مجھے بڑے دوسک ہو گیا۔ ایسی سخت ٹھوکر پھینکے جیسے کبھی نہیں کی تھی اس نے میں سے تجویز کی کہ ہم دیری کے ہوٹل میں چل کر کھانا کھا لیں لیکن اُس نے کہا کہ مجھے تو کھجور نہیں۔ اس لئے میں تو کھجور نہیں کھا سکتی۔ اس پر میں نے کہا کہ کھجور تو مجھے بھی کبھی نہیں اس لئے میں بھی کھانے کے لئے میس باس نہیں جاتا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے کہا کہ میں باورچی خانہ میں جا کر دوکھتا ہوں کہ آیا وہاں کھانے کی کچھ بھی کوئی چیز بچ رہی ہے۔ چنانچہ میں سیڑھیوں سے ہو کر باورچی خانہ میں گیا۔ جہاں آگ بجھی ہوئی تھی۔ خادمہ کا پران ایک ٹھوٹی پر لٹکا تھا۔ میں نے ادھر ادھر ڈھونڈا تو مجھے ادھی دھاتی اور تین انڈے مل گئے۔ جب میں نے اپنے پیٹ پر لپٹ کر کھانا کھا لیا تو مجھ کو سارہ دیا مڑا کے دیکھا تو وہ لڑکی کھڑی تھی۔ اُس نے کہا "اگر کوئی چیز موجود ہے تو لائے میں آپ کے لئے بکا دیتی ہوں" میں نے وہ چیزیں جو مجھے میں نہیں

سیڑھیوں پر چڑھ کے فرش کو ماتی میں لے آیا۔ اُس وقت وہاں کوئی چیز بھی اپنی حالت میں نہ تھی جس کی فرش پر قالین وغیرہ بھی نہ تھا۔ مضمون بڑھتے بڑھتے فیڈلے کہا "میں اُسے اُس کمر میں لایا۔" کمرے میں وہ کمانی کی کرسیاں تھیں۔ اس کے علاوہ میرا زیل، صفحہ بنانے کا تختہ اور بیٹے کی چوکی اور فرش صاف کرنے کا فرش۔ اور کھانا کی کرسیاں جو چند دن پہلے ہی مجھے مل چکی تھیں۔ اس کی کرسیاں بھی بڑی تھیں جنہیں روز بڑی اٹھانے کے لئے۔ وہ بے حد پریشان تھی اور میں بھی کسی قدر گھبرا ہوا تھا۔ اُس نے کہا کہ میں جانتی ہوں کہ آپ میری ایک تصویر کھینچیں۔ کیونکہ یہ کل انگلستان سے جا رہی ہوں۔ زیادہ نہیں صرف ایک خاکہ ہی بنادیں میں آپ کے پاس اس نے تصویر کھینچنے آئی ہوں کہ آپ کے میرے ایک دست کی تصویر بنائی تھی۔ میں اپنے اس دست کی مال کو اپنی تصویر دینا چاہتی ہوں لیکن یہ وہ دست تھا۔ اُس کا نام بھی مجھے اُس نے نہیں بتایا۔

مگر بنانے سے معذوری ماہر کی۔ "میں نے اُسے کہا کہ میں ابھی اُدھ گھنٹہ تک اگر کاڈی مل گئی نہ سے جا رہی ہوں۔ بات کسی دور سے ان مجھے آپ کی تصویر بنانے کی سہرت مل ہوگی۔ وہ خاموش رہی۔ اور مجھے تعین ہو گیا کہ وہ بولی نہیں سکتی۔ اُنہوں کے قطرے اس کی آنکھوں سے ٹپک رہے تھے۔ اس نفا سے سے میں گھبرا گیا۔ میرے جسم میں ایک غیر معمولی سستی ہی پیدا ہو گئی۔ اتنے رب تک میں میری اکیلا اس کے ساتھ تھا۔ اور میں محسوس کر رہا تھا کہ میں بہت متاسف اور دل گرفتہ سا ہو گیا ہوں میں ایک کامیاب آدمی ہوں لیکن مجھے حیرت سی کہ میں کتنے بڑے مکان کا سامان اور مازموں کی قیاد اور کردار یا ادبانی تمام چیزیں کیسے دیکھ سکتا ہوں اس خصوص کرتا تھا کہ میں ہی دنیا میں آیا آدمی ہوں۔ لیکن میں حیران ہوں کہ میں ایسا کیوں محسوس کرتا تھا۔

یہ ایک عجیبی سی بات تھی۔ میں نے اسے کہا کہ میں باہر جا کر تار و تار ہوں کہ میں کون کون سے نہیں آسکتا۔ اور میں تو تمہاری تصویر کا ایک خاکہ بنا دوں گا۔ اُس نے اس کی مخالفت نہ کی۔ اُس نے خاموشی سے رہتے ہوئے مجھے دیکھ کر میرے لئے یہ اومکی بات تھی۔ اور میں نے اس کی مالی بخش اس جیسے میری تھی کہ وہ بہت ہی صبر و خوب صورت بالوں والی خیران لڑکی تھی۔ اُس نے تم بائیں لباس پہنا ہوا تھا اور وہ اس کے جسم پر بھی بچ رہا تھا۔ مجھے اس سے زیادہ اس کے متعلق طے کرنے کی خواہش بھی میرے دل میں تھی۔ بہر حال میں گھر سے دوڑتا ہوا گیا۔

ذہمت ہو رہی ہو اُس لئے کہا "ہاں لیکن وہ پہرے کے بعد اس خیال سے ر
ہیں غلے الصباح آسکوں۔" یوں ہم نے فیصلہ کر لیا کہ ایک آخری نشست
اور ہوگی۔ اب بارش ختم ہو چکی تھی۔ گرم شام کا اندھیرا چھا چلا تھا جب ہم
درمیان میں سے ٹکر کر کے میں دیکھا کہ کمرے کے کونوں میں سامنے اور
تارکیاں بیچ ہو رہی ہیں تو اُس نے اپنا لباس اور دستے میں لئے
اور اپنا خیال دار بنوا اٹھا۔ اور جیسے لگی۔ اُس نے مجھے سواری نہ لانا
دی اور کہا کہ میں خود ہی کوئی گاڑی ریسٹ میں سے لوں گی۔ میں دھڑکیں
کے نیچے ٹکاس کے ساتھ لگیا۔ مکان کا پہلا درجہ لے کر اُس کے بعد دو
ڑک لگی اور میں ڈرک گیا۔ اُس نے کہا "مشرف خیل آپ نے مجھے میت
بہت ہی اچھا سلوک کیا ہے اور میں نے آپ کا ذرا بھی شکریہ ادا نہیں
کیا۔ آپ مجھے میرے چچا کے لئے کچھ دیا نہ تھیں کیا۔ اس لئے یہ بالکل متنا
ہے کہ آپ کو میرا نام معلوم ہونا چاہئے۔ یہ سب کچھ اُس نے اپنا ہوا کھولا اور
اس کے بعد تارو قطار دے لگی۔ وہ چلا تھیں اس میں ہی علم الزما
اور اپنی مشائرا آغاز میں ضرور۔ اور اپنی فریضہ کرنے والی اور پراسرار
تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس میں کے اپنا قریب تھا کہ آپ نے اختیار
لئے اسے چوم لیا اور اس نے ایک ہلکی سی سسکی کی۔ اس کا منہ آگودا اور غصہ
تھا۔ میرے اس وقت کے جذبات انہی میں سے اس کے کاغذ کا ایک ٹکڑا
اُس نے میرے ہاتھ میں دیا اور اُس پر لکھا "نو بجے۔ کل" اٹھا کھانا
دوڑ کر سڑکیوں سے نیچے اتر گئی۔ "روانے کے بندھونے کی آواز
میرے کانوں میں آئی۔"

پوٹھے آدمی کی دیکھنا آواز رک گئی اُس نے کتاب بند کی اور پھر
اپنے رکھی۔ جہاں سے اٹھائی تھی۔ ابھی اس کی بیڑی دھار کی طرف تھی
اُس نے گویا آپس آتے ہوئے غار خواہی کے لہجہ میں کہا۔

اس وقت میری تریس سال سے کم تھی۔

"اور پھر کیا ہوا؟" ڈیوار سے ہنسی سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں"

"کچھ بھی نہیں"

"کچھ بھی نہیں۔" وہ جھرمکی نہیں آئی۔ دوسرے دن کے ابتدائی
لئے میری زندگی کے پورے عرصہ کی موت کے لمحے تھے لیکن اس کو نہ آنا تھا اور
نہ آئی۔ اُس دن کی آخری گھوڑیاں میرے لئے انتہائی سہل تھیں۔

راہیل خیل رکے ہوئے ہنسا۔

"لیکن تمہارے پاس تو اس کا تیرہ تھا"

"مجھے وہ کاغذ بھی نہیں ملا۔ تیس رات نہ اُس سے دوسرے دن

اُسے وہ ہیں۔ اُس نے آپرین باغ دیا۔ آگ روشن کی اور بتوں کی لگاری
کو دیکھا تو کچھ چاہی لگئی۔ اُس نے دیکھی دھوئی اُس کی حرکات میں سادگی
کا اظہار کیا۔ ہاں ہاں تھا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ میری زندگی میں غیر معمولی حالت
تھی۔ وہ وہاں تھی اور بلا کی حسین و جلیب۔ بال غایت لہجہ تھے۔ وہ سنا
ایک تاریخی میں سے اپنے نہیں خیال کیا کہ اگر میں میری کوئی یاد دیتا تو یہ میری
کس قدر حقیقت ہوتی۔ اور اس خیال نے مجھے جیسا سا بنا دیا کہ اگر میں یہ
نہ جانتا تو کیا یہ میری غصہ سے محروم رہتا۔

جب کھانا تیار ہو چکا تو اُس نے میری کمرے سے ایک ٹیبلٹ
میں سجایا۔ میں ٹیبلٹ کو اٹھا کر پیئے۔ ادا اور کم دو دنوں سے عورتوں کی تیز
پرایک دوسرے کے آٹے سامنے ہنر کر کھانا کھانا۔

رفیق نے پڑھتے پڑھتے تیز کی طرف اشارہ کر کے جیسے کہا "یہ وہی
میر ہے"

ہمیں ایک شہر کی موت نہت سی پیدا ہو گئی۔ لیکن ہماری تمام باتیں بصیر
ہی کے متعلق تھیں۔ اسے بھی تصویر کشی کے فن میں کچھ شہد بدو حاصل تھی
وہ اس فن سے اپنی طرح باخبر نہ تھی۔ لیکن اسے اسطرحی علم ضرور تھا جتنا کہ
مورخ ہر شے کے متعلق قہر کر لیتی ہیں۔ اس سے ظاہر تھا کہ مصوروں
میں اس کی جان بچان ضرور ہو گی۔ میں کھانا کھانے کے بعد ایک گھنٹہ تک
پیش چلا رہا۔ یہ کچھ مطلع ابر کو دیکھ رہا تھا۔ روشنی کم ہو گئی۔ مدہم روشنی میں
کام جاری رکھنا ناممکن سا تھا۔ ہم نے باہر لوں کی گنجائی۔ اور اسی کے ساتھ
بارش کا سخت طوفان آگیا۔ اندھیرا اتنا زیادہ تھا کہ اس میں کبھی کی کبھی
تا باقی سے نمایاں ہو جاتی تھی اس کا رنگ زرد تھا۔ گاڑیوں کی آمد و
رفت ٹرک تھی۔ صرف کبھی کبھی کسی گھوڑے کے ٹاٹ چلنے کی آواز
سنا دیتی تھی۔ ہم نے دیکھیں سے باہر دیکھا۔ پانی کے دھارے
سڑکوں پر پل رہے تھے۔ چند ماہر کے گاڑیوں کی ڈیوڑھیوں میں پناہ گزین تھے
چارلس میں فاس کا سنگین جمبر بھیلے کی وجہ سے پگھلے گاٹھا اس وقت
نوجوان پراسرار اور خوبصورت بالوں والی حسنا اور دونوں ایک دوسرے
اور طالی اور غیر کہہ سکتے مکان کی چھت کے نیچے اظہار سے بیٹھے تھے۔

ہم خیال کرتے تھے کہ بارش ٹھوڑی دیر میں ختم ہو جائے گی۔ لیکن ہنر کا رستہ گیا
اس نے اس کو اپنی امید نہ رہی تھی کہ تصویر کشی جاری رہے گی کہ وہاں
نے کھنڈنا ہوا۔ میں تصویر کشے تھے کہ وہ رینگے کے پاس سے گیا۔ کہ کم دھڑکیں
تصویر کر جائیں۔ چنانچہ وہ تصویر، بلکہ کہ بہت خوش ہوئی اور میں بھی اپنی
میں ملے گا۔ لیکن تصویر کی تکمیل میں ابھی منظر باقی نہیں۔ اُس نے کہا
میں کل پھر آسکوں گی۔ میں نے اُسے یاد دلایا کہ "تم تو کل انکسٹان سے

آجے باتیں کر رہا ہے۔ خدا جانے وہ ڈرنے لگی ہو۔ شاید اسے ذہن کے پہلے اسے کسی جگہ جانا تھا۔ ممکن ہے وہ کسی گاڑی کے پیچھے آگئی ہو ہر روز اسی دورا ہوتی ہیں۔

”اگر وہ اس وقت زندہ ہے تو اس کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز ہو چکی ہیں جانا ہوں کہ اب اس کا وہ لڑکپن کا سانس و حال نہ ہوگا۔ وہ بوڑھے پتیل والی ہوگی۔ یہ چالیس برس پہلے کا واقعہ ہے۔ اسے زمانہ ہو گیا ہے۔ پھر خاموشی طاری ہو گئی۔“

”سیر خیاں ہے تم نے شادی نہیں کی مسٹر فیڈل“
 ”دورائے کسی قدر جھپکاتے ہوئے کہا۔ اسے اپنی غلامیوں کے لمحات یاد تھے۔“

”نہیں“

”باتے عرصے کی بات ہے کہ میرے خیال میں تمہیں ایسا معلوم ہوتا ہوگا کہ یہ واقعہ جیسے تمہارے کسی اور پرچہ میں آیا ہوگا۔“
 ”جی نہیں ایسا نہیں“ فیڈل نے کسی قدر انحصار کے ساتھ کہا۔ ”یہ وہ مجھے ہی پرچہ میں آیا تھا۔“

”تھوڑی دیر کے بعد دورا جاسنے کے لئے اٹھا۔“
 ”ہم سچے ساتھ ساتھ چلتے ہیں“ فیڈل نے سیرٹھیوں کے لپس کا مین دبا ہوتے کہا۔

”دورائے آہستہ آہستہ اس کے پیچھے چلتے ہو گیا۔ وہ سیرٹھیوں کی دیواروں پر ٹکی ہوئی تصویروں کو دیکھتا جا رہا تھا۔ کیونکہ فیڈل نے اسے ابھی دو تصویر نہ دکھائی تھی۔“

”یہ بد“ فیڈل نے پہلے ہی کی محبت پر آتے ہی ملک کر کہا۔

”ہاں یہ غیر معمولی تصویر لگتی تھی۔“ دورائے اس کو توجہ سے دیکھا۔
 ”شباب کا یہ شاہکار۔ یہ دغریب مخلوق۔ موزر۔ لباس اور اسے میں میوس۔ آرزو اور ایجنڈا۔ پر اسرار مجسمہ دو چیزیں۔ سیرت بخش اور فنکار ہونٹ۔ اگر یہ تصویر تالیش میں مین کی جاتی تو اس کی قیمت کم از کم دو ہزار پونڈ ہو جوتی۔“

”میں اسے ایسا لگا رہا ہے۔“ فیڈل نے کہا۔ ”کیونکہ کسی وہ جگہ تھی بس ہی وہ جگہ تھی۔ جہاں وہ رکتی تھی۔ اور اس نے مجھے کہا تھا کہ میں نے اس سے بہت اچھا سلوک کیا ہے۔“ اس وقت سیرٹھیوں پر کوئی قابض نہ تھا مکان کے باہر کی طرف دورا یونانی طرز تعمیر کے مشورہ کے ساتھ کو کھانسی سے کھلا دیکھ رہا تھا۔ آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے مسند ناظر کی فعل فیڈل نے اندر سے چٹختیاں سن کر کہہ رہا ہے اسے خیال آیا کہ اگر رات کو پھر یہ سیر خیاں آئے تو قلم تبسم کے ساتھ جس میں بچپن اور بوڑھاپے کی ادائیں ملی ہیں مل گئی ہوں گی تبسم کی ہونٹیں تباہ

سے لگ کر کونائو چھان مارا۔ مجھے خیال تھا کہ میں نے وہ کاغذ جیب میں ڈال لیا تھا۔ اس نے میں نے جیب کی سلائی تک دھیر ڈالی پھر جیب کا کاغذ کا پتہ نہ لگا۔ خدا جانے کہاں غائب ہو گیا۔“

”لیکن کیا تم نے اس کاغذ پر ایک نظریہ نہیں ڈالی تھی؟“
 ”نہیں، اس کے بچے جاتے بعد میں بچہ لڑکس کے متعلق سوچنے لگ گیا۔ کیونکہ مجھے سمجھے اس کے نام کے متعلق کوئی پریشانی پیدا نہ ہوئی تھی۔“
 ”اور کیا کبھی نہیں یہ خیال بھی نہیں آیا کہ وہ کون تھی؟“

فیڈل نے جواب دینے سے قبل توقف کیا۔

”نہیں اور سنسن کا واقعہ بھی یاد ہے۔“

”نہیں“

”تمہیں کیسے یاد ہوگا۔ یہ تمہارے پہلے کا واقعہ ہے۔ اور سنسن بھی ایک معصوم تھا۔ اپنے وقت میں براہیل آدمی تھا۔ میں نے اس کی تصویر بنائی تھی۔ اس نے اپنے تصویر خانہ میں خود کسی کڑی تھی۔ شیشہ کے موسم خراب کا واقعہ ہے۔ وہ عجیب طبیعت کا آدمی تھا۔ کھانا غریبوں سے خلا ملا رکھتا یا فادہ تھی کہ وہ شدت سے آواز محبت میں مبتلا ہے۔ میں تو صرف محبت ملکہ ہر چیز میں اس کی ہی حالت تھی۔ لیکن اس بار میں تو اس کا عرض درخشاں پر کلچر معمول تھا جس لڑکی سے اسے محبت تھی وہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتی تھی۔ میرے خیال میں جلدی اس رات میرے پاس آئی تھی وہ وہی تھی جو آؤسنس سے بے انتہائی برقی تھی۔“

”اچھا“ دورائے نے کہا۔ اور اس نے کہا تھا کہ تم نے اس کے کسی دست کی تصویر بنائی ہے اور اب وہ چاہتی تھی کہ تمہیں اسے اپنی تصویر بنو کر لے جائے اس دست کی ماں کو منے۔ شاید اسے مصدق کی ماں اس لڑکی سے بنا کر کرتی ہو کیونکہ اس کے پیٹے نے اس کے غور کوئی کر لی تھی۔ یہ اندھ ہے کہ اس کے کی ماں اور اس کے تعلقات میں جو کچھ ہو گیا اس نے مصیبت کے دوں کو بھلا دیا ہوگا۔ کیونکہ اور سنسن کی خدائی میں نے نوجوان عورت کے جذبات کو بری طرح پامال کیا ہوگا اور شاید اور سنسن کی خوشنودی کی وجہ سے وہ انگلستان سے جا رہی تھی لیکن کیا کیا جا سکتا ہے۔ یہیں خیالات ہیں۔ میں نے اور سنسن کی ماں سے ملاقات کی کہ اس کی کوشش کی کہ وہ مرگئی تھی۔ میں نے سیم جین کئے۔ مجھے تو کیا اس لڑکیوں کا یہ چلا جن کے متعلق ذہن کیا جانا تھا کہ اور سنسن کو ان سے محبت تھی۔ لیکن وہ ہے میں ڈھنڈا رہا تھا ان میں سے ایک بھی نہ تھی۔ اہ۔ میں بھی کہ سنا ہوں کہ ان میں سے کوئی بھی اس کا سانس و حال نہ رکھی تھی۔ اس کے بعد کہ میں باکل سکوت تھا۔“

”تھوڑے دنوں میں ان کیوں نہ آئی؟“ دورائے نے اپنی آواز میں کہا گا یاد ہے

سمند میں غرق اپنے آراستہ پیراستہ لہر کی طرف جارہا تھا۔ اس کے دل میں خیال تھا جہیز بنامیں اس کے پاس بہت کچھ ہے۔ لیکن وہ ہر چیز حاصل نہیں کر سکا۔ یہ کچھ کر اس کی طبیعت کا بچان اور بھی زیادہ ہو رہا تھا کہ وہ غلام فیدوس سے حسد کرنا ہے۔

(مہر محمد خاں شامابیہ کوٹلوی)

تہائی میں ہی کھپیں بیٹھا کھانا کھا رہا ہوگا۔ کیا زندگی ہے۔ کیا مستقبل کی حالت میں ہے۔ کیا کل رات یہ عمر رسیدہ صوہر اس مسکراہٹ کے ساتھ جس میں بچوں اور بوڑھوں دونوں کی ادنیٰ ہی ہوتی ہیں کلب میں تنہا کھانا کھا رہا ہوگا۔ آہ کیا زندگی ہے اور کیا ایام میں اس قدر حسرت انگ یاد ہے ایام رفتہ کی! اس نے کیسے کیسے شہکار بندھے۔ اور ابھی زندہ ہے۔ اور اچھاپ چاہ خیالات کے

افکار

تیرے کوچے کی لطافت کا شناخاں ہو نہیں
 بے حجابانہ جھلک تو نے دکھائی جب سے
 چھبڑتی ہے مجھے قدرت کی فضا رہ کر
 لن ترانی مرے شعلوں کی زباں پر ہر دم
 چاک سے میرے نکلتے ہیں ہزاروں خوشید
 ہے مصیبت مری آرائش دنیا کا سبب
 رقص کرنا تیری موجوں نے ہے سیکھا جس سے
 ڈھونڈتی حُسن کے سورج کی کرن ہے جسکو
 میں ابھی اپنی حقیقت سے ہوں غافل ورنہ
 کہہ دو تاروں سے کہ آنکھیں نہ مٹائیں مجھ سے
 مجھ کو افسردہ نہ دیکھینگے کبھی اہل جہاں

باغ فردوس کا اک مرغ خوش الحان ہو نہیں
 آتش عشق اک شعلہ عریاں ہوں میں
 کیا کوئی زمزمہ مرغ خوش الحان ہو نہیں
 کس کے اسرار تجلی کا زباں داں ہو نہیں
 صبح زرخندہ فطرت کا گریساں ہو نہیں
 چہرہ دہریہ اک زلف پریشاں ہو نہیں
 اے امنگوں کے سمندر وہی طوفاں ہو نہیں
 شبنم عشق کا وہ قطرہ غلطاں ہو نہیں
 جو ہے مجھ و فرشتوں کا وہ انساں ہو نہیں
 دادی عشق کا اک ذرہ تاباں ہو نہیں
 بزم تصویر کا گلہ رستہ خنداں ہو نہیں

نظم نجابی

(۲)

(گذشتہ سے ہوست)

کچھ دوسرے یا کافیاں یا دگازہ چھوڑے اس پر کلام حرام ہوتا ہے۔ ان میں کا سب صرف مضمون دی ہوتا ہے یعنی محبت یا تصوف۔ مگر ہر ایک شعر اپنی طرز خاص میں مضمون کو ان مقررہ قالبوں میں احوال کر دکھاتا ہے۔

انتخاب کلام

انتخاب کلام شروع ہند ہی تک محدود رکھنا چاہنا ہوں کہ باری عشق و معرفت میں اُن کی کو یہ طو سے حاصل ہے۔ را خود انتخاب یعنی نظار انتخاب کا معادہ سو بہت ممکن ہے کہ ایسا خرابی کی معشوق نہ بن سکتی اور ہیر کو دل نہیں پرچھوڑ کر گزارا دے نہ ہوتا۔ جو یہ دے کے طو اسے وہ کر کے لے لے کر سے کہ نہیں دے احمہ دلفریب بھتا ہے مجھ دے دیکھو کہ کچھوں جتنا ہے۔ انتخاب کلام اس قدر آسان کام نہیں شخصی اور ذاتی سوال کو جاننے دیکھنے میں طرح کا فرق تو انتخاب شعلا زری طور پر ہوتا ہے۔ اول انتخاب بلحاظ حسن معنی۔ دوم بلحاظ حسن بندش و لطف بیان۔ سوم بلحاظ کمال عروض میسے لے اذ متخل ہے کہ میں ایسا کلام پیش کروں جو تینوں مطالبات کو پورا کرتا ہو میں جس رنگ و ویش کے پسند خاطر ہونے کی وجہ سے کسی شعر کا انتخاب کیا ہے اس کو ساتھ ہی دوج کر دیا ہے تاکہ لغت سے بہتر بن جائے اختلاف نہ ہو۔

ہیرا راجھا

اگر کسی میر کے قصید میں شاعر اپنے مشاہدات کی بنا پر خاک نجاب اور اہل نجابی سے تعلق تصاویر ہم نہیں پہنچاتا تو اسے کامیابی سے کالے کوہوں دو رکھنا ہوا ہے۔ دیکھئے نجابی جلی دجاٹ عورت کی رونا نہ مصروفیتوں کی۔ اُس کی صحت کی۔ اُس کے بے غوی بہت۔ طاقت اور شوہر کی ہمدوشی کی کیا دیکش تصویر ہیر کا کہن شکو میں ملتی ہے۔ ان بزرگ کوڑے ہونے کو زیادہ مدت نہیں گذری جتنی سنگری کے رہنے والے تھے۔ آپ کی زبان میں ایک اور گزرتو خان سکھ ہونے کی کیفیت کے دلی نجابی کا کجی خاصہ عصر مرچو ہے۔

انہو نے مضمون نظم نجابی کی تقسیم اہل کے نقشہ سے نہایت عملی سے واضح ہوگی۔ یوں تو یہ خصوصیات کہ مقررہ موضوعات پر ہر نسل کچھ لکھے ہر ادب میں ہوچکے۔ مگر نجابی میں یہ حد بدین تک پہنچ چکی ہے۔ سترقی مضامین پر فخر جن کے کالڈتہ اس شہرہ برس سے اُدھر کی چیز ہیں۔ اب تک یہ حالت ہے کہ انیس مقررہ موضوعات میں سے کسی ایک پر خاصہ فرسائی کی جاتی ہے۔ اور کمال کے جوہر دکھائے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ قدرت سے عجیب و غافل کام موجب ہے لیکن یہ بھی ہے کہ اس سے ایک تو ماضی کے افسانوں اور تہذیب اسلاف کی یاد تازہ رہتی ہے اور دوسرے شخصی کمالات سخن کے مقابلہ و موازنہ کا بہت اچھا موقع شاعر اور سننے والے دونوں کو مل جاتا ہے۔

بلحاظ مضمون نظم نجابی

(۱) مذہبی

اسلامی دلی انواع محمدی۔ اسوہ حسنہ۔ فقہ شریعت تعارف سرائی جنگ اسلام۔ تفسیر و حدیث۔ خلیہ اسلامی (ج) گیتا۔ رمانیں۔ جاہد کش۔ سری کش۔ ریکو شدا۔ سکو گورو صاحبان بھگتی۔ راج۔ یوگ۔

(۲) غیر مذہبی

راجہ رسالو۔ تجزی۔ پورن عجائبات۔ گوئی چند شہریر فرما و سلطان محمد علی بھٹو۔ حاتم طائی۔ یوسف زلیخا شاہ بہرا۔ ملاپ نسبت حقیقت رائے۔ کاروب۔ نگلن۔ بیتال بھٹی۔ چند بدین بکڑا صیت سنگھاسن بھٹی۔ مرزا صاحبان بھٹی سینوال۔ سبسی بھٹو۔ ہیرا راجھا طب

بلحاظ عروض نظم نجابی

حموک۔ ٹپے۔ دوسرے۔ کافیاں۔ پینتیس لکری۔ سارہ ماہہ جی۔ بلحاظ عروض نظم نجابی کی مزید وضاحت یہ ہے کہ میں طرح پر ایک مدعی سخن جب تک کہ وہ مقررہ موضوعات سے دو چار پر زور آزما کر دے کہ دم نہیں لیتا۔ اسی طرح جب تک کہ نصف درجن بارہ ماہہ اودسی حرفیاں وغیرہ اور

قول و قرار کے پابند کو پے میں کھڑے ہیں لیکن اور دی کو لگا اور ناشتہ کر کے لڑکیاں لڑکے سکول اور مسجد کو جانے لگے ایسے وقت میں جس میں چلے جی کی آدھو سن رکھا تھا اور دشمن کرنے کے لئے چلا۔ کیونکہ جیوں کے دشمن سے خدا تعالیٰ نے ان کی مناسبت خفیف کرتا ہے۔ بہت سے بچے لڑکے باہمی اور کنواری لڑکیاں جو کی کو دیکھنے آئیں۔

ہر کی ماں پر مطلق دشمنی نہ کرتی اور دیکھتی ہے کہ رانجے کے عشق سے باز۔

جرخہ کا تے کی طرف تیرا دھیان نہیں جانا۔ گوڑھے اور ٹونوں کے "ٹپ" ہوں ہی رہے ہیں۔ نہ تو دودھ دہتی ہے نہ گوبر باقی ہے بچے تو "جاک" (غلام) کا عشق مغلوب کے ہے۔ بڑی آنکھیں جہاں کی طرح تانا۔ تخیل بڑی ہی "حبیب" "ہابی" "راہنما" "بابرے" وارے وارے کتا جینوں کو چاکر کر لے لے لے تو بے چین ہو جاتی ہے۔ مٹی ناس سے یہ "سبیل" "نا" "سبیل" ہے یا درکہ چلو لڑکیاں ماں باپ کا کہا نہیں مانیں وہ "سبیل" میں جا کر اپنے لئے پرچھپاتی ہیں نہ تو گھر میں بھڑک کاتی ہے نہ "کھنڈا" "ہیں۔" بچے تو ہر دم بے کلمی ہے ساگر تجھے کوئی سے گرجا ہے یا بچھٹ جائے اور اس کی توجہ سے شکایت کی جلتے تو تو اٹھا کو سنا شروع کرتی ہے۔ یا درکہ جو چاروں مالک کے کام کے نہیں رہتے انہیں قصائی کی چھڑی کے لئے ہی عکس ہے۔ اسے سچی سچی جا بانی کے بغیر کہا نہیں گندہ سکا۔ نہ رغبت شکوے سوا کوئی کمال پر خدا اور ہو سکتا ہے۔ ہمارے بغیر اور کون چھکھکتا، عقل، ہنسنے والا ہے، بچھے کل کو سبیل میں جا کر تیرا کام کرنا ہوگا۔ کالی اور بھوری مہینیں دوڑی ہوئی گی۔ تو اس بات کا دھیان نہیں کرتی، جو جرم اور گندہ نہیں گئے ان کو عدالت و فیصلہ میں ڈال دے گی۔ تو جوشن کر رہی ہے اس کی پاداش منصور کی طرح دار کے سوا اور کون نہیں۔ چو چک سرمدار کی بیٹی ہو کر تو کیت کا کرتی ہے و سب لوگ تجھے ملنے دیتے ہیں۔ درہاوش میں آ۔ یہ کیا کثرت ہیں؟

اسے سچی میں تو تیری برابری ہرگز نہیں کرسکتی۔ تجھے بول کے ساتھ ملنا کرتی ہوں۔ تجھے جی ہی خزانے آدم کو بہشت سے نکلوانا اور افسلام کو ذبح کرنا کیا تجھے سمی ہی ہے، اسم غلط کھوکھ کے باروت مادتوں کو لگا لگا کر کیا۔ تجھ جی ہی نے امیر جھڑکے ساتھ مل کر قتل کا کیا۔ تجھ جی ہی نے ابراہیم کو آگ پر بٹھلایا۔ تجھ جی نے کور و اور پانڈو اور واسے (اور ان کو مر وایا۔

ملہ وہ گلہ جہاں لڑکیاں مل کر رات کو چڑھ کاتی ہیں۔

بہشت جہاں بجائے اور دوسک کبھی دغا نہ کیجے۔ جزدنگی سے بزار ہے اس سے ہرگز خدا نہ ہو جائے۔ شاعر عاشق اور فقیہ تینوں لادہ ہیں۔ ان کو بڑھ کر پادھر شروع نہ سنا ہے جب تک خود کو کھو نہ لیں گے آپ خود کو نہ پائیں گے نفس شیر کا شکار کرنے کے لئے اپنی جان کی قربانی کی ضرورت ہے

مسلمان اور ہندی

سائیں مولانا محمد پیغمبر جن کے کام کا انتخاب باہمی گناہ و جودیکہ مصافحات امر سے ہیں۔ زبان و بیان ہندی کے بہترین شاہوں حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمان جس کیسے پنجاب سے بارگئے۔ ہندی کے وحشی و لغاتی تاخات کو لینے کے اور جس گلہ جی پنجاب میں اب موجود ہیں ہندی کو لوندی بنائے ہوئے ہیں۔ سائیں جی کا خواب ختم ہی نہیں ہو سکا۔ اور اس میں ہر طرح کی تے جو اس سے لیکر سنگرزہ تک موجود ہے۔

۱۔ بیان کنششت شبہ طوع آفتاب

فرنگیوں کے راج میں ساری رات گھبراہل تھے رہتے ہیں۔ صبح کا جب وقت آیا۔ چارہ کے کسانوں نے ہنڈا لیاں اٹھائیں اور کھیلوں کو چلے۔ عابد اور زاد بھی ہوشیار ہوئے۔ سچا رہتے ہیں سچا رہتے ہیں اور فیض اور مشاہدہ میں جو ہیں۔ بہت سی عورتیں جاگ اٹھتی ہیں۔ بلی پیسے لگی ہیں۔ مرغوں نے اذان دینی شروع کر دی ہے۔ پرندے بولنے لگے اور مسافر پر کربت ہوئے۔ دیوی دواہوں اور شد دواہوں میں سناہہ کیے مسجدوں میں اذان ہونے لگی۔ برہمن اور کھتری عورتیں اٹھان کر کے کو پاؤں میں کر۔ اور جھانچا ہن کر وائر ہوئیں سپاسیوں کے چہرے بدل گئے اور سب لوگ کاروبار میں لگ گئے۔ مرغیوں میں "دودھ دودھ" بلانے والے بکری ڈال دی گئی "سوج کی سرخی اٹھا رہی" "گو جیوں نے اُپے تھاپے شروع کیے۔ اور گو جیوں نے اپنے بچوں کو کندھوں پر لئے دودھ دہنا شروع کیا۔ سنتے بانی چرخہ لگے۔ خاکروب بھارڈوینے لگے حکم کرار سے دابو غشت کرے والا بھی باہر نکلا پیغمبر والے گھوم رہے ہیں۔ بلوچ اور کمارہن کو بہت لہا مڑنا ہوتا ہے جلدیہ۔ دکانداروں نے وہاں کھیں گھولیں اور بیچ کے بارے میں گفتار ہونے لگی۔ چوبیاں اور کوئے بولنے لگے۔ پرندے دھڑ دھڑا کر جانے لگے۔ سورج نکل آیا دھوپ پھیل گئی۔ گھوٹوں نے اپنے پیڑوں کا ڈال سے باہر نکالے۔ امیر زادہ بلع کی سیسہ کو چلے اور چوہا خوری کرے لگے۔ مرغیوں اور گھاس پرشہنم ہوں نظر آتی ہے گویا بے شمار سوئی چمک رہے ہیں۔ پھول ایک سے ایک دیکھ کر ایک سے ایک دھڑبھڑکوں کو بھانے لگے۔ عاشق لوگ رات کے

دین و ایمان دولت و آرام کو چین لیتی ہیں۔ اب بھی وقت ہے چاک کی
محبت سے توبہ کرو نہ کھیرے تیری ناک کاٹ دیں گے۔

موہن سنگھ دیوانہ

اور جاہم اور محسن کو نکھار کیا۔ تجھ ایسی ہی سنے اندر کو بد دعا دوائی۔ تجھ ایسی ہی
باجہ صوبہ پر سود ہوئی۔ رسالہ اور سرکپ سے صحبت اُٹھائی۔ شیراز گل کو
قتل کر دیا۔ قوتیج بچ فرنگی کی برقی ہے۔ غلام سے عشق نکال کر قوتے سب سال
کام حرام کر دے۔ تجھ ایسی ہی بادشاہوں کو فقیر اور فقیروں کو شاہ کر دیتی ہیں۔

دوست کی قبر

یہی مقام تھا اب تک ہے خوب یاد مجھے
کما تھا تو نے یہاں چند قبریں دکھلا کر
یہی اُداس فضا تھی ہر ایک مرقد کی
نشانیوں ہیں یہ باقی مرے اب جد کی

یہ ڈھیر خاک کا جس پر اُگی ہوئی ہے گھاس
شکستہ سی ہے جو یہ قبر اُس کے پہلو میں
میں جانتا ہوں مرے باپ کا منار ہے یہ
یہ امی ہاں مری امی کی یاد گار ہے یہ

یہ ایک آبیائی می کا پھر خیال تجھے
نہ پوچھہ کیفیت اُس دردناک منظر کی
غم دلوں سے ترا رنگ زرد ہونے لگا
کہ دیکھ کر تری صورت کو میں بھی بے لگا

اُمی جگہ پہ کھڑا ہوں میں آج بھی لیکن
بتائے کون کہ یہ تازہ قبر کس کی ہے
اُداس ہوں کہ تو اس وقت میسے پاس نہیں
یہ قبر جس پہ کہیں نام کو بھی گھاس نہیں

فاخر ہیرا لوی بی۔ اے

نظم نجابی

(۲)

(گذشتہ سے پیوست)

کچھ دوسرے یا کافیاں یا گارہ چھوڑے اس پر آرام ہوتا ہے۔ ان میں کا ہر صنف مصنف دی ہوتی ہے۔ یعنی عشق یا تصوف۔ مگر ہر ایک شاعر اپنی طرز خاص میں مصنون کو ان مقررہ قالبوں میں ڈھال کر دکھاتا ہے۔

انتخاب کلام

انتخاب کلام شاعر نے ہندی تک محدود رکھنا چاہتا ہو کہ باری عشق و معرفت میں اُن کی کوئی طے حاصل ہے۔ راہِ خود انتخاب یعنی نظارِ انتخاب کا معیار سو بہت ممکن ہے کہ کبھی غریب کی معشوق نہ بن سکتی اور ہیر کو دل نہیں پرچھوڑ کر گزارا نہ ہوتا۔ جو بڑے کے لئے طوا ہے وہ بڑے کے لئے سم سے کم نہیں اور بے احمد و لطف بہت ہے محمود اُسے دیکھ کر کچھ بھونک جاتا ہے۔ انتخاب کلام اس قدر آسان کام نہیں۔ شخصی اور ذاتی سوال کا حل دیکھ کر تین طرح کا فرق تو انتخاب شاعر کی طوری ہو سکتا ہے۔ اول انتخاب بلحاظ سن معنی۔ دوم بلحاظ حسن بندش و لطف بیان۔ سوم بلحاظ کمالِ عروض میرے لئے اذیتِ مشکل ہے کہ میں ایسا کلام پیش کروں جو تینوں مطالبات کو پورا کرتا ہو میں جس رنگ و روش کے پسند خاطر ہونے کی وجہ سے کسی شاعر کا انتخاب کیا ہے اُس کو ساتھ ہی دوج کر دیتا ہے تاکہ لغتِ سمبترین باعث اختلاف نہ ہو۔

ہیرا راجھا

اگر کسی میر کے قصے میں شاعر اپنے مشاہدات کی بنا پر خاکِ نجاب اور اہل نجاب سے متعلق تصاویر ہم نہیں پہنچاتا تو اُسے کامیابی سے کالے کوہوں دو رکھنا ہوا ہے۔ دیکھئے نجابی جلی دجاٹ عورت کی، دوزانہ مصروفیتوں کی، اُس کی صحت کی، اُس کی بے غولی، محبت، طاقت اور شوہر کی ہمدوشی کی کیا دیکش تصویر ہیر کا بہن سنگھ میں ملتی ہے۔ ان بزرگ کوشے ہونے کو زیادہ مدت نہیں گذری۔ جیلِ سنگھ کی کے رہنے والے تھے۔ آپ کی زبان میں ایک لور و گز تو خانہ سکھ ہونے کی کیفیت کے دلی نجابی کا عجیب خاصہ ضرر موجود ہے۔

انہو نے مصنونِ نظم نجابی کی تقسیم ذیل کے نقشہ سے نہایت عمدگی سے واضح ہوئی۔ یوں تو یہ خصوصیات کے مقررہ موضوعات پر ہر نسل کے لکھے ہر ادیب میں ہو چکے۔ مگر نجابی میں یہ جدید ایک پہلی جگہ ہے۔ مقررہ مضامین پر نظر جن کے نکالنے اس نپدرہ برس سے ادھر کی چیز ہیں۔ اب تک یہ حالت ہے کہ انیس مقررہ موضوعات میں سے کسی ایک پر خامہ فرسائی کی جاتی ہے۔ اور کمال کے جوہر دکھائے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ قدرت سے عجیب و غافل کام ہے لیکن یہ بھی ہے کہ اس سے ایک قاضی کے افسانوں اور ہندی سیاحت کی یاد تازہ ہوتی ہے اور دوسرے شخص کی کمالات سخن کے مقابلہ و موازنہ کا سبب بچھا موقع شاعر اور شاعر کے لئے دوز کو مل جاتا ہے۔

بلحاظ مصنون نظم نجابی

(۱) مذہبی

اسلامی دلی انواع محمدی۔ اسوہ حسنہ۔ فقرہ شریعت تعارف۔ مراثی جنگِ اسلام۔ تفسیر و حدیث۔ غلامِ اسلامی (جب گیتا۔ رامائن۔ جا بھارت و سری کرشن۔ بکھ شند۔ سکھ گورو صاحبان۔ بھگتی۔ راج پوک۔

(۲) غیر مذہبی

راجہ رسالو۔ بھری۔ پورن بھات۔ گوپی چند۔ شریں فرما و سلطان محمد علی بھٹو۔ حاتم طائی۔ یوسف زین الدین۔ ہیرا۔ لاپ نہایت حقیقت رائے۔ کاروب۔ نگین۔ بیتا۔ بھیمی۔ چند بدین۔ بکڑا۔ سبکداس۔ شری۔ مرزا صاحبان۔ سبھی مینوال۔ سبھی پتوں۔ ہیرا راجھا۔ طب

بلحاظ عروض نظم نجابی

حموک۔ ٹپے۔ دوسرے۔ کافان۔ پینتیس لکری۔ بارہ ماہ۔ بی جی۔ بلحاظ عروض نظم نجابی کی مزید وضاحت یہ ہے کہ میں طرح پر ایک مدعی سخن جب تک کہ وہ مقررہ موضوعات سے دوچار پرواز نہ لائی کرے دم نہیں لیتا۔ اسی طرح جب تک کہ نصف درجن بارہ ماہ اور دوسری حرفیاں وغیرہ اور

سعدی پنجاب

اگرچہ مستندی مولانا حسرت سوانی سعدی کے تغزل کو حافظ اور جامی کے تغزل پر بھی ترجیح دیتے ہیں مگر بھی یہ انتہائی تاثرات کے سبب جو طالب علمی کے زمانہ میں گلستاں اور بوستاں کے مطالعہ سے دل سے قبول کئے، سعدی کو ہم ایک بہترین مصلح اخلاق و صاحبانہ دودعا سمجھے چلے جاتے ہیں۔ پنجائے بھی سعدی سامعیت افزوز اور اخلاق آموز شاعر پیدا کیسے اور وہ کالیڈاس ساکن گلزار ہے جس کے لئے عرش دراز باد کی دعا ہر خیالی کی زبان پر ہو جاتی جائے۔ آپ کے کلام کے متعدد خصوصیات اس ایک تقریر سے بخوبی ظاہر ہو جائیں گی، فقہت رو بہ سنت میں جو کیدار سنت کو نصیحت کرتا ہے۔

”بلا! جان بھوکہ کہہ نہیں کھایا جائے۔ رات کے وقت شیر کے نزدیک کیوں جایا جائے۔ جو لگہ دم آنا نہیں اُن کو لکھنا تک جائے۔ بچے کسی پر حلاوت کرے۔ زبردست و تہمتی فضول ہے اور حاکم سے زور آزمائی گناہِ خرافی کا باعث۔ خدا کی رضا پر ہار دینے۔ دیدن و دستہ شیش محل اور مندر کو چھو کر قبر میں اپنی بیج کوئی کیوں بچائے۔ اپنی بیبی کو کسی یاد نہ رکھنے اور دوسرے کی بیبی کو کبھی نہ بھلائے۔ وہ جو محبت کے مفہوم سے بے بہرہ ہیں اُسے آستانہ کا رشتہ باندھنا چاہیے۔ سو ہے۔ اگر جا رہے، اس کوئی منورہ دین تو اسے ٹھکرانا نہ جائے۔

گرد اور بیر کی عمر عدولی نہایت نقصان دہ ہے۔ بچ کو دل سے تسبیح دو، نہ کیجئے۔ جب تک نین آنا نہیں، اور پان دم) راتی میں مزدوری یا کام نہ کرے رہنا چاہئے اور ”عام خوری“ نہ کرنی چاہئے سبھل سے کچھ بھی نہ مانگئے اور بھی مروت سے مانگئے کبھی نہ شرمائے۔ فقط دھرم کی کشتی اُس پار میں تھی ساس لئے باپ کی ناؤ پر کبھی پاؤں نہ رکھے۔ عاجز پر کبھی ظلم نہ کیجئے۔ اور عرب کا خون کبھی نہ پیجئے، عورت کو کسی کوئی باز نہ تباہیے اور بچے سے کبھی پیار نہ بولھائیے۔ جو مل نہیں سکتا اس سے میل کی کوشش نہ کرنی چاہئے، اور جو اسے میل جل کر تباہیے اُس کی رفاقت کو ہاتھ سے نہ پیجئے۔ جب تک خود کسی کام کو نہ کر لیا جائے دوسرے سے اس کی تکلیف کے لئے اصرار نہ کیجئے۔ جب تک پورا نورو (مرشد) کمال نہ ملے فقر کی راہ نہ اختیار کرنی چاہئے۔ اور جب تک صبر پر شکر کے مالک نہ بن جائے کوئی دوستی کا لباس کیوں پہنے؟ دشمن کے

”سہتی“ جوگی کو مہکا ہے۔ دیکھو بی زبان کو لگام دو۔

کھتا ہے۔ ہم جاٹ عورتوں کو نہ شرم کرتے (لجائے) نہیں بیتی ہم خود بیا باہر جا کر کاشیں جنھیں چلا جاتی ہیں اور اُن کا دودھ وہ لیتی ہیں مشکل پر سے تو مکر کر کر خود ہی مرد بن جاتی ہیں۔ رہت کے میل کو اُنک لیتی ہیں۔ جیوں کو جوت لیتی ہیں۔ گدھوں پر بکرہ ڈھو کر لے جاتی ہیں۔ چڑھ کاٹ کر نا تیار کر لیتی ہیں۔ میان تک مارنے بھیجے کو بچہ گرا کر اس کی ناک میں بھرن لال لیتی ہیں۔ حل چلا لیتی ہیں۔ بیج و لیتی ہیں۔ اگر خدا خواستہ ہمارے مردوں پر کبھی مصیبت آپڑے اور وہ کام نہ کر سکیں تو ہم خود ہی فصل کاٹ کر بیج کر لیتی ہیں اور ہم حبیبوں کے زور کو توڑ کر حکمت علی سے دلوں کو فادہ میں کر لیتی ہیں۔

فراق شمس (بارہ مانس) بیا کہ کا مینا آیا۔ شاخیں چٹوٹ نکلی ہیں۔ جنینہ چٹیل۔ اربیل ٹھیل اٹھی۔ سیلانی سنگا کر رہی ہیں۔ غلہ چٹیل گا لگا بال کو ڈھڑک رہی ہیں۔ مگر اتنے میں ہوں کہ اس جو بی بی نہا بند ہوں کھیرا کھو کہ جسے ہمارے لے آیا ہے۔ سوائے اللہ کے کوئی بچلی نہیں۔ نہ کوئی سیل ہے نہ ہمارا۔

ہمارے دل میں طرح طرح کے دہم و گمان، ٹھٹھکے ہیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہ رہی ہیں۔ کبھی زمین پر گھیر کر کھینچ کر فال لیتی ہوں کبھی کوئے کو آئین سے؟ ڈاگر کبھی منڈت سے جا کر پوچھتی ہوں کہ وہ کب تک آئیں گے۔ ایسا کون ہے جو میان سے خود جا کر میرے ماہی دھوب کو میرے پاس لائے۔

ماگہ کے مینے میں سردی سے تو بارہی ڈالا۔ گراس کا چندا خیال نہیں۔ روٹا تو اس بات کا ہے کہ میں تہادی لاؤڈی ہے جسے دور۔ پھر پھر اشک بہا رہی ہوں۔ ساس تندیں طعنے دے دے کہ سن جلا رہی ہیں کھانا پینا پھر حرام ہے۔ ایسے میں فینکس کو آسکتی ہے؟ کبھی سر نہانے کی طرف پھینکتی ہوں کبھی پائنتی کی طرف۔ کاش میرا دم نکل جانا۔ اور میں اس فراق کے جینے سے رہا نہ پاتی۔

پوس کا سنہ ہے۔ سردی پر سے زور کی پڑ رہی ہے۔ ٹھوڑی کو مٹھنوں میں رکھ کر ٹھٹھکی بیٹھی رات کاٹ لیتی ہوں۔ آج کماں جاؤں، کس سے پوچھوں۔ بدن میں سکت باقی نہیں۔ ادھر فوڈاشوق کا یہ حال ہے کہ یہی جی پنا بتا ہے کہ ہر وقت مجھ کے پیار سے دل کی تپش بھجائوں کاش کوئی انتظام ہو سکے اور میں اپنے دل کا حال کو گراس تک بھیج سکوں اور اُسے اچھی طرح سمجھا سکوں۔

قول و قرار کے پابند کو پے میں کھڑے ہیں۔ لیکن اور دہی لگا کر اور ناشتہ کر کے لڑکیاں لڑکے سکول اور مسجد کو جانے لگے۔ ایسے وقت میں جس میں بچے جوگی کی آمد کو سن کر کھانا اور دھن کرکے لئے چلا۔ کیونکہ گلیوں کے درجن سے خدا خائفے لڑکے کی مناسبتیں خفیف کتابت سے بہت سے خائفے لڑکے باہری اور کنواری لڑکیاں جوگی کو دیکھنے آئیں۔

ہیر کی ماں ہر وطن و قشتہ کنی اور سمجھا تی ہے کہ رانجے کے عشق سے باز آ۔

چرخہ کا تے کی طرف تیرا دھیان نہیں جانا۔ گوڑھے اور ٹونوں کے "ٹپ" یوں پیڑے ہیں۔ نہ تو دودھ دوہتی ہے نہ گوبر باغی ہے تجھے تو میں "چاک" (غلام) کا عشق معنوب کے ہے۔ تیری آنکھیں جہت کی طرح تانا ختی رہتی ہیں "حبیب" ماہی" رانجھا، ماہر سے وارٹے وارٹے کتا جینوں کو چاک کرکھاتا ہے تو بے چین ہو جاتی ہے۔ مٹھی ناٹ سے یہ "سہیل" یا "دسیل" بن، ہے یا درکہ چرو لڑکیاں ماں باپ کا کمانیں مانتیں وہ سہ سال میں جا کر اپنے کئے پرچھپاتی ہیں نہ تو گھر میں بظہر کا ہتی ہے نہ کھانا "ہیں۔ تجھے تو ہر دم بے کلی سی ہے ساگر تجھے کوئی سے گرجائے یا چھٹ جائے اور اس کی توجہ سے شکایت کی جلتے تو تو لگا کو سنا شروع کر رہی ہے۔ یا درکہ چرو لڑکیاں مالک کے کام کے نہیں رہتے انہیں قصائی کی چھڑی کے تلے ہی عکسیت ہے۔ اسے سچی سچی جا بانی کے بغیر کہا نہیں گوندہ سکتا۔ نہ رغبت شکم کے سوا کوئی کمال پر حمد آور ہو سکتا ہے۔ ہمارے بغیر اور کون چھکڑا دھن (فعل) شے والا ہے؟ تجھے کل کو سہ سال میں جا کر تیرا کام کرنا ہو گا۔ کالی اور بھوری مہینیں دوہتی ہوں گی۔ تو س بات کا دھیان نہیں کرتی؟ جو جرم اور گنہگار نہیں گئے ان کو عدالت اور فیصلہ ڈال دے گی۔ جو عشق کر رہی ہے اُس کی یاد میں منصور کی طرح دار کے سوا اور کچھ نہیں۔ چوچک سردار کی بیٹی ہو کر تو کیت کا کرتی ہے؟ سب لوگ تجھے ملنے دیتے ہیں۔ ذرا ہوش میں آ۔ یہ کیا کر توت ہیں؟

اسے تجھی میں تو تیری برابری ہرگز نہیں کر سکتی۔ تجھے بول کے ساتھ ملنا کرتی ہوں۔ تجھ جیسی خزانے آدم کو بہشت سے نکھولایا اور اعلیٰ کو "ذیر" کیا۔ تجھ جیسی ہی ہے، ہم چٹھو کے باروت مادتوں کو لگا لگا کر کیا۔ تجھ جیسی ہی ہے امیر حیرت کے ساتھ کل کر قتل کا کیا۔ تجھ جیسی ہی ہے ابراہیم کو آگ پر نکھلایا۔ تجھ جیسی ہے کور و اور پانڈو وارٹے اور ران کو مروایا۔

ملہ وہ گلہ جہاں لڑکیاں مل کر رات کو چرخہ کا تھی۔

بہشت جان بجائیے اور دوست کبھی دغا نہ کیجئے۔ جزدنگی سے بیزار ہے اُس سے ہرگز خدا نہ ہو جائے۔ شاہو۔ عاشق اور فقیر تینوں لادہ رہیں۔ ان کو بڑھ کر بڑھ کر شرع نہ سنا ہے جب تک خود کو کھو نہ لیں گے آپ خود کو نہ پائیں گے نفس کی شیر کا شکار کر کے لئے اپنی جان کی قربانی کی ضرورت ہے

مسلمان اور ہندی

ساہو مولائیں جی پھری جن کے کام کا اتھا بابہ یا جانیگا باوجودیکہ معافاقت اس سے ہے۔ زبان و بیان ہندی کے بہترین شاہو ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمان جس کیسے جناب سے ہمارے ہندی کے وہی وہی لغاتی تاثرات کو لیتے گئے اور جس کو بھی جناب میں بابہ موجود ہیں ہندی کو لوندی بنائے ہوئے ہیں۔ ساہو جی کا خواہ مخواہ ہی نہیں ہو سکتا۔ اور اس میں ہر طرح کی شے جو اس سے لیکر سنگرز تک موجود ہے۔

۱۔ بیان کہ سب سے شہ طلع آفتاب

زنگیوں کے راج میں ساری رات گھڑیاں بیتی تھیں۔ صبح کا زب کا وقت آیا۔ چار بجے رکانوں نے بند لایاں اٹھائیں اور کھیل کود کھیلے۔ عابد اور زاد بھی ہوشیار ہوئے۔ سچھڑا رہے ہیں سبج پیرے ہیں اور ٹیٹے اور مشاد وہ میں خوش۔ بہت سی عورتیں جاگ اٹھی ہیں۔ جلی پیسے ملیں۔ مرغوں نے اذان دینی شروع کر دی ہے۔ پرندے بولنے لگے اور مسافر سفر پر کست ہوئے۔ دیوی دواروں اور شو دواروں میں سسٹا کے مسجدوں میں اذان ہونے لگی۔ بہمن اور کھری عورتیں اٹھان کر کے کو پاؤں میں کر۔ اور بھانجہ بہن کو روانہ ہوئیں۔ سپاہیوں کے چہرے بدل گئے اور صاحب لوگ کاروبار میں لگ گئے۔ رضویوں نے دودھ دودھ بلونے والے بکری ڈال دی گئی۔ سوچ کی سرخی اور شکا بہوئی گوجریوں نے اپنے تھاپے شروع کئے۔ اور گوجروں نے اپنے بچوں کو کتھوں پر پڑے دودھ دہنا شروع کیا۔ سٹے پانی پھرنے لگے۔ خاکروب بھاڑ دینے لگے۔ کلہر کار سے دایوہ نکشت کر کے والا بھی باہر نکلا۔ پھیری والے گھوم پھرتے ہیں۔ بلوچ اور کمار جن کو بہت لمبا سونڈ ہوتا ہے جلدیے۔ دکانداروں نے دکانیں کھولیں اور نرخ کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ چوہیاں اور کوسے بولنے لگی۔ پرندے بڑھ اڑھڑا کر جانے لگے۔ سوچ کل آیا دھوپ پھیل گئی۔ گھواںوں نے اپنے بچے روڑ گاؤں سے باہر نکالے۔ امیر و مرہ بلے کی کسیرے کو چلے اور چوہا خری کر کے لگے۔ دھنوں اور گھاس پریشتم ہوں نظر آتی ہے گویا بے شمار سوئی چمک رہے ہیں۔ پھول ایک سے ایک دکنش ایک سے ایک دھڑبھڑکوں کو بھانے لگے۔ عاشق لوگ رات کے

دین و ایمان دولت و آرام کو چھین لیتی ہیں۔ اب بھی وقت ہے چاک کی
محبت سے توبہ کرو نہ کھیرے تیری ناک کاٹ دیں گے۔

مورین سنگھ دیوانہ

اور راجا رام اور جمن کو بخار کیا۔ تجھ ایسی ہی سنے اندر کہ بد دعا دلائی۔ تجھ ایسی ہی
یاد بوج پر سوار ہوئی۔ رسالو اور سرکپ سے صحبت اٹھوائی۔ شیر افکن کو
قل کر دایا۔ قوت و ج فرنگی کی برتی ہے۔ غلام سے عشق نکال کر تو نے سبصال
کام حرام کر دئے۔ تجھ ایسی ہی بادشاہوں کو فقیر اور فقیروں کو شاہ کر دیتی ہیں۔

دوست کی قبر

یہی مقام تھا اب تک ہے خوب یاد مجھے
کما تھا تو نے یہاں چند قبریں دکھلا کر
یہی اُداس فضا تھی ہر ایک مرقد کی
نشانیوں میں یہ باقی مرے اب جد کی

یہ ڈھیر خاک کا جس پر اُگی ہوئی ہے گھاس
شکستہ سی ہے جو یہ قبر اُس کے پہلو میں
میں جانتا ہوں مرے باپ کا منار ہے یہ
یہ امی ہاں مری امی کی یادگار ہے یہ

یہ ایک آبیٹھی کا پھر خیال تجھے
نہ پوچھ کیفیت اُس دردناک منظر کی
غم دروں سے ترانگ زرد ہونے لگا
کہ دیکھ کر تری صورت کو میں بھی بھونے لگا

اُمی جگہ پہ کھڑا ہوں میں آج بھی لیکن
بتائے کون کہ یہ تازہ قبر کس کی ہے
اُداس ہوں کہ تو اس وقت میرے پس نہیں
یہ قبر جس پہ کس نام کو بھی گھاس نہیں

فاخر ہیرا لونی بی۔ اے

زار اور زارینہ

دل میں مختار و مقتدر ہونے کی اس قدر زبردست خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی وقت بے وقت کی بے سید مدخلت سے خاندان کے احباب اور رشتہ داروں میں بھڑٹ ڈواؤں دیتی ہے۔

ابھی چند روز ہی کا ذکر ہے کہ اخباروں میں ایک ایسی خود کشی کا انکشاف ہوا تھا جس کا سبب خاندان کے کاروبار میں بیوی کی بے جا مداخلت تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اگر زار اور زارینہ کسی کم مقتدر خاندان میں پیدا ہوتے تو یہ قوت اقتدار کی حماقت کمزور خواہش ہی اسکے خاندان اور بچوں کے لئے جن سے اس قدر محبت بھی خطا ناک ثابت ہوئی۔ اس میں کام نہیں کہ زارینہ اپنے خاندان کی بچی پرستار اور لپٹے بچوں کی عاشق زار اور جان چوڑے والی ماں تھی۔ زار کی زندگی پر اس کا تباہیہ زبردست اختیار تھا۔

تاریخ کے اس خونیں ورق کو مطالعہ کرنے والے کے دل میں اکثر یہ خیال آتا ہے کہ کیا جلا وطنی کے پرورد اور انکام ایام میں زار کو بھی ایسی اس امر کا احساس ہوا جو گا کہ روس کی معاشرتی اور سیاسی زندگی پر وہی کو اس قدر اختیار ہے کہ اس نے ایک شدید ظلم کا ارتکاب کیا ہے۔

لیکن یہ افریقینی ہے کہ محبت شعار خاندان نے ملامت کا ایک لفظ تک نہیں کہا اور جلا وطن شاہی خاندان کے آخری حسرت ناک دن بھی عشق محبت اور حرارت و وفا شعار کی کاروانہ بن کر گئے مٹھوس اور انکرا نڈر کے درمیان نہایت گہری اور دلور انگیز محبت تھی۔ لیکن اس کو خود رضا نہایت کٹنا چاہئے۔ وہ اپنی خانگی زندگی میں نہایت ہی خوش تھے۔ انہیں اپنے بچوں اور وہابی مقامی مصروفیتوں سے محبت تھی۔ وہ گھر کے اندر کی پرسکون تنہائی کو چھوڑ کر باہر کی وسیع دنیا کے کاروبار میں سرگرم کار و فوجی لینا نہ چاہتے تھے اور اپنے لڑے سکتے تھے لیکن مگر اداس کے خاندان کو رنج و اقتدار کی خواہش تھی۔ وہ اسے بغیر کسی کوشش کے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ روس کی ہولناک تباہی کے وقت جب سینکڑوں مرفوزن مارے گئے تھے شاہی خاندان کے افراد میں سے صرف ایک صاحب زارینہ ہی جو تباہی میں باکریہوں کی تسلی و تسکین کرتی تھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نکلس اور اُس کی بیوی سے اس واقعہ کی اہمیت بالکل غلط سمجھی گئی تھی۔ اگر یہ

ایک بار کا ذکر ہے کہ ایک نوجوان دیہاتے ٹبر کی بالائی گندگا کے شہادت اور ہار میں کچھ برائی ہو جانے کے دل پر مسخ پائے کیا عشق کے دلوں یا زبندوں نے محبت کے کئی ایک لمحے بسر کئے اور دنیا کے شغاف اور آئینہ گوں پائیوں پر کشتی کھینچے اور یہ جہنم کے دوح و دساہوں میں چپو چلائے تھے۔ اس نوجوان کی طرح کیلے بہت کچھ انجام کیا گیا تھا۔ لیکن اس نے اس شاندار معانی کی طرف کچھ توجہ نہ کی۔ بلکہ آبادی سے دور تنہائی میں اس حسین و جمیل لڑکی کی رفاقت میں اُن بسر کئے جس کو وہ اپنی حقیقت حیات بنانا چاہتا تھا۔ یہ لڑکی شہزادی لیٹننگٹن کی شہزادی الائنس کی بیٹی اور ملکہ وکٹوریہ کی نواسی تھی۔

یہ افسانہ عشق جس کا آغاز انگلستان کے ایک سرخواریں اس لاؤری اور دلفریب کے ساتھ ہوتا ہے۔ ”ایکٹرن برگ“ سنہ ۱۸۷۱ میں روس کے شاہی خاندان کی ہلاکت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔

آہ ایسی وہ خوش و اور خند پشیمانی لڑکی ہے جس کا باب گرجا ایک جس تھا۔ لیکن اس کی تربیت و پرورش انگریزی طرز پر ہوئی اور اس کے متعلق ہی کہا جاتا ہے کہ اس کا اثر اس کے خاندان اور رعایا کی زندگی پر نہایت ہلاکت آفرین تھا۔

زارینہ کے تحت ترین متعین میں سے کسی ایک نے بھی اس کی خانگی زندگی اور حسن اخلاق پر صرف نہیں نگاہ کیا لیکن اس کے ستر میں رفاقت میں سے کوئی ایسا نہ ہو گا جو یہ کہنے کے لئے تیار ہو کہ پرسنس لیٹننگٹن نے جو عدس ملکہ روس بنی۔ کبھی اپنے انشیا رکھ دہن کی ترقی اور خوشحالی کے لئے کوشش کی ہو۔

نکلس سوئم اداس کی بیوی کی کسی تاریخی شخصیتوں کے متعلق اکثر کہا جاتا ہے کہ اگر وہ شاہی خاندان کے کہتا ہے وہ سرے پر مقتدر حالات میں پیدا ہوئے تو وہ خاموش اور پرست زہلی لیسہ کر سکتے لیکن بے ایسا ہو لیکن جہاں طاقت اور کمزوری باہم دست و گریبان ہوں۔ جہاں صنعت نازک امتداد کی زبردست خواہش رکھتی ہو اور صنعت مقابل اس کے ملوایا مشورے پر سرنگوں ہو وہاں ہلاکت اور تباہی یقینی ہے۔

تاریخ میں اکثر ایسی ہی صورتیں گذری ہیں جنہوں نے اپنے اصراف اور بے احتیاجی سے اپنے خاندانوں کی زندگی کو تباہ کر دیا ہے۔ ان کے

وجود میں آئے تھے جو ان کی محبت اور سچی زندگی کے اتحاد کا وہ احد دلیہ تھی۔ شباب کے ان متواضع شادی کے اولین ایام نسبتاً پر سکون تھے۔ زارینہ کشتی کھینے جیو جلائے اور دیگر مشاغل میں بہت دلچسپی لیتی تھی اور نہایت دلچسپ طور پر رقص کر سکتی تھی۔ اگرچہ روس کے شاندار محلات ان کے لئے موجود تھے لیکن زارا اور زارینہ دیہات کی زندگی کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ سینٹ پیٹرز برگ کے سرمائی محل کو جو نہایت قیمتی ساز و سامان سے آراستہ ہوتا تھا۔ صرف سرکاری ملاقاتوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اور وہ ذاتی طور پر ان عزیزانِ محارم میں رہنا زیادہ پسند کرتے تھے جنہیں وہ انگریزی غریباً پسند کرتے تھے۔ محکمہ کے دل میں سخت کے وارث کی زبردست تمنا تھی۔ لیکن چارلڈاسے حسرت و نا کامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ سربراہوں کی پیدا ہوئی رہی۔ آخر خزانہ میں جگہ جاپان کے وکلاء میں اس کی یکازہ پوری ہوئی۔ لیکن یہ دیکھ کر کچھ پرانے خاندان کی نموداری میں باری کے آثار طاری ہیں ان کی خوشیوں پر اس پر گہمی۔ اس کی بہن محبوبہ تھیں لیکن سخت کے وارث کی جہانی حالت اس قدر نازک تھی کہ پیدہ نہیں سے لیکر اس کے ساتھ یا بعد کے ماسلوگ ہوتا تھا۔

شاہی خاندان کی خاکی زندگی کی دلکش تصویر بزرگوار دپارے ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

”خاندان کے بچوں کی پرورش نہایت شدت سے انگریزی طرز پر ہوتی تھی۔ چاروں لڑکیاں الیگزینڈر کی تقلید میں معمولی چارپایوں پر سوتی تھیں۔ ملازمین دیانت مند تھے ان کا انداز ٹھکانے میں ہوتا تھا اور ملازم بھی دل و جان سے ان کے وفادار تھے ماں باپ کی طرف سے جو کچھ چاہتا تھا نہیں ملے نہ ملتا۔ ابھی نہایت معمولی ہوتے تھے۔ گھر کی زندگی بھی بہت سادہ تھی۔ اگرچہ انہیں بے غور فکر نہیں کہا جاسکتا تاہم وہ کوئی علمی قابلیت بھی نہ رکھتی تھیں۔

اکثر اوقات یوں ہوتا کہ کوئی امیرالبحر یا جرنل ان کے پاس سے ملنے آتا۔ اور ان میں سے ایک لڑکی میز کے پیچھے کراس کی ٹانگوں کی جھپکا لیتی اور وہ تلک گدی کے باعث بات نہ کر سکتا۔ اس وقت نارسہنا ہوا اس لڑکی کو بالوں سے کپڑا کھینچتا۔ چاروں لڑکیاں اپنے اپنے بہت محبت کرتی اور ہر وقت اس کی محبت کا خیال رکھتی تھیں۔“

سررنار د کے یہ الفاظ بالکل صحیح ہیں کہ ان کے ہاں زندگی کو دیکھ کر

صحیح ہے تو درباروں کی حالت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے جس کے لئے اس قدر اہم واقعہ کا چھپانا بھی ممکن ہے۔ اگر زارا اور زارینہ رعایا کی جان کو اپنی جان اور رعایا کے آرام کو اپنا آرام سمجھتے تو کوئی اس حقیقت اس قومی مصیبت کو چاہے کس قدر ہی تلخ اور ناخوش گوار ہی کیوں نہ ہوتی ان سے پوشیدہ نہ رہ سکتا۔

اب ہم پھر شاہی کے ابتدائی ایام کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ اس وقت پرنس ایکس اپنے رشتے کے بھائی پرنس لوئی پیر برگ کے پاس تشریف لے گئے۔ مگر یہ اس شادی پر رضامند نہیں۔ ان کی بین ماں کی نواسی نہایت نازک تھی اور ہونے والے ناز کی صورت بھی نہ تھی۔ علاوہ ان کے وہ خواجہ نزاری کی کوس کے تخت کے خطروں اور تفکرات کی گھینٹ نہ چڑھنا چاہتی تھیں۔ شاہ الیگزینڈر کو بھی یہ خیال پسند نہ تھا کہ اس کے بیٹے کی شادی کو ترک کر کے مقنعہ ہو لیکن ان دونوں کی آپس میں اس قدر شدید محبت تھی کہ کوئی روک۔ ان کی شادی کے راستے میں حائل نہ ہو سکی۔ ۲۶-۲۷-۱۸۵۷ء کو شادی کی شادی اس کے دل کے شہزادے سے ہو گئی۔ زارا الیگزینڈر شادی سے تین ہفتے پیشتر فوت ہو چکا تھا اور نسبت کی رسم بیماری کی حالت میں اسی کے بیٹے کے پاس سداوائی گئی تھی۔ روس کے اس جوان نے مرنے دم سے کونصیحت کی تھی کہ اپنی رعایا سے ملا امتیاز مذہب و ملت محبت کرے ان کے معاد اور حقوق کی بحالداشت رکھے اور یورپ کے امن و امان کو دنیا کی مسود کی خاطر برقرار رکھے۔

ان اعتراضات میں سے جنہوں نے اس شادی کی شاندار رسومات کیا حصہ لیتا تھا صرف ایک اور نصیب نصیب زندہ ہے۔ یہ حسرت نصیب نازک کی اس ہے جو صرف اس لئے زندہ ہے کہ اس عمر میں روس کی ہولناکیاں دیکھے اور اپنے بچے اور بچوں کی عزیز دستاں ملے۔ یہ سابق زارینہ اور ملکہ الیگزینڈر کی بہن ہے جو ڈنمارک میں رہتی ہے۔ اور جس کی تمام زندگی اس ملک کے لوگوں کی مسود کی کی کوشش میں گذر گئی جو شادی کے رشتے سے اس کا جو کیا تھا۔

لیکن زارینہ تاریخ کے طالب علم کے لئے فضیلت کا ایک معجزہ رکھ جاتی ہے۔ ۱۵۰۰ سے کیرکٹ اور طرزِ نگار میں کیرکٹ انگریز بھی وہ محبت کے خطوط جو اس نے اپنے خاندان کو ملے۔ اور جن سے ان دونوں کے حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ تو اس کی اپنی ملکی زبان جرمن میں لکھے گئے تھے۔ اور نہ اس کے خاندانی زبان روسی میں۔ وہ اس زبان میں

اس مقام پر یہ میان کفر ضروری ہے کہ راسپوٹن کوئی خطاب یا لقب نہیں۔ اس کے معنی آدھا باش یا ”آوارہ آدمی“ کے ہیں اور یہ ریاکار گرگے کو جو اس نام سے مشہور ہے اس کے دیوانی ہمارا بیوں کی طرف سے دیا گیا تھا۔ گرگے کوئی راسپ یا کسی خانقاہ کا ستونی نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک آوارہ آدمی تھا اور دعویٰ کرتا تھا کہ خطائے لوگوں کی روحانی تربیت کے لئے ماہور کیا ہے۔ اس مفروضہ و حایت کا شہرہ زار نہایت عجیب تھا۔ اُس نے اُسے بار بار دیکھا بھی تھا۔ اس نے ایک لغائی سامنے کی وجہ سے اس کا بیٹا بہا بہا ہوا۔ اور اُس نے فوراً راسپوٹن کی طرف رجوع کیا۔ راسپوٹن نے نہایت بے اعتنائی سے جواب دیا: ”ہماری اس قدر ظسہ رنگائیں جتنی کہ معلوم ہوتی ہے۔ ڈاکٹروں کے علاج کی ضرورت نہیں۔“

الغائی کی بات ہے بیماری جاتی رہی اور اسی روز سے راسپوٹن کی روحانیت پر زاریہ کا اعتقاد مضبوط ہوتا گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ اسے واقعی اہل علم ہو تا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنا تمام اثرو اقتدار حکومت کے ان وزرا کو معزول کر کے اس صوفی کو اس مقدس آدمی کی روز بروز جتنی ہونی طاقت کو حفظ نگاہ خیال کرتے ہوئے اس کی بخلائیوں کے درپے تھے اپنے خطوط میں زاریہ راسپوٹن کا تذکرہ بیشمار ہمارے دوست کے اعلاط میں کرتی تھی۔

اس کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ زاریہ کے وہ خطوط جو اس نے زار کو لکھے ایک ایک کتاب کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں اور ان سے اُس کے کیریکٹر پر غیر معمولی روشنی پڑتی ہے مثلاً م۔ ۱ اپریل ۱۸۸۰ء کو وہ اپنے خادموں کو لکھنے سے لکھتی ہے۔

”میرے دل کے خزانے!

ایک بار پھر تم میرے پاس سے جاؤ اور میرا خیال سے خوشی اور مسرت کے ساتھ کیونکہ میں باغ کے چند گھوں کے سوا باقی تمام کام نہایت صبر آنا اور ہزار رکن تھا۔ اس عرصہ میں بیماری کی وجہ سے میں تیار سے ہزار ہا یاد ہوئے عرصہ میں ہر کسی میرے محبوب خدائے میرا ہوا۔ ہمارے فوجوں کو مظفر و منصورہ میں لائے۔ مجھے امید ہے تم بھی کو اڑ پھرنے سے چپتر اس بات کا خیال رکھو کہ کنگو لا شا و کوف سے کسی قسم کی شکایت کرے تو فوراً اس کا اسناد کر دو گے۔ اور ان میں بتاؤ کہ اقامت جو تم بہت نرم مزاج اور رحمدل ہو لیکن اکثر اوقات کڑی آواز اور تندہ لگائی زیادہ عقیدہ رکھتی ہے۔ میرے پیارے اپنے لفظ پڑنا زیادہ اعتماد رکھنا چاہئے اور حجابات ہو اس کا فوراً فیصلہ کرنا چاہئے

یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کہ یہ زار روس کا خاندان ہے اس کی وجہ اُن کی سادہ زندگی میں بکریہ ان کی تعزیری معاملات سے لاپرواہی کا سوال ہے اس امر کی تصدیق دوسری معاملات کے مستند معتمد ڈاکٹر جن کے اس بیان سے بھی جوتی ہے۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے۔ جب تخت کے وارث کی عمر صرف ایک سال تھی۔

اُس سے بڑھ کر خبر فرمائش واقعہ اور کیا ہو سکتا ہے جو مجھے دریا مل کے ایک دروے مستمایا کتب ایک انگریزی زبان پر ہی امیر عمر کی اشتہار سے روس اور افغانستان کے تعلقات کشیدہ ہو رہے تھے۔ زار ایک روز صبح اپنے بچہ کو سنار باغا۔ امیر عمر ایک دروازہ زار تیار کیم ہم پر روانہ ہوئے والا تھا۔ اُس وقت ہی زار یہ الفاظ کہے بغیر وہ سکڑا آپ جانتے میں اس کا وزن صرف م۔ ۱ پونیشے۔ ”کس کا جتا ہے؟“ تخت کے وارث کا باپ ہے دیا گیا۔

یہ الفاظ ایک ماں کے دل کیلئے ہر چند اس کو اس وقت احساس ہو کہ ایک اسکی بجائے حکومت کے کس اسم اور میں حصہ لینا چاہتے نہایت سرتخت ہو گئے ہیں زاریہ نہایت حسین و جمیل عورت تھی۔ لیکن اس میں ساس کی سی ہمدردی اور نرمی نہ تھی اور ہر وقت کی ہجرت شرم اسے اچھی نہ لگتی تھی۔ وہ ہر میں نہایت زنی اور گھبراہوتی نظر آتی تھی اور اپنی مرضی سے نہ صرف علی اور ادرا بی محضوں سے مکد شای خاندان کے افراد سے بھی دور اپنے بچوں کے ساتھ تنہائی میں رہتی تھی۔

لیکن وہ میں شای خاندان کے افراد سے ابھی تک کچھ غلامی تھک رہا وہاں تھا۔ شاید زاریہ بھی مکاروں کے ان آسمانی تعویذ کی معتقد ہو جن کی مدد سے اسے اپنے خاندان کی بے شمار رعایا میں سے چند ایک سے رحم و درمہ رکھنا ضروری تھا۔

میرا خیال ہے اگر زاریہ کی زیادہ آیتا ذکر کرتی اور اس امر پر خداوند ہوجاتی کہ اس کا خداوند اس کی رفاقت سے چند گھوں کے لئے غیر حاضر رہ کر اپنی رعایا کی مشکلات اور مصائب سے واقف ہو سکے تو دوس کی تاج کراچ باطل مختلف ہوتی۔ اگر وہ اس وقت خدمت پشاور واپسی رعایا کے مرد و زن سے اس قدر بگا نہ ہوتی تو نہایت غلبہ سے کہ اس او اس طبع اسپوٹن کی نام نہاد روحانیت کی اس قدر پر جوش متغیر نہ ہو سکتی۔ جایک غیر معمولی طور پر مضبوط ارادہ والی اور ملکہ کی ہی عظیم الشان شخصیت پر بنا سکے جسے میں کا کیا ہو گیا تھا۔

آہ! یہ ایک ماں کا دل تھا۔ جس پر اس او باش سے بیٹی بار اپنی روحانیت کا جادو آڑ لیا!

فوٹو گرافی

فوٹو گرافی کی ابتدا

جنوں نے سلونو ٹیٹ (شخصے کے تیزابیں مل کی ہوئی چاندی) میں کثرت کر کے کچھ طرح سے مختلف چیزوں کے عکس لئے۔

اسی زمانہ میں ایک فرانسیسی بومیں ڈیگرے بھی تجربات کر رہا تھا۔ بے انتہا محنت کے بعد وہ پہلی تصویر لینے میں کامیاب ہو گیا۔ ڈیگرے پیرس کے قریب ایک گاؤں میں مشغول ہیں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ عدالت میں چپراسی تھا اس نے ڈیگرے کو سکول میں داخل کر دیا ڈیگرے کو مصوری کا بہت شوق پیدا ہوا۔ کہ دنیا دیکھنا اسے باطل ہے خبر ہو گیا۔ چنانچہ اس کی بوی سے ایک دفعہ کسی مشورہ کیا گئے دریافت کیا۔ اور کہا میں ڈیگرے سے مصوری ہوئی ہوں۔ کچھ عرصہ سے مشغول رہا گیا ہے۔ کہ ڈیگرے کے دینے تصویر لے لیتا ہے۔

کیا ممکن ہے ہوائ میں جو خیال میں غرق ہوتا ہے۔ دن کو سونا جیسے رات کو۔ مجھے خطر ہے کہ اس کا داغ پہل جائے۔ آپ ایک بڑے سائنس دان ہیں۔ کیا جانتے ہیں کہ کبھی ہو سکتا ہے۔ یا وہ پورا ہو گیا ہے۔ دوسرے جواب دہانی احوال میں نقیب سے نہیں کہہ سکتا کہ تجربات کا سببانی ہوئی ہے۔ لیکن یہ بہت ناممکن نہیں رہیگا۔ اس لیے میں اس کو پورا نہیں جانتا۔“

ڈیگرے کی ترکیب یہ تھی چاندی کی پالش کی ہوئی تختی پر پورے کھانا جلتے جلتے تھے جس سے آگ ملنا پھٹنا تھا سلسلہ پورے ڈیگرے نے ان کی جے جیب کیمیرے کے اندر اس تختی کو کھولا جاتا ہے۔ تو اس پر عکس آ جاتا تھا۔ لیکن کچھ دن بیتا لیکن اس تختی کو بھارے سے بھری ہوئی تختی پر رکھ دیا جائے اور پارے کو کھلی سی حرارت پہنچائی جائے تو پارے کے تجربات آگ و آواز معلوم سے مل جاتے تھے۔ جہاں زیادہ روشنی پڑی ہے اُٹاری زیادہ پارہ اس جگہ جم جاتا تھا اور جہاں کم روشنی پڑی تھی وہاں کم اس طرح تصویر تختی پر آ جاتی تھی۔

دوسرا دور سر ہفری ڈیوی نے چاندی کی پانی سے کاغذ کر کے تصویر پر زیادہ دیر پانہ ہوئی تھی جبکہ سر ہفری کا شہر ہوتا تو کاغذ کی بجائے سیمہ ہو جاتی۔ اسے سادہ پانی سے دھو کر مگر نمک کے پانی سے طے ہو کر لگا کر مائیلا نہ ہوئی۔

فوٹو گرافی کی ابتدا اور اس کی درجہ درجہ ترقی سائنس کے دوسرے شعبوں کی مانند صرف ایک آدمی کی محنت کا نتیجہ نہیں ہے۔ اس کی تعمیر کا کام بے شمار کام کرنے والوں سے کیا ہے۔ اور ہر ایک نے اس علم کی عمارت میں ایک ایک اینٹ کا حصہ ڈال کر کے انما رفیع انسان بنا دیا ہے کہ یہ تعجب نہیں ہی کہ سامان میں بھی ملکہ ایک مستقل صنعت اور علم بن گئی ہے۔ جن لوگوں نے اس کی ترقی میں جان و مال کو ششیں کی ہیں ان کے نام سے لوگ بہت کم واقف ہیں لیکن بہت دیر سے ان کو فراموش نہیں کیا اور ان کی دماغی محنت کا ماحول مختلف یادگاروں کی شکل میں رہا ہے۔

قدیم مصر میں کو اس بات کا علم تھا کہ کسی بند کو ٹھوس میں اگر کسی چھوٹے سے سوراخ سے روشنی گذرے۔ تو سوراخ کے سامنے والی دیوار پر اس کے عکس آتا ہے کا کھس پڑتا ہے۔ اور یہ عکس اُٹا ہوتا ہے۔ اس پر طے آج سے ۳۳۰۰ سال قبل کیا کہ یہ سوراخ خود آگول ہو یا ٹکون یا چوکر۔ جب اس میں سے روشنی گزرتی ہے تو اس کا عکس ہمیشہ اُس کے شکل میں ہو گا۔ چنانچہ ایک عرصہ تک اس ترکیب سے مصور باہر کے عکس کا کھس کاغذ پر لے لیا کرتے تھے۔

مصر میں کو معلوم تھا کہ شمس کے تیزاب میں مل کی ہوئی چاندی کا پانی جب کسی چیز پر لگا جائے۔ اور اس کو روشنی میں لایا جائے تو اس کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے اس کا ذکر ایک عرب کیا گیا ہے کہ ساتویں یا آٹھویں صدی میں کیا ہے اور اس نے چاندی کے ترکے کے چاندی رنگ بنا لئے بھی تھے۔

سچے پلاگیا کیمیا گرس نے نقیب کے ساتھ تیار کیا چاندی کو سیاہ کرنے والی دلی چیز روشنی ہے۔ جان ہینز جیٹس ایک جرمن سائنسدان ہے۔ اس نے پہلے تجربات مشورہ میں شائع کئے۔ اس محقق کے بعد انگریز واطی کے کیا گرس اس تجربہ پر پہنچے۔ اگرچہ یہ اس ہی کے اس کا علم بالواسطہ جیٹس کی تحقیق سے ہوا۔

کادل وایلم شیلے ایک اور جرمن کیا گرس نے تحقیقات سے معلوم کیا کہ ادھوا نی رنگ کی مشامیں چاندی کو کثرت تیزی سے سیاہ کرتی ہیں اس میں کئی تحقیقات جاری تھیں جس میں لوہے کے کیا گرس نے بہت داغ و بازی کی تھی۔ انگریز کیا گرس وایلم وایلم سر ہفری ڈیوی کے نام میں فراموش نہیں کئے جاتے۔

اولین محبت

ہم دونوں کی عمر سترہ سال کی تھی۔ ہم ایک دوسرے سے بہت کم ملاقات کرتے تھے لیکن جب ہماری نگاہیں ایک دوسرے پر اتر آئی تھیں تو ہم دونوں کی تمام تر جذبات اور جذباتوں کے ساتھ اپنی اپنی شکایات کا تذکرہ کرتے تھے کہ لوگوں کی کیا حالت ہے اور خدا ہے یا نہیں۔ ہم اپنی اولین محبت کے متعلق خاص طور پر باتیں کرتے۔ یہ وہ ایام تھے جن پر بعد میں ہمیں ہنسی آتی ہے۔ وہ خیالات، تصورات، شکوک اور جھجک جن کا بعد میں ہم خالق آڑا تے ہیں۔ اولین محبت جیسے ہم بعد میں محبت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ آہ جب ہماری عمر سترہ سال تھی یہ باتیں سکھنا ہم اور بعد رشتہ زانیہ تھیں!

اس نے مجھ سے اپنی اولین محبت کا خاص طور پر ذکر کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس کی محبوبہ کی عمر سو سال ہے۔ اس کے بال نہایت خوبصورت ہیں۔ اور موٹی لمبی کڑک لکھتی رہتی ہیں۔ وہ گھلائی جڑیں اور دلکش نیل رنگ کا سایہ پہنتی ہے۔ اکثر اوقات وہ سفید سفید اور سفید ساڑی میں ملہیں ہوتی ہے۔ اور اس کی بھوری بھوری سنہری زلفیں فرسادل کو بوسہ دیتی ہوئی اس کے منہ سب کا منہ بوسہ پڑ پڑتی ہیں۔ اس وقت اس کی سادگی اور بھی دلفریب اور دلہلا رہ جاتی ہے۔

لیکن اس کی محبوبہ کی رعنائی اور سن عالم فریب کے اس بیان نے مجھے چنداں متاثر نہ کیا۔ میرا دل اسکا اپنی اولین محبت کا حال سننے کے لئے تپ تھا۔ میرا خیال تھا میری محبوبہ زیادہ دین و دھرم اور پورا ہے۔ لیکن چونکہ میرا دوست نہایت ذوق و شوق اور گرمجوشی کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا میں نے قطع کرنا کہ نامناسب نہ سمجھا لیکن میں جیل میں خیال کرنا رہا کہ وہ سکھ ظاہر پرست ہے اس نے اپنی محبوبہ کی روح کے متعلق مجھے کچھ بھی نہیں بتایا کہ وہ علم الطبع ہے یا شعلہ مزاج اس کے دل میں محبت آگیں جذبات ہیں؟ یا بغیر آہیز؟ انداز شوخ و شیریں یا شرم آگین؟ کیا کبھی اس نے اس کے ساتھ تعلق کیا ہے اور میں اس کا طعنے لگا ہوا ہے۔ دیگر ہم عروں کے ساتھ وہ اسے لیکر لڑائی میں لڑتا تھا لیکن میں جانا چاہتا تھا کہ باغ کی سایہ دار درختوں کی ٹانگوں سے ڈالنی

اس سے میری ملاقات لڑکپن میں ہوئی تھی۔ لیکن لڑکپن سے بے فکری اور حماقت کا وہ زمانہ مراواتیں جب نوجوان دل زندگی کی مقررہ کالیفن اٹھانے پر تڑپا ہوتا ہے۔ بلکہ آپ لڑکپن کے الفاظ سے سترہ سال کے اس نوجوان لڑکے کا لہو تڑپا کیجئے جو زندگی کا آغاز نہایت نہایت اور تنہائی کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ درحاضرہ کا نوجوان جو ایام رفتہ میں شاید اپنے ہم عروں کی محفل کا ایک بے ہوش و غور فرد ہوتا ہمارے زمانے میں اگر اس کا تمام وقت خود آرائی اور خود پسندی میں صرف نہیں ہو جاتا اور وہ ابھی اپنی شخصیت کے احساس سے قطعاً نا آشنا ہے تو کوئی اور چیز اور چیزیں و بچہ ہوتا ہے اور اس کے دل میں اپنی پلوع ہونے والے ہر واقعے کے لئے احترام ہوتا ہے۔ اس کی مناسبت اور تنہائی اس کی عمر سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی ذہن کی فضا میں۔ اس کے مطالعہ اور مستقبل کے خیالات، اور خدا، فطرت اور فلسفہ کے تصورات سے لبریز ہوتی ہیں۔ وہ نوجوان ہوتا ہے لیکن وہ زندگی کے اہم مسائل پر غور کرتا ہے۔ اس کی ہوا دیشانی خیالات سے پریشان اور اس کی ففلا ڈھکھوں میں اس کا سفر اس کی ایک جھلک ہوتی ہے۔ اس کے نوجوان ہونے جن پر ابھی لڑکپن کا منور آرائیں ہوتی اس کا سہارا ہٹ سے قطعاً نا آشنا ہوتے ہیں۔ جو اس عمر کو فطرت کی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اور چونکہ وہ زندگی کے اہم مسائل کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ ایک ناقابل بیان اضطراب محسوس کرتا ہے۔ وہ پہلی بار اضطراب محسوس کرتا ہے اور اس کی روح میں درد و کرب کی ایک تڑپ ہوتی ہے۔

اس کی روح ایک جھلک سے ہونے شاعر ایک خفا فی الذات صوفی ایک خالق جذبات معشور، ایک فلسفی، ایک سیاست دان اور۔۔۔ ان تمام نوجوانوں کی بھڑکے کھوئے ہوئے شخص کی روح ہوتی ہے۔ جو اعتدال پسند ہو کر مفید شہری بن جائے۔ لیکن ان تفکرات اور سوچ بچار اور خیالات کے درمیان جو وہ بہت بلند، عمیق اور حقیقی نکات کے متعلق رکھتا ہے۔ اور خدا کا ناسنا اور فطرت کے ان متعلقہ تصورات کے درمیان ایک خوش رنگ مقدس پہلوں کا ہوتا ہے اور وہ اس کی اولین محبت ہوتی ہے۔

سے ہماریں دھمال ملائیں گے تو وہ اس کا جواب بھی دیگی یا نہیں۔

میں جیب سے اپنا رد مال نکال کر سر سے بند کر کے تھکا کر لگا دیا۔
دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہ ہماری طرف دیکھنے کی بجائے
کبھی اور طرف دیکھ رہی ہے۔ میرے دوست کارنگ زرد تھا وہ ساکن
خاموش کھڑا تھا اور وہ اپنی "محبوبہ" کے حضور میں سرنگ نہ جھکا سکتا ہے
اس کی جھوٹی بہن نے بے خیالی سے ایک شوخ نظر مجھ

پر ڈالی اور اس پر اپاری لڑکی کی محبت کے معصوم جذبات میرے دل میں
پیدا ہو گئے۔ ہم گدو گئے۔

میرے دوست کارنگ ابھی بڑبڑاتا تھا اور وہ صاف گھبرا ہوا معلوم
ہو رہا تھا۔ میں نے کہا:۔

"تم اپنی محبوبہ کو سلام نہیں کرتے؟"

اُس نے اپنی نگاہوں کی تمام تر معصومیت کے ساتھ مجھے دیکھا، ان
نگاہوں کے ساتھ جو دوسرے اوقات میں زندگی کی باتیں ہونے لگیں
میں غرق ہو جاتی تھیں اور لڑتی ہوئی آواز میں جو طفلانہ ناچرہ بھاری کی
وجہ سے بار بار رک جاتی تھی کہا "لیکن میں قاس سے واقف نہیں۔"

..... میں اسے صرف دیکھتا ہوں..... تقریباً روز دریاں
ہی..... اسی معطر روش پر.....

یقین مانے میں نے قطعاً اس کا تسخیر نہیں اڑایا۔ یاد رکھئے کہ
میں فوج مان تھا اور یہ زندگی کے وہ ایام ہیں جن میں کسی چیز.....

خدا ہے اور..... ہماری اولین محبت وغیرہ..... پر
تسخیر نہیں اڑایا جاتا۔ بلکہ انہیں خرفناک مشائے کے ساتھ تسلیم کر لیا

جاتا ہے۔ اس اولین محبت کو بھی جس سے ہم آشنا نہیں ہوتے.....
..... نہیں میں نے قطعاً تسخیر نہیں اڑایا۔ بلکہ نہایت دلچسپی کے

ساتھ اس کے ان تمام جذبات و حسیات کا مطالعہ کرتا رہا جنہوں
نے اسے اس قدر سرد اور غم نہاد بنادیا تھا۔ آہ!..... جب

میں نے اپنی اولین محبت کا اس سے مقابلہ کر کے دیکھا وہ مجھے بہت
حقیر اور غیر دلچسپ نظر آیا۔ اب میں اس کے متعلق اسے کچھ بتاتے
ہوئے بھیجتا تھا۔

میں اپنے دوست کو بڑا مداح تھا اور میرے دل میں اس کا
احترام تھا.....

اس واقعہ کو سننا میرے عہد پر ہے؟ میں نہیں جانتا۔ شاید تین یا
چار..... یا شاید بائیس سال..... مجھے ابھی طرح یاد نہیں۔

لیکن کل شام طویل مفارقت کے بعد ہماری ملاقات پھر سراسر روش پر

میں جبکہ منکرک پر ڈھول کی آواز محبت میں سناؤ نہیں دیتی۔ گھاس
کے نمز میں صوفوں پر بیٹھ کر کبھی اس نے اٹھ کر تنہا بھی کیا ہے۔ اس
حالت میں کہ اس کی محبوبہ نے شہر لے کر ہونے اپنا سراسر کی بھاتی پر
رکھ دیا ہو۔ جس کی بے طرح وھڑکن سے اس کے نازک جسم میں ایک
برقی موڈ ڈونگی ہو اور اس کے رخسار اور بھی ترستا اٹھے ہوں۔

لیکن وہ اس کے غامضی حسن و جمال کی تعریف اس فطرتی اور
ذوق و شوق سے کر رہا تھا کہ لائس گاؤں کی ایک سرد اور سایہ دار
روش پر بیٹھتے ہوئے میں قطع کلام کرنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ اکی ہرن
کی سی سیاہ آنکھوں، مجھ سے سنہرے بالوں، اس کی مسکراہٹ اور
اس کی مستانہ خدائی کی تعریف میں اس قدر محو تھا کہ وہ دنیا میں صرف وہی
ایک شانزدہ سالہ دیوی ہے جس کا وہ شباب کی تمام تر اہمیت کے
ساتھ معینیت مند بھی رہی ہے۔ لیکن لائس گاؤں کی قادی کشمیر کے
مغربی پہلو کی روش کے موثر پرنیٹس کے کلکدے کے قریب جہاں سے
ایک اور مسطر روش شروع ہوتی ہے اُس نے اچانک میرا بازو پکڑا اور
کہا:۔

توہ ہے میری محبوبہ!

میں نے دیکھا وہ واقعی حسین تھی اس کے ساتھ ایک بوڑھی
آقون یا شاید کوئی رشتہ دار اور اس کی جھوٹی بہن تھی۔ بوڑھی عورت
کا رنگ قدرے سفید تھا۔ شکل و صورت شاندار جوانی میں دلکش ہو
لیکن اس وقت چہرہ اس قدر کدوہ اور لغت سے بھر تھا کہ اسے دیکھ کر
میرا دل لرز گیا۔ جھوٹی بہن کے انداز بہت پیارے تھے اس کا رنگ
ذرا سیاہی مائل تھا۔ اور آنکھوں میں شرارت آمیز شوخی، انداز میں طفلانہ
جلبلاہٹ۔ وہ ہلکے زرد رنگ کا فرک پہنے ہوئے تھی جو اسے بہت
پیارا لگتا تھا۔ جیسے مسیحاہ بال شہد کستانی کی طرز پر کندھے سے ہونے لگے
لیکن موجودہ زمانے کی روش کے مطابق اس کی مانگ نہ تھی تھی اور
ذرا سی چوٹی پر پوش پر دونوں کندھوں کے درمیان پڑی تھی جسے

وہ شوخی سے کبھی کبھی اس طرح پکارتی کہ اس کی نازک کلائی گل گل مل
کندھے کے مقابل ہو کر ایک کمان کی صورت اختیار کر لیتی۔ اور

بڑی بہن؟ وہ اپنے اسی بوڑھی جیون کے سفید اور بے داغ لباس میں
ملبوس تھی اور اس کی مستانہ لہر تین جال میں ایک اور غریبی تھی۔ باہل
تقریباً کی سی جال، بال نہایت خوبصورت اور انکھیں نہایت سیاہ بین
میرا خیال ہے اس کے چہرے پر کچھ بے اعتنائی اور غرور تھیکہ کے جذبات
نہاں تھے اور میں حیران تھا کہ جب ہم اسے سلام کریں گے یا دور

سے محبت کرتا تھا۔ وہ اپنے تئیں لہوں پر مسکراہٹ لے ہوئے آگے کو بھگا اور اپنی نرم اوٹکی آواز میں گویا وہ کسی راز کو بیان کرنا چاہتا ہے یہ الفاظ کہے۔ چاہے تم مجھے احمق خیال کرو۔ بات یہ ہے کہ جس طرح میں نے اس سفید لباس والی بوہیوں کی سی تئیں لوکی سے کبھی بات نہ کی تھی۔ اسی طرح اس حور بیکر کے حسن کا نظارہ بھی نہیں کیا جس سے مجھے اب محبت ہے۔ میں نے اس کی صرف تصویر دیکھی ہے اور یہ اس کی مال کے بیان کے عین مطابق ہے جس کے گھر میں میں کچھ بیٹھے ایک کرائے دار کی حیثیت سے رہتا رہا ہوں۔ ان ایام میں یہ لوکی میں ————— میں ڈاکٹر کی اصطلاح کردہ رہی تھی۔

میں خاموش کھڑا تھا میری کانپتی ہوئی انگلیوں میں تصویر تھی۔ یہ اسقدر خوبصورت تھی کہ میں زبان سے ایک لفظ تک نہ نکال سکا۔ اور میرے دل پر وہی رنگین غبار سا طاری ہو گیا جو گرمیوں کی ایک شام ڈاؤن کشریز کے مغربی پہلو پر جب میں نے یہ الفاظ سنے تھے۔ میں اس سے واقف نہیں ہوں۔ دھنگ کے بیٹھے جیسے رنگوں کی ماند میرے حواس پر چھا گیا تھا۔ کیا میں اس کی ہنسی اور اسکا ہنسا؟ ہر چند میری طبیعت میں اب حقدار کے کچھ جذبات پیدا ہو چکے ہیں۔ اور میری نظریں اور افسانے اس کے شاہد ہیں۔ لیکن وہ لغت و حقدار ان انسانی جذبات کے لئے نہیں ہے جو ایک مسلم فریب پیدا کر کے "ابو" کو مصروف کار کر دیتے ہیں۔ بلکہ وہ ان چٹھی اور زندہ شخصیت انسانوں کے لئے ہے جن کی زندگی انسانی خون پر ہے اور جو پیٹ کو دنیا کی گرد و مٹیوں سے بھرا جاتے ہیں۔

آہ ہم انسانوں کے لئے بعض معجزانہ چیزیں ہماری ہی ہوتی ہیں وہ طفلانہ جذبات جو عالم شباب میں ہم دعوں اور غوروں کے دلوں میں رہتے ہیں انکا اوقات طغرت انسانی کے صبح آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اس لئے سے محبت کہنا جو ہم سے بہت دُور ہے اور جس سے ہمارا بھی طرح آشنا نہیں۔ فریب میں مبتلا ہو کر اپنے دل کی تمام تر پاکیزگی کی آواز نکالتے کے ساتھ اس سے محبت کرنا اور پھر اتمتہ کے سلوکی کے ساتھ اپنے دوست کے سامنے اس کا اعتراف کرنا انسانی حماقت کی رقت انگیز سادگی ہے جو اگر ہم سب میں نہیں تو چند کے دلوں میں ضرور ہوتی ہے۔ اور ان چند کی تعداد اسقدر ہے۔ گو اگر وہ سب آپ کے سامنے اعتراف کریں تو آپ حیران رہ جائیں۔

حیف ہاشمی

ہوئی۔ اب میں ایک نوعمر شاعر اور افسانہ نگار ہوں اور اپنی نظموں کا پہلا مجموعہ شائع کر چکا ہوں۔ وہ اس عرصہ خاک وطن سے دُور اٹلیہ، جرمنی۔ اور میں میں آوارہ پھرتا رہا ہے۔ وہ خیالات میں اشتراک ہے اور دنیا کی اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ وہ بے پروائی سے کپڑے پہنتا ہے۔ خطاطیں بناتا۔ خدا کی ہنسی کا مسکن ہے۔ اس کے خیال میں میری نظریں اچھی نہیں اور میرا خیال ہے وہ صحیح کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے میرے افسانوں میں کتنی زیادہ ہے۔ اور میں بہت تکلف کرتا ہوں اپنی انسانی زندگی کی خوشگلیوں کے خلاف جو الفاظ میری زبان سے دوران گفتگو میں نکل جاتے ہیں ان کو میں افسانہ میں ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ اصرار کرتا ہوں کہ دنیا کی حق تلفیوں

سرباہ داروں کے منہ پر تہذیب مغربی کے خوفناک اثرات اور تہذیبی تصورات کے خلاف زبانی آواز تو اٹھاتا ہوں لیکن تحریر میں ان کے اظہار کی جرات نہیں کر سکتا۔ * * * * * یہاں شاید وہ غلطی ہے۔ اور میرے جدید احباب جانتے ہیں لیکن باتیں کرتے کرتے مجھے اس کی خلقت آواز میں وہ ناکلوج محسوس ہوتی جس نے میرے دل پر اسقدر خوشگوار اور روح پرورد اثر کیا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو مضبوطی سے ملا کر کچھ سوچتے ہوئے سر جھکا لیا۔ اور اس انداز میں اسے بھر مجھے اپنا افسانہ لغت سنایا۔ اس بار اس کی محبت شدید تھی۔ جب میں نے اسے اس کی معطر و خوش والی نوعمر لڑکی کا واقعہ یاد دلایا تو وہ لڑکی کے ساتھ تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ جب وہ اصلاح کے عالم کے میدان میں قدم رکھتے ہوئے کمزوری محسوس کرتا ہے تو محبت کے یہ جذبات چٹکی اب اس کے دل پر حکومت سے اس کو قضا سنے اور اس کی دل مضبوطی دیتے ہیں۔

اس نے اپنا افسانہ لغت بیان کیا۔ اور فسقیاں الفاظ میں اپنی محبوبہ کے حسن و جمالی اس کے ناز و انداز اس کے عمیق ترین خیالات اور اس کی روحانی دلفریبیوں کی مکمل تصویر کھینچی۔

میں نہایت صبر و مشانت سے اس کی گفتگو سناتا رہا۔ لیکن اس صبر و مشانت سے نہیں میں سے ہیں نے چند سال پیشتر اس کی حماقت آمیز محبت کی داستان سنی تھی۔ میں نے اس مدح سرائی میں مدخلت نہ کی۔ یہاں تک کہ اس نے اپنی جہول کو ٹھوٹا اور سکر لے کر مجھے کہا:

"یہ اسکا تصویر ہے عین ہیروقت اپنے دل کے ساتھ لکھتا ہوں۔ اس نے تصویر میرے ماتھے میں دی۔ میں نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ وہ پٹکی یا بندے دیکھ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ دُش صورت نوجوان جو دنیا سے بےزار ہو چکا چند سال پیشتر کا وہی سترو سال لڑکا تھا جو قادی کشمیر کے مغربی پہلو کی معطر و ساوہ دار و روش پر سے گزرنے والی لوکی

بہار اور عشق

گلاب کی شگفتگی سے زینت بہار ہے ہوا کی نگہتوں سے کائنات مشکبار ہے
چمن میں ایک سیل رنگ و نور بقرار ہے فروغ ماہتاب سے نگاہ زرنگار ہے
نگاہ زرنگار ہے فروغ ماہتاب سے

ہجوم لالہ و سمن سے باغ جلوہ خیز ہے لطافت شمیم سے نسیم عطر بیز ہے
نوائے اہل درد سے فضا سرور دیز ہے فسانہ شباب سے شراب نغمہ تیز ہے
شراب نغمہ تیز ہے فسانہ شباب سے

لطاقتوں کے جوش میں عشق نیرنگوں غم بلائے اضطراب دل مصیبت جنوں غم
نشاط زار زندگی پہ چھا گئی افسوں غم بہار کے رباب سے ٹپکے ہاؤنوں غم
ٹپکے رہا ہے خون غم بہار کے رباب سے عابد

چمکا دیا ہے رنگ چمن لالہ زار نے شاید خزاں کو آگ لگا دی بہار نے
ہاں ہم نہ تھے فریب بتا سوسے خبر کیا کہئے کیا کیا دل امیدوار نے
اپنی تو ساری عمر ہی فانی گذاری اک مرگ ناگماں کے غم نظار نے فانی

محبت اور امید

کتنے ہے جس کا دبانِ نظارِ آہ ہے۔ بادبانِ کیسا منور ہے۔ س کا سنبھل
سندھیں کیسا منکسرِ نظارِ آہ ہے۔ لیکن آہ! یہ محبت کا دبانِ منیں ہے۔
”امید بچا دی رنجیدہ ہو گئی۔“ غمزدی دیر گزر گئی۔

دوسرا دبانِ نظراں۔ دوشیزہ نے پھر غمزدی سانس لبر لبر کیا ”آہ آہ
تو دوتی کا بادبان ہے۔ اس کا چراغِ سندھ کی لہروں میں جگمگا رہا ہے۔ اور
اس چراغ کی روشنیوں میں پرسکون ہیں۔ لیکن بچا دی ”محبت کی شمع کی
تویریں بہت زیادہ پریشور و روشن اور پرسکون تھیں۔ غرافسوس وہ کہاں؟
غمزدی دیر اور گزر گئی۔“

تمام خلا و اسطِ سمندر اور گیتانوں میں رات بے انیا سا ذخیرِ تان یا
سنبھلے اور شمعِ بادبانِ نواں سے اوچھل ہو گئے۔ امید کے رنگین
اور چٹانک خواب بیداری میں تبدیل ہو گئے۔
”محبت“ پھر کبھی والیں نہ آئی۔

(دربارِ انگریزی)

فخر عابدی

دربارِ پروانہ

صبح کی سمانی فضا میں ایک سندھ کے ریتے کناٹے ”رحمت“ اور ”امید“
نسیمِ بحری کے خوشگوار چھوڑکوں میں مکمل ہی تھیں۔ آہستہ آہستہ صبح کی کرنیں
نور اور سونے میچیں اور رفتہ رفتہ آفتابِ آسمان کی لہندیوں کی طوفانِ جلنے لگا۔
”محبت“ یہ دیکھ کر وہاں سے شوک ہوئی۔ سندھ کے بالکل کناٹے جا پہنچی
اور مسکرائی ہوئی اپنی کشتی میں بیٹھ گئی۔ بچا دی ”امید“ اکیلی سندھ کے کناٹے رہ گئی۔
”محبت“ نے مسکراتے ہوئے کہا ”میں سندھ کی تھریج کو غمزدی دیر کے لئے
جا رہی ہوں“ یہ کلمہ محبتِ نہایت مسکرائی اور اسے ہنس پڑی اور یس مسکراہٹ
سے بہت متاثر ہوئی اور اس حصہ فطرت دوشیزہ نے جس کو دھوکا اور غمزدی
دور کیا بھی غفلت نہ تھا، یقین کر لیا کہ ”محبت“ ضرور لوٹ کر آئے گی۔
”امید“ ”محبت“ کے انتظار میں سندھ کے کناٹے ملتتی رہی اور بے چین رہتی
رہی۔

شام ہو گئی۔ آفتاب کی دمِ شمشادیں سندھ کی لہروں کے ساتھ کھیلنے لگیں
امید ایک خواب جیسی خود فراموشی میں ریت پر کھڑی انتظار کر رہی تھی۔ وہ بار بار
”محبت“ کا نام ریت پر کھتی اور بار بار سندھ کی موجیں آکر تھیں اپنی آغوش میں
سمیٹ لیتا تیں۔

آخر کار سندھ میں بہت دور ایک سنبھلایا دبانِ نظراں اور اس دوشیزہ
کی طرف حرکت کرتے دگانے آہ سر دھجرتے ہوئے کہا ”یہ دولت کی

عشق

عاشق، انسانِ کمال، کمال و جمال کا مشاقتی ہے۔ عاشقِ روحانیت اور معنویت کے اس بلند مرکز پر جوتا ہے۔ جہاں دوسرے لوگ نہیں
پہنچ سکتے۔ اس عالم سے اوپر ایک اور عالم ہے وہ عالم روحانی ہے اور پاک و دھوئیں کا مسکن ہے وہاں روحانیت معنویت اور عشق کی تجلیاں
ہیں اور بس۔

عشق کے لئے عجب سوس کا سودا اور جستجو کا جنوں لازمی ہے۔ جہاں عشق ہے وہاں جستجو ہے اور جہاں جستجو ہے وہاں عشق ہے۔
عشق مختلف مناظر میں مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی حقیقت کی تجلی گاہ میں ضیاء افکن ہوتا ہے اور کبھی مجاز کے پردوں سے
جھمن کر رہا ہر نگاہ ہے۔ اور ایک عالم کی آنکھوں کو ضمیر کو کرتا ہے۔
عشق خواہ کسی رنگ میں ہوا اور کسی جگہ ہوا اس کا مرکز ایک ہی ہوتا ہے۔ عشق حقیقی ہوا مجازی۔ مادی ہوا روحانی۔ دائمی ہوا وقتی
وہ دور ہے جو ایک ہی روشنی کا پر تو ہے۔

دختری

ترقی اردو

ہندوستان کی وجہ زبانوں میں اس وقت افغان کا ایسا سلسلہ موجود تھا جس کا سلسلہ درباروں، عدالتوں اور سرکاری دفاتر میں بآسانی ہو سکتا ہو۔ ہند کی قدیم زبان سنسکرت سے ایسے الفاظ دستیاب ہو سکتے تھے۔ مگر یہ زبان مردہ زبان تھی۔ فارسی کو جب سرکاری زبان کے عہدہ پر مقرر کیا گیا تو ہندوستان میں وہ بھی مردہ زبان ہو گئی۔ مستشرقین مثلاً سولیم جوس اور ان کے شاگردوں نے کوشش کی کہ اس زبان کو سائنسی بنکال تھے۔ یہ کوشش کی کہ ایسی زبانوں کی تعلیم کے ذرائع پیدا کیے جائیں اور اس کے ساتھ سنسکرت فارسی اور عربی قدیم زبانوں کی بھی تعلیم دی جائے۔ وارن ہسٹنگز اور دیگر مدبران ان کے ان ہر دو خواص کے لئے بہت سارے پروگرام بنائے اور وہی علم ہندوؤں اور مولویوں کی حوصلہ افزائی کی کوشش کی مگر جس بات کو انہوں نے غلط سمجھا، وہی علم ہندوؤں اور مولویوں کے حوصلے پر بھلنے کی کوشش کی گئی۔ دہلی و مہاراجہ و مہاراجہ کو تاجدارین عالم تھے اور ان کی تصانیف میں بعض ضرور پایا جاتا تھا کہ علم کی بجائے عقیدوں کو زمین کی پستی تک پھینکا دیا تھا۔

علاوہ برسرِ بی بی خطرہ پیدا ہوا کہ قانونی کتابیں عقلی شعور و دھرم خاستہ اور ہندوؤں و مسلمانوں کا قدیم ملاملاہ دونوں ایسے عالموں کے مردہ علم کے جو حصے بچے ہوئے تھے مگر جن اتفاق سے یورپ کے بعض ایسے وسیع النفوذی افراد سے ہمیں بڑی مدد ملی جنہوں نے ہمارے قدیم علوم کو فنا ہونے سے بچا دیا۔ بطور مثال مصنفین اور مدیرین مثلاً سولیم جوس و ہسٹنگز و مین کے نام قابل ذکر ہیں اور دیگر مستشرقین مثلاً سولیم جوس، مومسن، الہوداؤتے و میکس مولر کے نام بھی قابلِ فراموشی نہیں ہیں۔ انہوں نے ہند کے علوم کو بڑھا اور انہیں کی بدولت قدیم آریہ زبان کے علوم کا کھل کر کاغذ اداہ اس کی ترقی ہوئی اور اہل ہند اور اقوام یورپ کے صحرا و اہل کو جسے کاشیت ملے۔ ہر چند ان کی تصانیف میں سے بعض اہل عرب غیر صحیح ثابت ہوئے ہیں مگر تاہم انہوں نے جس خوبی و واسطے دماغی قابلیت سے رہنمائی کی ہے اس کا ہم کو بدل سے شکر ادا کرنا چاہیے۔ ملکی زبانوں کی ترقی میں ان صاحبوں کی امداد اس قدر دستیاب ہو سکی جس قدر قدیم زبانوں میں حاصل ہو سکی۔ ہند اور مسلمان ملا جو فورسٹیم کالج یا جسکے کلکتہ یا بنارس کی درسگاہوں میں پڑھائے گئے تھے وہ ویسے عالم تھے جو ہند کے قدیم علمی طریقے میں خود تھے جن کو وہ قدیم علمی طریقے سمجھتے تھے جب

جسیتی سے برادران ہندو میں فی زمانہ یہ خیال عام ہے کہ زبان اردو کو مسلمانوں کے ساتھ خصمیت حاصل ہے اور اسی بنا پر معمولی قسم کی ہند کی اختلاف کرنا چاہتے ہیں جس کے الفاظ اردو سے بالکل علیحدہ ہوں۔ حقیقتاً جس زبان سے اردو پیدا ہوئی ہے اس زبان کی ساخت بظاہر صرف و نحو کے ہندی زبان ہے اور اس کو مسلمانانِ زمانہ نے غصیلے اس ملک میں عام بول چال کے لئے اختیار کر لیا تھا۔ ابتداً اس میں اردو معمولی ہندی میں جو ہندو بولتے تھے مشکل سے سمجھا دیا جاسکتا تھا اس زبان میں مذہبی اور اخلاقی اصطلاحات فارسی اور عربی سے ماخوذ تھیں مگر قدیم مسلمان شہزادہ املاک ملک جو بائیں کی تصانیف کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہی اصطلاحات میں بھی ہندی الفاظ شامل کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن ترقی ہوئی گئی تھی۔ یہ امر ناگزیر ہو گیا کہ مذہبی، ملکی، فوجی اور اخلاقی اصطلاحات فارسی، عربی اور ترکی زبانوں سے لیکر شامل کی جائیں۔ اس لئے کہ یہ ہیں ان مختلف اقوام مسلمانوں کی جن میں حکومت ہندوستان میں تھی۔

زمانہ سابق میں اردو زبان میں ہندوؤں کے الفاظ سے پاک بھی صرف جہاں ناگزیر ضرورت لاحق ہوئی ایسے الفاظ سے لئے گئے۔ اس کی نظر نگری زبان کی ترقی میں بھی ملتی ہے اس لئے اس زبان میں بھی ایسی ہی ضرورت سے ناگزیر الفاظ یکسرا الفاظ کے ساتھ شامل کئے گئے۔ جب تک صرف ایسے ہی پروڈی الفاظ شامل کئے گئے جن کی اشد ضرورت پائی گئی اس وقت تک بان کا نشو و نما بہت کم کے ساتھ ہوتا رہا اور اس کے خلاف کوئی خاص احتیاج نہیں ہوا۔ نتیجہً مثلاً تقریباً یہ خاص تو تھا کہ ایسی آسان اصطلاحیں بھی جاتیں جو حتی الامکان عوام الناس کی بول چال سے قریب تر ہوں۔

انیسویں صدی کے شروع میں ہندوستان میں پھر ایک انقلاب پیدا ہوا۔ انگریزی حکومت میں مسلمانوں کے قواعد و ضوابط کی بجائے انگریزی یا ہند قواعد و ضوابط نافذ رفتہ داخل ہونے لگے جس کا اثر ہندوستان کی زبانوں پر کافی طور سے پڑا۔ قبل ازیں سرکاری دفاتر و ادارہ مسلمانوں کی اور مسلمانوں میں نیز فارسی و عربی میں سرکاری زبان تھی۔ اس کو لپیٹا علی درجہ سے رفتہ رفتہ اٹا دیا گیا۔ آخر کار عمداً محکمہ میں اس کی جگہ انگریزی زبان کو دی گئی۔

ان کو عازمین بسپا نڈا کیسے کے مطالعہ کے لئے ہند کی دیسی زبانوں میں کتب
دسیر مرتب کر کے کاغذ پر اس کام کی انجام دہی میں پیش قدمی سے نہیں
لیجے پائے خیالات پر عمل کیا جس کا نتیجہ زندگی زبان کے متن میں حضرت
ہوا۔ ہر چند انگریزوں کا یہ مقصد تھا کہ ملکی زبانوں میں اور زبانوں کی تعلیم کی
جگائے۔ لیکن ان علماء کے نزدیک علوم الناس کی مادی زبانوں کی کوئی
مطلعت نہ تھی تاہم حسب فکر ان کو کسی بھی ملکی زبانوں میں کتابیں تیار کرنی تھیں
اس لئے انہوں نے کتابیں لکھی زبان میں نہیں تیار کیں جو عام لوگوں میں فہم
ہوئی مانی تھیں بلکہ اپنے ہی خیالات کے موافق زبان دانی کے قواعد پر اسکے
جن سے اپنا علم نمایاں ہو۔ ہند پر پڑتوں سے سنسکرت سے بے انتہا الفاظ
پڑی زبانوں میں تحریر ہوئے اور سولہویں سے بھی عربی و فارسی سے ایسا ہی
کام کیا۔

اس طریقہ کا خاص اثر ہنگامی اور ہندوستانی (یعنی اردو) ان دونوں
پر پڑا۔ ہنگامی زبان باطل سنسکرت کے الفاظ اور محاوروں سے معمور ہوئی اور
انگریزوں کے زمانہ حال تک یہاں بھی ہنگامی و ڈکھا اور ہنگامی اخبارات اور
ہنگامی شاعری اور قصہ گوئی کے جدید سائز کے گوشے ہیں جسے کاس وراج کو
مثابا جائے اور عام الناس کی اصل زبان سے علی زبان بھی تزیین کر دی گئی
ہندوستانی زبان میں ایسے قدیم زمانہ عمل سے اقوام ہندو و مسلمانوں کے مابین
ایک ایسا جڑا شریہ ہوا جو ہزاروں نہیں ہے۔

سنسکرت کے ماہرین پڑتوں نے ایک ایسی مصنوعی ساخت کی ہندی
زبان پیدا کی جس کو صرف ذہنی علم سنسکرت دان ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور مولوں نے
اردو کی ایسی فارسی آمیز ہوئی پیدا کی جس کو صرف فارسی کے اچھے جاننے والے
ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس طرح ہندو مالک میں دو مختلف قسم کی زبانیں برتی پڑیں
حالانکہ لوگوں کی مادی زبان ایک ہی ہے مگر مختلف اصناف کے مختلف اختلافات
موجود ہیں۔ یہاں ہی لال کے سستے چشموں میں ان کی پرستار ہندی و اصل ہندو
ہندی ہے۔ مگر جو شخص ہندی کی گھانٹا، انیسویں صدی عیسوی کے آخر
میں شائع ہوئی ہے وہ محقق اکثر کہہ سکتے ہیں کہ ہندو سنسکرت کتابیں جو
ہندی لباس میں جلوہ گر ہیں اس طرح سودا کی پرستار اردو کے نام سے فہم اردو
ہے۔ مگر وہ اردو شاعری جس کے متعلق مولانا حالی نے صدائے مخالفت بلند
کی ہے وہ اصل کو ہم کی فارسی ہے جو اردو کے جام میں بیوس ہے۔

اردو ہندی کے باہمی امتیاز پر اس قدر نفرت صرف کی گئی ہے کہ اب
ان کا سابقہ حالت برقرار نہیں آتا مگر نہیں میں نے اور ثابت کیا ہے کہ اس معاملہ
میں قصور صرف ایک قوم کا نہیں ہے، بلکہ وہ دونوں قوموں کا ہے۔ سب پر صرف
اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ حالت موجودہ پر جو کر کے ان کو عام کرنا اور زبان

کے عادی بنانا ضروری ہے۔ ہندو زبان اردو کو ترقی دیں۔ باقی قومی اردو علم ادب کے
ماہر نارتھی شہور سائنس دانہ قدم ہندو سے گذرے ہیں اور جو ہیں شہور ہندو
محققان اردو کی کتب فہم شائع ہو چکی ہیں ہندو ان کے بڑے لائق و فاضل
پروٹ تنناہ شریا کھنڈی کے نام سے ہر شخص واقف ہے۔ اردو کے
تذکرہ میں سب کے جامع تذکرہ لاہور اسلام آباد کی شائع ہو چکا ہے۔ اردو کا
ایک ممتاز علمی سلاطین ہندو سے علمی زبان انگریز پر مبنی شائع کئے ہیں ان
صاحبوں کے نام لینے سے سب سے بڑے علمی ہندو زبان ہو جائے کہ اردو زبان
اور اردو علم ادب کی قدر و قدر ترقی مسلمان صاحبوں کے علاوہ ہندو صاحبان
بھی کو ہے میں نے اردو اردو کا مشترک مسئلہ ہے۔ ہمارے حاضرین سے کہہ کہ اردو
اسلام اور ہندو دونوں کا مشترک مسئلہ ہے۔ ہمارے حاضرین سے کہہ کہ اردو
اجداد اہل علم و فضل اور ترقی میں کہ وہ عام خیالات پر بنیادہ رجوع ہوں اور
ان ملک کے ماہرین یافتہ صاحبان زبان اور خیالات کا صحیح افلاذ کریں۔

بعد ازاں اردو ہندی کے مسئلہ کو اس پر مبنی لکھا جاتا ہے کہ
گویا یہ حروف فارسی و حروف ناگری کے درمیان تعلق ہے کہ جانا ہے کہ
ہندوستانی زبان کے لکھنے کے لئے سب سے بڑے حروف ناگری کے ہیں۔ اس
لئے کہ اس ہندی کا حال ہندی کا ہے۔ گویا اردو ہندوستانی و اصل ہندی
زبان ہے، قدیم سے قدیم ہندی کو لکھا جائے، مثلاً ہندوستانی کے اخبار
تو اچھے ہو گا کہ ان میں بھی فارسی اور عربی الفاظ غلط ہیں، بلکہ اگر غلط ہندی
ہوئے والے گزاردہ کی زبان پر جو کیا جائے کہ ہندو کی صدی فارسی عربی
الفاظ غلط و بڑا بڑا ہوں گے اور شہروں اور قصبوں میں اس سے زیادہ ایسی زبان
لئے ناگری حروف پر گزریے نصحت ثابت نہ رہے۔ ظاہر عربی حروف بھی ہندی
کے تلفظ کو انداز کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں گویا وہ حروف بعد از تمام اساتذہ عربی
اور فارسی حروف کے کمزور ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اردو حروف اردو
زبان کے اغراض کو بیکار کیلئے بے ضرورت ماکرتے ہیں۔ عام زبان کے علمی
اگلا اس پر مبنی کریں کہ ناگری حروف ہی اصل کے جائیں اور موجودہ حروف اردو
معدم کئے جائیں تو ان کی منتفی اور ملکی ہندو سے تقویت میں مل سکتی۔ ناگہانہ
اردو حروف کے مابین حروف ایسے ہیں جن کی کیفیت زیر مینہ ہوئی خصوصاً
حروف علت اردو و تکرار میں بھی بہت سے اساتذہ اہل مصلح ہیں۔ حروف علت
کے مابین حروف مختلف ہندو زبان پر مختلف کئے مختلف شکل و ہونا لڑی ہے

اور حروف اہل مصلح باہمی قاعدہ اور یکساں ہونی چاہئے جو عربی صحیح اور
غیر مشکوک ہوئی جائے سب پر بجا ہے کہ وہ ملے جائے کیلئے ہر قسم کی
امداد دیا دینی چاہئے اور چھاپائی کی خصوصیت نظر رکھنی چاہئے جو فارسی
عصر ہما کیس نے ایک قصہ رسالہ اردو کی سمت تحریر کیا ہے نشان کیا تھا۔ اگر

اردو ہندی کے باہمی امتیاز پر اس قدر نفرت صرف کی گئی ہے کہ اب
ان کا سابقہ حالت برقرار نہیں آتا مگر نہیں میں نے اور ثابت کیا ہے کہ اس معاملہ
میں قصور صرف ایک قوم کا نہیں ہے، بلکہ وہ دونوں قوموں کا ہے۔ سب پر صرف
اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ حالت موجودہ پر جو کر کے ان کو عام کرنا اور زبان

میں پاکیزہ صحیح منطقی وغیرہم عبادت کی طرف ہوا اور جن کی کچھ بچا متاثر
الغافل کی روشنی اور مصنوعیت کے زیادہ ترجیحات کی لمبائی اور کھارو
کی خوبصورتی سے وابستہ ہو تو پھر کھینچا جاسکے کہ وہ وقت آگیا کہ ہم کامیابی
کے ساتھ ایک اردو جماعت العلم (اکاڈمی) کو قائم کریں، جس کے علماء
اپنے علموں میں ستارہ زعفرانی الفاظ اور اصطلاحات کے باب میں بطور قضاۃ
فیصلہ کریں گے اور مستند لغات مرتب کر لیں گے۔ اور حلیہ عدالت سے متجاوز
عبارات کو روکیں گے۔ اور ان ہنرمندوں کا حوصلہ بڑھا دیں گے جن کا
آلہ ہنرمندی انسانی زبان ہے۔

یہ خاکہ نہ مستقبل کے لئے طویل اور شکل ہے۔ بہتر ہوگا کہ ہم
اپنی قوتوں کی یکسوئی کے لئے عزم کریں کہ ہر فرد یا انجمن اس کا کوئی حصہ
اور مدد دے۔ اپنے فیسے اور اس پر موزوں طریقے سے عمل کرے۔ اگر
ایک جامع تجویز نظر ہے، اور ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ دیگر افراد اسی
میدان کے اور حصوں میں کام کر رہے ہیں۔ تو ہم کو کم سے کم یہ اطمینان
ہوگا کہ خود ہمارے جمع کردہ خستہ قلیل التعداد ہیں، تاہم تمام فصل کا
غلہ کثیر التعداد اور مہینہ بچا ہوگا۔

(عبداللہ مصطفیٰ علی)

تصانیف اسی صنف میں شائع ہوتی ہیں۔ جہاں تک محکمہ مطالعہ کے لئے کا
موقع ملا ہے۔ ہمارے قلمرو میں کسی اصول یا قواعد پر نہیں جلتے۔ ان کے
مضامین اور قصوں کے خاکے (پلاٹ) بیرون از نظرت نہ جاسے لے
جستے ہیں، یا خلاف واقع ہوتے ہیں ان کا طرز ایسا ہوتا ہے کہ گویا وہ طفلان
آغوشِ نبش کو قصہ سناتے ہیں خصوصیت کبیر کرکے کی تصویر عام رنگوں میں
کھینچتے ہیں۔ سوخل معاشرت کے واقعات پر غور کرنا، اور ان کی ہنرمندی
کے تصور کھینچنا، جو آئندہ نسلوں کے لئے متاثرات فخر کا باعث ہوں اس
کی تو محض کوشش ہی بہت کم قصہ نویسوں نے کی ہے۔ اگر اس صنف
پر توجہ دے اور مدد حاصل کیا جائے تو اس سے چند عام اصول اخذ ہو سکتے
ہیں، جن پر عمل کرنے سے صنفین اور ناظرین دونوں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔
ایسے بہت سے اسوہ ہیں جن پر قویہ اور بحث ہونے کے بعد اردو
علم الادب کی مسلسل اور با وقعت تالیفات لکھنا ممکن ہوگا۔ مگر اسی انسان
یہ ہو سکتا ہے کہ کسی تالیف کا کم سے کم ایک خاکہ تیار کرنے کی کوشش کیا ہو
جس سے ہماری بھی علم افزائی ہوگی۔ اور بیرونی اقوام کے نزدیک بھی اردو
علم الادب کی قدر بڑھے گی۔

جب کافی تعداد ایسے اشخاص کی چلک میں پیدا ہوگی جن کا سیلا

رباعیات
مانا کاوش تھی کاوشِ غم تو تھی
گر بیتِ بگرنوئے ماتم تو نہ تھی
بچپن میں جو بات تھی جوانی میں کیاں
خندہ بھی تھا، نیشِ انِ پیم تو نہ تھی
اس دین میں مقصد دل کیا،
منشائے نوجوب و اجل کیا ہے
جب قلب کو ایک دم بھی رخت ملی
آخر اس زندگی کا حاصل کیا ہے
روان ہوا

دوست بنانے کا فن

اُن سے سختی و سختی کے خواباں ہوتے ہیں۔ لیکن جب تک آدمی سرگرمی کے ساتھ اس خوشی کا لعل اٹھانے کے لئے تیار نہ ہو اس وقت تک اسے دوستی کے مناسب حصے کے ملے کا موقع نہیں مل سکتا۔ سٹیو لنسن کے اس قول میں اعلیٰ درجہ کی حکمت چھپی ہوئی ہے۔ ”اگر کوئی کو یہ معلوم ہوتا کہ کسی شخص کو اپنی حقیقی ملکیت پر ڈیڑھ ایک مار لے جوئے مستحکام قدردان پروردہ سے تو مجھے یقین ہے کہ وہ زیادہ آنا دے اور خندہ پیشانی نہ کئے۔“

پچھو دینا کچھ لینے سے بہتر ہے

دوستی ہماری اپنی صفات کا خارج حسین صمد ہے۔ اس کی پلوت ہماری حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ یہ ہم میں خود داری کا ماوہ پیدا کرتی ہے اور زندگی کی کشش کو ہمارے پر مغلف بنا دیتی ہے۔ لیکن سب سے بہت کم نسبت یہ کہ اشتغال انجیز ہو لیکن وہ اکثر اوقات زیادہ دیر پڑا ہوتی ہے کوریج لے کر مشابہ اور صنعتی کے نام سے جو نظر کھینچے ہیں اس میں وہ بیان کر کے ہے ”پچھو لو بصورت ہوتے ہیں اور محبت بنا کر خود پچھو لے جے دوستی بنا دینے والا دھت ہے۔ چونکہ ہماری زندگی کا دار و مدار زیادہ دوستی پر ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے دانا آدمی اپنی شخصیت کی تربیت اس طرح کرے گا کہ وہ دوستی جیسی بے باہریت کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے مقناطیس بن جائے۔ جب تک آدمی خود دوست بننے پر صفا مند نہ ہو تب تک اُس کو دوست نہیں مل سکے۔“ لینے کی نسبت دینا بہتر ہے۔ سچ ہی نہیں بلکہ جو شخص دینا پسند نہ کرنا ہو اس کو پچھو لے ہی نہیں سکتا۔

یہ دنیا حقیقت میں بہت سہانی ہے۔ اس میں دوستی کا ذخیرہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اگر بدقسمتی سے ہم کسی کی دوستی سے محروم ہو جائیں تو یہ ہماری ہی کوتاہی کا نتیجہ ہوگا

سخاوت

شریلے آدمی اکثر اوقات حاضر و غایب دوستوں کی دوستی سے محروم رہتے ہیں۔ حیا اور شرم حقیقت میں دو برائیاں ہیں اور وہ روحانی فقر اور اس عقیدے کا جتن ٹوٹ میں کہ ہمارے پاس کوئی ایسی کمی چیز موجود ہے جس کو پوشیدہ رکھنا چاہتے تاکہ ہمارے ارد گرد کی دنیا کا اس کا پتہ نہ

لاہٹ لونی سٹیو لنسن نے ایک نظم قلم میں لکھا ہے کہ ”مجھے دولت کی فتنہ نہیں اور نہ آرزو ہے مجھ کو کسی واقف حال دوست کی خواہش۔۔۔“ مجھ کو فقط اس بات کی طلب ہے کہ میں انسان کے نیچے سڑک پر پلٹا ہوں۔“ سٹیو لنسن نے یہ نظم اس لئے لکھی تھی کہ اسے شوہر ٹ کی لے میں گایا جاسے۔ مگر میں اس پر تجلہ نظر ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ہے دنیا میں ایسے قلندر یا سبلائی لوگ بھی موجود ہوں جن کو زبردست فکر پر پلٹنے کے سوا کسی اور بات کی آرزو ہی نہ ہو لیکن عام لوگوں کی بے بردی و خوش حالی کا دار و مدار دوستی ہی پر ہے۔ یہ تو عہدِ بیک کی غیر معمولی ہستی ہے جو دن رات اپنے ہی حال میں مگر رہ سکتا ہے ہم درحقیقت ہر ایسے شخص سے متاثر ہوتے بغیر نہیں۔ وہ سکے جس کے ساتھ میں نے سہل پڑنا رہتا ہے۔ چند مبارک ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن سے ہر کوئی قابلِ شریع و جرات کی تیار ہے۔ وہ دو برکتیں حاصل ہو سکتی ہیں جو باقی دنیا ل کر بھی ہمیں دینا چاہتے نہیں دے سکتی

پوشیدہ کشش

دوستی سراسر مخفی ہوتی ہے۔ سٹیو لنسن کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص مجھ سے یہ درخواست کرے کہ اس امر کی وجہ بتا دے کہ آپ مجھ سے محبت کیوں کرتے ہیں تو میرے نزدیک اس کا جواب کو اس کے اوپر کچھ نہیں ہو سکتا کہ آپ اس میں ہوں۔ دوستی کی تحریک دنیا کی مایا یا دولت کی بنا پر نہیں ہوتی بلکہ نامی میں درخواست میں اس شخص کی موجودگی کیوں نہ ہو۔ دوستی پیدا کرنے کا عجیب و غریب مادہ موجود ہے اگر تم دیکھ کر شور آدمی کا نام، دنیا کا دوست تھا تو مکار (ایک مشہور مصنف) کو بھی تمام دنیا مدد ملتی رہتی تھی۔ دوست خود ہمارے گلے پڑتے ہیں وہ عجیب و غریب دوست کے لئے نا ناوا نہ ہمارا کی طرح ہماری جانب کھینچے چلا آتے ہیں کسی شخص کے مدد سے زیادہ دوست نہیں ہو سکتے۔ ہم اپنے بعض دوستوں کو تو سکڑا کر دیتے ہیں اور بعض کے مدد سے بڑا بڑا انوس کرتے ہیں۔ اکثر طعناں صاحب اس دنیا میں ایک دوسرے کو یا تو کھو بیٹھے ہیں یا عزیز مرادوں حالات میں ایک دوسرے سے ملنے ہیں۔ جب زمانہ موافق ہو تو ہم اپنے دوستوں کے پاس خوشی منانے کے لئے جاتے ہیں اور جب ناموافق ہو

ان کی اصلاح کی خواہش اور بھی خطرناک ہے۔ لیکن بے بعض گھسٹ گھڑیاں ایسی بھی آجائیں جبکہ دوستی سخت آزمائش میں مبتلا ہو جائے۔ لیکن میں باہر تو اس کی آزمائش نہیں کرتی چاہئے تاکہ سنے تو وہ کہ دھندے کا بیڑا نہیں بقیل لارڈ ہو جن

مجھے اپنی ہنسی کا لطف اٹھانے دو
اپنی خوش طبعی کے سارے بیٹھے دو
اور وہاں بیٹھے دو جہاں تھکے تھکے سے چوڑے چوڑے ہوں
ہاں مجھے اپنی دوستی کی برکت حاصل کرنے دو

دوستوں کی اصلاح کا خیال

یہ بھائی اکام نہیں ہے کہ ہم دوستوں کی بہتری لینے کو مستش کریں۔ یہ تو اکثر ذرا فٹ پریشان دوست کی غلطی ہوتی ہے۔ یہی قوجہ ہے کہ گھر میں کسی پریشانکار آدمی کو تکلیف دہ خیال کیا جاتا ہے۔ یہ پریشانکار دوستوں کے دلوں میں یہ خیال بنایا ہوا ہے کہ میں چاہئے کہ ہم ایسے ہوں کہ ایک باہمی دوستی میں کسی پریشانکار کے متعلق اس میں شک نہ ہو کہ ایک شخص تو خود ہی ہوں جس کو مجھے یہ شک نیک بنانا ہے۔ لیکن اپنے ہمسائے کے متعلق میرا فرض صرف یہ ہے کہ اگر مجھ سے ہو سکے تو میں اپنے ہمسائے کو خوش کروں۔

ذاکر احمد اللہ خاں آئی ایم ڈی

ننگ جائے متعلق آدمی کا دل تو ہمتیں جوتا ہے اور وہ ہمیشہ
سخت میں مشغول رہتا ہے وہ زندگی میں سخت و کڑا رہتا ہے اور پھر
اس کو اس کا صلیبی ملتا رہتا ہے۔

آپس کی عزت

دوستی کا دار و مدار باہمی عزت اور ہمدردی پر ہے۔ لیکن کچھ حد تک اس کا انحصار آپس کے ایک جیسے مفاد پر بھی ہے۔ جو ہر کی مشورہ نظر ”الیا“ میں دو مصرعے یاد رکھنے کے قابل ہیں اور وہ یہ ہیں
عالی ظرف دوستی میں دوسری کا نام نہیں ہوتا
محبت ایک جھلک سے مل جاتی ہے
ایک جھگڑا ہی سے پھر دل ٹھنک جاتا ہے

دوستی میں بڑائی کا تو خیال ہی نہیں آتا۔ لیکن دوستی کو کبھی اہمیت نہیں دی جاتی۔ دوستی کا دار و مدار باہمی عزت پر ہے اور اس احساس پر کہ گہری اور قوت آمیز دوستی کے علاوہ ہر دوستوں کے دلوں میں ایسا اندوہی نہ پھلے۔
یہ سچا ننگ لنگھتی رسائی نہیں ہو سکتی

دوستی کی آزمائش

کسی کے احباب کی بات دھندے زیادہ پریش کرنا مفید ہے۔

جوانان قوم

حالات کا مرکز ہوتے ہیں اور اسی مناسبت سے حکامین سے کسی کے کہانے۔ کہ ایک قوم کے بچوں اور نوجوانوں کو اجتماعی اور سیاسی زندگی یعنی قوم میں انقلابی روح پیدا کرنا اور اس کی حالت کو سراسر بچہ کے لئے چھپیں سال تک آزادانہ تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور پچیس سال کے عرصہ میں دوسرے لوگ ان کے ہم آہنگ اور شریک کار ہوں یا نہ ہوں کیونکہ اس صورت میں ان کی تربیت کی توقع محض ناممکن ہے۔

انقلابی تحریکیہ و سیاسی معاملات کی باگ ڈور مکمل طور سے جوانان قوم کے ہاتھوں میں ہونی چاہئے اور اسی سبب سے قوم کی حالت کے بدلنے اور اس کے سرفراز ہونے کا انحصار اس قوم کے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت پر ہے۔

ابو ظفر نازک رضوی

مشہور مرثیہ شاعر ”مشعل“ کہتے ہیں کہ شباب کو ہمیں زندگی کے حقدار کو فانی بنا دیں جو ان قبل اس کے کہ تھکای جان کر وہ بلا کی نذر ہو جائے۔
اور کوشش کرو۔

دنیا میں دیرینہ شاہی قوت اننگ و شجاعت کا زمانہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ جوانی ”آزمائش کے میدان میں غم بہت بھلا محبت و دشمنی کی نشاں اور ظہور کا باعث ہوتی ہے اور عالم جوانی ہی جیسے ”جوانی جوانی“ پیکارا جاتا ہے عشق و محبت اور جرات و دلاوری کا دوسرا نام ہے اور یہی میاں کرشنہ روح بشریت کی ایک نفیس جھلک ہے۔

اگر ہمارے نوجوان اس سعادت یعنی قوت شباب کی اہمیت کو جانتے اور اس کا صحیح اندازہ کر سکتے ہوتے۔ اس کو اپنے لئے کارآمد چیز جانتے تو یقیناً کچھ ہمارے زمین فطریں کا نونہ ہوتی۔
ایک قوم کے نوجوان قوت و ثروت اور تمام اہم اور پیش نظر

مسیح کا اٹھایا جانا

انخاص :- یہودی - مصری - شامی - مسیح

یہ بیت المقدس کا ایک بالافاضہ بلاخانہ کا نقشہ ہے کہ دائیں ہاتھ ایک دروازہ ہے جس سے ایک دوسرے کو میں جو اند کی طرف داغ ہے راستہ لیا ہے۔ ایک دروازہ بائیں جانب ہے۔ دروازہ میں زینہ ہے جس سے آدمی بازائیں داخل ہوتا ہے بائیں ہاتھ اور عقب میں کھڑکیاں ہیں، یہودی کھڑا ہے مصری ہتھیل رکھنے بازو سے دھل ہوتا ہے۔

ہوتی ہے اودکھی دود سے۔

مصری - جب میں رہی سے گفتگو کرتا تھا تو اس وقت بھی میں نے یہ آواز سنائی تھی لیکن میں اس سے پوچھتا ہڑا کرتا تھا۔ بازووں میں لوگوں کا جھرم جھرا ہے۔

یہودی - اسے خوش قسمتی سمجھو کہ تم یہاں حفاظت کے لئے موجود ہیں۔ اگر کہاں بھی جیں ہوگا تو ہم اس کو روک دیکھیں گے کہ وہ لوگ جو اللہ ہیں ہمیں پناہ نہ دیں۔

مصری - وہ گیارہ آدمی؟ وہ کہہ کر کیا رہے ہیں؟

یہودی - ابھی سوتوڑی دیر ہوئی۔ جیسے نے ایک تنہا میں سے کچھ روٹیاں نکال کر مزہ پر رکھ دیں تھیں لیکن کوئیں سے شراب کا ایک شیکرہ مل گیا تھا۔ انہوں نے دیر سے کچھ کھایا نہیں تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر انہوں نے آپس میں ہستہ استہ بائیں کرنا شروع کر دیں۔ یوحنا اس وقت کا ذکر کرتا تھا جب انہوں نے آخری بار سی کرہ میں کھانا کھا یا تھا۔

مصری - اس وقت ان کی تعداد تیرہ تھی۔

یہودی - یوحنا کہہ رہا تھا کہ یسوع نے ان میں روٹیاں اور شراب تقسیم کیں۔ اس کے بعد سب لوگ خاموش ہو گئے۔ دکھائی کی آواز آتی تھی نیلے کی۔ تم یہاں کھڑے ہو کر ان کو دیکھ سکتے ہو۔ ذرا پطرس کو دیکھو اسکا سر اس کے منہ پر جھکا ہے۔ وہ مدت سے بالکل جیس سا ہے۔

مصری - کیا یسوع ہے۔ کہ جب پاپا ہیوں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم یسوع کے پیرو ہو تو اس نے اٹھارہ کر دیا؟

یہودی - ہاں یسوع جیسے نے مجھ سے کہا تھا کہ پطرس خود بھی یہی کہتا تھا۔

مصری - میں نے سنا تھا کہ تم کیلے ہو۔ اس لئے چلا آیا۔ ہاں شامی

کیا تھا؟

یہودی - مجھے معلوم ہوا ہے کہ رومی محافظوں کے باوجود لوگوں نے مسیح کی لاش کو مقبرہ سے نکال کر کہیں چھپا دیا ہے۔

مصری - ان کا خیال ہے کہ دراصل یہودا معصوب ہوا ہے۔

یہودی - یہ تم سے کس نے کہا؟

مصری - ایک رہتی نے خود بخود بغیر میرے دریافت کئے۔

یہودی - کہا تم اس سے ڈر نہیں گئے؟

مصری - نہیں، اسے کیا معلوم تھا کہ میں عیسائی ہوں۔ وہ اس قسم سے

کو بیان کر نیکا استدھانتا تھا کہ مجھ سے کچھ بغیر وہ نہیں سکا۔

وہ ایک آدمی سے جو ایک گدھے پر شراب کے شیکرے لادے

جدا تھا بائیں کر رہا تھا۔ اس کے بعد وہ سفر کے دوسری جانب

جہاں کچھ عورتیں کپڑے دھو رہی تھیں چلا گیا۔

یہودی - کیا اس لئے کہ یہودا اپنے ضل سے پشیمان تھا۔

مصری - بیشک، جیسی اس رہی کو غصہ آ رہا تھا کہ ایک آدمی محض اس

لئے اپنے آپ کو بھانسی پر چڑھا دے کہ عربی قانون کی رو سے

وہ اسے اپنا فرض سمجھتا ہے۔ وہ تو یہی کہتا تھا کہ اس سے ثابت

ہوتا ہے کہ مسیح کی تعہدات نہ صرف خلافت قانون بلکہ نامکمل بھی

جین۔

(دوسرے بل کی آواز آتی ہے)

یہودی - میں مسیح سے یہ آواز سن رہا ہوں کبھی قریب سے آتی معلوم

مصری - تمہارا خیال ہے کہ یہودی یا تو بہترین آدمی ہے یا بدترین، یہودی - نہیں میرے خیال ہے کہ جب اس کے شکوک پختہ ہو گئے تھے تو انکی کیا ضرورت تھی کہ اس سو نے چاندی کے کچھ سکے دئے جاسے۔ وہ تو شراب کے ایک جام کیلئے بھی اپنے آٹے کے ساتھ غداری کر سکتا تھا۔

مصری - میں نے اُسے کئی بار دیکھا ہے۔ اس کے بال سرخ ہیں۔ آنکھوں سے نرمی کا اظہار ہوتا ہے۔ میرا ہرگز یہ خیال نہیں تھا۔ کہ وہ ایسا آدمی ہے۔

یہودی - ذرا اسکی ہیئت مجھے کا خیال کرو۔ جب وہ عماریوں کے زمرے میں شامل ہوا تو اس کا خیال تھا کہ اس کے آٹے کی ذات میں واؤ و سلیمان چھوڑ دے۔ وہ سمجھتا تھا کہ اسب یہودی ساری دنیا کو فتح کر لیتے اور اہل روم کا خاتمہ ہو جائیگا۔

مصری - اہل روم کو کوئی شخص نکال نہیں سکتا۔ بات اہل میں یہ ہے کہ یہود اٹھا تاہت ہے۔ اور سچا بہت کم بھی دوجہ ہے کہ وہ خود فکر کیلئے یونانوں کیسے کمزورسل کا محتاج ہے۔ بہر کیف کسی کسی شخص کی ضرورت ہے کہ اس سلطنت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے۔ میں تو اس کے لئے یہود دیکھ کر یونانیوں پر ترجیح دیکھ کر کہتا ہوں کہ انکی یونانی موجود ہیں لیکن یہودی کمزور لوگ ہیں۔

یہودی - میں تو یسوع کا جرم بھالالے کو تیار تھا۔ مجھے وہ اچھا باپ دوست اور دنیا کی محبوب سے محبوب چیز سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ لیکن اس کا بیٹہ کیا ہوا؟ جب سپاہیوں نے اس کے کانڈے پر ہاتھ لکھا ہے تو اس نے دو فریجی مراحت نہیں کی۔

مصری - زور سے مت بولو۔ میں نہیں چاہتا افسوس ہماری باتیں سنکر دوسروں سے کہے۔

یہودی - یسوع نے اپنے آپ کو دھوکا دیا اور ہمیں بھی حیرے خیال میں اسکی وجہ سے چھٹکارا کے دل میں بھی بنی آدم کی محبت تھی۔ ہمیں کوئی شک نہیں کہ کام کا دیوہ کی وجہ سے مجھے اسکی باتیں سننے کا کم لگنا تھا، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع شروع میں اس نے اپنے آپ کو ذرا کا بڑا کہا جیسے ہم سب لوگ خدا کے بیٹے ہیں لیکن جب دلوں نے اس کے ارد گرد میں خفا شروع کیا اس نے اپنا رویہ بدل دیا۔ شاید اسکو ہماری بری حالت پر اسقدر دکھ تھا کہ وہ خدا بن جانا چاہتا تھا۔ غالباً اسے عیوض یہ خیال رہتا تھا کہ اگر قیامت کے دن وہ ہمارا منصف بنائو مگر

معلوم تو یہ ہوتا تھا کہ وہ سب کچھ بیان کر دیا لیکن جب وقت آیا تو سب ڈر گئے۔ خیر مجھے نہیں چاہئے کہ میں دوسروں کو الزام دے سکوں ہے قصہ میں بھی ایسا ہی بزدل ہو جانا۔ آخر ہم سب میں کیا؟ کتے چاہتا مالک کھو چکے ہیں۔

مصری - لیکن اگر مجھ میں سیریس سبک آگیا تو ہم تمہارا دسے دینگے کیلئے اندیشہ آنے دیں گے۔

یہودی - یہ ایک بات ہے۔ میں پردہ ڈالے دیتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ میری باتیں سنیں۔

مصری - میں جانتا ہوں تمہارے دل میں کیا ہے۔

یہودی - ان کی ہمیشہ نہیں آتا تھا کہ وہ کس بات کو سچ سمجھیں اس لئے وہ اندر بھی گرد گئے۔ جیسو ع گرفتار ہوا ہے تو انہیں یقین نہیں ہوتا کہ واقعی سچ ہے۔

مصری - ذرا اس طرف آؤ۔ یہود اکول مدت سے شک وارتہا کا شکار ہو رہا تھا۔ اس کا ایمان بھی مضبوط نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے یسوع کے ساتھ غداری کی۔

یہودی - لیکن کیا میرا دوست راہبان بالکل مضبوط ہے کیا ہمارا یقین واقعی پختہ ہونا چاہئے۔ ان بارہ عماریوں نے بھی جن میں یسوع نے خود مقیم کیا تھا اسکا انکار کیا اور اس پر شک کیا۔

مصری - میں نے کبھی شک نہیں کیا۔ مجھے تو شروع ہی سے یقین تھا کہ وہ بچا ہے۔ اس کے انداز میں کوئی بات تھی۔ کوئی بات جس سے ظاہر ہوتا تھا۔

یہودی - اوھ۔ میں مصریوں کے خیالات کو خوب سمجھتا ہوں۔ غالباً تم سے کہنے والے سنئے کہ وہ اور اسکا دوجو محض خیالی یا کچھ ایسا ہی تھا۔ لہذا وہ مرا نہیں بلکہ یہودوں کو خیال ہی خیال ہے۔ عیوض کہ تم کسی طرح اپنی قیامت کی سمان پیدا کر لو گے۔ میں اگرچہ یہودی ہوں اور اس لحاظ سے خوب جانتا ہوں کہ یقین کیا چیز ہے۔ لیکن مجھے بھی ایمانان دل جی کیلئے شراب خالوں میں جا کر لڑائی سے جی ہلانا پڑتا ہے۔ لیکن ان آدمیوں کی کیفیت اس سے مختلف ہے۔

مصری - یہ تم میں سے جیسے ہو کہ وہ ہم سے عیش کیوں زیادہ بڑے ہیں۔

یہودی - نہیں۔ بات نہیں بلکہ اس لئے کہ ان کے چرنل سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سب کے سب ادوا یا سٹے اللہ سے ہیں۔ وہ مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں جان کو خطرہ میں ڈالوں اگر میں اپنی حفاظت کیلئے لگا رہتا۔

مردے کو زندہ کر دے۔

یہودی - ایک کاہن دوسرے سے علیحدہ ہو گیا ہے ادب کر دے
کے پیچھے جمع میں گلیا ہے۔ وہ شراب کے نشہ میں چور ہے۔ لوگ
اسکی ہنسی اڑا رہے ہیں اور اسے اور اُدھر اُدھر پھیل رہے ہیں۔
مصری - بعض کاہن ہمیشہ شراب پئے رہتے ہیں۔ وہ بچتے ہیں۔ کہ
دیوتاؤں کا خون کی کمرست رہنا زندگی کی علامت ہے۔

یہودی - اچھا اب اس شرابی نے گانا شروع کر دیا۔ وہ اپنے
دیوتاؤں کا خون پئے ہیں اور اسکا گوشت کھاتے ہیں؟ ابھی تیرے
بہی کا تھا؟

مصری - بیشک وہ اس کو اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے
کہ اس نے انسان کی نجات کے لئے اپنی جان دیدی۔ لوگ کہتے
ہیں کہ شیون دیوتاؤں سے لڑے تھے۔ اور لوہس میں جھگڑوں کی
آڑ میں ہوتے ہوئے بالآخر وہاں پہنچ گئے۔ جہاں مقدس پتھر کھیل
رہا تھا۔ وہ اپنے ساتھ کچھ گندرو لے آئے تھے۔ کھو بچا کر
انہوں نے بچے کو اپنے پاس بلا لیا لیکن جب وہ ان کے پاس آیا
تو انہوں نے مسکو ٹپڑے ٹپڑے کر ڈالا۔

یہودی - غالباً یہی وجہ ہے کہ کاہن ہمیشہ اپنے اس گڑبگڑ رکھتے ہیں۔
مصری - کچھ خراب شیون عورتوں نے جن کی قد کے متعلق خیال ہے
بارہ میں اس کے بھائی کو شش کی، اس کی یاد میں یہ کاہن خود
کا سالباں پہنتے ہیں اور اپنے ہونٹوں اور چہرے کو سرخ رنگ
پیتے ہیں اور اپنے کو کوہلاتے ہوئے ناچتے ہیں۔

یہودی - ان لوگوں کے شہد چھانے سے کیا ہو سکتا ہے۔ یونانی بھی
مردوں کو زندہ نہیں کر سکتے۔

مصری - اس کے بعد وہ دفعہ دوسرے کو چھپا دیتے ہیں اور بالبالا
میں گھومتے ہوئے خوش ہو ہو کر شہر کو چھانے ہیں کہ مردہ دوبارہ
زندہ ہو گیا۔

(ایک لڑکھیلنے لڑکی میں سے جھانک کر دیکھتا ہے۔)

اور منگ وادہ ہو جاتے ہیں؟

اب ہم اپنے ہتھیار اُتار دیتے ہیں۔ بازار باہر چلی ہے۔ اب
لوگوں کو کھانوں کا انتظار ہے۔

(دونوں بیٹھ جاتے ہیں)

مٹوڑی دیر ہوئی تیرے چور کا تھا؟ میں سوچ رہا تھا کہ
خیالی سمجھتا ہوں۔ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ ایک مرتبہ میں ابھی

لے بہت کافی گنجائش رکھ سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس خود نوکر
میں اس کے خیالات منتشر ہو گئے اور بالآخر اس نے یہ دعویٰ کیا
کہ وہ خدا کا اکلوتا بیٹا ہے۔ بہر کیف اب وہ مرجھا چکا ہے اب ہم کبھی
اس کی صورت نہیں دیکھیں گے۔
(جل جل کر آواز قریب آتی جاتی ہے)

ایلو پھر وہی شور مچا۔ اب تو میں انہیں دیکھ بھی سکتا ہوں۔
یہ غریب میں ان میں سے کچھ اپنے کا نہ بول بلکہ تالوت اٹھانے
آ رہی ہیں۔ باقی ڈھول بجا رہی ہیں۔ مجمع میں کچھ لوگ خفا بھی نظر
آتے ہیں لیکن وہی سپاہی انہیں آگے نہیں بڑھنے دیتے۔

مصری - کیا کیسی بات ہے کہ یہ واقعی غریب ہیں۔ میں جانتا ہوں یہ وہ
اصل آدمی ہیں جنہوں نے عورتوں کا سینہ بدل لیا ہے۔

یہودی - اب وہ بازار کے موڑ سے گزر رہی ہیں۔ اور شیون کی وجہ سے
نظر نہیں آتے۔ اب میں انہیں دیکھ سکتا ہوں۔ تم ٹھیک کہتے ہو
— ان کی چال بالکل مردوں کی سی ہے۔ انہوں نے کمال اور
ہوش سرخ رنگ لے لئے ہیں۔

مصری - اور وہ تالوت کسی مردے کا نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے
لوٹوئی کا ایک آدمی بنا کر اسے مردوں کی طرح رنگ لیا ہے۔ میں
انہیں اسکی دنیا میں دیکھ چکا ہوں ابھی میاں آئے ہیں۔ یہ ایک شرابی
وہ تالوت کی پیشکش کرتے ہیں جبکہ وہ نانی ڈالوئی سسکاتی ہیں۔ باج
کے مہینہ میں چاند کی چودھویں تا سب کو یہ لوگ شہر کے باہر کسی
میدان میں جمع ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک بھیڑیا بکری کا ایک
زندہ چوپائے کا ٹھون میں اٹھا لیتا ہے اور دوسرے اس کے ارد
گرد گھومتے ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ بچے کو درمیان میں
پھینک دیتا ہے۔ اس پر وہ لوگ بچے پر چھوٹ پڑتے ہیں۔ اور
ایک دوسرے کو جھیلنے ہوئے اُس کا گوشت نوچ نوچ کر کھا
جاتے ہیں۔ ان کا لباس اور سرخون آلود ہو جاتا ہے لیکن وہ اپنے
دیوتا ڈالوئی سسک بجاتے جاتے ہیں۔ اور ان کا خیال ہے کہ وہ
دراصل ایک گوشت کھاتے ہیں اور اسکا خون پیتے ہیں۔

یہودی - معاذ اللہ۔ یونانیوں جی کے خیالات ایسے ہو سکتے ہیں۔
مصری - اس کے بعد وہ شہر میں داخل ہوئے ہیں اور اس کے شہنشاہ

حصوں پر کھڑے جاتے ہیں بعض اپنے کا نہ بول پر مردے کی
ایک تصویر اٹھا لیتے ہیں۔ بعض ناچتے ہیں اور اپنے کپڑے پھاڑ
ڈالتے ہیں۔ اور زور زور سے اپنے دیوتا کو پکارتے ہیں کہ اس

یا کسی واسطے یا شہدے پر ایمان لے آئیں تو ہم یونانیوں پر غالب آسکتے ہیں؟

مصری - کیا یسوع نے انہیں کہا تھا کہ اگر یہ یقین سے کام لیں تو پہاڑ بھی اپنی جگہ سے اٹھ جائیں گے۔

یہودی - لیکن میں نے تم سے یہ بیان نہیں کیا کہ میں نے اس مندر میں اور کیا دیکھا۔ رہبر نے —۔ وہاں ایک دربر در موجود رہتا ہے — مجھے ایک نہایت بڑے پلے پلے چوکہ ایک ٹکڑا دکھایا جسکو اوڑے سی نے استعمال کیا تھا۔ ایسے ہی ایک بہت بڑا لڑا تھا جو قرآن مجید کی چھت میں ایک غلامی زنجیر میں لٹکا رہا تھا۔ یہ لڑکا ایک بن سے یا ہوا اٹھا تھا۔

مصری - لڑکا لیکن سہا؟ یہ کیسے ممکن ہے؟

یہودی - لیلہ ای کے ایک دوسرے اڈے سے جہاں پہلا ہونی تھی جہاں اور اوڑی سی اس کی بدولت یونانی ہمیشہ دنیا پر غالب رہیں گے۔ اس لئے کہ زمین سے بھی چوکے اس ٹکڑے اور اٹھنے کو دیکھا تو قرآن مجید کے سامنے سر جھکا کر بغیر نہیں رہا۔ اس بات کے اس خزائنہ کا خیالی وجود مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پیرس نے جہاں کے پہلے سے ایک دھڑکنے والی پایا تھا۔

مصری - لیکن اوڑی سی اور میں مرچے ہیں۔ یسوع کے متعلق خیال خیال ہے کہ مر گیا ہے۔

یہودی - اچھا اب تمہارے ذہن میں کیا بات ہے۔ کیا تم مجھے سو کہہ سورتو کہ پھر دیکھ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اس کی موت محض ظاہری ہے اور اس کا دوبارہ ظاہر ہونا ناممکن نہیں۔
(دوڑے ملنے کی آواز آتی ہے)

لیکن میں جس چاہتا تھا کہ تمہارے دماغ میں اس قسم کے خیالات بس جائیں۔

مصری - تم نے بھی دل کے متعلق کچھ کہا تھا۔ ایک دھڑکتے ہوئے دل کے متعلق، خون کا ایک لوٹھرا اور انسان کو خدا سے جدا کرتا ہے۔ دل کیا ہے؟ محض تغیر اور موت! جہالت، دولا علمی کا مرکز — خوفناک دل —

یہودی - (جو دعوادے کے پاس ٹکڑا منہ راقم پیش کر دیا، کوئی شخص بازو سے دروازہ کی چھتی کھول رہا ہے۔ اس کا پلہ کھٹنا اگر ہم نے استقلال سے کام لیا تو ممکن ہے کہ کوئی اندھا آئے۔ میں کھڑے بیٹھ جاتا ہوں۔ دروازہ کا خیال رکھنا — ارے یہ تو قرآنی

بچہ تھا میں نے اسکندریہ کے بازار میں ایک ہندوستانی شہیدہ باز کو دیکھا تھا جس کے ارد گرد وہبت سے لوگ جمع تھے۔ اس کے سامنے ایک میز پر کئی جہاں پر ایک مرغی بیٹھی تھی۔ اس مرغی کی چونچ میں ایک تھکا تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے لوگوں سے کہا کہ کیا دیکھ رہے ہو اس پر ایک عورت کھینچنے لگی تھیں۔ مرغی نظر نہیں آتی جس کی چونچ میں اتنا بڑا شہتر ہے۔ اب میں سمجھ گیا کہ اس ہندوستانی شہیدہ باز نے ان پر جاو کر کھا ہے۔ شروع میں میں نے مسیح کو بولنے سنا تو میں سمجھ گیا تھا کہ خدا نے بھی اس شہیدہ باز کی طرح ایک ایسی شکل پیدا کر دی ہے۔ جسے مسیح کہتا ہوں ہمارا خیال ہے کہ ستر لے موت دی گئی، اپر مقدونہ چلا گیا اور اسکو صلیب دیکر دفن کر دیا لیکن بہت ممکن ہے کہ یہ بھی اس طرح خیال چلایا ہو۔

یہودی - کیا تم سمجھتے ہو کہ اس کے معجزے اس قسم کے ہیں کہ ہم اسے انسان نہیں کہہ سکتے؟

مصری - میرا خیال ہے کہ اگر یہودی ان باتوں کو ذہن میں رکھیں جو میں نے اوپر دئے دیکھی ہیں تو بالکل ممکن تھا کہ تم ان ستر مانع ردیوں کے حامل بن جاؤ اور یونانیوں کو اپنے ملک سے نکال دیتے۔

یہودی - ایک مرتبہ مجھے ایک تمہارے جہاز میں طائر کے اڑوانی پٹے لیکر گئی تھی ام جانیکا اتفاق ہوا تھا لیکن واپس آتے ہوئے جب ملاح شراب لا رہے تھے کہ میں اسپارٹا کی سیر کے لئے چلا گیا۔ وہاں میں نے ایک بہت بڑا مسند دیکھا جس کے ارد گرد کڑا سی اور موسم کے بنے ہوئے ہاتھ، پاؤں، آنکھوں، کانوں اور جسم انسانی کے نندوئی اعضاء کے مختلف نمونے لٹک رہے تھے۔ یہ اس لئے کہ اس دیو کی کے ہاتھ سے بہت سے بیماروں نے شفا پائی تھی اور وہ اسکا شکر یہ ادا کرنا چاہتے تھے۔

مصری - خدا نے اپنے کاہنوں کو بڑی قویں عطا کی ہیں لیکن مجھے اس قسم کے معجزوں کا خیال نہیں تھا بلکہ اس کا کہ یسوع ہے کیا؟ میں سمجھتا ہوں کہ وہ خدا کی ناقابل فسخ ذات کی تصویر تھا۔ اگر ہم محض ایک تصویر پر ایمان لے آئیں تو آئندہ سب اس اپنی قربان کاہنوں میں صلیب کی کوئی ٹکڑا آواز ہواں کر دیں گے جس پر آئے یہاں سب کی سب تھی اور کوئی دوسری تصویر بھیج کر اس کی تمام نعمت محض ہی کا نتیجہ ہیں۔

یہودی - گویا تمہارا یہ خیال ہے کہ اگر ہم محض کسی خیالی و مجاہد ظاہری شکل

ہو۔ معلوم ہوتا ہے کچھ شکر آیا ہے۔

شامی۔ (باغیچے ہوئے) میری کیفیت اس شخص کی سی ہے جو نشہ میں چور ہو۔ مجھے چھٹی صبح میں طبیعتی غیب واقعہ پیش آیا ہے۔ بالکل بےید از قباس۔ میں تمام راستہ دوڑتا ہوا آیا ہوں۔

یہودی۔ بات کیسا ہے؟

شامی۔ مجھے ان گیارہ آدمیوں سے خوراک لگنا چاہیے۔ کیا وہ ابھی تک اندر ہیں؟ ہر شخص کو جان لینا چاہئے۔ ہر شخص کو۔

یہودی۔ دم لے لو اور کچھ کھنا چاہتے ہو کہہ ڈالو۔

شامی۔ میں یسوع کی قبر کی طرف جارہا تھا کہ مجھے طبریاں کی کچھ عورتیں ملیں۔ مریم مگدالینہ کی ماں، مریم کلیمہ کی ماں اور کچھ اور عورتیں۔ نوجوان عورتوں کا رنگ مارے عجب کے زرد ہو رہا تھا۔ وہ ایک ساتھ ملکر کچھ کہنے کو کہیں کہ کہیں کی ماں لے انکو خاموش کر دیا۔ اور مجھ سے کہا کہ دن چڑھے جب وہ قبر کو دیکھنے گئیں میں تودہ خالی پڑی تھی۔ وہ دواڑہ پر ایک آدمی کھڑا تھا جسکا سارا بدن چمک رہا تھا۔ وہ ہم سے کہنے لگا۔ "یسوع زندہ ہو گیا" (صل اللہ علیہ وسلم کی آواز قریب آتی ہے)

جب ہم ہمارے نیچے اترے تو دیکھا کہ ایک آدمی ان کے سامنے آیا وہ خود یسوع تھا۔ اس پر انہوں نے ٹھٹھا کرنا کہ پاؤں کو بوسہ دیا۔ اچھا اب مجھے راستہ دینا کہ میں طبریاں لوٹتا اور جس سے بھی کہوں۔

یہودی۔ میں نہیں راستہ نہیں دینگا۔

شامی۔ لیکن کیا ہمتاری احمد میں نہیں آتا کہ ہمارا آقا پھر زندہ ہو گیا ہے؟

یہودی۔ میں نہیں چاہتا کہ ان گیارہ آدمیوں کو عورتوں کے خیال سے پریشان کروں۔ اصل میں عورتوں کا رنج و الم اس قدر شدید تھا۔ کہ وہ جو بھی سمجھیں عجب نہیں۔

مصری۔ مجھے یقین ہے کہ عورتوں نے تم سے جو کچھ کہا ہے سچ ہے۔ لیکن یہودی کا خیال بھی ایک حد تک صحیح ہے۔ جیسے اس کے کہہ رہے بات ان گیارہ آدمیوں سے کہیں نہیں اس کا یقین ہو جاتا چاہئے۔ اگر ہماری عمر بت کر تم سے لیکن ہم دنیا کو ان سے زیادہ جانتے ہیں۔

شامی۔ لیکن اگر قبر خالی ہے تو ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ شخص خواب ہے۔

عورتوں نے کہا تھا کہ قبر خالی ہے۔

یہودی۔ کل رات میں نے بار بار مٹی مٹی کریم میں سے کچھ آدمیوں کا ارادہ ہے۔ کلاش کو کچالے جائیں۔ اور اسی غرض کے لئے یقیناً مشہور کر دیا ہے کہ مسیح زندہ ہو گیا ہے۔

شامی۔ ہر کثیف بات کو وہ گیارہ آدمی ہم میں سے ہر شخص سے کہتے ہیں۔ یہودی۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اس قصے کے متعلق ان کا خیال بھی دی ہوگا جو میرا ہے۔ البتہ بطرس کی حالت اور بھی خراب ہو جائیگی میں اسکو تیرہ بجے ہی ہت پٹنے سے جانتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ بطرس کو یاد آ جائیگا کہ عورتوں میں سے کوئی بھی پیچھے نہ تھی۔ ان میں سے کسی نے بھی اپنے آقا کا انکار نہیں کیا۔ اس خواب سے بھی ان کی محبت اور یقین کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے بطرس، جو ہمیشہ کہہ دوڑوں سے محروم ہوجاتا ہے۔ اس کا خیال ہوگا کہ یوحنا اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اس پر وہ اپنے پردہ کو ماقبل سے چھپا لیگا۔

مصری۔ ہمارے آنے سے پہلے میں کہنے ہی والا تھا کہ معلوم نہیں مسیح کس وقت ظاہر ہو جائے۔ میں اس کا مقابلہ ہیلن اور اوڈی سی آس سے کر رہا تھا جو اب کبھی زندہ نہیں ہو سکتے۔

شامی۔ بھائی مجھے خیال آیا ہے۔ اس وقت جب میں ڈور ہاتھ اس کے کاہن خور کر رہے ہوں گے۔ چپکے سے۔ کہ کو کسی نہ کسی بہانے یونان اور ایشیائے کوچک میں لوگوں نے مسلمان بعد نسل انڈو کسیر یا ڈیوٹی سی اس کی موت اور بعثت ثانیہ کی یاد منائی ہے لیکن اب خدا نے رقص و سرود کو واقعی پیش گوئی کی مشدہ دیدی ہے تاکہ ہماری عیدیتوں میں ایک شان تقدس پیدا ہو جائے تو کہ جس چیز کے خواب دیکھا کرتے تھے پوری ہو گئی۔ خدا نے خود جسمانی صورت اختیار کر لی۔

مصری۔ خدائی صورت مفرد ہے لیکن جسم نہیں۔ نہ اُسے دیکھا جاسکتا ہے۔ نہ چھو جاسکتا ہے۔ لیکن خدا سالوں سے ایک خیالی جسم کے ذریعہ ہکلام ہو سکتا ہے۔ ہمارے جمال اسکندریہ میں سنگہ اسٹون نے اسکندراعظم کا ایک جسم۔ بنایا ہے جو پورے مشرق سے مشابہ ہے لیکن اس کے پیلوں کوئی دل نہیں۔ مسیح نے جب اپنی تعلیمات کا وہ عظیم مشروع کیا ہے تو اس کی تعریف کیسے برس کی تھی۔

شامی۔ اگر مسیح کا وہ شخص خیال ہے تو وہ کون عورت تھی جس سے

میں ابھی نکلے یا ہوں۔ اور کچھ لوگ مسیح کی ماں کہتے ہیں۔

مصری۔ خدا نے اے یسوعین دلدادہ خدا کو وہ واقعی اس کی ماں ہے تاکہ اصل حقیقت کا پتہ چل سکے۔ کیا تم کو یاد نہیں یہودی نے ابھی کہا تھا کہ عورتوں کو ہر بات کا یقین ہو جاتا ہے۔

شامی۔ لیکن —

مصری۔ میری بات سنو۔ ہر سبب عظیم کا قول ہے کہ ناست اور فرماست اختلاف ممکن نہیں۔ لہذا یہ کہنا کہ خدا ایک عورت کے لہجے سے پیدا ہوا جو اس سے بچوں کی طرح پانچ رہی ہے دینی کی انتہا ہے۔

شامی۔ گویا تمہارا خیال ہے کہ خدا نے ہمارے لئے جان نہیں دی؟
مصری۔ خدا موت سے بالاتر ہے۔

شامی۔ (یہودی سے) تم میری بات سمجھ سکتے ہو لیکن یہ میری نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے کہ اس کے خیالات تقریباً یونانیوں کے سے ہیں۔ ہم اپنی زندگی میں طرح طرح کی مصیبتیں اٹھاتے ہیں۔ اور سمجھ جیتے ہیں کہ ہماری کوئی حقیقت نہیں لہذا ہر عمل سے فائدہ لیکن خدا نے کہا ہے۔ میں تمہاری مصیبتوں میں حصہ لوں گا اور تمہیں بتاؤں گا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے تمہاری محبت کے لئے کیلئے۔ اگر میں ایسا کروں گا تو انسان یہ نہیں سمجھ سکتا کہ وہ بے حقیقت پیدا ہوا۔ اسی لئے وہ دنیا میں آیا، پیدا ہوا اور مر گیا، ظاہر انہیں بلکہ واقعتاً مجھے کسی خیالی وجود کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے جسکی مصیبتیں محض ظاہری ہوں۔

(ملک کی آواز قریب آتی ہے)

مصری۔ تم جو کچھ کہتے ہو ناممکن ہے۔ لیکن باہر اسفندہ شرور ہو رہا ہے کہ میں نہیں اپنا مطلب نہیں سمجھا سکتا۔

یہودی۔ دونوں بائیں غیر ممکن ہیں۔ تمہارے خیالی وجود کی کوئی حقیقت ہے۔ تمہارے خدا کی جسے کھانے پینے کی ضرورت رہتی تھی۔ میرے ذہن میں تو صرف ایک ہی بات آتی ہے اور وہ یہ کہ یسوع نے اپنے آپ کو کبھی دھوکا دیا اور ہمیں بھی اور محض اپنی محبت کی وجہ سے۔ بہر گز اب وہ مر چکا ہے۔

(دھوکا کی طرف جاتا ہے)

ڈالونی سی اس کے کاہن مکان کے دوسری طرف ہیں۔ لیکن اب انہیں نے تابوت کو چھپا دیا ہے۔ اب غالباً وہ دھوکا دے رہا ہے کہ خدا زندہ ہو گیا۔ شمر کے مرگے کو پتے میں ہی کہتے پھر گئے اور جب چاہیں گے اپنے خدا کو زندہ کر لیں گے۔ جب چاہیں گے مار ڈالیں گے۔

لیکن وہ اب خاموش کیوں کھڑے ہیں؟ کیا اس لئے کہ وہ خاموش ناچ رہے ہیں یا ان کی خیالی خطیوں کا کوئی حصہ ہے۔ اب وہ قریب آتے ہیں۔ اور قدم بڑھا کر یسوع کی طرح ناچ رہے ہیں۔ زرا دیکھنا وہ اپنی دھنیں انکھوں کو کبھی طرح حرکت دیتے ہیں۔ کیا بچے آدمیوں کے جذبات کی یہی صورت ہوتی ہے۔ لیکن اب وہ کوسے کے خیمے بچے گئے۔ سنو وہ شرابی کا گیت گاتا ہے۔

یہودی۔ یہ لوگ بھلا کیک خاموش کیوں ہو گئے؟ وہ اپنے بازؤں کو سر پر اٹھائے خاموش اس مکان کو کیوں دیکھ رہے ہیں؟

مصری۔ کمرے میں کون ہے؟

یہودی۔ کہاں۔

مصری۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ کہاں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میں نے کونہ میں کسی کو سانس لینے نہیں سنا ہے۔

یہودی۔ نہیں نہیں۔ کوئی نہیں۔ ہماری اطلاع کے بغیر یہاں کوئی نہیں آ سکتا۔ دیکھو دروازہ بند ہے۔

مصری۔ وہ دیکھو پردہ مل رہا ہے۔

یہودی۔ ہرگز نہیں۔ اس کے نیچے سوائے خیالی دیوار کے اور کچھ نہیں۔

مصری۔ دیکھو! دیکھو!!

یہودی۔ بلیشک پردہ مل رہا ہے۔

مصری۔ آہ مصر کے خدا۔ اس میں سے تو کون آ رہا ہے۔

(وہ پردہ سے ڈور پٹ جاتے ہیں شامی اندرونی کمرہ کے

دروازہ کی طرف چلا جاتا ہے۔ یہودی اٹک کچھ بچے پر دے

مسیح کی شکل نمودار ہوتی ہے)

یسوع کی شکل ہے۔ اسے تم ڈر کیوں گئے؟ مسیح کی لذت کوئی تعجب چیز بات نہیں۔ اسے کسی نے پھانسی نہیں دی تھی نہ کسی نے دفن کیا تھا۔ یہ محض شکل ہے۔ خیالی وجود۔ ہمیں ڈر گوشت ہے نہ خون میں حقیقت سے واقف ہوں اسلئے مجھے ڈر نہیں لگتا۔ اور دیکھو میں اسکو چھو میں ممکن ہے میں اسے چھوؤں تو مجھے سخت معلوم ہو یا میرا ہاتھ اس میں گزر جائے۔ بلیشک میں ان باتوں کو سن چکا ہوں۔

(آہستہ سے چپ کاٹش کے پاس جاتا ہے اور اٹھ

سے جھپٹتا ہے)

اسے اس کا دل دھوکا رہا ہے۔

(مسیح کی شکل کے لئے دست چھوڑتا ہے مسیح کی شکل نمودار

کرہ میں داخل ہوتی ہے۔ شاہی پتے ہی میں چلا جاتا ہے
بیوری سٹیج کے نیچے دیکھ جاتا ہے۔

کبھی رخونک واقعہ ہے۔ میرا خیال تھا کہ میرا تھوڑا سا میں سے
گذر جائیگا۔ وہ ان کے درمیان کھڑا ہے۔ ان میں سے کچھ غور
معلوم ہوتے ہیں۔ اب وہ لپٹیں اڑھیں گے کو دیکھ رہا ہے۔ اور
مسکرا رہا ہے۔ طاس اس سے کچھ کہ رہا ہے، اور وہ جواب دے
رہا ہے۔ وہ اس نے اس کے پہلو سے کھن کو بٹا دیا۔ اوزہ آہیں
تو بہت برا زخم ہے۔ طاس اپنے ماتھے سے زخم کو دیکھ رہا ہے۔
اور وہ سب اس کے ارد گرد جمع ہیں۔ غالباً اس نے پھر کچھ کہا۔
شالو ڈیوٹی سی اس کے کاہن ابھی تک ماتھے اٹھائے بازو میں
خاموش کھڑے ہیں۔

(کھڑکی کے پاس جاتے ہوئے)

ہاں وہ اس طرح کھڑے ہیں اور بہت ہموار ہو کر ادب کی طرف دیکھ رہے

ہیں۔ شرابی بیکسٹور راج رہے ہیں لیکن نہیں کچھ معلوم نہیں۔ وہ
طیراس کی عورتیں مریم بیوی کی ماں اور مریم جمیس کی ماں پہاڑ کے
نیچے اتر رہی ہیں۔ تاکہ انہوں نے جو کچھ دیکھا ہے لوگوں سے بیان کر
دیں۔ انہیں معلوم تو ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ کس ق۔ عجیب ہے۔
آج سے پہلے کسی خیالی شکل کا دل کبھی نہیں دھڑکا تھا۔ عجیب بات
ہے کہ سقند عجیب بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے عقل کا خام تر ہو چکا ہے
(بہماتاز ہیں)

اے اہل روم، اے اہل یونان۔ اے اہل مصر! جس سورے کا انتظار
تھا آگیا۔ اب تمہارا خاتمہ ہے۔ بیماری خلافت عقل قوتوں کا خاتمہ
ہے۔ دیکھو ایک خیالی شکل کا دھڑک رہا ہے؛

سید نصیر احمد

یاسمین

یاسمین نے دیکھ کر اک پھول روشن کر دیا
تجھ میں کس گلکار نے رنگِ تبسم بھر دیا

تیرہ فامی شام کی اور باغ کا سبزہ اُداس
چاندنی میں چاند کی شمع بھی تھی نمی بھی تھی

مذلوں تک تری صورتِ ان میں غوطے کھانگی
باغباں کی گود میں کل تجھ کو نیند آجائگی

چشمِ دل ظلمات میں اے پھول اک سورج ہو تو
بانٹ دے اپنا اجالا آج تو بیدار ہے

”گراپ اس کو قبل کرنا چاہتے ہیں تو کہہ دیجئے ورنہ اپنا دستہ بچھڑے“
”مجھے منظور ہے، بلاری جو نہ لے دینی زبان سے کہا۔“

(۲)

بلاری جو نہ لے جانا چاہتے تھے۔ وہ ملہاڈوک کے افسانوں سے بالکل متعلق ہوتے تھے۔ لیکن دونوں کے افسانے ”ملہاڈوک“ کے نام سے ہی شائع ہوتے تھے۔ گراپ کے افسانے ملہاڈوک کے افسانوں سے کسی قدر بہتر ہوتے تھے۔ گراپ نے نہیں کہ لوگ ان میں کچھ تیز کر سکیں۔ ایڈیٹروں نے ملہاڈوک کے نام انھار سرت دیا۔ کبار دی کے خطوط کے شروع کے کہ وہ کس طرح اپنی پہلی شہرت کو چار چاند لگا رہا تھا۔ اس کا شہرت سے ملہاڈوک کے افسانوں کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے اور افسانوں کی فروخت گئی ہو گئی۔ ملہاڈوک کے پچھلے والوں کی تعداد بڑھ رہی تھی اور ایڈیٹر بھی اس کے افسانے شائع کرنے کی کوشش میں رہتے تھے۔

بلاری جو نہ لے جانا چاہتا تھا۔ اٹھارہ ٹیپا ہوا ٹیپ کا رتہ تھا۔ اور سبھو کے دن میں افسانے لکھ کر بارڈوک کو دیتا تھا۔ اور اس کے عوض میں پانچ گنتیاں جیب میں ڈال کر بے چارے کو گھر کا دستہ لینا پیر کے دن پھر صبح کام پر آتا اور نہ تو کام کر کے کچھ بچاؤ نہ ملتا تھا۔ شنگ (پانچ گنتی) لیتا اور بارڈوک کے اس کیش میں کئی وقت گزارتا تھا۔ بھی نہ دیکھتا جس میں روزانہ سولے کی گنتیاں جتنا بچاؤ پڑتی رہتیں۔

(۳)

اسی طرح کئی عرصے گزر گئے اور دونوں نے ایڈیٹر برابر دن رات ٹیپ کرتے رہے اور دونوں نے ایڈیٹر سے اس لیے افسانے بچھڑے پڑنا شروع کر دیے۔ گراپ کا نام لکھا جوتا۔ جبکہ اس کے افسانوں سے ہی ملہاڈوک ہوتی تھی۔ اور خوش ہو کر ایڈیٹروں کو خط لکھتے جاتے۔ اور ایڈیٹر بھی بارڈوک کو نہ لے سکتے تھے۔ گراپ کے افسانوں کے لئے خاصا کٹے۔ اور اسے یقین تھا کہ اس کے افسانوں کا میاں اب اس قدر بند ہو چکا ہے کہ آج تک ایسے بلند پایہ افسانوں کی مختصر افسانہ نویسی کی تاریخ میں نظر نہیں ملتی۔

اس قسم کے فطری خطوط لکھنے والے دو نے ایڈیٹر ہوتے۔ جو ملہاڈوک کے افسانوں کا کٹے نئے خریدار بنے۔ ان لوگوں کی ہانگ کو پورا کرنے کے لئے بلاری جو نہ لے جانا چاہتا تھا۔ ملہاڈوک کے نام کے افسانے لکھ کر دیتا تھا۔

چند ہفتے بعد ملہاڈوک کی تیسری پریل پڑنے لگے کیونکہ اس کے پڑنے ایڈیٹروں کی طرف سے فطری خط لکھا جوتا تھا۔ ہے مجھے وہ اپنا سا ماحول

مطلوع کو پراگمیس جاب کے افسانوں کے لئے سیکڑوں دے دینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ یوں اس کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ آپ کا دن صرف جو کچھ لکھنا چاہتا ہے اور اس میں صرف ایک ہی دن کا کام ہو سکتا ہے اس سے نالہ کام کرنے کی آپ میں طاقت نہیں۔ اس لئے ضرورت پوری نہیں کی جا سکتی اچھا۔ اب آپ کو یہ معلوم ہے کہ دنیا میں ایک شخص آپ کی طرح کے افسانے لکھ سکتا ہے اس کا ذکر کرنا آپ کے طرز تحریر سے بہت حد تک مناسب اور اکثر اوقات بالکل ایسا منطق ہو جاتا ہے کہ امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔ جموں کی ساخت بھی عجیب ہوتی ہے۔ ہاٹ بالکل اچھوتے اور عبارت طرافت کی جاشی لئے ہوتے ہیں۔ آپ سے سرے افسانے پڑھے ہیں آپ کو بھی معلوم ہو چکا ہے کہ آپ جیسی ایک اور شخصیت موجود ہے اگر وہ شخص آپ کو افسانے لکھ دے اور آپ نہیں ”ملہاڈوک“ کے نام سے شائع کریں تو اس طرح جو تین گنتوں کو تین گنتوں میں تبدیل کر کے آپ اپنے افسانوں کی تعداد گنی کر سکتے ہیں۔ خیال تو فرمائیے میں آپ کیلئے کس قدر ماحول کا ذریعہ بن سکتا ہوں۔

ملہاڈوک نے کہا آپ تشفیہ رکھئے۔

بلاری جو نہ لے جانا چاہتا تھا۔

ملہاڈوک نے کہا میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کرنی چاہتا ہوں۔ ان تاؤں سے کام نہ لیجنا۔

وہ بہت دیر تک معاملہ کے سر پر رہا۔ تفصیل کے ساتھ گفتگو کرتے رہے۔ جب معاملہ کے نشیب و فراز پر اچھی طرح غور کرنا تو بلاری جو نہ لے سکتا تھا۔ گراپ کا ایک کٹش لگا کر کہا۔ میں تو کچھ سے ہیں آپ کا بھی معاون ہوں اور آپ اب اپنے افسانوں کی تعداد گنی کر سکتے ہیں۔ میں میں افسانے ایک ہفتہ میں لکھ دیکر اس کا اور میں آپ بھی لکھ لیں گے۔ اس طرح چالیس افسانوں کی تعداد ہو جائیگی اور میں افسانے ہر ہفتہ ایڈیٹروں کو بھیجے گا۔ میں گے جن پر ”ملہاڈوک“ کا نام تحریر ہوگا۔ ان افسانوں کے معاوضہ میں جو اُجرت ملے گی اس کا نصف نصف بلٹ لیا کریں گے۔

مصنف نے کہا ”ملہاڈوک کچھ سے ہیں افسانے ہر ہفتہ لکھا کر دینا۔ اور آپ کی خدمات کے صلہ میں آپ کو ہر ہفتہ پانچ گنتی کی قیمت ملائے گی۔“

بلاری جو نہ لے جانا چاہتا تھا۔

”کچھ لکھتے ہیں۔“

ملہاڈوک نے کثرت سے بولیں کہا۔ ہر ہفتہ پانچ گنتی ملا کر گی۔

”لیکن۔“

تخواہ کا لفظ مجھے غائب کریں گے ہمارا ڈیوک نے یہ سننے ہی ہ پوٹ
ہ شنگ کا لفظ جو جنرل کے ہاتھ میں دیا جیسے ہمارے دیکھ کر بہت
بیچ و تاب کھایا اور سننے سے ایک لفظ نکالے بغیر کسی پر سے غلط بیٹ
اٹھائی اور تخواہ ہمارا ڈیوک کی سبز پٹیوں کی اور دروازہ کھول کر سیدھا روانہ
ہو گیا۔

اوسکان پھر صبح کو دروازہ کھلا اور ہلاری جو جنرل کے پاس آیا اور
ہمارا ڈیوک سے کہا۔

”ادب عرض میرا نام ہلاری جو جنرل ہے“

ہمارا ڈیوک نے کبیدہ خاطر ہو کر کہا ”ماں چشک آپ کا یہی نام ہے
لیکن اس سے کیا مراد ہے اور آخر اس تماشہ کا کیا مطلب ہو سکتا ہے
”میں مختصر افسانے تصنیف کرتا ہوں“ ہلاری جو جنرل نے کہا
آپ نے مجھے کچھ کی اجازت نہیں دی۔
ہمارا ڈیوک نے کہا یہ تشریف رکھئے
ہلاری جو جنرل بیٹھا۔

(۴)

اُس سے نہایت اہستگی کے ساتھ کہ شروع کیا تیرا کل اخبار لیا
اور رسالوں میں ایک ہی قسم کے دو دھیادوں کے افسانے شائع ہو رہے
ہیں جو ہر طرح پرست بہت کھینچتے ہیں اور وہ دن قسم کے افسانہ نگار
شخص ہمارا ڈیوک کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ ان افسانوں میں ایک قسم
بہت اعلیٰ ہوئی ہے اور وہ سری کسی قدر کٹر اعلیٰ قسم کے افسانے ہمارا ڈیوک
خود تصنیف کرتا ہے۔

ہمارا ڈیوک نے ایک گھبراہٹ سے کہا۔

سچ جو جنرل نے کہا شروع کیا یہ افسانے خواں چیک ہمارا ڈیوک کے ہاتھ
پڑنے کی بہت تھادی ہو گئی بتا دیا اسی طرح کے افسانے بہت پسندیدہ ہمارا ڈیوک
سے دیکھتے جاتے ہیں۔ لیکن پچھلے اخبار میں ان کا نہ اتنا اچھا اور سیر
افسانوں میں تیرے سے بہت بلند ہو گیا ہے اور ایک خاص مبارک کے افسانے
جست بلند خیال کے جاتے ہیں۔ ہر ایک کی غماندگی کہنے والی جامع
ایڈیٹور کی ہوئی ہے اہل ایڈیٹور گئیں گئے اس سے پس اس لئے
آپ ابھی طرح اہل اہل ہمارے ہمارے کہ اگر یہ قلم نام نہاد دھیادوں کی ہلاری سے
گرجائے فاس کا کیا ہو گا؟
ہمارا ڈیوک نے خود خود کچھ کچھ بڑا بڑا افسانہ لکھا۔

ہلاری جو جنرل۔ سمیٹا کر جاتے کی ایک نظر ہمارے پاس بھیجے ہوئے کی
موجوہ ہے۔ مثلاً آپ کو یاد ہو گا کہ جب میرے افسانے نے ایڈیٹورس کو

کام نہ آئے ایڈیٹورس کے حوالے کر دیا ہے اور پڑنے ایڈیٹورس کے پڑنے
کا کیا ہمارے دھینے تعلقات کے لئے ہی مرموم رہ جاتے ہیں۔

اسی طرح ہمارے دھینے گذر گئے ہمارا ڈیوک ان شکاری خطوط کی بھرمار سے
تھک گیا اور ایک من جلد ہی جو جنرل کے پاس آیا ہلاری بھی خوب جانتا تھا
کہ وہ اس کے پاس اس ضمن سے آیا ہے اور آئندہ معاملہ کی صورت لینا
کرنے والا ہے۔

ہمارا ڈیوک نے آکر کہا ہلاری جو جنرل نے دیکھا افسانے پڑنے ایڈیٹورس
کو دیکھ کر گایا تم افسانوں کی تعداد نہیں بڑھا سکتے؟
جس قدر آپ جانتے ہیں۔

اب پڑنے ایڈیٹورس کو ہلاری جو جنرل کے افسانے بھیجے جاتے اور سننے
ایڈیٹورس کو ہمارا ڈیوک ہی افسانے تصنیف کر کے بھیجتا۔ اگر وہ دن قسم کے
ہمارا ڈیوک کی نام سے افسانے شائع ہو رہے تھے۔ لیکن جب ہلاری
جو جنرل نے آکر تخواہ کے لفظ کو اٹھا کر دیکھا تھا تو ان دنوں ہی پانچ
پونہ ۵ شنگ ہوئے۔

اب ہمارا ڈیوک کے وہ پنے کی طرف ہلاری جو جنرل کی نظروں بھی لگائی
ہوئی پڑنے لگیں کہ یہ کہ وہ ہلاری کی محنت کا خربک تھا لیکن ابھی تک
خاموش تھا کہ کوئی مناسب موقع نہ آ رہا تھا کہ کہے۔

ہمارا ڈیوک کے نام سے ہر وقت افسانے اب ہلاری جو جنرل کے ہاتھ میں
سے برآمد ہو رہے تھے۔ اور ہمارا ڈیوک کے پڑنے ایڈیٹورس کے لئے کافی
تھے کہ ایک کتاب نہیں پورا اطمینان ہو گیا تھا کہ ہمارا اپنا سامعہ ذخیرہ
ان کے حوالہ سے رہا ہے۔ گویا ہی طور پر اسے۔ سالوں کی سرواہاری
شروع ہو گئی اور ہمارا ڈیوک سے شکایتیں ہوئے تھیں کہ اس سے
افسانے لے آچھے نہیں ہوئے۔ جتنے شروع شروع میں ہو اکٹے تھے
اور ان کی مجموعی تعداد بھی تیرے کچھ کم ہو رہی تھی۔

ہمارا ڈیوک نے لیکن ہلاری جو جنرل نے کہا ”آئندہ کے لئے
تجربہ نامت مناسب معلوم ہوئی ہے کہ ہر دو دن اپنے افسانوں کو لکھا
کر بھیجیں۔ یعنی ایک ہفتے تک ہمارے افسانے پڑنے ایڈیٹورس کو بھیجے
جائیں اور سننے ایڈیٹورس کو کہیں۔ دوسرے ہفتے ہمارے افسانے
ایڈیٹورس کو ہمارا ڈیوک پڑنے ایڈیٹورس کو اس لئے افسانے بھیجیں
میں نے جب ہر دو طرح سے ایک تیرہ کر کے کی کو کہنے ہفتے میں اعلیٰ
قسم کے افسانے شائع ہوئے ہیں اور کو دن سے ہیں کٹر دے کے۔“

ہلاری جو جنرل نے کہا ”میں آپ مناسب خیال فرمائیں میں اس
کی تائید کہنے کے لئے تیار ہوں لیکن آج سچہ کا دن ہے کیا آپ میری

مارا ڈوک نے دبی آواز سے کہا ”ابھی حضرت! اس شخص جاتے دیکھے لیجئے میں گتیاں سر ہٹنے سے لیا کیجئے۔“

پستہ دفعص اس کے جھک گیا اور یوں گویا ہوا۔ ہر دن کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں وہیں چوبیس گھنٹوں میں صرف چوبیس ہی گھنٹے کام کر سکتا ہوں۔ کیونکہ جو کام جتنے عرصہ کا ہو تا ہے وہ اتنی دیر میں ہی ہوتا ہے جس جتنے افسانے فروخت کر سکتا ہوں۔ اتنے ہی صورت میں نہیں نکھ سکتا اور میرے افسانوں کی مانگ ہمارے بڑے ہی ہے۔ اب اگر مجھے کوئی ایسا شخص مل جائے جو میری طرح اور میری ہی طرز تحریر کے افسانے خرید کر سکتا ہو تو میں اس شخص کو ملازم رکھ لوں گا۔ اور اس طرح میں اپنے ایڈیٹر کو دے دے افسانے دیکھوں گا۔ وہ شخص آپ ہیں۔

مارا ڈوک موزی نے کہا ”کیا میں ہوں؟“

آپ باعلیٰ طبع ہیں سب سے سبب نظام ابھی ہو جائیگا اور آپ ہی وہ شخص ہیں اچھا معاملہ کر لیجئے اس ہمارے اور آپ کے درمیان میں ملے ہو جانا چاہئے کہ ہم دونوں مل کر جو کام کر سکیں اس کا نصف نصف تقسیم کر لیں۔ اور ہمارے جو نئے تعلق کام کہتے ہوئے کہا ”میں مجھے سر ہٹنے میں افسانے دیکھ کر اس کا اور میرا خیال ہے کہ آپ لیا بھائی کر سکتے ہیں آپ کی مدد سے صلیب پانچ گنی فی منٹ کی شرح سے اجرت داکرتا ہوں گا۔“

”موزی نے ہنستے ہوئے کہا۔“

جو نئے آگاہ کرتے ہوئے پھر کہا ”آپ اپنے نیکو خور و مال آپ کے ذمہ کوئی کام نہیں ہے اور ہائی گنی کچھ توڑی قیمت نہیں بس میری طرح سے قبول کر لیجئے۔“

”لیکن۔۔۔۔۔“

”پانچ گنی فی منٹ اس سے انہیں۔۔۔۔۔ ورنہ ہمارا سہہ لیجئے۔“

”مجھے منظور ہے۔ مارا ڈوک موزی نے جواب دیا۔“

(دھتار)

نظر قریشی دہلوی

”بھیجے جاتے تھے تو افسانے ایڈیٹروں کو آپ کے شکر کا تھی کہ آپ انسا سارا عمدہ ذخیرہ نئے ایڈیٹروں کو پیشے ہوا اور افسانے پائل شدہ بلاؤں کے افسانے افسانے ایڈیٹروں کے حصے آتے ہیں۔“

آپ کو یقیناً بھی باہر کرنا کس طرح جب نے معیار کے افسانے دیکھ کر اپنے ایڈیٹروں کی کبھی کر دی گئی تھی اور سنے ایڈیٹروں کو ملے افسانے دیکھنے لگے تو اس بجز کا کیا نتیجہ ہوا۔ غرض آپ معاملہ کے ہر شائبہ فزائے ابھی طرح واقعہ میں اور سزا مارا ڈوک آپ مطمئن ہوئے۔ ہمارے جو نئے اور صرف ہمارے جو نئے ایک شخص ہے جو مارا ڈوک کے نام سے منسوب شدہ معیار کو قائم رکھ سکتا ہے۔ میرے سوا دنیا میں دوسرا کوئی شخص نہیں۔ آپ میرا مطلب خواب بھی طرح سمجھتے ہوں گے۔ فرض کیجئے میں آپ سے اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اس صورت میں آپ مارا ڈوک کے نام سے میری قسط کے افسانے جیسا کہ دھوکا دیکر زیادہ عرصہ تک نہیں شائع کر سکتے۔ ایک نہ ایک دن ہول ضرور نکلیگا۔ میں میرا ایک مشورہ ہے کہ آپ میرے طرز معیار کے افسانوں کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیے اور میرے ساتھ مل کر کام کرنے کا وعدہ کر لیجئے اگر ایسا نہ کیا تو بعد میں پچھتا کر پڑیگا۔

مارا ڈوک ہنستے چلا رہا تھا۔

”ہم۔۔۔۔۔ ہاں کرنا چاہتے ہیں آپ کی خواہش اور افسانہ کے دیتا ہوں۔ مگر مارا ڈوک موزی نے کہا۔“

ہماری جو نئے اس پر افسانہ چھو کر نہیں پڑا۔

”کیوں خواب! یہ خواہ کیسی۔۔۔۔۔ آج سے تو میں مارا ڈوک ہوں۔ اور مارا ڈوک کے نام سے جن معیاری افسانوں کی توقع کی جا سکتی ہے انہیں تصنیف کرنے والی میری اور صرف میری ہی ہے۔ اب میں اپنے افسانوں کی اجرت کے لئے ہر پتھر کو میرا دست گرد بنا پڑیگا۔“

اے سوار! غمیر جا اور نکام کو روک لے۔ زندگی کی سواری کسی غلام سستہ پتیر سے ساتھ نہیں چل سکتی۔ جیسے پاس کتنی ہے لیکن اس کا لنگہ کمان ہے؟ تیرے پاس سواری کا گھوڑا ہے۔ لیکن اس کا ناک کمان ہے؟ تیرے پاس سواری کیلئے اونٹنی ہے لیکن اس کی بھیل کمان ہے؟ زندگی کی سواری کو سیدھے راستہ پر سے ہٹا کر اپنے ارادہ کو ہر سیرنگرا اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو جا۔

(دعویٰ)

غارتگر عالم

شرکاء ہونے کے شہرہ آفاق کیرکٹر سپرد کرنے والے سوار تھرکان ڈائل کا پہلا سائنٹیفک افسانہ

اور شکایت کا خیال آگیا اور اس نے میز پر کھڑکوں کے بلندی سے میرے
ایک چار کا اقتباس نکالا۔

”تم نے حال ہی میں ایک مضمون لکھا ہے۔ اس میں جو آپ نے میرا ذکر
کیا ہوا ہے اس کا میرا شکریہ ادا کرنا ہوں۔ یہ لکھنا اُس نے دو اقتباس مجھے
پیش کیا۔ یہ مضمون تم نے میرے مضمون کے اس مقدمہ کے عنوان سے لکھا تھا
اور اس سوجنا پر مضمون کی ابتدا تم نے انہیں حیران کرنا اٹھانے سے کی ہے۔

”یہ وہی جیلو جو ہمارے عظیم ترین سائنس دانوں میں سے ہے۔
ایسے سمجھنا اوصاف کے بیان کرنے میں آپ کے پاس کیا وجوہات
ہیں شاید تم دوسرے سائنسدانوں کا نام لیتے ہو جن کو تم میرے سہرا مجھے
میں خیال کرتے ہو۔ اُس نے کہا۔

میں نے چند صورت حال پر غور کر کے کہا۔ میرا اپنی ذہنی کائنات پر
معافی کا خواہشگار ہوں۔ دراصل مجھے یہ الفاظ کہنے چاہئیں تھے کہ یہ وہی
جیلو جو اس وقت بے بدل محقق اور سائنس دان ہیں۔

و حقیقت میرا پانا بھی یہی عقیدہ تھا۔ میرے ان خوشامدنی الفاظ
اُس کے غصے کی آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔ اور اُس نے جواب دیا۔ نہیں۔ یہ
تمہاری ذمہ داری ہے۔ لیکن تم یہ خیال نہ کرنا کہ میں نہیں مجھو کر۔ جو
لیکن چونکہ نامعلوم اور مجھوڑا معاشرین مجھے گھبرے ہوئے ہیں۔ میں نے
میں پیش بندی کے لئے مجھوڑوں میں خود سائنس سے بے باز ہوں لیکن
ایسے بچاؤ کے لئے ہر وقت تیار رہنا پڑتا ہے۔

”پھر یہ انہیں افسانہ کیا۔ آئے۔ باعث شریف آوری کیا ہے
مجھے بھونک بھونک کر قدم رکھنا پڑتا تھا۔ مجھے اس بات کا غماخ
کہ وہ کس قدر جلد غضبناک ہوا تھا ہے۔ میں نے مکالمہ کارا سہ
کھول کر کہا۔ ”یہ میرے اچانک کا خط ہے۔“

یہ وہی سوار ہیں انہیں جانتا ہوں واقعی وہ قابل قدر تھی جس
اُس کے دل میں آپ کی کثرت قدر منزلت ہے جب وہ کسی ترقی مند
حل کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے تو آپ کی خدمت میں درخواست کرتا ہے۔

یہ وہی سوار ہیں۔ خود رنگ کے عالم میں غمناک خود کلامی میں مشغول تھا
کہیں اس کے دماغ سے ایک بچا اور اس کی شکل میں لنگھوں کہ میں لنگھ گیا
لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ بعد یون پر بول رہا ہے۔

”میں کہتا ہوں کہ صبح سے یہ دوسری بار نام ہوا ہے۔ کیا تم خیال کر
سکتے ہو کہ ایک سائنس دان کو انہماک میں تار کے دوسرے سر سے ایک
ہم کا متوازی رفل انداز ہوا اس قدر صبراً رطبہ خصوصاً جبکہ وہ کسی
نوع اور ایک تحقیق میں مجھوڑا۔ اچھا ہنر کو لگاؤ۔

”تم ہنر ہی بول رہے ہو! تم میرے ان خیالات کو پریشان کرنے کے
ذمے دار ہو جس کی اہمیت کا اندازہ کرنے سے تمہارا دل دماغ غافل ہے
اچھا تم ستم آگے نہ بڑھنا کھلاؤ۔

”وہ باہر گیا ہوا ہے۔ اگر تم نے اپنی نازیبا حرکت پھر نہ ہوئی تو مجھے
مجھوڑا نہیں تاؤن۔ کہ خولے کرنا پڑے گا نہیں! اس میں تحریری معافی چاہتا
ہوں۔ اچھا! میں اسی پر غور کروں گا۔ سلام“

اُس وقت میں نے اندر داخل ہونے کی حیات کی۔ یہ نہایت
ناگہ وقت تھا۔ وہ اسی قدر کھڑا اور میرا دلیک غضبناک مجھوڑے
سامنا ہوا۔ اس کی لابی اور سیاہ ڈاڑھی کے بال غضب کی شدت
سے کھڑے تھے۔ وہ مجھے دیکھنے لگا۔ پھر چڑی جانی کا سانس جھٹ
لگا۔ اور پھر درنگی آنکھوں نے میرا سر سے پاؤں تک جائزہ لیا اور یہ
غضبناک الفاظ بارش کی دھچکا لگی کہ سائنس کی زبان سے بھسنے لگے۔ ”ناگہ
جہنمی خواہو۔ بد معاش۔“ یہ سب سے وقت کو تم تباہ کر کے آئے ہو۔ وہ کچھ کر
بولنا۔ میں ان کو اپنی جائز شکایت پر لپکتے لگے۔ ”تم نے سنا۔ اچھا۔ یقیناً یہ مجھے
نماہ خواہ دوں گے کہ سائنس کی جاہلی ہے۔ اب یقین کیا تم اپنی مرضی
سے معاف آئے ہو یا اس سائنس میں تمہاری بھی شرکت ہے۔ کیا یہ دست
درجی کی حیثیت سے ہیں تمہارا خیر مقدم کر سکتا ہوں۔ لیکن ایک معذرت
کی حیثیت سے تمہاری جگہ اس معاملے سے باہر ہے۔

میں سر ہٹا کر دل کا ماسلا اپنی حبیب میں ٹوٹل ہی رہا تھا کہ اُسے ایک

شے میں منہمک تھا۔ ایساں مکا کی عبادتوں کا تارہ چو گینز نام تک متوی کر سکتا ہوں۔ اور میں اس وقت ہمارے براہ چلنے کو تیار ہوں ایساں اور پروفیسر ایک گری سرنگ میں سے گذر رہے تھے جو شمال کی طرف پھیلی ہوئی تھی۔

روانہ ہونے سے قبل میں نے ٹیلیفون کے ذریعہ سرخبر سر محمد عمر کے مکان پر موجودگی کا علم حاصل کر لیا تھا۔ اور اس کو اپنی ملاقات کا اطلاع بھی دیدی تھی تاکہ وہ مکان پر موجود رہے۔ وہ ہسپتال میں ایک فلک بوس عمارت میں رہتا تھا۔ اس نے ملاقات کے کمرے میں نصف گھنٹہ تک بیٹھا تھا۔ میں نے نیم اور فارغ سے اس کی ایک جھلک دیکھی جہاں سے میں ان کی شائستگی و عبادت کا اندازہ کر سکا۔ جب وہ چلے گئے تو قیود و برہان سے کرہ میں داخل ہوا جب میں اسے اس کو دیکھا۔ سویرج کی تیز اور جھلکار شاخیں اس پر پوری تھیں اور وہ اپنے لیے اور خفیہ بات لہا ہوا اور مسکراتی ہوئی مکار زرد آنکھوں سے ہمارا بازو لے رہا تھا۔

وہ بہت فکربہ منظور بہ صورت آدمی تھا۔ لیکن بہت مشکل تھا کہ اس نے اپنے لیے مشکل بنا دیا ہے۔ اس کی کچھلی ہوئی مٹی۔ انھیں بلی کی طرح جھلکارتھیں۔ موچیں اور لمبی۔ قد می سے لگا آنکھوں تک صورت نہایت کروہ و قابل نفرت لیکن پشانی پر ایک دھندلہ ہالہ تھا جو میں نے شاید داری کسی انسان کی پشانی پر دیکھا ہو گا۔ کئی شخص سرسری نظر سے اس کی صورت دیکھا کہ کوئی خوفناک باطنی تصور کر سکتا ہے لیکن پشانی کا بال اس کے دیا میں لاثانی سائنسدان دھماکے لے لگا رہنے کی دلیل تھا۔

حضرات جیسا کہ مجھے ٹیلیفون پر معلوم ہوا ہے آپ میری ایکاد کی تحقیق کے لئے تعریف لائے ہیں کیا یہ درست ہے؟ اس نے پوچھا "ہاں جاب" میں نے جواب دیا۔

موجودہ کیا میں یہ دیا کرتا ہوں کہ یہ سلطنت برطانیہ کے نائید ہیں؟ "ہرگز نہیں میں ایکسٹار کا نائید ہوں اور میرے ساتھی پروفیسر جلیفون ہیں" میں نے جواب دیا۔

موجودہ (مریانا غازی) پروفیسر صاحب اکم بائیں ہیں میں برومن کرنا چاہتا تھا کہ سلطنت برطانیہ اس نئی موقع کو ہاتھ سے کوئی بھی ہے لیکن شاید وہ بعد میں یہ تصور حاصل کر لے۔ میں اپنی اختراع میں سلطنت

پس و شیش نہیں کرتا میں نے اپنی آواز سے کہا۔ پروفیسر ایک نیم پر نہ کی مانند خود شاد اور چاہی کسی کے ان الفاظ سے متاثر ہو کر زیر پرسن فیک کی بند کیے۔ انھوں نے شیش بندھ گئیں۔ باقی ڈاؤنچی آگے کو بڑھ آئی۔ اور خبر دیا آنکھوں سے کچھ پرنکلی بانہ دی۔

"میں آپ کو یہ خط پڑھ کر سکتا ہوں۔ وہ لکھا ہے۔ آپ میرے سوز و مانی زہنی پروفیسر جلیفون کی ملاقات سے شرف بہت ہو کہ مفصل ذیل عقدہ کو مل کر لے کر جلد ہو کر لیں۔

مستقصود و رنیر جو وائٹ رائٹرز رینش میڈ میں ممکن نہ رہے ایک عجیب خاص ایما کا دعویٰ کرنا ہے یہ مشین برتنے کو چاہی میں لکھی جا۔ یہ ایک جھپٹکے کے موہ میں ہوا کے ذرات میں تحلیل کر دیتی ہے اور بعد میں مادل سے وہی شے پختہ پختہ ایسا شکل و صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ یہ دعویٰ ظاہر غیر معمولی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن میں کے دلائل ہے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا دعویٰ بے بنیاد نہیں میں اس اختراع کے بناء اساتذہ مدد مان چکے ہیں کاری حید ہونے کی وجہ سے اس کی ضروریات بہت ضرور ہو کر پڑا ہوتا۔ اسی وقت جو کچھ جابازانہ کرنا و احد میں ناکستہ کر دیا پھر چلا گئی۔ سیاسی ماضیاتی نقطہ نگاہ سے اس دعوے کی چھان بین کرنے میں ایک حد کی سہل انگاری بھی ملک ثابت ہوگی!

مشورہ برائے اختراع کو مشورہ کے فروخت کرنے کی خوشنہن تھا ہے اس لئے اس کی ملاقات چنداں دشوار نہیں۔ منسلک کارڈ آپ کی رہنمائی کرے گا۔ میری دلی تمنا ہے کہ آپ پروفیسر صاحب کے براہ اس کا سامنا کر کے ایک تنقیدی مقالہ پسند فرمائیں۔ امید ہے آج شام تک آپ تمام تفصیلات سے مجھے آگاہ کر لیں گے۔ (آدیکا دل)

اس خط کو لے کر لے ہونے میں سے کہا میں امید کرتا ہوں کہ آپ اپنی گراں قدر ادائیگی ادا دے جو بیچ میرز کو سنبھال کر کا موقع دینگے۔ میں اپنے عمدہ و علم اور قابلیت سے اس اس وفق کت کو مل کر لے کر سے قاصر ہوں۔

پروفیسر "میں نے سچ ہے ہر چیز تم قدرتی فہم و فراست اور قابلیت سے جلد دست نہیں ہو سکتی میں یہ یاد کرتا ہوں کہ تم ایسے فوق الادارک سے کو سامنا کر سکتے۔ ان بے عقل حیوان کی حالت کا وہ انکاں تک دونوں جنہوں نے صبح سے تا رات کی قدرتی بے راہ و عادت تنگ کر دیا ہے اور صبح کے قیمتی لمحے تیار کر دے ہیں۔ اس لئے یہ معاملہ عجیب و غریب ہو گا۔ میں اٹالوئی سپر تونی کو جس کی خط و سرطان کے کرے کو ٹھکے کی تحقیق و تفتیش سے میرے دل میں شہ و نفرت کے عجیب و غریبے ہیں جو ب

کہ ہر فرد کا کریں آپ کو اپنے دعوے کے ثبوت میں کافی دلائل پیش کرنے پائیں۔

موجودہ پروفیسر صاحب آپ کو اپنی شہرت پر نادم ہے لیکن یہ عام مقولہ کہ دنیا میں آپ کی ذات آسانی سے دم خرب میں گرفتار ہو سکتی ہے جس اپنے دعوے کا حقیقی ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔ لیکن قبل ازیں اس کے عام اصول جندالفاظ میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ اگر آراشی آدمی میرے عمل میں قائم ہے صرف ایک نوٹ ہے اگرچہ اس کے اثر و تاراج بھی اپنی اسما کے مطابق تعجب انگیز ہیں مثلاً یہ آپ کے فہم کو بارہ بار دہر کر کے فہر اس کی شکل و صورت میں جمع کر سکتا ہے۔ لیکن ایک مطلقیت صرف اسی ڈھانچے کیلئے لکھوں اور پے ادا کرنے کے لئے تیار ہے۔ لیکن یہ صرف ایک نوٹ ہے۔ ایک کھلنا اور یہ اپنی تباہ کاری کے جوہر اس وقت دکھائے جب اسے اعلیٰ پیمانے پر بنایا جائے۔

پروفیسر: کیا تم اس نوٹ کو دیکھ سکتے ہیں۔

موجودہ پروفیسر صاحب آپ صرف ملاحظہ نہیں کر سکتے بلکہ آپ کی ذات پر اس کا عملی تجربہ بھی ہو سکتا ہے جس کے بعد کسی ثبوت کی ضرورت نہ ہوگی۔ اگر آپ میں اتنی حیا رت ہے۔

”اگر“ پروفیسر صاحب: ”تھرا لفظ“ اگر“ نعام توہم کن ہے۔

موجودہ صاحب پروفیسر صاحب آپ کی حیا رت و در ادائیگی کی فہم نہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کو اس کا عملی تجربہ حاصل کر سکا موقع دوں لیکن پیشتر اس کے اس امر پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں

”جب کوئی پوری شے مثلاً رنگ یا مہری پانی میں ڈالی جائے تو وہ پھیل کر غائب ہو جاتی ہے اور آپ ہی معلوم نہیں کر سکتے کہ اس پانی میں کوئی شے ملی ہوئی ہے۔ اس کے بعد اگر پانی کی مقدار چاہے یا دوسرے کسی ذریعہ سے لے لی جائے تو وہ شے دوبارہ نمودار ہو جاتی ہے کیا آپ ایسے ہی عمل کا تصور کر سکتے ہیں جس سے انسان کا وجود ہوا میں تحلیل ہو کر وہ عمل سے مجسمہ اس شکل و صورت میں مظهر آجائے۔“

پروفیسر: یہ شائبہ باطل غلط ہے۔ اگر میں ایسے مینیا کہ عمل کو تسلیم بھی کروں کیونکہ ہمارے اعضاء و جوارح بارود وغیرہ سے بارہ بار تیار ہوتے ہیں لیکن ان کا جوارح نامکون ہے۔

موجودہ صاحب آپ کا اعتراض باطل درست ہے لیکن میں صرف یہ عرض کر سکتا ہوں کہ آپ کا بیان ایسی صورت میں محض ہو چکا۔ اس لئے اس ایک ایسی تہریہ صفت پر تشبیہ دینے پر ہرگز کے کو اس کی عملی فکر پر قائم کر دیتی ہے۔ پروفیسر صاحب آپ بشفائے ہر ہنسی ادا نہیں آپ کی ہے تہا

ہاتھوں پر فروخت کرنا چاہتا تھا جو میرے زیادہ اس کی قیمت ادا کرنے کی متعلق ہوئے اور اگر آپ یہ ایجاد کسی ایسی طاقت کے ہاتھ آگئی جس کو شاید آپ ناپسند کریں تو اس کے آپ ہی ذمہ دار ہیں۔

”تو کیا آپ نے اس کو فروخت کر دیا ہے۔ میں نے دریافت کیا۔

موجودہ: ہاں جب۔“

میں: آپ خیال کر سکتے ہیں کہ شاید خریدار کو اس پر کامل قدرت حاصل ہو گئی۔

موجودہ: یقیناً۔“

میں: لیکن اُن نے علاوہ اور ماہرین فن بھی ایسی ایجاد کے اسرار سے آشنا کر دی۔

موجودہ: ہرگز نہیں۔ اُس نے اپنی پیشانی کو چھوا۔ اس کا راز اس صندوق میں ہے جو تم آج ہی صندوق سے غصہ طار اور ادا کو اس کی گزرتے سے محفوظ ہے۔ لیکن میں کہ ایک شخص اُس کے ایک پہلو کا راز معلوم کر لے اور دوسرا دوسرے پہلو کا۔ مگر تاہم میں سوئے میرے کوئی نہیں جو اس کے دونوں پہلوؤں سے واقف ہو۔

میں: اور وہ جن کے اہتوں آپ نے اس کو فروخت کیا ہے۔

موجودہ: ہرگز نہیں۔ میں ہوش و خد سے اتنا ہیگ نہ نہیں کہ بغیر حصول نہ کے اس کے تمام اسرار پہ نقاب کر دوں۔ اور ایسی رقم کے بعد ان کو میری ذات کا خریدنا لازم ہو گا۔ اُس نے دوبارہ اپنی پیشانی کو چھوا۔ تاکہ اس صندوق کے فضل کو کھول کر اس کے مقاصد کو فاداری اور شکر کی سے مستفاد دے

اداس کے بعد ایک نئی تاریخ مرتب ہوگی۔ اُس نے دونوں اہتوں کو ملا۔ اور اس کی سکراٹ ایک فنڈ بانگ نقشے میں تبدیل ہو گئی تھی۔ کہا: ”صاحب معاف فرمائیے۔“ پروفیسر نے جس کے ہونٹوں پر بھی تک خاموشی کی ٹھہر ہوئی تھی۔ اس کی صورت سے میرے خلاف نفرت چمکی تھی۔ ”پیشتر اس کے ہم اس منوعہ پر سلسلہ بحث جاری رکھیں ہمیں یقین دلایا جائے

کہ یہ امر قابل بحث ہے۔ ہم ابھی ایک اطلاوی کا واقعہ فراموش نہیں کر سکتے جس نے کافوں کو شکاف دیں تھی جو پڑھنے کی تھیں کثیف کر سکتی تھیں اس کی عیاری و دھکاری کے سوا کچھ نہ تھا۔ پروفیسر نے سلسلہ ظلم جاری رکھنے ہوئے کہا: ”آپ کو معلوم ہو گا کہ میں ایک سائنسدان ہونے کی حیثیت سے

کافی شہرت حاصل کر چکا ہوں اگرچہ میرے پاس کافی ثبوت موجود ہیں۔ وہ شہرت جس کو آپ باشتہ گانہ روپ کی ملکیت تصور کر کے ہیں اگر کسی بھی اس کی قیمت نہیں لیکن مائنس کیلئے احتیاط شرط ہے۔ اس لئے پیشتر اس کے

جا بٹھا۔

میں نے موجود کو دستہ پر کھڑے ہوئے دیکھا اور ملک ملک کی آواز سنی چند لمحوں کے بعد مجھے دم گھٹا محسوس ہوا۔ پھر آنکھوں کے سامنے تاریکی چھا گئی جب نقصان صاف ہوئی تو موجود میرے سامنے کھڑا تھا۔ اُس کے ہون پھٹار آئینہ صبر نقصان تھا۔ اور پروفیسر فلنگن انداز سے اس کی طرف گھور رہا تھا میں نے کبھی پروفیسر کو اس قدر پریشان مضطرب نہیں دیکھا تھا۔ اس کی آہنی قوت جواب دے سکتی تھی۔ اُس نے حواس باختہ میرے بازو کو گرفت کر لیا۔ ”میلن“ یہ تو بالکل سچ ہے۔ بہتر داخلی ناپید ہو گئے۔ پہلے ایک دھند سی چھا گئی اور پھر تم غائب ہو گئے۔

”میں کتنا عرصہ غائب رہا؟“ میں نے دریافت کیا۔

”دو یا تین منٹ۔ خوف سے میرے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور میں تمہاری زندگی سے باہوس ہو چکا تھا۔ پھر اُس نے دستہ کو درجہ دویم پر گھمایا تو تم صبح و سلام کی شکل میں ہمیت میں نمودار ہو گئے تو تم پر پندرہ چھائی ہوئی ہے۔ لیکن شادی تمہیں بال برفی نہیں“ اُس نے چٹائی کا باندھن شرح رومال سے پوچھتے ہوئے کہا۔

”جہاں باب کیا راہ دہے؟“ موجود نے طنز کیا ”شاید آپ کی مہرادی پہلو بندنے کی ہے؟“ پروفیسر نے اپنے جسم پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ اور میرے ہاتھ کو جو میں اسے روتے گئے اٹھایا تھا ایک طرف اٹھا کر کسی پر جا بیٹھا۔ موجود نے فوراً دستہ کو درجہ سوم تک گھمایا اور وہ آن کی آن میں ناپید ہو گیا۔

”یہ کیا دلچسپ عمل ہے؟“ موجود نے کہا۔ جو شخص پروفیسر کی اعلیٰ شخصیت کا معترف اور عقیدت مند نہ اُس کے لئے یہ کس قدر غیب انگیز ہے کہ وہ اس وقت بادل کا لایک ہے بقدر زردہ ہے۔ جو اس کو ہر گے کسی گوشہ میں لٹکا ہے۔ اس وقت اس کی زندگی کا انحصار میرے جذبات پر ہے۔

اگر میں اس کو تباہ اسی حالت میں چھوڑ دینا پسند کروں۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کو تبدیل کرنے کی قدرت نہیں رکھتی۔

”لیکن میں آپ کو ایسے موقع فرما رہا ہوں۔ بارہ گئے کا کوئی ذریعہ تلاش کروں گا“ میں نے کہا۔ اُس نے ایک تھکے لگا ہوا آپ کا خیال غلط ہے۔ مجھے کوئی اس راہ سے باز نہیں رکھ سکتا۔ اب تو چند گزوف غلط کی طرح مٹ جائیگا خیال کیجئے۔ یہ واقعہ الٹا ہے۔ لیکن اس کا سلوک بھی ناقابل برداشت تھا۔ جس کی پاداش کا وہ مستوجب ہے۔

”میں ہرگز نہیں“ میں نے کہا۔

دستہ بہت حلیفین و خدیجی کے بدل جائیگا۔

پروفیسر نے میرے اپنا شانہ بلیا دیا وہ کہا ”میں اپنے جسم کو اس عمل کیلئے چمک رہا ہوں۔“

موجود نے قوت پر میرے ہمراہ تشریف لائیں۔

ہم نیچے اتر کر ایک باغ کے ایک مغل کرے کے پاس پہنچے جس کو اُس نے کھولا اور ہم اندر داخل ہوئے۔ اس کے اندر ایک اور قطعی شدہ کمرہ تھا جس کی بھت کے ساتھ کڑی کے جالے کی طرح مینار برتی تھیں اور اس میں تھیں سامنے ایک مخروطی شکل کا شیشہ تھا جس کی لبلبائی میں فٹ اور فٹ ایک فٹ ہو گا۔ اس کے دائیں جانب بہت کے چوڑے پر ایک کرسی تھی اور اُس کے اوپر ایک تانبے کی ٹوپی تھی جو تھی اور کرسی اور ٹوپی تھیں سے بکھڑی ہوئی تھیں کرسی کے ایک طرف چیل کا ڈھانچہ تھا جس میں سورج اور چند اعداد و شمار بھی لکھے تھے اس کا بیٹھنا بے فائدہ تھا۔

”خبر کی ایجاد؟“ موجود نے مشین کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ بھی وہ نمونہ ہے جس کی قوت میں اُور عالم کی طاقتوں کو زیر و زیر کرنے کی مشرت لکھی ہے اس کا نام ڈینا پیرسٹا ہو گا۔ اب پروفیسر صاحب یہ معاملہ زیر غور ہے۔ آپ کا ناپید ہونا دیکھ کر قابلِ برداشت تھا۔ کیا آپ اس کرسی پر بیٹھنے کی جرات کر سکتے ہیں تاکہ مجھے اس قوت کے خراج آپ پر آشکارا کرنے کی اجازت حاصل ہو؟“

پروفیسر کرسی کی طرف لپکا۔ لیکن میں نے اُس کے بازو کو گرفتاری تمام قوت سے اُس کو روک لیا۔ آپ نہیں جانتے۔ میں نے کہا ”آپ کی زندگی گراں قدر ہے۔ آپ کے پاس اپنی زندگی کی بقا اور حفاظت کی ضمانت کیا ہے؟“

”میری زندگی کی بقا کی ضمانت صرف یہی ضمانت کافی ہے“ اُس نے جواب دیا۔ اور اگر مجھے کسی قسم کا گزند پہنچا تو یہ شخص قتل انسانی کے جرم کا مرتکب ہو گا۔

”لیکن اگر یہ کام صرف آپ کی ذات سے وہ البتہ بے حد اور اچھا لگا تو دینا بے حلت کے لئے بلائی ہوئی ثابت نہ ہو گا۔“ میں نے کہا۔ ”چلیے جئے جائے دیں اور اگر یہ تجربہ بخیر و عافیت کا مایہ ثابت ہو تو پھر آپ جاسکتے ہیں۔“

پروفیسر صبر کبھی کسی ذہنی نظروں کے وقت خوفزدہ نہیں ہوتا تھا لیکن اس خیال سے کہ اس کی مشین و ٹینشور نامہ رہ جائے گی وہ خیالات کے صحت پر غور ہو گیا۔ پیرسٹا کے کچھ کسی تجربہ پر نہیں ہیں ایک ہی صحت میں کرسی پر

”ابستم اس معاملہ کو سلجھاؤ۔ یا عیاضہ زنگتے کیسے تیار ہو جاؤ۔“
 پروفسر نے جو حد کو کہا۔ خوفزدہ و موجد کا چتا ہوا شمشین کے پاس گیا اور اپنی
 پوری قوت سے سینڈال کو گھبراہٹ میں چمڑی کی ڈاوسی عود کو آگنی
 بالوں کے واپس آنے سے مطمئن ہوئے کیلئے وہ اپنی گنجائش ڈاوسی پر
 شفقت آمیز بات پھیرتا ہوا سر تک لگایا۔ پھر کسی سے بچے اڑا۔

”تم نے اپنی زندگی دوبارہ حاصل کی ہے جس قدر کہ اسے جان
 سے مطمئن ہوں کہ تمہارا فعل تجربہ پر مبنی تھا۔ کیا میں اس عجیبہ الخوص
 ایجاد کی بات شغف رکھ سکتا ہوں؟“ پروفسر نے کہا۔

”موجودہ میں آپ کے نام سوالات کا جواب دے سکتا ہوں؟“
 پروفسر نے کہا اس اختراع کے ناز ہائے خانی مناسبت ہی دل میں مستور
 اور کوئی دوسری سہی اس سے جہہ نہیں۔

”موجودہ؟“ اس جواب؟
 پروفسر نے کبھی شخص سے اس آگ کے بنانے میں تمہاری مدد کی تھی
 ”موجودہ“ ہرگز نہیں میں نے تمہاری اس کا کوئی انجام دیا ہے؟

پروفسر نے تو عجیب انگیزہ میں اس قوت کے نتائج و عواقب سے
 مطمئن ہو چکا ہوں۔ لیکن میں نے اس کی ساخت کا ملاحظہ نہیں کیا
 ”موجودہ“ جناب میں قبل ازیں عرض کر چکا ہوں کہ یہ صرف ایک نمونہ ہے
 لیکن ہمس کی ساخت دیکھ کر مجھے عجیبہ پر اسان ہے؟

پروفسر نے کہا آپ نے یہ اسرار مہرہ ایک پورچین سلطنت کے باغوں
 فروخت کیا ہے۔

”موجودہ“ ہاں جناب لیکن جبہ اس کی قیمت ڈاکڑوں کے دکان کے پاس
 ایک اسی قوت موجود ہوگی جس کے سامنے دنیا کی تمام سلطنتیں بھی دست
 ہوں گی اور ان کو اس کے سامنے سر جھکا کر بیٹھے گا۔ ان کے اس

ٹھوسے کا خیال کر رہا ہوں یہ قائم ہوگی، اور پھر اس کی قوت کا؟“ اس نے
 زور سے ایک قہقہہ نکالا۔ میں خیال کرنا کہ وہ کیا ہے نیز کی عجائبات
 اُڑتی ہوگی اور تمام انسان آسمان کی لمبائیوں کی سرکے ہوں گے؟

میرے دل پر ایک کاری ضرب لگی لیکن اس کے پریشان کن الفاظ
 نے پروفسر پر غلبہ اثر کیا۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے
 فرما دیا ”اسے اپنا نئے موجد کی طرف بڑھایا۔ اور یوں گویا ہوا۔“

”موجودہ“ میں آپ کو اس ایجاد کی کامیابی پر یہ نعمت پیش کرتا ہوں
 اگر اس کی جہاں سوزی اور مالکیت آفرینی روح و مسرت اور شائستگی کی
 فنیست نا آشنا ہے نیز خیال ہے کہ آپ کو اس کی مسیت ترکیبی کا معائنہ

”خیر یہ عمل آپ کے حریف کے لئے ایک دلچسپ مقالہ مہیا
 کرے گا۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ انسانی بال ریشہ ہائے جات سے بالکل مختلف
 ساخت رکھتے ہیں۔ یہ اپنی مرضی کے مطابق رکھے جاتے ہیں اور ریشے
 جاتے ہیں۔ میرے لئے اس کی باشت عود ڈاوسی کا صفایا خالی از
 دلچسپی نہ ہو گا۔“ وہ دیکھئے؟

”میں نے دستہ گھمایا اور ان واحد میں چیلنج کریں پر عود اور ہونگا
 لیکن کیا چیلنج؟ پوچھتے ہیں میرے تین بدن میں آگ لگ گئی۔ لیکن میں نے
 ضبط نہ کر سکا۔ موجد کی شمشیر بازی نگاہ اس کا یہ صورت سر فوراً مدہ بخت
 کے سر کی طرف نکلا اور چہرہ ایک لڑکی کے چہرہ کی مانند نہ تھا۔ ڈاوسی نہ
 ہونے کی وجہ سے بصورت نظر آتا تھا۔ لیکن قوی سبیل میں ہر ایک شکست
 خود و شمشیر بازی کی سی مایوسی چھائی ہوئی تھی چیلنج کا ہاتھ فوراً سر کی
 طرف لپکا اور اس کو اپنی تبدیل شدہ حالت کا احساس ہو گیا۔ بھگی کی
 تیزی کے ساتھ وہ جمپا اور ایک کروموجہ کا لگا کھنٹ دیا۔ اور زمین
 بگڑا دیا۔

”خدا کے لئے ہوش کی واکرو۔ اگر وہ گر گیا۔ تو گر جاو، اکیلے کبھی
 درست نہ ہوگا؟“ میں چلا جا چیلنج غایت درجہ دیوانگی میں بھی دلیل کے
 سامنے سر جھکا دیتا تھا۔ اس نے یہ دلیل کارگر ثابت ہوئی۔ اس نے
 موجد کو زمین سے کھٹاکا۔

”میں تیس مرفہ نمٹ کی ملت دیتا ہوں۔“ چیلنج نے شدت
 غضب سے کہا؟ اگر مہٹ کے اندر میری حالت درست نہ ہوئی۔
 تو تمہاری جان کی ضمانت؟

غضب و غضب کی حالت میں چیلنج کے ساتھ کھٹ و مباحثہ کرنا ذرا
 ٹھیک نہیں تھی۔ لیکن ایک قوی میل انسان بھی یہ فیصلہ کی طرح کا بپ
 جاتا تھا لیکن ہر فوراً رو سے بڑھتا۔

”مہٹ اچھا“ موجد نے اپنا کھٹا لئے ہوئے کہا؟ یہ تشدد نما کر
 ہے۔ نرم اجاب میں عود ایک بلے غر مہٹ کا باعث تفریح ہوتا ہے۔

میں اس ایجاد کی قوت کا اندازہ نہ لگا پا رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ آپ بھی
 اس کے صحیح عمل سے بہرہ اندوز ہونا چاہتے ہیں۔ میں آپ کو فیصلہ دلاتا
 ہوں کہ میرا مقصد تمہاری کسی شخص کو گزندہ پہنچانے کا نہیں ہے؟

چیلنج دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ لیکن غم اس کی حرکات پر نگاہ
 رکھو اور کسی قسم کی چالاکی نہ کرے۔ وہ۔
 ”مہٹ اچھا“ میں نے جواب دیا۔

کرنے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا؟
 موجود ہرگز نہیں۔ یہ ایک سبب کی مانند ہے لیکن اس کی رنج کی تحقیق
 لاعلم ہے۔

پرو فیسٹر: یہ بالکل درست ہے لیکن اس کی سائنس ہی صنعت کاری کا
 ایک نمونہ ہے اس لئے اس کے دور گرد کر لگائے۔ چند اجزاء کو بھڑا۔ پھر
 اپنے بھاری جسم کو کرسی پر لگا دیا۔

نیکو آپ: بارہ عالم خیال کی سرکڑا جاسے جس نے وعدے پوچھا۔
 پرو فیسٹر: شاید کچھ عرصے بعد لیکن یقیناً ہمیں معلوم ہو گا کہ کچھ برقی قوت
 ضائع ہو رہی ہے۔ میں ایک بجلی کی دواسپینہ اندر دوڑتی ہوئی محسوس کرتا
 ہوں۔

موجود: نامکن۔ کرسی تو بالکل غیر ملکی ہے۔
 پرو فیسٹر: لیکن ہمیں کہتے ہیں کہ اس سائنس کا محسوس کرنا ہوں۔
 پرو فیسٹر: کرسی سے نیچے اتر آیا۔ اور موصوفہ فارگری پر بیٹھ گیا۔

موجود: لیکن میں بالکل اس سائنس کا محسوس نہیں کرتا۔
 پرو فیسٹر: کیا ہمارے جھلن میں جھنجھٹا جھٹ پیدا نہیں ہوتی۔
 موجود: نہیں۔

ایک گرفت آواز پیدا ہوئی اور موجود غائب ہو گیا۔ میں حیرت نہ چھوڑ
 کی طرف دیکھنے لگا۔
 "کیا آپ نے شہین کو بھڑا ہے؟"

اُس نے تعجباً ڈانٹا: میں بری طرٹ کیوں کر نہ پرخت کیا۔
 "ملین۔ شاید میں اس پرینڈل کو پراوائی سے بکڑنا" اُس نے کہا
 اس قسم کے تباہ کن آوازات سے میری ذرا انسان کو غایت اور نقصان پہنچ
 سکتا ہے۔ اس لئے یہ ملین بھڑانا کھانا چاہیے؟

احسوس کا خاندان

دو بچے پیدا ہوئے آؤ تلفظ قوا طالع اور بقمچی۔
 بقمچی نے بھی تجربے سے ماہ کیا اور بہت سے بچے پیدا ہوئے۔ ان میں سے
 چند ایک کے نام ہیں۔ بی۔ بی۔ کا بی ہو گا۔ ان کا یہاں کیا کام۔ مجھے تو ایسا
 نظر آتا ہے۔ یہ لیکن نہیں ہے۔
 خوشی ہو رہی تو اُس نے حماقت سے شادی کر لی اور اپنی بیوا کو صرف کرتے
 ہوئے ایک دھڑ سے گئے۔ یہ کرک آؤ اپنا سرمایہ جمع کر کر اس سال خوشی کے لئے
 سال خاندان بہت ہو گا لیکن دھوکا نہیں چل جائیگا اور زلفی نے کہا وہاں میں
 چھوڑ دیا۔ جہاں سے پھر وہ ایک عام کسٹھار گئے ان کی بیوی پر بھی غریب بہت
 داک نہیں اس موقع پر بچوں کا احساس غم، حلقہ دار تو تیار ہی حالت خارجہ نہیں

کا وہ وقت ہے جس خیال نہیں کرتے شادی کی اور جنہاں بچے پیدا ہوتے
 میں جنہاں نہیں اس کی بابت سب کچھ جانتا ہوں۔ مجھے کوئی نقصان دھوکا
 نہیں ہے سکتا میں اس کی بابت سب کچھ جانتا ہوں نے خود سے نکال دیا
 ان کے ان خوشی پیدا ہوئی جس نے جانا کیا نہیں ہو گا شادی کی ان کے ان

موجود: تو یہ میرے آئی اسٹے۔ کوئی ٹکڑی۔ اور آؤ وقت کڑی بری۔ جلا کو کھانا نہ دے گی تاہم کی ویلا کی اور نہ دھت کر رہی ہیں جو حلقہ و فطرت کی بنیاد ہیں۔
 موقوفوں کی اپنی ٹیکس کئی دن تک بیکس مانگی ہی آئے مشکل چھپے وصول جوئے میں شہم سے اُس نے ایک سو سو روپے اور اس لئے اپنے بچے میں اٹا اور ایک

مجھے ہے بچے کے لئے گری، اس طرح اس وقت کے خاندان کا فخر بن گیا۔

دنیا سے ادب

ہندوستانی ادبیات

اردو ہندی بنگالی پنجابی گجراتی مرہٹی سندھی کشمیری پشتو تنگہ سنکرت
(سے براہ راست)

استقلال

ہمارے دنیا کی آنکھیں روشن ہوتیں
ہم جواہر کریں گے سب تکمیل پر پہنچا
ہم اپنا خود کیا ہے جب تک خود کیا ہے تو خود بکنا بھی ضروری
ہے۔ پھر اگر اس پودے کو مناسب غذا دی جائے تو وہ مزور و شر و شاداب ہوگا
بعض لوگ دنیا کی سرودھ گرم ہواؤں سے بہت جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔
ادب استقلال پر عمل نہیں کرتے لیکن اس کا استقلال پر صریح ظلم ہے۔ وہ ہرگز
ایسی عمارت نہیں جو بدون تکمیل منہم ہو سکے۔

کام کہہ کر لے چھوڑ دینا اور استقلال راہی پر قائم نہ رہنا نام کو استقلال
پر بانی چھوڑ دینا ہے یہی صورت میں پہلے فوائد بھی نقصان سے تبدیل ہو جاتے
ہیں۔ اردو انسان کو ان کے کام کشاکش پر اکتفا نہ کرتا ہے۔ کسی امر سے
بہت جلد متعجب ہو جاتا اور ہتھیار ہاتھ سے ڈال دینا شیوہ رواں کی نہیں
ہے۔ ہمیشہ ہر حرکت کشاکش وری طاقت سے اس وقت تک جاری رکھنا
چاہئے۔ جب تک گرد و پیش کے نام حالات مخالفانہ صورت اختیار
نہ کریں

نور جہاں

ہمیشہ وہ اقوام ترقی پذیر ہوئی ہیں جو دنیا کی سیڑج پر ثابت قدم رہی
ہیں۔ ہمیشہ ان افراد خاندان نے عروج حاصل کیا ہے۔ جنہوں نے استقلال
کو اپنی شاہراہ عمل قرار دیا ہے ہمیشہ وہ شخص کامیاب ہوا ہے جس نے استقلال
سے کوئی کام شروع کیا ہے۔ تجارت صنعت و حرفت علم و فنون و فنون ہر
شعبہ زندگی میں استقلال کی ضرورت ہے جس کام میں اس کا دخل نہ ہوگا
وہ مزور و غیر محمل رہیگا۔ تاریخ زمانہ کے اوراق اٹھنے تو آپ کو معلوم
ہو گا کہ دنیا میں کیسے کیسے پختہ عوام لوگ گزر گئے ہیں اور وہ اپنے اراکوں
میں استقلال نہ ہونے کو آج دنیا کی ترقی ترقی کی۔ اور ان کا نام صغیر عالم پڑا ہوا
نہ ہوتا۔

ہمارے شاہدہ میں بہت سی ایسی مثالیں ہیں جن کے قیام کی اصل
نام استقلال ہے ان تمام ہوشیار واقعات کی یاد تازہ رکھنے میں جو گذر
چکے ہیں استقلال کا دخل ہونا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج میں ان کا نشان
نہ ملے گا۔ دنیا پر استقلال ہی کی رکات ہیں کہ ہم نام حالات دنیا سے اس طرح
واقعہ میں جیسے ہمارے سامنے کی بات ہو۔ اگر ہمارے عقیدہ میں تاریخی حالات
کھینچنے میں استقلال سے کام نہ لیتے تو آج ہمارے دلوں پر گزری ہوئی
صد ہوں کے افسانے منقش نہ ہوتے اور دور رفت کی ترقی و تنزل سے

دور اولین کی مسلم خواتین

دلیل یہ تھی کہ ام المیز کے بعد شہور ہو گئی تھیں اور حضرت سہیل نے
نہایت فخر کے ساتھ ان کا نام اپنے دوستوں کے ساتھ لیا ہے۔

ذہیب حضرت حلال الدین سہیل کی بہادری و شہادت شہوانی
کی بیحد نہایت عالم فاضل محدث تھیں۔ ان کی کمال عدلیت کی ایک

ہوئی تھیں۔ اُن کے باپ کو اپنی بیٹی کی عیلت پر بہت ناز تھا جو کا تھا۔

رضیہ اندلس کے خلیفہ الحکام ثانی کی نہایت محبوب ملکہ تھی بادشاہ کے رضیہ کو عزیز رکھنے کا سبب صرف اُس کا حسن و جمال ہی نہ تھا۔ اُس میں اُس کے فضل و کمال کو بھی کچھ دخل تھا۔ بادشاہ جب بھی اُس کو دیکھتا تو بے حد خوش ہو کر ”نجم السور“ کے لقب سے بکا کرتا تھا۔ الحکماریہ عالم بادشاہ کے دل میں اس کی عیلت و قابلیت کے بہت قدراور وقعت تھی۔

اندلس ہی کی ایک دوسری رضیہ کا حال سنئے جو کینز تھی۔ اپنی قابلیت علمی کے باعث عبدالرحمن ثالث کے دل میں نمایاں جگہ پائی تھی۔ عبدالرحمن نے اُس کو آزاد کر کے اپنے پیارے فرزند الحکم کے سپرد کر دیا تھا۔ اس علم دوست بادشاہ نے رضیہ کی صحبت بہت خوشی سے پسند کی۔ رضیہ جیسی عالمہ فاضلہ تھی ویسی ہی مورخہ بے بدل شاعرہ بنے نظیر پائی جاتی تھی۔ اس نے الحکم کے ایسے سیر و تاریخ میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور اپنے اشعار کے دیوان بھی مرتب کئے اس کی کتابیں الحکم کے مشہور کتب خانے کی زینت بنتی تھیں۔ اس کی زیادت کا صبر چرچا قدم ہو گیا تھا کہ وہ الحکم کی وفات کے بعد بے غم فکر کرنے کی خاطر مشرقی اندلس کا سفر کرنے گئی اُسے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ وہاں کے ہر شہر میں اُس کی عیلت کا شہرہ ہو چکا تھا۔

”عصمت“

دہلی

ایک اور زینب جو ام حبیبہ کی کنیت سے مشہور ہیں اپنے زمانے کی نہایت نامور محدثہ گذر ہی ہیں اُن کے باپ کا نام سعد بن محمد ہے اُن کا وطن مکہ معظمہ ہے میں پیدا ہوئے اور فضیلت علمی حاصل کی اور قرنِ حدیث میں وہ کمال حاصل کیا کہ حضرت سیوطی نے ان سے حدیث بیان کرنے کی اجازت لی۔

خدیجہ بصری (رحمٰن) براءحد کی نہایت فاضل قابل بیٹی ساتویں صدی ہجری میں پیدا ہوئیں اپنی لیاقت و قابلیت کی وجہ سے نہایت مشہور ہوئیں انہوں نے ایک بہت بڑا حدیث کا کام کیا تھا جس میں بڑے بڑے موقر عالم داخل ہوئے جن میں ہمیں حضرت جلال الدین سیوطی کا نام نمایاں نظر آتا ہے۔

مسلم ابن ابراہیم مشہور محدث کی سہ ماہ حدیث عقیدہ سیسی کی بیٹی والی تھیں بڑے بڑے علمائے زمانہ ان کی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے اور سر کو توان کی نفاذ دی کا فخر حاصل تھا۔

اُمّ جحیٰ کی علمی فضیلت باعنی قابلیت کو کوئی مرقا پہنچ سکتا ہے ام جحیٰ نے چالیس سال سے مجروح قرآن مجید کی آیات کے دوسری زبان میں بات چیت کرنا چھوڑ دیا۔ ہر بات کا کافی و شافی جواب تران پاک کی آیات سے دیتی تھیں۔

ساتویں صدی ہجری میں ایک نامور محدثہ کلثیم نامی گذری ہیں جنکی کنیت اُم غروبہ انہوں نے تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد اپنا حلقہ حدیث الگ قائم کیا۔ بڑے بڑے جلیل القدر عالم اُن کی درسگاہ میں نافذے ادب بن کر بیٹھے۔ جن میں ابن جریر عطا فی نے نہایت فخر کے ساتھ اپنی شاگردی کا ذکر کیا ہے۔ ام عمرو حافظہ تھی الدین بن رافع سلامی کی

شیخ فرید الدین عطا

طلب (عشق، علم، بے تعلقی، وحدت، حیرت، عدم اور فنا) میں اس جگہ اس روحانی موت یا فنا کی حقیقی نوعیت پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ میں اس کے متعلق اپنے آرا اپنی کتاب ”غزالی“ میں ظاہر کر چکا ہوں۔ اور ان آرایں اس وقت تک کوئی اہم تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔

میں اخیر میں عطا کے چند لطیف آیات پر اکتفا کرتا ہوں جس میں اُس نے اس کیفیت کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ جہاں روح کی زندگی اور شخصیت کے تمام عوارض و تفصیلات محو ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور صرف وصال خداوندی کا احساس باقی

ہمارے ہمارے عطا کو مفت وادی یا مائل روحی کو جنس میں دھور کر کے میں موجود بناتا ہے۔ واقعی دوسرے صوفیوں مثلاً قشیری و بھوری کی در عطا سے مقدم ہیں اور سرود کی درجہ اُس کا معاصر ہے، تعاضف میں اس قسم کا نظام نہیں پایا جاتا اور اس وجہ سے کوئی سبب نہیں معلوم ہوتا کہ اسے عطا سے کیوں دسترس کیا جائے۔

یہ خیالات کا نظام سات کے عداد اور عام دلفری کے لحاظ سے سنہ ۱۸۵۰ء کے خیالات سے ملتا ہے عطا کے تیسرے سلسلہ کے وادیوں کے نام لکھتا ہوں :-

اس جو ساکن بن سبزی کے اور کچھ نہیں ملتا۔ اگر کوئی پاک شے اس
سند میں گر جاتی ہے تو وہ اپنی مخصوص سبزی کو گم کر دیتی ہے۔ انہوں
جو دھو دینے پر وہ آئینہ جلی ہو جاتی ہے۔ وہ موجود ہوتی ہے اور نہیں
ہوتی ہے یہ کیسے ممکن ہے؟ ذہن اسے سمجھنے کی طاقت نہیں
رکھتا۔

”اردو“ اور نگ آباد

مذہب اور خانگی امور کا انتظام

انسانوں کی طرف آگیا۔ مصریوں نے بعض بڑے بڑے آدمیوں کی
پرستش شروع کر دی۔ بائبل میں انطاری کی کتاب پڑھنے سے معلوم
ہوتا ہے کہ ابتدا میں مصریوں کے صرف تین خدا تھے (عمون) بوشیہ
(شباک) خیر فانی (را) خالق موجودات۔ پھر مصریوں نے ان خداؤں
کو ایک جوتے معبود (راؤزیریس) سے جا ملایا۔ اور ان کو اس کا منظر
ٹھیر لیا اس قدیم خدا کی طرف انہوں نے روشنی اور سورج کو منسوب
کیا۔ اس کی بہن (ایزیس) جو اس کی بیوی بھی تھی۔ شرف خداوندی
میں اپنے بھائی یا شوہر کے شریک بنی (۲) اولاد کی آرزو میں مصری
(راؤزیریس) بچہ پڑے تھے (۳) ان کے علاوہ مصریوں کی ایک اور
بھی معبودہ تھی جس کا مرتبہ بنوں میں (ایزیس) کے برابر تھا۔ نام اس کا
نیٹھا اور سکی کہ کتاب تھا۔ نیچر کی پیدایش کا شرف اسی کو حاصل تھا۔
اس بنا پر کہ مذہب قومی اخلاق کا آئینہ ہے مصریوں کا
منصف لطیف کو جس قوی کی طرح رشتہ خداوندی تک پہنچا دینا اور
انہیں معبودانہ ملامت کی داغ بیل میں شریک کرنا مصری تمدن میں عورتوں
کی قدر و منزلت ظاہر کرتا ہے۔

(نیز نگ خیال)

وہ جاتا ہے۔
وہاں تو ایک وحانی شائع کے سامنے ہزاروں تاریکیوں کو چھ
گیجے ہوئے ہیں غائب ہوئے دیکھ کر جبکہ سبز ذخائر کی وہیں ساکن
ہو جاتی ہیں تو وہ نقوش جو پانی پر پڑتے ہیں غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ
نقوش محض عالمائے موجودہ و آئینہ ہیں۔ جس شخص کا دل اس مندرجہ
کم ہو جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ کے لئے معدوم ہو جاتا اور سکون پالیتا ہے

جس طرح مذہب کا اقوام عالم کی زندگی کے انقلابات پر اثر پڑتا
ہے۔ اسی طرح وہ قوموں کے رجحانات۔ ان کی روحانی ترقی اور ان
کی ذہنیت کا اچھا نمونہ ہے۔ اس لئے ہمیں مصری عورت کا مکمل
و معصّل حال دیکھنے کے لئے مصریوں کے مذاہب کی چھان بین ضروری
ہے۔

انسان کی اجتماعی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اگلی قوموں میں
ایک مذہبی طریقہ طوطے سے موسوم تھا۔ طوطے کا کوئی جانور ہے جسے
قومیں پوجتی تھیں۔ ان کا گانا خدا کا ان کی نسل اسی جانور سے پہنچی
ہے۔ اسی قاعدہ کے لحاظ سے مصری اصول عبادت اور اجتماعی
نظام پر کار بند تھے۔ لیکن ان کا نظام اجتماعی رفتہ رفتہ بدل گیا۔ اور
صرف ماں کے کہلاتے تھے۔ مصری تمدن کے ہر دور میں یہ طریقہ رواج
رہا۔ یہاں تک کہ اہل یونان غائب ہو گئے جن کی حکومت مسئلہ سے
مسند پر بیٹھ گئی تھی انہوں نے مصر میں یونانی تمدن کا بیج بویا۔
جس نے مصریوں کے مذہب اور ان کی خصوصیات میں انقلاب عظیم
پیدا کیا۔ بادادور اس وقت بدل کے بھی جنوں پر ہیر و غلیفی خطے رونما
کئے نام لکھنے کا طریقہ اور ان کو ماؤں کو منسوب کرنے کا رواج اور اگرچہ
اقلیت کے ساتھ یونانی مصر کے زمانہ تک باقی رہا۔
یونانیوں کے تسلط سے مذہب کا رخ بھی جانوروں سے پھر کر

ترقی

زندگی کے ایسے اصول قائم کئے جن سے خواست، محبت، اتفاق، عزت
تذلل و افلاس اور تعصب و جہالت گسے جانور طرف سے گھٹیں اور
جن کی بدولت اُسے تنہا کھینکے کو کھڑا اور پیٹھ پھٹے کو روڈی میسر نہ
کئے۔ گوں کو انکار و عزت آج کل دہشت میں ان کا عشرہ عشر بھی اگلے

کہا جاتا ہے کہ اصل کا زمانہ نہایت ترقی یافتہ اور تہذیب و تمدن
کی معراج کا زمانہ ہے لیکن مجھے اس سے اتفاق نہیں۔ میرے نزدیک
ترقی کا مفہوم یہ ہے کہ انسانی رنج و تکلیف میں کمی اور آرام و راحت میں بیشی
ہو۔ اور میرے نزدیک اس قوم سے کہ قابل الزام کوئی قوم نہیں جو تمدنی

جائے کہ جس دستہ پر کچل دیا جا چلا ہی ہے وہ کس اس کی مصلحت نہیں
 چاہیں راہ کہ میری بی بی کے ساتھ بہت چل رہے ہیں کہ خدشہ حال کی خیر نہیں
 اس نظریہ پر قائم ہیں کہ قریبی کسی کمزور کو فدا کر کے صفحہ و بنائے جیتے یہ
 نظریہ نہیں ملے گا اور طاقت کی نشان دہی نہ ہوگی اس وقت تک صبح انسان فی نفسہ
 کا وجود میں آنا محال ہوگا۔ مجھے یہ اصول پسند ہے کہ قومی کسی کمزور کو فدا کر کے
 بجائے اس کی دشمنی اور معاہدہ نہ ہوگی دشمنی کی بجائے ہر کوئی تمام اصولوں کے
 مسئلے کی ضرورت ہوگی جو نظریہ ملحق میں صفحہ میں عزیز بڑاں جسٹس خلاق حسا اور
 جذبات قدرتی کی قیادت اور قوت عمل صالحہ کو مسلسل منبش نہ ہوگی اس وقت
 تک زندگی خوشگوار پر امن اور رشتہ افرو کا مایہ نہ ہوگی۔ (دکابانی،

زمانے میں نہ تھا سب باتوں کو دیکھنے جاؤں سے میرے لئے ہیں بگلی کوچلی
 سڑکوں، دھگاہوں، بندروں میں گداگروں کا وہ بچہ ہوتا ہے کہ اللہ اس
 مفید پوش کوگوں کی اندرونی خستہ حالی اور غلبی پریشانی کی جو کیفیت ہے۔
 وہ بیان سے باہر ہے ان مصائب اور دردناک مناظر کے احباب کیا ہیں
 اگر زمانے کی تہذیب کو دعویٰ ہے کہ مصلح کمال کو پہنچا رہی ہے تو ان تکلیف
 وہ حالات کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کیوں کر ثابت ہو سکتا ہے۔ تہذیب
 کے ہمنے تو یہ ہیں کہ گوشہ عالم میں خوشی کی نہیں ڈوٹی نہیں اور غلطی کی
 رحمت میں دمیدم اضا فہ ہوتا رہے۔ اپنی حالت کو ماحول کرنے کے لئے
 مختلف ملکوں اور قوموں کے پیچیدہ دلوں اور فہمیدہ دماغوں کو فدا کرنا

باغ و بہار

کنج دلچسپ ان میں کلیوں اور چھوٹکی بہار
 ہر روش کے دونوں جانب سبزہ مخمل کا ہر فرش
 کھلتی ہیں شاخوں میں کلیاں جب کھلتی ہے ہوا
 ایک گیند ایتیاں خوش رنگت جیسے سینکڑوں
 پتیاں میں لال لال اور ان میں زیرہ زندہ
 حوض بھی نہیں بھی فواروں کا بنجیں لطف ہو
 لڑکھڑاتی چلتی ہے ہر موج توالے کی چال

اس جو سورج ڈوبتا ہر شوق اتبو کھر چلو
 اس چمن سے گل کے نظارہ کا وعدہ کچلو
 شوق قدوائی

حقیقت گینا

بجدِ دل میں گرچہ طوفانِ خیز ہے افسوں ترا میں حقیقت کو پہنچ کر ہو گیا ممنون ترا
 تیری اغزش نے کبھی سجدوں پر آمادہ کیا اور بباطِ نرم نے کو تو نے سجدہ کیا
 علمِ حق کی شمع افروزی جس گیسوئی تیری سیلی اُستاد سی ہے حکمتِ آموئی تری
 خوانِ دل پر شوخِ بخت کی نسکدانی بھی ہے حُسن کی کشور میں گیسو کی پریشانی بھی ہے
 پستی و اُفتادگی میں بھی نموکا راز ہے زور سے گر کر اُبھرنا بھی پر پر واز ہے
 رازِ نہاں دہر کا چشمِ حقیقت پر کھلا اک کٹھنِ منزل ہے تو بھی بر سرِ راہ ہدا
 کجروی ہوئی نہیں جب باعثِ تسکینِ دل جانبِ حق کو لپیٹ جاتا ہے پھر آئینِ دل
 تو نے روشن سب کا نیک مضمون کیا تیری تاریکی نے محسنِ نور کو افسوس کیا

شعلہٴ حق برزق پاتا ہے ترے خاشاک سے

گلشنِ عُرفاں کے پھول اُگتے ہیں تیری خاک سے

رعیم

انگریزی

عظمت برطانیہ

مقررہ قواعد کے ذریعے ظلم اور جبر سے محفوظ کیا گیا ہے۔ ذرا غور سے تو دیکھو کہ ہم کیا ہیں اور منصفانہ قوانین نے ہمارے لئے کیا کیا ہے۔ اس سترین کو سچا دشا اور بریز گاری کا مرکز بنا دیا ہے۔ گویہ جیسے ہسپتال اور قرا لنگا جس بکثرت سے ہوشی ہیں۔ ہم نیک سامریوں اور ہم نوع بشر کا درو رکھنے والی قوم بن گئے ہیں۔ تمام ممالک اور سمندر باریخی شجاعت کا لوہا مان چکے ہیں ہم نے حل ہی میں اس کو نیا ماس ڈالا ہے جو دنیا کی حفاظت کے لئے میان سے نکالی گئی تھی۔ ہم نے اچھی اچھی وہ بھال لمار کر رکھی ہے۔ جو اقوام عالم کی حفاظت کیلئے لگائی گئی تھی۔ خدا نے ہماری زمین کو سرسبز بنا رکھا ہے۔ انگریزی مشینوں کے لئے تختہ اٹھا رہی ہیں سر کرہ ارض کے تمام سمندر انگریزی جہازوں سے ڈھکے پڑے ہیں۔ فنون لطیفہ کی بدولت ہم فاضل شہت ہو گئے ہیں ان کی علم ادب سے ہم مذہب بن چکے ہیں علم انیس ہمارا دھنسا ہے اور ایسی قوم جو غلامی کی زنجیروں کو توڑ پھینکتی ہے وہ ان نظروں اور ذہنوں میں اصول کیلئے حامیان آزادی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتی ہے جو اس قوم میں زندگی کی روح جلو ملک کو تسلی دہنائی کر سکتے ہیں۔

عدلی

دوستوں کے آداب

(۱) دوست سے پہلی چیز عقل ہے۔ یاد رکھو کہ کسی احمق کی دوستی کبھی بھلائی کا موجب نہیں ہوتی۔ سب کے وجہ اپرا حق کی دوستی میں یہ ہے کہ وہ تم کو غصہ پہنچانا چاہیگا۔ لیکن اس کا سر وہ کام جو تمہارے نفع کیلئے ہو گا تم کو نقصان پہنچائے گا۔ اس لئے یہ کہنا درست ہو گا کہ ایک سمجھ دار اور عقلمند دشمن بوجھ اور احمق دوست سے بہتر ہے۔

(۲) دوست کے اوصاف میں دوسری چیز اچھے اخلاق کا ہونا ہے۔ کیونکہ بد اخلاق شخص غصہ اور برہمی کے وقت اپنے نفس کو قابو میں نہیں رکھ سکتا اور جو شخص اپنی طبیعت پر قابو نہ پاسکتا جو اس کی بدکلی خطرے سے خالی نہیں۔

(۳) اصلاح نفس کیونکہ جو شخص اپنی طبیعت کا مالک ہے۔

کامیابی کے اس قدم کے مقابل میں خوش قسمتی کا تار کوڑے لکڑے ہو کر رہ جاتی ہے۔ جن قوموں کے جج سے انصاف بھٹے ہیں ایسی قومیں دے گئے ہو گئے ہیں کہ جاتی ہیں۔ کیونکہ ان میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جسے عوام قابل مہارت خیال کر سکیں جن قوموں سے ہم جیسا سلوک ہوتا ہے وہ گرامینس کرتیں ہاں اس طرح سے ہم عروج پر پہنچیں ہیں میں نے ہم پہنچے ہیں اور اس طرح سے جیتی ہیں جس طرح سے ہم بھٹتے ہیں اور اس طرح سے کرتی ہیں میں نے ہم سے ہم سے ہیں۔ ہم انصاف کے اس قدر عادی ہیں اور آزادی کے اس قدر مددگار ہیں کہ اس زندگی کی پروا ہی نہیں کرتے جو منصفانہ اور آزادانہ ہو۔ اگر میں نے اس قدر مددگار کی تصور کیجیے میں مہافض سے کام لیا ہے تو شہادت کیلئے میں آپ کو دعوت دیتا ہوں۔ منور تو ابھی اچھی نیام میں ڈالی گئی ہے۔ بھلا ابھی حال ہی میں لپٹا گیا ہے۔ مل جل جنگ کی آخری آواز بھی ابھی مدہم ہوئی ہے۔ آپ کو یاد ہے کہ اس ملک نے کس قسم کے نفع کے کاغذ پر کیا تھا۔ ایک ہی دل تھا ایک ہی آواز ایک ہی تھیاد اور ایک ہی مقصد تھا اور کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ یہ ملک فورن ملک ہے۔ اس ملک کا جج کسان اور بادشاہ کا کیساں جج ہے۔ ہر آدمی کی خوشحالی

وہ شخص تمہارا دوست نہیں ہو سکتا جو کل پہنچا غور جی۔ کہیتہ پن۔

بھلائی اور غصہ میں مشورہ ہے۔

اور نہ تم اس شخص سے اخلاص کی امید کر سکتے ہو جو نہ تمہارے ہیڈیں کھپا سکتا ہے۔ نہ فضول گوئی سے پرہیز کرتا ہے اور نہ دولت اور رسوائی کا اس پر کچھ اثر ہے۔

تم سوچو کہ وہ شخص کس طرح دوستی کی ذمہ داری کو پورا کر سکتا ہے جو نہ اخلاص کے پختے سے واقف ہے اور نہ اس کی عقل میں یہ بات آتی ہے کہ دوستوں اور دشمنوں کا مرتبہ کس قدر بلند ہوتا ہے؟ اور اخلاص و محبت کے آداب کیا ہیں؟ انما غزالی کا قول ہے کہ جب تم کسی شخص کو اپنی دوستی کیلئے انتخاب کرو تو اس میں ذیل کے پانچ اوصاف کی حاجت ضرور کرو۔

اور ہم کو ایسے لوگوں کو دوست بنانا چاہئے جو مال و دولت کے مالک نہیں کیونکہ ان کی دوستی ہم کو مالی پریشانیوں سے نجات دلا سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہم بہت سے دوست ایسے ملیں گے کہ ان کے دل کی گہرائیوں میں توختہ اور اخلاص کے جذبات نہ ہوں گے لیکن وہ بظاہر ہم کو اپنی دوستی کا یقین دلائیں گے ایسے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ ہم ظاہر و اداری سے چین آؤ۔ ان پر سنا سب طور سے احسانات کرو لیکن اپنے مازلوں کو چھپاؤ اور اپنی خاص باتوں کا ان سے ذکر مت کرو۔

ایک فلسفی کتاب ہے کہ اگر تم کسی شخص دوست کو انتخاب کر رہے میں کامیاب ہو جاؤ تو تمہارا فرض ہے کہ اس کے ساتھ اپنی رائے سے پیش آؤ۔ کاموں میں اس کی امداد کرو۔ خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔ اور اس سے اس طرح ملو کہ تمہارے چہرے پر سرت و نشاط کا آثار نہ ہو (جامع الادب)

حامد الانصاری
غازی

ہنجاری

تنقید نگاری

کہ ہر بات کو پرکھیں اور نہ ان کو اتنی فصاحت ہوئی ہے کہ اچھی طرح تحقیق کر کے تنقید لکھیں۔ کیونکہ جو بات خوب تحقیق اور غور و خوض کے بعد لکھی جائے اس کی تولی اور خرابی خود بخود ہی ظاہر ہو جاتی ہے اسی کے منہ میں اس کی توصیف اور نکتہ چینی بھی ہو سکتی ہے۔

اسی لئے بہت سے ایڈیٹر تو صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ اس بات سے اتفاق نہیں ہے کہ "باظان بات عجیب نہیں ہے" وغیرہ وغیرہ۔ ایسی تنقیدوں کو تو دوری سے سلام ہے اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

دیگر زبانوں کی نئی نئی کتابیں دیکھو کہ کرم آزادی کے ساتھ ان کی تقلید نہیں کر سکتے۔ خدائے ہم قدیم الناک نہ کہ کوٹھک پر کی ڈیڑھی (نہیں کہہ سکتے) شکستہ کی ڈیڑھی میں ہمیشہ اپنے سنے کے کا بھل آپ بات ہے۔ اس کے نام ڈرائے بیچ والے کے زہر سے بھرے ہیں۔ انہیں ہر وہ حالت نادر پر ترس آتا ہے اور وہ ہیر و موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ مگر باوجود اس کے آخر میں کینٹی (ذریعہ) کا پارٹ بھی آتا ہے۔

جس نے ابھی تک پاکیزہ اوصاف کو قبول نہیں کیا اس شخص کی دوستی ہم کو گراہیوں اور بجانوں میں مبتلا کر دینے کا موجب ہوگی۔

دہم، دوست چاہیں نہ ہو نا چاہئے۔ کیونکہ دنیا میں بیعتیں ایک دوسرے کے اثرات قبول کرتی ہیں۔ تمہارا حوصلہ دوست عزیز اس کا باعث ہو سکتا ہے کہ تم کو بھی حوصلہ کی نصرت میں گرفتار کر دے۔

(۵) سچائی۔ کیونکہ جھوٹا دوست سرباب کی مانند ہے جو تم کو دھوکے میں ڈال رہا ہے۔ اس کی ہر بات میں دھوکہ ہوتا ہے۔ اور اس کا کوئی فعل دھوکہ سے خالی نہیں۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ بڑے علماء، حکماء اور عقلمند لوگوں میں سے دوستوں کا انتخاب کرنا چاہئے کیونکہ ان کی دوستی ہمیں عقل و حکمت اور فہم و دراک کی دولت سے مالا مال کر دے گی۔

اور ہم کو اہل عقیدت سے دوستی کرنی چاہئے اس لئے کہ ان کی صحبت سے تم فائدہ حاصل کر سکتے ہو۔

تنقید نگاری زبان کی صحت یا عدم صحت پر بحث کرنے کو کہتے ہیں اخباری تنقید میں اکثر اوقات پرے دے کی بجائے پروائی اور غیر ذمہ داری کا اظہار کیا جاتا ہے اس سہل انجاری کے باعث ناظرین کے دلوں میں بھی ان تنقیدوں کی بے وقوفی گھر کر لیتی ہے۔ ایک کتاب ایک شخص کو تو دلچسپ معلوم ہوتی ہے مگر دوسرا اس کو بے لطف خیال کر سکتا ہے جس کتاب کو ایڈیٹر دلچسپ کہہ دیں ممکن ہے کہ وہ مجھے ملے ننگے یا مٹا ملنا اس کے برعکس ہو۔ کسی کو طواغیت و بدعتیہ اور کسی کو مٹنی اگر ہم کہیں سے اتنا سنی پائیں کہ باورچی خانہ میں کوئی چینی پیڑ تیار ہوئی ہے تو ہمارے دلوں میں بعض اوقات دہم سا پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جس کتاب پر تنقید لکھنی ہو مٹنا اس کی زبان میں اچھی طرح سے نہ لکھی جائے اس کی خوبیاں اور نقائص کی جانچ نہ کر لیا جائے اس وقت تک ناظرین کی آنکھوں میں چم نہیں ملتی۔

کسی اخبار یا رسالہ کے ایڈیٹر کے پاس تو طرح طرح کی کتابیں آتی ہیں ان پر ان کے مصنفوں نے کافی محنت کی ہوئی ہے کسی کتابوں کا مطالعہ کر کے مواد جمع کیا ہو تمہارے۔ ایڈیٹر اسے عالم و فاضل نہیں ہوتے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ نقائص نہ نکالے جائیں بلکہ ہر ایک صنف کو زبان کی اصلاح ضرور کرنی چاہئے۔ اس میں کسی قسم کے شکوے اور شکست کی بات نہیں ہے جن کتابوں میں زبان کے نقائص چلے آتے ہیں ان کو اول تو کتابوں میں شامی نہیں کرنا چاہئے۔ اگر ہوں بھی تو وہ صحت بخش کتابیں نہیں کہلا سکتیں۔ ”پھلوٹاری“ امرتسر

فارسی

ایران کی تربیت و اصلاح

ایران کے حامی مخلص نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر مخلص ہیں تو کیوں اصلاح کا کام شروع نہیں ہو جاتا اور کیوں ہم ابھی تک یہ مخلص نہیں کر سکے کہ اس طویل راستہ کا سرا کہاں ہے جس پر ہم چلنا چاہتے ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ اس صحت میں اہم اور خطرناک مفاہد کا ذکر کر لو تاکہ ہم انہیں کی اصلاح سے کام شروع کر دیا جاسکے۔

سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ ایرانی باشندوں کے پاس روزنامہ معاشری امور کے حصول کے لئے ذرائع موجود نہیں ہیں۔ فقرہ فاقہ روز بروز ترقی کر رہے۔ خوب زیادہ ہو رہی ہے مخلصی بڑھ رہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کے پاس کچھ سرمایہ موجود ہے۔ بعض لوگوں کو ورثہ کے طور پر کچھ جمع کیا ہے اور بعض لوگوں نے بینکوں میں روپیہ جمع کر کے کچھ پونجی پس انداز کر لی ہے۔ لیکن انہوں نے تو یہ اوجھڑ کر ہے تو اس امر پر کہ ایسے لوگوں میں پر احساس باطن نہیں ہے کہ یہ روپیہ کس طرح خرچ کیا جائے تاکہ اس سے روزانہ ضروریات بھی پوری ہو جاتی رہیں اور اس میں اضافہ قریبی ہوتا ہے۔

افراد وطن کی بونجی اور خوش حالی کے دوسرے اسباب۔ عدالتی اخراجات۔ دوا علیٰ امن و امان کا فقدان۔ اور آفات ارضی و سماوی ہیں ایران ایک ایسا ہی بھلے جس میں روح نہیں۔ ایک ایسا جسم ہے جس میں دل نہیں۔ بہار وطن ایک بغیر گوشت و پوست کا ڈھانچ ہے اور بس۔

ایک غم انگیز حقیقت ہے کہ ایران میں جو لوگ کل آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے آج کل ان کی اولاد اطمینان و سکون اور راحت و آرام کے اسباب سے محروم ہے۔

شہری باشندے بیشک بظاہر بھی حالت میں معلوم ہوتے ہیں

تغذیر کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس بارے میں خوارنگ ہے اور ایمہ اور فرجیہ کی عجیب و غریب معجزہ کرکٹ تیار کی گئی ہے۔

تغذیر دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک کو تبصرہ کہتے ہیں اور دوسری کو نکتہ چینی تبصرہ کا درجہ تو عام ہو گیا ہے۔ ہر ایک ایسے ایرانی افراد کو مد نظر رکھ کر چند مسئلوں میں تبصرہ کرنا تاہم اور نکتہ چینی کی طرف مطلق دھیان نہیں دیتا۔

آج میں اس امید اور اس آرزو کو دل میں لیکر نظر اٹھا رہا ہوں کہ جس طرح حکومت جرمنی اپنے فرزندوں کی تربیت اور ذہنی و فکری نشوونما کیلئے سرگرمی کا اظہار کر رہی ہے۔ اسی طرح حکومت ایران کے احساس افزا بھی اپنے لڑکھانوں اور وطن کے فرزندوں کی تہذیب و تربیت کے لئے خلوص دل و نیت خاص اور مضبوط ارادے کے ساتھ کام کرنا نہ کر سیکر میں آجاتا ہوں۔

وطن کے بھی خواہ و سناؤ! میں تحریری طور پر تمہارا سے اور تمہارے رفقاء کے برابر قدم رکھنا چاہتا ہوں اور خیال کرتا ہوں کہ شاید تمہاری رفقاء و تربیت کی برکت ہی سے مندرجہ شغف و پر جلدی پہنچے میں کامیاب ہو جاؤں۔

کیونکہ راستہ پر خطا اور دشوار گذار ہے جس پر تہمتا سفر کرنا پڑتا کا باعث ہے۔

میں اکثر سوچتا ہوں کہ ایران کی خرابیوں کی اصلاح کی ابتدا کہاں سے اور کس طرح سے کی جائے۔

اور اپنی طبیعت کو عجوبہ کرتا ہوں کہ ایران کی اصلاح کے بارے میں جن رایوں کا اظہار کیا جا رہا ہے وہ کہاں تک ایران کے مرض کا مدد کر سکتی ہیں۔

یہ تو ہر شخص کہتا ہے کہ ایران کو کسے مٹا سکتے ہیں پاک کر دیا جائے لیکن یہ کہ اصلاح کا کام کس طرح شروع کیا جائے اس کے متعلق کوئی کچھ نہیں کہتا یہ سب کہتے ہیں کہ نہ نوازی کرنی چاہئے۔ لیکن یہ کہ اس نذر کے کون سے تار کو پکڑنا چاہئے اس کے متعلق ہر شخص خاموش ہے اور ایسی جگہ سرری ذہنی اور فکری قوتیں جواب دیتی ہیں اور میں حیرت و تردد کے جنگل میں پریشان کھڑا رہ جاتا ہوں۔ سوچتا ہوں کہ کیا اصلاح

حکومت تک نہیں پہنچا سکتے۔ کیونکہ ان کے پاس نہ ذرائع ہیں۔ نہ اسنادیں یہ جی ہے کہ ایران کے دربار میں رسائی حاصل کر سکیں۔ وطن کے ہی خواہو! وہ مفاد ہیں جن کا آزالہ میں سب سے پہلے کرنا چاہتے تاکہ ہم اپنے وطن کی اصلاح کے مقدس فرائض میں کامیاب ہو سکیں۔

حکومت الانصار (ایرانشہر)

اطالوی

روما

دویر جدید کی ہے۔ کوئٹہ کے بڑے بڑے سینا رول کے کسب گھیرے میں شہر روما کی نزاکت کی نسبت زیادہ متاثر ہوا۔ میرے خیال میں اگر کوئی شخص صرف روما ہی میں رہے تو اسے دنیا بھر کے لوگوں کی اکثر جماعتوں میں سے ایک نہایت ہی دلچسپ جماعت کا پتہ لگیگا۔ یہ جماعت سرسراہٹ اطالوی ہے۔ لیکن اس جماعت میں نام یورپ کی تشریف اور مذہب جماعتوں کے نمائندے موجود ہیں۔ جو یہاں کی مجلسیں اور مجلسین متحد ہی دلچسپ ہوتی ہیں

مجلسی منافرت

اس جماعت کی کامیابی کے رستہ میں بڑی بھاری مڑکاؤٹ یہ بھی کہ پاپائے روم کی سپاہ پوش جماعت اور گورنمنٹ الٹی کے حاکم اپنی باہمی سیاسی منافرت کا جزو بن کر بڑھاپہ طور پر کرتے رہتے ہیں۔ اگر آپ اتفاق سے کسی سپاہ پوش مصلحت میں ملے جائیں تو آپ کو دیگر سیاسی جماعتوں کا کوئی رکن بھی نظر نہ آئیگا۔ اسی طرح سے سفید پوش جماعت کی مصلحت میں سپاہ پوشوں کو گھسنے نہیں چاہنا۔ میرا خیال ہے کہ پاپائے روم اور گورنمنٹ الٹی کی باہمی مصلحت کا سبب یہاں تک کہ جو گلا اس تکلفہ منافرت کا قلعہ ہے جو جیتکا اور رومانی مصلحتی زندگی زیادہ خوشگوار ہوگی۔

لیکن ان میں سے اکثر حکومت کے فرائض اور کمیشن وغیرہ میں عام ہیں اور اپنی باہم آراء اپنی پوری قیاس کرنے کے بعد وہ یہ قرض لیتے ہیں اور قرض خواہوں کی بندشوں میں گرفتار ہیں

دہات اور اطراف کے آدمیوں کی حالت بھی اچھی نہیں۔ فقر و فاقہ نے ان کی راحت و آسائش کو اور ان کی آرام و طمانیت کو جیسے دکھا کر پھینک دیا ہے۔ ان اطراف کے غریب باشندے ایک دوسرے کے حال سے بے خبر ہیں۔ یہ سیکشن اپنی منغلہ کی حیدر کو طہران کے اہوان

میں ان چند اشخاص میں سے ہیں جنہوں نے وہ سارا زمانہ رومانی میں گزارا جبکہ روم کے سوال کی بنا پر اٹلی میں سخت سستی پھیل چکی تھی۔ اس وقت روم میں پچاس ہیکڑ آسے اٹلی والوں کے ہاتھ میں آئے ہوئے ایک زمانہ گزر چکا تھا۔ اور وہ اٹلی کا ملکی دارالحکومت بن چکا تھا۔ درحقیقت مجھے روم جانے کا اتفاق صرف ایک ہی دفعہ ہوا ہے اور وہ بھی صرف ڈیڑھ دن۔ مجھے ڈرائنگ روم قرار کرنا پڑا ہے کہ میں روم کو دیکھ کر باورس سا ہو گیا۔ مجھے اس کا ہیئت جانے دفعہ پسند نہ آیا۔ مجھے اس کی شخصی وسعت بھی پسند نہ آئی میں نے ان اشخاص سے قیام نہیں کر سکا کہ اس کی غیر معمولی خوبصورتی اور اس کی دلچسپ چل چل کا اندازہ کر سکوں۔ میں نے سینٹ پیٹر زبرگ کے گھر کی زیارت صرف ایک ہی دفعہ کی اور کچھ پوچھ تو میں اس کی وضع دیکھ کر حیران سا رہ گیا۔ بینک وہ خوبصورت قصبہ اور گردشہ غفلت کی یادگاروں کے باعث اس ایک ایک ایچ مقدس ہے۔ لیکن وہ اس قسم کا گرجا نہ تھا جس کی توقع میں سے باندھ رکھی تھی میں نے اس سے تھوڑے ہی دن پہلے شہر کوئٹہ کا عجیب و غریب گرجا بھی دیکھا تھا اور اسی لئے میں نے کوئٹہ کوئٹہ کو روم پر ترجیح دی تھی۔ البتہ یہ دونوں عالی شان عمارتیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں کوئٹہ کی طرز تعمیر کوئٹہ ہے اور رومانی طرز تعمیر

لاطینی

افلاطون کی روح

عقاب! تو اس قبر میں کیوں اڑتا ہے؟ تو کس شام لار اور اُڑے گھر کی جانب اُڑ رہا ہے۔ میں تو تیرے طرا افلاطون کی روح

آیا تو اسے ٹوٹے کی بجائے دیتی تھی۔ اُس کی اُمید یا وہی میں مل گئی۔ ایک کو تو ہم بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور دوسری کو لے لیتے ہیں۔ آسمان کے بلند گنبد کے نیچے قسمت ہی تو خدا ہے جو کچھ ہم سہتے اور کرتے ہیں۔ اس کا انحصار خود ہم پر اور حالات پر ہوتا ہے۔

عکس ہوں۔ میں آسمان پر پرواز کر رہا ہوں۔ اتنے تر کو صرف سیری لاکٹ ہی روکتی ہیں۔

اسید کی جھلک

ایک آدمی گھلے میں رسی ڈال کر خود گشی کرنے ہی کو تھا کہ اُس نے ایک جٹوا دیکھ کر رسی کو پھینک دیا۔ مالک جب اپنا مال لینے کے لئے

ترکی

مادہ پرستوں کے اعتراضات

بھی کر لیا جائے کہ جسم انسانی میں قوی روحی موجود ہیں تو یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ روح جسم کے درمیان قرار پذیر ہو اور اگر ہو گئی تو وہ جسم کے کس حصے میں ہوگی۔ اُن کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ترکیبات بدن انسانی کی بنیاد قوائے روحی ہیں یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ روح اور جسم کا آپس میں اختلاط ہو اور اگر اختلاط ہے تو روح اور جسم کے درمیان کیا تعلق ہے۔

مادہ پرست کہتے ہیں کہ روح جسم انسانی میں قطعاً کوئی خارجی وجود نہیں رکھتی۔ دنیکی خلقت ہر تن جسم سے مرکب ہے اور تمام ادراکات و شعور کا مرکز وہ قوت عقلی ہیں جو مغز میں واقع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مغز انسان اُس کے سر سے نکال لیا جائے تو اس کی قوت ادراک کلی طور پر زایل ہو جاتی ہے اور شعور کا فقدان ظاہر ہو تا ہے چنانچہ یہ دلیل اس امر کی ہے کہ عقل و ادراک مرکز مغز یا دوسرے جسم انسانی میں قوی موجود نہیں۔ باتیں یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر رومانیوں کے اس عقیدے کو تسلیم

ہسپانوی

دعا

عورتیں ہمت سے لگاتی ہیں۔ دریا تیز خرا می سے بہتے ہیں۔ پانی چمکتا ہے۔ سائے کا پتہ ہیں اور بھی نمی ندیاں سر کندھوں کو حرکت دیتی ہیں اور دنیا کی تمام پاکیزہ اور حسین چیزیں جگمگاتی ہوئی اُس کے دل سے پیدا ہوئی ہیں۔ اور اس کے دل کے بہارستان میں ایک خوش آواز پرندہ گاتا ہے۔

آہ! مجھے وہ روشنی دے جس سے میں اُسے دیکھ سکوں۔ وہ حسن دے کہ میں اس میں جو محسوس کروں۔ وہ راستہ بتا جس پر چل کر میں اُسے عاشق کر سکوں۔ اُس محبوب کو تلاش کر سکوں جس کا حسن دیکھنا نہایت کا نشان ہے جہاں سے وہ گذرتی ہے۔ وہاں ستارے جگمگاتے ہیں۔

جاوی

خوش آواز پرندہ

لیکن میں سمجھ گیا۔ یہ آواز میرے دل میں میری خواہیدہ روح کو بیدار کر رہی تھی۔ حالانکہ یہ خونیندگی وادی میں سے آتی تھی۔ میرا دل چین ہو کر دھڑکنے لگا۔ پرندے کی خوش آواز آواز مجھے کہہ رہی تھی۔ تو بے جاں ہے۔ تجھ میں زندگی نہیں۔ میرا دل کتنا تھا۔ تو نے مجھے

گذشتہ رات ایک پرندہ کا ایک جھاڑیوں میں چھپا اپنی حیرت انگیز آواز میں گارہا تھا اور اُن جھاڑیوں پر نیند کی غنودگی طاری تھی ان پھاڑوں کی نیند کی غنودگی جو سمندر کے کنارے غنودہ رہتے ہیں اور پانی کی کہہ پیکر کو جوں کے پیکر ہاڑوں سے بھی بیدار نہیں ہوتے

زندگی دی ہے، لیکن وہ آواز برابر مجھے بھٹلائی تھی تنگ آکر میں نے
امادہ کر لیا۔ کہیں بھی اسی طرح گاؤں اور سوسے ہوئے انسان کو بیدار

فرانسیسی

شام

نیز جو زمانے کے تفکرات اور خیالات کو دامن میں لئے ہوئے ہے
نزدیک پہنچ چکی ہے۔ اُن کی خاموشی کی مسلسل لیکن دھیمی دھیمی آوازیں
آوارہ و سرگردان اُس تک آتی ہیں۔ لیکن کیا وہ بھول اُس کی آنکھیں میں
جوشنِ شمع کے قطروں سے تنگستہ ہو جاتے ہیں یا وہ ستارے ہیں جو رات
یک نہیں جھپکتے۔

وہ تہمتا ہستہ دریا کے کنارے ریت پر پھر رہی ہے اور اس کی پیشانی
برون کے بوسے کا مدبر سا نشان ہے وہ خاموشی کے ساتھ شفق کی حرکت
سے آتی ہے اور اس خیال سے مسکرا رہی ہے کہ ابھی صبح بہت دور ہے
دن کی تک اس کے ارد گرد منڈلا رہی ہے۔ اس کے بالوں میں سوسن
کے شگفتہ بھول ہیں جو موت کے ڈر سے پکیا پتے ہیں اور شام کی بیٹی

جسبرمن

اندھی لڑکی

دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے تو نے بلند پہاڑ اور دریا پیدا کئے ہیں۔
جن کا نظارہ روح کو ایک طاقت بخشہ اور اہل ذوق پر تیرتی عظمت
آشکارا کرتے ہیں

اے خدا میں ان سب چیزوں کو دیکھنے سے قاصر ہوں۔ لیکن
تیری درگاہ میں کوئی شکایت نہیں کرتی۔ میں یہ بھی نہیں مانگتی کہ
مجھے ان نظاروں کے دیکھنے کیلئے بنائی دے۔ میرے اطوارِ ادل عزت
استقرار چاہتا ہے کہ میں اپنی ماں کا چہرہ دیکھ سکوں۔

ایک اندھی لڑکی نے بے تاب ہو کر اپنی ماں سے ہاتھ جوڑ لیا۔ اور
بھاگ کر پائین باغ میں چلی گئی۔ جب چاروں طرف ہاتھ پھیلا کر تسلی کر لی
کہ جہاں کوئی موجود نہیں تو بارگاہِ خداوندی میں ہوں۔ دعا مانگنے لگی
میرے اشرافِ مستجاب تونے سوچ پیدا کیا ہے۔ وہ دنیا کو
منور کرتا اور ہر شے کو زندگی بخشتا ہے۔ چاند ستارے بنائے ہیں۔ جہان بھر کی
راتوں کو دن کی مانند روشن کرتے ہیں کہتے ہیں تو نے رنگارنگ کے بھول
اگائے ہیں جو اپنی رنگینی اور خوشنودی سے دیکھنے والوں کی روح کو جنت

ملایا

نظارہ

آد اکاش - میں ایک بار پھر اُس حسن جہاں سوز کا نظارہ
کروں۔ جن سے میرے الفاظ میں الہام کا اثر ہو۔ خوشی کا شعلہ
مجھے جلا کر خاک کر دے۔ اور میں کائنات کے عبیدوں سے آشنا
ہو جاؤں۔

کاش میں اُس محبوب عجب جا سکتا جہاں سے میں آیا ہوں۔ جہاں
مجسمِ حسن کی حکومت ہے۔ جہاں سمندر کے کنارے میں نے اُس روح
کو دیکھا تھا جس نے تمام دنیا کو اپنا مفتون بنا رکھا ہے۔ کاش جب
ایک بار پھر سرسبز تپوں کے درمیان کھڑا ہوں۔ گڈریا بھیڑیں چرا
را ہوا اور سمندر کا پانی ساحل سے آکر بہنا رہو رہا ہو وہ ایک بار
پھر عین نظر آئے۔

ہندی

اے بھگوان

اے بھگوان تیا سبھارا میں آن پڑی ہے۔ اب کوئی کھیلوں نہیں
صرف تو ہے جو اس کو پار لگانے
اے بھگوان ساری دنیا خاموش سو رہی ہے۔ زمین چپ ہے۔ آسمان
چپ ہے۔ صرف تو جاکنا اور میری کشتی کو بچھو کے کھائے دیکھتا ہے۔
ساحل پر سخت چٹانیں ہیں۔ سمندر برا ذہیل چھار پاتا ہے۔ اب تو ہی میری
کشتی کا رکھوالا ہے۔ اور صرف تو ہے جو اس کو پار لگائے۔ اے بھگوان
رات کا رنگ چھپکا چھپکا ہے سستلے زرد ہو گئے پرو پٹنے والی ہے
لیکن نخل ابھی بہت دیر ہے تو ہی ہے جو اسے پار لگائے۔

دبچ

خوابگاہ

جہاں سوچ پوری آب و تاب اور درخشاںی کے ساتھ چمکتا ہے
شہد کی ٹھیکیاں ہوا میں ملبا سا نرم پیدا کر دیتی ہیں۔ زمین کی افواشیں
خوشبودار بھول کھٹے ہیں۔ جہاں سائے نایت آہستہ آہستہ
اور ہندے شام کی غنچ میں کھاتے ہیں۔ وہاں وہ لوگ سو رہے ہیں جس آہ
میں محبت تھی۔ ہاں سو رہے ہیں۔ انہیں آرام سے سوتے دو۔
ہم لگے نزدیک پہنچے ہیں لیکن ہمارے دہن کوئی غم نہیں ہم لگے بیدار ہوئے نہیں
اس بلغم میں جہاں وہ سو رہے ہیں آہ و بکا کا شور نہ ہونا چاہئے کیونکہ
وہ سہرے دھانڑوں سے گذر چکے ہیں۔ اول صبح صادق کے منتظر ہیں۔

مرہٹی

آنسری افانہ

برہا روج براتما کے پاس جاتی ہے۔ میں بزدل نہیں ہوں۔
دنیا کی رنگینوں کا طوفان میرے دل میں افونس نہیں پیدا کر سکتا۔
میں ایٹور کے جلال کو دیکھتا ہوں۔ میرا دھرم میرے گرد صفحہ کئے ہوئے
ہے۔
اے براتما جو میرے سینہ کے اندر ہے! اے جہاں اور ہر وقت
موجود رہنے والے مہبود! میری زندگی ختم ہو رہی۔ اور تمام عمر کی تلاش
کے بعد آج میں تجھے دیکھ رہا ہوں۔
وہاں کے ہزاروں عقیدے جن پر لوگ اس قدر جھگڑتے ہیں
لیے سود ہیں۔ بالکل بے سود۔ اور حقیقت کے بے پایاں سمندر
یہ یز مردہ دھرم صرف ایک خواب ہیں۔
یہ دلوں میں شکوک پیدا کر کے تیرے بھکاری کو تیرے راستے
سے گرا دے دیتے ہیں۔ آہ! انسان بے چارہ کی کشتی ہے جو خلابات
کے سمندر میں چھپکے کھاتی پھرتی ہے۔
لیکن تیری محبت ابدی زندگی دیتی ہے۔
اگر تین۔ آسمان۔ سورج اور چاند سناٹے اور انسان فنا ہو جائے
تو تیری جتنی پرہیز موجود رہتی ہے۔ تیرے بکسے کے دہرے کائنات آباد
ابھی ہے۔ ہر چیز فنا ہو سکتی ہے لیکن تجھے کبھی فنا نہیں۔

شفق شام! کشف قبول ہے۔ آفتاب نے مغرب کے سمندر میں غوطہ لگایا ہے۔ روکے جال لٹے دریا کے کنارے کھیل رہے ہیں بدخوش پریش
بائیں کہنے لگے مگر جابے ہیں۔ رات کی ہوا جھاڑیوں کو حرکت دے رہی ہے۔ اور مکا فوں کی کھوکھلیوں میں سے روشنی باہر آ رہی ہے۔ اندھیرا زیادہ ہو
رہا ہے۔ وہ چاند مکمل آیا۔ شبنم پڑنے لگی۔ میری محبوب کیا یہ غولہ پوری ہمارے دلوں کی ہے۔

رجسٹرو

فہرست مضامین

ایل نمبر ۲۴۸۲

جلد

باب ماہ ستمبر ۱۹۲۹ء

نمبر (۵)

لکھنؤ ویرا - ۱۵ بجلی سہولتی (۲۷) مونا لیزا (۱۸) مسٹر لطیف الدین احمد کرا آبادی (۳۷) فواب مرزا (۱۵) داروغہ دہلوی (۵) سرواٹر اسکاٹ (۱۶) مولانا رضا چشت (۷۱) ڈاکٹر امجد علی الہوی

نمبر	مضمون	صاحب مضمون	زیر قلم	نمبر	مضمون	صاحب مضمون
۱	کبھی ہے کبھی غفلت خفا بنگالی	مشاریر	۳۸۸	✓	تاریخی حصہ	شیخ محمد جمیل صاحب دہلوی ایم۔ اے۔
۲	حال و حال	تاجور	۳۸۹	۱۹	ہندوستانی بائبل و سکال	۳۵۷
۳	آئینہ عالم	تاجور	۳۹۲	✓	سیاسی حصہ	۳۳۹
	افسانے			۲۰	امریکی بنیادی سیاست	مولانا حامد اللہ انصاری رکن ادارہ
۴	معتز	مسٹر اے۔ اے۔ کرا آبادی	۴۰۵		احتمالی حصہ	
۵	میر یورپ	ظفر	۴۱۱	۲۱	سزائے موت	شیخ عبدالحق صاحب دہلوی ایم۔ اے۔
۶	نسوانی حسد	حضرت گلین	۴۲۰	۲۲	میر اکام	۴۱۸
۷	عرب کا تاریخی افسانہ	مولانا صدیق حبیب بہاری رکن ادارہ	۴۳۱		ادبی حصہ	۴۱۶
۸	چھوٹ چھات	آبن اسبیل	۴۴۳		ادب آقا صاحب غلام	۳۴۳
۹	طیسی دروازہ	حضرت طالب الہ آبادی	۴۶۰	۲۳	جوگی	مولانا نصیر الدینی
	ڈرامے			۲۴	تقدیمی حصہ	حضرت حق دہلوی
۱۰	ہمداد سولف	حضرت نذیر رضوی	۴۳۹	۲۵	امریکی کی یونیورسٹیاں	۳۱۲
۱۱	پلوس	نورانی شمس دہر	۴۵۲	۲۶	پٹنہ	۳۰۱
	جلی حصہ			۲۷	دانت اور انکی بیماریاں	ڈاکٹر احمد جمال اللہ صاحب
۱۲	مصلحت	سید یعقوب حسن صاحب شاہجہانپوری	۴۵۵	۲۸	نظمیں	۳۶۵
۱۳	عرب عورتوں کی بیہوشی	مولانا سید محمد کرا آبادی	۴۶۳	۱	بجلی (تقریری نظم)	۴۰۴
	دنیا کے ایچ بی ایلن کا			۲	شاعر	۴۱۰
۱۴	ہیلا ایکٹ	حضرت اختر سحرانی قیاب	۴۱۵	۳	عورت اور جلی	۴۲۲
	تفصیلی حصہ			۴	نظم عکسی	۴۳۰
۱۵	داروغہ دہلوی	سر عبد القادر	۴۰۷	۵	خزاردوست	۴۳۵
۱۶	سرواٹر اسکاٹ	ڈاکٹر محمد شمس الدین صاحب دہلوی	۴۲۷		دنیائے ادب	
۱۷	شباب کشیر	رائے جواد پٹنہ شجورائیں شہر	۴۳۶		سکرت	
۱۸	نظمیں شعری	ڈاکٹر کبیر احمد	۴۳۹			

کنتی ہے عجم کو خلق خدا غائبانہا کیا

نیل کیلنسی سربراہ عجمیلی گورنری

ہیں عاکرنا ہوں کہ آپ کا یہ خاندان پرچہ پڑھ کر ہے۔ دوسرے کی ضرورتیں نہ ہوتیں تو اس کیلئے کوئی اثر نہیں بھنا۔

جناب اگر خلیفہ شجاع الدین صاحب ایم۔ اے ایل ایل ڈی بیرسٹریٹ فیلو پنجاب نیو رسی

ادبی دنیا کے ہیں نہیں میں نے دیکھا اور میں غایت خوشی سے اس بار کا اظہار کرنا چاہوں کہ میرا سالہ نامور رسائل میں ایک شاندار اضافہ ہے۔ اس ادب کا انقلابی پروگرام جو آپ نے پیش نظر رکھا ہے وہ فی الحقیقت قابل قدر ہے۔ آج کل اس امر کی استعداد ضرورت ہے کہ تصنیفی اندوکام انفرادی ادب آند کو دوسری علی زبانوں کے خواہاں سے معروض کیا جائے۔ گزشتہ تین شہرہ کو مستند حاصل ہوئی ہے کہ جو لا محمل آپ نے اپنے لئے تحریر کیا تھا اس پر آپ کا اداہ تحریر کارندگی ہے۔ یقیناً واقع ہے کہ بہت عرصہ سے میں یہ رسالہ دیکھتا ہوں کہ آپ اس انقلاب عظیم پیدا کر چکا

ادبی دنیا کی خصوصیت کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر کی علمی زبانوں کے مفید پابعضا میں کے اقتباسات و تراجم اس میں شائع کئے جاتے ہیں۔ اس رسالہ کو تمام دوسرے رسائل سے ممتاز کرتی ہے۔

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے نیک ارادوں میں کامیاب کرے اور ادب آند کو یہ جو خدمت آپ نے اپنے ذمے لی ہے اس کو آپ جو احسن انجام دے سکیں۔

جناب سید حسن عسکری سہیل ایم۔ اے پیرو فیضیہ ٹیپ کالج

ادبی دنیا کے متعلق عرض ہے میری کتنا کافی معلوم ہوتا ہے کہ میری امیدوں بہت زیادہ مفید ثابت ہوا۔

جناب سید حسن عسکری سہیل ایم۔ اے پیرو فیضیہ ٹیپ کالج

ادبی دنیا کے متعلق عرض ہے میری کتنا کافی معلوم ہوتا ہے کہ میری امیدوں بہت زیادہ مفید ثابت ہوا۔

جناب یحییٰ زید احمد مصباحی۔ اے۔ (علیگ ایل ایل۔ بی) ایڈووکیٹ اولینڈ "ادبی دنیا" تہذیب و تصنیف سے بالادینا ہے۔ مشرقی مسائل میں اس جہاں نہیں۔ اتنے اچھے ارادوں کے ساتھ آپ نے یہ اہمیت قائم اٹھایا ہے کہ اگر آپ دوسرے نہیں نصف سہی کامیاب ہو گئے تو ہماری مشترکہ زبان کہیں سے نہیں پہنچ جائے گی۔

سید مقبول احمد صا آبادی بی۔ بی۔ سی ایس ٹی ٹی کلکتہ

"ادبی دنیا" کا رسالہ دیکھنے کے بعد میری سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ خاکسارے یہ اسی آبد کا رسالہ دیکھنے کے بعد میری سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ خاکسارے میں گرسے۔ دوسری بڑی آرزو یہ ہے کہ وہ علم و تہذیب دونوں بابت ہمارے ہمارے تاکر کم سے کم ہمارے کتے ہوئے ہیں و پیش ہو کر ہم علی شانہ تہذیب کے مکمل معیار نہیں ہیں اور ہمارے پاس ایسی فائش آواز دنیا کا مکمل قابل پہنچا ہوا ہے۔

مستطیض قریشی بی۔ اے ایل ایل بی ایم آر اے ایس بی بی بیر

سب سے چھوٹا

"ادبی دنیا" کے چار نمبر میری نظر سے گذرے۔ بلا شاعرانہ تکلف یہ کہنے کی حرات کرتا ہوں کہ میں ضروریات کو اپنی خفا آندہ کے لئے ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ اس رسالے پر کوری کری ہیں۔ سب سے اہم اور علامتہ تاجور سے جو لا محمل پیش کیا اس کے لئے وہ مبارک باد دیکھو کہ کتنی مستحق ہیں۔

ادبی دنیا اپنی شہر کا پہلا رسالہ ہے جو آند و لاہور کو صحیح کمال پہنچا سکتا ہے۔ واقعی طور پر یہ دونوں حضرات پنجاب میں پائے جاتے آند و لاہور کے مستحق ہیں۔ اس خط میں جو خدمت علم و ادب کی ادا ہوئی ہے اس کی ادھر کہہ رہا ہوں تاریخ علم و ادب میں ہمیشہ دفعتاً نظر آئے گی۔

منشی جمال رحیم یاد بھتیجی دہلوی بی۔ اے۔

ادبی دنیا کا چھپاؤ اس کی جہاں فزونی ترقی کا شائبہ ہے۔ آپ کے خوب ہی سا

صفحہ تصاویر

بھولی

بچپن کی بے فکرگی وہ قدرتی نعمت ہے۔ جس کو انسان مرنے دم تک بڑی محنت کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ اس سرنگی تصویر میں اس بے فکرگی کا عالم بڑے حوصلہ پر ابھیں دکھایا گیا ہے۔ لیاں اٹھاتے بڑی عمر میں بھی انسان کے مصاحب ہوتے ہیں۔ لیکن یہ مصاحبت ایک ذوق کی برتری اور دوسرے فرق کی دستگیری پر مبنی اور اس لئے غیر قدرتی ہوتی ہے۔ قدرتی مساوات یا مساواتی مصاحبت جو اس تصویر میں نظر آتی ہے۔ بچپن ہی میں امکان پذیر ہو سکتی ہے۔

مونالیزا

معروف زندگی کے موجودہ زمانہ میں اگر کوئی شخص اپنا سارا وقت ادائیگی تمام حقائق صاف ایک چھوٹا سا کام انجام دینے کے لئے وقف کر دے۔ تو دنیا اس پر ہنسے گی اور اسے قہقہے کی لہجہ میں دیکھے گی۔ اور اس بات کو کوئی یقین؟ ایک ٹرم تصویروں پر کیا محنت؟ کہ ایک شخص ایک چھوٹی سی تصویر تیار کرنے میں چار سال لگا دے اور پھر بھی اسے نامکمل حالت میں چھوڑ دے۔ لیکن ایوانا رڈوؤسی نے مونالیزا کی تصویر تیار کرنے میں یہی کیا۔ وہ مونالیزا کی تصویر اس حالت میں بنانا چاہتا تھا۔ جب اس کے چہرے پر مسکراہٹ ہو جس سے وہ کھنکھاتی نظر آئے کہ اس نے کئی سالوں کی ملازمت میں گزار دینے اس نے یہ تصویر مونا لیزا کے خاندان پر فخر کا ڈھکے کا ڈھکے کے لئے تیار کی۔ تصویر تیار ہو چکنے کے بعد وہ بعد اوردہ فرانسس اول والے فرانسس نے گراں جوار قلم کے عوض اسے خرید لیا۔ اس طرح سے یہ تصویر پیرس کے مریض خانہ کی زینت بن گئی۔ وہاں سے سالہاں میں کسی نے اسے اڑا لیا۔ لیکن کچھ دن بعد پھر کھنکھاتی۔ یہ تصویر اپنی اختیاری خصوصیات کو جو سے دنیا کی بہترین تصاویر میں خاصیت ہے۔ اور اس تصویر کو کئی کئی سال کا نامیت میں قیمت تیز ہو چکی ہے۔

سروالہ اسکاٹ

انگلستان کے ایک نامور شاعر اور ناولٹ سروالہ اسکاٹ کی بعض تصاویر انگریزوں کے دلچسپی کی جگہ لیکن جو شہرت محض ہی دے رہی ہیں

تیار کی ہوئی تصویروں کو مکمل ہوئی۔ وہ کسی کے حصے میں نہیں آتی۔ لارنس اور دوسرے بالکل برٹش آرٹسٹوں نے بھی سروالہ اسکاٹ کی تصاویر بنائیں لیکن سروالہ نے یہ الفاظ دے دیے ہیں جی سے ہکے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی بنائی ہوئی تصویروں کے سامنے میری کوئی تصویر بے بسی پر موجود رہے۔ رے بننے کے سروالہ اسکاٹ کی چھ تصاویر میں اور جو تصویر اس پرچمیں دی جارہی ہے وہ ان تصویروں میں سے آخری ہے۔ رے بننے کے اس کا پتہ زندگی کے آخری سال یعنی ۱۹۷۰ء میں شروع کیا تھا۔ پیرولس برڈٹ کوشن نے اسکو رے بننے کے واروں سے خرید لیا۔ ۱۹۷۰ء میں یہ تصویر لندن میں بندیلہ نیلام خانہ فروخت کی گئی۔ جہاں نیو یارک کی ایک فرم نے اس کو کچھ من ۱۰ ہزار پاؤنڈ خرید لیا۔ اس کے بعد یہ نیو یارک کے مشہور بینکر مرٹے۔ ایچ۔ نارڈنگ کے قبضہ میں آئی۔ جو سروالہ اسکاٹ کے بڑے مددگار ہیں۔ اور اس خور روزگار شاعر اور ناولٹ سے تعلق رکھنے والی اشیاء کو بڑے اشتیاق سے جمع کرتے ہیں۔

داغ

نواب مرزا داغ پیر محمد القادر کا ایک برعاصل اور ہندو پادری مضمون اس پرچم کے اولین کی زینت ہے۔ داغ کا شمار اردو زبان کے ان چند ماہر نامور شاعروں میں ہوتا ہے۔ جو صاحب طرز تسلیم کئے گئے ہیں۔ ان کی غزلیں عام طور پر پسند ہونے کے باعث اردو شاعری میں بہت ممتاز درجہ رکھتی ہیں وہ اپنے زمانہ کے ایک کامیاب اور خوش قسمت شاعر تھے۔ خصوصاً نظام سے ان کو دو تیار ماہر شاعر اور شاعری تھی۔ اتنی تیار اور قول سر محمد قلعہ اور ہندوستان کے کسی شاعر کو جو حیثیت شاعر آج تک نہیں ملی۔ ان کی تصویریں پرچم کی چھٹی میں گر انقدر اضافہ کا موجب ہوگی۔

وحشت

مولانا راضی وحشت زمانہ حال کے ایک ممتاز اردو شاعر ہیں جنہیں ان کے تمام ہندو یا برساتی ان کا کلام بڑے فخر کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔

مسٹر احمد - اردو زبان کے ایک بالکل ادیب اور بلند رتبہ افسانہ نگار ہیں جن کے محفل میں بڑے بڑے ادیب اور شاعر جاتے ہیں۔

ڈاکٹر احمد جلیل اللہ خان - لاہور کے ایک بالکل ممتاز شاعر ہیں جن کی تصاویر میں ان کی شاعری کا ایک نمونہ ہے جس پر میں خود شاعر ہوں

حال و قال

چھوڑ دیا ہے کچھ رسالے دم توڑ رہے ہیں، کچھ دم توڑ چکے ہیں، کبیں ادبی دنیا کی وجہ سے سرسبز مٹی طاری ہے اور کبیں زندگی اور تسکین سے ناامید ہی غرض کہ "ہزار منہ میں ہزار باتیں"

ان افواہوں میں شرم بھر بھی چھائی ہے تو علم و ادب کے ایک خدمت گذار ہونے کی حیثیت میں سب سے زیادہ رنج ہمیں ہو گا۔ کیونکہ ہم اپنے لئے اسے ایک لعنت سمجھتے ہیں کہ دوسروں کی ناخوشی پر اپنی زندگی کے فروغ کی فکر کریں۔ اور دلی خلوص کے ساتھ خدا سے یہ انتظار کرتے ہیں کہ وہ ادبی دنیا کو مہربان کی زندگی اور ترقی کا سبب بنائے نہ کہ ان کی تباہی اور بربادی کا۔ اگر مگر کی ملاوٹ کے بغیر جس حقیقت کا اعتراف ضروری سمجھتے ہیں کہ اپنے محدود پس منظر کی ترقی کے لئے ہر ادبی پرچے کی ضرورت ہے۔ اُسے زور دینا چاہئے۔ اور ادب دوست کا فرض ہے کہ اُسے زندہ رکھے کون سینے پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ "تیرنگ خیال" اردو کے لئے بے ضرورت رسالہ ہے۔ مخزن کو بند ہو جانا چاہئے، عالمگیر کے بارے میں اور جمالیوں زندہ رکھنے کے قابل نہیں۔ جو ایسا کتابت یا سمیتا ہے وہ بالآخر کی ضرورتوں سے واقف نہیں اور ادب کی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ انجام دے رہے ہیں اور خدا نے جانا تو اس سے زیادہ انجام دیں گے۔ ادبی دنیا ان رسالوں کے مقابلے میں کل کا پتھر ہے۔ اسے ان مہمانوں کی رہنمائی کی اگر تک ضرورت رہے گی۔ اور انہیں کے بائبل انہیں کے سامنے یہ ترقی کی کھنٹھیں مزین ملے کرنا چاہتا ہے۔ ہم ان تک دل اور اہل بیت فطرت و فطریوں میں شامل ہونے سے خدا کی بندہ جانتے ہیں جو صرف اُمی کا دم زندگی کا حق دینا چاہتے ہیں جو ان کے ناقص اور انجام پرا ہو۔ جاتی شخص سے غصے کا کم کھٹے والے ہونگے کے مفیدہ کا نام ان کے نزدیک نہ کر دینے کے قابل ہیں۔

• تو بے فکر کہ خطاؤں سے ڈرکے ہے بشر

اس بارے میں ادارہ میں کچھ تبدیلی کرنی پڑی ہے۔ مولوی صلیح الدین اور حضرت عبداللہ رحمہ اللہ کی سبکدوش ہو گئے ہیں۔ مولوی صاحب کو قضا صاحب کے بدلے مولانا نور محمد صاحب کی جگہ لی اور حضرت بیگم انصاری صاحبہ کی جگہ لی گئی۔ یہ دونوں صاحبانہ علیحدہ دو سبب ہیں۔

ادبی دنیا کا یہ باغیاں نہر نائل ہو رہا ہے۔ اس وقت تک خدا کے فضل سے بندہ مستقل خرید رہا ہے جسے ادبی دنیا کیوں کے مطالبے تو پیسے کی پرچے سے اس قدر چرسے ہوئے ہیں کہ ہم انہیں ابھی تک بدلا نہیں کر سکے۔

ادبی دنیا اپنی دوسری خصوصیتوں کے ساتھ یہ عجیب شان بھی رکھتا ہے کہ ایسی شاعری ترقی کی اس کی مالی مشکلات کو کم کرنے سے قطعاً عاجز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ادبی دنیا کی ہر کاپی پر بارہ آنے لگت آتی ہے اور اگر دفتری اخراجات بھی لگائے جائیں تو ہر کاپی ایک روپے میں پڑتی ہے۔ گویا ہر خریدار کے بارہ پرچوں پر بارہ روپے لگت آتی ہے اور خریدار سے چار روپے بارہ آنے وصول ہوئے تو اس صورت میں ہر خریدار پر سوا سات روپے نقصان کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس تک تو ہزار سے اوپر روپیہ صرف ہو چکا ہے جس میں سے پانچ ہزار کی رقم مختصر فائدہ میں ملے گی اور پانچ سے کم کی اشتہارات سے پوری ہو سکتی ہے۔ مگر اشتہار دینے والوں کی نا اہلیت اس جرم کی حد سے بھی بڑھ چکی ہے۔ جو وہ الفاظ کے جانو سے اپنے خریداروں پر چال ڈالنے میں کرتے ہیں۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ آئندہ ہر مقالہ فروز میں انہیں فزوں کے اشتہار لگائے جائیں۔ جو یہ یوں دیں کہ معاملے میں مفید کیا جاسکتا ہے۔ عام اشتہار دینے والوں کے اشتہارات بہت کم لگے جائیں گے۔ انکس فزوں کے اشتہار حاصل کرنے کے لئے ہم نے ایک یونین کنویرس کو ملازم رکھ لیا ہے۔

یہ صورت حال عام ناظرین کو ناخوش رکھنے کی خاطر تحریر نہیں کی گئی۔ بلکہ ان کی نظر کی دودھ اشتہاروں کے لئے بھی کی ہے جو ہماری ناخوشی اور ادبی خدمت کو قسم کی ناخوش سے دیکھتے ہیں اور اپنا سرخ و اختیار استعمال کر کے ہماری مشکلات کو کم کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور ان کی طرف ان کی توجہ کے لئے۔

”جو حال دل سب خاموش سے بھی مٹتے ہیں۔“

اس بارے میں جو آتا ہے مہارک کے انداز میں یہ سنا تھا کہ ایک بچے کے لئے دینا کے ادب کو بلا کر کہا ہے۔ اور ہر ادبی رسالے نے اپنا نام رکھ لیا

مضامین کے لئے رسالے کے صفحات مخصوص کئے دیتے ہیں۔ اس قسم کے مضامین رسالے کی ترتیب کو نظر انداز کر کے ایک ہی جگہ خاص حقیقتِ عمری کے ماتحت درج کر جایا کریں گے۔ اور ان کے لئے فرہنگ کے صفحات ساتھ ہی دیکھے جائیں گے۔ اس پر پورے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ادبی دنیا کے ناظرین ادبی طبقوں کے کسی بلند پایہ ادا پرہیز کے خیالات سے بھی محروم نہ رہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آئندہ جو آٹے اپنے صفوں کے ساتھ تیسرے صفوں میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے گا۔ فرماں صادر کرو یا کرے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ شعورِ ادب میں کون سا زمانہ فرماں صادر کرنے کا مجاز ہے۔

بعض اہل نظر ادبی دنیا کے مضامین اولیٰ اور پرہیزدہان کنجینی فوا کرکھیں ہماری بے خبریوں اور لغزشوں سے واقف کرتے رہتے ہیں۔ ہم ان کی اس قابلِ قہر ہمتیابی کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ اس سے اپنی حیثیت کے مطابق فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور بیشک ایسے مفید شعوروں اور رہنماؤں کے طلب گار اور منتظر رہتے ہیں۔

مشرق و اہل مشرق

آئندہ سے ادبی دنیا میں اس عمری کے ذیل میں اس قسم کے مضامین مضامین شائع ہو جائیں گے جن میں مشرقِ تاریخ، مشرقِ تہذیب و تمدن، مشرقِ علوم و فنون، مشرق کے آثار و قدیمہ، اور مشرق کے ہر شعبے کے قدیم جدید اہل کمال اور ان کے کارناموں پر سیر حاصل ہو کر آج کی جانیگی۔ اس قسم کے مضامین محلی الامکان بال تصویر ہو کر آج گئے۔ جو اہل فلسفہ اس مشرقی کو قائل رکھنے میں مدد فرمائیں گے۔ ہم اپنی تجاویز کے مطابق ان کی خدمت بھی کریں گے۔

خاص نمبر

آٹے دن رسالوں کے لئے نمبر دیکھ کر ہمارے دوست احباب نے ہمیں بھی انکا اشارہ کر دیا ہے۔ ان کے خیال میں خاص نمبر نکالنے کے بغیر ادبی دنیا غیر زندہ رسالوں میں شمار رہے گا۔ حالانکہ ہمیں خطرہ ہے کہ خاص نمبر نکال کر کہیں یہ غیر زندگی کا پڑ نہیں بھی ہاتھ سے نہ کھو جائیں۔ ہمارا عمل ادارہ کی متفقہ رائے ہے کہ خاص نمبر سے ادبی دنیا کا سہرا آفتابِ آسمان سے جا ملے گا۔ وہ یہ نہیں سوچے گا کہ آسمان سے سر گھٹانے کے ساتھ ہی یہ انداز بھی ہے کہ کہاں آسمان کا گھر پارہ ہو کر پھوٹ کر اُڑ جائے۔ اور یہ حضرت مسیح سے پہلے زمین پر اترا نصیب نہ ہو۔

اور ان سے ہمیں بڑی مدد ملی چنانچہ میں ہونہاری کے جوہر دیکھ کر کم کرنے انہیں ادبی دنیا کے اشاف میں شامل کیا تھا۔ تاکہ یہ ادبی دنیا کے ذریعہ اپنے لئے شہرت اور ترقی کی لالچیں پیدا کریں اور اب اسی مقصد کی خاطر ہم انہیں اپنے سے رخصت کر رہے ہیں۔ ہماری رضامندی سے یہ سب کچھ ہوتا ہے اور غالباً ہندوستانی کا رو باری زندگی کا یہ پہلا واقعہ ہے۔ کہ ہم دوستوں کی حیثیت میں انہیں لائے تھے اور دوستوں کی طرح یہ ہم سے جدا ہو رہے ہیں۔ ادبی دنیا کی جو قدرت جب کبھی ان سے متعلق ہوگی انہیں کے ذریعہ انجام پائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ اب دفتری حاضری ان کی ضروری نہیں رہی ہے۔ لیکن دفتر میں آگئی دلی حضور ہی ہر وقت لازمی رہے گی۔ اس کے علاوہ ان کے ہمارے تعلقات اُس درجے سے بلند واقع ہو گئے ہیں جہاں شکر کے کدھی اور بے جان الفاظ کا استعمال ضروری ہوتا ہے۔

خوش قسمتی سے ملک کے بایں ناز ادیب پنڈت میلارام و قاتل جی کا کے اڈیٹر کی حیثیت سے کام کرنا منظور کر لیا ہے۔ وقاصاحب کے شفیق یہ کمناکر یہ ایک بے نظیر اخبار نویس بلند پایہ ادبی نقاد اور غیر معمولی حیثیت کے اردو شاعر ہیں، بالکل ایسا ہی ہے کہ کوئی یہ بتانے بیٹھ جائے کہ سورج میں چمک - پانی میں روانی، آواز گ میں سوز ہے۔ اس قسم کی قصیدہ خوانی کی انہیں ضرورت نہیں اور ناظرین اس کے بغیر بھی وقاصاحب کی ان امتیازی صفات سے واقف ہیں۔

پوچی کے ادیب حضرت عشرت رحمانی اور صوبہ ہار کے فاضل مولانا صدیق ہمدانی کی خدمات بھی ادبی دنیا کے عمدا ادارہ کے لئے حاصل کر لی گئی ہیں۔ اب خدا نے جا بجا ادبی دنیا میں صحیح معنی میں مشرق و مغرب کی ادبیات جدید و قدیم کا صحیح مترقہ بھی نیکو - اس خبر سے اس کا آغاز ہو چکا ہے۔

اس نمبر کے اکثر مضامین نیکو آسان زبان میں لکھے گئے ہیں۔ اور عمدا ادارہ (ایڈیٹر) ملاناف، میں سے ایک ادیب کو صرف دس کام پر مقرر کر دیا گیا ہے کہ وہ مضامین کی زبان درست اور آسان بنالیا کریں۔ آئندہ سے ہم نے یہ جو نیکو پائے ہوئے اہل قسم کے مضامین کو غیر تہ و تدلی قیام کی ادبی جو حضرت کی بلندیوں کو ملے کر چکے ہیں اور اس لئے وہ کسی کو اس کا مجاز تسلیم نہیں کرتے کہ کوئی کسی صفت سے بھی ان کی عبادت میں تہلیل کر سکے۔ اس وجہ سے ان ادا پرہیزوں کے مضامین اس وقت تک بغیر ترسیل شائع کئے جاتے رہیں گے جب تک کہ وقت اور ضرورت خود ہی انہیں اس نفع تک نہ پہنچا دے کہ ان کے ملک کو ایک آسان زبان کی ضرورت ہے۔ ہم ایسے

ممکن ہے کوئی خریدار انہیں طلب کرے جبکہ ایک کاپی پر ایک روپیہ ہماری لاگت آجاتی ہے۔ اسی کے ساتھ ان ناظرین کی خدمت میں اہتمام ہے جو ادبی دنیا کے فائل میں رکھ رہے ہیں کہ کسی اور جن کے سپرے ہیں جیسے غایت کردہیں تاکہ ہم ان خریداروں کو ادبی دنیا کا فائل رکھنا چاہتے ہیں ہم یہودی سکین بھی اور جن کے جہد ہے ناظرین میں غایت فرمائیں گے ہم ان پرچوں کے طلب کرنے والوں سے یقینیں وصول کر کے انہیں بھیج دیں گے۔

چونکہ ادبی دنیا کے سٹاف میں اچھے انشاپور داروں کا معقول اضافہ ہو چکا ہے۔ اس لئے اسٹاف کے تیار کئے ہوئے بلندہ جے کے مطابق ہر ماہ انہیں نسخہ میں تیار ہوجاتے ہیں کہ میں معاوضے والے اضافہ لینے کی مدت کو ضرورت پڑتی ہے۔ تاہم اس آئندہ ہم معاوضے کے کسی مضمون کی ضرورت اور کچھ پیش دیکھیں تو درج کر سکیں گے ورنہ نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیجئے کہ آئندہ کسی شائع شدہ مضمون پر ہم معاوضے کی گنجائش پائیں گے تو معاوضہ دیں گے ورنہ نہیں۔ لہذا انشاپور داران معاوضے کے بغیر مضمون دنیا پسند نہیں کرتے انہیں مضمون کے ساتھ اسکی وضاحت کر دینی چاہئے۔ ہمارے پاس اشاعت کے تیار کردہ غایت بلندہ مضمون ذخیرہ کی صورت میں جمع ہو چکے ہیں۔ جو مضمون ان کے تیار کردہ مضمون پر پورے امیر اور ان کے معاوضے کی شرط ہو انہیں ہم ضرورتاً لکھ کر دے دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اچھا اسٹاف لکھ کر ہم گریبا معقول معاوضے پر اپنی پسند اور دوسرے کے معیار کے مطابق مضمون حاصل کرنے کا اشتہار کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر اے والوں کو ادبی دنیا اس قدر پسند آگیا ہے کہ وہ پوچھ کر خودی میں قانون کو بھول جاتے ہیں۔ قصبات اور دیہات کے سب پوٹھانہ اور عالم شہروں کے چھٹی رسالہ ادبی دنیا پر ہوا حق پانا سمجھتے ہیں۔ بلکہ نکلتا دیر میں سے نکلا اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق پوچھا شروع کر دیا پھر اگر کسی کوئی مضمون مل کر کھایا یا کوئی تصویر زیادہ پسند آئی تو آخری خط بھی پناہی جی کر اسے غائب کر دیا۔ اور اگر پڑھ لینے کے بعد خریداری کی خوش قسمتی سے وہاں کا بیعت ہونے لگے تو غریب الیہ کا کہنا پوچھا دیا۔

اے ہوسے پوچھ کر ہوا نہ ہو جانا ہے مگر اپنی اپنی منزلوں پر پہنچنے سے پہلے مقامی ڈاکٹرانوں میں لٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ حقیقت حال سے بیخبر ناظرین کو جب وقت پر رسالہ نہیں پہنچتا تو ہر سٹے سے مناظرہ، بد نظمی اور کبھی کبھی بے جا ہتھیاری طعنیت ان کی مدد کرتی ہے تو اس کے ہمارے پاس کچھ دیکھتے ہیں اور ہم بالکل حالی "ماہی پڑتی ہیں ناگدہ فطائن لکڑی"

ادبی دنیا کی خطا ناگ اس کیمنڈٹ میلادہ دنیا کے داغ سے نکلی تھی اور ہماری نا تجربہ کاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے اس حال میں پھنسا کر اب خود نا مشائوں میں کھڑے سکرانے نظر آتے ہیں۔ بعض عرب کے سبز مار بھی انہیں کی جولاہی خیال کا قیصر ہے۔ ہم اپنی دیوانگی کی تکمیل کی خاطر اس بار کی بھی سیر کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ یعنی اب خاص بہر کی تجویز بھی میں صورت اختیار کر رہی ہے۔ عہد ادارہ کی مولانا صدیق بھائی مولانا حامد انصاری اور مولانا غلام ربانی تو دیکھی کو خاص سیر کی تیاری پر لکھ دیا ہے۔ حضرت عشرت زاپوری اہل قسم سے خدا کو بت۔ تصاویر۔ کلاس وچوہ کی فریج کا کھدوئیں گے۔ ہڈت میلادہ دام و فادہ میں جیت ایڈیٹر کی ناظر خدی کر رہی گے۔ جو جیت ایڈیٹر مختلف زبانوں کے اہل قسم سے ملاقات اور علمی آواروں کی سیر کے لئے ۲۰ گز سے ملک کا دورہ شروع کر دیا۔ خاص نبر کے متعلق کوئی ایسا وعدہ نہیں کیا جاسکتا جس کے محدود راجہ کی نفس میں دو اور دہوں کے جہم میں گم کر دے۔ البتہ صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ ہماری خواہش اور ادارہ یہ ہے کہ ادبی دنیا کا خاص نبر دنیا کے عالم خبروں کی خاص نبر ہو۔ اس نبر پر وہی صاحب کے حساب سے دس ہزار روپہ لاگت آئے گی۔ اور اگر ہمیں ایک سیرس کا وزن ہوگا۔ اور غالباً چار لکھ روپہ ڈاک لگیں گے۔

ادبی دنیا کے خریداروں کو اگر وہ طلب کریں گے صرف ایک روپیہ میں یا جاہیگے۔ اس کی عام قیمت کیا ہوگی؟ یہ ابھی ہم نہیں بتا سکتے۔ ادبی دنیا کے جو خیر لفظا بہترین سنگا نہیں گئے انہیں اس ماہ کا عام نبر دستور بھیجا جائیگا۔ ایجنٹوں اور خریداروں کی حشد فرمائیں ستر کے خیر کچھ پوچھ جائیگی انکی قعدہ پر چھاپا جائیگا۔ اس کے بعد کوئی فرمائش منظور نہیں کی جائیگی۔ جو وہ ت بہ فرمائش بھیج دیں گے پر صرف انہیں کو دیکھنا ان کے حواس کی کوئی قیمت پر بھی ہم پوچھنے سے عاجز ہونگے۔ جو ایجنٹ اپنی فرمائش کے ساتھ طلبہ پرچوں کی تعداد کے ساتھ علی حساب ایک روپیہ فی پرچے کے حساب سے رقم بھیجیں بھیج دیں گے انہیں کی درخواست منظور کی جائے گی دوسروں کی نہیں باقی قسمت کا وہی پانی کیا جائیگا۔

آپنی دنیا کے کسی اور جن کے نبر کا کچھ ختم ہو چکے ہیں صرف فائل کی گلیاں باقی رہ گئی ہیں۔ اس لئے ہم نے کسی اور جن کے پرچے بھیجے۔ یہ قطعاً عاجز ہیں جو صاحب اپنی خریداری کے ساتھ کسی اور جن کے پرچوں کی شرط لکھا دیتے ہیں ہمیں انہوں سے کہہ کر ہم ان کی فرمائش کی تکمیل نہیں کر سکتے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم ہزار ہزار کاپیاں اس اسد پر بھیج کر فرمائش انہیں دیں کہ

اے انہوں کو سنتے ہیں اور وہ بے جا کچھ کہہ رہے ہیں۔ یقیناً زبانیں ہیں۔

آئینہ عالم

فرانس کالج میں پروفیسری کی مشہور

باشندوں کی اولاد و صاف ہوا اور کھلی دھوپ میں رو کر فطرت کی گدیں پر دوش یا سنے کے باوجود تمدنیستی میں ٹہریوں کی اولاد سے بہت پیچھے ہے۔

ایک ایسی بات ہے جسے ماننے کے لئے ہر شخص تیار نہیں ہوگا۔ لیکن پروفیسر بنام ان اعداد و شمار کی بنا پر اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ جو دیہاتی اور شہری اسکولوں کے طلبہ کی تمدنیستی کے باقاعدہ امتحان کے بعد حاصل ہوئے ہیں۔ پروفیسر جو صوف اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں۔ کہ دیہاتی بچے ایسی ورزشوں کی مشق نہیں کرتے جن سے ان کا قد سیدھا، رنگ بھلے کھیلے۔ بدن چھریا اور پگھلا ہو جیسا کہ شہری بچوں میں عام طور پر پایا جاتا ہے۔ اور دیہاتی بچے اس قسم کی ورزشیں اس لئے نہیں کرتے کہ ان کے اسباب باپ جیٹری ڈی کے کاموں کی کو خاص قسم کی فضا کے ہلے کا کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ دیہاتی کام و فطرت کے قافیہ عام نہیں بن سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ شہری لڑکوں کے مقابلے میں دیہاتی لڑکے کبھتے بھوڑے اور سست نظر آتے ہیں۔ باقاعدہ ورزش نہ کرنے کی وجہ سے دیہاتیوں کی تمدنیستی ٹہریوں کے مقابلے میں خراب ہے۔

اپنی اصلیت اپنے خاویں سے معلوم کیجئے!

نفسیات و علم نفس، کے علم کا کی باتیں اگر سچ مان لیں تو ہمیں سے ہر شخص کو قدرت نے جتنی چیزیں عطا کی ہیں ان میں ہمارا نفس سب سے زیادہ عجیب و غریب ہے۔ کیونکہ اس میں ہمارے باپ دادا اور بھلے سے لگنے بزرگوں کے تمام تجربے اور تمام واقعات ٹہری ہو محو فطرت ہیں۔ اور ہر شخص اپنے خاویں کے ذریعے سے اس مدون خزانے کا پتہ پا سکتا ہے۔ اگرچہ کام ہر شخص کے لئے آسان نہیں ہے۔ کیونکہ خواب ہر شخص کا بیضاکر مگر قبول جاتا ہے لیکن یاد رکھنے کی عادت ڈالی جائے تو بہت جلد محو فطرت جاسکتا ہے۔ نفسیات کا سب سے بڑا ماہر انگریز پروفیسر سیکڈ وٹل جو آجکل امریکا کی یونیورسٹیوں میں تعلیم دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ بڑے بڑے لوگوں

فرانس کے "فرانس ڈولک" میں پروفیسر بننے کے لئے پروفیسری کی لمبی چوڑی دیکھوں کی فضا ضرورت نہیں ہے۔ وہاں پروفیسر صرف وہی شخص بنایا جاتا ہے جو اپنی علمی تحقیق و تلاش سے کوئی نئی ایجاد کر لے یا کھلیا ہو، یا اس نے کسی نئی بات کا پتہ لگایا ہو۔ پروفیسر کے لئے کالج کی حاضری ضروری نہیں ہے۔ وہ اپنے طور پر کسی لیبیورٹری (محل) میں تجربات میں مشغول یا کسی لائبریری (کھنڈی) میں مطالعے میں مصروف رہتا ہے جب کسی تجربے یا کسی تحقیقات یا کسی ایجاد میں کامیاب ہو جاتا ہے تو کالج میں انکوائری کے باس تحقیق ایجاد کے متعلق طلبہ کو لیکچر دے دیتا ہے۔ اور پھر کالج سے رخصت ہو جاتا ہے۔

ہمارے ہندوستان میں پروفیسر بننے کے لئے عام طور پر ڈگریوں کی ضرورت ہے۔ وادع کی ضرورت نہیں۔ کوئی اچھے سے اچھا علمی قابلیت کا ہندوستانی جو بدقسمتی سے یونیورسٹی کی ڈگری حاصل نہ کر سکا ہو۔ خواہ اپنے مضمون میں کتنا ہی قابل اور بے نظیر ہو۔ اسے کالج اور یونیورسٹی کے حدود میں قدم رکھنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ دوسرے مضامین کو چھوڑ کر پیچھے ہندوستان میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو علمی سسکرت و تجربہ میں نہایت اعلیٰ قابلیت کے مالک ہیں۔ اتنی انگلیزی بھی جانتے ہیں کہ اس کے ذریعہ یورپ کے اور پٹیلوں کے مشہور تین، کی علمی تحقیقات سے ہندی واقفیت حاصل کئے ہوئے ہیں، اپنے مضمون پر محققانہ تصانیف بھی کر چکے ہیں لیکن یونیورسٹی کی ڈگری سے محروم ہیں۔ اس لئے یونیورسٹی کی طرف سے وہ رکشا نہیں پاتا جتنا چاہتے۔ یونیورسٹی کی تلاش سے یونیورسٹی انہیں پناہ دینے کے لئے تیار ہوگی۔ یہ ہے غلامانہ ذہنیت ہمارے غلام ملک کی۔ اور یہ ہے مدہ دہی کی تعلیم جس کے متعلق سرسید کا قول ہے کہ "یونیورسٹی کی تعلیم غیر تیار کوئی ہے"

شہری اور دیہاتی یونیورسٹی

کلانک یونیورسٹی کے پروفیسر مٹر بنام فراتے ہیں کہ دیہاتی

آئندہ اس آواز سے صنعت و حرفت کو کس فائدہ پہنچے گی امیدگاری ہے۔ ابتدا کی تجربہ یہ ہے کہ اگر کمپنیل کو پانی میں ملائیں تو سبک میں ملتا عمر پروفیسر دونوں چیزوں پر موت کی آواز کو مستطردوایسے۔ تو پیل پانی ملکر دودھ کی طرح نکلتا ہے۔ اسی طرح پارہ پانی میں نہیں ملا کرتا۔ مگر پروفیسر نے تھوڑا سا پارہ پانی کی تیل میں ڈالکر مینس موت کی آواز کی رو چھوڑی۔ تو پارہ اور پانی سیاہ روشنائی کی طرح نکلا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ موت کی آواز کے جدید تجربوں سے دنیا کی صنعت و حرفت میں ایک انقلاب آجائے گا۔

یورپ میں شادی بیاہ کی سرودباری

یورپ کے ہر حصے میں عذرب وز شادی کا بازار دھڑکتا جا رہا ہے۔ اور اس صورت حال نے وہاں کے بھی خواہوں کو شوش میں ڈال دیا ہے۔ ڈاچی کے ایک اخبار نے اس اہم شے کے بارے میں اپنے ناظرین کے لئے قریباً کی تھی ماس کے پاس بہت سے جوایات آئے جن میں سے مثال کے طور پر ہم چند جوایات درج کر رہے ہیں:-

ایک نوجوان لکھتا ہے کہ لکشی جاولوں، انٹے نئے فیشن کی ٹوپوں اور رنگ برنگ کے کپڑوں کی گرائی کی دھ سے شادی کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ دوسرا لکھتا ہے۔ کہ کچھ میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ شادی کرنے کے بعد اپنی بیوی کو کھینچنے سے اونچی ذراک پہنے افسین، شلے اور بازوؤں کو نکال رکھنے سے روک سکوں۔

ایک اور نے اپنی شادی نہ کرنے کے بہت سے اسباب لکھے ہیں جن میں سے یہ بھی ہے کہ والدین زندگی بھر سارے خاندان کی پرورش کرنے کے باوجود اپنی عمر کے آخری دنوں میں عام طور پر اپنے آپ کو تنہا اور تنگ حالی میں پالے ہیں۔

ایک عہد نے لکھا ہے کہ اس نے دھس گاؤں اور تفریح گاہوں میں نوجوانوں کی جولو افعال دیکھے ہیں اور جو مہل یا بنیں ہیں انہوں نے اس کے دل میں ان کی طرف سے نفرت پیدا کر دی ہے۔ ایک دوسری لڑکی لکھتی ہے کہ شادی سے لڑکیاں اس لئے نفرت کرنے لگی ہیں کہ وہ جس کارخانے میں کام کرتی ہیں وہاں کے اہلکار دیوا تو بھق اور سخت ہوتے ہیں جوں سے اچھا بڑا وہ نہیں کرتے یا نرم دل اور بدکار ہوتے ہیں۔ جو ہمیشہ ان کو جھانسنے دینے کی نگرانی رکھ رہے ہیں یا اسنے ان کی لڑکیوں کو مردوں ہی سے نفرت جو جاتی ہے۔

تاہور

لے اپنے خوابوں سے اپنی اہل نسل اور اپنے حسب نسب کا پتہ چلایا ہو کیونکہ ان کو نیند میں ایسے واقعات نظر آتے ہیں جنہیں اپنی ساری زندگی میں انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ وہ کئی پشت پہلے ان کے دادا بہرادر کے وقت کے واقعات تھے۔ یورپ کے بہت سے عیسائیوں کو اپنے خواب ہی سے معلوم ہو گیا ہے کہ وہ کسی زمانے میں یہودی تھے۔ اسی طرح چند لوگوں کو خواب میں اپنے سامنے برف سے ڈھکے ہوئے بڑے بڑے پہاڑ نظر آ کر رہے تھے۔ ان کی نسل کی جہان بین سے غماہ جواب ہے کہ ان کے اگلے بزرگ برف سے ڈھکے ہوئے شمالی ملکوں کے رہنے والے تھے۔ اگر یہ صحیح ہے تو مغرب بہار سے خواب ہی ہماری سب سے بڑی دلچسپی کا ذریعہ بننے والے ہیں۔

بچوں کی علمی پرورش کا نیا سامان

انگینڈر کے بعض اخباروں میں ایک اشتہار شائع ہوا ہے جس کو پڑھکر اس امر کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ آجکل یورپ کی ہر چیز میں علمی روح کثرت مرآت کر گئی ہے۔ یہ اشتہار بعض بچوں کے چار صفوں میں آیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک انگریزی یونیورسٹی کو ایک ایسے علم کی ضرورت ہے جو علمی تحقیق کے اصول سے باطلہ اور ان کو جاری کرنے کے طریقوں سے ماہر ہو۔ چار سالہ سال کی عمر کے چند بچے سمجھ سکیں گے اور وہ اس وقت تک اس کے سپرد ہیں جسے جب تک کہ بڑے ہو جائیں۔ اتنی چھوٹی عمر میں علمی تحقیق کے ایسے طریقے پر ہر پرورش کرنا کہ بڑے ہو کر انہیں دوسروں کے خیالات کی ہر ذریعہ کا ذرا بھی اثر نہ ہو۔ یہ ایک نیا کام ہے اور کسی اہل علم نے اس کو بچوں کو کرنے کی بھی تکہست نہیں کی۔ یونیورسٹی ایسے شخص کو سنا جائیگا خواہ مینے کو تیار ہے۔

موت کی آواز

آہستہ یا بلند جو بھی آواز ہم سنتے ہیں وہ حقیقت ہو کی موج اور جنبش ہے جو کالوں کے ہر ذرے تک پہنچتی ہے اور اس کے اثر کو ہر ذرے و ذرات تک پہنچا دیتے ہیں اور اس طرح ہم کسی آواز کو محسوس کرتے یا سنتے ہیں لیکن جب آواز بہت زیادہ بلند یا بہت پست ہو تو کبھی سمجھنا نہیں دیتا۔

پروفیسر وڈ نے تحقیق کے بعد اعلان کیا ہے کہ جب کوئی آواز اتنی بلند ہو جس کی دہر سے ہوا میں موج اور لرزش حد سے زیادہ پہنچے تو اگر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ گروہ چھوٹے چھوٹے جالوروں کو مار ڈالتی ہے اور اس دہر سے پروفیسر نے اس درجے کی آواز کو موت کی آواز کہلائے۔

مطالعہ

(کیا پڑھنا چاہئے اور کیسے پڑھنا چاہئے)

کتابوں سے زیادہ بہتر اور مفید علوم کا خزانہ میرے گھر کی چار دیواری یا میرے خاص مطالعہ کے کمرے میں موجود ہے۔ یعنی کتب خانہ میں جانے کا مدعا عمل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کتابوں کے انتخاب کرنے والے ایسے قابل نہیں ہوتے کہ بہترین اور کارآمد تصانیف تجویز کریں جس سے انسانی دماغ روشن ہو جائے اور لطف حاصل کریں۔ اس کا مقررہ ہے کہ بڑی بڑی فہرستوں اور اندازوں کا مطالعہ صرف چند اشرافیہ درازوں کی یاد کوتاہ کر رہا ہے۔ اور اس۔ اُن کی زندہ رفیقین اُن کی تصانیف کی صورت میں ہر علم دوست انسان کے ذاتی کتب خانہ میں ہمیشہ جلوہ افروز رہتی ہیں۔ یہ کتابتیں حقیقت میں صدیوں کی جمع کی ہوئی دولت ہوتی ہیں۔ اور مداحوں کے لئے ایک خاص قوت اور دلچسپی کا سامان ہے:

اس مہضت نے اپنے ان مفیہوں انگریزی ادب پر ترجمہ کیا ہے اور مشہور مصنفوں کا حوالہ دیتے کے بعد ہر مقدمہ دست کے لئے ایک اشارہ بتائی ہے۔ اصولی حیثیت سے وہ جس نتیجہ پر پہنچا ہے۔ یہ ہے کہ جن کتابوں کے بہترین خیالات اور صحیح واقعات پائے جاتے ہیں وہی مطالعہ کے قابل ہیں۔ ادب قدیم میں ہنر۔ ہر دو ٹوٹس۔ اس جیسے۔ فلاحی اور یونانیاد کی کتابوں کا مطالعہ مفید پائے گا۔ اس نے تاریخ۔ سوانح اور شاعری کو جس میں فساد۔ ڈرامہ۔ علم الفہم، مذاول اور علم، علمی وغیرہ شامل ہیں۔ علمہدہ علیحدہ قابل مطالعہ خیال کیا ہے اور اس کا قول ہے۔ کہ "نوٹ تخلیق کی بلندی پر دانی موجودہ زمانہ میں تعلیم کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اگلے زمانہ میں اس مذاول کی کمی کے سبب خشک فرائض زیادہ پیدا ہو جائیں گی" اس زمانہ میں مرنے والے کتابوں سے تازگی حاصل کرنا چاہئے جس میں گہرے خیالات ہوں اور علمی و ادبی خوبیوں کے ساتھ ساتھ رنگینی بھی پائی جائے۔ ہر مقدمہ اسانہ یا کسی قسم کے عقاید کے بیان کی کتاب۔ کوئی سنجیدگی جس کا آغاز مذہبیت کے زمانہ سے ہو یا جس مہجرت کا کوئی باپ یا سامع فلسفہ خیالی قوتوں کا نام نہ کرے۔ مگر شرط یہی ہے کہ ان کتابوں کی کوئی نقصان پائی نہ رہے۔ ہر حیثیت سے مکمل ہوں۔

قریب قریب ہر زمانہ کے مشہور مصنفوں نے بھی اپنی تصانیف میں

دنیا میں چاروں طرف کتابوں کی بھرمار ہے لیکن ان میں سے زیادہ تر اس قسم کی ہیں کہ ان کا پڑھنا بڑھتی بڑھتی برا رہے۔ ہر اردو کتاب میں اس قسم کی ہیں جو کسی خاص باب سے مطالعہ کے قابل مافیہ کی سہکتی ہیں۔ مگر شانہ کی ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے وہ بالکل بیکار معلوم ہوتی ہیں اور ان کے پڑھنے والے بیکار کے فقر کھلائے جاتے ہیں۔ یہ کتابیں جس زمانہ میں بھی تصنیف ہوئیں مفید نہیں لیکن آج ان سے دنیا کو کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض کتابیں کسی خاص مقصد یا کسی خاص علم و فن کے لحاظ سے ضرورت قابل قدر ہوتی ہیں مگر افسوس کہ وہ صرف انہیں حضرات کے مطالعہ کے قابل ہو سکتی ہیں جو ان علوم سے دلچسپی رکھتے ہیں یا اُن کی زندگی کا محاسن شغل اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ غرض دنیا میں اس قسم کی اعلیٰ کتابیں بہت کم ہیں جن میں ہر شخص کی دلچسپی کا سامان موجود ہو۔ اس لئے اعلیٰ میدان میں ترقی کے لئے یا اپنے عزیز وقت کو صحیح طور پر صرف کرنے کے لئے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ انسان کا مشیرو کی ایسا عقلمند دوست ہو جو اس کے ساتھ ساتھ رہے۔ اور مناسب و مفید کتابیں اُس کے مطالعہ کے لئے تجویز کرتا رہے۔ کالج یا اسکول کے کتب خانوں میں کتابیں تجویز کرنے کے لئے ایسے فاضل اور ادراکدار پروفیسر کی ضرورت ہے جو اعلیٰوں کو دلچسپی دلے اور کارآمد کتابوں سے بھر دے جس سے شاہین علوم کے دماغ جگمگائیں، انہیں علم پر پرتخاؤں میں کتابوں کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ لیکن وہ بالکل ناگاہ اور اس کے کی طرح ہیں جو دیواروں سے ٹکر کر خواب حالت میں پڑا ہو مگر اس سے ایک عالیشان محل تیار ہو سکتا ہے۔ لیکن کارآمد ہرگز نہ ہو گا۔

دعا کی مشورہ معروف کتابوں کے متعلق تنقید کا یہ موقع نہیں ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ان سب کا پڑھنا فائدہ مند ہے لیکن ان کتابوں کی تعداد زیادہ نہیں۔

امریکا کا فاضل دانشور ابراہام لینکلن نے مطالعہ کیلئے بہت کم جایا کرتا تھا وہ اس کا سبب یہ بیان کرتا تھا کہ میں جب بھی کتب خانہ میں داخل ہوتا ہوں تو ہمیشہ یہ خیال میرے ذہن میں پیدا ہو جاتا ہے کہ کتاب

تاریخی کئے۔ شعور محض صحت و ملافت۔ اور جن بیان یہ سب خبیالیں پائی جاتی ہیں اور اس شخص کی مکمل کتابیں آج تک زمانہ نے بہت کم پیدا کی ہیں۔ مطالعہ کی حیثیت سے ترجموں کو ایک خاص مرتبہ حاصل ہے۔ اور مختلف زبانوں کا علمی کامیاداس ذریعہ انسانی دماغ میں محفوظ ہوتا ہے۔ عام طور پر ترجمہ کے قابل وی باتیں سمجھی جاتی ہیں۔ جو حقیقت میں قدر کے لائق ہوں اور انسان کی معلومات میں پیدا فائدہ کر سکیں۔

ترجموں کے مطالعہ کے تحقیق کا مادہ روز بروز ترقی کرتا ہے۔ میرٹھیاں ہے کہ مذہب اور اخلاق کی اعلیٰ کتابیں ترجمہ کے بعد بھی اپنی ذاتی خصوصیات اور رمزی خوبیوں سے لبریز رہتی ہیں۔ اور ان کو قول ہے کہ۔

”اعلیٰ کے واسطے ترجموں سے خاص رغبت رکھنے میں بیش بھی اعلیٰ یونانی۔ جو حسن۔ اعلیٰ کوئی اور فرستہ کسی زبان کی کتابوں کو ترجموں پر ترجیح نہیں دیتا۔ بلکہ ان سب کو اپنی مادری زبان میں پڑھنا پسند کرتا ہیں۔“ اس قول کے کو ترجمے کے بعد ہندوستان کی تعلیمی حالت پر اور زیادہ افسوس ہوتا ہے۔ کہ کہاں کے مطالعہ کرنے والوں کو ترجمے بھی اپنی مادری زبان میں دیکھنے کا موقع ملتا۔ اور اس قسم کا سرمایہ کار کے دماغ کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ سرسری معلومات کی کتابوں سے بچنے کی سخت ضرورت ہے۔ اور ایسی باتوں کا مطالعہ بھی بیکار ہے جو معمولی طور پر اُن کی نگاہوں میں مشہور نگریز ادیب ڈاکٹر جاسٹن بڑی بڑی شاندار کتابوں اور ہجڑوں میں روزانہ جایا کرتا تھا۔ اور وہاں روشن خیال طبقہ سے ملنے کا موقعہ پاکے مفید معلومات کے سرمایہ سے اپنے دماغ کو روشنی کیا کرتا۔

مشہور معروف ادکار ڈاکٹر جاسٹن بڑی بڑی شاندار کتابوں سے اول تو وقت ضائع نہیں ہوتا۔ دوسرے خرچ کم ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں حصول علم کا یہ طریقہ دلچسپ ہو سکتا ہے علاوہ پیچیدہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بعض موقعوں پر جو بات سیکھ کر دل کتابوں کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ موجودہ زمانہ کے قہورہ غفلتوں میں آسانی سے محسوس ہو سکتی ہے۔ مطالعہ کتب کا ایک غریب طریقہ ایک اور بھی ہے جس سے ہندوستان کے لوگ عام طور پر واقف نہیں۔ اس طریقہ کا تعلق زیادہ تر علمی مجلسیں بہت کم ہیں۔ مطالعہ کس نئے اصول پر اُن میں اس طرح تبصرہ کرتا ہے۔

تفصیل کتابوں کی تعداد شمار ہے۔ اس سب کا پڑھنا اور ان سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانا انسان کی مختصر زندگی کو دیکھتے ہوئے بہت دشوار ہے اگر ہمارے علم و دست حضرت آدم علیہ السلام کی کے اصول کو مد نظر رکھتے تھے ہمارے لئے اہم کے کسی خاص حقیقہ کا مطالعہ کریں۔ اور ہمارے اس کی معلومات کا خلاصہ کر کے ہمارے ذہن نشین کریں تو علم و ادب کی کثافت بہت

انہیں باتوں کا لحاظ رکھنا ہے۔ فوری کو شاہنشاہ اور دیگر خیال کے ربا خیال آج تک پیش کش کے قابل بھی جاتی ہیں۔ دینی کے تعلیمیں ٹیکسٹ بکس کے ذرائع۔ لیکن ادھون کی نشر تبلیغی اس ادب کے دورے وغیرہ صحیح اصول پر کام کرنے کے سبب سے آج تک ہندوستان اور ترقی کا سبق سکھانے رہے ہیں اور آئندہ سکھانے گئے۔ اس زمانہ میں افسانہ ڈرامہ اور ناول وغیرہ کو خاص مقبولیت حاصل ہے۔ مگر ہندوستان میں ان کی کثرت نے انسانی دماغ کو زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ اور ان کے صحیح اصول کو نہ سمجھنے کے سبب فائدہ بہت کم۔

اس جگہ اس مسئلہ پر اختلاف آراء کا بیان بھی شاید کارآمد ثابت ہوگا۔ ایک نفسیات کا ماہر ایچ رائے ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے کہ روشا وغیرہ کے زیادہ پڑھنے سے دھڑکیاں ہوتی ہیں۔ پس یہ کہ انسان کی طبیعت خیالات کی بے گناہی سے فطرتاً مانوس ہو جاتی ہے۔ اور اس سبب سے مطالعہ کرنا والے کے خیالات اور اخلاق کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ دوسری ذیلی یہ ہوتی ہے کہ انسان بے ہنگم بن کر لیند کر کے تہذیب و انسانیت کی کوئی قدر نہیں کرتا۔

اگر افسانے ایسے منظر کو پیش کریں جس میں اخلاقی۔ علمی تمدنی یا سیاسی عجوبہ موجود ہوں۔ تو یہ مرض پیدا ہو جاتا ہے کہ اچھا ادا برائی میں امتیاز نہیں رہتا۔ ان افسانوں کے انجام کا اندازہ زیادہ ہوتا ہے اگر کسی شخص کی سیرت ابتداً وسط میں اچھی دکھائی گئی ہو لیکن آخیر میں کچھ اس قسم کے حالات ظاہر ہو جاتے ہیں۔ کہ انجام دماغ کو برائی کی طرقت مائل کر دیتا ہے۔ یہ صورت نوجوانوں کے لئے سخت مضر ہوتی ہے۔ اور اس نقصان کی تلافی اخلاقی تعلیم سے بہت کم ہوتا کرتی ہے۔ مطالعہ کے لئے کتابوں کا انتخاب کہہ وقت ہمیں ادبی کتابوں پر بھی ایک نظر ضرور ڈالنا چاہئے۔ عبرانی۔ اور یونانی زبان میں عیسائی مذہب کی کتابیں پائی جاتی ہیں۔ عربی زبان میں قرآن مجید کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ فارسی میں ہندو پاشند اور اوستا اور ساتراپی نظریہ دیکھنے کے قابل ہیں۔ ہدیہ۔ اپنیشہ منو سمرتی اور جگوت گیتا وغیرہ سنسکرت میں ہندوؤں کی ادبی کتابیں مانی جاتی ہیں جنہیں کے قدیم علم ادب میں عہد مذہب کی کتابیں قابل دید ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ سب کتابیں مطالعہ کے لئے مفید ہیں۔ اور ان کتابوں میں اصولی حیثیت سے ہر طبقہ اور ہر مذہب کے آدمی کو نصیب کے قیمتی جھینٹے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ دنیا کی اکثر فاضل پستیوں نے صرف اس خیال سے نہیں کہ خدا کی کلام ہے بلکہ عام طور پر ان کے متعلق یہی رائے قائم کی کہ ان کتابوں میں سچ و انکسار۔ تہذیب و اخلاق۔

..... اودھ اُدھر کی بیکار پابندیاں اُس کے دماغ کو پریشان نہیں کیا کرتیں۔ ہر شخص کو وہی کتاب پڑھنا چاہئے جو اُس کے لئے فہم طور پر موزوں ہو۔ اور ادبی ذہنی قوت کو بیشمار اذیتوں بالوں کے یا دھکے میں ضائع نہ کرنا چاہئے۔

یورپ میں مغربی انجیل مقدس ہی ایک کتاب ہے جو ادبی اور مذہبی ہر حیثیت سے عام مذاق کی اصلاح کر رہی ہے۔ اس طرح حافظ یا مولانا روم کی تعانیف نے خاص مزید حاصل کیا ہے۔ کنفوسٹنس نے چینوں کے خیالات میں بلندی پیدا کی۔ اور اپرین میں سرونٹس نے کچھ کر دکھایا۔ خاص طور پر عرب بلکہ کل اسلامی دنیا کو قرآن کریم نے عزت و عروج کے مرتبہ بخشنے، اسی طرح ہندوستان میں بھگوت گیتا نے ہندوستانی دماغوں کی روحانیت کی اعلیٰ تعلیم دی ہے۔ عرض انسان کے خیالات ایک ہی کتاب سے بہت کچھ روشن ہو سکتے ہیں۔ اور یہی لحاظ سے یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ کہ اگر معمولی اور ادنیٰ درجہ کے دانشور و ادیب سے مت جائیں تو ہم لوگوں کو غیر معمولی فائدے حاصل ہوں۔ بقول اکن "اسی یورپ میں فکسکریل بلکہ نیا یونین میں سے ایک ہی مصنف کی تعانیف کا مطالعہ ہمارے دماغ کو معلومات کا خزانہ بنا سکتا ہے۔ بہر حال طالب علم کو اپنے مذاق کی درستگی کے لئے اور یہ بیان کہہ سکتے اصولوں کے اعتبار سے ایک باہت سی کتابیں ضرور پڑھنا چاہئے۔ اور یقیناً یہ طریقہ ضرور مفید ثابت ہوگا۔

ڈاکٹر جاسن کرما کرنا تھا۔ ہم اسی سوچ بچار میں رہ جاؤ گے کہ تمہارا لڑکا کونسی کتاب پچھے شروع کیسے اور دوسرا لڑکا اسی میدان میں پہلی اور دوسری سطحوں کتابیں ختم کر لیگا۔ پانچ گھنٹے روزانہ کچھ پڑھ لیا کرو۔ تمہارا عالم بن جائیگا یقیناً ہے؟

ایک زبردست ماہر علم ایک کتاب کے دیباچے میں لکھتا ہے۔ "مطالعہ دماغ کے لئے روحانی غذا ہے جس سے عقل کو بڑی قوت پہنچتی ہے۔ اسی مطالعہ کی مدد سے ہم خود کو پہنچتے ہیں۔ امدادی کتابوں سے سبق لیتے ہیں۔ خود اپنی حقیقت کے واقف ہوتے ہیں اور جانتے ہیں کہ لسان کی اہمیت کیا ہے۔ اسی سے تمام دنیا کی خبریں سمجھ سکتی ہیں۔ اور میں امدادیں تمام حالات و واقعات معلوم ہو جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ لوگ نہایت بدفہم ہیں جو پڑھ نہیں سکتے۔ اور علم کی نعمت سے محروم ہیں۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ شخص اس روحانی غذا کو غلط طریقے پر استعمال کرتا ہے۔ تو یہی نہیں نہر بن جاتی ہے۔ یعنی ایک ہی کتاب کا

آسان ہو جائیگی۔ فرض کیجئے کہ چند علم دوست نوجوان اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی شخص فرض کی ادبی خصوصیات حاصل کر کے اپنے دوستوں کے سامنے پیش کرے۔ اور اس کے دوسرے سامنے بھی پڑھنا اور دوسرے ممالک کے علمی خزانوں سے اپنی سوسائٹی کو مالدار کر کے ہر کر باندھ لیں۔ اور شخص اپنے فرائض ایمان داری کے ساتھ ادا کرتا رہے تو ظاہر ہے کہ اس تجویز کا انجام کف پر مفید ہوگا۔ یہ ترکیب قابل عمل ہو یا نہ ہو ہمارے لئے تبصرہ کرنے والے نے ایک شاہراہ ضرور بنائی ہے اور ہر طالب علم کا فرض ہے کہ وہ اس پر غور کرے کہ ان کم اپنی ہم نظریں کے لئے ایسے ہی ماہر علموں کا انتخاب کرے۔ جو اپنے علمی ذوق کے لحاظ سے فضیلت رکھتے ہو اور دنیا سے ادب میں ممتاز نہ ہوں۔ یا یوں سمجھئے کہ منطق و فلسفہ کی پیش قدمی ہمیں بہت کچھ فائدہ مند ہیں۔ لیکن ہر شخص کے پاس اتنا وقت کمال کہ وہ ان کے ساتھ سرمارے۔ اور پھر زبردست منطقی ہونے کی سند حاصل کرے۔ اس تصنیع اوقات سے بچنے کیلئے یہی طریقہ بہتر ہے کہ ہمارے علمی مجلسوں کا ایک ممبر منطق مسلوں کی حقیقت بیان کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اور منطق و فلسفہ کا مطالعہ شروع کر دے۔ اس میدان کا زبردست شہسوار بنے۔ پھر جو کچھ حقیقت حال ہو اس کو اپنے تجربات کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کرے۔ اور ہم کو اس کے حالات سے اس طرح آگاہ کر دے کہ خطرے کو دھوکے کا دماغ اس کی پستی و بلندی سے واقف ہے۔ اسی درسیان میں ہمیں کا دوسرا فرد کسی طبقہ کے علم عقائد کا ایمان داری سے مطالعہ کر کے وہ باتیں بتائے جو مذہبیات کا بہترین ماہر بنا سکتا ہے۔ عرض یہ کہ اس طریقہ سے ایک ہی وقت میں مختلف علوم و فنون کے زبردست ماہر پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور ان کے وسیع معلومات سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل سکتا ہے۔ اس تجویز میں جو بات سب سے زیادہ اہم ہے۔ وہ اپنے مذاق کے مطابق کتابوں کا انتخاب کرنا ہے۔ اور اس کا صحیح فیصلہ وہی شخص کر سکتا ہے۔ جو اپنے ذوق کا صحیح اندازہ کرنے کی کوشش کرے۔

مطالعہ کا بہترین طریقہ یہی ہے۔ کہ کتابوں کا انتخاب اپنے ذوق اور طبیعت کے میدان کے مطابق کیا جائے۔ وقت مقرر کر کے صفحوں کی مقررہ تعداد کا مطالعہ بھی بیکارسی بات ہے۔ یہ تو ہر تمام بے باقی اور فضول ہیں۔ اس قسم کی آزادی سے ہر علم دوست کو کچھ بھی پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ صرف انہیں اُمید کو ضروری خیال کرتا ہے جو اُس کے کلی مقاصد اور ذائقہ ضرورتوں کے لحاظ سے مفید اور کارآمد ہوں۔ اور

مطلوہ ایک شخص کو روشن خیال فلسفی بنا دیتا ہے۔ اور اسی کتاب کے مطالعہ سے دوسرے شخص جاہل بنا رہتا ہے۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ پہلا شخص صحیح اصول سے مطالعہ کرتا ہے اور دوسرا ایک بیکار کامیاب لکڑی کتاب پڑھتا ہے۔ اس لئے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ مگر یہ شخص اپنی قابلیت کے متعلق اس غلط خیال میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس سے زیادہ قابل کوئی نہیں۔ پھر بھی ضروری ہے کہ ہر مطالعہ کا ایک خاص مقصد مقرر کریں اور ایک خاص اصول کو سامنے رکھ کر کتاب میں پڑھیں۔ جو لوگ ایسا نہیں کرتے ان سے اکثر ایسی غلطیاں ہوتی ہیں جو ان کی ذلت کا باعث ہوتی ہیں۔ چونکہ ایسے لوگوں کو معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ وہ اپنے خیالات صحیح طور پر ظاہر نہیں کر سکتے۔ اس طرح انسان کے دماغ کو بھی کافی نقصان پہنچتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ صحیح طور پر مطالعہ کی کوشش کرنی چاہئیں۔ محض قواعد کی پابندی بھی زیادہ کارآمد نہیں کیونکہ طبیعیات کی غلام بن کر ریجائی ہیں اور آزادی سے کوئی کام نہیں کیا جاسکتا۔ مطالعہ کے وقت جو مقصد ہمارے سامنے رکھا ہو وہ ہمارے خیالات کے مطابق ہونا چاہئے جب یہ مقصد پورا ہو جائے تو پھر ہم دوسری باتوں کی طرف توجہ دے سکتے ہیں۔ دماغ میں مختلف خیالات پیدا ہونے سے بھی عقل کمزور ہوتی ہے۔ اور کوئی صحیح رائے قائم نہیں ہو سکتی۔ طبیعت میں جس قسم کی کتابوں کے مطالعہ کی رغبت پیدا ہوتی وہی کچھ سیڑی سے بڑی جاسکتی ہیں۔ ان تمام باتوں کے علاوہ اس بات کی خاص طور پر احتیاط رکھنا چاہئے کہ مطالعہ کا دماغ صرف یہی ہے کہ خیالات کو کچھ نہ کچھ دیکھو پوچھو رہے۔ ہم جب کسی تصنیف کو پڑھتے ہیں تو اس کے مطالعہ سے ذہن میں کچھ خیالات اس قسم کے بھی پیدا ہو جاتے ہیں کہ جن کا اصل مطلب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ہمارے خیالات کی بھی پیروی کرتے ہیں۔ اور مطالعہ کے اصل مقصد سے ہٹ کر ایک شخص سامنے پر پڑتے ہیں۔ اور پھر رفتہ رفتہ مختلف راہیں نکلتی چلی جاتی ہیں حتیٰ کہ کہیں خود ہی بات معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے تحقیقات کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ برخلاف اسکے اگر ہم مطالعہ ان تمام اصولوں سے ہٹ کر اپنا ہی سے کسی بڑی کتابوں کو پڑھنا شروع کردیں تو یقیناً ہمیں کامیابی نہیں ہو سکتی بلکہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور ہم کوئی ترقی نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے ابتدا سے ہمیں چاہئے کہ ابتدائی علوم کا مطالعہ کریں اور رفتہ رفتہ ترقی کرتے جاتے تاکہ صحیح طور پر معلومات حاصل ہو سکیں۔ اور آسانی پیدا ہو چکی جائے۔ انشاء پر داؤں اور شوق نگاروں کو بھی اپنے مطالعہ میں اس امر کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ ان کیلئے

بھی یہ طریقہ مناسب اور کارآمد نہیں ہو سکتا کہ ابتدائی اور ریاضیاتی طریقوں چھوڑ کر آخری درجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں۔ انہیں اپنے ذوق کی بقائیت سے ابتدائی درجے پہنچنے کرنا چاہئے۔ اور آہستہ آہستہ ایسی طرح ترقی کرتے رہیں۔ تاکہ اگر سستی اور لمبندی سے کافی طور پر واقف ہو جائیں ہر حال یہ خیالات خاص ہر شخص کے لئے یکساں مفید نہیں۔ ہاں جس کو ان کی محنت کا لائق ہو اس کے لئے ان سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے۔ اس بات کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ انسان کے دماغ کی بناوٹ میں بھی ایسا ہی فرق ہوتا ہے۔ جس طرح جسموں کی بناوٹ میں ہر شخص کا ذاتی ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے کوئی خاص جوہر جس کا مقصد مطالعہ ہو دنیا بھر کے لئے قابل عمل نہیں ہو سکتی۔ مطالعہ کر کے ملے کو پہلے اپنی طبیعت کا مطالعہ کر کے اپنے لئے خود کا شاہراہ بنا جانا چاہئے۔ ہر حال یہ ظاہر باتیں بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہیں جو ہم مطالعہ کیا جائے اس کے اندھا توجہ ضرور کھائے کہ مصنف کی خاموشی اور صلاحت کو دوسروں کے سامنے ٹھیک ٹھیک پیش کیا جاسکے۔ جب تک دلائل اچھی طرح نہ سمجھ لی جائیں کسی نتیجہ کو تسلیم نہ کیا جائے بلکہ اس پر برابر غور کیا جائے اور مختلف سوالات کی ہر اور مختلف پہلوؤں سے کی جائے تاکہ نتیجہ کے صحیح ہونے کا اندازہ اچھے طور پر ہو جائے۔ یہ چند نصیحتیں جو لفظ بہ لفظ آسان معلوم ہوتی ہیں مگر حقیقتاً ان پر عمل کرنا بہت دشوار ہے یہی حال اور چند اصولوں کا ہے جو ظاہر میں بہت آسان ہیں اور حقیقت میں بہت دشوار۔ ہتھ دوسروں کی قلمبندی، ملک کی محبت مذہب کی عقیدت جو ہر انسان اور چالی غلطی حیثیت سے بہت آسان ہیں مگر ان پر عمل پیرا ہونا بہت مشکل ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پڑھنا کیا چاہئے۔ ہر شخص کی طبیعت اس سوال کے جواب میں آخری فیصلہ دے سکتی ہے۔ صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ اپنے ذاتی مطالعہ کے مطابق کتابوں کا انتخاب کیا جائے نہ کہ کسی ایک علم اصول اچھا یا برا کیا ہے۔ بہت زیادہ پڑھنا بے شمار مضامین کے پڑھنے سے مفید ہے یا یوں سمجھو کہ بہترین منتخب تصانیف انتہائی مختصر کے ساتھ اس قدر پڑھنا چاہئے کہ ان کی منویات سے دماغ روشن ہو جائے انہیں کی آواز بار بار دماغ میں گونجنے لگے۔ اصول پر مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ہاں یہ ضرور عرض کر دینا کہ ہر ایسی رائے میں عقلی امور ہی لوگ ہر شخص کے جاسکتے ہیں جو مفید باتوں کو تعداد و شمار کے لحاظ سے حل کرتے دیتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو دائرہ عقل کے اندیشہ میں اپنے خیالات کو گھومتے کو ہر جگہ بہرہ دیتے ہیں ان کی غلطیاں بھی جو نکلتا رہتی ہیں سے مددین ثابت ہوتی ہیں۔ ان کے اثرات مٹ جاتے ہیں پھر بھی انشاء ہدایت کی طرح

خیالات کو گولا بناتے ہیں، علم اخلاق پیچیدگی پیدا کرتا ہے، مطلق اور علم کلام بحث و مباحثہ کی قابلیت میں اضافہ کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ انسانی اخلاق کے اند کوئی رکاوٹ اور جباہ نہیں ہے، اگرچہ جو کچھ مطالعہ کی مدد سے ہوتے جلد دور کیا جاسکتا ہے۔

ایک اور مہر تعلیم کی رائے ہے کہ دنیا میں کوئی کتاب شروع سے آخر تک بدترین نہیں ہے۔ آپس کچھ نہ کچھ مفید باتیں ضرور ہوتی ہیں، ڈاکٹر وائل نے اسی مطالعہ کے مسئلہ پر یہ مشورہ دیا ہے کہ ”دیر پا چہ اور فزت کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔ یہ دونوں چیزیں اصل کتاب کے حال پرست کھینچنے والی ہیں یہی ڈاکٹر ایک اور جگہ کہتا ہے کہ ”مطالعہ کتب سے ہمدردی معلومات اور واقفیت میں بڑی وسعت ہو جاتی ہے۔ ماضی و حال کے معاملات و خیالات اور زندہ و مردہ لوگوں کے اعمال اور حادثات اسی مطالعہ کتب کی روشنی میں ہم تک پہنچتے ہیں۔ کتاب ہی کے مطالعہ سے ہم کو تمام انسانوں کے حالات و دیانت ہوتے ہیں مشاہدہ محکوم و وہ باتیں بتاتا ہے جو ہم خود اپنی تحقیق سے معلوم کرتے ہیں اور اکثر اس کا دائرہ اس قدر محدود ہوتا ہے کہ کین اشیاء کو کچھ سمجھ طور پر نہ جانتے ہوں وہ دیکھنے میں نہیں ہیں ہمیں مطالعہ سے نہ صرف مختلف اقوام اور مختلف زمانوں کے کارناموں اور جذبات کا علم ہوتا ہے بلکہ سب سے زیادہ دانشمندی نوع انسان کی ممتاز جماعت یعنی علماء و حکماء کی خصوصیات اور تجربات ہماری طبیعت کے اندر منتقل ہوتے ہیں پھر لطیف یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے دھن اور سکس سے ہم کو کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ بڑوں نے شمار کتاب میں ناقابل اور غیر منصف مزاج لوگوں سے بھی تصنیف کی ہیں لیکن اس قدر یقینی ہے کہ جو کتاب دنیا میں زبردست شہرت حاصل کر چکی ہیں وہ مختلف زمانوں اور مختلف اقوام کے بہترین اور بزرگ دانشمندیوں کے دل و دماغ کا نتیجہ ہیں۔

جب ہم بہترین تصنیفات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے جذبات اور خیالات بھی صرف اس وجہ سے دشمن اور اعلیٰ ہو جاتے ہیں کہ عیسائی فن ان میں اپنی بہترین معلومات جمع کرتے ہیں۔ یہ لوگ آؤں تو مطالعہ ہی نہایت محنت سے کرتے ہیں اور پھر نہایت کوشش سے اپنے خیالات لکھتے ہیں۔ ایسے سڑے یا عموماً نہایت وسیع مطالعہ اور کافی تجربہ کا نتیجہ ہوتے ہیں اور خصوصیات گفتگو یا کسی کے تقریر سے نصیب نہیں ہو سکتیں تقریر اور گفتگو سے ہم اپنے دوستوں یا ناایقوں کے خیالات کا اندازہ لگا لیتے ہیں اور مارا کہ یہ طریقہ عمل مفید ہی کیوں نہ ہو مگر ناگہانی خیالات جو اچھی ملاح بحث نہیں ہوتے ہمارے لئے یقینی طور پر نادمہ منہ میں جو سکتے۔

سہ سے راستے کی طرف رہنمائی کرنے میں پڑھنے والے کا منہ ہلے کہ۔ میری رائے میں وہ ارباب علم بھی خاص عزت کے مستحق ہیں جو غلطیوں کے مٹانے کی سعی کرتے ہیں اور ان کے بجائے کوئی صحیح خیال نہ قائم کرنے ہیں اور نہ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں۔

اٹلیکولر لائبر ر دو عالمی زندگی کا معنیف اسی زیر تجویز مسئلہ پر ایک نیا خیال ظاہر کرتا ہے اس کے قول کے مطابق پڑھنے کا فن لطیف صرف اسی پر منحصر ہے کہ مطالعہ جستہ جستہ کیا جائے اس کی رائے ہے کہ تمام لائبریریوں کا بہت آسانی کے ساتھ مطالعہ کیا جاسکتا ہے اور ہم کو ان خاص مقامات پر پہنچنے کی ضرورت نہیں ہے جو کتابی معلومات کا سرچشمہ ہیں یعنی مطالعہ کا منبع اور جدید طریقہ یہی ہے کہ غیر متعلق امور کو قطعاً نظر انداز کر دیا جائے اور جن باتوں کی واقعی ہم کو ضرورت ہو ان کو جستہ جستہ انتخاب کر لیا جائے۔ گو یہ طریقہ کار خارجی اسباب پر منحصر نہیں ہے اور نہ خارجی اسباب کی رہنمائی سے اسکا پے لیکن یہ طریقہ بہت راہی ذہنی ضروریات کو تسقہ ہم خود اچھا سمجھ سکتے ہیں کوئی دوسرا شخص بھی نہیں سمجھ سکتا۔ ہر اخبار میں جو ہمارے ماتھے میں آتا ہے پڑھنے کے قابل وہی چار باتیں ہوتی ہیں اب یہ کا فن مطالعہ جاننے والا کہہ سکے کہ ان دو چار باتوں کو ڈھونڈ کر پڑھ لے اور دوسری باتوں میں اپنا کارآمد وقت نہ ضائع کرے۔

لارڈ بیکن نے بھی مطالعہ کے متعلق بڑا مفید مشورہ دیا ہے اس کا قول ہے کہ ”بعض کتابیں صرف جاشی کے طور پر ڈال دیئے گئے ہیں بعض بالکل بھول جانے کے قابل ہیں اور بعض اس لائق ہیں کہ پھیلان کی جھگالی کر جائے اور پھر ان کو ہضم کیا جائے۔ اس کی تفریح یوں ہونا چاہئے۔ کہ بہت سی کتابوں کو تھوڑا سمجھ کر اٹھیں کہیں سے پڑھنا چاہئے۔ بہت سی کتابوں پر لوٹیں سرسری نگاہ ڈالنا چاہئے۔ اور چند کو نہایت گہرے طور پر سمجھنے کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جو کسی دوسرے کی ذہنی مٹی جاسکتی ہیں ان کے انتخابات کو کچھ غیر معمولی فائدہ پہنچا سکتے ہیں لیکن یہ صدمت جسب ہی مناسب ہے کہ کتابیں پچھ رہے ہوں اور دلیلیں کچھ زیادہ اہم ہوں یہی انتخابات مضامین کا مجموعہ دشمنانہ کی طرح ہوتا ہے جس کی علمی شامیں دل و دماغ کو چمکا دیتی ہیں۔ انسانی مطالعہ کی تکمیل کرتا ہے۔ تربیت و مشورہ ضروریات زندگی کے لئے انسان کو جستہ بناتا ہے۔ لکھنا۔ انسان کو طبع کھلیک آدمیت کے دائرہ میں رکھتا ہے اس لئے اگر کوئی شخص کم لکھے تو اس کو زبردست ملاحظہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ تربیت و مشورہ سے محروم ہو تو دماغ کسی کام کو نہیں رہتا غرور و غرور و علم تاریخ انسان کو دانشمند بناتا ہے۔ شعور و شاعری خوش طبعی پیدا کرتی ہے۔ ریاضی سوج پارکا مادہ پیدا کرتی ہے فلسفہ اور طبعیات

جو چہیز حقیقتاً قابلِ قدیموں ان کو ضرور باد رکھنا چاہئے۔

میری رائے میں کسی کتاب کو بغور پڑھنے سے پہلے اس کو سرسری طور پر دیکھنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ بہت سی دشواریاں جو پہلی بار مطالعہ کرنے میں باگسیاں سمجھیں نہیں آتیں دوسری بار مطالعہ کرتے وقت خود بخود حل ہو جاتی ہیں۔ اس کو دوسری کا سبب خاص یہی ہوتا ہے کہ مصنف کی پوری تجویز سمجھ میں نہیں آتی۔

عزیز میرا سائل اور کتب کا مطالعہ اسی اصول پر کرنا چاہئے اور معمولی دشواری کو ہلا پس و پیش پہلے ہی مطالعہ میں حل کر لینا چاہئے۔ جب ہم کتاب پر دوبارہ نگاہ دوڑائیں گے تو یقیناً ہے کہ کچھ حل کی ہوئی دشواریاں یا تو آئے یا نئے اختراں کو بائبل غائب کر دیں گی یا کم از کم دوسرے مطالعہ میں کافی سہولت پہنچا سکیں گی۔ مطالعہ میں پہلی بار جو بائیں دماغ میں نہ آسکیں یا نہ بھی جا سکیں۔ ان پر مزید تحقیقات اور تلاش کے لئے نشان کر کے چھوڑ دینا چاہئے۔ اور ان کے بعد جو صفحے سامنے ہوں ان پر پورا غور کر کے یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ کچھ صفحات پر ان کے معانی میں سے کافی کوئی پڑ سکتی ہے یا نہیں۔

بہت سے لوگ اس قسم کے بھی میں جو بڑی محنت اور مسلسل مطالعہ کو اپنی زندگی کا اصول خاص بنا لیتے ہیں مگر علم حقیقی کے راستے میں ایک قدم بھی ترقی نہیں کرتے۔ ایسے لوگ جی جی میں ان خیالات سے مرتب حاصل کرتے ہیں جو ان کی نگاہوں کے سامنے سے گزرتے ہیں یا جنہیں وہ اپنے کانوں سے سنتے ہیں گو یا کہ ان کا پڑھنا یا سنا ایک قسم کی دُکھ کاہنیاں ہوتی ہیں جو ان کے دماغوں میں محض دلچسپی کی خاطر سانسکتی ہیں۔ یہ لوگ نہ تو ان کو خاص طور پر پڑھتے ہیں اور نہ ان سے مفید نتیجے نکالتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی نگاہ میں محض کو چرتی رہتی ہیں یا تو ان کہنا چاہئے کہ الفاظ ان کے کانوں پر جو چکے ٹھہرے کسی حیثیت رکھتے ہیں پیچھے رہتے ہیں۔ ایسے خیالات جو اس قسم کے یکساں مطالعہ کے ذریعہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ رات کی کہانیاں کی طرح یا کسی سبز زار پر بالوں کے ٹکڑے کی مانند اگر آنا فنا میں دیر جو چر جو جاتے ہیں۔

سید یعقوب حسن شاہ جہا پوری

ادھر سے الفاظ آئے جوتی: وہ کیا نہ نکلیں گے اب زباں سے
امیر زنجیرِ عزم نہ قدامیں، نجات جی شورش جہاں سے
اتار لانا تھا جا کے تارے زمیں پہ را کو تو آسمان سے
تجھے بلا یا تھا کس نے ظالم ہمشباب: تو آگیا کہاں سے

مطالعو کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہم اپنے پڑھنے سے ہونے کو بار بار دہراتے کئے ہیں۔ کتاب سے مشورہ صرف ممکن ہوتا ہے اور اطمینان و سکون کے وقت غور و فکر کا موقع ملتا ہے۔ اس کے خلاف تقریر لکھنا اکثر ذہن میں قائم نہیں رہتی اور یہ تو اکثر ہوتا ہے کہ جہاں مجلس اٹھی یا دو ایک دن گندگئے تو یہ سب سے ہونے خیالات بھی منٹ ہو جاتے ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے یا تو زبردست حافظہ ہونا چاہئے یا مثنیٰ سنائی باتوں کو جو یاد رکھنے کے قابل ہوں نوٹ کر لینا چاہئے۔ انہیں طویل دورہ کی بنا پر یا پوں سمجھو کہ وقت کی کمی اور محنت کو نوٹ نہ کرنے کے باعث بہت سے تعلیم یافتہ مفید باتوں کو حل کرنے سے محروم رہتے ہیں اور چہر ان باتوں کو یاد رکھنے دوسرے کو یوں پرچانے کے بھی قابل نہیں رہتے ہیں۔

خاص کتابیں خواہ وہ کسی قسم کی ہوں یا مخصوص کسی مستقل مضمون پر کوئی مکمل رسالہ پہلے پہلے سرسری اور معمولی طور پر پڑھنا چاہئے۔ اس مطالعہ کا مقصد خاص صرف یہی ہوگا کہ ہم کو انشا پر ادراکی ذمات اور طرز ادراک کا کچھ کچھ پتہ چل جائے۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی یقین ہو جائے کہ اس سے ہمیں حد تک فائدہ حاصل کر سکیں گے۔ میری رائے میں اس قسم کی مصوبات حاصل کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دو یا چار پڑھنا چاہئے پھر بہت مضامین پر ایک نظر ڈالی جائے اور کتاب کے مطالعہ سے پہلے مضامین کتاب کو ادب بیان کئے ہوئے طریقہ کے مطابق جانچ لیا جائے۔ اس طرح نہ صرف کتاب کے مطالعہ کرنے میں مدد ملے گی بلکہ دوسری بار اس اصول پر عمل کرنے سے مضامین کے بار دیکھنے میں بے حد مدد و پونچے گی اور مصنف کا مقصد آسانی سے سمجھ میں آجائیکا اور فضول محنت سے نجات مل جائے گی مطالعہ کے وقت جو باتیں نئی ہوں اور پہلے سے معلوم نہ ہوں ان پر نشان لگانا چاہئے اور پھر کتاب کے بابوں اور فصلوں کو دہرا کرنا چاہئے جس وقت تک کوئی مطالعہ کرنے والا غیر معمولی حافظہ کا انسان نہ ہو میں اس قسم کے مطالعہ کو مشورہ دوں گا۔ اس کی دیل صرف یہی ہے کہ کوئی کتاب یا کوئی باب جو ایک بار مطالعہ کے قابل خیال کیا جائے گا اس کا متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا دوبارہ مطالعہ غیر ضروری ہے۔ پھر صورت نشان کی ہوئی سطروں یا قولوں کو دوبارہ ضرور دیکھنا چاہئے اور ان نشانہ کاندہ

لبوں پچھن کی کیا نہ آئے گی اب وہ معصوم شکر! بہت
نہی گرا تباری مشائیل۔ نہ تمی یہ باہندہ ی عسلاقی
مراہندہ و لا تھار عرش اعظم۔ سرے کھلنے سے چاند سورج
مراہندہ و لا تھار کھا کھا۔ اسی میں جہاں تھا میرا پچھن

بھولی

بہت ہے صحبت باہمد گر مغرب دونوں کو
اسیرِ رشتہ جذباتِ نامعلوم ہیں دونوں
بہمِ مل بیٹھنے کا شغل ہے محبوب دونوں کو
گرفتارِ طلسمِ حیرتِ معصوم ہیں دونوں

محبت ان کی قیدِ جنس سے آزاد ہے یکسر
مغادِ باہمی سے ہے تعلق بے نیاز ان کا
خوشی سے ان کی دنیائے خیالِ آباہے یکسر
نہیں ہے دشمنِ عیشِ آسمانِ فتنہ بازار ان کا

ابھی یہ بے خبر ہیں چرخِ دُلوں کی دُولِ شعریٰ سو
ابھی نا آشنائے گردشِ ایام ہیں دونوں
نہیں پالا پڑا ان کو پریشاں روزِ گاریٰ سو
غرضِ بیگانہ اندیشہِ انجام ہیں دونوں

کبھی نا آشنائے گردشِ ایام تھائیں بھی
نہ غم دکھا تھائیں نے بھی پریشاں روزِ گاریٰ کا
کبھی بیگانہ اندیشہِ انجام تھائیں بھی
یقین تھا مجھ کو بھی دورِ طرب کی پائیدیٰ کا

یونہی بیگانہ افہر جہاں سے آہ میں بھی تھا
کہ نہ پتے بلیوں کے آہ میرے بھی تھے بھولی
یونہی آزاد قیدِ این و آل سے آہ میں بھی تھا
مرا بھی شغلِ تھاپوں سے مل کر کھیلنا ہولی

مجھے اے کاش پھر بیگیاں حاصل ہو چن چن کی
میرے پھر مجھے بچپن کی کامل شادمانی ہو
مرے شغلوں میں معصومیتیں شامل ہو چن چن کی
اُسی صورت سے پھر بے لوث میری زندگی ہو

عرب کی عورتیں اور بدیہہ گوئی

آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

دو مشیزہ نے یہ تقریر کچھ ایسے جا دو بھرے لب و لہجے کے ساتھ کی کہ ہم سب کے دل اُسے شکر و تحمید کے جذبہ بات سے لبریز ہو گئے۔ میں نے کہا کہ کیا تم نے اپنی جعلی کے متعلق کوئی شرمیلی کہا ہے۔ اُس نے بڑبڑایا کہ ہاں اور پھر یہ دو مشیزہ

كُنْ اَنْتِ اَزْ عَلِيْهَا الصُّكُوْرُ اَصْحَابُ شَدَّتْ اِنَا صِلَا هَا اَزْ اِلْحَامِ
تَوَجَّه - نہانہ کے احوال ایسا اور صواب (ایک شعر کا نسخہ) (دست) ہوا

ہے خدا کے کس بات کی انھیں ہم دہائی تو گن سہیجے بیٹے
شغل ہو جاویش (دہائی) تو ہم ایسی قوم تھی کہ جب بھکاری اُن کے پاس آتے تھے تو وہ اپنی بخشش اُن سے سب سے زیادہ کرتے تھے۔

پھر میں نے کہا کہ کیا آپ نے چہے کو ایک لمحے کے لئے بے نقاب کر کے
محمدا امارت دو گی کہ گستاخ نظر کیوں لوں - اس پر دو مشیزہ نے عرض
نقاب اللہ ہی۔ اُس وقت میں کیا کہوں کہ دلچسپ کیفیت عاری ہو گئی
بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ چاند کوئی ٹکڑا ہے جو آسمان سے ٹوٹ کر زمین پر آگیا

ہے۔ یا فردوس بریں کی کوئی حور ہے جو چند دنوں کیلئے اس دنیا کی سیر
کرنے کو آئی ہے جس و جمال کی ایک سیم دیوی تھی جو میرے سامنے
کھڑی تھی۔ یا قدرتِ صانع کا ایک بہترین نمونہ بھی جسے دیکھ کر معلوم
ہوتا تھا کہ قدرت کے قلم کار نے اپنی صناعت کی ایک ایک خوبی اُس کے
اندہ بھری ہے۔ یہ کہنا بالکل مبالغہ سے خالی ہے کہ انسان کے کچھ وہ

پیرائے بیان اُس کے جمال کی تقریر و توصیف کرنے کے حق سے عہدہ
برائیں ہو سکتے تھے جسے سے نقاب اٹھے ہیں اُس نے شہہ بیٹھے۔
اللہم ابدلْ مَصْصِفًا قَدْ صَا هَا اَبْوَالِ قَبْلِ تَخْبِرُ اِلٰهِيَا
فَقَدْ تَعَوَّلَ بَعْدَ كُنْفِي حَسْبُهَا وَاهُو اِحْوَاوِ حَكَمِ عَنِ الْاَوْفَا
ترجمہ - آہ! افسوس نہانہ اُس چہرے کو بے نقاب کر دیا جس کو گردش
ایسا ہے پیٹے میرے ماں باپ نے مجھ جیسا کہ رکھا تھا۔

لہذا یہ کہہ گئی۔ چندے سوچے بغیر خود متاثر نہ ہوا۔ میں اس وقت تک نہیں

قدت نے اہل عرب کو فصاحت و بلاغت اور قدرت بیان کا نمونہ
نکلا اور ساتھ ہی ذہانت و لطافت اور طبیعتی دلکاشی و موزونی طبع کا جو
جوہر طبیعتِ حیرت فرمایا عناصر کا اثر یہ تھا کہ وہ موزون و متعین تک بغیر اوتار
باقوں یا قوس میں ایسے جیتے اور موزوں اشار پر وہ دینی تھیں جنہیں مشرک
انسانی عقل حیرت میں غرق ہو جاتی ہے۔ بدیہہ گوئی ایک ایسا حیرت انگیز اور
دلچسپ کمال ہے کہ مردوں کی زبان سے جو کلام بدیہہ گوئی کے انداز میں ادا
ہو جاتا ہے عموماً اہل محسوس کی گری کا سرمایہ سمجھا جاتا ہے۔ پھر کچھ خیال
فرما لیتے ہیں کہ جو کلام عورتوں کی زبان سے بیاختہ ادا ہو گا وہ کس حد
تک سننے والوں کے لئے دلچسپی کا سامان ہم پہنچا سکیگا لیکن اسی خیال کی
بنیاد میں عرب کی شاہ و حور تو ان کی بدیہہ گوئی کی چند دلچسپ مثالیں پیش
کرنا چاہتا ہوں۔ ان اشخاصے جہاں آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ مردوں کی طرح
عرب کی عورتیں بھی کس درجہ قادر الکلام اور موزونی طبع ہوتی تھیں۔
یہ حقیقت بھی واضح ہو جائیگی کہ عموماً دہائی زندگی بسر کرنے کے باوجود اُن
کے جذبات کس درجہ گہرے۔ اُن کے احساس کس درجہ پر کیف۔ اور اُن
کا مطالعہ فطرت کس حد تک وسیع تھا۔

ابو حسان عباسی اور ایک مشیزہ

ابو حسان کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں چند ساتھیوں کے ساتھ ایک مقام
پر بیٹھا ہوا تھا کہ اُسے میں ایک نقاب پوش و مشیزہ آئی اور ہمارے سامنے کھڑ
ہو کر کہنے لگی کہ

اے لوگو! میں کوئی خبر بھی ہے میں قبیلہ عکک کی ایک لڑکی ہوں جس
کی آسائش و راحت کو میری بہنوں کا سیلاب بہا کر لے گیا۔ نہانہ کے صاحب
نے اُن کو باطل مفلس اور کنگال کر دیا اور اب انک کا اب اُن کے پاس
بیٹھے نے ایک جا رہی اور وہ دھپینے کے لئے ایک کبری بھی نہیں
ہے۔ تو کیا خدا کا کوئی نیک بندہ ہے جو ان کی اعانت و امداد کے لئے
سزا دے گا یا تم بڑھاپے اور اُن کی مصیبتوں میں اُن کا مددگار ہو کر

لے ہو رہ گئی۔ چندے سوچے بغیر خود متاثر نہ ہوا۔ میں اس وقت تک نہیں

مجھے تو بہت عین المومنی کی بات بار بار یاد آتی ہے جب اُن
کس ایک کاکڑم اپنی جوانی خائیکے دؤں میں اوجسن و جمال کے ایام میں کسی سے
نکاح کرکے کو تو نہیں زندگی کا حقیقی عیش و آرام میسر جاتے۔ اور جب تم
جاؤ گی کہ ”حقیقت“ حوائی“ کا زمانہ کس پر کیف اور ہر مسرت موتا ہے۔
اس پر نہ پتا ہے جو ابد ستم خدا کی میں ایک آزادانہ زندگی اس طرح بسر
کرتے کہ وہ کہہ کر میرا مالک نہ ہو اور کسی کی اطاعت گزاری پر مجھے مجبور نہ کیا
جاتے زیادہ پسند کرتی ہوں پسند اس کے کہ نہیں کے ان گنت خزانوں
کی کنجیاں میرے ہاتھوں میں دیدی جائیں اور مجھ کو تمام زمین کا مالک بنا دیا
جائے۔ اس کے بعد اس نے تین شعر پڑھے۔

اَمْ لِحَالٍ اِیْمٰی وَاَحْمَدٌ حَقٌّ
وَلَیْسَ عَلَی السَّجْدِ حَالٍ یٰ اِبْنِ
اَصِیْلٍ لِّسَ وَاَوْجَلْ عَلَیْکَ لَکَ
لِیْسَ اِذَا مَا لَکَ لَیْسَ اَلْمَلِکُ
بَعْدَیْشَ بَعْدَیْشَ وَبَعْدَیْشَ حَاجِیْ
تو ہے۔ کیاس کے بعد کہیں آزاد ہوں اور اسی آزاد کردہ دوں کو میرے اوپر
کسی طرح کا اقتدار نہیں ہے میں خداوند کے فضل اُس کی ملوک کے
ہو جاؤں ؟ یقیناً جیسا کہ سبت مجھے جلد فرختے میرے اعمال نہیں
فقرو فائدہ کی زندگی گذارنا۔ مگر حوت کے ساتھ یہ زیادہ اچھا ہے نہ بہت
اس کے کہ کرنا کے حوادث سے بچا رہوں نا رہے۔

خدا کرے میں مری جاؤں اگر تباہی کی طرح میں بھی نہ ادنیٰ خود داری
کو باقی رکھنے کی کوشش نہ کروں۔

میں ! ”تو یہ سمجھا ہوں کہ دنیا میں ایسی ایک حوت کا ملنا ناممکن ہے
جو بچ بچ مردوں کی طرف رشتہ نہ رکھتی ہو۔

دوستیار ! اگر آپ کا بھی خیال ہے تو یاد رکھئے کہ میں آپ کے ناممکن کو
”ممکن“ کے لئے دکھلاؤں گی۔ توجہ نہ لے سکتی ہوں کہ جب سے میں
جوان ہوئی ہوں قریب قریب دس نوجوان اور دو جوان بھی کیسے چمب
و نسب سال و دولت حسن و جمال ہر اعتبار سے ایک دوسرے کے بڑے چمب
مجھے نکاح کرنے کی درخواست کرچکے ہیں لیکن میں بچ کبھی ہوں کہ میرا
دل اُن میں سے کسی ایک کی طرف بھی مائل نہیں ہوا۔ کیوں ؟ محض
مردوں کے ظلم و ستم کے ڈر سے۔

اس گفتگو کے بعد دو شیون علی گنجی اور میں دل میں دل سے کر رہ گیا۔

ایس۔ اے

اکبر آبادی

لو اے تماشا نویس کے حسن سے اب اپنی آنکھوں کو کھٹک چکا

لیکن ایسے اعضا کو گناہوں سے دور رکھو

ان دو شعروں میں خدا جلالتے کس بلا کا رد تھا کہ جس نے ہی بتایا ہو گیا
اُن کا ایک ایک حرف معلوم ہوتا تھا کہ کبھی کی طرح نشترین کہ سری رگ رگ
میں اُتار جاتا ہے جس میں وقت محسوس کر رہا تھا کہ کوئی غیر محسوس و
غیر برتری کشش ہے جو خدا طبعی ارک کے ساتھ نہایت سرعت سے میرے
دل و دماغ کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے یا میں خود مجبور بلا کسی سبب کے اُس میں
جذب ہو جانا چاہتا ہوں۔

میں نے کائناتی موی زبان سے کہا۔

میں۔ کیوں ؟ تم اُس شخص کے شغف کیارنے کبھی ہو چکیں اور تم اسے
قبیلہ کو فقر و فاقہ کی مصیبت سے نجات دیدے ؟

دوستیار ! ہم پہلے غرض ایک میں۔ سیری ماں سیری ہو نہیں۔ اور ایک
بھائی بھائی کس ہونے کی وجہ سے اگرچہ کائنات کرنے کے قابل نہیں ہے۔
لیکن اللہ کا رزق بہت وسیع ہے اور اُس میں تمام مخلوقات کا ہر حصہ ہے
تو پھر میں کیا ضرورت ہے کہ اپنے نفس کو محض رزق حاصل کرنے کی وجہ سے
دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دلائیں ؟

میں۔ شاید تم نہیں سمجھیں میں جس کی طرف اشارہ کر رہا ہوں وہ نکاح ہے
جس کو اللہ تعالیٰ نے خلائق کے واسطے میں سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کا چچا زاد بھائی ہوں اور مال میرے پاس اتنے بے شمار ہیں نہیں
آسکتا۔

دوستیار ! مجھ کو اگر نکاح کرنا ہی ہوتا تو مجھے تمہارے مال کی چنداں ضرورت
نہ تھی۔ بلکہ صرف تمہارا حسن و جمال ہی ایسا ہے جو دنیا کی تمام تر غیب و
دلی چیزوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ لیکن میں کیا کروں۔ میں تو ان عورتوں
میں سے ہوں جن کو کسی شخص کا حسن و جمال یا اُس کا مال اُس کی طرف
مائل و راغب کر دینے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

میں ! تو پھر اچھا یوں کہو کہ تمہاری قسمت نہیں اور تمہارے قبیلہ کو افلاک
کی آفتوں سے نجات دانا نہیں چاہتی ہے۔

دوستیار ! نہیں۔ بعد انہیں۔ ہانڈی کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو
کھا لینا بہت آسان ہے نہ بہت اس کے کہ میں ہمیشہ کیلئے اپنے آپ کو
کسی کی ملک میں بدوں اور اُس کی اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کر کے
باندھ لوں گی۔ اور نہ بھی مجھ اپنی بات پر کہ وہ مجھ پر اور میرے قبیلے
پر مال کے ذریعہ ایک احسان کرنا چاہتا ہے۔

ستمبر کی چودھویں سے آئے۔

نمایشوں کا مرکز بنی ہوئی تھی! مداح، میں اس نتیجے پہنچتی ہوں کہ ایک جوان عورت کی زندگی میں جب یہ معرکہ ہو جائے تو ہر اس کی تباہی میں شک نہیں، بچانا اس کی تاجرہ کاری حلِ مہر کی اہل نہیں اور اگر کسی دوسری طرف سے حل پیش نہیں ہوتا تو اس کے پاس اس کا کیا علاج ہے؟ ابھی وہ اپنا فقرہ ختم نہ کرنے پائی تھی کہ الجھائی کر سے میں داخل ہوا۔

”میدم، علاج تو سرخاڑی کا ممکن ہے، اُس نے کچھ نہیں اور کچھ سنبھلی کے ساتھ کہا اور وہ ڈاکٹر کا یہ عہدہ سن کر کچھ ایسی حالت میں مبتلا نظر آئی جس میں نصف انتہا اور نصف توقع ہوئی ہے۔

میں نے الجھائی کو مخاطب کر کے کہا کہ میدم کے تختے میں کسک ہے۔ گراب دیر تھی ہو گئی ہے کہ میرے اور کام رہ جائیں گے۔ اس لئے وہ میری بے تکلفی کو نظر انداز کر کے میدم کو بھی لے کر بڑھو کر اور لے کر بعد اپنے مطب میں جا کر میڈم کی شکایات پر توجہ کرے۔

”اگر میڈم ہم دونوں کو لے کر اپنی محبت سے مصروف کریں۔ تو مجھے از حد مسرت ہوگی“ یہ کھرا تجاویز اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اور میں نے دیکھا کہ تہذیب و اخلاق کا یہ معمولی اظہار حقیقت بن کر اس کی آنکھوں میں چمکنے لگا۔

وہ صرف مسکرا دی۔

آرام تو دل پر میں کا مشہور ایسٹرائٹ، میں نہایت پلفٹ اور لذت لے کر لے کر بعد میں اُن سے گفتگو ہوا۔ کیونکہ اسی شام کو میری روائجی تھی۔

اسٹیشن پر دونوں مجھے خدا حافظ کہنے کے لئے آئے۔ حالانکہ میں صرف الجھائی کا متوقع تھا۔ جہاز پر سے میں نے اُسے ایک خط لکھا اور دریافت کیا کہ کیا وہ اس کی شکایت رفع کر سکا۔

اُس کے جواب میں اُس نے مجھے اطلاع دی کہ وہ اُس کے صبر کے حل کرنے میں مصروف ہے۔

ل۔ احمد

پھر اُس نے وک ٹرک کرنا اپنا افسانہ حیات بیان کرنا شروع کیا۔ اس وقت اُس کی عمر ۲۶ سال کی تھی اور وہ ۱۰ سال کی عمر میں اس کی شادی ہو گئی تھی۔ فطرت کی سستہ طریقوں کا بھی عجب جس۔ شادی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس کا شوہر سوئے کے حادثے سے جان بحق ہو گیا۔ ایسی حالت میں میری زندگی اُسے دو بچے معلوم ہوئی اور بعض دوستوں کے اصرار پر وہ بہت جلد ہی علی گڑھ گیا۔ وہاں ایک صحبت میں ایک محراب دار کوئٹہ سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ اور اُن کوئٹہ کو جب اس کی سوانح حیات معلوم ہوئے تو زیادہ عبات و سہمدی کا برتاؤ کرنے لگا۔ اور ہر چند وہ اپنے خیال میں لذت حیات ختم کر چکا تھا۔ لیکن اس روکی سے ملنے کے بعد اُس نے غرضت کو واپس آئے محسوس کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسے اپنے ساتھ محل میں لے گیا۔ اور وہ وہاں رہنے لگی۔

وہ نہایت دلنشین تھا۔ اور ذرا وانی دولت جرات محسوسات کے لئے جس حد تک ترقیاتی کام کا حصہ مل سکتی ہے۔ اُس۔ کئے بھی دیکھ سکون ثابت ہوئی۔ پھر سال کا دل بہار اور حیات واقعی زندگی کے لطف اُٹھائی ہوئی۔ ہر وہ چیز جو دوسرے غریب یا مہکتی تھی۔ اس کو میری تھی۔ اور مار کوئٹہ سے جان کر کہ ایک نواب زاتین۔ دولت و نعم کے علاوہ بھی کچھ چاہتی ہے۔ جو وہ نہیں دے سکتا۔ دولت کے عروج سے ہی اس کی طافی کرنا ہوتا تھا۔ آرام حیات و آفات دنیا کی ہیئت کے لئے نعم نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ اس کا ضعف العمر پرست مار کوئٹہ میں اسے دیا گیا۔ یہ دینا چاہتا تھا۔ اور اس کے قانونی مشیر نے جائیداد پر قبضہ لیکر اُسے بیدل کر دیا۔ وہ صیت میں اس کا کہیں ذکر نہ تھا۔

اس واقعہ کو ابھی صرف میں ہی بھٹے گذرے تھے اور جب یہ مار کوئٹہ کے مکان سے رخصت ہوئی تو علاوہ بلوسات کے اس کے جوڑے میں ایک ہزار ڈالر تک سے زیادہ لے گئے۔ یہاں پہنچ کر ایک ایسے عوام میں جو نصف آزداد اور نصف سوال تھا کہنے لگی۔ میں نے سنبھل کر کبھی خیال نہ کیا میں اس حالت کی متوقع تھی۔ میں نے کیا کروں؟ میرے پاس صرف سو فرامک تھے۔ میں اور میری بیوی کوٹ پل چیریز ہے جسے رخصت کرنے میں مجبور ہوں تھی۔ لیکن یہ سوال پھر بھی قائم رہا۔ میرا کوئی نہیں۔ میں کوئی کام بھی نہیں جانتی عجب شکل معر ہے۔

یہ دوستانہ مزین اور افسانہ شوق آمیز مسئلہ میں بھی کچھ سوچ میں پڑ گیا: ایک نورمان عورت جو تعلیم یافتہ ہے اور میں بھی شائستہ ہے اور مہذب بھی اور پھر دلکش ہے اور حسین بھی۔ اس بعد کا حل جیسا ہے کہ میرے سے باہر میری زندگی۔ جنگل مارا رانی حیات کی عجیب

سیر لبورپ

(طبقات شمالی کا ایک افسانہ)

”کھ اور تکلیف کا ذکر اسے فوراً بے چین کر دیتا تھا۔ انسان کے دل کا وہ جذبہ جو ہر وقت اسے اپنے تئیں قربان کر دینے پر اُٹھاتا رہتا ہے ایسی اس کے دل میں انسانی مسردی کی صورت میں بسی پاتا تھا۔ محبت کا وہم اس کے دل میں ابھی ماں باپ اور بھائی بہنوں کے ساتھ پیدا اور شفقت کے احساسات تک محدود تھا۔“

گت سنہ ۱۹۵۷ء میں انیس نے انگلستان کا سفر اختیار کیا۔ گھر کے تمام لوگ اسے رخصت کرنے کے لئے باہمی طور پر یکساں ہو گئے۔ اس کے باپ نے بمبئی تک اس کی رفاقت کی۔ جہاز روانہ ہونے پر انہوں نے دعاؤں سے دیکر اسے رخصت کیا۔ باپ نے بیٹے کو رخصت کرتے وقت تک ایک بھی کلمہ نصیحت کا نہیں کہا نہ کوئی لفظ پیار کا نہ سے نکالا۔ لیکن بیٹے نے بھی اس کی کوہمیں دیکر کیونکہ اس وقت باپ بیٹوں کے عذبات و احساسات میں اس درجہ یکسانیت اور ہم آہنگی تھی الفاظ کے استعمال کئے بغیر دونوں ایک دوسرے کی دل کی کیفیت کو پورے طور پر محسوس کر رہے تھے۔ صحبت کے ان آخری لمحوں میں اگرچہ انیس کے کانوں میں بیرونی آواز نہیں پڑتی تھی۔ لیکن ایک غیر مرئی دان دیکھ، اُڑتی پڑنے والے سے ایک آواز اٹھ رہی تھی جس کا معلوم الفاظ کی زبان میں نہ تھا۔ ”لو بیٹا! اب ہم تم سے رخصت ہو رہے ہیں۔ جب تک تم ہماری آنکھوں کے سامنے سے ہم نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی ایک امانت سمجھ کر اس امانت کا حق ادا کرنے کی سادہ طور پر کوشش کی اور موت بھی کر تم ہماری نظروں سے کچھ مدت کے لئے اوجھل ہو بیٹا وہ ہے ہم تمہیں اس کے سپرد کرتے ہیں جو ہر ملک اور ہر حالت میں تمہارا رفیق اور نگہبان ہے۔ جس ملک میں اب ہم چند سال کے لئے رہنا پیش اختیار کر رہے ہمارے وطن اور ہمارے دین کو چھوڑتے ہمارے حکم کو ہونے کی وجہ سے تمہارے وطن اور ہمارے دین کو چھوڑتے ہیں۔ اگرچہ اپنی اخلاقی تربیت کی وجہ سے وہ اس امر کا اظہار بہت کر رہے ہیں۔ لیکن تم اپنی قوم اپنے وطن اور اپنے مذہب کی طرف سے اس ملک میں بطور سیطرے جا رہے ہو۔ تمہارا بڑا دشمن اس ملک میں ایسا نہیں ملے گا جو تمہاری قوم تمہارے وطن اور تمہارے دین کی عزت ان دونوں

(۱)
انیس کے والد بھائیوں میں ایک کامیاب وکیل تھے۔ دہلوی تھے کی بیوی میں انیس خاص ملکہ حاصل تھا۔ اپنے فرائض کے سر انجام دینے میں وہ اپنے ذاتی آرام کی کبھی پروا نہ کرتے تھے۔ ان کے مولیٰ ان پر پورا اُٹھا رکھتے تھے۔ افسران عدالت کو بھی ان کی دیانت پر کامل طور پر یقین تھا۔ فرائض مخالف کے وکیلوں کو ان سے کبھی شکایت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ دکانست پیش ہونے کے باوجود طبیعت نہایت متین اور سنجیدہ تھی۔ لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ مائے ہر وقت بیوڑی پر مڑی رہے۔ نہیں۔ باطل نہیں ملکیت چہرے سے ہر وقت نشا نشا ٹپکتی تھی۔ تمام شہر اور ایک شہری پر کی گھر ہے شمع ہر شہر نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے کئی سال سے شہر کی پوچھ بچھ کے دانش پر بیڈیٹ ملے آ رہے تھے۔

انیس اپنے والدین کا سب سے بڑا لڑکا تھا۔ ماں باپ نے اس کی تربیت بڑی احتیاط سے کی تھی۔ اس کے باپ کی خواہش تھی کہ انیس بڑی پاس کر کے ان کی نگہ رانی میں کالٹ کا کام سیکھے اور رفتہ رفتہ ان کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دے۔ انیس کا امتحان پاس کرنے کے بعد اس کے والد نے اسے باہمی پورے کسی کالج میں داخل کرنے کی بجائے بھائیوں کی ہی میں بیچ ٹرائن کالج میں داخل کر دیا۔ تاکہ کچھ دنوں اور وہ ان کی زیر نگیزی میں رہ سکے۔ لیکن الٹ اس کا امتحان پاس کرنے بعد ان کی یہ رائے جو تھیں کہ کالج میں پورے داخل کر دیا جائے تاکہ ان کی تعلیم جاسے سے پہلے دو سال میں اسے اپنے عزیزوں سے الگ رہنے کی عادت ہو جائے اور اپنی زندگی کے متعلق غفلت مرحلوں پر آزادی اور ذمہ داری سے فیصلہ کرنے کی قابلیت پیدا کر لے۔ چنانچہ انیس نے اپریل ۱۹۵۷ء میں پڑھنے کالج سے کلکتہ پوچھ بچھ کا بی۔ اے کا امتحان اول درجہ میں پاس کر لیا۔

انیس کی عمر اس وقت ۱۹ سال کی تھی۔ اپنی عادات و اخلاق میں وہ اپنے باپ کا عکس تھا۔ لہذا اپنی ماں کی تربیت کے اثر سے اس کا دل رفتہ آہستہ حساسات سے بہت جلد متاثر ہو جاتا تھا اور کسی کے

ملہ اکاٹم اقدیم کے معنی میں رہائش کا لفظ گریمر اور رفت کے اعتبار سے غلط ہے لیکن ہماری رائے میں اردو میں اسکا استعمال باطل و درست ہے۔ تاہم

مسافروں کے ساتھ کھایا۔ اُن پر بھی کم و بیش یہی کیفیت گزری تھی۔ پانچویں دن سمندر بھی صاف ہو گیا اور انیس کی طبیعت بالکل ٹھہر گئی۔ بعض دوسرے ہندوستانی طالب علموں کے ساتھ جو مزید مطالعہ کرنے یورپ جا رہے تھے وہ اقلیت ہوئی۔ ایک دو یورپین مسافروں کے ساتھ بھی گفتگو کا سلسلہ چلا۔ طبیعت کی پریشانی کم ہوئی۔ اور جہاز کی زندگی پُر لطف ہونے لگی۔ دوسرے دن جہاز عدن پہنچنے والا تھا۔ اکثر دفعہ وقت عزیزوں اور دوستوں کو خط لکھنے میں صرف تھا۔ سیاسی اور جنگی لحاظ سے عدن کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ لیکن آپ دوما اور

قدیمی مناظر کے لحاظ سے اسے کسی وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ جہاں تک نظر کا مسکنی ہے خشک پشانیوں اور چوٹیوں پر رہنے کے ٹیلوں کا سلسلہ چلا جاتا ہے۔ بندرگاہ کے قریب چند تاریخی کوٹیاں اور گوام ہیں۔ ذرا فاصلے پر ریڈیو فنی کے دفن اور شیلے ہیں۔ دوسری طرف ڈاک خانہ، تار گھر، بجری تاریخی کی لمبی کافرہ اور سمندر کے پانی سے پینے کا پانی بنانے کا کارخانہ وغیرہ۔ سب عمارتیں جہاز سے نظر آتی ہیں ان کے پیچھے دہلی بازاد ہے۔ چند میل کے فاصلے پر ساڈی کے اوپر پینے کا پانی جمع کرنے کے تالاب ہیں۔ عدن میں پانی کی کمی ہے۔ سبزے کا نام و نشان نہیں۔ وہاں ٹھکانے والے دیکھو تو کہیں گھاس کا ایک ٹکڑا یا کوئی سبز نظر نہ آئے گا۔

چونکہ انیس کا یہ پہلا دن سیاحتی سفر تھا اور پانچ دن پانی ہی کا نظارہ کرتے طبیعت کچھ آگسٹ کی سی تھی اس لئے وہ بھی چند دوسرے طلباء کے ساتھ شہر کی سیر کر گیا۔ ساحل پر جہاز کی نسبت گرمی بہت زیادہ تھی۔ کہیں کہیں خاک بھی اڑتی تھی۔ بندرگاہ کا نظارہ جو جہاز کے عرشے سے بہت بھلا معلوم ہوتا تھا اس پر بیکار مت مایوس کن نکل۔ ایک ہی گھنٹہ کی سیر میں طبیعت کھرا گئی۔ ڈاک خانہ، بیچ کر تجارتی عدن پہنچنے کا باپ کو تار دیا۔ ڈاکٹر کسٹرس میں ڈالی اور اپنے بہنوئی سمیت واپس جہاز پہنچا آیا۔ جہاز چھ سات گھنٹے یہاں ٹھہرا۔ شام کے وقت بندرگاہ کا نظارہ زیادہ پُر لطف تھا۔ آٹھ بجے شام کے ٹھکانا لگایا اور جہاز سوئٹز کی طرف روانہ ہوا۔ پھر قلمزم میں گرمی کی وہ شدت تھی کہ الامان بھی کے بیٹھوں سے بھی گرم کو ٹھنک رہی تھی۔ خاص برف کا پانی بھی کوئی ترنوس رکھ سکتا تھا۔ اللہ اننا اللہ ان تھا کہ سمندر میں تلاطم نہیں تھا اور جہاز بالکل امن اور سکون کی حالت میں چلا جاتا تھا۔ لڑکوں کو انیس اور اس کے دو تین ساتھی سب سے اوپر کے عرشے پر بستر بچھا لیتے تھے اور اوتار کے چند گھنٹے آرام کے میں کٹ جاتے تھے۔ عدن سے روانہ ہونے کے چوتھے دن لنڈر جہاز

کے دلوں میں قائم کرے۔ اگر کمزور مسافروں کو ذمہ داری کے ساتھ انعام دے گئے تو چند سال کی بددلی جہاز سے لئے ہمیشہ کی راحت کے سلمان پیدا کر دیں۔ مغرب کا سفر ہمارے لئے مبارک ہو جس ملک اور چرچا لیت میں بھی ہو شریفوں کی صحبت اختیار کرو۔ اپنے علم میں اضافہ کرو۔ اپنے اخلاق کو وسیع کرتے چلے جاؤ۔ ہر قوم اور طبقہ میں بعض امتیازی خرمیاں ہوتی ہیں ان کے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ خطرہ کے ہر مقام سے بچتے رہو۔ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو اور اسی سے مدد طلب کرو۔ وہ ہمارا حافظہ ناصر ہو۔

ایسٹ کولڈ خانہ میں سے جواب دے رہا تھا۔ پیارے آبا جانا میں ہر لحاظ سے کوشش میں رہو گا کہ آپ ہر وقت کو یاد رکھوں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور میں میرے لئے دعا کرتے رہیں۔ قیام یورپ میں میری زندگی کا مقصد یہی ہو گا کہ روپسی پناہ مجھے دیسا ہی پائیں جیسا مجھے دیکھنے کی آپ کی خواہش ہے۔ آپ سب کا خدا حافظ ہو اور اپنے فضل سے ہم سب کو یہ اکٹھا کرے۔

کھنی بجی۔ باپ بیٹے نے خاموشی سے مصافحہ کیا لیکن ایک دوسرے کے چہرے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی تاب نہ لاسکے۔ دونوں کی آنکھیں ڈبڈبی ہوئی تھیں۔ سختہ کھینچ لیا گیا اور جہاز حرکت کرنے لگا۔ باپ میں صبر کی اتنی طاقت نہیں تھی کہ بندرگاہ سے جہاز چل جانے کا انتظار کیے۔ ایک نظر مگر دیکھا اور دو سال سے اس کو پوچھتے بندرگاہ سے باہر نکل گئے۔

انیس کچھ دیر تک دو دوسرے مسافروں سے الگ کھڑا بیٹھا تھا میں غرق رہا جب جہاز بندرگاہ سے چل نکلا تو ایک طرف آرام کرسی بچھا کر بیٹھ گیا اور بھیجی کا آخری نظارہ جو آنکھوں کے سامنے سے گذر رہا تھا دیکھنے میں مشغول ہو گیا۔ ابھی بندرگاہ سے نکلے ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ جہاز تار تار چمکنے لگے۔ انیس کی طبیعت بے چین ہوئی شروع ہوئی۔ اٹھا اور چون توڑ کر کے اپنے کمرے میں پہنچا۔ کمرے سے بدل کر بستر پر لیٹ گیا۔ جہاز کی بے اختیاری حرکت برصغیر کی ٹیکنیکسٹریٹ سے ہے کی وجہ سے انیس کی طبیعت زیادہ خراب نہ ہوئی۔ تین دن کمرے میں گزارے۔ کھانے کے اوقات پر وہیں کچھ منگوا لیتا اور لیٹے لیٹے کھا لیتا۔ چوتھے روز سمندر میں پہلے کی نسبت سے کچھ سکون ہوا۔ اور انیس کی طبیعت قدرے صاف ہوئی۔ اٹھا غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ اور عرشے پر جا کر کھلی گواہی چند گھنٹے گزارے۔ اس سے طبیعت کو کچھ قرار آیا۔ شام کو کھانا کھانے کے کمرے میں جا کر اور مسافروں کے

لحہ طبعانی کر کے کھانا سے بہت پسند کی جانے والے تھے۔ لیکن اردو میں عربی، املہ اور ہرگز کا مناسب نہیں پہلے دن اردو میں طلبہ اور طلباء دونوں صحیح ہیں۔ تاجر

افسردگی ضرور پیدا ہوئی۔ جہاز سے اترنے کی تیاری۔ اجنبی ملکوں میں سے ریل کے سفر کی مشکلات کا اندازہ۔ جہاز کی زندگی کے طعنے یاد۔ ریسر ہائیں انیس کو پریشان کر رہی تھیں۔ اس کے تین چار ساتھیوں کا ارادہ بھی اسی کی طرح ہے تو قوت لندن پہنچے گا تھا چنانچہ جہاز کے نگر ڈالتے ہی یہ سب لوگ جہاز سے اتر کر ریلوے اسٹیشن پر پہنچے۔ جہاں سے ایک ٹھنکے کے اندر اندر میونخ (Munich) کی جانب گاڑی روانہ ہوئے والی تھی۔ ریل کے ٹکٹ بلیٹی میں ہی خریدے جا چکے تھے۔ اور انیس کو رستے کے بڑے بڑے اسٹیشنوں کے نام زبانی یاد تھے۔ اُسے یہ بھی یاد تھا کہ ٹریٹ سے چل کر صرف میونخ گاڑی بدلتی ہوگی اور وہاں سے چل کر فرانکفرٹ (Frankfurt) کو لوں (Cologne) برسلز (Brussels) ہولے ہوئے اوسٹڈ (Ostend) پہنچ جائیں گے۔ جہاں سے جہاز برسووا کر ڈور (Dover) اور وہاں سے ریل میں لندن پہنچا ہوگا۔ چنانچہ ٹریٹ ہی کے اسٹیشن سے انیس اور اس کے ساتھی میونخ کی گاڑی میں سوار ہو گئے اور وہ سب شام ریل میونخ کی جانب روانہ ہوئی۔ ٹریٹ کی سر کرنے کا وہ انیس کو مو قعتی نہیں ملا تھا۔ جہاز سے صرف آٹھ دیکھا جاسکا تھا کہ سندر کے کنارے پہلا کی تھمکی میں ایک نہایت خوبصورت شرمناک عورت تھی جس کی خوشنما عمارتیں در خوبصورت باغیچے پہاڑ کے ساتھ ساتھ بہت لمبی تک چلے گئے ہیں۔ ریل نے بھی اس پہاڑ کی چڑھا کی شرمناک کی اور دو ٹھنکے کے سفر کے بعد ٹرول (محصول) کے نہایت خوشنما میدان میں فراسے بھرے گئی۔ ایس کا داخلہ یورپ کے اُس حصے میں ہوا جہاں کے دلکش منظر اور دلفریب صحن باقی یورپ کے لئے مقناطیس ہیں۔ جیسے جیسے ریل نہایت تیزی کے ساتھ اس علاقے کو طے کرتی ہوئی خوشامیے خوشامین اُس کی آنکھوں کے سامنے پیش کرتی تھی اور رستے کے چھوٹے چھوٹے خوبصورت اسٹیشنوں پر آسٹریا کے صین ترین چہرے یا کسی نظر سے گزرتے تھے اس کا دل وقت سے ٹھکنا جاتا تھا اور صالح جیتی کی خوشی صنعت کی اور ملی آنکھوں سے آسٹریا کی کئی نئی ریل تھی۔ انیس کو ملی کے پاس خاموش پیش پیش اس پر محیط بدلتے ہوئے منظر کا طعنے اٹھانے میں لگتا تھا۔ اس کے ساتھیوں میں سے کوئی براؤن سلاخ (Brown) میں لکھتا تھا۔ کوئی دوسرے مسافروں کے ساتھ استادوں کی حد سے سوال جواب میں مشغول تھا۔ انیس کو حیرت ہو رہی تھی کہ اس قدر خوبصورتی کا نظارہ کرنے ہوئے بھی اس کا دل شگفتہ ہونے کی بجائے ایک قسم کی افسردگی محسوس کر رہا تھا۔ بیشک اس کے دل میں مسترت کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔

سامان پر موجود مرد (M) کے سر پر کواکچر پورٹ سید سے بند ہی کے رستہ لندن پہنچ دیا جائے۔ پانچویں صبح کو دیکھا کہ جہاز سونیز کے سامنے نگر ڈالے ہوئے ہے۔ بلیٹی سے رخصت ہونے کے بعد پہلی دفعہ کچھ سر یا دل نظر آئی۔ مہاں بھی کچھ تھی۔ جان میں جان آئی چنانچہ ٹھنکے کے بعد جہاز سونیز میں داخل ہوا۔ نہ سونیز کا سفر کی کنارہ تو بالکل بھگتی ہے۔ البتہ سفر کی کنارہ پر کیس کیس درخت نظر آتے ہیں۔ خاص کر نر کی چوہوں کے گرد کچھ درخت ضرور موجود ہیں۔ جبکہ جہاز پورٹ سید کی طرف بڑھتا ہے سفر کی کنارہ پر سرسبز کی آتا نظر آتے لگتے ہیں۔ نر کی نصیب لہائی طے کرنے کے بعد جہاز ایک ٹھیل میں داخل ہوا ہے جس کے مقابل کے کنارے پر اسما سلیڈ کی سرسبز اور شااداب بندرگاہ نظر آتی ہے۔ ٹھیل کو طے کر کے پہلے سلسلہ جاری ہوا ہے یہاں تک کہ جہاز پورٹ سید کی بندرگاہ میں داخل ہوا ہے۔ بندرگاہ کا منظر بہت دلفریب ہے۔ یہاں پورٹ پر کسی تھوڑی سی جھک نظر آتے لگتے ہیں۔ لیکن عدل کی مانند پورٹ سید کا بہترین منظر بھی جہاز ہی سے نظر آتا ہے یہاں بھی جہاز سے اتر کر ٹھیل کو پانچویں ہی ہوئی۔ اور وہ جلد واپس جہاز پر چلا آیا۔ چند ٹھنکے ٹھنکے کے بعد رات کے گیارہ بجے کے قریب جہاز یہاں سے بھی رخصت ہوا اور کچھ روم میں داخل ہوگا۔ پورٹ سید کی بندرگاہ سے لے کر کچھ روم کی طرف ایک بلی کی جڑی چلی جاتی ہے۔ اس فیصل کے ختم پرفر انسٹیٹیوٹ (Institute) کا بٹ نصیب ہے۔ نہ سونیز اسی انجیر کے دماغ کا کڑھ ہے۔ اس جیسے کا دایاں ہاتھ نہ سونیز کی لٹ اشارہ کرتے ہوئے ہر گز نہ واسے کو لپیز کے اس شاندار کارنامے کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

انیس کے لئے جہاز کے سفر کا یہ آخری حصہ بہت ہی چمکنا تھا۔ مزید نہایت خوشگوار تھا۔ جہاز ایک بالکل بڑے محسوس حرکت کے ساتھ چل رہا تھا۔ پورٹ سید سے رخصت ہونے کے بعد رستے دن لایونان کے جزیرے نظر آتے گئے اور سفر کے باقی حصے میں قریب قریب لگاتار یا لواتیس طرف لایونان۔ بائیں نیگرو یا مسرو یا کاسا میں بھی نظر رہتا تھا اور یا بائیں طرف اطالیہ کا ساحل۔ اتنے عرصے میں انیس کی حد تک یورپین زندگی اور مغربی معاشرت سے مایوس ہو چکا تھا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک ٹھیل کی سی سیٹھی سی پیدا ہو گئی تھی۔ دن کا اکثر حصہ ادبی مطالعہ میں ادبیاتی حصہ ٹھیل میں مشغول ہوتا تھا۔ چنانچہ پورٹ سید رخصت ہونے کے چار دن بعد جب جہاز نے آسٹریا کی اوداد اور شہر بندرگاہ ٹریٹ میں نگر ڈال دیا اور مغرب کا حصہ ختم ہوا تو انیس کے دل میں کچھ

لے جہاز کا وہ آخری صحن کی نگاہی میں کھاتے پیتے کا سامان اور کپڑے دو گر سامان دیکھ رہا ہے۔

بہت حیرت ہوئی کہ اتنے طے اسٹیشن پر بھی پلٹ فارم بالکل صحیح زمین کے برابر ہیں اور گاڑی میں سے اترنے پر اترنے کے لئے کوئی سہولت نہیں پہنچائی گئی۔ بعد میں اُسے معلوم ہوا کہ انگلستان کے باہر یہ عظیم کے اکثر ملکوں میں ہی حالت ہے۔

میونخ پہنچ کر انیس اور اس کے ساتھیوں نے گاڑی بدلی اور اوسٹنڈ جانے والی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ آدھ گھنٹے کے بعد گاڑی روانہ ہوئی اور تمام دن جرمنی کے نورنبرگ اور شاواب و سرزبر علاقوں میں سے گذرتی ہوئی شام کے ۸ بجے بلجیم کے دارالسلطنت برسلز میں پہنچی۔ آدھ گھنٹے کے وقفے کے بعد یہاں سے چلکر آدھی رات کے قریب اوسٹنڈ

کی نندرگاہ پر عین جہاز کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اس دن کا سفر نہایت پُر لطافت رہا۔ خاص کر تیسرے پر کا جہتہ جب گاڑی کئی میل تک بائی رائیں (Rain) کے کنارے کنارے چلتی گئی۔ یہ دیکھا جرمنی کا سب سے مشہور دریائے۔ سٹورم ریزر کے پہاڑوں سے نکل کر جرمنی کے میدلوں کو سیراب کرتا ہوا ڈیلٹا میں جا پہنچتا ہے۔ یہاں اسکی کئی شاخیں چھوٹی ہیں اور تمام شاخیں مختلف مقامات پر بحیرہ شمال میں جا گئی ہیں۔ دریا کا دھندہ جو اسٹورم ریزر (Hafen) اور کوئلہ (Coalgne) کے

درمیان ہے جہاں سے انیس کی گاڑی گذری نہایت خوبصورت اور پُر رونق ہے۔ مالٹز۔ کولینڈر (Maltz) اور (Köln) اور کوئلہ جیسے مشہور اور پُر رونق شہر اس کے کنارے پر آباد ہیں۔ اس کے کناروں کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں انگوڑ کے باغوں سے لدی ہوئی ہیں۔ ہر چند میل کے فاصلے پر اُسے زمانے کے جرمن سرورمل کے قلعوں

محکمات نظر آتے ہیں جن میں سے سب سے خوبصورت شٹولز نیگیس (Stutgenfeld) کا محل ہے۔ کولینڈر کے قریب

جہاں دریائے — رائیں میں اگر گڑیاں سے دونوں کے مقام اتصال (جہاں دونوں اکٹھے ہیں) پر قصر جرمنی کی ایک بہت عالیشان یادگار بنی ہوئی ہے۔ کولینڈر سے آگے جرمنی کی مشہور یونیورسٹی بون (Bonn) بھی میں لب دریا واقع ہے اور اس کے خوشنما باغیچے پر لب

نظر آتے ہیں۔ بون سے گندہ کر چند منٹ کے اندر کوئلہ کی عالیشان عمارتوں کے برج اور کھل نظر آنے لگتے ہیں جن میں سے کوئلہ کے مشہور

عالم گریس کے بہت بلند کھس نہایت غور سے ساتھ آسمان سے گھوٹیاں کر کے نظر آتے ہیں۔ شہر کے قریب پہنچ کر دریائے رائیں پر قصر ولیم کی چیت میں ڈال دیے والی عمارتیں نظر سے گزرتی ہیں۔ اس کی کچھائی

کچھکھکھی فٹ ہوگی۔

اور بعض دفعہ کسی خاص منظر کے لپکا ایک سامنے آجائے اس کا دل خوشی سے اچھل پڑتا تھا لیکن اس تمام سرتست اور خوشی کے ساتھ اسٹوٹگی کی بھی ایک ہلکی سی حادثہ ضرور تھی۔ پھر تو اسے یہ خیال تھا کہ اگر یہ منظر میں اپنے عزیزوں کی رفاقت میں دیکھ سکتا تو وہ میری خوشی میں حصہ لیتے اور میں ان کی خوشی میں شریک ہوتا۔ اور یہ لطفت و دلاہام جانا۔ یہ خلاف اس کے سرینیا منظر اسے اپنے عزیزوں کی یاد دلانا اور کھلنے کا احساس کو تازہ کرنا تھا۔ کبھی اُسے یہ حسرت ہوئی کہ کاش میرا وطن بھی قدرت کی محو کاریوں سے اسی طرح مرتیں ہوتا جس طرح یہ ملک ہے اور میرے مہوطنوں کو بھی اس قدر آرام اور رفاقت کی زندگی نصیب ہوئی جیسی اس ملک کے لوگوں کی ہے قدرت کی مناسک و دلچسپی اور من انسان کی بہتات یوں بھی اُس کے دل کو چھین کر دیتی تھی۔ غرض انہی خیالات میں رات ہو گئی۔ انیس اور اس کے ساتھیوں نے کھانے کی گاڑی میں جا کر کھانا کھایا۔ اور پھر جرمنی میں ہونے لگیں کہ

رات آرام سے گزارنے کی کبھی سبیل نکلی جائے۔ یوں پہلے میں اول۔ دوئم درجہ کی گاڑیوں میں بھی لیٹے کی جگہ نہیں ہوتی۔ گاڑیوں کے خانے چھوٹے

چھوٹے ہوتے ہیں اور شنسوں کی تیسری اس طو پر ہوتی ہے کہ مسافر لیٹ نہیں سکتا۔ سونے کی جگہ بالبال انگ ہوئی ہیں۔ جن میں بہتر منہ ساتھ دھونے

کے سامان وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے۔ لیکن ان کا ریزہ اول درجہ کے گھٹ کے علاوہ اور کراہ پڑتا ہے۔ انیس اور اس کے ساتھی تو سفر ہی دوئم درجہ

میں کر رہے تھے۔ جن کمرہ میں انہیں جگہ تھی اسی میں یوں فوں کر کے رات گزار دی۔ لیکن تمام وقت بد مزگی اور تکلیف میں کٹا۔ رات بھر

میں کئی دفعہ کھٹوں کا محاذہ ٹوڑا۔ اور جگہ تک انیس اور اس کے مہوطنوں میں سے کسی کو بھی جرمن زبان سے واقفیت نہ تھی۔ اس لئے انہیں ہر زمانے کے بعد ٹوٹیش اور پڑائی ہونے لگی کہ کہیں گھٹ کا غلط جزو کاٹ کر نہ لے

گیا ہو۔ خواہ خا کر کے صبح ہوئی اور گاڑی میونخ پہنچی۔ پھر لوریا (Lureia) کی حکومت کا دارالسلطنت تھا اور اپنی یونیورسٹی بون

لطیفہ کے عجائبات کے مجموعوں اور جو کی شراب (Bier) کی وجہ سے مشہور تھا لیکن انیس کو پلٹنے کی گاڑی میں سے صرف چڑی چڑی عمارتوں کی

کھڑکیاں ہی نظر آتی تھیں۔ کہیں کہیں ایک گھٹ کے لئے کسی بازار کا نظارہ بھی سامنے آجاتا تھا۔ اگرچہ چلتے چلتے صبح کے وقت ایک پورٹین شہر میں رات

کا ہی حصہ سمجھا جاتا ہے لیکن اسوقت بھی بازار اعلیٰ میں کیلی کی ٹریڈنگ ہاؤس چل رہی تھیں۔ وہاں بھی ہر دھن میں۔ بازاروں اور عمارتوں کی ظاہری حالت سے معلوم ہوتا تھا کہ شہر بہت مہافت ستر ہے۔ میونخ کے

ریلوے اسٹیشن کی عمارت نہایت عالیشان تھی لیکن انیس کو یہ دیکھ کر

دنیا کی ایسٹج پر حضرت انسان کا ایک ط

ذیل کا مضمون ان نظریات کا ریاضی ہے جو میں نے طبیعات کی تعلیمات کو ان میں پڑھے۔ اس کے علاوہ میں نے مشہور رمانٹسٹوں کے ان مضامین میں سے بھی نافعہ مٹھا ہے جو وقتاً فوقتاً اور کھانا کھانا کے ساتھ ان کے ساتھ شائع ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ کائنات عالم کے متعلق میں نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں ان کی بنیاد کیمبرج ہونی کے پرنسپل کے نظریات اور ان کے ایک مضمون پر ہے۔ جو ہر پرنسپل میں ہر ایک میں شائع ہوا سامی طبع واکٹھے۔ ایچ چیز سیکریٹری رائل سوسائٹی آف آرٹس لندن کی وہ دلچسپ اور پختہ تقریر بھی میرے پیش نظر ہے جو انہوں نے سوسائٹی کے دور کے ایک اجلاس میں کی اور میں نے انہوں نے ظاہر کیا کہ نفع انسان کا مستقبل ماضی سے زیادہ شاندار ہے۔

دنیا کی پیدائش سے پہلے کا دور ہے کہ سورج کے ساتھ ایک دوسرا راہ نکلیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہروہ ریخ اور چند دوسرے ستارے سورج سے جدا ہو گئے۔ مگر یہ سب ستارے زمین سمیت سورج پر اپنے توان ہونے کو آج تک اس کے حق میں جہاں کے اشتباہی میں اس کے ارد گرد گھوم رہے ہیں اور خدا جانے کہ کب تک اسی طرح ہ گھومتے رہیں گے۔

زمین جس وقت سورج سے جدا ہوئی تو یہ لاگتھنک اور دوسری صفتی ہوئی اور گرم چیزوں کا ایک گولا بنی۔ اُس وقت اس میں ایک جاندار ہستی بھی موجود نہ تھی۔ اس کے ہوتے ہوئے کہ وہ کڑوں برس گذر گئے۔ اس کے سرد ہونے سے پانی کی بجائے جو پڑے نہ اس سے سطح زمین پر جو دھبی اب بارش بن کر برس پڑی اور سطح زمین کے برزائی لا سے اور گندھک کو جاکر چٹانوں بنا ڈیا اور پانیوں میں تبدیل کر دیا بعد ازاں یہ پانی پھر لکھال میں پانی بن گئے۔ ان چٹان مقامات میں جو زمین کے سرد ہو کر کھٹنے کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے جمع ہو گیا اور اس طرح سے سندھ، یا اورھیلین، وغیرہ بن گئیں۔

حضرت یسوع کی پیدائش سے چار ہزار برس پیشتر انسان مانہ بدھشی کو چھوڑ کر چھوٹی چھوٹی بستیوں میں آباد ہو گیا۔ اور زراعت کرنے لگا۔ اسکو زمانہ قدیم کہتے ہیں اور ہمیں سے تمدن کی ابتدا ہوئی۔

دفعہ رفتہ زمین پر درخت آگ آئے۔ گھاس پیدا ہوئی۔ دیا اور چھتے پہ نکلے مند پھاؤں کی چیمیاں برف سے ڈھکی گئیں۔ ٹھنڈی اور برف ہوا میں چلتے گئیں۔ دھتوں زمین کی یہی حالت تھی کہ ہمارا قی پختے چھتے دھت چھتے سبزہ ابلدا میو سے پختے۔ ڈالیاں ان کے پوجے سے ٹھکک جاتیں گمان سے بلف اٹھاؤ لاکوئی نہ تھا۔ میو سے پک کر گر جاتے۔ ہمارا قی اور چلی جاتی۔ پھول کھلتے اور مرجھ جاتے۔ لیکن زمین انسان سے خالی تھی۔ دھتوں بعد میں تازہ پیدا ہوئے۔ وہ موجودہ جانوروں سے تقریباً مختلف تھے۔ ان کی حرکتیں عجیب تھیں۔ اور عادتیں خلی۔ آج سے تقریباً سات ہزار برس پیشتر کا ذکر ہے کہ انسان دنیا میں پیدا ہوا۔ یہ بالکل ٹھکا بھرا تھا۔ پتلا سے کتھیا

آہستہ آہستہ ترتی ہوئی تری تری چھوٹے چھوٹے گاؤں بڑھ کر شہر بن گئے۔ اور ان پر راجہ حکومت کرنے لگے۔ ان کی سخاوت میں ایک دوسرے جوئی نہیں اس زمانہ میں چونکہ آگے جانے کے راستے مشکل تھے۔ اس لئے قوموں کو ایک دوسرے سے سیکھنے کا موقع نہ ملتا تھا چنانچہ اگر دنیا کے ایک حصہ میں انسان مذہب تھا آرام سے زندگی بسر کرتا تھا۔ دولت مند تھا اور پکی اور چکی عمارتوں میں رہتا تھا۔ عجیبے غریب ایسا دیں کرتا تھا۔ تو دوسری طرف یہ جاہل تھا۔ جسکی تھا ساقبل تھا۔ جو نہ یوں میں رہتا تھا۔ علم سے واقف نہ تھا اور ایسا بدے نہ لانتا تھا۔ اس لئے کوئی ترقی یافتہ قوم کسی وجہ سے تہا ہر جاتی تھی تو اس کے ساتھ اس کی تہذیب بھی جاہل جاتی تھی

کر رہے، دنیا کی حالت کو اور زیادہ بہتر بنانا ہے۔ اور اپنی زندگی کو اور بھی زیادہ آرام دہ بنانا ہے۔ اسی بہت سی باتیں ہیں جو یہ نہیں جانتا۔ اور خدا کی بہت سی دنیا میں ہیں جہاں پہنچ نہیں سکتا۔ یہ اچھا آئندہ زندگی کا ایک نل خوش کن خواب دیکھ رہا ہے۔ جب قدرت کے سب پرشیدہ خزانے اس کے ماتھے سے ہونگے۔ سورج کی وہ طاقت جو آج کل بیفا ذہن صناعہ جوہری سے اس کے قبضہ میں ہوگی۔ آسمانی بجلی اس کی غلام ہوگی۔ یہ چاند کی کشش سے فائدہ اٹھا سکتا۔ سمندر کی لہروں پر حکومت کر سکتا۔ چاند کی سیر کر سکتا۔ سورج میں فیصلیں روٹھا صبح کو زمین کے طواف کیلئے گھر سے نکلے گا۔ اور شام کو واپس آجائے گا اس کے خباثت سے وٹ آہستہ سے بھی اوجھ اٹھیں گے۔ اس میں زمین کی حرارت استعمال ہوگی۔ دنیا کے ہرے بڑے آبشاروں پر اس کے کاڑھے قائم ہو جائیں گے۔ افریقہ کا صحرائے اعظم ایک پرفضا جھیل میں تبدیل کیا جاسکتا۔ ہوا پر اس کے مکان ہونگے۔ یہ پیشہ کے مکانوں میں رہا کر سکتا۔ اور جنگ و جدل سے اس کو گفت و ہوا ملے گی۔ اس زمانے میں سورج سے تازہ انگور اور دوسرے میوے کرۂ ارض پر لہائے جائیں گے۔ لہاں انسان میں ریلوں۔ جہازوں۔ راکٹوں اور کارخانوں کے شور و غل جذب کرنے والے آلات بنائے جائیں گے۔ اس کے بعد ایک زمانہ آئے گا جب سورج بھی نسل انسانی سے کرۂ ارض کی طرح آباد ہو جائیگا۔ وہاں بھی نسل انسانی کے لئے جگہ تنگ ہو جائیگی۔ وہاں بھی ہوا میں لپکنے والے شہر بنائے جائیں گے۔ وہاں بھی یونیورسٹیاں قائم کی جائیں گی۔ وہاں بھی بیشتر کا رخائے کھل جائیں گے۔ وہاں بھی انسان نہایت خوش و خوشی سے دن گزارے گا۔ وہاں کے مضر صحت مقامات کو بھی چرخہ بنایا جاسکتا۔ اور اس طرح سے قدرت کے آبادی کے قابل و کوکتے نسل انسانی سے غیر معمولی طور پر بڑھنے لگے گی۔ اور حکومتوں کو مجبور ہو کر ایسے قوانین بنانے پڑیں گے جن کی رو سے کوئی شخص اپنی سویریں کی عمر میں ایک شخص سے زیادہ پیدائہ کر سکیگا۔ اور وہ بھی اٹھارہ سے تیس برس تک کی عمریں۔ اس طرح سے زمین اور کرۂ سورج کی انسانی آبادی کی اوسط ایکسری جہے گی اور لوگ سو سو برس زندہ ہو کر نسل انسانی کی فلاح و بہبود میں کوشاں رہیں گے۔ اس سلسلہ انسان کے لوگ سوا سو برس کی عمر میں ہی نہایت طاقتور ہوں گے۔ نہ ان کے جہروں پر پھر پڑیں گی۔ نہ ان کے دان کے وراثت وراثت میں گئے اور نہ ان کے بال سبز ہوں گے۔ اس طرح سے یہ تجربہ کرنا اوسطاً قدر پڑے اس زمانہ کی نئی پودے کے جوازوں سے نسل انسانی کیلئے

چنانچہ جب مصروف ہندوستان اور چین کے میدانوں میں انسان متعل اور مجذب تھا۔ اس وقت یورپ اور امریکہ میں یہ جابل اور خوشی تھا۔ اور مصر میں۔ ہندوستان کی یہ قوم تیار ہوئیں توان کی تہذیب بھی فنا ہو گئی۔ اس زمانہ کے موجودہ کے خیالات بھی عجیب تھے۔ وہ اپنی اچھا کو لوگوں سے پرستیدہ نہ تھے۔ اس لئے موجودہ کے پراس کی ایجاد بھی دنیا سے مٹ جاتی تاس زمانہ میں سیاسیات مذہب کے ماتحت تھیں۔ یہ وسیلی زمانہ تھا۔

انیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ زمانہ موجودہ یا زمانہ اچھا کی ابتدا ہوئی۔ اس زمانہ میں مذہب سیاسیات کے ماتحت ہو گیا۔ اب دنیا کی سٹیج پر انسان کے حالات کا نشانہ دیکھنے والے اس کے کارناموں پر حیرت کیلئے لگے۔ اس نے اب قدرت کے ہتیار را نہ بے نقاب کر دیے ہیں۔ اور جو بات زمانہ قدیم میں ناممکن اور خال بھی جاتی تھیں۔ وہ اب اس نے ممکن کر دکھائی۔ یہ ہوا میں اڑتا ہے۔ یہ سمندر کے نیچے سفر کرتا ہے۔ اس کے ہر تاجازان مات سمندر کے پاؤں کو گھس گھسٹے رہتے ہیں۔ ہوا کو اس کے لیے تار کے آلے حرکت میں رکھتے ہیں۔ اونچے اونچے پہاڑوں میں اس نے اپنے بیلوں کے تھے سرنگیں کھودا لی ہیں۔ تیار کن دریاؤں کے نیچے سے اس نے لپکنے والے راستہ بنایا ہے۔ اپنے مقاصد کے لئے اس نے پہاڑوں کے راستے بند کر دیے ہیں اور ان کے رخ بدل دیے ہیں اس کے برقی میپ آٹا فائبروں تک مات کی تار کیوں کو دور کر دیتے ہیں اس کی سو طر میں چار چار سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتی ہیں۔ اس نے ایسی بڑی ٹیکس ایجاد کی ہیں جو اس کے ہینسوں کو دیکھنے دیکھنے ادبی نیند شلادیتی ہیں۔ اس نے اس کجلی کا جوہر سات کی تار ایک اور بڑا ڈائی راقوں میں آسمان پر چمک کو آنہ احمدیں غائب ہو جایا کرتی تھی جواب پیدا کیا ہے۔ ادب وہ غلاموں کی طرح اس کے کام کرتی ہے۔ اس کی سرور کو دوڑاتی ہے۔ اس کے طیاروں کو اڑاتی ہے۔ اس کا کھانا پانی ہے اس کے کروں کا فرش حاف کوئی ہے۔ اس کے کروں کو رشتہ کنی ہے اور گرمی کے موسم میں اس کے پٹکے چلاتی ہے۔

استوائی خطوں کے جنگلات۔ شمال اور جنوب کے برف سے ڈھکے ہوئے سمندر۔ آتش فشاں پہاڑوں کے دہلنے۔ شہدائے سو علاقے افریقہ کے تیتے ہوئے گرم رگستان۔ بلند پہاڑوں کی چوٹیاں۔ سمندر کی بے نقابہ ٹہنیاں بھی اس کی پہنچ سے نہیں بچیں۔

گرا بھی تک اس کی طبیعت سرنیں ہوئی۔ یہ جھٹکا ہے کہ ابھی اُسے دنیا میں بہت کچھ کرنا ہے۔ ابھی قدرت کے بہت سے رازوں کو حل

بعض مذہب پرست انسانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا فنا ہوئے کو
اور بقیہ قریب قیامت آنے والی ہے۔ گریسٹس دن کہتے ہیں کہ میں ابھی
تو دنیا میں دن کا پتہ ہے۔ ابھی اس کو کچھ دن، لوکین، شباب اور بڑھاپا دیکھنا
ہے۔ جب تک سورج باقی ہے ہماری دنیا قائم ہے۔ جب سورج فنا ہو
جائیگا۔ اُس وقت اگر ہم بناوٹی مروجہ نبیائے میں کامیاب نہ ہوئے تو
البتہ دنیا فنا ہو جائیگی اور سورج آج سے دس کھرب برس بعد بھی اسی
طرح زمین پر روشن ہو گا جس طرح یہ آج ظہر ہے۔ اگرچہ اس وقت نہ ان
نسبتاً پیسے ہوں گے اور خدا بچائے کیا کیا ہوگا۔
خیر سہا سہا بیتاب پٹیا لوگو۔

میراکام

بنائے والا۔ اپنے اخلاق اور عادات کو سامنے میں ڈھالنے والا۔ اپنے
حالات اور قسمت کو درست کر کے والا ہے۔ سوچ سمجھ کر اپنی جہان کی قوتوں
کا استعمال کرنا میراکام ہے۔

زندگی کی مصیبتوں کا ہنسی خوشی مقابلہ کرنا میراکام ہے۔ حالات کیسے
ہی مانوس کر کے دے ہوں میں ہمت نہیں مانوں گا۔ مجھے پورا یقین ہے
کہ میں تمام مشکلات پر جہمیرے مصدکے راستہ میں نکال دوں گا۔ میں
پورے طور پر فطرت پاؤں گا۔ میرا یہ خیال ہونا چاہئے کہ اپنے فرائض کو دفار کی
اور محنت سے انجام دوں۔ زندگی کے لوگوں سے اس طرح جہاں تک ہو سکے
اخلاق اور عمدہ خدمت لوں جو کام بھی میں یا تو میں لوں اُس کو ختم کر کے
دم لوں۔ وہ بچے کے زمانے میں پوری دیانتداری سے کام لوں۔ دوسرا
کا بچہ دوست نہیں۔ اپنے ساتھیوں سے ہمدردی کا رتہ دو کروں۔ جہاں تک
ہو سکے اُن کی مدد کروں۔ جہاں تک طاقت ہے اس مقصد تک کو حاصل
کروں کہ میں شریفانہ زندگی بسر کروں۔ اور اپنے شاد مرقاصہ زندگی کو
دفا داری سے حاصل کر کے کی کوشش کروں گا۔

یہی کام ہے جو مجھے ہر صبح کھٹے کھٹے کہیں دن بھر اپنی روح کا
وفا دار رہوں۔ یہ کام کر کے لئے جی کامیاب ہادی اور تمام قوت کی
ضرورت ہے۔

”یہی میراکام ہے اور کج کا دن یہی میراکام کرنے کا دن ہے۔
کسی کام کو کھل کے لئے چھوڑنا غلطی ہے۔“

۵

شادمان نظامی

(از۔ او۔ ایس۔ مارٹن)

زیادہ کار آمد ثابت ہوں گے۔ اُس زمانہ میں سرخ اور زمین کے درمیان جو
خالی جگہ ہے اُس میں ہوا بھری جائے گی۔ تاکہ سرخ کا سفر کرنے والوں کو
بنائی ہوئی ہوا ساتھ نہ لیجانی پڑے۔ نیز ایسے کسے بھی بنائے جائیں گے جن
کے ذریعے سے وہاں کی آواز نہیاں پہنچ سکے۔ اس کے بعد ایک اور زمانہ
آئیگی جب لاکھوں ہوائی جہاز ریل راکٹ وغیرہ پڑائے زمانہ کی وقایہ نویسی
چیزیں بھی جائیں گی اور ان کی اُس زمانہ کی ایجادوں کے سامنے ہی حقیقت
ہوگی جو ایک وقتے ہوئے پھکرے کی۔ زمانہ حاضر کے بہترین ہوائی جہاز کے
سامنے ہے۔

میراکام یہ ہے کہ میں اپنی زندگی کے اخلاقی، مذہبی، معاشرتی، فنی
ہر پہلو سے نجات عمدہ طور پر بسر کروں۔

میری کوشش یہ ہے کہ اپنا سب سے قیمتی وقت اس طرح بسر کروں کہ
اُس کی یاد ہمیشہ باقی رہے۔

میراکام یہ ہے کہ زندگی کی کشش میں جو شخص بھی مجھے زیادہ بوجھ کے
تھے وہاں نظر آئے اُسے سہارا دے دوں۔

زندگی کے ہر منٹ اور ہر سیکنڈ مجھے یہ خیال رکھنا چاہئے کہ وہ بڑی
قیمتی چیز ہے اور بیکار نہ ہوئے بائے۔ میری کوشش ہوئی جاوے کہ میں
اپنی تمام طاقت سے دنیا اور دُنیا کے لوگوں کو کچھ نہ بے دکھاؤں۔

مجھے چاہئے کہ میں فیاض نہیں تھیل فراخ ہوں۔ دور اندیش ہوں۔
مہربان ہوں۔ صبر اور حوصلہ کروں۔

میری خواہش یہ ہے کہ میرا دل اور دماغ ہمیشہ بچائی قبول کر لے کیلئے
تیار رہے اور دنیا کے اچھے، نیچے، نالائست ہر وقت قبول کروں۔ مجھ سے جہاں
تک ہو سکے بچا ہوں

میری نگاہ آنے والے کی طرف ہوتی چاہئے۔ نہ کہ گزشتے ہوئے کی
جانب۔ میری آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھنی چاہئیں نہ کہ زمین کی گلیں۔
مجھے محضوں سے پورا فائدہ اُٹھانا چاہئے۔ اور ان کی کمی پر مرگڑا خسوس
نہ کرنا چاہئے۔

میں انسان ہوں گا۔ اس سے پہلے کس و کیل۔ ڈاکٹر یا سوداگر بنوں
میرا پیشہ کبھی ہو۔ مجھے کوئی نہ کوئی ایسا کام کرنا ہے۔ جو مجھے روپیہ جمع
کرنے سے زیادہ دنیا کے لئے بہتر اور مفید ہو۔

مجھے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے۔ کہ انسان اپنے خیالات کے

سزائے موت

قتل نامید نہیں ہوا۔

(۵) یہ کہ بعض اوقات قتل ایسے واقعات کے سلسلہ میں ہوتا ہے کہ سزائے موت میں اور عرصہ میں کوئی خاص مناسبت نہیں ہوتی۔
(۶) یہ کہ سزائے موت سے مقتول یا اس کے وارثوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

یہ سبھی دلائل محض معمولی ہیں اور نیچے لکھی ہوئی سطروں میں ان پر غور کیا گیا ہے۔

(۱) محض اس خیال سے سزائے موت کو پڑا سمجھ کر اس وقت کی ہلکا کر دیا جیسے ہم نہ اندازہ جہالت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کوئی دانا ہی نہیں ہے ہر ایک اصول کو اس کی اچھائی اور برائی کے لحاظ سے دیکھنا چاہئے کہ اس اصول کے پیش کرنے والے کی شخصیت کے لحاظ سے فاری میں اس خیال کی تردید یوں کی گئی ہے

گاہ باشندہ کو دے کا دلائل از غلط پر دف زندگی

گاہ باشندہ کہ میر دانشمند بر نیاید درست تدبیرے

اگر محض اس ہی دلیل پر سزائے موت کی مخالفت منظور ہے کہ جہالت کی یادگار ہے تو باقی وہ تمام عادات حکما تعلق لکھانے پینے اور دوسری ان ضرورتوں سے ہے جو نہ اندازہ جہالت سے لیکر آج تک ہر انسان کی زندگی کے لئے لازمی سمجھی گئی ہیں۔ ان سب کو ایک دم خارج کیوں نہیں کیا جائے اور کیوں انسان کے لئے ایک باطل نیا نظام زندگی نہیں بنایا جاتا۔

(۲) اس امر سے انکار نہیں کہ ان تمام انسانی کوششوں کے باوجود یہ ناممکن ہے کہ کبھی انسان ان قوانین قدرت کے خلاف جن سے پرہیز اور اعلیٰ واقف ہے۔ اپنے جیسے دوسرے انسان کو پیدا کر سکے۔ مگر یہ ناقابلیت اس امر کی کوئی دلیل نہیں چھوکتی کہ سزائے موت کو ناجائز قرار دیا جائے۔ قابل خود ایک ایسی ہستی کو دیکھنا عینا عینا سبب بنتا ہے جبکہ وہ پیش قدمی کر لے گا۔ اس لئے قابل اس بات کا حقدار نہیں کہ اس کے حق میں ایک ایسی دلیل پیش کی جاوے جس کی مخالفت خود اُس کے فعل سے ہو رہی ہے۔ دراصل سزائے موت کو ناجائز ہونے کی دلیل یہ بھی کہ جو شخص کسی دوسرے انسان کی زندگی کو وقت سے پہلے ختم کرتا ہے وہ

مسئلہ ارتقاء نے جہاں قوموں کے خیالات میں استعداد تباہی پید کی ہے وہاں (الغرضی حیثیت سے) ہر سوچنے والے انسان کے لئے ایک وسیع میدان عمل استوار کر رکھا ہے۔ ہر وہ انسان جو مٹی کی ایک منزل طے کر لیتا ہے تو بلا لحاظ اس امر کے کہ اُس کا نصب العین کیا ہے اپنی نگاہ دوسری منزل پر گڑی پاتا ہے۔ اور جس دُعا کے حصول کو کل اپنی زندگی کا معراج سمجھتا تھا آج اُسے اگر حقارت نہیں تو کم از کم لاپرواہی کی نگاہ سے ضرور دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برخص کو حریف کہا جاسکتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو اصول آج درست تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ممکن ہے کل ان کو غلط سمجھ کر خارج کر دیا جائے اور یہ محض قیاس ہی نہیں بلکہ ضرورتاً کا مترہم کے بعض اصول جن کو چند سال پہلے صحیح سمجھ پڑتے تھے کیا جاتا تھا آج بیکار سمجھ کر گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں سزائے موت کے جائز یا ناجائز جو نیکو سلسلہ بھی آج کل تمدن دینا کے ایک حصہ کو عبرت میں آئے ہوئے ہیں۔

تاریخ عالم اس بات کی شاہد ہے کہ ابتدائے آدمیش سے لیکر آج تک قتل کی سزا موت ہی تجویز ہوتی رہی ہے ایک وقت تو وہ تھا کہ ایک شخص کے قتل کے عوض بعض اوقات سینکڑوں اشخاص کو موت کے گھاٹ اتارنا مقتول کے وارث صرف جائز ہی نہیں سمجھتے بلکہ اپنی دنیاوی جاہت کو قائم رکھنے کے لئے یہی ضروری جانتے ہیں۔ اب چند سال سے بعض ملک اس خیال کو دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں کہ سزائے موت جو زمانہ جہالت سے ہم کو اور شائبہ پہنچی ہے ناجائز قرار دیکر خارج کر دی جاوے اس خیال کی تائید ذیل کی دلیل پیش کی گئی ہیں۔

(۱) یہ کہ سزائے موت جہالت اور بد تدبیر کے نمائندگی رسم تھی۔ اس لئے اقوام کو اس سے کنارہ کرنا چاہئے۔
(۲) یہ کہ جب ایک ذی روح کو سزا دیکر انسانی طاقت سے باہر ہے۔ تو انسان کو کسی ذی روح کے مارنے کا حق حاصل نہیں ہے۔
(۳) یہ کہ ہر سزا کا منشا اخلاق کی درستی ہے۔ مگر سزائے موت اس منشا کو بوجہ افسوس کر سکتی کیونکہ سزا پانچوں انصافوں پر تیار ہے آزاد ہو جاتا ہے۔
(۴) یہ کہ باوجودیکہ سزائے موت کا قانون جاری ہے مگر دنیا سے

خود بھی مستحق نہیں کہ اس کے بعد اس دنیا کی لمبھپیوں میں تنہا جھٹلے۔

۱۳) درست ہے کہ کزادینے کا مطلب طرم کے اخلاق کی کسب
 بھی ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ مرزا دینے والے کا خاص مقصد یہ بھی ہوتا
 ہے کہ دوسروں کو لوگوں کے اخلاق کو سنو اسے اودھ و جہت حاصل کریں۔
 ایک مدرس ایک عالم کو کسی قصور کی بنا پر سزا دیتا ہے تو خواہ وہ
 عالم اپنی طبیعت کی خامیوں کے سبب اس سزا سے کوئی فائدہ نہ
 ٹھائے مگر ان ہی اہل کتب اس سے ضرور جہت حاصل کرتے ہیں۔ اود
 اس سبب کے ارتکاب سے بچتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض جواہر کتب متعلق
 خافون بنایا والے اصحاب مرزا کو مشترکہ نداشت اور ضروری قرا دیتے
 ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ذناب کی سزا ماعلم میں بیدار نگاہی کی گئی
 ہے۔ اس سے انکا نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص کو سزا دے دوسرے کیلئے
 شخص کا اخلاق سنو نا ہے۔ اور جن لوگوں کو ایسا ہی ذہنیت سے واقفیت
 ہے وہ اس کی تائید کر سکتے۔

(۴) اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نرے موت کے بلو جو قتل کا مجرم وہاں سے ناپید نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ نرے موت سے کچھ اٹھے تھے جنہیں نہیں لکھ سکے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض عیسیٰ ایسی چیزیں جو اس شخص کی سنگین مرزا ہوئے تھے جو قتل کے اٹھ چکے ہیں بات باطل خاطر ہے کہ اگر نرے موت آج ممنوع کر دیا جوتے قتل کی واردات بڑھ جاوے گی۔ آئے دن ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی کو فانی گرفت و مصلیٰ ہو جاتی ہے تو حاکم کو ہوجاتے ہیں۔ عدالتوں کے برتاؤ کا اور مجرم کی کئی بائیں ہولناکیاں ایسا ہوتا ہے کہ بے شک وہ نرے کا شاعر و عوام کے اخلاق پر نہایت گراں گزرتا ہے۔ اگر نرے موت ممنوع کر دینے سے انسانی زندگی کی قیمت کا تھوڑا سا بچاؤ ہو گا تو ہوجاوے گا اور معمولی سے معمولی بہانہ پر ایک انسان دوسرے انسان کا خون بہانا جائز اور عظیم کا تصور کرے گا۔

ان حالات میں اگر اس دلیل کو دست تقدیر کیا جائے تو سزا کا مسئلہ
 طے ہو جاتا ہے۔ کیونکہ باقی مختلف اقسام کی سزائوں کے باوجود درحقیقت
 جرائم کے لئے جو جرمی جاتی ہیں، جرائم دنیا میں بدستور ہو رہے ہیں۔ تو اس
 دلیل کے قیامت کل سزائیں نامرست اور ناجائز ہوں گی۔

(۵) یہ درست ہے کہ بعض اوقات قاتل کو جرمِ افتدہ مل گیا نہیں ہوگا۔ اس کو سزائے موت کا مستحق قرار دیا جائے۔ مگر اس کے لئے قانون نے نمائش رکھی ہے۔ اہم مردانہ دیکھتے ہیں کہ واقعات و حالات کو برقرار رکھتے ہوئے بعض اوقات سزائے موت کی بجائے قاتل کو کوئی اور سزا دی جاتی ہے۔

(۶) اگر سزاے موت سے مقتول یا اس کے وارثوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ تو عزم قید کرنے سے یا کوڑے لگانے سے سخت کوکس فائدہ کی توقع ہوتی ہے۔ مقتول کے وارثوں سے جو بھوکہ جب وہ قاتل کو زندہ دیکھتے ہیں تو ان کے دل کی کیفیت کیا ہوتی ہے اور قاتل کو سزاے موت بھی دیکھ کر ان کے دل کو کسی تکس ہوتی ہے۔

خزندی ہے کہ وہ شخص جو سزائے موت کے باجائز قرار دے جائے پرتعین ہے اقل خود کو کسی مقول کے دائروں کی حالت میں کہہ کر ان کے خیالات کا اندازہ لگائے اور پہلی آخری رائے قائم کرے کہ آیا سزائے موت درست ہے یا نہیں۔ دوسروں سے صبر اور معافی کی توقع کرنا آسان ہے مگر حقیقی معنوں میں وہی شخص صبر اور رحم کی تعین کا مستحق ہے جو خود اس پر عمل کر لے کی بہت اور طاقت رکھتا ہو۔

واقعات ثابت کرتے ہیں کہ سزا ملنے والے قتل دنیائیں اسن قائم رکھنے کے لئے نہایت ضروری ہے اور کوئی دُور اندیش شخص اس کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

عبدالحق ریاض

ہزار دل سے ہے جھڑک کر آؤ زویری کرمست کھتی ہے مہیاؤ شکیبوری
فصائے آب میں صہرت جام پر کیا
شہد لذت شرب مدام سے تیرا

ترسے چراغ پہ پروانہ وار گر تا ہے وفورِ شوق سے بے اختیار گر تا ہے
بلا میں لیتا ہے ہو کر نثار گر تا ہے قریب آ کے ترے بار بار گر تا ہے

یہ بخودی یہ بہ کو پیش یہ عزت شون
خدا کے کرب میں کس بلایا و شاق (شاکر سرشتی)

نسوانی حسد

”دو زمیری“ بڑی شوقین دلفین بننے والی عورت تھی۔ اس کے بال خوب منورے ہوئے۔ لباس نہایت خوبصورت اور تھرا۔ حرکتیں نہایت شائستہ۔ واضح قطع، باطل زبانی کے رسم کو کوفی اور کوئی آثارہ برس کی جلی گود میں یک پیار پیدا، بھولا بھولا، خاصا ساڑ کا۔ شادی کو مشکل سے ابھی دو سال ہوئے ہوں گے!

”دو زمیری“ یوں تو کچھ ایسی خوبصورت نہ تھی لیکن اس میں شک نہیں کہ اپنے شوہر کی بڑی چچی بیوی تھی۔ اور اس کی طبیعت پر پوری طرح قابو رکھتی تھی شوہر اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا تھا۔

دو زمیری کو مطالعہ کا بڑا شوق تھا، جدید ادبی کتابوں کا ڈھیر اس کی بڑ پر رکھا ہوتا جس طرح اس کو غصہ، غناؤں سے بڑھی تھی۔ اسی طرح اس کے دلخ میں بھی بہت سی اونچی باتیں مینے تھیں۔ اس مطالعہ کا اثر یہاں تک تر کی گیا تھا کہ وہ ہر وقت خاص طور پر مشفق و محبت کے خیالات میں غور ہا کر رہی تھی۔

دو زمیری کے ہاں مال دولت کی کمی نہ تھی۔ خدا کا دیا سب کچھ تھا وہ اپنی ضروریات کا سامان ہر برس سے خرید کر لیتی۔ بھولوں کی بڑی شوقین تھی گلدستے پر نگہ ستہ تر خرید کر لاتی اور بے نگہدان بجاتی۔ کسی قدر فضول خرچ ضرور تھی کبھی بانار میں جیب خالی ہو جاتی اور ضرورت باقی رہتی تو وہ غلیں چروا، رنگ لا، ہوا اور آداس واپس ہوتی۔

نگھانی جاڑھ کے ایک خوشوار شام کو دو زمیری کی سوٹ کا پیرس کے صدر باندر میں کسی تھنڈی ہوا کی طغامت آہستہ آہستہ جا رہی تھی، تھوڑی دیر بعد چرائی یا دکانچیزوں کی ایک دوکان کے سامنے آکر غیر متنی۔ دو زمیری اس دوکان کو بہت پسند کرتی تھی۔ دوکان بھی کچھ یونی ہو تھی۔ مسنن پڑی رہتی۔ کبھی کبھار کوئی ٹاکس جاتا۔ دوکاندار کے خاص خریدار صرف دو زمیری ہی تھی جس۔ دو زدو دوکان پرانی دوکاندار خوشی سے بھولا تھا۔ سماں لوگوں کا خیال تھا کہ وہ دو زمیری سے کچھ نجیب بھی رکھتا ہے۔ دو زمیری آتی تو وہ

بونٹوں میں شکر اکر اس کا استقبال کرتا۔ اور شنگلی ہرن کی طرح گردن ہلا کر بقرار نگاہوں سے اس کی طرف لکھ کر وہ نظرس چار اکر اس طرح کہتا تھا: ”آپ کو معلوم ہے کہ میں آپن چیزوں سے کس قدر محبت رکھتا ہوں کسی قدر ان

یوں ہی پڑی ہیں!“ دو زمیری بے بات کرنا بے اندازہ سے مسکراتی۔ اسے اس کا غار سے ایک خوبصورت چھوٹی سی صندوقچی پیش کی۔ اس صندوقچی کے ڈھکن پر کسی مشہور نقاش کی بنائی ہوئی ایک خوبصورت تصویر تھی جس میں بچوں سے ملتی ہوئی بوجھ کی سائیں میں دس کے بچے ہوتے دو عاشق و مشوق لکھے گئے ہوتے دکھائے گئے تھے۔

دو زمیری اس قسم کی خوش نما چیزوں کی شوقین تھی۔ صندوقچی دیکھتے ہی اس کا خاصا دل چل گیا۔ جب عورت کی حد سے بھولوں پر اس کی نظر پڑی تو بے ساختہ اس کے منہ سے آہ غصہ، اچھکیا گیا اور وہ دوکاندار کو بونٹوں میں مسکراتے ہوئے دیکھ کر بہت خزاں، سادھی روشنی اور گھبراہٹ کے لہجوں میں اس کے منہ سے لفظ نکلے۔ ”...؟“ اس کی محبت؟ ایک بڑے نرم لہجوں میں جواب ملا کہ ”صرف سو پونڈ!“

اس غیر معمولی قیمت نے تو دو زمیری میں عجیبی طرح کے دلچسپ اور عورت کو کسی ایک لمبے کے لئے ہینڈ اور سسٹے کی طرف متوجہ کر لیا تھا اتفاق سے اس وقت اس کی بی بی اس اتنی رقم نہ تھی تو کا خزاں کو حکم دیا کہ صندوقچی ہاتھ لے کر محفوظ رکھو۔ دوکاندار نے خوشی سے قیل کی۔ بلکہ اس کے چہرے سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ دو زمیری کی خاطر غور کر کے صندوقچی محفوظ رکھ سکتا ہے!

دو زمیری دوکان سے باہر نکل آئی اور دینے پر کھڑی ہو کر آسمان کی طرف دیکھی، بانڈھ کر دیکھنے لگی۔ شام کا وقت سردی کا یہ عالم کہ ہوا سینے کے برابر ہوتی جاتی تھی۔ مینہ کی جھڑپاں بھی چوٹی نہیں۔ چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا تو یہی دو زمیری کی سوٹ کھڑی تھی۔ لیکن وہ سوٹ تنگ نہ تھی۔ کسی خیال میں جوں کی قدر جڑاں کھڑی رہی۔ شاید اُسے نفیس صندوقچی کے شوق نے جینے پہنچ کر دیا تھا۔ اور وہ اپنی مایوسی پر افسوس کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں اس کا پہلے دلیں ایک درسا معلوم ہوا اور اس کے چہرے پر اُداسی سی چھا گئی۔ اس نے رادہ دیکھ کر مکان پر پل کر چلے گئے

تھما، خاک کا کھانا اور خود بے پروائی سے سرگٹ کا کش لے لیا کہ ہر ادھر ادھر دیکھنے لگی تاکہ لوگوں کی شرم نہ کرے اور جلی طرح چلے پی لے۔ اس تغزل سے سے نائنہ سے لوگوں کا چہرہ جست کچھ بدل گیا۔ اُداسی دور ہو گئی۔ اور وہ نہایت خوش خوش نظر آنے لگی۔

روز میری اپنی مایوسی کو باطل محوّل ہو گئی تھی۔ اور اب وہ معمول کے مطابق ہنسی خوشی بچتی تھی۔ ابھی وہ لڑکی کی پوری حالت سننے نہ پائی تھی کہ اس کا شوہر کہہ میں داخل ہوا۔ اور اس خصوصیت بھکانے کو دیکھ کر رو دینے سے کہنے لگا۔

شوہر ”روز میری“! یہ اجنبی لڑکی کون ہے؟ یہ کیا معاملہ ہے؟

روز میری (حقہ لگا کر) میں نے اسے سوک پر پایا ہے۔ یہ مجھے رستے میں ملی
میں اسے موٹر پر سوار کیے گھر لے آئی۔ میں اسے پاؤں لگی۔

مستحضر ہے۔ یہ تاحی حقیقہ و شہادہت ہے کہ انہیں کبھی نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔
دردِ تیری کہ پہچان ہوئی تھی مومن حسینؑ کا وہی تبار ہی خیال ہے۔
خوبرو ہاں حسینؑ، ملائی حسینؑ ہے! تو تھارے کرہ میں داخل ہوتے
ہی اُس کے شرف سے ————— روزِ بیکار ہے تھارے لئے۔ یہ
فیضِ مومنِ نعمت ایک خطرہ ہے! اہلِ مشبہ ایک آستین کا سانپ ال
ہی ہو۔

یہ سن کر دوسری کی آنکھیں ٹٹکی کی ٹٹکی رہ گئیں۔ اور اس کے سینے میں سوا کی حسد کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ مگر اس نے یہ بات گوارا کی کہ ایک نیم عاشقانہ جذبے کی خاطر اسے شوہر کی محبت چھوڑ دے۔ اٹھی، جب سے چند فٹ نکالے۔ اور لڑکی کی نذر کئے۔ پھر ہستے سے اس کے کان میں کہہ کر محضت کر دیا۔

جب دردمیں دم آیا تو ایک نفیس اور جدید وضع کے لباس میں شوہر سے ملاقات کی تاکہ اُس کے دل سے لڑکی کے حق کا اثرمٹ جائے۔ شوہر تو اس کا عاشق تھا ہی صورت دیکھنے ہی اجنبی حسین لڑکی کو بالکل بھول گیا۔

جوں ہی روز میری کو نقین ہوا کہ وہ پھر اپنے شوہر کی محبت کی
واحد مالک بن گئی ہے اُسے اپنی نقشین صند فچی یاد آئی اور شوہر ہے
کھنے لگی۔

روز میری رُہ آہ! میری نقشین صند وفتی! چلو سیر کو چلیں۔ وہاں
ہر بار بار بھی جانا ہے۔ میں سوچوں کہ ایک صند وفتی کیلئے فراموش کراؤں ہوں
یہ کہتی ہوں اُس پر ایک بڑی خوبصورت تصویر ہے۔“ ۱۱

دسکین رام پوری۔ لاہور

اور ان پریشان خیالات سے بچنے کی کوشش کرے۔ لیکن اس ارامے نے اُس کے جسم میں ذرا بھی حرکت پیدا نہ کی!

یاباک اُس کی نگاہ ایک دوشیزا پر پڑی جو خدا کا ہے کب سے
اُس کے پاس کھڑی تھی اور لڑکے بے حصص تھے۔ اُس کی بڑی بڑی
آنکھوں سے حسرت اور یکسو ظاہر ہوتی تھی۔ وہ اپنے ٹھٹھے ہوئے
شرع شریعت، نرم زم آنتوں سے کوٹ کا کار کا کرکا کرکا زور سے بیچتی
تھی اور سرو کی کہ جسے اُس کا دانت سے دانت جگ رہتا تھا۔ جو ابھی
اُس کی آنکھوں میں دبیر سے سر چادر نہیں پیچھر کر کے نثریہ اغلاض کہنے
لگی۔

”خیر، میڈم! کیا آپ مجھے ایک پیالی چائے کی قیمت عنایت کر کے شکرے کا موقع دیں گی؟“

مذہب سیری (چونکہ کہ) ایک پیالی چائے کی قیمت! تو کیا تمہارے پاس
اتنا بھی؟

دو خیزو - نہیں جناب کچھ نہیں
دو زمیری کیلئے سے آگئی۔ دل میں کہتی اسے خداداد نام اس ایسے انسان
بھی میں جس کے پاس اتنا عجیب نہیں کہ چلنے کی ایک پیالی خرید سکیں !
اب وہ اپنی سادی پر بیٹھا لیٹ بھولی گئی۔ اور اس لڑکی کی مدد کے لئے تیار
ہو گئی۔ بھرا آپ ہی آپ سوچنے لگی کہ یہ تو ایک عجیب کٹر ہو گا جب میں
یا بابر نادلوں میں نکھا کر تھی تو مجھے کچھ یوں ہی سایہ نقین آتا تھا -
خبر! اچھی بات ہے اب میں اس لڑکی کو اپنی کوٹھی پر لے جاؤ گی کی - اور اس
کی پردہ رول کر دوں گی۔ جب دو زمیر نام کس اس لڑکی کو یہ ثابت کر دکھاؤں کہ
دنیا واقعی ایک عجیب مقام ہے۔ ہاں، انھیں سے باتیں ہوئی رہتی ہیں -
اور جو کتنی بڑے حقیقت میں بنی آئیں - دیوالیہ کسے نہیں بلکہ وہ ذات
ہیں - سوچ کر دو زمیری بھٹکان لڑکی سے ملی -

مذہبی چلو کو ٹھنی پر میرے ساتھ چاہے پنا۔

بھکانہ۔ الفاظِ صُن چونک پڑی اور غصہ کرنے لگی۔
 روزمری دیکھ کر ان کی طرف قدم بڑھا کر گھڑاؤ نہیں۔ میں خاق
 نہیں کرتی۔ آؤ میری موٹریں بٹھاؤ۔ مکان پر مل کر چائے پیئیں گے۔
 بھکانہ دھمکتا ہوا ابھی سوچ بکا رہی کہ روزمری نے اس کا
 ہاتھ پکڑ کر موٹریں بٹھایا اور ابھی کوٹھی میں لے آئی۔ لباس کے کمرے میں
 لے گئی اور اس کا بھینسا گھوٹا اور ڈپٹی آئینے میں خود ہاتھ لگایا۔ پھر گل
 کسے میں نکلا کر اس کی ریشما دبا۔ اور جارنگی۔

چائے آئی۔ روز میری نے بڑی محبت سے لڑکی کو کیک اخطائی دے دیو

عورت اور جوگی

دور ہر شہر اور بستی سے دودھ رنگا مہ زار راستی سے
عیش فانی کی دھڑکن کو دور زندگی کی ہر ہوس کو دور
غم کے پیچیدہ دام سے آزاد کاہش صبح و شام سے آزاد
جام سے اور جم سے بے پروا معنی پیش و کم سے بے پروا
شورشیں ایں و اس سے بیگانہ منہات جہاں سے بے گانہ
عورت اور سرے پاؤں تک عورت

کوہ کی لک لک اُداس وادی میں آبشاروں کے پاس وادی میں
رہتا تھا ایک تارک الٰہیسا پارسا نیک تارک الٰہیسا
راز عرفان عشق کا جو یا رخت و سا مان عشق کا جو یا
رات دن ہندگی ذکر میں جو
آجرت اور اس کی فکر میں جو

ایک دن ایک نوجوان عورت دل ربا شوخیوں کی جاں عورت
زندگی کی آگ، دل میں لئے نوجوانی کی آگ، دل میں لئے
مغرزاروں کی سیر کرتی ہوئی آبشاروں کی سیر کرتی ہوئی
تنگ وادی کے پاس جہاں پہنچی
یعنی لے کر، سے قضا پہنچی

کون عورت ابوہ پاسبان بہار پیکر آب و گل میں جاں بہار
متحرک شرب خار دشمن یعنی اک مستقل نسا دشمن
اور وہ پرہیزگار غائب ہے
شیخ شب زندہ دار غائب ہے
(قافر پر یا نوئی۔ اسے)

ادیب آقا ہے یا غلام؟

(استاذ سلاسل مصری کے گراں مایہ خیالات)

خلیفہ یا پوپ کی خود مختار نظام حکومت کے لحاظ سے اور ادب کی یک رنگی کے اعتبار سے تقریباً برابر ہو گئے۔ اور دونوں کا ادب مذہبی اور بنیادی افکار کی خزانہ میں آفاقی رہتے سے گر کر غلامی کے حصے میں آ گیا۔ علاوہ بریں سن دور میں ادب اور دو بڑی قسموں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک قسم دینی ضروریات کو پورا کرتا۔ دوسری ضروریات زندگی۔

ادب کا جو حیثیت ضروریات زندگی کے لئے وقف تھا وہ آفاقی کے اس بلند مرتبہ تک نہیں پہنچ سکا۔ جو قدیم یونانی اہل قلم کا مرکز تھا بلکہ غلامی کے اس درجہ میں اُتر آیا جس میں یونانی ادیب غلام ہو کر اُتر آتے تھے۔

جیسا کہ اس کے زمانے میں جس طرح بغداد میں سکو غلاموں کی ایک بڑی جماعت ملی جس نے ادب حاصل کر کے اپنی ساری عمر اپنے اقاؤں کی مدد کوئی جن صوفیوں کی مدد میں آج بھی تمام ادب اسی طرح امیر کے پاس ایک شاعر کو اس کی مدد میں ساری رطب اللسان پاؤں گئے۔ غرض کہ ازمندہ وسیعی میں شرق اور مغرب کے تمام اہل ادب اسی رنگ پر جا رہے تھے اور اس خیال نے اعتقاد کی جگہ لے لی تھی کہ ان کی سب سے بڑی مہم اور ان کا سب سے اہم فرض دو تہندوں اور اپنے اقاؤں کو خوش کرنے تک محدود ہے۔ یہاں تک کہ وہ ذلت آمیز ادب کی مدد میں ان کے اترے ایک حد تک آزاد ہو گیا اور اہل ادب کو امر کی مدد میں ان کے سبب اتنے ہی۔ لیکن انہوں نے اپنے ناظرین کو محفوظ اور مسرور کرنا اپنا فرض قرار دے لیا اور اس طرح تحریری اور منہلی جیسے خوش گوئیوں اور کھلا کی خامی تعداد پیدا ہو گئی۔ جس نے الفاظ کے ذریعے سے وہی کر دکھا یا جو مجلسوں میں لوگوں کا دل ہلانا اور مہلتا کے لئے بہرے اور کھانڈ اپنے حرکات کے ذریعہ سے کرتے ہیں۔

بعد ازاں یورپ کی بیلادی اور ترقی کا دور آیا اور اس نے قدیم ادب کے ناخداؤں کو زندہ کرنا اور ادباؤں ادب کو غلامی کے گرد و خراب سے پاک کرنا شروع کیا۔ آخر میں یورپ کے جدید ادب میں آفاقی کا رنگ جھلکتا تھا۔ اس دور کا افشار پر دار تنگ مہلتا کے لئے ہمارے

جب یونانیوں کی آزادی چین گئی اور رومی ان پر حکمران ہو گئے تو ادب آفاقی کے درجے سے گر کر غلامی کے درجے میں آ گیا۔ یونانی ابالفسفہ کے مالک اور ڈرائے کے بانی ہونے کی وجہ سے اپنی قوم کو اس نظر سے دیکھتے تھے جس نظر سے بادشاہ اپنی رعایا کو دیکھتا ہے۔ وہ ہمیشہ قوم کی اصلاح کے طریقے نکالنے، اسکی حکومتوں کو منظم کرنے، اس کے اخلاق کی سطح کو بلند کرنے اور اسے ترقی کی طرف بھگانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ تم اٹھو یا افلاطون کا مطالعہ کرو تو ان میں سے ہر ایک کو ایک بادشاہ کی طرح اپنی رعیت کی دشواریوں کو ٹھوکرے کی نگر میں مبتلا پاؤ گے جو دل سے چاہتا ہے کہ ان کے اخلاق وسیع اور ان کی حکومتیں بالظہم ہو جائیں۔ ہم ان میں سے کسی کو بھی ایک غلام کی طرح نہیں پاؤ گے جو عوام سے جا بوسی کرے۔ قوم کو دھوکے میں رکھے اور ان کی برائیوں کو بھی اچھا بتائے

ہر حال جب رومی یونانیوں پر غالب آ گئے اور انہیں یونانی زبان سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور ان کو اس کی تعلیم پیشکش خواہشات بڑھنے لگیں تو رومی اس مقصد کے لئے کثرت سے یونانی غلام خرید لے اور اپنی اولاد کو ان کے سپرد کرنے لگے۔ اور اس طرح یونانی اہل ادب غلام ہو کر رومی بچوں کے استاد بن گئے۔ یہ شاگرد اپنے معلم کی باتیں ضرور مانتے اور اس کی نصیحتیں سچی قبول کرتے لیکن اسی طرح جس ہمراہ نے ڈرائیڈس کی بات مان لیتے ہیں۔ جب وہ ہم کو قرب ترین راستہ بتاتا ہے یا جس طرح ہم اس قلی کی رائے پر چلتے ہیں جو ہمارا سبب اٹھائے ہو کہ وہ بیل پر سوار کر لے جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم دونوں کی وقتی افہامات اور ایک قسم کی تاملداری کرتے ہیں۔ لیکن ہمارا ضمیر کہتا رہتا ہے کہ ہم ان دونوں سے بالا اور برتر ہیں۔ اس حالت کا اثر لازمی طور پر مضمحل ہو گیا تھا اور اس نے محسوس کیا کہ اپنے اقاؤں کے مقابلہ میں تعلیم دینے اور بات بات پر لٹنے والا استاد ہو نیکیے جائے ایک خوش باش مصاحب ہونا زیادہ ضروری ہے۔

پھر ازمنہ وسیعی کا وعدہ یا جس میں عرب اہل فرنگ مذہبی پیشوا

ماہ سے اعلیٰ طرز پر پورا نہیں کر سکتا اس لئے ہم کو کبھی لفظی نقاش نگار اور اچھوتا اسلوب بیان اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ میں اس کا بالکل مخالف ہوں کہ انشا پر ادنیٰ ساری ہی ہمت صرف الفاظ کی نمدت، عبارت کی سنگینی اور طرز بیان کی شوخی پر صرف ہو جائے۔ اور وہ اپنے ناظرین کے سامنے ایک غلام کے رتبے میں نہ رہ جائے جو صرف ان کو سرور کرنے اور راضی رکھنے پر قناعت کر لے۔ میری کتاب ہے کہ ہر ادیب اپنے کو آفاقی کے درجہ میں رکھے اور اپنے ناظرین کا فائدہ، اُن کی تعلیم اور اُن کی رہنمائی اس کو مد نظر رہے۔ مگر یہ رتبہ ہی بلیہ صلی کر سکتا ہے جو عالم وجودات میں اپنی بصیرت اور بصارت کو کافی وسعت دے۔ اور وسعت نظر اسی انشا پر داد کو نصیب دے سکتی ہے جو انسان اور اس کی تاریخ، اس کی اہمیت، اس کے حاضر و مستقبل، اس کے رسم و رواج، اس کی جمالتوں، اس کے قصے کہانیوں، اس کے علوم و ادب اور اداس کی تہذیب و تمدن کا مسلسل اور گہرا مطالعہ کرے۔

یہی چیزیں ایک ادیب کا موضوع ہیں اور ادیب بلازمہ ہے کہ خود ان کی تعلیم حاصل کرے اور اپنے ناظرین کے سامنے انہی کو پیش کرے۔ تاکہ اُس کا ادب غلاموں کے ادب سے ممتاز ہو کہ آقاؤں کا لیسر پیر ہو جائے۔

صبا و درانی
ایچ۔ اے

سامنے نہ چپائے کاروب ہرگز آسکتا ہے اور نہ تم کو خوش کرنے کی واسطے بھانڈوں دکھا سکتا ہے۔ بلکہ وہ تم کو اس طبعی دنیا کے ایسے سبقوں سے آشنا کرنا ہے جن سے تم کو بلا اوقات دوسرند بناوٹا ہے اور نہ اسی درندی میں لذت اور مزاحمتوں کرنے کو یوں دیکھو اس طرح وہ دوسرند بنائے سے انشا پر دار کا مقصد محض نہیں صاحب بصیرت اور روشن ضمیر بنانا ہے جس سے تمہارے لئے اس دنیا میں احتیاط کے ساتھ ترقی کرنا دائرہ وسیع ہو جائے۔

مگر ہم میں اب تک اہل علم کا ایک الباطنہ موجود ہے جو بے نسبت آقاؤں کے غلاموں کے مرکز سے زیادہ قریب ہے جس کی ساری ہمت شوخی نقاشی اور گراں گیل الفاظ تک محبوس ہے۔ جن بعض خاص حالات میں لفظی تلاش اور مغرب کر دینے والی صنعت ترصیع کے فائدوں سے انکسار نہیں کرتا۔ اگرچہ میں خوب جانتا ہوں کہ کس نے کاکٹورا سادہ ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ ایک حسین و جمیل ہنسی لباس سے عریاں اور برہنہ ہو کر ہی زیادہ جاذب نظر اور فتنہ انگیز دکھائی پڑتی ہے۔ اور لاشیٰ پڑا نقش و نگار کے بغیر ہی زیادہ خوبصورت نظر آتا ہے۔ لیکن سونا اور ریشم ہر شخص کو دستیاب نہیں ہو سکتا اور سینکڑوں عورتوں میں شاید ہی ایک دو کے جسم کی بناوٹ ایسی ہو جو عریانی نہ زیادہ حسین و جمیل معلوم ہوتی ہوں۔ چونکہ کوئی سادہ چیز اس وقت تک بھلی نہیں معلوم ہوتی جب تک کہ کھلی ماہ سے اعلیٰ طرز کی نہ بنی ہو۔ اور لذت ہماری ضرورت کو سادہ اور صبر

غزل

سو بلاؤں کی بلا سوئیہ زیاد دل مجھ کو
کون کہتا ہے دین کا سائل مجھ کو
کمر دیا عشق کے انجام سے غافل مجھ کو
آہ کس وقت نظر آئی ہے منزل مجھ کو
آج قافل بھی نظر آتا ہے قافل مجھ کو

داغ حسرت کو رسا دل سے مٹاؤں کیونکہ
بے ہی گلشن امید کا حاصل مجھ کو

ترسا جالندھری

پاکے تشہیر نے تمہیر کا قافل مجھ کو
حسن خود عشق کی سوار سے پانا ہی قورق
حسن کی پہلی نظر ہوئی ہے کیا ہو شرابا
ہو دجائے کہیں بے لطفیہ ہنگامہ یاس
آج شمشیر ہے شمشیر فشا لذت قفل

امریکہ کے اسکول و یونیورسٹیاں

گورنٹ کوئی دخل نہیں دیتی۔ ہر یونیورسٹی کے ماتحت کئی کالج ہیں۔ اور ہر یونیورسٹی کی ایک انتظامی کمیٹی ہے جو جسٹس اور پرنسپلوں سے مشورہ کے بعد کوئی کام کرتی ہے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں اس قسم کی آزاد یونیورسٹیاں پانچ سو سے بھی زیادہ ہیں اور اس عظیم الشان تعداد میں سے ناظرین امریکہ والوں کی علم کو کسی اور ان کی تعلیمی ترقی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مگر سب سے زیادہ قابل غور اور ہمارے عہد میں حاصل کرنے کی چیز ان پروفیسروں کی آزاد روی ہے جو ہمارے ہاں سرے سے مفقود ہے۔

کولمبیا یونیورسٹی کے تاریخ کا ایک پروفیسر اپنے تجربات کی بنا پر ان نتیجہ پر پہنچے کہ تاریخ کے لکچروں میں اس سے نیچے آنے کی بجائے نیچے سے اوجہاں طلبہ کی چھپی، ان کی بدشگلی طبع اور فن تارخ پر ان کے قارونے کے لئے زیادہ مفید ہے۔ لہذا وہ اپنا لکچر روس کی موجودہ اشتراکیت اور بالمشاورہ سے شروع کرتا ہے۔ پھر اوپر کی جانب بڑھ کر انیسویں صدی کے حالات سے بحث کرتا ہے۔ اس کے بعد اٹھارہویں صدی کو لیتا ہے۔ اسی طرح درجہ درجہ اعلیٰ کی تہذیب و تمدن کی تحقیق کرتا ہوا معرہ ہر باہل کی ابتدائی شانیں اور تمدن تک جا پہنچتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ہر تاریخی نتیجے کے اسباب اور واقعات بھی بتاتا جاتا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ مستقبل میں یہ تاریخی بدعت یقیناً شاندار نتائج پیدا کرے گی۔

امریجن یونیورسٹیاں اپنے تین اہم مقاصد اور بڑے کاموں کے لحاظ سے بھی دنیا کی تمام یونیورسٹیوں میں ممتاز ہیں۔
(۱) علوم و فنون کا ذخیرہ کرنا۔ اور اس کے دو طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔ ایک قوم پر یونیورسٹی کے واسطے ایک بہت بڑا اور تمام علوم و فنون پر حاوی بقعہ مہیا کرنا اور دوسرے ان علوم و فنون کو علمی سبقوں اور لکچروں کے ذریعے طلبہ کے لئے آسان اور مفید بنانا۔

(۲) قوم کی تہذیب اور دانش کی ترقی کے لئے علمی مذکرات اور بحث مباحثہ کرنا۔ اس مقصد کو واسطے ہر یونیورسٹی نے ایک اکاڈمی قائم کر رکھی ہے جس میں پروفیسروں کے حضور دلت کی تمام چیزیں پریم پنہاں کی جاتی ہیں ان اکاڈمیوں میں پروفیسر متبادل خیالات اور اپنی تعلقات بمشہر جاری رکھتے ہیں۔ اور بسا اوقات ان کی تحقیق علمی دنیا کے علاوہ ملک کی صنعت

بچوں کے لئے جدید اسلوب تربیت اور ان کی تعلیم کے نئے طریقے نکالنے میں ان دنوں امریکہ دنیا کی تمام قوموں سے آگے ہے۔ آج کل کوئی قوم اپنی تعلیم پر اتنا خرچ نہیں کر رہی ہے جتنا امریکہ اپنی تعلیم پر صرف کرتا ہے۔ وہاں شاہد ہی کوئی دو تہذیبوں کا جوڑتے وقت اپنی دولت کا بڑا حصہ کسی یونیورسٹی کو وقف نہ کر جاتا ہو جس طرح ہمارے ہاں کے بعض دو تہذیبی کچھ جائیداد کسی مسجد یا مدرسہ میں وقف کر جاتے ہیں۔

اس وقت ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ۳۰۰۰۰۰ لاکھ مدرسے ہیں۔ جن میں ۳۳ ۵۹۰۰ مدرسے ہیں اور ان میں سے ۱۷۰۰۰ مدرسے ہیں۔ ۲۸۰۰۰ مدرسے ہیں اور ان میں سے ۱۷۰۰۰ مدرسے ہیں۔ تعلیم پر ہر مل کو اس عظیم الشان تعداد میں سے ناظرین اپنے ملک کی علمی پسمنظر اور امریکہ کی عظمت اور ترقی کی گلی کی وجہ معلوم کر سکتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ تمام ملکوں میں طلبہ کی سب سے بڑی تعداد ابتدائی مدرسوں میں ہی ہوتی ہے جو علم عام عریض کے ہی ہوتے ہیں۔ اور عورت فطری طور پر علم ہونے کی وجہ سے بچوں سے محبت کرتی ہے، ان کے ساتھ نرمی کے ساتھ پیش آتی ہے اور ان کے کچھن کی شراٹوں اور شوقیوں سے درگد کرتی ہے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں بچے موجودہ پروہ کی وجہ سے ہمدوں کی شفقت آمیز تعلیم سے محروم ہیں۔

یوں تو ریاستہائے متحدہ امریکہ کے تمام ممالک اپنی تعلیم اور اس کے انتظام میں بذات خود مستقل اور آزاد ہیں لیکن چند قانون ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ہر ریاست میں یکساں طور پر جاری ہے۔ مثلاً گورنمنٹ کے کسی مدرسہ میں دینی تعلیم نہیں دی جاتی۔ ہر ریاست میں پانچ سال کی عمر سے اٹھارہ سال کی عمر تک جبری اور مفت تعلیم دلایا جاتا ہے۔ اور ہر ریاست میں تعلیم کے تین درجے قرار دیے جاتے ہیں۔ ابتدائی، ثانوی (سکندری)، اور اعلیٰ۔ ابتدائی تعلیم اٹھ سال کی ہے اور ثانوی یا سکندری چار سال کی۔ باقی اعلیٰ تعلیم صرف یونیورسٹیوں میں ہوتی ہے۔

امریکہ کی ہر یونیورسٹی اپنے تعلیمی اور انتظامی معاملات میں ایک تجارتی کمیٹی کی طرح خود مختار اور آزاد ہے۔ کسی یونیورسٹی میں وہاں کی

طریقے کا مطالعہ کرتے ہیں اور اپنے استاد کی رہایت کے مطابق امتحان پر کوئی خاص کتاب دیکھنے کے بعد صحیح نتیجہ پر پہنچنے اور اس مرض کے شعلہ زبہ معلومات حاصل کرنے کے واسطے اپنے علم سے کافی بحث و مباحثہ کرتے ہیں۔ اور اس طرح ایک مطالعہ پس مندی ابتدائی مباحثوں ہی میں علمی ذوق و شوق اپنے مطالعہ اور اپنے تجربہ و تحقیق پر پھر دوسرے کی ایک خاص شان اور دنیا کی ہر چیز اور کائنات کے ہر واقعہ کو ایک جہاں میں گریز والے محقق کی نظر سے دیکھنے اور ان سے کارآمد نتیجہ نکالنے کا خاص حکم پیدا ہو جاتا ہے۔ یونیورسٹیوں میں بھی یہی حالت ہے مثلاً تمدن و تہذیب و تمدن و تہذیب کا ایک پروفیسر طلباء کے سامنے اس فن کے صوفی ابتدائی اصول بیان کر دینے پس میں کرتا۔ بلکہ امیری و فقیری، جو اندری و زوری، محبت و وحش اور دینی و دنیوی وغیرہ، تمدن کے متعلق تمام جزئیات طلباء کے سامنے کو کر رکھ دیتا ہے۔ اور ایسی کتابوں اور نگہوں کا بھی انتخاب کر دیتا ہے جن کا مطالعہ اس فن کے بڑھنے اور اس میں کمال حاصل کر سکے کے لئے ضروری ہو۔ پھر استاد اور شاگرد دونوں ہی تحقیق میں لگاتے ہیں اور دونوں ہی ایک دوسرے کی امداد کرتے ہیں۔ ناظرین! یہ سنکر باطل تو جب نہ کریں۔ کہ بسا اوقات استاد شاگرد کی تحقیق اور اس سے بھی نفع اٹھا لے۔

ہمارے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ امریکہ تعلیم و دنیا کی تمام حکومتوں سے بہت زیادہ خرچ کر رہا ہے۔ اور ابتدائی تعلیم تقریباً تمام کی تمام عورتوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور تحقیق و تجربہ کی روح تعلیم کے تمام درجوں میں کیساں طور پر نشاں ہے۔ اور اس سب سے امریکہ عظمت اور ترقی کے میدان میں تمام ملکوں سے پیش پیش ہے۔

صدیق طیب بہاری

(الہام قاہر)

حرف کے لئے بھی مجدد مفید ثابت ہوتی ہے مائٹریونیورسٹیاں اپنے پروفیسروں کو ہر چھ سال میں ایک سال پوری تفریح کے ساتھ دوسرے سال کی فرصت دیتی ہیں۔ اور اکثر اساتذہ وہ سال غیر متلاک میں علوم و فنون کی تحقیق میں گزارا کرتے ہیں۔

اس امر میں یونیورسٹیوں کی تیسری جہم پروفیسروں کے بحث مباحثے کو عام ہنگام کے لئے شائع کرنا ہے۔

لیکن مذکورہ بالا تمام خوبیوں کے علاوہ امریکہ کی تعلیم کا تمام دنیا کی تعلیم پر سب سے بڑا شرف اور خاص امتیاز یہ حاصل ہے کہ وہاں کی تعلیم میں شروع سے آخر تک، جو نیز، سینیور اور اعلیٰ ہر ایک درجہ میں تجربہ اور تحقیق کی روح شامل ہو گئی ہے۔ وہاں علم صرف کتابوں کے ذریعہ سے دیا نہیں جاتا اور اساتذہ طلبہ کے سامنے صرف لیکچر دیکر اپنی زور واری سے سکھاتے نہیں جو چاہتے۔ بلکہ استاد اپنے طرز عمل سے شاگردوں کو یہ ذہن نشین کر دیتا ہے کہ استاد اور شاگرد دونوں ہی علم کے پیاسے ہیں اور تحقیق اور حقیقت میں دونوں ہی برابر لازم ہے۔ کوئی امریکہ پروفیسر طلبہ کے معلومات بڑھانے پر جاتی تو وہ نہیں کرتا یعنی اپنے علوم و فنون اور اپنی استعداد بڑھانے پر کرتا ہے۔ پروفیسر کا فن صرف طلبہ کی رہنمائی ہوتا ہے۔ یہ طلبہ کا کام ہے کہ اپنے استاد کے بتائے ہوئے طریقوں سے اپنی علمی مباحثہ بڑھانے کی کوشش کریں۔

مثلاً کسی ابتدائی مدرسے کا مدرس اپنے شاگردوں کو اصول محبت سے باخبر کرنا چاہتا ہے۔ تو صرف یہی نہیں کرتا کہ انکو حفظ محبت کے قواعد یاد کرانے کہ اس میں ان کا امتحان لے لے۔ بلکہ پہلے ان کے سامنے کسی مرض کی مفصل کیفیت بیان کرتا ہے۔ ان سے بچنے کے طریقے سکھاتا ہے۔ پھر ان کو کسی ایسی جگہ پہنچاتا ہے جہاں یہ مرض کم کثرت سے پایا جاتا ہو۔ وہاں پہونچ کر طلبہ وہاں کے باشندوں کی رہائش گاہوں اور رعیتوں کے دکھ رکھاؤ کے

منظر صبح

شہنشاہی ٹھنڈی دہ ہوائیں وہ بایاں وہ بحر
اس لئے شمشیر زمرہ پر پچھائے تھے کمر
دمدم جو تھے تھے وجد کے عالم میں شجر
وہی جاتی تھی مہکتے ہوئے سبز پر نظر
دمخت سے جھوم کے جب باوصیا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

انیس ربیع

عرب کا ایک تاریخی افسانہ

وادی عقیق کی گذشت

اور گھنٹوں ایک ساتھ بیٹھے اُٹھنے اور بات چیت کرنے کے باوجود ان کا میل ملاپ نہ کسی کو کھٹکتا تھا اور نہ کوئی ان کے چال بہن کے متعلق کسی قسم کا مشکوک شبہ کرتا تھا۔ حجب یہ ملنا اہل عرب کے نقطہ نظر سے اور ان کے انداز سے بہت زیادہ ہو جانا اور اُنے والوں کی آنکھوں میں عشق و محبت کا رنگ جھلکے جتنا تو دوسروں کی آنکھ میں بھی اُٹھنے لگتا تھا اور سائے مندر میں اسی کے چہرے ہونے لگتے اور اس کے بعد لڑکی کے سرشتہ دار اپنی طہارت خود داری اور اپنی بے عزتی کے خیال سے اس کی شادی اس شخص سے ہرگز نہ کرنے جس کی محبت کا راز عام طور پر فاش ہو چکا ہو کیونکہ ان کا گمان تھا کہ اس سے شادی کر دینا گویا خودی گوگوں کی بھین کی تصدیق اور ان کے شک کو خودی مٹا کر دینا ہے۔ یہ عہدوں کا ایک ایسا دایعہ تھا جس نے نئے نادرین نوجوانوں کو اُنھی جو انہوں میں ہیں قہر کے گھاٹے تار دیا اور ہزاروں حسین کنواروں کو عشق کی آگ میں جلا جلا کر گھس کر دیا۔ لیکن اس رواج کی پاسداری کے سامنے ان کو نوجوانوں کے اس بے نصیب گروہ پر کبھی بھی رحم نہ آیا۔ شاید یہ کسی بھی حالت کا نصیبنا جا لگتا اور بادشاہ یا کسی دوسرے بااثر شخص کو اس کی بالمشیت اور نیکے سے گذر جانے کی خبر ملگ جاتی اور اُسے اسکی جوانی پر رحم آ جاتا۔ تو وہ اپنے اثر سے کالے لیکر اس کی خوب کے سرشتہ مائل کو اُس سے شادی کرنے پر تیار کر دیتا۔ عام طور پر عہدوں کی اس عجیب و غریب خصلت اور بے عزتی کے ذمہ اور ان کی اس سنگینی نے دلوں اپنے نوجوانوں کی خون بہانے رہنے کے بعد انتہائی شائستگی کے زمانے میں اس بارے میں نہیں نہ نہیں ہوئے دیا۔

سیر حال یہ افسانہ زمانے کے عہدوں کی شائستگی، اُن کی شریفانہ محبت اُن کی خود داری اُن کی عصمت اور اُن کی عجمداشت اُن کے خدا پرستی کی رقت اور ان کی طبیعت کی نرمی اُن کی سروت اُن کی داد و پیش اور اُن کی راگینیوں سے اُن کے دلچسپی لینے کی بہترین مثال ہے۔ عربی ان کے بڑے بڑے معقول ہونے کی کتابوں میں اس حکایت کا تذکرہ کیا ہے لیکن اس کا

وادی عقیق میں منورہ والوں کے لئے ایک پاک یا سیرگاہ کا کام دیتی تھی۔ خصوصاً موسمِ برسات میں جب سیلاب آتا اور اس کا جہن بھرتا تو صبح و شام اس کی ہماریں دیکھنے کو ساما دینے لگتا۔ اس میں نہ پورے عہدوں کی خصوصیت تھی نہ بچوں کی نذر دلوں کا امتیاز تھا نہ عورتوں کا۔ کہیں نوجوانوں کی جماعت شہر پہنچنے میں مشغول نظر آتی تو اس کے قریب ہی کہیں کنواروں کی ٹولی تریف کرتی دکھائی پڑتی۔ لیکن سرچھہ عہدوں کی شائستگی عصمت و عفت اور پاکدامنی کے خیال اور بے لاک میل جول کا جلوہ نظر آتا ہمارا افسانہ اس طرح کا کہ اپنی ہیصبتوں کے اس زمانے سے تعلق نہ رکھتا ہے جب عہدوں کے قدن اور شائستگی نے وہ ہر کے سورج کی طرح اپنی پوری روشنی سے بغاوت سے دینے تک کی سرزمین کو منور کر رکھا تھا۔ اور ہندوں الرشید کی معارف نوازی، علم و دستگی اور خون لطیفہ (آرٹ) کی قد افزائی نے سارے عہد کو علم و فنون کا خستہ بنا دیا تھا۔ اس مختصر مگر بڑے اور تاریخی افسانے سے ہم پر دوسری صدی عہدوں کی شہری عہدوں کی خامی زندگی اور سوسائٹیوں کی حالت بخوبی معلوم ہو جائیگی۔ اس سے ہمیں یہ پتہ چل جائیگا کہ دوا و عورت و آبد کا کتنا شہر ہوتا تھا۔ اس سے ہمیں بھی ظاہر ہو جائیگا کہ ان کا علمی اور ادبی مذاق کس قدر سنگین تھا۔ سخن سنجی اور سخن مہمی کی کس غضب کی قایت رکھتے تھے۔ راگینیوں سے کہاں تک بچپسی لیتے تھے اور ان کے بڑے بڑے راہبوں میں گویوں اور راگینیوں کی کتنی رسائی ہوتی تھی اور کتنی قدر کی جاتی تھی۔

لیکن اس کے ساتھ یہ نہیں یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ عرب اپنی انتہائی تہذیب و شائستگی کے زمانے میں بھی اپنی خاندانی روایات اور ادب و ادائی ریت پر کس سختی سے قائم تھے اور خاص کر خرافات اور عورت و آبد کے معاملہ میں تو انگوں کے نقش قدم سے بال برابر بھی نہیں ہٹتے تھے وہ ان کی سوسائٹی اور تفریح کا جہن میں دوج ان لوگوں اور لوکیوں کے کلم لکھا میل جول

کبھی ملاقات بھی ہو جاتی کہ ہم برابر نہایت ہی احتیاط کے ساتھ احتلاقی۔
 دائرے کے اندر رہتے اس کے علم و فصل کی وجہ سے یہی بہت اوجھی
 بڑھ گئی اور میں نے اس سے محبت اور شادی کا وعدہ کر لیا مگر نہ معلوم
 ہماری محبت کا راز کینے غار ہو گیا اور نہ جانے فوگوں کو ہماری باتیں
 کیسے معلوم ہو گئیں کہ ہماری کیفیت میں کئی گلی گلی مشہور ہو گئی۔
 اور اس کے برعکس دائرہ اس کی بھڑائی کر گئے اس کے والدین نے
 اس پر سختی کرنی شروع کر دی اور میں ہزار کوششوں کے باوجود اس سے
 نکل سکا۔

میں نے عاجز آ کر اپنی سادی کیفیت اپنے والد سے بیان کر دی
 اور خواہش کی کہ اس کے ہاں میری شادی کا پیغام لیکر ملیں۔ میری امید
 کے خلاف وہ میں کو بہت خوش ہوئے اور اپنے قبیلے کے عزیزین
 کے ساتھ مل کر پیغام واسطے اس کے ہاں گئے اور اس کے والد کو پیغام دیا
 اس نے کہ اگر کسی خواہش تم نے دونوں کے تعلقات کے مشورہ کرنے
 سے پہلے کی ہو تو میں شوق سے شادی کر دیتا۔ لیکن اب یہ میری روٹی کو
 رسوا کرے گا۔ اب اس سے شادی کر کے لوگوں کی افواہ کو سچا نہیں بنا
 سکتا۔ تم خود ہی انداز لگائے ہو کہ تمہارے لوگ کی اس حرکت سے
 میری شرافت کو کتنا بڑھائے گا اور میری عزت و آبرو کو کس قدر
 نقصان پہنچائے۔ میرے ساتھیوں نے جواب دیا کہ ہم اس میں نہ
 تمہاری عزت پر کسی قسم کی آنچ آنی دیکھتے ہیں اور نہ تمہاری شرافت
 پر ہم کو کوئی داغ نظر آتا ہے۔ ہماری لڑکیاں کھلے بندوں لوگوں کے
 بات چیت کرتی ہی ہیں اور ہم اس میں کوئی ایرج نہیں سمجھتے۔ اس کا
 یقین رکھو کہ ہم کو نہ تنہا ہی لڑکی کی پاکدامنی میں کوئی شبہ ہے اور نہ
 اپنے لڑکے پر کسی قسم کا شک ہے۔ تم خواہ مخواہ وہ ہم کو کیوں پڑتے
 ہو۔ خود سوچو۔ عوام کی ہوا یوں کا کیا اعتبار ہے۔ اگر تم راضی ہو
 جاؤ تو سادی افواہ دب دیا جائے گی۔ وہ مزید پکے ہوئے سوچتے
 سوچتے ہوا لڑکیاں سے محبت نہ کرے گا۔ لیکن اس شہرت اور تمام لوگوں
 کو اس کا علم ہو جائے گا کہ بعد اس سے شادی کرنا بھی اچھا نہیں معلوم
 ہوگا۔ اور اگر تم یہ تصور بھی کر لو تو اس پر سے کہے پیچھے والی اس
 کو نہیں مانے گی۔ اس نے میرے پردے کی طرف اشارہ کر لیا جس کے
 پیچھے اس کی بیوی بیٹی بھی ہیں۔ اپنے خاندان والوں کو بتا دیا کہ
 اس کی بیوی سے سفارش کریں۔ مگر اس نے اُن کی پوری بات سمجھنے
 سے پہلے ہی اپنے شوہر سے بھی راز و مخبر جواب دیا اور صاف اکر
 کر دیا۔ آخر ہم نامیہ ہو کر چلے آئے۔

اس کے بعد میری حالت بھر گھٹنے لگی اور چند ہی دنوں میں
 بڑی سے بڑی ہو گئی میرے والد بچا پتے کے کمری شادی کسی دور کی
 حلیہ کر دیں کہ میرا دل مل جائے اور اس کا خیال چھوٹ جائے۔ مگر وہ
 اس سے سخت نفرت تھی۔ اس نے میرے دل میں کیا کہ والد کی عقلی اور
 لوگوں کی چیر مگر یوں سے بچنے کے لئے اس وقت کہیں اور چلنا
 چاہئے۔ لیکن ہشتبائی تھا کہ اس سے لیکر آخری ملاقات ہو جانے
 اور اس کی بہتری نہ ہو سکی۔ مگر کاسباب نہیں ہو سکا۔ میری طرح
 اس کی بھی صحت خراب ہو گئی اور اس کے والدین اسے دینے سے
 باہر کر دی بدوی (عرب کے دیہاتی) رشتہ دار کے ہاں بھجوا دیا۔ میں نے
 کسی نہ کسی طرح وہاں اپنے سفر اور اپنے عہد پر قائم رہتے اور اس کے
 دیکھنے کا مشتاقی ہوئے کی خبر سے پہنچا دی وہ اس کو سوسک کا ٹاپ
 کپڑے سفر کی صبح کو دینے کے باہر ان میمنوں کے قریب جہاں وہ
 مقیم تھے۔ میں نے آخری بار اسے دیکھا..... مسعد کہتا ہے کہ
 نوجوان جہاں پہنچ کر روئے لگا پھر کما۔

تلتا تلامین عورت مخضاتھا وذاظہا بالذلوالوطب دافع
 اشات بالآلہ البان و دعت ولومت بعدیہا تھانتہ راجع

”وہ لڑکی اپنے خیمے سے نکل کر اپنی دانتیں میرے سامنے آئی
 کہ اس کی آنکھوں سے موتوں جیسے آنسو ٹپک رہے تھے۔“

اس نے اپنی آنکھوں کے نشانے سے مجھے نصرت کیا اور آنکھوں
 کے نشانے سے پوچھا کہ اس کی آواز گئے؟

میں نے پچھلے نوجوان کا چہرہ دہرایا۔ اور اس قدر دیا کہ مجھے بھی
 روٹا گیا میں نے اس کو بھٹایا۔ دلاسا دیا اور مشورہ دیا کہ میرے فرزند
 میں رہو اس نے منظور کر لیا اور میرے پاس ہی ایک مکان میں کہنے
 لگا جس میں لداہری رہ گئے تھے۔ میں بار بار اس کے بائیں سے سوچتا رہا
 آخر مجھے ایک ترکیب سوچی اور امید بندھی کہ اب اس کا کام ہو جائیگا
 ہاؤں رشید وزیر جعفری کے کہ ہاں کھانے پیچہ کی جیس جی
 ہوئی تھی۔ مجھ سے گلے کی فرمائش ہوئی اور میں نے اپنے نوجوان کا
 وہی مشورہ ہی من میں گانا خرمن کیا۔ جعفری کی کمرست ہو گیا اور بول
 اٹھا کہ مجھے یہ بیت تو کسی خاص واقعے سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ واقعہ
 سناؤ۔ مجھے اپنا تیرنشاہ ہونے کی بڑی خوشی ہوئی۔ اور میں نے نوجوان کو
 سارا ماجرا کہہ سنایا۔ جعفری بہت متفرد اور اعلیٰ وقت نوجوان کو
 بلایا گیا۔ وہ انجی۔ فوٹس کی زبان سارا قصہ پڑھنا اور اکر کر ب
 تمہاری وجہ سے تمہاری شادی کرنا دیکھتا کہ وہ میں لیتا ہوں۔ یہ مسکرا

بھی ہزار ہزار شرفیوں کا حکم صادر فرمایا۔ پھر ہم پر جعفر کی طرف سے بھی سختی کا کاتھش ہوئی۔

دو دنوں سے کسی کو بھی اُمید نہ تھی۔ مگر دنوں کی حدائی کے سہنے اور فراق کی نصیبیں بداشت کرنے کے بعد دو دن بھر طے ہوئے مل گئے۔ اور پھر ہمارے مدنی جوان نے بغداد سے جان پسند لایا۔ اور جعفر کے مصاحبوں میں شامل ہو گیا۔

اس خاندان کو بڑھ کر جو ان کی اخلاقی بڑائی۔ اُن کے ترقی یافتہ میلان طبع پاکیزہ طبیعت، ان کے نرم جذبات۔ وفاداری اور پاکدامنی کا مجموعہ ان کی شریفانہ اور سچی محبت اور ان کی خرد داری اور عزت و اکبر کی ضرورت سے زیادہ پاسداری پر اگر تمیز نہج بود ہا ہے تو ہو۔ اور ایک عاشق کی حسیت و درک سے میں ایک راگی ایک وزیر ایک بادشاہ کو کیساں محبت لینے پر نہیں حیرت ہو رہی ہو تو ہو۔ لیکن اس پر بالکل تعجب نہ کرو کہ امدن رشید نے خلیفہ ہو کر اس معمولی سی بات پر کس قدر توجہ کی کہ جو نگر خلفار کی عنایت۔ رعایا پر ان کی توجہ اور ہمیشہ رعیت کی حالت معلوم کرتے رہتے اور ان کی بھلائی اور میری کی نگرشیں گہ بننے کی یہ کیفیت تھی ایسے دربار کے خاص کو اکثریوں مخاطب کرتے تھے کہ ہم نے تم کو پسند دربار میں اس لئے ملکہ کیا ہے کہ تم آپس سے کم رتبہ والوں کو اپنی مجلسوں میں جگہ دو۔ تم کو چاہیے کہ اُن لوگوں کی ضرورتوں کو ہم تک پہنچاؤ جو ہم تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہ ہے حکومت کا وہ اسطے ناز اور سترین مثال جس پر اپنی اسطے شائستگی کے زمانہ میں عوجوں کی حکومت چل رہی ہے۔

محمد عین بہاری

نوجوان کی باجپیں کھل گئیں اور اسے خوشی کے اس کو اس کا قین پٹا کھل ہو گیا۔

دوسرے دن جعفر خلیفہ ہارمن الرشید کے ہاں گیا۔ تو اس وقت وہاں کی پوری سرگزشت اُسے سنائی خلیفہ نے ہم کو فوراً حاضر کر لیا حکم دیا کہ ہم دو دنوں میں کئے گئے۔ مجھے دہری شکرانے کا فرمان ملا میں بھلا شوق کیا۔ خلیفہ جھوٹے لگا۔ پھر نوجوان سے اس کی داستان دہروائی اور اس کی دلجوئی کی۔ اس کی محبوبہ کو اس کے تمام شہ وادوں کے ساتھ دار الخلافہ میں حاضر کر کے واسطے اُسی وقت حجاز کے گورنر کے نام پر روانہ جاری کر دیا۔ ہم وہاں سے ہوئے تو معلوم ہوتا تھا کہ نوجوان ہمارے خوشی کے آسمان پر آجائیکا۔ بار بار مجھے پوچھتا کہ کیا واقعی میری محبوبہ مجھ کو مل جائے گی؟ اور کیا اس کا باپ اس کو قبول کر لے گا؟

نوجوان کے شہر سیری دھن کے ساتھ بغداد کی گلی گلی میں مشہور ہو گئے اور ہر جگہ اس وقت کے چرچے ہوئے۔ اور آخر صوفیائے اہی دونوں میں جعفر بن بغداد سے مدینہ منورہ اور وہاں سے بغداد چلے گئے۔ میں صوفی ہوں کہ وہاں سے وہاں سے ارا الخلافہ میں آئے۔ وہاں سے دربار میں لڑکی کے باپ کی بلی ہوئی۔ وہ خلیفہ کے سامنے حاضر کیا گیا۔ مگر ڈر کے سامنے اس غریب کی جان بھلی جاری تھی خلیفہ نے اس کی لڑکی کے لئے نوجوان کا پیغام دیا۔ اور اس کو قسم دلائی کہ اُسے خوشی سے قبول کرے۔ اُس نے قبول کر لیا اور اسی وقت اُن کا نکاح ہو گیا۔ خلیفہ نے اس کو ایک ہزار شرفیوں جیز دینے کے لئے پیش کیا اور ایک ہزار دواہ خیم کے واسطے طلب کیا۔ میرے اور نوجوان کے لئے

خیالِ یار

کیسے جو رکھوں نہ دلین گوا خیالِ یار
میں تیرا عکس ہوں تو میرا عکس
بن بن کے اضطراب تنہا ہے بازید
چھوٹی ہے تو نے آتش گل لالائیں
دھڑ دھڑ میں ہم تو دھڑ دھڑ
ہے دریں سنگدل تصویر کی جگہ جگہ
ظنونِ محال میں لینے پڑتا ہے جا جا

(میلاد ارم وفا)

ولایات متحدہ امریکہ کی بنیادی سیاست

جیمس منرو کا قانون

منتخب ہو گیا ہے۔

جب مترو اپنے عہدہ کی مدت چار سال تک کر چکا تو ۱۸۳۵ء میں صرف ایک رائے کی مخالفت سے دوبارہ صدر جمہوریہ منتخب ہو گیا۔ اسکا دوبارہ انتخاب اس کی سیاسی قابلیت اور جمہوری اوز میں اس کی شیئر لیاقت کی وجہ سے عمل میں آیا۔

اس نے اپنے ناڈ صدارت میں عام ہنگ کے کاموں میں بہت حصہ لیا اور ملکی ترقیات کے لئے اس نے جس سرگرمی سے کام کیا اس نے اسکو ملک میں بہت مقبول بنا دیا۔

جیمس منرو کا یہ ایک زبردست کارنامہ تھا کہ اس نے ملک کی مختلف پارٹیوں میں جو شدید اختلاف تھا اسکو تقریباً ختم کر دیا چنانچہ جب منرو ولایات شمال مشرقی کی سیاست کے لئے گیا تو وہاں جمہوریت پسندوں نے اس کا زبردست استقبال کیا۔ حالانکہ منرو کا تعلق ڈیموکریٹ پارٹی سے تھا۔ اور جمہوریت پسندوں اور ڈیموکریٹ پارٹی میں اس سے پہلے شدید اختلاف رہ چکا تھا۔

اسی زمانہ میں جنوبی امریکہ جو اسپین کے مقبوضات میں سے تھا ایک سخت کشمکش کے بعد اس کے قبضہ سے آزاد ہو گیا۔ اور اس نے اپنی ایک مستقل جمہوری سلطنت کی بنیاد رکھ کر اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے ہر ممکن قوت کو تیار کر لیا۔

اگرچہ جمہوریت ممالک متحدہ امریکہ میں ممالک جنوبی کی کامیابی سے بہت ہی خوش تھی لیکن وہ ایک عرصہ تک ان کی آزادی کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کرتی رہی۔

لیکن ایک عرصہ کے تردد کے بعد ۱۸۲۳ء میں ان کی آزاد خیالی اور استقلال کو تسلیم کر لیا گیا اور جانین سے دونوں دارالحکومتوں میں سفراء مقرر کر دیے گئے۔

ایک سال بعد دولت متحدہ شمالی امریکہ کو معلوم ہوا کہ ہسپانوی

جنگ عظیم کے زمانہ میں ان میں منرو کے متعلق اخباروں اور مائیل میں جو کچھ بحث ہوئی رہی ہے اسکو یہ نظر رکھتے ہوئے ہم اس مسئلہ کی بہت کو تسلیم کر سکتے ہیں۔

آج امریکہ کی خارجی سیاست کی بنیاد جس قانون پر ہے اسکو ایک صدی ہوئی ہے کہ جاری ہوا ہے۔ یہ قانون امریکہ کی بنیادی قانون ہے۔ اس کا بنانے والا ولایات متحدہ کا پانچواں صدر جیمس منرو ہے۔ اسی کے نام کی مناسبت سے یہ قانون ان میں منرو کے نام سے مشہور ہے۔ جیمس منرو (James Monroe) اگرچہ ایک بڑھی کار کا تھا لیکن بحین ہی سے اس میں لیاقت کے آثار پائے جاتے تھے۔

جس زمانہ میں فرانس کے مشہور انقلابی لوہے کو شکستہ میں قتل کیا گیا تو اس وقت آزادی امریکہ کا حقیقی بانی و شہسوار ولایات متحدہ امریکہ کی جمہوریت کا پرڈیڈ تھا۔

واشنگٹن کا خیال تھا کہ اس وقت میں جبکہ فرانس میں سیاسی جھجکیاں پیدا ہو رہی ہیں کسی ایسے شخص کو وہاں کا سفیر مقرر کیا جائے جو اعلیٰ پایہ کی سیاسی قابلیت کا مالک ہو۔

چنانچہ اس اہم خدمت کے لئے جیمس منرو کا انتخاب کیا گیا اور اسکو پیرس میں سفیر مقرر کر دیا گیا۔ اس وقت منرو کو پچیس سال کی عمر وہ ایک کی پالیٹکس کا مہر کا تھا۔

چونکہ مترو انقلاب فرانس کا حامی تھا اور جو نئے اصول دنیا میں پیدا ہو رہے تھے ان کا شدید تقاضا پہلے انگریزی حکومت نے دولت امریکہ سے مطالبہ کیا کہ منرو کو واپس بلایا جائے۔ چنانچہ وہ وہاں سے واپس بلایا گیا اس کے بعد منرو یورپ اور امریکہ میں مختلف معزز عہدوں پر کام کرتا رہا۔

۱۸۲۳ء میں نائب وزیر خارجہ مقرر ہوا۔ اس کے تین سال بعد وزیر جنگ بنا دیا گیا۔ باوجود کہ ریچ لاڈل ۱۸۲۳ء میں امریکہ کا صدر جمہوریہ

کھلم کھلا دشمنی کا اعلان ہوگا:

یہ قانون جو نہایت اہمیت رکھتا تھا اور جو امریکا کا محتاج تھا بہت عرصہ تک بے نیازی کا مرکز بنا رہا۔ یہاں تک امریکا کی پارلیمنٹ نے بھی بحیثیت قانون اس کو پاس نہیں کیا۔ لیکن ایک مدت کے بعد پارلیمنٹ نے اسکو ولایات متحدہ امریکا کے بنیادی قانون کے طور پر منظور کر لیا۔

پارلیمنٹ کی منظوری کے بعد آہستہ آہستہ مختلف ملکوں نے بھی سرکاری طور پر اس کی تصدیق کر دی۔

چنانچہ جب فرانس نے ۱۹۳۷ء میں شمالی امریکا کے ایک حصہ پر قبضہ کر کے اسکو اپنے ماتحت کرنا چاہا تو ولایات متحدہ کی حکومت نے مزے کے اسی قانون کے مطابق حکومت فرانس کو سخت تنبیہ کی اور حکومت فرانس کو مجبور کر دیا کہ وہ قبضہ علاقے سے علیحدگی اختیار کرے۔

اسی طرح جب ۱۹۳۷ء میں حکومت انگریزی اور ولایات متحدہ اور جنوبی امریکا کا ایک حصہ پر قبضہ کرنے کا مقصد تھا تو فرانس نے اسکو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس واقعہ کو تسلیم نہ کرنا امریکا کی حکومت نے دولت انگریزی کو اسکا بالکل موافق نہیں دیا کہ وہ اس معاملہ میں خود راہ روش اختیار کرے اور یہ کہ اگر اس قبضہ کا فیصلہ کئے ممالک متحدہ کی حکومت آپ خاص حیثیت مقرر کرے گی جو تحقیق کے بعد سرحد کے تعین کا فیصلہ کرے گی۔

انگریزی حکومت نے ابتداً اس امر کو تسلیم کرنے میں بہت پسند پیش کیا لیکن دولت متحدہ برابر اس پر نہ دوڑتی تھی کہ حکومت انگریزی آئین منہ دو کو دولت امریکا کے بنیادی قانون کی حیثیت سے تسلیم کرے اور اس اعلیٰ تصدیق کرنے کا امریکا کے معاملات کے تصفیہ کا حق خود امریکا کو حاصل ہے۔

چنانچہ انگریزی حکومت مجبور ہوئی کہ تسلیم کرے۔ ۱۰ جنوری ۱۹۴۷ء میں حکومت انگریزی اور ولایات متحدہ امریکا میں ایک معاہدہ ہوا جس میں آئین منہ دو کو قبول کر لیا گیا اور اس امر کی تصدیق کر دی گئی کہ امریکا مختلف ولایات کی آزادی کی حفاظت ممالک متحدہ کی حاکمیت کا حق ہے۔ جنگ عظیم کے موقع پر ہی بنیادی قانون میں اس نے ممالک متحدہ کو جنگ میں شرکت کرنے سے سختی اسکا اعلان روک رکھا۔ لیکن جرمنی کی درہائی لڑائی نے اسکو مجبور کر دیا کہ جنگ میں دخل دے۔

لیکن اسوقت تک آئین منہ دو مختلف حیثیت سے دنیا پر اثر انداز ہے۔ یہی قانون ہے جسکی بنیاد پر دولت متحدہ امریکا یورپ کے معاملات میں اثر انداز کر کے بے اثر کر رہا ہے۔

مختلف حکومتوں نے جن میں اٹلی، جرمنی، فرانس اور روس وغیرہ شامل تھے، اتحاد و مقصد کے نام سے ایک اہم معاہدہ کیا جس کا منشا یہ تھا کہ ممالک جنوبی کو دوبارہ آزادی کی آب و ہوا سے محروم کر دیا جائے۔ مسٹر ریفٹ (RUTH) نے جو انگلینڈ میں امریکن سفیر تھا اپنی حکومت کو ان حالات کے متعلق ایک مفصل رپورٹ ارسال کی جس میں اس نے ان ممالک پر طعنہ زنی کرتے ہوئے لکھا۔

”کیورپ کی مذہب حکومتیں انصاف و انتظام کی جو خدید پیاس رکھتی ہیں اسکو تسکین دینے کے لئے وہ مجبور ہو گئی ہیں کہ نوخیز اور بے تجربہ امریکا کو طوفان خطرات سے نجات دینے کے لئے سرگرمی سے میدان میں آجائیں؟“

جب امریکا میں یہ خبر پہنچی تو وہاں کے عوام میں ایک بڑی درست پیمان پیدا ہو گیا۔ اور صرف اس مسئلہ کے متعلق ایک ڈیڑھ بجے میں شروع ہو گیا۔

جیسے منرو نے مسٹر فرنسن (Mr. Farnson) سے جو امریکا کا تیسرا صدر تھا اور بہت مشہور مدبر تھا، اس اہم مسئلہ کے متعلق مشورہ کیا اور اس سے دریافت کیا کہ اسوقت متحدہ امریکا کی روش کیسی ہونی چاہئے۔ فرنسن نے اس کا جواب دیا اور نہایت دانشمندی سے حسب ذیل امور کا اظہار کیا۔

اس نے کہا کہ میں سب سے زیادہ جس چیز کا خیال رکھنا چاہئے وہ ہمارا باہمی اتحاد و اتفاق ہے۔ ممالک امریکا کے تمام حصوں کو یہ طریقہ وابستہ رہنا چاہئے کہ ان کو کوئی نہ جدا کر سکے کیونکہ اگر امریکا میں یورپ کی طرح اختلاف پیدا ہوا تو یہ ہمارے لئے درست نہ ہوگا۔

دوسرے یہ کہ ہم کو یہ طریقہ بھی امریکا کے معاملات میں یورپ کی مداخلت کو گوارا نہ کرنا چاہئے۔

چنانچہ جس منرو نے ۱۶ دسمبر ۱۹۴۷ء میں اپنی سالانہ تقریر میں ممالک متحدہ کی پارلیمنٹ کے سامنے نہایت ذور دار الفاظ میں اعلان کیا۔

”ہر جو حکومتیں آزادی کی دولت سے مالا مال ہو چکی ہیں ہم ان کے معاملات میں یورپ کی مداخلت کو کسی طرح بردہ نہیں کر سکتے۔“

اگر یورپ کی کسی حکومت نے یہ تصدیق کر لیا کہ کسی آزاد حکومت کو اپنے قبضہ تصرف میں لا کر اسکو آزادی کی نیند سے محروم کر دیا جائے تو اسکو سمجھنا چاہئے کہ یہ طریقہ ہم سے لئے

کہتے ہیں کہ جب منرو ۱۹۴۱ء میں اپنے دوسرے انتخاب کی جیت
ختم کر کے امور حکومت سے کنارہ کش ہوا تو وہ بہت غریب حالت میں
تھا اور اس پر بہت لوگوں کا فرض تھا۔
حقیقتاً امرنات حیرت انگیز ہے کہ منرو اگرچہ بہت سے ممتاز
عہدوں پر رہا اور اس کے بعد چار سال تک جمہوریت کی صدارت
کے فرائض بھی اس نے انجام دیئے۔ لیکن آخر میں اس نے یہی نہیں
کر کوئی سرمایہ چھوڑا ہو بلکہ وہ تہیدست - محتاج - ضرورتمند اور مظلوم
تھا۔

(کادہ بلن)

حامد الانصاری غازی
(فاضل دیوبند)

اگرچہ حکومت متحدہ نے دنیا میں جو عظیم الشان مالی اور جنگی پوزیشن
حاصل کر لی ہے۔ اس پر احماد کرنے والے اگر امریکہ جاتے تو یورپ کے
معاملات میں بے خوف خطر کو سمجھتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اگر کبھی امریکہ
کی نیت خراب ہو تو وہ اپنے منافع کی خاطر یورپ سے جنگ دیکھ کر کے
نئے تیار ہو جائے۔
لیکن ابھی تک امریکہ میں آئین منرو کے طرز بہت زیادہ میں ایسے
مخالفین آئین منرو جو قصہ دین بہت کم ہیں یہ جرأت نہیں کر سکتے کہ کسی
خلافت دہری کریں۔
آخر میں جبکہ آئین منرو کے متعلق پورے طور پر بحث کر چکی ہیں۔
ایک خاص واقعہ کا ذکر کر دینا بہت مناسب ہوگا جو منرو کی زندگی میں بہت
حیرت انگیز ہے اور اس کی اخلاقی حالت پر خاص روشنی ڈالتا ہے۔

امام حسینؑ کی تلوار کی روانی

یاں گوشتِ زخمِ شمشیر نے چھوڑا
کس تہرے گھرموت کی تصویر نے چھوڑا
وفا سے ظفرِ فتح کا درکھول کے نکلا
شہسازِ اجل حید کو پر تول کے نکلا
بے پاؤں جدِ ہر اہل سے چلتی ہوئی آئی
وہم بھریں وہ سورنگ بدلتی ہوئی آئی
بیراقتا بدن رنگِ نرد سے ہر اقتا
جو ہر ہر کہو پیٹ جوا ہر سے ہر اقتا
سر پہنکے تو منج اس کی روانی کو نہ پہنچے
جھبکی کی تڑپ شعلہ فشاں کو نہ پہنچے
دورخ کی زبانوں سے بھی آج انکی بری بقی
برجی بقی کنکاری بقی سردی بقی۔ بقی بقی بقی

میرنیس مرحوم

بہادر حریف

صلیبی لڑائیوں کا ایک واقعہ

اسلام دور

سلطان صلاح الدین - سلازوں کا خلیفہ -
کنگ رچرڈ - انگلستان کا بادشاہ
کونٹ ڈی راک - ارل آف کولینڈر - کنگ رچرڈ کا خاص صحاب
پاپائے کنستبری - صلیبی لڑائیوں میں پاپائے خطر کا قائم مقام -
خیم عبدالاحد - سلطان صلاح الدین کا خاص معلم -
رچرڈ - کیا؟

پہلا منظر

کونٹ - سلطان کی فوج کا ایک دستہ ہمارے خیموں کے قریب کھڑا ہے
اس کے ہمراہ صلاح الدین نے اپنا شاہی طبیب آپ کے علاج کیلئے
بجایا ہے۔ ایک صلیبی ناٹ بھی بھڑا ہے۔
رچرڈ - کیا خیم؟ یہ بھی کہیں میری جان لینے کے لئے کوئی سازش نہیں؟
کونٹ - ہومکتا ہے۔ ان پر فوراً اعتبار کرنا تو بہر قوتی سے خالی نہیں۔
رچرڈ - اور وہ سی ناٹ.....

کونٹ - وہ کراسراہم۔ اپنی جرات کے سبب مشہور ہے۔ اس کی کھار صلیب
کی حفاظت میں کئی بے درجنوں کو مٹا چکی ہے۔

رچرڈ - وہ سلطان تک کیونکر پہنچا؟
کونٹ - سلسلے مجلس عالیہ نے گنڈی کے سینٹ کے پاس بھیجا تھا۔ وہاں
اس کے آدمیوں نے اس سے حکیم کی دہبری کی درخواست کی وہ انہیں
جیاں لئے آیا ہے۔

رچرڈ - حکیم کیسرے پاس لے آؤ، میں اس سے مفصل حالات دریافت کروں گا۔
کونٹ - عالی جا! آپ کیا بھولی باتیں کرتے ہیں۔ ان کا نہیں وہاں ہونا ہی
خیر سے خالی۔ یہ محمد مصطفیٰ علیہ وسلم کے پرہیزگاروں کے قریب جانا
ہیں۔ ایسی ہی چالیں بنانے میں وارت رکھتے ہیں کہ ان کے قریب جانا
بھی سوت کو باس جانا ہے۔ میں اسے (جی طرح آنا ہے) سے پہلے یہاں
جس کی اجازت نہیں، ڈنگا (پڑہ)

انگلستان کا شاہی خیم! میں کنگ رچرڈ بخاری کی حالت میں
نیم بے ہوش پڑا ہے۔ کونٹ ڈی راک بیمار داری کے لئے قریب بیٹھا ہے۔
رچرڈ ڈرکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نامہ راجا راب جھے لئے بغیر نہیں
بہا گیا میری فوجیں لاوارث رہ جائیں گی اور فوج پر وشم کا سہرا
کسی اور بادشاہ کے سر ہوگا۔

ڈی راک کونٹ - خدا را ایسی باتیں نہ کہئے۔ اس لافانی کا بچا آپ ہی کی
ذات سے وابستہ ہے۔ ارض مقدس کی آزادی کا نشان انگلستانی
پھر لڑی ہوگا۔ اور وہ دلا دھر پسر ڈی ناچتی میں گھاٹا جائیگا۔
رچرڈ - کیا خلیف (فرانس کا بادشاہ) آزادی کے شادیالے بھانا ہوا ہے
چھ مقدس صلیب تک پہنچ جائیگا۔ اور میں یوں بھایا بھار ہوں گا
کونٹ - ہمارے آقا شاہ برطانیہ کے بغیر کس کی ہمت.....

(باہر سے) "اللہ اکبر"
رچرڈ - یہ کیا؟ ہمارے کیمپ میں مسلمان.....
کونٹ - اٹھئے نہیں! اس کروڑ کی حالت میں حرکت نقصان دہ ہے
میں ابھی باہر ضرور لے کے آتا ہوں۔
کونٹ - چند لمحے کے بعد آپ آجائے،
کونٹ - عجیب فطرت ہے!

کوٹھ بہت مہتر سرکیم ایسا ہی ہوگا۔
عبدالاحد لیکن تیرے کے باہر خوشی رہا ہے۔
 کوٹھ میں سب پاہی متفرکے دینا ہوں۔ بد ایک بھی بچکے نہیں
 پائے گی۔
 (نام کیپ خاموش ہو جاتا ہے) (بدھ)

پانچواں منظر

دچارہ ونکے علاج کے بعد وہی محمد اور خام کا وقت
 (درمچر سو رہا ہے)
عبدالاحد آج بادشاہ خدا کے فضل سے بالکل تندرست ہیں۔ ذرا ہم کو
 ہاتھ لٹکا لیجئے۔ حرارت بالکل جاتی رہی ہے۔

کوٹھ - واقعی! آپ کا علاج ہے یا طلسم۔
عبدالاحد یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ آپ کا تفتنا ہوا ہے۔
کوٹھ (خو کو) اندر سے سلسلاؤں کا ایمان۔ ہر بات کو خدا سے ملا دیتے
 ہیں اور اپنی محنت اور بہت کو کوئی وقت نہیں دیتے۔
عبدالاحد - ذرا اس رب کی سرکیمات کا فرقہ کیجئے۔ میں بادشاہ کے لئے
 پراس کا لیپ کر رہا ہوں۔

کوٹھ خاموش ہو کر دیکھتا ہے، دو اکالیپ متقی ہی بادشاہ کو بھوکھن لیتا ہے
عبدالاحد - بادشاہ یورپ مزاج کیسا ہے؟
درمچر - جسم بالکل درست ہے، مہموی سی مکان، جیسی رانی میں
 بھی ہو جا کر رہتا ہے، موجود ہے۔

عبدالاحد - بس تین دن اور لیٹر بنتے۔ پھر آہستہ آہستہ ورتش شروع
 کر دیجئے کوٹھ سے اس مفتہ ان کی غذا کا خاص خیال ہے۔ کوئی
 نقیل خرگاہ ان کے حلق سے اترتے نہ پائے۔ میرے جس قدر تھیل
 کریں بہتر ہے۔ یہ عرق سے بھر لاسیٹھ میں آپ کو دے جاتا ہوں
 ہر دو گھڑی کے بعد ایک ایک گھنٹہ پلوئے جائے۔ اس کے مٹی
 ہوئی قوت پھر لوٹ آئے گی۔

عبدالاحد (کچھ دیر بعد چہرہ طے) عالی حان! آپ اب بفضل حکیم طلاق
 (رضا) بالکل تندرست ہیں، میرا علاج ختم ہو چکا۔ اب میں اجازت
 چاہتا ہوں۔

درمچر - سر حکیم میں آپ کا بہت شکر گناہ ہوں۔ کیا چیز آپ کی نند
 کی جا سکتی ہے؟
 (کوٹھ سے) خزانے میں نذر، شرفیاس اس کو کوشش کیا میں۔

کہیں نہیں دیکھتے یہ ظالی فشت۔ اس میں میرے جوتڑ
 حسہ سلطان کے پاس کس قدر دولت ہے۔ جس نعمت
 کے ہونے لگے۔ انجور کا ایک دانہ کچکا ہے۔

کوٹھ - ایک رکاب کی لالچ۔ میں ہزار۔ لیکن جواہرات
 چالیس ہزار اشرفی سے کسی صورت کم نہ ہوگی۔
 (انجور کا مٹی کا قوروق سے ترے حلق سے اترتے ہی بدشاہ کے
 جسم میں ایک نئی روح پھونک دیتے ہیں)
درمچر - چند دانے اور لاؤ۔

چوتھا منظر

دو روز بعد چرچہ کا دہری خیمہ۔
درمچر - یہ بل کھانے سے میرے بھار کی شدت جاتی رہی ہے۔ آہ کیا
 لطیف ہیں۔

کوٹھ - ایشیا لوگ علاج کے فن میں نیا جواب نہیں لکھتے سلطان کے
 حکیم کے علاج سے وہ مرنے کے قریب سب ایسا اچھا ہو گیا۔ کاش
 اسی مہذبہ اور عالم قوروق کو ہم عیسیٰ بنا سکتے۔

درمچر - خدا کے لئے اس کے لئے کہ ملے ملاؤ۔ میرا دل میدان میں جانے
 کے لئے بھڑا رہا ہے
کوٹھ - لیجئے، ابھی حاضر کر رہا ہوں۔

ایک خادم کو بھیج کر حکیم کو بلواتا ہے۔

عبدالاحد - نصرتوں کے عالی و قار بادشاہ خدا آپ کی روح اور

جسم دونوں پھصل کرے

درمچر - آؤ یہ حکیم صلیب کی برکت سے تمہارا آنا ہمارے لئے مبارک ہے

عبدالاحد - کیا بادشاہ کا علاج اب سے شروع کرو یا جلے؟

درمچر - اس جلد سے جلد۔

کوٹھ - دیکھو سلطان حکیم اگر آپ کے علاج سے بادشاہ کو کسی قسم کا

نقصان پہنچ گیا تو اسی خیمہ میں آپ کی بوٹی بڑی طوق ڈالی جائیگی۔

عبدالاحد - خدا بادشاہ کو صحت دے (بعض دیکھنا انشاء اللہ صحت

ہو جائے گی)۔

روانیں گھول کر بادشاہ کو پلائے۔

کوٹھ بٹنے دیکھتے اب آئندہ جو جس گھڑی کیلئے خاموشی ضروری

ہے۔ بادشاہ اب خیمہ میں رہے۔

لئے عادت کے مطابق ہر شے خاص کو نفع ترے صواب کیا جاتا ہے۔

چرچہ۔ لکھنا کو تمام میں کرو۔ وہ خدا کا گنہگار ہے۔ لیکن میرا مس ہے
 ہمارے ”اللہ اکبر! اللہ اکبر!... اے خدا! اے خدا! اللہ اکبر!...“
 اللہ... جی علی الصلوٰۃ... (واللہ لا اله الا اللہ)
 عبد اللہ (اذان کے ختم پر) ایسے جانا ہوں۔ میرے لشکر میں شام کے
 اذان ہو گئی ہے۔ نازکے صبح بھارا قافدار العبدی سلطان کے
 بننے کی جگہ کی طرف وہ اپنی ہرماں لگا۔ خدا حافظ
 (باہر چلا جاتا ہے)

(پردہ)
 نذیر رضوی

عبد اللہ احد۔ اے بادشاہ ذی جاہ! مسلمان گویا نہیں کرتے ہیں
 اپنے سلطان و خدائے کا حامی ہیں! احسان فروخت نہیں
 کروں گا۔

چرچہ۔ دنگے سے سنہری صلیب انا کر (اچھا تو یہ صلیب میں تھیں
 اپنی یادگار بننا ہوں۔ اس کے مالک کے لئے بچہ و جان احد
 مال فدا کرنے سے بھی غدر نہیں کرے گا۔

عبد اللہ احد۔ اے بادشاہ! آپ بھولی گئے کہ میں مسلمان ہوں، میں
 یہ صلیب نہیں بے سکتا۔
 کونٹ صلیب کی ہنک۔ سنہ بند کر۔ ورنہ ابھی سڑک لئے دیتا ہوں۔

غزل

یہ ٹٹی ہوئی سی بہاریوں ہے کہاں وہ جان بہار ہے؟
 تجھے مر جاکہ دل نزارِ جالِ زار و نزار ہے؟
 یہ انیس غم کے دُف، ہے عزیزِ جاں مجھے ہم نفس!
 تمہیں جاں فروز بنا جس نے جہاں فروز بنا دیا
 ترے باغ میں ہے بہار، تجکو سب اک مرے باغبان
 میں بہارِ عسمر کو سو گوار بہارین کے گزاردوں؟
 غمِ آشتیاں مرے بالِ دہرے کس کو پہنک نہ دیکھیں
 یہ قیدِ مرگ ہے ہم نفس، یا کہ چین میں جو ش بہار ہے

نہیں اس میں شک کوئی تا جود کہ تڑپ ہے تیرے کلام میں
 مہاجر

گمراہ میں تیرا کمال کیا ہے غمِ دوستِ دردِ نگار ہے

چھوت چھات

جبرم سے تعلق انکار ہے مقدمہ شروع ہوا۔ اور محمود جودت کو دوسرے جرم کے اثبات پر تین مہینے کی سزا جھگٹنے کے لئے مقامی حالات میں معید ہو گیا۔ محمود جودت کا کورٹ مارشل بیچہری میں ہوا تھا۔ اعدہ ہیں کہ جھگٹ میں جہد کئے گئے۔ ترکی قاضیوں کے مطابق جس کی پیروی انگریزی عدالت بھی کر رہی تھی۔ قیدیوں کو سرکاری طور سے کھانا نہیں دیا جاتا تھا۔ کلباس کا انتظام خود قیدیوں کے اعزاء و اقربا کرتے تھے۔ چونکہ محمود غریب الوطن تھے۔ اور ان کا کوئی بہرمان حائل بیچہری نہ تھا۔ میں نے ان کی بھر سائی خوراک کا انتظام خود اپنی جیب سے کیا۔ دوسرے روز میں نے ان کو حسب معمول اپنے گھر سے کھانا معید کیا۔ مگر محمود جودت نے کھانا یہ انکار واپس کر دیا کہ وہ ہندی کا کھانا ایسا ہی حرام سمجھتے ہیں مہساروا کا کھانا۔ میرے دل کو ان کے ان خیالات سے بہت صدمہ ہوا۔ اور میں خداؤں کے پاس مہلت بھیجے کے لئے گیا۔ مجارے ایک بددعا اور مکان کے ساتباں میں اپنے بہت سے بدقسمت ساتھیوں کی طرح کا ٹکڑے کھنے سے میرے ساتھ بندھے ہوئے بیٹھے تھے۔ محمود جودت سے میں نے کہا کہ میں اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ وہ حقیقت باطل ہے گناہ ہیں اور ان کا سوائے اس کے کوئی قصور نہ تھا کہ رات کو مشرب کے نشے سے بہت ہو کر انگریزی کینٹن آگئے لگنے لگنے کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں چاہتا تھا کہ مشرب کی خدمت پر جہد یعنی سے ترکی انڈون کی لائے ہڈی بھیجی جائے مگر بے ایک وعظ بھی کہہ ڈالوں۔ مگر محمود جودت کو وہاں پہلے نکل دیا گیا۔ جو میں نے پہلے ہی بدقسمت کے طور پر ان سے کہا کہ گریس بند ہو کر یہ قصور ہے کہ وہ انگریزوں کے ساتھ ہیں۔ تو یہ ہمارا حال ہے۔ اور ایسا مجبوری ہے اور اس سے وہ خود بھی بریں نہیں۔ مگر ان کے ساتھ کوئی سوال ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کورٹ مارشل سے یہ کیا حلق تھا اور اگر کچھ تھا تو اس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوئی کہ اس سے پتہ چھوٹے بے رحمی دے انتہائی کیوں کی گئی محمود جودت سے کہا کہ ذاتیات کا سوال نہیں۔ مجھے ہندی قوم سے سخت نفرت ہو گئی اور اس کی وجہ میں بیان کئے دیتا ہوں۔

آفندم! میری نفرت کی یہ وجہ نہیں کہ ہندی بالعموم دہلی۔ پٹنہ

جبرم جندہ عراق کے فٹنٹ محمود جودت آغزی کورٹ مارشل کے روپ میں خدایہی سواروں کی حراست میں پیش ہوئے تو انہوں نے بھجور — جو کورٹ مارشل کے صدر سے ایک عجیبہ غریب طریقے سے سلام کیا ہوا تھا اس کے گھڑی فوجی طریقے سے سلام کریں۔ انہوں نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو تھپتی کی طرف جھکا دیا اور پھر اس کو میٹائی پر لیجا کر ایک زاویہ قائم کیا۔ میرے پری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں محمود جودت سے دریافت کروں کہ یہ طریقہ سلام انہوں نے کہاں سے سیکھا ہے۔ اور اس حرکت سے ان کا کیا مطلب ہے۔ محمود جودت نے اپنی ترکی میں گورو کر کہا کہ اس شخص نے صد کو سلام کیا ہے۔ انہوں نے تو صرف اپنی بدعتی کی طرح کو اپنی انگلیوں سے محسوس کیا تھا کہ وہ اپنی جگہ پر قائم ہے یا نہیں۔ صدر عدالت کو میں نے سمجھا کہ محمود جودت کا سلام ترکی سلام ہے۔ اور محض عادتاً فراموشی کی حالت میں کہہ جس کے لئے وہ معدت مانگتے ہیں۔ بیچوئے کہا کہ ترک اس طرح کا فوجی سلام نہیں کرتے۔ میں نے جواب دیا کہ ہندی سے ترک بلغاری، ہنگاری اور روسی کے ساتھ خلو ہو گئے۔ اور غالباً یہ طریقہ سلام بھی غلط سا ہے۔ صدر اور ان کے ساتھی مسکرائے۔ پھر محمود جودت کو فرجیم سمجھانے کو کہا گیا۔ فرجبرم یہ تھا۔

(۱) فلاں تارک کو جب شیخ محمود راہی کی بغاوت شروع ہو گئی۔ اور میو کو ردی ہٹا کر نے گھیر کر نشانہ لگنا کر تھا۔ وہ رات کے وقت اپنے اسلحہ کے پاس آئے اور ان کو بغل میں ڈال کر ان کا بوسہ لینا چاہا۔ (۲) خزاہی کی جنگ میں انہوں نے بعض جہد و مستانی سپاہیوں کو گایاں رین امدان کو پیچھے سے دھمکیا (۳) کئی بار اپنے رشتہ سے شہید طور سے مخاطب ہو جاتے تھے۔ اور دشمنوں سے سنا ہوا لڑنے ہوئے پناہ کئے۔

مہر جودت نے اس کا جواب یہی ترکی میں کہ اس طرح دیا کہ میں نے اس کے زیادہ سمجھنے کی کوشش نہ کی اور ان کی طرف سے عدالت کو جواب دیا کہ محمود جودت کا بغاوت حالت اضطراب میں تھا۔ اور اسلحہ کو غلط بھی ہو گئی۔ وہ حقیقت یہ ہوس کہ بعض اس لئے تھا کہ غلطی کے صورت میں وہ ہراساں نہ ہوں دوسرے جرم سے نیک نیتی و جائز ہشتالایہ کی بنا پر انکار ہے۔ تیسرے

وہ اپنے خلی خلی خیال کے مطابق اپنے برتن کا پانی کسی غیر مذہب والے کو چھینے نہیں دیتے۔ لیکن میں ہندوستان کے قدیم مذہب کا باندھنوں میں میں خدا کے فضل سے مسلمان ہوں۔ اور ہندویوں کا برتاؤ خود اپنے ہی ہم قوم غیر مذہبی کے بھی ایسا ہی ہے۔ پنجاب میں سے خدا ان کو اپنا ذاتی واقعہ سننا جو مجھ پر میرا کے امیج پر لگ چکا تھا جبکہ میں خشکی سے جان بھر رہا تھا۔ مگر ایک رنگائی کے سرٹ کے ہاتھ اپنی جھال کے پاس بھی مجھے آتے نہ دیا اور ایک پنجابی مسلمان ڈرائیور نے مل جانا تو میں وہیں شرم ہو جانا اور اس کے بعدیں کر سٹ کے باؤ اور میرا ساتھ دھلکے کا کپڑا پھیر پھرا۔ اُس کے پاس کچھ کھانے کو نہ تھا۔ مگر جب میں نے اپنے کھانے میں سے کچھ ڈالے اُس کو بھی جھبکیسے تو وہ غرا کر اٹھ گیا۔ محمود عودت کا ہاتھ سننے کے بعد میں نے کوئی اصرار اپنا ہندواری کا نہ کیا۔ کلیں نے ایک گردنا پانی کو کھیا یا کہ ان کو دو وقتہ روٹی پہنچا دیا کرے۔

اس ماجرے کو ساتھ بیٹھ گندکے تھے۔ اور اس وقت میں چم چال میں کا کر رہا تھا۔ دوسرے نکتہ جال میں جبکہ وہ تو افراغ کی پہاڑی پر ہٹ کر سفید چادر پہنے جاتی تھیں سلیا نے کہ سفر کا اتفاق ہوا۔ ایک سرکاری خورد و خوراک میں میرا کوئی ملازم ایک ہندوستانی ڈاکٹر جو ذات کا برہمن تھا۔ اوروہ میرے طبیعی اور صرف میں روانہ ہوئے۔ ڈاکٹر سلیا نے کہ ہسپتال میں سب اسسٹنٹ سرجن ہو کر چار ماہ تھا میرے سبایا اپنی جھینٹ میں شامل ہونے کے لئے جا رہے تھے اور میں تکی زبان کا امتحان دینے کے لئے۔ ہمارا موٹر بڑا بنیان سے ٹکل کر تھوڑی ہی دیر گیارہ گواک کا پانی تیزی سے سب سنا شروع ہوا۔ تھوڑی دیر تک تو موٹر کیچوس میں گھسٹا رہا مگر آخر میں اُس نے باکل دھم توڑ دیا۔ مسلمان خشک پہاڑیوں میں ہم سب تھما جا رہے مائن نہ پائے، نقش کے بعد صدیقی تھے پانی ختم گیا۔ مگر اس کے ساتھ برف لگے گا تھا اور جوں جوں رات گذر رہی جاتی تھی سردی بڑھتی جاتی تھی، ہم لوگوں کی ٹیبلٹیں کھیں بیٹھ کر کسی طرح سوٹیں رات کا بی۔ صبح کو جب بدن میں گرمی محسوس ہوئی تو فوج لگی رہی کہ پاس ایک ٹھکانہ کوئی بھی نہ تھی۔ اور سلیا نے وہاں سے آسانی دھور جتنا چم چال سولے اس کے کہ وہاں سے ہر سیدل کوڑا ہو جائیو اور راستہ میں پھانسیوں پر لٹا دیجی کسی کوئی کا مل جاتے۔ وہیں سستا کروٹی مانگیں اور بیٹھ بھلے کوئی دوسری صورت نظر نہ آئی۔ ہم لوگ روانہ ہوئے گو آفتاب نکل آ گیا تھا ہوا اس قدر سرد و متبدل رہی تھی کہ باہر قدم رکھنا محال تھا۔ آفتاب و خیزاں ہم لوگ پیلے۔ کبھی میل کے مفر کے بعد دوڑ ایک پہاڑی کے پتھے ایک کڑی دیانت

کالے بصورت ہوتے ہیں اور ان کی مظلوم و مقہور صورت دیکھ کر ان پر بھائے ہر کے غصے آتا ہے محمود نے اتنی بات کہتی تھی کہ میں نے انہیں روک کر کہا۔ تو ڈانٹا۔ بیکار یا جن و سن ہندی ام اس کے آگے میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ میں بھی ہندی ہوں خدا اپنی شکل دینے و قد کو مجھے سے سنا نہ کرو۔ قابل نفرت تم ہو گے مائیں۔ اس واسطے کہ محمود عودت یورپ کے قتل کا نوٹہ تھے جو غرضتینہ کے قتل میں اناطول کے بہات سے زیادہ نظر آتا ہے چوٹا قد نحیف ولاغز ادم سپاہی نائل گندم گول رنگ جو تہذیب جدید کی دعوتانیوں۔ لا مذہبیت اور کثرت شراب سے مسخ ہو چکا تھا۔ کلیں نے نہ کی کہ اتنا ہی جملہ کہ تھا کہ محمود نے سری بات کو کاٹ کر کہا ہاں مگر میں نہ جانتا تھا کہ ہندی اپنی ظاہری صورت سے زیادہ لطیف صفات میں تاریک و مکروہ ہوتے ہیں۔ میرے چہرے پر غصے کے آثار نمایاں ہو گئے۔ مگر محمود نے اس کا مطلق خیال نہ کرتے ہوئے اپنے سلسلہ گفتگو کو جاری رکھا میں نے اُن کے باطن کو قراوغ کے میدان جنگ میں دیکھا۔ ایک قد قدی پیاس سے جان بلب ہو رہا تھا۔ اُس نے شدت تشنگی میں اپنے ہندی محافظ سے کئی بار پانی مانگا مگر نہ دیا وہ مجھ سے گڑھے اس کی پانی کی کچی کو ٹیکر نہ تھا کہ پانی کی لیا معلوم نہیں اُس ہندی کی نظریں وہ دیکھا جرم تھا کہ اس نے پانی کی کچی کو گڑھے کے منہ سے چھین کر زمین پر پھینک دیا اور اپنی بربری زبان میں ذات دھم خدا جاتا کیا کیا بڑا اتار رہا۔ تھوڑے اور ہندی سپاہی وہاں جمع ہو گئے۔ میں دو کوٹھیاں جارا دیکھ رہا تھا۔ مجھے یہ قریع تھی کہ شاید دوسرے ہندی سپاہی اپنے ساتھی کی حرکت کو ٹھکس گئے مگر اُنہوں نے اس سے زیادہ شور و فغاں مچایا۔ لیکن میں سے ایک سادی اس قدر چپے سے باہر ہوا کہ اُس نے اُس پیاسے گڑھے کے منہ پر چٹاب کر دیا۔ ہندیوں کے خور میں ذات دھم خراب۔ ذات خراب کے الفاظ سناٹی دیتے تھے۔ جب میں نے یہ دیکھا تو مجھ سے رہا گیا۔ میں ان ہندی سپاہیوں کے پاس گیا اور غصے میں اُس پر دو دیریں نے پینٹا کیا تھا اپنے منہ سے نکرے کا براہ کیا۔ سادہ ہندی مجھے سے لپٹ گئے اور مجھے مارنے پھینٹنے تو خدا کے پاس لائے۔ اگرچہ میں انگریزی فوج کے ساتھ خود اپنی قوم کے خلاف لڑ رہا تھا۔ مجھ پر ذرا رحم نہ کیا گیا۔ اور نہ میری معذرت کی سناٹا ہوئی اور آج میں یہاں صلیب خانہ میں ہوں۔

میں نے کہا محمود عودت تمہارا بیان بالکل صحیح ہے میں نے خود بہت سے کروں کی زبان ان واقعات کو سنا ہے۔ پھر میں نے ان کو سمجھا کہ ہندوستان کے ترم مذہب والے عجیب و غریب رہم رکھتے ہیں

مسلمان میں اور یہ کہہ کر کھلے کے چھاؤں لانا دیکھو دہرائے۔ کوہ سے کہا طے و اندر گیا سوراہی پڑی اُنی ہندو اُٹھا کر آیا اور ایک مرتبہ سب پاجی کو اپنی طرف کھینچ کر زمین پر گرگرا دیا۔ اور ہندو کی نالی اُس کی طرف کھینچنے کے لئے نگا ذات خواب۔ دھرم خواب۔ اور اس کے بعد جب سب جہت کے کر دی اٹھا کا دود کو تار اس جس سے ہم نے پیچہ نکالا کہ وہ غالباً خاص خاص موقع و محل کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ اور اگر کامی لغت میں اس نہیں پائے جاتے۔

مرتبہ پاجی کا ماسے ڈر کے چشامہ خٹا ہو گیا جس پر ہم سب نے دل کر کوہ کے پینے سے اس پر سے مرتبہ کو بھاٹ لانی جو ایسا مدم ہوتا تھا جیسے کسی شمشیر سیر کے پتہ میں ایک لوطی پھنس گئی ہے جب کہ کوہ کا تلخ کپٹھن اُٹھا ہوا تو اس نے مجھ سے غلامیہ ہو کر کہا کہ اس کتنے سے پیو کہ اس نے مجھ کو پہچان بھی یا نہیں میں نے تو اس کو پہچان لیا۔ وہ خرا دغ کی سیلن جنگ کا قصہ شاید اس کو یاد نہیں۔ انگوٹھ میں طرا کا مڑے سے دیا فت کروں کہ کیا بول بے مدم نہیں اس کو سنت کو زمین کھا گئی یا آسمان۔ اسکے ساتھ دو سحر سب پاجی کا بھی پتہ نہ تھا۔ ہم اور ہمارے ساتھی سب سٹنٹ سرین کوہ کے تھماں ہوئے جب اسٹنٹ سرین نے روٹی پر اٹھا مارا تو میں نے کہا پٹنٹ ہی نہیں ہے۔ یہ روٹی ایک ناپاک کے ہاتھ کی کھا کر اپنا دھرم نشنٹ نہ کیجئے میں آپ کو روٹی کا کچا سپیہ بھا اور کھڑکی ڈیو اٹھا ہل خود اپنا بی روٹی پچھا پیچھے۔ مگر پٹنٹ جی نے اس کا دبی جواب دیا کہ میں نے کھانا معاف کیجئے گا صرف ایک طرف روٹی کے سمندر میں غرق کر آیا میں نے کھانا معاف کیجئے گا صرف ایک طرف روٹی ہوا ہے یعنی لینے کے لئے غرق ہوا ہے۔ دینے کے لئے نہیں۔

ابن اسبیل

نظر آیا۔ اور ہم لوگوں کو اس بات کا قطعی یقین تھا کہ اگر دیہات میں ایک کر دی بھی مل جائیگا تو ہماری روٹی کی فکر ہو جائے گی۔ ایسا ممکن نہیں کہ ہم لوگ بہت سے جگہ کے پھوس دیہات میں گئے ہوتے پہلے کتوں کا مقابلہ نہ کیا۔ اور اس منزل کو طے کرنے کے بعد عجیب دیہات کی صورتوں۔ بچوں کے تماشائی بننے کی دوسری منزل طے کی تو کہہنا (کر دی کوہ کتنے ہیں) کی تماش ہوئی۔ وہ بیٹھے اپنے مکان کے آگے ایک شکار کو بھڑی سے تھاپے تھے میں نے سلام کیا۔ اُنہوں نے سر اٹھا کر ہم کو دیکھا اور پھر ہماری جماعت کو۔ میں نے اپنا جماعت تیار کر دہرائے اس سے نہ ہوئے میں نے پھر ایک مرتبہ صدادی۔ مگر پھر بھی فقیر کی آواز خالی ہی گئی۔ اور وہ اپنا سر جھکائے کام میں مشغول رہے ایک بار میں نے کرنٹ لے جو میں پھر ان کو بدل کرنا چاہا۔ باب کی یاد اس نے گالی دیکر کہا اگر کرت یہاں سے فوراً دور نہ چلے تو میں اپنا شکاری کتا تم پر چھوڑ دوں گا۔ مجھے سخت حیرت تھی کہ آخر آج راکیا ہے میں نے کوہ کے لجابت کی کریں مسلمان ہوں اور حیف ہے کہ ایک چھو کا مسلمان ایسا برتا دے بھائی مسلمان سے دیکھے۔ کوہ نے کہا کہ میں ہرگز باور نہیں کرنا کہ تم مسلمان ہو۔ تم ناپاک ہندی ہو اور قبل اس کے کہ تم ناپاک ہندی ہمارے دیہات کو اپنے وجود سے ناپاک کرو یہاں سے نکل جاؤ۔ کوہ کو سمجھا ناب میرے جس سے باہر ہو گیا میں نے اپنے کر دی ملازم عمر گریانی کو کوہ کے لگایا اور اس نے کوہ کو اس قدر نرم کیا کہ وہ صرف جھک کر روٹی اور ٹھکا کھانے پر راضی ہوا۔ مگر ہمارے دوسرے ساتھیوں کے متعلق قطعی انکار کر دیا میں نے کہا ستر ہے۔ تم روٹی لاؤ۔ میں ہی کھاؤں گا اور میرے ساتھی اپنا بندوبست اور گرمیں کر لیں گے۔ اتنا مستحکم تھا کہ ہمارے بقیہ ساتھی ایک دم سے چلا پڑے کہ ہم لوگ بھی ب

تارے

تاریش نجم فرداں سے کربش تار جلوہ سا اں ہے
چرخ بر عالم چراغاناں سے گنبد نیلگوں درخشاں ہے
تیری میں ہے فور کا عالم
جلوہ برق طور کا عالم
یا فلک پر سے جاوہر میں
بہر گردن ہے مایہ تر میں

ویدنی شام کے نظارے میں زینت افزا ہے چرخ تارے میں
آتشیں بھول سارے بیارے میں ضوفشان نوکے شرارے میں
ان کی کچھ نشان ہی نرالی ہے
نہ ہوں تارے تو رات کالی ہے

کہکشاں ہے کہ جاوہر تیریں
تاریش افزا ہے جلوہ رنگیں
اس کی صفت کے نقش سارے میں
مہر و مد کہکشاں کہ تارے میں

(تبرق دہلوی)

شباب کشمیر

مولوی محمد الدین قوٹ غارت کے محتاج نہیں انکو تاریخ سے خاص دلچسپی ہے جو کچھ ان کے قلم سے نکلتا ہے بے شراہانہ نہیں بلکہ تحقیقات پر مبنی ہوتا ہے۔

”شہب کشمیر“ میں سلطان زین العابدین معروف بڈشاہ یا بڈشاہ کشمیر کے بادشاہ کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ موزع موصوف نے مطبوعہ لاہور کی تاریکوں کا بطور مطالعہ کیا ہے بعض مقامات پر انہوں نے بعض موزعوں کے رائے سے اتفاق نہیں کیا ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ ہمارے نو بیسویں راجوں، مہاراجوں کے لئے ضروری ہے ایسے اشتعالی لیاقت۔ علمی ذوق، رعایا کی ہمدردی۔ مذہبی قیود کی پاسداری اور مذہبی رواداری۔ نیک ضمیر، نیک جہتی، بے قصبی، ملکی فلاح، عوام کی پرورش، دینی پروردگار کا احترام، صحت حروف اور زراعت کی ترقی میں سرگرمی، علم دوستی، فنون لطیفہ و قدر دان و وغیرہ۔ بڈشاہ میں جو صفات موجود تھیں شرح و بسط سے بیان کی گئی ہیں۔ بعض روایتوں کے سوا بھی تاریخی ذرائع میں جملہ واقعات مستند تاریکوں سے لئے گئے ہیں۔ موزع خود کشمیری ہیں کشمیر اور کشمیریوں سے انکو افس اور اخلاص ہے۔ اگر کا مقابلہ بڈشاہ سے کرتے ہوئے انہوں نے بڈشاہ کا مرتبہ بڑا سا بڑھا ہے۔

اس کی نسبت ہم صرف اتنا کہیں گے کہ دونوں کے زمانے ایک نہ تھے۔ حالات بھی مختلف تھے۔ ممکن ہے کہ جو کچھ بڈشاہ نے کیا کیرہ کر سکا ہو۔ مثل ہے کہ جاتے کچھ پسندیدہ نہیں ہوتے۔ ہم ان کے عروج میں شہزادوں کا خاصہ ہیں۔ سینکڑوں اور کئی سطروں میں ان باتوں کا خوب خوب لکھا ہے۔ موزع موصوف کا دل تعصب سے بھریا ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے اسلام کے پھیلنے اور منہ سے زبان کے کئے کی جگہ۔ علیٰ غرر ہے کہ ان کی والدہ کی والدہ کی شغل کو بچا ہے ان کی تحقیقات اور اور اداری کی دلیل ہے۔ ہم جہاں چند فقرات نقل کئے ہیں انہیں سے کہتے۔

علیشاہ نے جو بڈشاہ کا بھائی اس سے پہلے بادشاہ تھا، منصب وزارت پر اپنے چھوٹے بھائی شاہی خان کو سر فرار کیا اس وقت ملک کی یہ حالت تھی کہ راجا اور لطف ملک سیف الدین کے خوف اور شاہ دے سناتا

چھایا ہوا تھا۔ ہندو تو بالخصوص کہتے تھے اور کچھ ہندو پوجا پاٹ بھی نہ کر سکتے تھے۔ شاہی خان نے سورتوی مدت میں عدل و انصاف کا وہ سک بٹھایا کہ ہندو جو ہمیشہ مضطرب الحال رہتے تھے اس زمانے سے زندگی بسر کرنے لگے۔ (صفحہ ۱۱۸)

زین العابدین کے تحت نشینی سے پیشتر ہی اس کے باپ اور بھائی کے زمانہ میں کشمیر کے کئی سندھو بعض جدید قوانین کی تاب نہ لکھ یا تو اسلام قبول کر چکے تھے یا ترک وطن کر کے ملک سے باہر چلے گئے تھے۔ (صفحہ ۱۲۶)

ایک اور مقام پر موزع موصوف نے موزعین کے شاہ کشمیر کے اسلام قبول کرنے کے بعد ذکر کرتے ہیں، بہت سے ہندو مشایخ کبار کے حسن خلق اور تعلیم اسلام کے تاثرات سے مسلمان ہو گئے۔ کئی ایسے تھے جن کو حصار علی نے تبدیل مذہب پر مجبور کیا۔ ایک کافی تعداد دایہ بھی جو سلطان مہر شنگ اور اس کے فرزند سیف الدین کے جوش مذہبی کی بدولت دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ بہت سے ایسے بھی تھے جو تفسد و فسادی کی تاب نہ لائے اور جہت و ترک وطن پر مجبور ہو کر کشمیر سے باہر چلے گئے۔ (صفحہ ۱۲۴-۱۲۵)

موزع موصوف لکھتے ہیں کہ بڈشاہ کے زمانہ میں یہ تاریک وطن واپس آ گئے۔ اور اپنے دھرم میں واپس چھپے گئے۔ (صفحہ ۱۲۹-۱۳۰)

ایک اور امر قابل ذکر ہے، ہندوؤں اور موصوف نے بڈشاہ کی اس انصاف پروری کی سبھی لفظوں میں داد دی ہے کہ اس نے ہندوؤں کے مذہبی مقامات کے تفسیر کے لئے ہندوؤں کو اور مسلمان کے لئے انہی مقرر کر رکھے تھے اور جب مدعی اور مدعا علیہ ہندو اور مسلمان ہوتے تھے تو ان کے مقدمات کا تصفیہ دے دیا جگہ کر کے تھے جن میں ایک ہندو و مذاہنہ اور ایک مسلمان۔ یہ وہ انصاف اور وہ عدل ہے کہ انہی بھی ہندوستان کو کامل طور پر یغیب نہیں ہو سکا۔ (صفحہ ۱۳۱)

جہاں تک ہم نے ہندوستان کے مطبوعہ تاریکوں کا مطالعہ کیا ہمیں کہیں اس بات کا ذکر نہیں ملتا کہ ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں نے کبھی اس طرح کیا بھی کیا ہو کہ ہندوؤں کے مقدمات کے لئے ہندوؤں کو مقرر

صفحہ ۳۰۳ پر دوسری بڑی مصنف رسالہ ”زین“ (موسیقی) کا ذکر فرماتے ہیں۔
صفحہ ۲۰۲ پر سوم پیڈٹ موسیقار اور مصنف رسالہ موسیقی نازک نام
کا ذکر فرماتے ہیں۔ انکی گاہی کے لئے عرض کیا جاتا ہے کہ سارنگ دپو
کشیری پیڈٹ بڑا نامی موسیقار گزرا ہے۔ جس نے غمخیز ہند کی موسیقی
کو ترتیب دیا۔ بیسور کا لائبریری سے یہ کتاب ملی ہے اور سٹرکٹ
نے کتاب ہندو میوزک میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ کشیری
ہندوستان میں موسیقی رفتہ رفتہ شرفا کے مثل سے نکل گئی۔

۵) ہر شغل عامی الدین صوفی کی کتاب اسلاک کلچر ان کشمیر میں سے
مورخ موصوف عبارت ذیل نقل کرتے ہیں۔

”وہ فتح پنجاب کے دوران میں اس مقام پر بھی ٹھہرا جسکو آپ لائبر
کتھ میں وہاں اس نے اپنی قومی ضروریات کی وجہ سے کھول کر کھدایا تھا وہ
ایک بڑا کمہور کے نام سے مشہور ہے۔“

اس کے سن رسال سے مورخ موصوف اختلاف کرتے ہیں موصوفی
صاحب کے بیان کی تردید نہیں کرتے۔ جہاں وہ بڑا کمہور زین العابدین
و بڑا بھاء کا بتوایا تھا بیان کرتے ہیں۔ مثال یہ کہ وہاں بڑا کمہور نہیں کہلاتا
بلکہ بڑا کمہور ہے جو کشمیری پنڈتوں کے قبضہ میں ہے۔ یہ کہتا ہوں مہاراجہ
نہ سبجیت سنگھ کے زمانہ میں نووارد کشمیری پنڈتوں نے بنوایا تھا اور یہ
کہوہ کہلاتا ہے۔ بڑا کشمیری پیڈٹ سے مراد ہے۔

مجموعی طور پر ہم حضرت فوق کو مہاراجہ دیتے ہیں کہ انہوں نے کشمیر
کے حکمران حقیقت علم تارین پر بہت احسان کیا ہے اور باب علم سے ہم اسکے
مطالعہ کی پُر ندر سفارش کرتے ہیں۔ شیون لائن میگزین

کریں یا ہندو مسلمان جنوں کے بیچ جائیں۔ یہ عزیز العابدین بڑا بھاء ہی
کو حاصل تھا۔ جواب بڑا بھاء کے ہندوؤں کے دلجوئی کے متعلق مودت
موصوف نے لکھا ہے وہ ساری کتاب میں نہیں باب سے ہم تفصیل
میں جانا نہیں چاہتے صرف ایک فقرہ نقل کرتے ہیں۔

”کوئی پیڈٹ سلطان بہت حکم اور سلطان علیشاہ کے زمانہ میں
نہ اپنے آپ کو علائقہ ہندو کہہ سکتا تھا اور نہ اپنی پیشانی پر شمشاد لگا سکتا
تھا۔۔۔۔۔ بادشاہ نے پنڈتوں سے اس مصیبت کو بھی دور کیا“

صفحہ ۱۹

گیارہویں باب میں موسیقی کا ذکر ہے اس میں چند غلطیاں واقع ہوئیں
ہیں۔

۱) شیم نے کشمیری موسیقی پر پنجاب بڑا بھاء سوسائٹی میں کبھی کوئی
مضمون نہیں پڑھا۔ اس نے ایک مضمون کشمیری موسیقی پر اپنا نہیں شائع کیا
تھا۔

۲) شرو کے مضمون میں ایرانی لگنوں کا تو ذکر ہے مگر جہاں تک بھکو
یاد کیے کشمیری موسیقی کا ذکر نہیں۔

۳) حضرت فوق نے نہیں بتائے کہ کون سا بڑا بھاء نے ایجاد کیا تھا
انہوں نے ایک ساڑ کا ذکر طبقات سے بدین الفاظ نقل کیا ہے۔

”کہ ایک نقش راہ دواز دہا مقام ادای نمود کہ از کم ایسا کوئی ساز
کشمیر میں موجود نہیں بلکہ دنیا بھر میں نہیں موجود نہیں۔“

۴) ایک اور مقام پر بھی مورخ موصوف غلطیاں کر چکے ہیں وہ
فرماتے ہیں کہ کشمیری پنڈتوں نے موسیقی کو خود کبھی حاصل نہیں کیا۔ (صفحہ ۲۰۲)

کیف برنگال

عجب کیف آفریں ایام فصل بر شگالی میں
نکلیں جو تھیں شاداب جس جانب بھی دلی میں
دنوں کی آرزو میں خوف کا مای سے خالی میں
دل ملک کی جس نے آہ میں چھل ڈالی میں
سنبھلے بیل بوٹے پر تو شان جلائی میں
شراب اغواں کی کشتیاں تے نکالی میں

یہ دو قوسیں ترخ ہیں جملہ فراہم گروں پر
فلک نے دام چھن کی کسائیں یا نکالی میں

(جگر پر دلی)

جو ایں ٹھنڈی ٹھنڈی ہیں گٹائیں کالی کالی میں
جہر دیکھو ادھر سبز ہی سبز ہلبلا تا ہے
نکل آئی ہیں سینوں سے سنگین تشلیاں بن کر
پیسے کی فغان مدد ہے یا کوئی نشتر ہے
ڈھلا سورج تو پانی پھر گیا سولے کا سبز ہے پر
شفیق آلودہ محرمے بادلوں کے میں کر اسے سانی

مزارِ دوست

پر دہ ظلمت میں پنہاں ہو گیا ہے آفتاب
دہر پر رنگ سکوتِ شام طاری ہو گیا
مضطرب جذبات کا طوفان ہے دل میں معجزانہ
آگیا ہوں شورشِ ہستی کے ہنگاموں سے دور
منظرِ نا کا منے انسان ہے میرے سامنے
موت کی گودی میں رند و پارِ سا خوابیدہ ہیں
گو بنیاختان نام جن کا گنبدِ افلاک میں
یاس کی عبرتِ فراقِ تصویر یہ ویرانہ ہے

کلفتِ منزل سے تھک کر سگیسا ہے آفتاب
آسمان سے چٹمٹے ظلماتِ جاری ہو گیا
رنج و غم کا بحر بے پایاں ہے دل میں موجزن
زندگی کے شور و شرِ بستی کے ہنگاموں سے دور
وادئِ خاموش گورستان ہے میرے سامنے
اس سکونِ آباد میں شاہ و گدا خوابیدہ ہیں
دفن ہیں اُن سرفرازوں کی امنگیں خاک میں
جہن گورستان سراسر ایک حسرتِ خانہ ہے

گور کے آغوش میں اے دوست تو بھی پرہیاں
کر دیا ہے ناوکِ فرقت نے میرا سینہ چاک
تو نہیں تو نغمہٴ بلبِ صدائے آہ ہے
میرا کاشانہ ہے اس دنیا میں بس تیرا دیار

میری قسمت کی طرح آسودہ خواب گراں
اور مرے ارمان تیرے ساتھ ہیں پیوندِ خاک
وسعتِ گلزارِ عالم ایک وحشتِ گاہ ہے
تو ہے جانِ زندگی - تربتِ تری میرا مزار

شب کی خاموشی میں بھی جاری ہے دورِ آسمان
جھا گیا ہے سارے ویرانے پہ افسونِ سکوت
شمعِ اہ میں دونوں نذرِ سوزِ غم ہو جائینگے
تیرے پیچھے رہے ملکہِ عدم ہو جائینگے

قافلے میں چرخ پر لہزاں ستاروں کے روال
شمعِ مزق کی طرح میں بھی ہوں مریونِ سکوت
سید عبد الحمید اختر

نقائصِ شعریٰ

عشرتِ نظر ہے دریا میں فنا ہونا
درد کا جسے گزرا ہے دوا ہونا
شاعر کا نام تو مجلسِ خاطر کے بغیر نہیں ہے اعراض کو دیکھا کہ عشرت
کی جگہ ہستی ہو نا چاہئے تو کوئی عالم اور ماضی بزرگ عشرت کی خوبی
اور لطافت دکھاتے ہوئے ضرور مجھے مخاطب بنائیں گے۔
اسی مطلب کو دوسری طرح یوں بھیجئے کہ ایک نقاد جب دو
شاعروں کے کلام کا مقابلہ کرے گا تو وہ ان شاعروں کی شخصیت کو
چھپانا پسند نہ کرے گا۔ مثلاً۔

(۱) یہ تری چشمِ فسون کو میں کمال اچھا ہے

ایک کا حال بُرا ایک کا حال اچھا ہے

(۲) دل مرا آنکھ تری دو دلوں ہیں بے سار مگر

ایک کا حال بُرا ایک کا حال اچھا ہے

(۳) وہ عبادت کو مری آتے ہیں لو اور سنو

آج ہی خوبیِ نقد بر سے حال اچھا ہے

(۴) موت کیوں پوچھتی ہے آ نکھ کے پیاروں کو

جب نہیں دیکھ کے کہتے ہو کہ حال اچھا ہے

جب تک میں یہ نہ بتاؤں گا کہ اشعارِ ملاح حضرت داغ اور اویس
جنابِ جلال کے ہیں بہت سے پڑھنے والے اور لطافت اُنھا یشئے۔
اسی کے ساتھ میرے بیومن کرنے پر کہ دوسرا شعر پہلے سے بڑھا ہوا اور
چوتھا تیسرے سے گھٹا ہوا ہے داغ اور جلال مرحوم کے تعریف کرنے
والوں کو بڑا ماننے کی ضرورت نہیں وہ خاکسار کی رائے کو غلط قرار دیتے
اور اس کے مناسب دلیلیں پیش فرما سکتے ہیں۔ مگر مجھے اچھے کر، اور مجھے
بڑا اچھا لگا کہ ادیب اور ادیبوں کے اضافہ نہیں کر سکے۔ اور پتہ چلے ہوئے
چاروں شعروں کے مقابلہ میں مرزا غالب نے سید سے سادھے الفاظ
میں جس اعلیٰ کیفیت کا نقشہ چھپایا ہے۔ اسکو دیکھ کر مجرم کے خیال کی
بندری کی تعریف کرنے اور ان کا کمال قبول کرنے کو جی چاہتا ہے۔

سے اُن کے دیکھے سے جوتا جی ہے منہ پر رون
وہ سمجھتے ہیں کہ میرا حال اچھا ہے

نقائصِ شعریٰ کے عنوان سے ایک تحقیقاتی مضمون پبلک سیرلرم
صاحب وقار ہر روز اور ہر بھارت لاہور کا ادبی دنیا نامہ جولائی ۱۹۷۷ء
میں چھپا ہے۔ جس اعلیٰ مقصد کو سامنے رکھ کر یہ عمدہ مضمون لکھا گیا وقابل
قدر اور تعریف کے قابل ہے۔ مگر کسی شعر کا نقص دکھانے ہوئے شاعر
کی شخصیت کو اُنکی یا اس کے مداحوں کی ناخوشی کے خیال سے پوشیدہ رکھنا
نہ کچھ مفید ہے نہ زیادہ بیخیر۔ جو بقدر زیادہ بالکل شاعر کے کلام پر تنقید
ہوگی اور اس کے نقائص سامنے لانے میں گئے آنا ہی زیادہ اچھا ہے۔
کو ایسے نقائص سے یا تو آئندہ پرہیز کیا جائے گا یا زبان کی ترقی کے
لئے ان کو قبول عام کی سہولت مل جائے گی مثلاً۔

(۱) صفتِ ماتمِ فنا عہدہ کے اعتبار سے غلط ہے مگر انیس مرحوم
فرماتے ہیں سہ

بیٹی کو نرسا کی نہ تھی یا سہ عالم
پچھ کی زچہ خانہ کے اندر محبتِ ماتم

(۲) شرابِ بھلورا نہ فانی داندو میں صحیح ہے نہ عربی میں مسکین
مونس معذور لکھتے ہیں سہ

ماں ساتیا شرابِ بھلورا پالا مجھے

مرا تہوں اُسے مسیح دوا عالمِ مجھے

غالباً جنابِ معذور نے وَ سَقَمُہُمْ زَرْبُہُمْ شَرَّ اِمَّا ظُنُّوْا کو
سامنے رکھ کر لکھ دیا ہے۔
کسی شاعر کی شخصیت کا اظہار کرنے بغیر اگر ہم نے اس کے کلام پر تنقید
کی اور کسی دوسرے بزرگ نے اس تنقید کو غلط سمجھ کر اعتراض کیا، اور ہم
نے اپنی قابلیت کے موافق اس تنقید کا جواب لکھا، تب بھی تو دو شخص
ایک دوسرے کے مخاطب ہوں گے۔

دُور جانے کی ضرورت نہیں۔ دفا صاحب نے جو نقائص
اشعار میں دکھائے ہیں اور محمد ان کے چند میرے نزدیک صحیح نہیں تو
میں جنابِ ممدور کی تحریک کو اور دیکر کسی کچھ لکھ سکتا ہوں۔ احساس
فرح تجوین کے ہوئے اصولِ لقیقہ چھوڑنا پڑیں گے۔ یا اس شعر پر کہ۔

”اسد اللہ العالی الب علی ابن ابی طالبؑ کا درجہ بڑا سحریر کرتے ہیں۔

۵۔ منم آنکہ پروردگار مجید

مرامیر و بیع شمشاد فرید

منم شیریزدان و شیردین

منم بازوئے سید المرسلین

شعور پر کثرت میں بازو کی جاہ تاجرہ یاد رہے۔ عاشق۔ قائم۔ حامی

و غیرہ الفاظ آسکتے تھے مگر جو خاص شان اب موجود ہے وہ باقی نہ رہی

عربی میں بازو کو عضد کہتے ہیں۔ تو مجھے معلوم نہیں کہ عضد کس

جگہ بھائی کے معنوں میں استعمال ہوا یا نہیں مگر مدکار کے معنی میں

مفہوماً پایہ ۱۔

وَمَا كُنْتَ تَتَّخِذُ الْمُضِلِّينَ عَصَدًا ۖ اَدِمْ مِنْهُمْ بَازًا

والا گراہ کرنے والوں کے بازو یعنی مدکار (سورۃ الکہف ترجمہ مولانا شاہ

ربیع الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ)

(ج) اَلْقَمَّ اَنْتَ عُصْدِي وَلَقِيْ بَنِي ۙ اَلِیٰ تُوْمِرُ اِمْدًا کَاہِبَ

(دعا کا ابتدائی حصہ)

ایک اور شعر جس کے غیب نظر کرنے میں یوں ناکام صرف کیا

گیا یہ ہے ۱۔

۵۔ کون سی مردانوں کو رحمت پہنچ کہہ

کام آئے گا وہاں مذہب اسلام کو

وقفا صاحب کے نزدیک ۱۔ ”اس شعر کا شمار ان شعروں میں

بھی نہیں ہو سکتا جس کے معنی شاعر کے دماغ میں پھیر رہتے ہیں یا

زیادہ سے زیادہ عقیدت مندوں کی آئندہ نسلیں انکو سمجھتی رہتی ہیں۔

شعر جس کا بھی ہوا یا نہیں جسکو نے معنی سمجھا جائے مگر وہ پختہ

صاحب کے سامنے غلط لکھا ہوا آیا۔ اور صحیح سمجھا لیا گیا۔ اس لئے اس

میں بہت سے عیوب پیدا ہو گئے اور ان میں عیوب کو سامنے رکھ کر تنقیدی

ضرورت سمجھی گئی۔ اگر جناب وقفا کفر اور محبت کے بدلے ”کفر محبت“

پڑھیں تو پھر کفر اور تو کوئی معرہ نہ رہے۔ اور کفر محبت جو عاشق

کے لئے عین ایمان ہے اس کا مقابلہ اسلام سے درست ہو جائے۔

یہ کفر تو وہ خاص انعام ہے جسکو نہ سونے غم عشق بتا کر اس طرح

لکھا ہے ۱۔

۵۔ سرود غم عشق بواہوس را ند بند

سوز دل پر داند گس را ند بند

عمر کے پدیدار یا بد یا کتنا ہمارا اس دولت سرمد بہ کس را ند بند

فیر اس بحث کو خاکسار دوسرے قابل حضرات کے لئے چھوڑ کر

وقف صاحب کے اعلیٰ خیالات کی نسبت کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔

۱۔ حمد غضب ہے بازوئے شاہ جہاز کا

لنگر نہ ٹوٹ جائے زمین کے جہاز کا

جناب وقفا نے اس شعر کے زوہ بیان اور زبان کی صفائی کی تعریف

کرتے ہوئے لفظ ”بازو“ پر اعتراض کیا ہے یہ بیت غالباً میر انیس

مروج کی ہے کیونکہ دوسرے مرثیہ میں میر صاحب ایک دردناک حالت

کا نقشہ دکھاتے ہوئے ان باتوں کو اس طرح لکھ گئے ہیں ۱۔

۵۔ یوں لگتا ٹپٹ تھا مام جی زکا

جس طرح ٹپٹ جاتا سے لنگر جانا کا

بندت صاحب نے ”بازو“ کو بے ضرورت سمجھا، یا بغوریت

شعری خیال کیا، حالانکہ اس میں سے ایک بات بھی نہیں ۱۔ شاعر بازو

کو بدن کے حصے کے بدلے ”بھائی“ کے معنی میں بھی رکھا رہا ہے اس لئے

”فوج کے قدیموں کا حمد“ ۱۔ ”امان اللہ خاں کے ہاتھ کا حمد“ جس طرح

”ذوق سلیم کو پڑا معلوم ہے“ بازو کا حمد کیوں لگاوا کر رہے گا۔

پہلے ہمیں اس مرثیہ کو دیکھنا چاہئے جس کے شعر یہ بحث ہوئی

ہے اس میں گر علی اکبرؑ کی لڑائی کا ذکر ہوتا بازو کی جگہ ”دلیر“ لکھا

جانا اعداد لڑائی کی صورت میں ۱۔ لشکر شاہ مجاہد“ تحریر ہوتا مگر مرثیہ

گوئے چو کہ حضرت عباسؑ علمہ اس کی لڑائی کا نقشہ کھینچا ہے لہذا ”بازو“

بھائی کے معنوں میں استعمال کیا ہے جسکو دوسرے حضرات بھی

بلا تکلف استعمال کر چکے ہیں ۱۔

(مصدر) ۱۔ سفائے اہلیت ہے بازوؤں شاہ ہے

کٹ گئے بازوئے شیر کے بازو ہے ہے

دیکھو ۱۔ لکھا راجب دروغیر علی نے بولے پیغمبر

مراسا بازو اور زہد بازو ہمیں سنا

دیکھو ۱۔ فتح تبا ہاتھ آئی جب احمد نے جد کیوں

ماں مرے بازو چھبٹ کر باب جگر کھولے

۱۔ (الہام) ۱۔ چڑھتا ہے آج دن میں رجز بازوئے عیش

آنکھیں سوئے حریفیں لڑ جو سکتے نہیں

جہاں کا جوش ہے میر علی کے فشاں کو

بھائی حسینؑ اگر کہیں تو اٹھ دو جہاں کو

اور دو شعروں میں یہ منصوص نہیں، ناریس کے استاد علی نے بھی صائی

کے معنوں میں ”بازو“ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ مرزا ربیع باڈل حمد

کے ساتھ کافرئی من کے کرتے بھی دیکھ لئے جائیں تو یہ پوری قسم کے
اشعار پر تنقید کرتے ہوئے فلسفیانہ منطق کی ضرورت نہ رہے
یہ بھی تو رنگ کافرئی من دیکھ لے ۛ واعظ بھی اس نم پر قدامت کا کسے
(احسان شاہ ماہری) سے ۛ کافرئی من وہ لٹنار دل و دین کا
ہم جو گئے محتاج یہ صدمہ ہے ابس کا
محمد حسین شوق زبیدی سہماں پوری

اور اسی کفر کی ایک معمولی صفت یہ ہے کہ ایک وفادار شخص کو
غالب مروجہ گور میں دفن کرنے کی سفارش کرتا ہے۔ ۛ
وفاداری بشرط استوار ی عین ایمان ہے
مرے بُت خانے میں تو کیجیے گا لہ برہن کو
غرض کہ ہر محبت کی خاص شان تو محتاج بیان نہیں ہاں اگر ارض

شیطان کی بستی

جہاں ہونے سے تلتی ہے محبت جہاں ہے حسن اک مال تجارت
جہاں مصیبت، دانش، شرافت ہر اک شے مول لے سکتی ہو دولت

وہی ہے بس وہی شیطان کی بستی
وہاں خطرے میں ہے انسان کی بستی

جہاں ہر کام کا مطلب ہے مطلب گناہوں کا جہاں پر وہ ہے مذہب
شوالے، خافقاہیں اور مکتب جہاں سب پیٹ پوجا کے ہیں کرتب

وہی ہے بس وہی شیطان کی بستی
وہاں خطرے میں ہے انسان کی بستی

(روشن دین بی۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ویل سیالکوٹ)

پورس

ایکٹ سوئم

سین اول

اکشیانہ - کلونلا

سے فقط یہ مقصد ہے۔ کہ میرے رنج و غم کا مذاق اڑایا جائے۔
کلونلا - تو سہارانی! آپ یہ چاہتی ہیں کہ میرے سہارانی کی محبت ایسی عزیز
ہستی کو خطرے میں چھوڑ کر لگ بھگ ہو جائے نہیں سہارانی! وہ اپنے
فرصت کو خوب سمجھتا ہے۔

اکشیانہ - اور مجھے اس خطہ سے بچانے کیلئے اس فیاض دل عاشق نے
اپنے گپ کو میرا پسند خانہ بنا رکھا ہے۔ اور اس کا رقیب میرے لئے
جان و رکھوں میں پڑے۔ اور وہ صرف اسی پورس کرے۔ کہ اس قید
خانے کے پاسبان کی خدمت بجالاتا رہے۔

کلونلا - بلند اقبال پورس!۔ جبکی تھوڑی سی جلدائی آپ کو خون کے آنسو ٹولا
رہی ہے۔ اور آپ اس قدر بے چین ہیں کہ اس کی تلاش میں میلان
جنگ کی خاک چھانسنے پر تیار ہیں۔

اکشیانہ - بلکہ اس سے بھی زیادہ کوشش کروں تو کم ہے۔ میں تو
اس کی لاش کے ساتھ سستی ہونے کو باعث فخر سمجھتی ہوں۔ میری
سلطنت برپا رہے بلا سے مگر میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ قانع کلونلا
کے دل میں بسنے کیلئے کیا قربانی کرنا ہے۔

کلونلا - تو پورس کے لئے آپ کو زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔
وہ ابھی بارہ زخیر یہاں آیا چاہتا ہے۔ ہم تو صرف اس مالِ نیت
کی حفاظت کر رہے ہیں۔ جو سخاۃ عشق نے حاصل کیا ہے۔
اکشیانہ - ابھی تو آپ کا دل سکندری فتح کے ترانے کا رہا ہے کہ
عشق وقت سے پہلے جو امیدوں کا بلبلا تاجن آپ کے دکھا رہا ہے

اکشیانہ - رانی! یہ کیا ہو رہا ہے۔ میں یہاں قید ہوں؟۔ اور مجھے
اپنی فوج کی پیش قدمی کرتے دیکھنا بھی سننے ہے؟ یوں قید رکھ کر
مکمل بھی سے اپنی غلامی کا اقتدار تو نہیں کرنا چاہتا؟ گویا اسکی
محبت کا یہی ثمر ہے کہ میرا غلام میرا ولی بن بیٹھے۔ اور میرے قافل
سے الگ کر جب دل پر زہر نہ چلے۔ تو یادوں کا اندھنے کے در پہ بولنے۔
کلونلا - آپ اس کے اندیشہ کی غلط تعبیر کر رہے ہیں۔ مکمل اب تک آپکی
نگاہوں کے سوا کسی کے سامنے نہیں ٹھیکا۔ ذرا چشم لطف سے
دیکھئے۔ کہ کس سرگرمی سے آپ کی حفاظت کا اہتمام کر رہا ہے۔
ہمارے اور گردنچو فوجیں لڑائی میں مصروف ہیں۔ اور خون بہانے
پہلی ہیں کشت و خون کا آگ روشن ہے۔ اس حالت میں بتائیے
آپ کو کسی جو کس طرح جاسکتی ہیں۔ جہاں اس طوفان سے بچاؤ ہے۔
مہارانی صرف ہی ایک مقام ہے۔ جہاں جان سلامت رہ سکتی ہے۔
اس پُرسکون گھاٹ کو

اکشیانہ - ایسی ذلیل سکون سے تو مجھے بڑھ ہے۔ میری رعایا اپنی
مہارانی کے لئے جان لڑا لڑا۔ پورس کی مہادت میں محبت رہے۔
اُنکے دم و ایمیں کی فریاد میرے کانوں میں پڑے۔ اور مجھے صلہ کی
گفت و شنید سے سبوتا کرنے کی ناروا کوشش کی جائے۔ اسی
پر ہیں نہیں۔ مجھے دعوت دی جائے۔ کہ میں آپ کے سہارانی کے
کیس میں راحت و آرام سے زندگی بسر کروں۔ رانی! میں خوب سمجھتی
ہوں۔ کہ میری اندر وہ خاطر انکھوں کو عیش و نشاط کے نظارے دکھانے

لہ کسی بڑے کام کو شروع کرنے کی رسم۔

دل میں بہت ادا استقلال پیدا نہ کئے۔ آگے بھی خیال نہ آیا۔ کہ اس کی جو یہ ادا سلطنت معزز خطر میں ہے۔ خیر جو خواہو سو ہوا۔ اب شریف لے جائیے۔ اور اس دہوتا کی جنگ کیجئے۔ جو آگے ہیں نے آپ کے لئے چھا نہیں ہے۔ اس کے کندہ و احکام کی تعمیل کیجئے۔ سب کو ایک لالچی سے اٹائے۔ اپنے دلدل کو انہیں زنجیروں سے باندھئے۔ جن سے آپ کا رقیب جکڑا ہوا ہے۔ بہر حال آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ خوب کیا۔ آپ کے جرم اور اس کی شکست نے پورے کورسے لئے ایک دہوتا بنا دیا ہے۔ جس کی پوجا میرے دل کے مندر میں ہوتی ہے۔ یہ ادا رہے ہے۔ کہ غروب آفتاب کے پہلے میں یہ ظاہر کروں۔ کہ میں کسے چاہتی ہوں۔ اور کس سے بیزار ہوں آپ کے دور پورے سے عہد وفا باندھوں۔ اور اس کے سامنے آپ سے ہمیشہ کی نفرت کی قسم کھاؤں۔ اور اگر اب بھی آپ میری محبت کا دعویٰ کریں تو آپ کی مرضی۔

گلکسلا۔ مہارانی! مجھے بے وفا اور بدعہد خیال نہ کریں۔ سچ عرض کرتا ہوں۔ کہ سکندر مہارانیوں کو قید و تعزیر سے ہراساں نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ خوب گہمتا ہے۔ کہ ایسے حسین و جمیل قیدی کس سلوک کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس کے دیوانے کریم کو جوش پر آنے دیتے کیجئے۔ اور اس تخت و تاج کو قاتل کر کے کھجئے۔ جس پر اس کی خود پسندی نے نزال کے بعد جسوں ڈال دیا تھا۔ پھر میری تلوار زور وار ہے۔ جو کوئی اس مقدس چیز کو ہاتھ لگانے کی بھی جرأت کرے۔

اکشیا۔ یعنی دشمن سے سلطنت چھیک مانگ کر لوں اور اسے برقرار رکھنے کے لئے آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی پھروں۔ مرنی مچاؤں یہ یہ مجھے گوارا نہیں۔ کہ جس خوشخوار سے مجھ سے تخت چھینا۔ وہ اب ہاتھ سے پکڑ کر مجھے اس پر بٹھائے۔

گلکسلا۔ آج تک جو راجہ اور مہارائیاں کبھی بے پناہ تلوار کی تاب نہ لاسکیں۔ ان کے زنجیروں پر اس کے دست شفقت سے مڑ چکیا۔ دارا کی ممال کے ساتھ ایک سعادتمند بیٹے کے ایسا سلوک کیا۔ اور اس کی ملکہ کو ایک جانشانہ بھائی کا جلوہ دکھایا۔

اکشیا۔ بہر حال مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ رفاقت کی عزیز زوجہ کو ترک ڈالوں۔ خالوں کی خوشامد کروں۔ اور سلطنت کیلئے کاسر گدا لی لئے پھروں۔ رہیں ایرانی عورتیں تو وہ میرے لئے قابل تقلید نہیں۔ کیا آپ کو توقع ہے کہ میں سکندر کے دربار میں قبول

اس سب باغ کے پھر میں اپنی آرزوں کے دامن کو زیادہ پھیلا دیا ہے۔ اور آپ آرزو پر کرنے کے جھوٹے خواب دیکھ رہے ہیں۔ ناں..... کلو فلا۔ بھائی جان! آپ سے میں ادا سب ظاہر ہو جائیگا۔ کہ کون غلطی پر ہے۔
اکشیا۔ بیشک و شبہ کی بہت کم گنجائش ہے۔ اس کی مطمئن پیشانی پورے کی شکست کی دستاویز ہے۔

ببین ۲

گلکسلا۔ اکشیا۔ کلو فلا

مہارانی۔ اگر پورے ذرا کم حوشیلا ہوتا۔ ایک دوست کی معقول رائے مان لیتا۔ تو مجھے اس کے انجام کی نخوس خبر سنائے کی افسوس نہ کرنا پڑتا۔

اکشیا۔ کیا پورے؟.....
گلکسلا۔ اس کا قصہ ختم ہو گیا۔ اور جنگ جونی کی ترنگ میں اس طاعین جا چھٹا۔ جس سے میں نے بار بار اسے خبردار کیا مگر وہ میرا رقیب تھا۔ مگر میں یہ کہنے سے دریغ نہیں کر دینگا۔ کہ اس کی تو بیت بازو نے جو لہجے کے مقابلے میں بہت نہیں ماری۔ اور دشمنوں کا خون بہانے میں قسم نہیں کھا رکھا۔ اقبال نے پورے اور سکندر میں سے ایک کو منتخب کرنے کے لئے بہت سر و سامنا۔ اور ابھی وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچا تھا کہ پورے کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ ہرگز اٹھا۔ اور تو تب فیصلہ کا توازن قائم نہ رہا۔ اندھا دھند چلنے کرنے لگا۔ فوج کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور ان کے قدم اکٹھے گئے۔ آپ کی سپاہ برباد ہو گئی۔ اور اس کے سپاہی بھاگ گئے۔ آخر پورے بھی اس جاکڑ میں شامل ہو گیا اور جان بچانے کیلئے ہاتھ پاؤں مالدے کھا۔ اس زہد پیشانی کی حالت میں اس نے اس حد کی التجا نہیں کی۔ جسے وہ مدد کر چکا تھا۔

اکشیا۔ مدد کر چکا تھا؟ تو پھر؟ کیا آپ کی حب الوطنی کا جذبہ صرف منت و خوشامد سے بیدار ہو سکتا ہے۔ جب تک آپ کو جنگ پر مجبور نہ کیا جائے۔ آپ اپنے ملک کی حفاظت کیلئے لڑتے نہیں سکتے۔ ناں ہم پورے کی باتیں کر رہے تھے۔ کہ اس نے اپنے قول و فعل سے آپ نے امدادوں کا انظار نہ کیا تھا۔ بقول ہے کہ اس کے دلیرانہ ارادے نے آپ کے

سلہ کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔

سین - ۶

سکندر - کلونلا

سکندر۔ دانی! میں اس عشق کی جنگ میں دل و جان سے اسکی مدد کر رہا ہوں۔ لیکن جو کچھ میں اس کی محبت کو بدواں چڑھانے کے لئے کر رہا ہوں۔ کیا اس کا انعام میری شہرت کے حوا جھجھے نہ ملے گا۔ اتنی بڑی فتح کا سارا حاصل منگلا کے حوالہ کر چکا۔ اور اب ایک مارے ہوئے کی طرح آپ کے ماتھ کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ میں نے کہا تھا۔ کہ مشکلات کے بہاؤ چر کر آپ سے ملونگا۔ تو آپ کو یاد ہے۔ کہ ان گلاب کی پتھروں سے کیا آواز پیدا ہوتی تھی یہی کہ آپ اس ناچر کو اپنے خاؤں دل میں مہمان بنائیں گے۔ قوت عشق نے میری مدد کی۔ اور فتح نے میری بات کی لاج رکھ لی۔ اس طرح دانی! مجھے شہنشاہی ملا۔ دیکھئے جب چاروں طرف سے تالباری کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں تو آپ کو یہی زیادہ ہے۔ کہ آپ کی ماں میں ماں ملائیں یا یہ کہہ بیجئے۔ کہ آپ اپنے اقرار سے پھرنا ہستی ہیں۔ مگر کیا یہ وعدہ سچی فراخ وقت سے انکار کا حوصلہ کر سکتا ہے۔

کلونلا۔ میرا دل استغرض مضبوط نہیں۔ کہ جب کوئی مقابلہ نہ کر سکے۔ تو یہ آزادوی کے راگ کا رہے۔ میں آپ کی طاقت کے آگے سر جھکا ہی ہوں۔ کیونکہ آپ کی طاقت نے سینکڑوں بادشاہوں کے آپ کے قدروں میں ڈال دیا ہے۔ ہندوستان کو فتح کرنا تو آپ کے لئے ایک کھیل تھا۔ آپ بڑے بڑے بہادروں کو شکست دے سکتے ہیں۔ اور آپ کی محبت و بخشش پتھروں کو بھی موم کر دیتی ہے۔ مگر جہاں پناہ! میرے لئے یہ مردانگی اور یہ انعام تکلیف اور پریشانی کا سامان ہے۔ مجھے یہ ڈر کھائے جاتا ہے کہ میں آپ میرے دل پر قابض ہونے کے بعد میرے ہوجائیں۔ اور مجھے جدائی کی تلک میں جلنے کے لئے چھوڑ جائیں۔ ان جذبات سے بے پردا ہو کر جو آپ ہی نے بھرا رکھے ہیں۔ آپ کا دل اس شیر سے بھر جائے۔ جو اتنی آسانی سے جو گئی حوض جیسے بڑے انسانوں کی محبت بے ثبات ہوتی ہے۔ اور وہ ہمیشہ ناموری کی دہن میں گئے رہتے ہیں۔ لیکن ہے۔ کہ جب آپ محبت کی گلیں بڑھا رہے ہیں۔ آپ کا دل مزید فتوحات کی تدبیروں میں اٹکا ہو۔ سکندر۔ بھولی دانی! محبت کی رمز و آج آپ کتنی نا آشنا ہیں کیا میری

آہیں جو ہر گدوش پر سوار ہو کر آپ کے پاس پہنچتی ہیں۔ آپ کے کان میں کچھ نہیں کہتی۔ مجھے تسلیم کرنا کہ جنگ اور فرج کی ترک و تہاڑ کے درمیان میرے دل میں صرف نامیری کی جھٹکا ہوتی ہے۔ اور میں صرف چاہتا ہوں۔ کہ شاہ سے لیکر لگاتار میرے مطلع و طالع ہوجائیں۔ مہوشان اہلان نے اپنے بادشاہوں سے بڑھ کر سخت حملے میرے دل پر کئے۔ لیکن میرے دل نے ان کے تیرنگہ نہ توئے اور ان کے سخن و جہاں کو آنکھ بھر کر نہ دیکھا۔ اور صرف ناموری کا شوالہ بنانا۔ وہ اس وقت تک داؤد محبت سے نا آشنا رہا۔ جب تک کہ آپ کی ظالم آنکھوں نے اس پر پناہ نہ ملجایا۔ اب اسے فتح کی آرزو نہیں رہی۔ بلکہ اپنی شکست پر ناز کرنے کا خواہاں ہے وہ اپنی جہت براہ راستاً۔ اگر آپ کی آنکھیں رجم سے اس کی پھلکی کو شرف قبول عطا کر گئی۔ جہلا یہ کہ ان انصاف ہے۔ کہ ان کی جگہ کی جہاں کشادہ اور العزیز کی تو کوئی باز پرس نہ ہو۔ اور میرا جگہ سے خراشی کا جو دم قرار پائے تو کیا آپ کی محبت کی دل آویز نغمہیں بڑے آدھوں کے لئے وضع نہیں ہوتیں۔ یہ شخص عاجز ہی ہے۔ اب میرا ارادہ عجیب تر کا نام دکھانے کا ہے۔ اور دنیا کو اب یہ دیکھنا ہے کہ سکندر کا دل حضرت عشق کا استقبال کس شان سے کرتا ہے۔ اب میرا یہ بازو آپ کے تابع فرمان ہے۔ اور اسے آپکا پاس ابرو و لبسا ہی ہے۔ جیسا میری شان کا حور نصرت سے اب ہمارے نام کی پرمیت صلیب ملنے ہوگی۔ اور ایسے مقامات تک پہنچیں گی۔ جن کا کسی نے نام تک نہ سنا ہوگا۔ ورنہ ہماری نام پر پھلنے پھولنے کی جہاں آج تک دیوتاؤں کا مندر نہیں بنا۔ کلونلا۔ ماں! فتح آپ کی باندی بنگلہ آپ کے ہمراہ جائیگی۔ لیکن مجھے شک ہے۔ کہ کیا عشق اس کی پر دی پر مآدہ ہوگا۔ جب سمندر آپ کو اپنی موجوں پر سوار کر کے لے جائیگا۔ تو اس کا بے انتہائی میسرے دھیان کو آپ کے دل سے دھو کر رکھ لیگا۔ جب تمام دنیا فتح ہو جائیگی۔ جب تمام فرماؤں آپ کے تہذیب پر گر گئے۔ جب کہ ارض کا امن آپ کی ہیبت سے لڑاں ہوگا۔ تو اس وقت کیا آپ کو اس بات کا دھیان آئے گا۔ کہ ایک کس رانی کا لے کوسوں بڑی آپ کی یاد سے دل بہلا رہی ہے۔ اور آپ کے عیانی محبت پر انکی زندگی کا رہا ہے۔

سکندر۔ تو کیا آپ کا یہ خیال ہے۔ کہ اس نبوت کو جو مجھے بعد از خزاہی میرے پیشتر آئے ہیں۔ میں یہاں چھوڑ جاؤں گا۔ یا آپ پسند نہیں کرتے کہ میرے

ہاتھ سے لاشیا کا تخت آپ کے سامنے پیش ہو۔
کلوفلا - مہاراج! آپ جانتے ہیں کہ میری رضا بھائی کی مرضی کی پابند ہے۔

سکندر - اگر میری خوشی اس کے ساتھ ہے تو سارے ہندوستان کو اس کے قدموں پر گر کر میری سفارش کرنا ہوگی۔

کلوفلا - مجھے بھائی سے بے عرض محبت ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس کے رقیب کو جس نے آج آپ کے قہر کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس سے زیادہ غرض نصیب نہ بنائیں گے۔

سکندر - میکسٹاؤس ایک بہادر رقیب ہے۔ بہادری اس سے زیادہ میری تحسین کی کبھی مستحق نہیں ہوئی۔ میں نے اسے لڑائی کے گھمسان میں دیکھا۔ ہم آٹھ سال سے ہونے لگاؤں نے مقابلہ سے متنبہ نہیں پیرا۔ اور ہم ایک دوسرے پر وار کرنے کے لئے مناسب موقع تلاش کرنے لگے۔ قریب تھا کہ ہمیں سے ایک تلوار کے گھاٹ اترتا۔ کہ فورج کا ایک ریلہ آیا۔ اودہ میری نظر سے اوجھل ہو گیا۔

سین - ۷

سکندر - کلوفلا - ہپ فچن

سکندر - مان تو کیا وہ گمراہ اودو جشی راجہ گرفتار ہو گیا۔
ہپ فچن - ہر شے تلاش کی۔ مگر کچھ پتہ نہ ملا۔ مارا گیا یا بھاگ نکلا۔ کوئی نہیں بتا سکتا۔ اس کی فوج کا کچھ حصہ بھاگتا ہوا لکڑا ہوا گیا۔ اور مزید تعاقب کا راستہ اٹ گیا۔ ان سے لڑائی جاری ہے۔ مگر ان کا زندہ گرفتار ہونا مشکل نظر آتا ہے۔

سکندر - بھٹیا راجہ جین کو۔ مگر انہیں زندگی سے مایوس نہ ہونے دو۔ ہمارا مقصد صرف اس قدر ہے کہ ہماری کوعا جز کرنا ہے۔ اودہ رانی! اس طرح مجھے آپ کے بھائی کا دل ہاتھ میں لینا ہے۔ کہ جب تک اس کے دل کو چین نہ آجائے۔ یہ لڑائی بھی جیتنا ضروری ہے۔ (باقی باقی)

نور الہی محمد عمر

غزل

کامیابی دل کیا۔ کیف آرزو ہی ہے
ترک جستجو لیکن فیض جستجو ہی ہے
جس سے جا کے تن میں ساغر و سبوی ہے
یاں شکست ہر پندار اپنی آرزو ہی ہے
بلکہ ویرم باطل بھی حق تو یہ ہے تو ہی ہے
دل کو جو کرے برہم زلف مشکبوی ہے
وے نظر کو آرزو ی پھر وہ رو بردی ہے

اعتبار منزل کیا۔ ذوق جستجو ہی ہے
ترک جستجو کر کے دل کا مدعا پایا
سے بقید ساغر ہے ہم بقید آزادی
آرزو جسے کیلئے کچھ نہیں بجز پندار
تو حقیقت عالم و بیم غیرت باطل
زلف مشک و کاغذم دل کو دغ کیوں کر
جس بسک نظر غیرے وہ حجاب ہے اس کا

یہ فریب تسکین ہے ترک آرزو و علوم
ترک آرزو و میکش یہ بھی آرزو ہی جو

میکش

ہندوستان کی زبانیں اور مسلمان

ایر خسرہ کو بھاشا کا پہلا مسلمان شاعر کہتے ہیں لیکن اس سے ۲۰۰ برس پہلے سلطان محمود غزنوی کے درباری شاعر سحر و مسلمان نے اپنا ایک دیوان بھاشا زبان میں مرتب کیا۔ اس دیوان کا نام ہی نام نہ گیا ہے اشعار کا پتہ نہیں چلتا۔

ایر خسرہ نے اپنی ایک کتاب میں ایک پورا باب ہندوستان کی تعلق میں ہندو مذہب کی خوبیوں پر لکھا ہے۔

سلطان فیروز شاہ کے بعد جب خاندان تغلق کی سلطنت تغلق کا شیرازہ کھیلنا شروع ہوئی۔ داروں نے ملک کے مختلف حصوں میں اپنی اپنی حکمتیں قائم کر لیں چنانچہ بنگالہ - مالوہ - گجرات اور دکن وغیرہ سلطنت دہلی سے الگ ہو گئے۔ ان حکومتوں نے بھی اپنی اپنی موت کے مطابق سنسکرت اور سنہی کو ترقی دینے کے وسائل اختیار کئے۔

سلطان نصرت شاہ کے حکمرانے ایک مسلم ارباب ۱۲۰۰ عیسوی میں بھگوت گیتا کا ترجمہ اور کلاوندی پر دیوتوں کے نکل خال کے حکمرانے جو سلطان حسین شاہ کا منہ پڑھا سید سالار تھا۔ بھاشا بھارت کا ترجمہ کیا۔ گجرات میں محمود جگہار کے عہد سلطنت میں گجراتی زبان میں متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ اور پہلے پہل یہیں اردو زبان کی داغ بیل پڑی۔

دکن میں ابوجہم عادل شاہ نے سنہی کو اپنی درباری زبان بنا کر غزنی بندہ میں فارسی کا اقتدار توڑا۔ اسی زمانے میں دکن میں کتنی ہی اقدیم اردوہ میں تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا۔

شیر شاہ کے عہد میں محمد ہاشمی اودھ ایک چھوٹے سے موضع میں پیدا ہوا اور پدموات لکھنؤ تمام ہندوستان میں مشہور ہو گیا۔ پدموات پر کئی زبان اور جو بیان کے لحاظ سے بھاشا کی بہترین نظموں میں شمار کی جاتی ہے۔ محمد ہاشمی نے پدموات کے علاوہ اور بھی بہت سی نظمیں بھاشا میں لکھیں۔

شیر شاہ کی موت کے بعد اس کے جانشینوں کے باہمی تنازعہ خائے اس کی عمر بھر کی خوشحالی پر پانی پھیر دیا۔ مہا بون شاہ طہاسب سے ۱۲۰۰ عیسوی کے ہندوستان میں آیا اور پھر پرتی پرتی لایا۔ مہا بون کی موت کے بعد میر خاں نے مغلوں کی مٹی ہوئی سلطنت کو از سر نو زندہ

ہندوستان کی دونوں بڑی قومیں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کا باہمی غنا و بھاری آزادی کی راہ میں دیوار چین کی طرح حائل ہے۔ اس غنا و کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ تاریخ کی جو کتابیں ہندوستانیوں کو پڑھانی گئیں ان میں مسلمان بادشاہوں کے خلاف عنایت بے بنیاد الزامات لگانے گئے تھے۔ لیکن یہ پہلے نہیں نہیں رہا چنانکہ ان کتابوں کی بدولت اہل ہندو کے دلوں میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ مسلمان بادشاہوں نے ہندوؤں پر طرح طرح کے ظلم توڑے۔ اور ان کی تہذیب ان کے لٹریچر اور آرٹ اور ان کی مذہبی زبان سنسکرت کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی لیکن جب ہم تاریخ کے ورق الٹ کر دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے یہ تیسویں صدی عیسوی میں بھی بہت سے مسلمان بادشاہ نہ صرف سنسکرت اور سنہی کو فروغ دینے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے تھے بلکہ جو بھی ان دونوں زبانوں میں کتابیں لکھتے تھے۔ میں یہاں ان کے اردو مسلمان ادیبوں اور مصنفوں میں سے چند کے نام بیان کر دوں گا۔ جنہوں نے سنسکرت اور بھاشا کی خدمت اس زمانے میں کی جب اہل ہندو ان زبانوں کو چھوڑ کر فارسی اور عربی کی طرف راغب ہو رہے تھے۔

سلطان بہمن العابدین جو اکبر سے کئی سو سال پہلے زعفران نادر کشمیر پر حکومت کرتا تھا سب سے سنسکرت کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے فارسی سے سنسکرت اور سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کرانے کے لئے ایک دارالترجمہ قائم کیا چنانچہ اسی باذاتی سلطان کے عہد میں بھاشا بھارت پہلی مرتبہ فارسی میں ترجمہ ہوئی اور اکبر کے زمانے میں اسی ترجمہ کی ترمیم کی گئی۔ والیان کشمیر کی ایک سب سے تاریخ راج ترنگین بھی سلطان ... زین العابدین کے زیر نگرانی بھی گئی۔

سلطان فیروز شاہ تغلق جس کے عدل و انصاف اور جود و سخا کے قصے زبان زد خاص و عام ہیں سنسکرت کے ساتھ خاص افسر رکھتا تھا چنانچہ جب اس نے کاٹھواؤں کو کیا تو جلا بھی مندرک عایشاں لائبریری سے بہت سی کتابیں منگوا کر فارسی میں ترجمہ کر دائیں۔ ان میں سے فیروز شاہی علم نجوم کی ایک کتاب کا ترجمہ اب تک مشہور ہے۔ یہ ترجمہ مولانا عزالدین نے کیا۔

اور اس میں مضامین لکھتے تھے۔ چنانچہ شیخ غلام مصطفیٰ نے عالمگیری عہد کے ایک بڑے پریزنگوار اور ادبی گزارشہ نویس۔ انہوں نے سنسکرت اور بھاشا میں اتنی استعداد ہم پہنچائی تھی کہ بڑے بڑے فاضل ہندت زمانہ ان کا کام مانتے اور ان کے ذمہ اہل مذاہم میں داخل ہونا باغیر غور سمجھتے تھے۔

محمد شاہ ریشٹے کے عہد میں جب راجہ جے سنگھ دہلی سے پورے اپنا مشہور سدخانہ قائم کیا تو مشہور عربی ناضلوں نے شرح جہنمی علم ہیئت کی کتابوں کا ہندی میں ترجمہ کیا۔ شرح جہنمی علم ہیئت کی ادنیٰ ترین کتابوں میں سے ہے اور اس کا ترجمہ کرنے کے لئے ہندی زبان پر پورا اعتماد لازمی تھا۔

سیّد نظام الدین بلگرامی نے سنسکرت اور بھاشا کی تعلیم کو مکمل کرنے کے لئے بنارس کا سفر کیا۔ انہوں نے چند ریکارڈر بھیکے سنگر و کتابیں علم موسیقی پر بھاشا میں لکھیں۔

رحمت اللہ خیر الدین بلگرامی کے فرزند رشید تھے بھاشا کے مشہر شاعر تھے۔

سیّد غلام نبی فرزند سیّد محمد باقر بلگرامی ۱۱۱۱ ہجری میں فوت ہوئے۔ بھاشا کے مشہور شاعر تھے۔ انہوں نے بھاشا میں ۱۱۷۷ شاعری ایک نظم بھی اور اس کا نام علمی درپن رکھا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ بلگرامی جو ادھ میں ایک چھوٹا سا شاعر ہے۔ ہمیشہ سے سنسکرت دانی کے لئے مشہور ہو چکا ہے۔ بھاشا کے سوانہ شاعر جتنے بلگرامی نے پیدا کئے انہیں شاید ہی کسی اور مقام میں پیدا ہوئے ہونگے۔ ہمارے اپنے زمانہ میں مولوی سیّد علی بلگرامی مرحوم بنی نالی اور ادو شاعری کی دھاک تمام ہندوستان میں بیٹھی ہوئی ہے سنسکرت کے اہم ۱۰۱۰ سے۔

ہمارے زمانہ میں یہ وہ فیر معین الدین مہر علی جنہوں نے اپنی عمر کے ۲۰ سال سنسکرت کی تعلیم میں گزارنے میں غلطانے عباسیہ کے کئی مشہور مفتے عربی سے سنسکرت میں ترجمہ کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً سنسکرت کی مذہبی کتابوں سے مفید حصوں کے ترجمے بھی اخباروں اور رسالوں میں بھیجے رہتے ہیں۔

مندرجہ بالا نام ان ہزاروں مسلمان مصنفین میں سے چند کے ہیں جنہوں نے سنسکرت اور بھاشا کے وقار کو اسلامی عہد حکومت میں بڑا رکھا اور ہمیشہ اس بات میں کوشاں رہے کہ جہاں ان کی مادری زبان فروغ پائے وہاں ملک کی زبانیں بھی ساتھ ہی ساتھ ترقی کرتی ہیں

کیا اور اگر نے خاندان مغلیہ کا کھو یا جو اقتدار نے سرے سے قائم کیا۔ اگر کہ عہد مغلیہ سلطنت کا عہد شباب تھا جس میں ہندوستان کے دولت و ثروت کا شہرہ ایشیا سے مکمل کر لوہ پتہ تک پھیل گیا۔ اگر کہ زمانہ میں سنسکرت اور ہندی کو جو فروغ حاصل ہوا ایک حاجت کے بعد کسی بادشاہ کے عہد میں حاصل نہ ہوا تھا۔ اگر کہ نے سنسکرت کی سلیٹوں کو کتابیں فارسی میں ترجمہ کرانیں۔ چنانچہ بعضی غلام علی آزاد اور عبدالجلیل بلگرامی اگر ہی عہد کے مشہور سنسکرت مصنف ہیں۔

جہاں گئے عہد میں ملا مسیح پانی پتی نے لادائن کو فارسی میں نظر کیا۔ جہاں گئے مشہور سنسکرت کا بہت دلدارہ تھا اور ہندو سادھوؤں اور پنڈتوں سے خاص عقیدت رکھتا تھا چنانچہ اس نے جو عہد پ کھٹے کے لئے ایک کھن سفر کی کھٹیں اٹھائیں جس میں کئی بار پایادہ چلنے کی تکالیف بھی شامل ہیں۔

شہزادہ اتیال جہاںگیر کا چھوٹا بھائی ہند میں بھاشا کا بہت بڑا شاعر گنا جاتا ہے۔

عوامی اور ملا ٹوہی دربار جہاںگیر کے شاعر تھے۔ بھاشا اچھو سنکرت میں کافی استعداد رکھتے تھے۔ لیکن اس عہد کا سب سے بڑا سنسکرت شاعر شیخ شاہ بلگرامی تھا جو حصدار مویہ داری پر معین تھا۔

مغلوں کو ہندوستانی زبانوں سے الیا ہی اتنا تھا جیسا فارسی سے۔ وہ سنسکرت اور بھاشا کے شاعر سے ایسی ہی دیا دی اور فرارح حوصلگی کے ساتھ پیش آتے جیسے فارسی یا عربی شاعروں سے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ راج سورج سنگھ جہاںگیر کے دربار میں ایک ہندی شاعر کو لایا۔ جہاںگیر کو اس کی نظم ایسی پسند آئی کہ فوراً ایک نامی اہم اور خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا۔

اسی زمانہ میں میر جگتھ محترم ایک عربی شاعر نے تمام مہا بھارت حفظ کر رکھی تھی۔

عالمگیر جیسے عام موزین نے ہندوؤں اور ہندو ادب کا جالی ٹوٹن بتایا ہے۔ بھاشا سے بہت محبت رکھتا تھا۔

حمید عالمگیری دربار کا مشہور ہندی شاعر ہوئے۔ اس نے اپنا ہندی تخلص بھی رکھا اور علم موسیقی کی ایک مشہور کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا۔

دہلی اسی عہد کا بھاشا شاعر تھا۔

بھاشا اور گزب زیب کے عہد میں استدر قبول ہو چکی تھی کہ عربی اور فارسی کے مشہور فاضل اور مذہب و فتنہ کے جید عالم اسے بڑھتے

اردو - ہندی - بنگالی - مرہٹی اور دوسری کئی زبانیں دن رات دوتنی اور رات جو کئی ترقی کر رہی ہیں - محمد جمیل ایم۔ اے

میرے خیال میں تو یہ خلیہ بادشاہوں اور ان کے درباری شاعروں ہی کی ان تنگ کوششوں کا نتیجہ ہے کہ جہاں آج پچاس سال سے انگریزی کے سامنے فارسی اور عربی کا چراغ مدھم پڑ چکا ہے

کلام وحشت

جزیں اگرچہ ہے دل، ذوق، اشتیاق بھی ہے
ہر ایک بات پہ مغل ہے عذر مجھوری
فنا کے بعد بھی دو چار دن نمودری
فریب کھاؤں نہ کیونکر طلسم بستی کا
اگرچہ خستہ جو رنگ ہوں - پر صد شکر
جہاں عشق ہے اک لازوال سے خسانہ
رکے تو کیے رکے کا رشتہ دنیا میں
نگاہ ماز کے نیزگ کا ہلاک ہوں میں
وہ بزم میں ہیں بیٹھے ہیں، اُن کو یاد کس
فریبِ خسرو سے تیرے عجب ہے دل کا حال
ڈرو نہ دیتے سے الزام تم مرے دل کو
یہی نہیں ہے کہ دل ہے ہلاکش بجرم

یہ نا اُمید کسی کا اُمیدوار بھی ہے
کہ آدمی کو بظاہر کچھ اختیار بھی ہے
اگاہ ہے سبزہ بھی - شمع سرسبز بھی ہے
خزاں کا دور بھی ہے مدت بہار بھی ہے
دل ستم زدہ محمود تیریا رہی ہے
سرور نشہ بھی ہے تلخی خسار بھی ہے
کہ جبر یا میں امید و صل یا رہی ہے
بہشت اس کی نہاں بھی ہے آفتکار بھی ہے
کہ مجھ سے دور کوئی میرا بے قرار بھی ہے
کہ نا امید بھی ہے اور امیدوار بھی ہے
معنا اگر ہے دفا تو گناہ گار بھی ہے
فریب خور و اُمید و صل یا رہی ہے

نجات ہو گی نہ ایسے کے دام سے وحشت

کرے وفا بھی ہے اور وفا شعار بھی

طلسمی دروازہ

اس پرسفید رنگ تھا اور براق قلبی کے چاروں طرف سرخ رنگ کا گہرا چاشبہ تھا۔ دونوں رنگ مل کر عجیب و غریب خوبصورتی پیدا کرتے تھے۔

مگر ایک ہی نغمہ کے اندھ جھب میں اپنے وقت پر صبر معمول آیا تو کیا کھینچا ہوں کہ صدر دروازہ پر گہرے آجڑی رنگ کی قلبی کی ہوتی ہے۔ میں نے انگریزی قواعد پڑھا جو اپنے اپنے ناک شاگرد سے رنگ بدل جانے کی وجہ پوچھی۔ گلاس نے یہ بیکری آئی کی کہی کہ والد سے یہ مکان بچا پایا لے لیا تھا۔ سرخ اد سفید رنگ ان کو پسند نہیں آیا۔

ہم میں خلوص و محبت کی چنگیں ون دونی رات چوگنی بڑھتی گئیں۔ اور جلاؤں کے آتے آتے میں بھی خاندان کا ایک رکن ہو گیا۔ بوڑھا تاجر نہایت خلیق تھا۔ وہ اکثر اصرار کر کے مجھے شام کے کھانے کے لئے روک دیا کرتا تھا اور اداس کے بعد تہو اور تہکاؤں میں بھی ساتھ ہا کرتا تھا۔ سڑک بیٹے کا کارہ عمارت کی پشت پر تھا۔ وہ قلم بافت تھا۔ ہر چیز کیلئے منطقی دلائل پیش کرتا تھا۔ اور منہ صبح رائے رکھتا تھا۔ گلاس جیسی شان کے ادا وجود ایک قسم کی جھلک چہرے پر ہے میں موجود تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے مصیبتیں بھی اٹھائی ہیں۔ سفید چہرے کی ٹھٹھوں سے اسی چٹکی جتنی بعض وقت مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ حقیقتاً متنا بوڑھا نظر آتا تھا۔ اس سے زیادہ بوڑھا تھا۔ جب کبھی وہ اپنی غریب بیوی کا ذکر کرتا تھا تو اس کے لبوں سے مبالغہ آلود نکل جاتی تھی اور انگلیاں بے اختیار ابرو پر دوڑ دوڑ جاتی تھیں۔ گویا علم و دلم کو دور کرتا تھا۔ اگرچہ میں ہند ہی دنوں میں ان لوگوں کا گہرا دوست ہو چکا تھا۔ مگر نہ جانے کیوں مجھے کب سبب سے گھبرایا تھا کہ ہونہر دروازہ طلسمی ہے۔ اور یہ مکان کوکاش کا خزانہ ہیرے عطاہ صرنا ایک آدمی اور دواں آیا کرتا تھا۔ وہ ایک ادھیر عمارت دست دوستی تھا۔ لانا قدر فوجی صنعت قطع اور بال کا گہرا دوست تھا۔ لوگ اس کو نکولس زرناف کہا کرتے تھے۔ بوڑھا تاجر مسرور تھا اس جوان کی بڑی قدر کرتا تھا اور کثرت کے کھانے پر دوک دیا کرتا تھا۔ بوڑھے تاجر کا رک رکھا اور اخلاق اچھا تھا۔ وہ زرناف کی اسی عزت کا تھا کہ دیکھنے والے صاف سمجھ لیتے تھے کہ زرناف نہایت عزت میں واد چنے سے کہیں زیادہ ہے۔

ابھی حال ہی کی بات ہے کہ میں لندن میں کچھ خفیہ تحقیقات کر رہا تھا۔ حالات کے لحاظ سے مجھے یہی کام پختہ اختیار کرنا پڑا۔ ایک روسی خاندان میں انگریزی پڑھانے کی نوکری مل گئی۔

یہ لوگ اپرا وین میں رہتے تھے۔ جو لا کا بھوسے پڑھتا تھا اس کا سن انیس بیس سال سے زائد نہ تھا۔ ابھی کچھ سیس بھی نہ پھیل گئیں۔ نیل گورڈن مثل آنکھوں کی بدولت وہ جیسی معلوم ہوتا تھا۔ مجھے ابتدا ہی سے اس کے ساتھ دلچسپی پیدا ہو گئی۔ وہ بہت لڑی ہوئی انگریزی جانتا تھا۔ میں اس کی بہت دست کرنے کے لئے مقرر ہوا تھا اور وہ تحصیل علم کے لئے فوٹو مانیٹ موزوں طبع تھا۔

مسرور چہرہ بہت بڑے سوداگر تھے جن کا اصلی کارخانہ پطرس برگ میں تھا۔ اور شاپس تمام یورپ میں پھیلی ہوئی تھیں ان کی آرزو صرف اس قدر تھی کہ ان کا کوٹا اور جیتا بیٹا پائل انگریزی زبان سے ابھی طرح واقف ہو جائے اور کار بازاری باب کا ہاتھ بٹا سکے۔

ہم ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ دروازہ دوبارہ کھلا۔ ایک بڑے باؤں والی نوٹس برس کی بیٹی گھبراہٹ کی اندر آئی۔ اس کے ناکہ پر چہرہ کی قطع پسینوں کی کئی سرد چٹکی گونڈھیں مٹی سن کی مہیریں خسارہ سے نمایاں تھیں۔

وہ حیران چھٹکی کو دیکھ میں آئی اور اس نے خاص وہی زبان میں کچھ فخر سے جس کے سامنے میری بھوس باطل نہیں آتے اس کے بعد وہ کوئی برائی اپنے باپ کے پاس گئی اپنے ہاتھ کی موی کو پاؤں کے زانو پر کھدی۔ مڑی اور مجھے دیکھ کر کچھ حشاشناہانہ سے شرار کسکاردی۔ پال کے لئے ہلر ہی ہیں پھر میری طرف دیکھ کر کہتے ہیں میری لڑکی اٹک بڑی شرمیلی ہے۔ بوڑھے تاجر کی بیوی مڑی جتنی مگر وہ اپنے چہرے پر دل و جان سے فدا تھا۔ مجھے صبر پڑھانے کے لئے فرمان جانا پڑتا تھا۔ لہذا خاندان والوں سے ایک خاص افس پیدا ہو گیا تھا۔ مکان بڑائی و منہ کا غنا مت مضبوط دعا لیشان تھا۔ دو ان سے دوسرے تھے اور دستے جگہ دار پیل کے گئے ہوئے تھے۔ گچھا جگہ کی کوئی ایسی بات ضرورت تھی جس سے اول دن بھی جتنہ جگہ کر لیا تھا۔

دھچک دوکڑا کھٹے اور دھرت و دھشت سے چنچ کر اپنا پستول نکالا۔ پائل دھجواس بت بنا بیٹھا رہ گیا۔ اور انکا سر سے پاس پھینکے گئے، ورنہ پورے تاجر نے انساں نہیں ہو چکا۔ اس راجست بجاکے کمانی

ہیں؟

”اُس کے حقنی ہے جس کہ کم کم کو ان اسٹون بک کو پائے ہیں۔ اُن کے اعلا افسر نے جواب دیا اور پستول کی نال زیادہ قریب کر دی۔ تم مجھے تحے کہ اب بچ گئے۔ گو کیا تم نہیں جانے کہ مجھ سے چھٹکارا مل جانا ناممکن ہے وہ کاغذات ابھی حوالہ کرو جو تمہاری بیوی کی گرفتاری کے وقت غائب ہو گئے تھے؟ تا وہ کہاں ہیں؟

پورے تاجر نے کوک کو کہا ”نہن میں روسی پولیس کا کوئی اختیار نہیں ہے“

”ہمارا ندن میں بھی وہ لیا یا اختیار ہے جیسا پطرس برگ میں ہے ہم ان کاغذات کی جستجو میں ہیں اور دھونڈھکر رہیں گے“

خاموشی چھا گئی۔

میں نے پورے تاجر کے چہرہ پر دی خوفناک جھلک دیکھی جس نے دو ایک بار مجھے پریشان کر رکھا تھا۔ کیا ایک اس کا پستول والا یا تو دخل چوک زانوسے اٹھا اور وہ طیش میں چلا اٹھا۔

”پٹر لشنون تمہاری ذات سے مجھ پر نام مہینیں آئیں۔ جو بی گرفتار ہو کر شہر بدر ہوئی۔ میں بر باد ہو گیا اور ساری جاندا ضبط ہو گئی۔

تم میرے جانی دشمن ہو سبب ہم کو خوب معلوم ہے۔ وہ راز مرنے دم تک راز رہے گا۔ آج تم حرام زادے کی دہی کی طرح میاں تک کاغذات کی تلاش میں آئے ہو شوق سے دھونڈھو۔ آج پاسہ تھانے یا تھ میں نہیں۔ وکتا جی بھکے تماشائی ہو لکل بیگاری ناؤ پر ہوگی۔ جاؤ دھونڈھو اُس نے ایک سو کھاسا ٹھٹھا اڑایا، انہر ہمارے جیسے صیبت پر حزن تک لعنتیں برسائے جس نے اپنے ہنر دارانیکہ ہجائیوں کو تباہ ویرا کر دیا، مخاطبہ سکرنے لگا کر غاموش رہا۔ اور تینوں نے ہلکھٹ تماشائی یعنی شہر ع کر دی ایک سین ڈانڈوں والی مینے سب سے پہلے اُن کی تو جہابی طرف سنبول کی اور ہم بھی تم کاغذات فرض پر تتر بتر پڑے ہوئے تھے۔

”اٹھا! اس بھول گیا تھا“ پورے تاجر نے سن کر کہا ”تھو میرے بکسوں کی کنیاں مطلوب ہوں گی“ کچھ بھینک کر یہ ”لو“ پولیس والے سرگرمی سے تماشائی سے رہے تھے۔ پائل جڑن کھڑا تھا اور کسن اٹھا کچی پیادری موی گویا سب کے پہلوں میں تھی۔ تھی تھی تھیں ہر ہا رینتری سے گڑا کو کچل دیا تھیں۔

مکوشیت و لچب اور سادہ مزاج جوان تھا۔ روسی۔ جرمنی اور انگریزی زبان میں ہلکھٹ گفتگو کرتا تھا۔ وہ ہمیں اشریف میں ایک عالی شان محل میں رہتا تھا۔ جہاں اُس نے ایک بار مجھے لایا تھا۔ وہ ہمیشہ میرے ساتھ دوستی اور برابری کا برتاؤ کیا کرتا تھا۔ محض پائل دھچک کا مزید علم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ایک روز میں پورے تاجر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھی روسی سگڑی اٹھا کر گفتگو کر دیران میں نکوس کا ڈرگرا کیا۔

پورے تاجر نے کہا ”اے میرے۔ اور نہایت میرے۔ ہم کو شاید یقین نہ آئے کہ وہ دنیا کی سب سے ٹھیں ستیوں میں سے ایک ہے۔

”نہیں“ میں نے شوق و دھرت سے کہا ”کیا وہ غیر معمولی امیر ہے؟“

”اُس کی دولت کا کوئی شمار ہی نہیں ہو سکتا“

اور شریف بھی ہے؟

اُس نے گہر کر کسی قدر شبہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور پوچھا ”تیس کیسے معلوم ہوا؟“

”اُس کے عادات و اطوار شریفانہ ہیں“

”یہ محض آپ کا خیال ہے یا آپ ذاتی واقفیت رکھتے ہیں مجھے صاف صاف بتا دیجئے۔ سچ سچ بتا دیجئے“

”نہیں مجھ سے کبھی بیلے کی ملاقات نہیں ہے“

میں نے اس کے چہرے میں ایک اچانک تبدیلی دیکھی۔ ایسی تبدیلی جو مجھے بعد نا پسند ہوئی۔

کچھ بھی وہ وہ مکان یقیناً طوسی تھا۔ وہاں کی بہت سی کرات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ صدر دروازہ کا رنگ برابر نہ رہتا تھا۔ سفید سے ماشی ماشی سے زعفرانی اور آخر میں گیسے سیاہ رنگ کی قسمی کر دی تھی تھی۔ ایک روز شام کو نکوس اور ایک ڈیپے چلے ہو دی کی دھرت تھی۔ کھلنے کے ختم پر پورے دھچک بابا رگڑی کی طرف نکلیں وہ وڑائے لگے۔ گریات جیسے جیسے زیادہ بھیگتی جاتی تھی پورے تاجر کو افسان ہوتا جاتا تھا۔ اور دس بجے کے بعد وہ وہ بالکل شیش اور سرور ہو گئے۔ جب نکوس اور ہو دی چلے گئے تو ہم کچھ بجے کرکٹ پینے لگے۔ پائل اور انکا بھی وہیں تھے۔

ہم سب لوگ منس پول رہے تھے کہ کیا کچھ چیزیں کیسیوں کی گفتگو کی آواز نہائی دی خفیف سے دھکم دھلا کے بعد دروازہ تراق سے کھلا۔ اور تین آدمی روسی پولیس کی مدد میں آتھوں میں بھرے ہوئے پستول لئے آئے۔ اور آتھیں ہی ہم تینوں کو ایک ایک پستول کی نند میں رکھ لیا۔

ان کو پوشیدہ رکھے اور جان سے زیادہ عزیز رکھے۔

”سبر چو ششم“ میں نے فوراً جواب دیا۔ حالانکہ کچھ پوچھے تو مجھے ایسی بڑی ذمہ داری لینے کی کوئی خواہش نہ تھی۔ بوڑھے تاجر نے گرجوختی سے سیرانا تھ کر کہا۔ ”سائے! آنکھ تان میں صرف آپ ہی کی ایک بات ایسی ہے جس پر میں اعتبار کر کے کی جرأت کر سکتا ہوں۔ دیکھئے میں اس پر فہم رکھتا ہوں خطے کے دور کرنے کے بعد آپ کی کاغذات کو مجھے ایسے طرح دیا کہ کر دیجیے گا۔ ٹھہر ٹھٹھنے نہ پائے“

اب اس نے فرش پر بکھرے ہوئے کاغذات میں سے ایک دبیز لفافہ اٹھالیا۔ دستاویز کو اندر رکھ کر بڑی بڑی کمر میں دنگا دنگا دنگا لاکھو لاکھو کرکھٹ گئی تو مجھے دیا دیا لاکھوں میں ہتھکنیں ڈال کر گویا ہلا۔ ”یاد رکھئے اس را داری سے بیہوش کی جا میں دل بستہ ہیں۔ آپ ہمیشہ اپنے قابو میں رکھئے۔ اپنے پاس سے کسی وقت مڑا نہ دیکھئے اگر آپ کے قدم تاجر ہی سیدی ماہ سے اٹھے۔ گئے۔ قومی رہا کی کس، اٹھا کی موت ہے اور ساتھ ہی ساتھ آپ کی بھی“

میں نے قہمی لفافہ کو لیکر کمر میں دنگا دنگا اور اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں محفوظ کر لیا۔ اس کے بعد کوئی ہفتہ تک میں اپنے منزل لفافہ کو سینے سے لگائے رکھے۔ پھر کیا جس سے کئی بار دوسری پولیس کا ذکر ہو گیا۔ مگر بوڑھے تاجر نے ہر ہفتہ بغلیں جھانک کر بات کا دوسری یا گفتگو کا بدلہ دیا۔ اس کو اپنے بھجان لئے جانے سے بخوروی سی تشویش مزور ہو گئی تھی اور برے عزت و صحت شاگرد کو بھی باپ کی پریشانی سے پریشانی تھی۔ سب اچھے انگریزی سیکھے کا کوئی ذوق باقی نہ تھا اور دوسری ہفتہ میں میں نے دیکھا کہ طلسمی دروازہ کی قہمی دو رنگوں میں چپے دیے بدل ہی گئی۔

بھانک کا گیس مسلسل طور پر کیوں بدلا تھا؟ کوئی خاص بات ضروری مگر مجھے اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ تو کجا کجی مجھ سے تھے خصوصاً وہاں نہایت زالا تھا۔ نگورہ سبائیں دوسری بولنے تھے جبری تھے کوسوں دور تھی۔

ایک روز شاگرڈ بڑی سخت سردی تھی۔ جب میں اپنے ایک دوست کے ہاں سے لوٹ کر گئے مگر پہنچا تو درجف صاحب کی ایک خبر ملی جس پر لکھتا تھا کہ فرج شامل ہے فوراً مکتوب الیک کے پاس جانا چاہئے۔

لفافہ پر ہر گئی ہوئی تھی اور اس پر لکھا ہوا تھا ”مدیریم بھارتن ۱۰۰ گرائس ولڈ گرٹن“ میں نے کھانا کھایا۔ اور فوراً ہی خط لکھ کر روانہ ہو گیا۔ ”مدیریم بھارتن“ قریب قریب کے مھلوں میں بہترین تھا۔ میں ایک ماہ سے کمرہ میں بیٹھ کر جواب خط کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ میری ایک لابی اندر

ان آدمیوں میں سے ایک شخص دڑا دڑا کر دو ران تلاش میں قالین کا ایک حصہ جاقو سے پھاڑا تھا کہ شخصی جان اٹکنگے پوچھا ”تم میری گناہ توڑ رہے ہو؟“

وہ آدمی بھی کی گھر اہل پرہنس کر کہنے لگا۔ ہم لوگ کاغذات ٹھونڈے رہے ہیں۔ گویا لوگ سے تلاش میں نہیں ہیں۔ ان کو تلاش لینے میں بڑی مہارت تھی بخوروی ہی دیریں انہوں نے بھت سے زمین تک سب کچھ چھان ڈالا ہر مشکوک ملک کی جانچ کر لیا کام رہے۔

بوڑھے تاجر نے جھلکا کر کہا۔ ”دیر کو تو بھی دیکھ لو! اور بھٹ اٹا کر کھینک دیا۔ فرسے فوراً جبے دان دیکھے اور واپس کر دیا۔

اب وہ ہر کسے کی تلاش کرنے لگے۔ ہم لوگ بھی ساتھ ساتھ تھے۔ اور اٹکا بھی اپنی چوٹی لگائے ہوئے ہمارے ساتھ تھی۔

جب آخر کار وہ اپنی ناکام تلاش ختم کر کے جھلسائے ہوئے ٹوٹے ٹوڑے تاجر سے کہا ”جب میں یہاں سے تھا میں ریٹ لکھواؤں گا تب دوسری پولیس کو اس ناجائز اور غیر قانونی تلاش کا فیصلہ دیکھنا پڑے گا۔“ مخاطب اس دھکی پر ہنس پڑا اور ”دیکھا مانیکا“ کہتا ہوا طلسمی پھاٹک کھول کر اپنے ساتھیوں سے جلد گیا۔

بوڑھا جانور خانہ جذبات سے زرد ہو گیا تھا وہ مجھے بھی روز لے لئے کے کہہ رہا گیا۔ خود ہی خراب پی مجھے بھی ملانی اور گھر لے ہوئے ٹوڑے کو کچھ نہ کچھ نغز میں تھی دیکر نصرت کر دیا۔ ”اٹکا! اب تک اپنی موتی گڑا کوا چنے کچھے سے بٹائے ہوئے تھی۔

اُس نے لگا کو قریب ہلا کر پھاڑ دیا۔ پیاری جوتھ لے اپنا سبق خوب یاد رکھا۔ تم نے ہم کو بھی بچا لیا۔ ان کو بھی بچا لیا۔

اُس نے کہا ”آپ نے جو تکھا تھا میں نے وہی کیا“ اور اپنی گویا اپنے کوئے کر دی۔

باپ نے گولہ لیکے کر کے کو دامن بھونکنا دیا اور قتلہ راش کی ٹوکھ کی گئی بھلا ڈالیں آخر فرج میں سے زور دنگ کا ایک قوتیڈ نکلا۔ نہایت میں کھینچ پوری ایک دستاویز بھی جی رہی تھی جو شیارہ ای اور چالائی کھینچی تھی کہ کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔

بوڑھے تاجر نے میری طرف مخاطب ہو کر نہایت نرمی سے کہا ”آج پتیرے خانہ دانی مارے واقف ہو گئے ہیں۔ اور اور آپ کو میری شکست کا بھی انداز ہو گیا ہو گا۔ میری غریب بوی ناخن قیدی بنا کر دینا کے سب سے فرطیڈ خانے میں بند کر دی گئی ہے۔ یہاں پہلے ایک احسان فرمایاں گے کہ آپ سے نہیں ہیں اس لہذا آپ پر کسی کو کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ آپ اس مسئلہ کو ثابت کیے

اُس نے جان چوڑھ کر مجھے نہ بڑھایا تھا۔ اس کو کس طرح خبر ہو گئی تھی کہ میں خفیہ پولیس لندن سے تعلق رکھتا ہوں۔

میں نے جلد جان لیا کہ کوئی غلط میرے بھوں سے نہیں نکل سکا۔ میری زبان سے حرکت کرنے سے صاف انکار کیا۔ میں نے پھر کوشش کی کہ اُنھ کو لاپرواہ اور موت کی اس سڑی سے جو کلکی کی طرح میرے جسم پر چلتی جا رہی تھی مردانہ وار مقابلہ کروں۔ مگر سب بیکار تھا۔ میں بالکل بے بس ہو چکا تھا۔ ہر حصہ جسم شل ہو چکا تھا۔

آخری بات جو مجھے یاد ہے وہ یہ کہ بوڑھے تاجر کا شیطان چہرہ اور غصہ آنکھیں میرے ذریعے تھیں اُس کے ہونٹوں پر ہے تھے گہری مسامتہ جب شے کلکی تھی۔ جس اس کے بعد ذبح کی تکلیف بھی ختم ہو گئی اور موت کی کالی چادر نے مجھے سر سے پاؤں تک لپیٹ لیا۔

مجھے اس کا اندازہ نام کو کسی نہیں ہے کہ میں نہرو ملی خراب کے نقشے میں کب تک آیا ہے۔ ہوش کے عالم میں مجھ پر کاندھ لگ گئی جب میری آنکھیں کھل گئیں۔ اچھی طرح نکل آیا اور میں کسی بھی نعمت چیز پر ہوا تھا جو نہایت غصٹی تھی۔ میرے ایک ڈھال و صحت تھی۔ کھڑکی ہوا دھنکی لگتی ہوئی تھی۔ جس میں سے سرخ انڈول کی طرف ایک بار نظر اُڑا تو میں بی بی کی شکل سے اُٹھاسا واسلے کہ میرے ہاتھ پاؤں ایک بیکار سے ہو رہے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر خاص حیرت ہوئی کہ میرے میسر کی جگہ چکر ایک چوکا تھا اور میرے قریب ہی قسم کا دو سرا چوکا بڑا ہوا تھا۔

حقیقت ایک ہی نگاہ میں معلوم ہو گئی۔ لوگ مجھے مردہ ہوا کر دیا، اُن کی معائنہ کرنے سے اُٹھالائے۔ مجھے معلوم ہوا کہ میرے کپڑے سوکھے ہوئے تھے۔ گورنمنٹی میں بھرے ہوئے تھے اور ان کی تختیوں گہری دے رہی تھیں کہ میرا جسم کچھ دیر پانی کے اندر فروغ ہا ہے۔ میرے بال بھی گہری پٹی سے اُٹھے ہوئے تھے۔ آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ میں اُن ایک سنٹ بھی نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ کھڑکی سے باہر کو دیکھا اور درنگ پر پتھر پڑ چکا کہ میں خیر کے دور و باریق پل کے پاس ہوں۔ اس لئے میں نے سہم لیا اور ٹھیک مجھ پر لیا کہ لوگ مجھے میاں سے مردہ سمجھ کر کھال لائے ہوں گے۔

میرا جب میں چند روز پہلے میری ناچیز ملکیت ایک پٹے سے ہونے تھے میں نور ایک سواری پر بیٹھ کر اسکاٹ لینڈ یا رولینڈ گیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس آدمی سے مجھ کو اس طرح کی خبر دیا تھا وہ فالان کے بیٹے سے ملاوا لگ چکا ہے۔ قتلے میں سر دی اس کا اہوا اور آدھ گھنٹہ تک انتظار میں بیٹھا ہوا کیلنڈر سے معلوم ہوا کہ پھر بھی میں جا لیتا ہوں گھنٹے سے زیادہ گزر گئے۔ دو آدمیوں نے میری دستاں پٹی خوش دھونے کے غرض سے میری ملیت چھین لی تھی

میں عورت نہایت عمدہ لباس پہنے۔ اندھا اُسی اس کے: تو میں دفعتی کا ایک ڈبہ تھا جس پر میں مگر مضبوط کاٹیا ہوا تھا۔

میں ٹھیک کے لئے اُٹھایا تھا کہ اُس نے نازک آنکھوں سے مجھے دیکھ کر اشارہ کیا کہ اس کے گئی۔

میں ہی کتب الیہ ہیں آپ سے مل کر بہت خوش ہوئی۔ مرشد خفیہ اکثر آپ کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ میں سرنام سے آپ کی منتظر تھی۔ علمی معاذ سے آپ خوب سمجھتے ہیں کہ موقع نہایت نازک ہے کوئی جاننے نہ پائے وہ نہ میری گائی کسی آبد خاک میں مل جائے گی۔ یہ ڈبہ ابھی درج صاحب کے پاس ہے کہ اس کو بچانے کے لئے پھانسی کے باوجود دیکھ کر گل ہوئے کہ شام کو میں بھیجے ہیں منتظر ہوں گی۔ کہیں آپ اپنا وعدہ نبھول نہ جائیں۔

میں نے ڈبے لیا کہ وہ دن بڑی حیرت ہوئی۔ اندھ جو کچھ ہی ہر ڈبہ بھاری تھا۔ میں نے خدمت کا سلام کیا اور نو ایک گاڑی میں بیٹھ کر درج صاحب کے پاس پہنچا۔

دو اور پال اور دن میرے منتظر تھے۔ دوڑھا جا رہا تھا اور دوڑا اور دوڑا کو میرے ہاتھ سے لیکر بڑا ٹھکانہ داکر لے لگا میں سمجھا تھا کہ وہ ڈبے کو کھول دینا اور میں اندسے چیز دیکھ کر گائی کا سبب پا جاؤں گا۔ مگر اُس نے نہایت بے وفائی سے ڈبہ کو کھول دیا اور میرے لئے سو ڈبے کی ایک بونل کھولی۔ برائی مانی اور نگاہیں میری طرف ڈھکا ہوا۔

اس کے بعد ہی اُس نے سرگٹ پش کیا۔ ”آپ کو ایک گھنٹہ ادھر بیٹھا ہو گا۔ مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“

میں رگ گیا۔ اور خیال کرنے لگا کہ کم سے کم ڈبہ کا راز تو مجھے معلوم ہی ہو جائیگا۔ مگر اُس نے ڈبہ کو کھولی نہ دیا۔

آدھ گھنٹہ کے بعد بال بھی سوتے چلا گیا۔ اُنکا پھلنے سے سوری تھی ہوڑھا جا رہا تھا۔ چینی سے کتنی بار اُنکا دھوا دھوا کر ملا۔ بیکار مجھے گلاس کا خیال آیا اور میں نے خدمت ہونے سے پہلے اس کو خالی کر دیا۔

جیسے ہی میں نے گلاس دیکھا مجھے معلوم ہونے لگا کہ میں کتنی خرابی مزدور تھی۔ بڑا کلاں کی طرح مل اُٹھا۔ میرے جسم سے خطے نکل گئے اور پھر فوراً ہی سارا بدن رفتی کھل اُٹھا اور گیا۔ جیسا اہلیت میں آئی تو میرا دل خوف سے ڈوب گیا۔

میرا بڑا ڈی ————— مجھے ————— رک رک کر تعین ہے کہ نہر آؤدھی

میں نے اُنھ کی کوشش کی کہ تمام جسم پر فغاں کر دیا تھا۔ میں گر پڑا۔ گھٹس نے دیکھا کہ وہ بڑے تاجر کے چہرے پر خوشی کی شرمی دوڑ گئی۔

کس نے نکالا اور کیسے نکالا بعد کی باتیں ہیں پھر بھی تم پر جو گداری وہ وحشیت سے مت رحمی۔

میں نے گھر کر چھاپہ کیسے؟

بات یہ ہے کہ سیدم صا صاحبے بوڑھے تاجر نے مہمانس کر چھا ہر لینے چاہے تھے انقلاب پسند جماعت کی قیاس۔ تاجر بھی ایک زلمے میں اس جماعت کا ایک رکن تھے۔ پھر باغی ہو گیا تھا۔ لہذا اُس نے بے یلغیر اور بچنے والے اسے بھر کر بھیج دیے تھے اور جیسے ہی بوڑھے تاجر نے گھر کے لاکھ میں دور کر رکھ لی۔ ہم بھٹ گئے۔ اور تاجر جت اپنے کرے کے پرنسے پرنسے ہو گیا۔

”کیا وہ مر گیا؟“

اُس نے مسکاکر تاجی ہاں اور طرہ یہ ہے کہ اُس کی لڑکی چہرہات میں اُس کی معاون بھی بھگت کی چوشتیار تھی۔

میں یہ اُس کی لڑکی کس نکات؟

تئیں ہاں اُس کی لڑکی تھی۔ جسے آپ سبق دیا کرتے تھے مادر جو آپ کی نگاہ میں لڑکا تھا۔ وہ بھی ڈیہ کھلتے وقت وہیں تھی۔ اور بڑی طرح زخمی ہر کر آج صبح ہسپتال میں گرئی۔ ہم نے اُنکا کراہت میں لے لیا ہے۔ اور ایک ڈاکٹر کو کرا کر لیا ہے وہ جلدی میں بھاگ نہیں سکا۔

اس نوکر سے بہت سی باتیں بتائی ہیں۔ علی مدد را زہ کی قلعی ماہر اس نے بلدی رہتی تھی کہ جیسے کے اور لوگ خبردار ہوتے ہر میں جن سے بڑھا تاجر کو سفارشی کی وجہ سے یہ ظاہر کوئی معاملہ نہیں کرتا تھا۔

میں نے اور سیدم مہلین؟

میں خزانہ کے عمل پر گیا تھا۔ مگر وہ لندن سے غائب ہو گیا ہیں بیکر کا انتظام تاجر کی حرکت سے کیا وہ دلچسپ تھا۔ اور گوفان کی نگاہ میں مجسم ہو کر اُس کی ویسکے یورپ کو دوبارہ دست یار اور بھینانک خبر میں سے چھٹکا مال گیا۔

”سچ ہے کتوں کھودنے والا خود ہی کتوں میں گرنا ہے“

دما خوزا زولیم کے کوٹھے ”طالب الہ آبادی“

اور ان لوگوں کی سردری مجھے ادبی تکلیف دے رہی تھی۔ اس کے بعد منٹ کی تماشائی ہوئی اور یکایک دو راوندہ بارہ کھلا اور ایک ایسی بکری داخل ہوئی جسے دیکھ کر بیری اوپر کی سانس اور پائے کی سانس سنے رہ گئی۔

یہ کون تھا۔ بال کا گمراہ دست کو س نہ ذات تھا۔

اُس نے بیری حیرت ناثالی۔ سسکر بیری طرف بڑھا کر کہنے لگا۔ آج اتفاق ہے یہاں ملاقات ہو گئی ہے تو سنا پنا باقاعدہ تعارف کرنا ہوا میرا نام بھرتی گورلٹ ہے میں بھر تحقیقات جوائن کا انسپکٹر ہوں“

آپ! میں نے جھانک کر کہا۔ آپ۔ جاسوس“

”ہاں“ اُس نے سادگی سے جواب دیا اور میں ہاں آپ سے مل کر نہایت خوش ہوا۔ مجھے قوی اندیشہ تھا کہ آپ اب تک محم ہو چکے ہوں گے۔ آپ کو اپنی قسمت پر ناز ہو چاہئے کہ کیسے زبردست شلوں کے جیسے سے بال بال نکات گئے ہیں کیا وجہ ٹھٹھا تھا؟

وہ مسکرایا اور نہایت بے پراہی سے میرے کے ایک گوشہ پر بیٹھ گیا۔ اب اُس نے ایک عجیب و غریب دستار تائی تیبھی امانہ ہو کر میں کسی مصیبت میں گرفتار تھا۔ معلوم ہوا کہ لندن کی پولیس بوڑھے تاجر سے اور اس کے جیسے سے سالما پاس سے واقف تھی۔ جو بھری بن کر توں کو لٹا چکے تھے بڑھانہ جردوسی ہوئی اور جیسے کا سردار تھا۔ لندن میں جواہرات کی اکثر چھیدانہ سی کرتب کا تو شخص۔ گنگناہات توں میں لگا ہو کر فہار کی لئے کئی ہو سکتا۔ میرے دست سے ایک نہیں کا نہیں بدل کر اس خاندان میں اپنی سا کہ بٹھائی تھی۔ پھر بھی چھانک کی قلعی کی سلسلہ وار تبدیلی سے قطع نظر اس کو اور کوئی مان معلوم نہیں ہو سکتا۔ آخر میں اُس نے مسکاکر کہا۔ ”معلوم ہوا ہے کہ بوڑھے تاجر نے آپ کو ایک لٹا فہرنگا ہوا دیا تھا۔ ذرا دیکھیں دیکھیں تو اس میں کیا ہے؟“ میں نے اپنی جیب ٹوٹی۔ لٹا فہرنگا بھونٹا تھا میں نے چا کوئی نوکر سے سیون کھول کر لٹا فہرنگا اور میری نوکر کو مستاد ویرا دیکر دے کر آپ خود ہماری حیرت کا اندازہ کر سکتے ہیں اس لئے کہ جب کا غنچہ پیالے گئے تو وہ بالکل مادہ تھے۔ ان پر کسی حرف کا نشان بھی نہ تھا۔

”غیب“ جاسوس نے نہیں کر کہا۔ کیا ایسی تیر تھی اُس نے تم کو کھن اختیار قائم کرنے کے لئے کیسا عمدہ دھوکا دیا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ تیر تیر کر لیتا تو تم ہی اُس پر بھروسہ کر دے۔ وہ نہیں چاہتے کہ کام کا ذریعہ بنا کر اپنی تیرتیر بجز پر عمل کرے گا۔ مگر اسون شکار کے انتخاب میں غلطی ہو گئی۔

میں اُس نے جو بڑھ کر دیا تھا اُسے لے کر بڑھانہ تاجر دوسرے دن ایسٹڈم جائے والا تھا۔ لہذا اُس نے چاہا کہ تم کو ہمیشہ کے لئے چھپ کر دے۔ اسی لئے نہرو دینے کے بعد بائیں کے تیر تیر میں ہماری لاش چھینک دی گئی تھیں

”دانت اور انکی بیماری“

دانتوں کی خرابی سے میں • اور سب ہماری اپنی بے توجہی کے باعث ہے چنانچہ ان حالات میں مریض عام امراض کے ٹیکوں اور ڈاکٹروں کی خدمت متوجہ ہوتا ہے ۔ مگر کسی کی خوش قسمتی سے کوئی نئے طرز کا ڈاکٹر اس کا علاج بہت آسان • تو چند روز کے تیغ تجربے کے بعد مریض کو کسی ماہر ڈینٹل سرجن (امراض دھان کے مخصوص ڈاکٹر) کی خدمت رجوع کرنا مستحسن • دیگر مریض کے ساتھ اپنی انتہائی بے حدودی کا ثبوت دیتا ہے • اور اگر کسی قسمی سے ابتدا ہی میں کسی پرانے طرز کے طبیب کے قبضہ میں آجاتا ہے • تو وہ اس کو ”دانت دراز“ تک دفن کرتا ہے • یہاں تک کہ مرض روز بروز ترقی پذیر ہونے کو بے لپے آخری درجہ میں پہنچ کر یوں ایک صورت اختیار کر لیتا ہے • اور مریض طبع طرح کے امراض کا شکار بن جاتا ہے •

علاوہ ازیں دانتوں کو میلا رکھنے سے دانتوں کو کھرا لگ جاتا ہے • اور یہی حالت ہوتی ہے • جو بڑھاپے کے ٹھن گ جانے سے • شروع میں اس موذی مرض سے دانتوں میں کوئی خاص تکلیف نہیں معلوم ہوتی • بالذات دانتوں پر مسوڑھوں کے قریب کسی کسی جگہ سیاہ دھبے سے پڑ جاتے ہیں • لیکن رفتہ رفتہ جب یہ بیماری دانتوں کی بڑھاپے کی طرف توجہ سے دیکھی جاتی ہے • اور مریض کا لکھنا چنا سنا تک حرام ہو جاتا ہے • سو اگر اس کا باقاعدہ علاج نہ کیا جائے • تو سب دانت ایک ایک کر کے خراب ہو جاتے ہیں • جبور ہو کر ٹکڑا ٹکڑا ہو جاتے ہیں • لیکن اگر ابتدا تو بڑی سی احتیاط کی جائے • تو عام امراض سے دانت محفوظ رہو جاتے ہیں • دانتوں کو صرف صاف رکھنے کی ضرورت ہے • اور یہ نہایت آسان کام ہے • اس کیلئے آپ کو ایک دانتوں کے برکش اور کسی اچھے سے دانتوں کے مسوڑھ کی ضرورت ہے • جس سے آپ صاف دانتوں کے بیرونی اور اندرونی حصہ کو برش اور مسوڑھ سے صاف کر لیتا ہے • اور یہی طرح اس کو سونے سے پینے دانتوں کی صفائی لازمی خیال کرنا چاہئے • کیونکہ دانتوں پر ٹکڑیوں کا افزائش ترات کو سمجھتا ہے • سال میں کم از کم دو ایک مرتبہ ضرور کسی ڈینٹل سرجن کو دانت دکھانے چاہئیں • اور اگر کوئی شکایت ہو تو اس کا مناسب علاج کرانا چاہئے • اگر دانت زیادہ بیلے ہوں تو پہلے کسی ڈینٹل سے صاف کرانے • مہریش اور مسوڑھ کا استعمال کرنا چاہئے • کیونکہ زیادہ بیلے ہو جینے صورت میں بغیر صاف کرانے پر دانتوں کا استعمال نہیں ہو سکتا •

نوٹ • دانتوں کو بھوس کرنے وقت برش کاغذ اہرے نیچے اور نیچے سے اوپر کو ہونا چاہئے

قدرت نے جتنے اعضاء انسان کے جسم میں بنائے ہیں • ان میں سب سے زیادہ ضروری دانت ہیں • بچپن کے ختم ہونے پر ان کی ضرورت ہوتی ہے • اور مرتے دم تک خواہ سو سال کی عمر ہو • تمام اعضاء کی نسبت دانتوں کی درستی مقدم خیال کی جاتی ہے • جو کہ کسی جسم میں اگر ان میں کچھ خرابی پیدا ہو جائے • تو جسم انسان کی ساری مشین خراب اور رفتہ رفتہ بیکار ہو جاتی ہے • اس لئے لازم ہے کہ دیگر اعضاء کی نسبت دانتوں کی حفاظت کا زیادہ خیال رکھا جائے • کھانے پینے میں دانتوں کے متعلق جب کچھ شکایت پیدا ہو • تو اس کو جلد ہی دیکھتے ہوئے فوراً دانتوں کے مخصوص ڈاکٹر (ڈینٹل سرجن) سے مشورہ کر کے علاج کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے • کچھ دن ہوئے • لندن میں پرنس آف ویلز نے ڈینٹل سرجن کے ایک بڑے ہسپتال کا بنیادی پتھر رکھتے ہوئے انٹائے تقریر میں ایک کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر آپ اپنی نسلوں کو تندرست رکھنا اور اپنی قوم کو مضبوط بنانا چاہتے ہیں • تو دانتوں کی نگرانی کی طرف توجہ کریں • صرف دانتوں کی بیماریاں ہی نہیں ہیں • بلکہ موجودہ دور ترقی میں جبکہ طبی تحقیقات کمال کے ست سے مسائل طے کر چکے ہیں • یہ ثابت ہو چکا ہے • کہ جسم انسانی کے متعدد امراض صرف دانتوں کے ذریعہ پیدا ہوتے ہیں • جو انسان کی عقلیت کا نتیجہ ہیں • مثلاً دانتوں کو باقاعدہ صاف نہ رکھنے سے میل کم کر رفتہ رفتہ کیریسی کی صورت اختیار کر لیتا ہے • جسکی وجہ سے مسوڑھوں پر درم آجاتا ہے • اور پیپ پڑ جاتی ہے • جسے انگریزی میں اس کی پڑیا کہتے ہیں • جب یہ خطرناک بیماری شروع ہو جاتی ہے • تو ابتدا میں اس کی پرواہ نہیں کی جاتی • پیپ اور بڑھاپہ مسوڑھوں سے نکل کر آہستہ آہستہ معدہ میں داخل ہوتا رہتا ہے • جن کا اثر معلوم نہیں ہوتا • مگر قوت باطن کو خراب کرتا رہتا ہے • اور اسکی وجہ سے شدید تکلیف خفیت دائمی بخا • جو زوں کے درد • بڑھاپے وغیرہ امراض کی درد انگیز صورت میں بدعنوان ہو جاتے ہیں • ہر وقت منہ سے بدبو آتی رہتی ہے • بعض مرتبہ گلے کاٹھن اور جسم کے بعض دیگر اعضاء میں درد شروع ہو جاتا ہے • مسوڑھے اسفنج یا خمیری لگنے کی طرح جھولے ہوئے رہتے ہیں • دنا سادہ بانے سے خون نکل آتا ہے • اور دانت ہلے شروع ہو جاتے ہیں • جو جسم کے عزیز ترین حصہ ہونیکے باوجود بیکار سمجھ کر قبل از وقت نکلوا دیتے پڑتے ہیں • جنہوستان کے قسمت لوگ جرابی صحت کو ایک مختصر دور کے برابر بھی نہیں سمجھتے • ان تمام تعالیف کے اسباب پر غور نہیں کرتے • اور انہیں یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ تعالیف

کی خوبصورتی کیلئے یہ غذا دستور کو ٹھیک کرانی چاہیے۔ دانت گھوٹا ہے۔ جلد خراب
ہیوں ایک یونانی حکیم کو تمام مرضوں کا باہر بھجوا جائے۔ چہرہ ہلکے قابل خرابی میں
بھی حکیموں سے مشورہ کیا جاتا ہے۔

اسی طرح دانتوں کے مرض کا علاج عام حکیموں یا ڈاکٹروں سے کرایا جائے یا
حالا کہ یہ ایسا فطریہ ہے۔ جیسے ایک بیل۔ دو ایسے کسی وکیل کے پاس جائے اور
شفا کی امید رکھے۔ ولایت میں ہر مرض کا ڈاکٹر عہدہ ہوتا ہے۔ جو اپنے خاص فن
میں مہارت کا کلی رکھتا ہے۔ اور عام طور پر مریض اپنی اپنی شکایتیں مخصوص ماہرین
کے سامنے ہی بھیجتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں کوئی بیماری زیادہ دن
نکال بھجائے نہیں کبھی۔ بیماری کا علم ہوا۔ اور اس بیماری کے ماہر ڈاکٹر نے اسکی
ملک تمام کر دی۔

ڈاکٹر احمد جلال الدین ڈینٹل سرجن لاہور

ناک پر کلھ ملانی ہو سکے اور برش میں کوہ اہل تباہی مفید اور ایک حد تک خدہی
خیل کرنا چاہئے۔

جس نمید ہے کہ مندرجہ بالا روایات پر ایک سو فیصد سے عمل کرنا بھی
بہتر دستانہ اس اس روز بروز کرتی ہوئی صحت کو سنبھالنے کیلئے جید مفید
ثابت ہوگا۔

ولایت کے اسپتالوں میں میں نے باغیر یا (گوشت خورہ) کے مریض
بہت کم دیکھے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ باغیر کے ساتھ سونے سے پہلے اور
سونے کے بعد دانتوں کو برش سے صاف کر لیتے تھے۔ پھر دوسرے یا
مچھے جینے دانتوں کے ڈاکٹر سے اپنے دانتوں کا سامنا کرانے میں۔ ولایت
میں کئی ایسے مریض دیکھے جاتے ہیں جن کے دانت کرم خوردہ ہوتے ہیں۔ یا
ان قسم کے لوگ جن کے دانت آگے پیچھے یا باہر نکلے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دانتوں

برسات

جائے سے باہر باغوں میں مالی
مان کے گھر پھولوں کی ڈالی

برسات آئی برسات آئی

شب رنگ بادل مینہ کے ہراؤں

تپتی زمینیں پانی سے جل قفل

فرشیں زرد سبزے کی مغل

برسات سے ہے جھل میں منگل

برسات آئی برسات آئی

دکھن سماں ہے دل شادماں ہے

خوشیوں کا برس دریا رواں ہے

دل شاد داکر پیر و جاں ہے

برسات کی موت جان جہاں ہے

برسات آئی برسات آئی

(ناجوقہ)

برسات آئی برسات آئی
مینہ سے سیماں رنگ گھستاں

پھولوں کی برکھا دونوں میں یکساں

کوئی کی کوئی کوئی باغوں میں قصاں

مجلوں کی جنگ بگ بن میں چراغاں

برسات آئی برسات آئی

زیتے تھانی غیسرے زانی

بارش کی چھ مہم آکاش بانی

سر سبز کھیتی کھیتوں کی رانی

جس سمت دیکھو پانی ہی پانی

برسات آئی برسات آئی

لائے کی لالی بن میں دوالی

کالی گھٹائیں گھنگور کالی

دنیلے ادب صبح — راوی کے کناے

یہ صبح کا وقت اور یہ راوی کا کنارہ
و جدا در و صد کیف بد امان ہی نظارا

فطرت نے ہے کس ذوق سے دریا کو سنوارا

بکھرا ہوا ہے چار طرف حسن فراواں!
میدان میں سارے راوی کے کناے!
بکھرے ہوئے موتی ہیں کس نہرِ حبیب کے
کھوٹے ہوئے منظر ہیں کسی خوابِ حسین کے

نکٹے ہیں مگر کیف گہ حسیلِ دیریں کے

یارِ ندیں بہنِ خاؤں فلک میں لرزاں!
یہ ڈوبتے تارے! راوی کے کناے!
راوی کے کناے کی یہ خاموش قصائیں!
بیناب کناں بجز درآغوشِ قصائیں!

رنگینی فطرت سے دنیا پوشِ قصائیں!

یہ صبح طرب ریز، لب رودِ حسراں
یہ مست نظارے! راوی کے کناے!
فردوس کی موسیقی سے لرز رہے دریا
یا خلد کے نعوں سے جنم لینے دیا

یا درقص سے حوروں کے طرب یز رہے دریا

حوریں اج ہیں آغوش میں راوی کے خلائان
دیکھش ہیں نظارے! راوی کے کناے!
لیکن بے غم آلود یہ موسیقی رنگین
نفلت میں راوی کے کناے! غم آگین

موجوں کے تبسم میں ہے اک گر یہ خونین!

اد "عندِ گردشہ" کی طوفانِ لہروں کا سہجان
کرتا ہے اشائے! راوی کے کناے!
رنگتے مئے پارینے سے شادابِ ہر لہری
اُس "عشرتِ برباد" کا کاک خوابِ ہر لہری

اُن "معطلوں" کی یاد میں بے تابِ راوی

ہاں! یادِ جاں نگیں میں راوی بھی ہے گرین
لرزاں ہیں ستارے! راوی کے کناے!

پرستید خیال

میری آنکھوں میں نہاں اک پیکرِ تنویر ہے میرے دل میں جگر اک حسن کی تصویر ہے
میرے خوابِ شعر کی اک دل نشیں تعمیر ہے

رات دن میری فضا بے یوح میں بہتی ہے وہ دل کی ہم آغوشیوں کی آفتابیں سہتی ہے وہ
اور مجھ سے دہائیں عشق کی کہتی ہے وہ

میری نیندوں کی فضاؤں میں یہی ہے جلوہ گرا میری راتوں کی دعاؤں میں یہی ہے جلوہ گرا
میرے شعروں کی اداؤں میں یہی ہے جلوہ گرا

میرے اشکِ شبیں میں یہ اُسی کا نور ہے! میری وارفتہ نگاہوں میں یہی مستور ہے!
اُس کے جلووں سے مری دنیا کے دل معمور ہے!

جب کبھی راتوں کو مل جاتی ہے تنہائی مجھے پاس لیجاتا ہے ذوقِ سجد فرسائی مجھے!
اور تصویر میں وہ کر جاتی ہے سودائی مجھے!

اُس کی اُلفت کی خلش سینے میں جب پاتا ہوں مجھ کو کپڑے دلفنِ عشق کے گانا ہوں میں!
سازِ حسرت کے فضا میں سوز برساتا ہوں میں

جی میں آتی ہے کہ اُس کی یاد میں کھوجاؤں میں اس تصویر میں ہمیشہ کے لئے سو جاؤں میں!
یعنی مٹ کر اُس کے جلووں میں فنا ہو جاؤں میں!

ہندی پھولوں کے ساتھ بیکریاں

طرح اُن پر فوٹ پرٹے ہیں اونٹا ناٹا اُن کی آرزو میں سیٹھ فیتھیں۔
اور دیکھنے والے انوس کو تہہ جھلے ہیں۔

مغض یہ لوگ ایسے برہم ہوتے ہیں کہ خوبصورت پھول کی نازک نازک
بنکھڑوں کو چنگیوں سے سل کر، درجہ بیکریاں سے ہی سچی خوشی اور ملی
آرام محسوس کرتے ہیں۔ اُن کی غوغامی، بیدیدی اور دھنسی پن پر کتب
انسوس ملنا پڑتا ہے۔

اُن کا دل اس قدر سخت ہو جاتا ہے کہ ہر نازک اور خوشنما چیز پر اُن
کی نظر پڑے ہی اسے مل ڈالنے کے لئے بوکھلا جاتے ہیں کسی کو بھولا بھولا
اور خوشنما دیکھ کر اُن کا دل دھنسی اور جسد کی آگ میں جلنے لگتا ہے اور اس کا
نام و نشان مٹانے میں یہ اپنی نام تو ترف کر لیتے ہیں۔ اگر خوشحال گھر
نہ ہو تو اپنی لگائی ہوئی آگ میں خود ہی جلتے ہوئے ایک نیا کس جوتے ہیں

دنیا میں رنگ رنگ کے پھول ہر طرح کے پھول وغیرہ پیدا ہوتے ہیں
کوئی پھول تو اتنا خوشبودار اور خوشنما ہوتا ہے کہ اُس پر نظر پڑے ہی بے اختیار
جی چاہتا ہے کہ کچھ دیر اس کو محسوس کر لیں ماسی طرح بعض لوگ یہ بھی سوچتے
ہیں کہ اسے تو ڈاکٹر گیسٹ کیوں نہ بنایا جائے۔ اور میز پر رکھ کر کرے کی جھولی
کے ساتھ ساتھ اس کے رنگ اور خوشبو کا مزہ لیا جائے۔

جس طرح مختلف رنگ، بو کے پھول پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح آدمیوں
کی طبیعتیں بھی مٹا مٹا ہوتی ہیں۔ بعض لوگ اپنی دھبی کیلئے بے چارے
پھولوں کی ساری حسرتوں کا خون کر دیتے ہیں۔ باغ میں جیل کا چمکنا
نکڑکیاں بے حسرتی کے چمک اٹھتی ہیں۔ پھول خوشی سے جھوٹے نہیں
ساتے اور اپنی جند و نون کی زندگی پر ناز کرتے ہوئے جیسے ہی ہمارے موسم
کا خوشنما سال دیکھنے کیلئے سر اٹھاتے ہیں کہ بیدار مالی ناگما کی ملا کی

گورکھی

ذات پرت ہندو

اُسے چاہئے کہ وہ ہندو برادری کا حق ادا کرے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ
ذات پات کے بغیر ہندو سوسائٹی کی عمارت گر پڑے گی۔ مجھے اس بات سے
اتفاق نہیں ہے۔ اگر دوسرے مذہب ذات پات کے بغیر زندہ رہ سکتے
ہیں تو پھر ہندو زندہ کیوں نہ رہیں گے؟

(جھلواؤ ایمرٹس) ترجمہ ایم معراج الدین

بنگالی جوگی

ہم ایک کشتی میں بیٹھے بیٹھے اور گاتے ہوئے وہاں سے گذرے۔ سوچ
نکلا اور پانی کے کناروں سے ہمیں ہفت گنگا ہوں سے دیکھے لگا۔ جوش کے
ساتھ ہم وہاں سے گذرے اور اس کے جادوں طوف کھڑے گئے۔

ایک ننھے دونا کی طرح میں لڑکے نے اپنی آنکھیں کھول کر دھاری
حرکتوں کو دیکھا۔ وہ حیران ہوا گیا۔ یہاں تک کہ اُس کی آنکھیں بند ہو گئیں

اے نیم شاہ میں ان عورتوں میں سے ہوں جن کو تو نے جھکلی میں
اس لئے بھیجا تھا کہ جان جوگی کو گنگا نہ بنائیں۔

جب نوجوان جوگی دریا پر ہشتان کرنے جا رہا تھا۔ تو پوچھ پٹہ ہی مٹی میں
کے لیے بال اس کے شانوں پر صبح کی گہری گھاٹی کی طرح کھڑے ہوئے
تھے۔ اور اُس کا جسم سوچ کی کڑوں کی طرح جک رہا تھا۔

پردہ ڈال رکھا ہے۔ مگر اُس لڑکے کی معصیت نے کُھر کے دھندلکے کو
جیر کر آسمان کی عورت کو دیکھ لیا۔

آہ! اُس نے آواز سے سیری روحانی قوتیں اُس پہلی پوجا کے تیز
نور سے بیدار ہو گئیں۔ سورج کی کرن ایک بہن کی محبت کے ساتھ
بادلوں سے چھو گئی اور ہوائے آہستہ کی سیری پیشانی کی کوچہ پا۔

عورتوں سے تالیاں بجائیں اور بُرے اذنان سے ہنسیں، پھر کہنوں
نے اُس پر پھولوں کی بارش کی، اس حال میں کہ اُن کی نقابیں زمین
پر پڑی تھیں اور اُن کے بال بکھرے ہوئے تھے۔

آہ! اسے میرے بے واغ سوچ کا میری شرم کرن کر تھمے اپنے من
میں نہیں چھپا سکتی؟ — میں نے اُس کے قدموں پر گڑ کر کہا: ”مجھے
معاف کر دے!“ ایک ایس زخمی بہن کی طع اندھیرے اور روشنی میں
گدگدائی ہوئی تھی جیسا کہ وہ کہتی رہی۔ مجھے معاف کر دے! عورتوں کے
بچائے میرے پاس سے گھڑتی ہوئی آگ کے شعلوں کی طرح گندے
مگر اُس کی آواز میرے کانوں میں گونجتی رہی۔ تو کون سا نامعلوم ہوتا
ہے؟“

دستِ زندہ ناتھ (تختی دہلوی)

ماند چکے تھیں۔ اُس نے اپنے چوڑے جوتے ماٹھ آسمان کی طرف اُٹھائے۔
اور قمری کی سی دلکش آواز میں توفیق کا گیت گایا۔ خٹک کا پتہ تاس کی آواز
سے لرز گیا۔ کیونکہ جسک ستم کے الفاظ دنیا کی کسی عورت کی تعریف میں
نہیں پیش کئے گئے۔ وہ ایک ایسا گیت تھا۔ جو دورانِ بہاؤ یوں سے نمودار
ہونے والی مسیح کی پمیدی کے لئے گایا گیا۔

عورتوں سے چاہتے تھے انھوں سے ڈھانک سنے۔ اور اُن کے جسم
ہنسی سے بہنے لگے۔ نوجوان جڑی کے چہرہ پر شہد کی دھبے چندیل پڑ گئے
میں جلدی سے اُس کے پاس آئی۔ بے رادل دھند تھا۔ میں نے اُس کے
پاؤں پر اچھا سر رکھ دیا۔ میرے مالک ابیری خدمتیں قبول کرنا۔

میں اُسے چھوئے پھلکان۔ رے بھلائی، اور اُس جسم کو میں نے اپنے
ریاضی رو پھٹے کے بچل سے صاف کیا۔ میں نے زمین پر دونوں گھٹنے ٹیک
دیے اور اُس کے پیروں کو اپنے بالوں سے خشک کیا۔ اور
جب اُس نے مجھ سے کہا: ”تو کون سا نامعلوم دیوتا ہے؟ تیرا اس کسی غیر
فانی جسم کا اس معلوم ہوتا ہے۔ تیری آنکھیں اُدھی رات کے بھید سے
معمور ہیں۔“

اے بادشاہ کے چوڑے صاحبِ دنیا کی عقل کی ریگ سے تیری کچھ

سنکرت

شکنتلا نامک کے چار شکلوں

سنہاسی ہوں محبت کی وجہ سے اتنی گھبراہٹ ہے ڈگر مٹی لوگوں
کی بچپنی کا کیا حال ہوتا ہوگا جیب اُن کی لٹکیاں اُن سے پہلی بار بکھرا ہوتی
ہیں (خو فرمایئے) اس میں سنکرت قدتی خدیجہ ہے جو ہر انسان اُسی حالت
میں محسوس کرتا ہے اور جو کسی خاص ملک قوم یا زبان نامک محدود نہیں)
(۱) شکنتلا نے پوتن میں پردہ پائی۔ اس نے منور ہے وہاں کے
دھتوں اور جادوؤں سے اس کی ایسی ہی محبت جو میری کہہ دے کہوں سے
چنانچہ جب وہ شخصت ہوتی ہے تو اس کا دھرم پادروں سے کہتا ہے۔

اے! خود! وہ شکنتلا ہے جو تیں پائی دینے سے پہلے خود ہی پائی نہ
پتی تھی۔ مجھے اگرچہ زبردستوں یا بھولوں کے سے ہونے کیونکہ وہ پوتن میں
رہتی تھی، پیار سے تھے لیکن اس عبت کے تھامے نے پتے نہ توڑی تھی۔
جب تھامے نے بھول تھلے تھے تب تو اس کے لئے ڈاٹھا ہوا قہہ ہوتا تھا۔
دی شکنتلا نے اپنے شوہر کے گھر جاتی ہے۔ تمب اسے اوداع ہو کر گدھا

سنکرت، بات میں ڈرا سے کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ
جس نے زمانے سے سنکرت کے شروع دے لکھتے رہے۔ اور صدیوں
کی محنت سے اسے اس کال پر پہنچایا کہ شکنتلا نامک نصف کالی داس
لپا پچی صدی بھی، اس وقت دنیا کے اسٹا ناگلوں میں شمار کیا جاتا ہے
سنکرت کے کتہ میں، نہایت شکنتلا کے چوتھے ایکٹ کو سب سے
اچھا خیال کرتے ہیں جس میں شکنتلا اپنے دھرم پتن کوڑھلی کے کہاں
سے اپنے منور ہر جہرہ شخصیت کے کہاں شخصت ہوئی ہے۔ اس ایکٹ
میں بھی چار سلوک مابینا علی ملنے جاتے ہیں جو آگے لکھے جاتے ہیں۔

(۱) جس روز شکنتلا شخصت ہو رہی تھی اُس روز اس کا دھرم پتا
کہتا ہے: ”جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ کج شکنتلا پہلی جائیگی تو بے رادل اُسٹ
آتا ہے۔ محبت کے انشور وکنے سے گلا گھٹا جاتا ہے اور اُنکھوں
ساتھ اندھیرا سا چھا جاتا ہے۔ اور کھوکھو جی جو خجل میں رہنے والا ایک
لہ لہکتا کی پیدائش کے بعد اس کی پردہ کش کردہ شے کی تھی۔ اس نے اس کو خشک کا دھرم پتا پائی دھرم کا پتہ کئے ہیں۔

نالا نام نہیں۔

(م) اسی طرح شنگلا کا دھرم پتا سے بھی تعبیر کرتا ہے۔

”میں جی تو اپنے سسر اور ماس کی خدمت کرتا۔ اور اپنی سوتلوں کے ساتھ بہنوں کی کی محبت رکھتا۔ اگر تیرا خداوند مجھے کسی قسم کا بیچ بیچے تو غصہ میں آکر تو مٹ کے خلاف کوئی کام نہ کرتا۔ اپنے نوکر چاکروں کے ساتھ ہر پانی سے پریش آنا اور عروج میں آکر کسی طور نہ کرنا۔ یہی باتیں ہیں جن سے اچھے گھر لڑنے کی لوکیاں اپنی سسرال میں عزت پاتی ہیں۔ اور جو اس کے خلاف جیتی ہیں وہ دونوں خداؤں کیلئے گنہگار ہو جاتی ہیں۔ (دنا سیدل اسم لے)

گجراتی غلطی

میں نے بھول دین میں رکھ لئے اور اُسے دیکھ دے کر باہر نکال دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں محل کے اندر حماراج کے پاس پہنچا اور میری حیرت کا لہجہ نہ تھا۔ کہ وہ اجنبی گلچین خود ہمارا جتھے میں خوف سے کانپ رہا تھا۔ مگر حماراج میری ”بہنی“ اور ان بھولوں کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

یہ کام کچھ نہیں اور اپنے آپ میں فرق دکھائی دیا۔ میں غلطی دیکھ کر کرا گئے بھوکا ہو جاتا ہوں مگر وہ صرف مسکرا دیتے ہیں۔

کشمیری گیت

تیری ملاقات کو ماں اُسے میرے غلہ راعوف تیری حان کئے
جس دیاؤں کے سحر کرتے ہوئے پانوں سے تیری گھوڑی بھی۔ جو اپنے ہاتھوں
کی گود سے کل کر گھٹاپوں اور خستوں سے پٹنے ہوئے سید انوں میں جا کر اپنی
سہتی کو شاد دیتے ہیں۔ گزرتا شان اور سناب بھی نہ ملار
تیری تلاش سے میرے پیادے صرف تیری تلاش سے
میں باؤں ہو کر اپنی ٹوٹی ہوئی مچھری میں اگلی اور اپنا غم غلط کرنے کا
فدا کی باؤں اور نندوں کی خدمت میں اندک میرے لے جی۔
مجھے پایا باؤں سے میرے غلہ ب میں۔ مجھے پایا باؤں
میرے دل سے دکان میں۔ یہ عید کھو یا کہ تو اس میں موجود ہے جس کو چاندوں
اور جنگوں کی تنہائی نہ تھلائی جس کی خبر دے دیا کہ باؤں نے لئے

میں پریم کی زندگی کا نمونہ ہے)

شنگلا کا دھرم پتا اس کے شوہر یعنی اپنے داماد ماجہ شمشیت کے

نام بنیاد دیتا ہے۔

اے ماجہ! اس بات کو ابھی طرح مد نظر رکھ کر کہ ہم تیشی ہیں جن کی دولت صرف تیشی ہی ہے۔ یہ آپ بہت ہی اعلیٰ خاندان میں پیدا ہوئے ہیں اور شنگلا کی محبت آپ میں نیمڑ سیکے کی پشتہ دے دے کہ ہوتی ہے۔ ان باتوں کا خیال کیسے آپ شنگلا کو اپنے حرم کی دوسری مانیوں کی طرح دیکھنا۔ اس کے علاوہ اور جو کچھ ہے وہ سب قسمت پر منحصر ہے اور بیٹی والوں کو اپنی زبان پر

صبح کا وقت تھا میں باغ میں بیٹھا وہاں ایک آدمی بھول توڑ رہا تھا۔ پری آنکھوں کو کھینچنے سے شیشہ بن گیا۔ جس نے آگے بڑھ کر اس کی گردن پر ہاتھ رکھا اور کانٹیتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”تو کون ہے؟ جو اس باغ میں آنے کی جرأت کر سکا۔“

وہ بھوک کی طرح کھڑا ہو گیا۔ اور ہوا میں بٹے ہوئے کیلے کے پتے کی مانند سر سے پاؤں تک لرز کر پولا۔ مجھے غلطی ہو گئی۔ اب دوبارہ یہ خطا نہ ہوگی یہ کلمہ اس نے اپنی محنت سے میرے کئے ہرے بھول میرے قدموں پر گھدیے۔ اور اُس کی نگاہوں نے مجھے معافی مانگی۔

تیری تلاش میں میرے حور بھرتی تلاش میں
میں پادوں میں غلو کرین کاتی پھری۔ ان پادوں میں جن کی شنگ
چوٹیاں سفید برف سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ ان میں پادوں کی واہوں میں
جہاں ہری ہری گھاس۔ خوشنما بھولوں والی سرسبزھاٹیاں ہر آنے
دلے کے دل کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہیں۔ میں سمجھتی تھی کہ تم بھی انیس داؤوں
میں کہیں تیری طرح سرگرداں ہو گئے۔ مگر تم نہ گئے۔

تیری جستجو میں میرے دوست صرف تیری جستجو میں
میں گمان جنگوں مدی ماری بھری ان جنگوں میں جہاں بڑے بڑے کشی
مٹی تیری تلاش میں حور ہے۔ اور دھند باؤں تک پہنچنے رہے۔
گرنے نہ دھننا نہ ملا۔

فارسى لمت کے چوکاں سے

ایسا آری بہت کم شہہ مورتا ہے (یعنی لامت کی پرواہ نہیں کرنا) جو راہ خدا میں گیند کی طرح سرسے پاؤں تک قدم بن جائے تسلیم اور رضا کے میدان میں بادشاہ (دھما) کے گھوڑے کے سم کو وہ ٹھکس دیکھ سکتا ہے۔ جو اپنی پیشانی کو کبل اور فعل کی طرح بنائے۔ یعنی پیشانی پر سجدہ بریزی سے عطا فال ملے اور کوئی غلطی نہ ہو۔ غافل غائب کی طرح کبھی کبھی اس خیال کو چھوڑ جب تو محمد خدا ہو گیا تو پھر سب سے ذات خود حقائق و معارف کا تجلہ بن جائیگی۔ ایسے کبریا گاہ انسان کے راست میں برے اٹل ادگر، گناہ پتھر ہیں۔ ایسے پتھر ذلت اور شہیانی کے سیلابی سے اپنی جگہ سے اٹھ سکتے ہیں۔

ایسا علم کھانا چاہے جس کے انجام میں سستی اور خوشیاں حاصل ہوں۔
حقوں کی طرح ایسی خوشی کے پیچھے نہ رہا کہ انجام رنج و ملال ہو۔
نیچے دل میں محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے تو دوستوں پر اپنا مال نہیں خرچ کرنا۔

اپنے پیٹ کو نرس کی طرح خالی کرنا کہ تو بہت قوی سونا ہو جائے۔

ترجمہ

ضیاء و درانی

(قصائد سعدی)

عربی

عرب کے غیر متدثر شاعر کے خیالات

ہم ایسے ایسے بلند پاؤں پر قائل ہیں جن کی طرف نظر اٹھا کر بھیجیں تو نکلیں تمک کر واپس آجائیں۔

ان رفیع اور پر اس پہاڑوں میں صرف وہی لوگ قیام کر سکتے ہیں جن کو ہم پناہ دیں۔

ہم اس قوم کے ہمدرد ہیں جو خوفناک جنگ میں گھس جائیں اور باوری سے جان دینے کو اپنی بے غنی نہیں سمجھتے جس طرح دوسری قومیں۔

موت کو اتنا پیارا سمجھنا ہی تو زندگی کے آخری لمحوں کو ہم سے قریب کر دیتا ہے۔

ہمارے مخالفوں کا موت سے نفرت کرنا اور اس کے ڈر سے لڑائی کے میدان سے ہٹنا مورتا انسان کی زیادتی اور کثرت کا باعث ہے ایک تو ہمارا کوئی سردار بہتر پر پکارا نہ ملے کی موت نہیں مرنے۔

جب کوئی سالک ماہ خدا میں ثابت قدم اور مستقل ہو جاتا ہے تو پھر اللہ کے سوا دوسری چیزوں کا وجود اس کی نظر میں معدوم ہو جاتا ہے۔ میں اس اللہ ہی اللہ کو کھائی دیتا ہے۔

وہ قلم کی طرح ہر وقت کرنا ہر آواز اور سر جھٹکے رہتا ہے۔ جو باسحق آتی ہے سر کے بل قلم کی طرح جھک جاتا ہے۔

اس پر نظر نہ کر کسی ظالم ہمارے اقدے کسی شریف اور کم آزار پر مسلم ہو رہا ہے۔

بلکہ یہ دیکھ کر کہ ایک ظالم بھی شہید ظلم و ستم کے گھاٹ اُتے گا۔ اور اپنے کئے کی سزا پائے گا۔ اسی گرداب بے پایاں دنیا میں شکم کا بوجھ دل پر نہ رکھو۔ کیونکہ جہاں خوفناک کے دن و نسل ہو جائے۔ وہی ڈوب جائے گا۔ اس لئے دنیا میں سبکدوش رہو۔ ہلکا پھلکا نہ بننا ہے۔

اسے دیر ایک عرصہ تک سہمی و گدگد کی تکلیف اٹھاتا رہے کیونکہ لوگ ابھی سہمی میرے ایک دن جاں ہم اور آئندہ ہمیشہ ناپسندیدہ ہے۔ کوشش سے تمام کمزوریوں اور دل کے خباہتوں کو دور جو جاتے ہیں۔

جب کسی نے اپنی اہر کو کچھ جی اور لالچ سے ملا نہ کیا ہو اس وقت تک

جیسا جیسا پسین لے کر نہ معلوم ہو گا۔ انسان اس وقت تک نیک اور تعریف کے قابل نہیں ہوتا جب تک وہ طبیعت پر چڑ کر کے بڑی عاقبت سے ڈرے میری پوری سیرت خدا ان پر یہ عیب لگا کر ہے کہ تیرے خدا ان کا جتنا قہر متھو لہے۔ میں نے جو دیکھا کہ ہاں ہاں۔ یہ کوئی عیب کی بات نہیں۔ بلکہ شریف اور سادہ لوگ تو عورتوں سے ہی جوتے ہیں۔

اُن لوگوں کو بھی عورتوں کا بھجنا چاہئے جن کے ہم جیسے باور و فوجان غوریز و فانیوں کی آگ سے نکل کر عورتوں سے رہ جائیں۔

ہمارے خدا ان میں مردوں کی کی ایسی حالت میں کیا باعث شرم ہو سکتی ہے جب ہمارے ہر ایک ہماری عورتیں باعزت ماننے جاتے ہیں تو میں مردوں کو یہ کثرت کس کا کی جب وہ خود بھی ذلیل اور پوچھا

بھی۔

رات کو کونے والے صحن کے لئے ہماری آگ اور ہمارے چولے
کبھی ٹھنڈے نہیں کئے جاتے۔ آجک ہمارے صحن نے پٹیلے پیچھے ہماری
بڑائی اور بد مصطفیٰ کا اظہار نہیں کیا۔

ہماری آن جو ہوار غلامی تلواروں نے ہماری شہر تار و ہار کیا
کا نقارہ مشرق اور مغرب میں بجایا۔ باجن پد فنی کی زہروں کی مار سے
دندانے پڑ گئے ہیں۔

ہماری قوم کا سرورہ دوسری قوموں کے لئے جتنی کی کیلی کی طرح جر
جکے چاندوں طرف وہ پاٹ کی طرح گھم رہی ہے۔

خیان درانی

دوسرے ہمارا کوئی آدمی ایسا نہ ہو گا جس کا قصاص اور بدلہ نہ لیا
گیا ہو۔ کہیں کہ یہ دونوں عیب بد قوم کے جوانوں کے لئے بڑی چٹک
دوکت کا سبب ہیں۔

ہمارے پاکیزہ خون صرف تیز تیز تلواروں پر بہتے ہیں۔
شرافت خاندان اور جمیع مذہب کے میں ہم ہارش کے اُس پاک و
صاف قطرو کی طرح ہیں جسکو طہ ترین بادلوں نے برسا دیا ہو۔
ہمارے خاندان میں رستی اور گنجوی نام کو نہیں۔

ہم ہر ایک کی بات کو رد کر کے ہیں لیکن ہماری بات کو کالٹنے کی کسی
ہمت نہیں۔

انگریزی

آفریںش شعر

جھونچرے کا مدھانہ کھولا۔ اور دیکھا کہ ایک بچہ جس کے ریشم کے سے بال
ہیں۔ تیرکان لئے جوئے پٹے سے ٹھاہور رہا ہے۔

شاوئے اندلس آیا۔ اور آگ کے قریب بھاڑا۔
نچکے بالوں سے پانی کی پوندیں یوں گر رہی تھیں۔ جیسے مسک
فرشتہ آسمان رستے سے جھٹ کی برکتیں برسا رہا ہو۔

پچھنشاوئے کے مدھ سے بیٹھا تھا۔ پس نے اپنے معصوم ہاتھوں سے محبت
کا تیرکان میں جوڑا۔ اور شاوئے کی طرف نشان کیا جو ٹیکہ اُس کے کال میں جا آتا۔
شاوئے کے دل میں شاموی کی قوت پیدا ہوئی۔ دل میں اک ٹھوک اُٹھی
سینہ رو سے پھر گیا۔ موتوں سے بھری آنکھوں سے آنسو نچکے جو دنیا کو درد
میں شکی صحت میں ظاہر ہوئے۔ اور اپنے قریب اور درد کے تمام کاست
کرنے لگے۔

اُس وقت شاوئے کو معلوم ہوا کہ اُس نے شکر کیا ہے۔

غلام حبیب

دنیا کی ابتدا تھی اور مات کا وقت۔ ہر طرف خاموشی چھانی ہوئی
تھی۔ کبھی کسی آسمان میں بجلی کو نہ جاتی اور دریا کے اُس پار ایک ٹٹا
جھونچرا دکھائی دے جاتا جس میں ایک بوڑھا گر بہت کا جوان بیٹھا ہوا
تھا۔

اُس وقت کے لوگ اُس کو شاعری کہتے تھے مگر انہیں خود بھی معلوم
نہ تھا کہ وہ اسے شاعریوں کہتے ہیں۔

باہل گرما اور تھوڑی دیر میں موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔
یوں معلوم ہوتا تھا کہ کسی دیوتا کا انعام کبھی ختم ہو نہ والا نہیں جس سے دنیا
بچا جائیگی۔

بوڑھے شاعر کو زیادہ سوری معلوم ہوئی۔ وہ اُٹھا۔ اٹھ بیٹھ میں آگ
جلانی اور کرسی کی قسم کی چوکی کھینچ کر آگ کے قریب ہو بیٹھا۔

اتنے میں کسی بچے کے رونے کی ٹھیکیں آواز سنائی دی۔ شاوئے

ولندیزی

دوست کی ہا پس گلے میں ڈالنا کیسا ہمارا معلوم ہوتا ہے۔
وہ موسم ہمارے تازہ دیکھے ہوئے جھول اور تازہ کپے ہوئے چل
اور خنڈوں کا سب سے پلاسٹری خزانہ اس کی نذر کرتا
تھا۔

کسی پرندے کا گھونسلہ بھی اس قدر طہ نہیں ہوتا تھا جو وہ اپنے
دوست کیلئے پیدا نہیں کرتا تھا۔ باہل میں سے عقاب کا گھونسلہ بھی تیار
نہ تھا اور اس کے اڑنے اور چلنے کو بڑا درد تھا۔

کوئی لمبی خواہ کسی بھی تیز بہنے والی ہو۔ ایسی نہ تھی جس پر کہ وہ اپنے
محبوب کو کٹے جاتا ہو۔ اور جبکہ پانی تنو کرتا ہوا رہا ہو۔ تو اس کو اپنے

اطالوی

یہ بڑے شرم کی بات ہے اس نے مجھے مجید تکلیف دی ہے۔ ایک جمعہ اس کا قابل برداشت وجہ ہے۔ میں جی ایس کو ٹیک کروں گا کیونکہ میں نے پہلے آدھ سوں کا پتہ نکالا ہے جو پولیس کے واسطے گندے کام کہتے ہیں۔ اور میں نے ان کو اس کام کے لئے اُتارت دی ہے کہ وہ اس کو کافی طور پر دھمکادیں۔ اگر اُس نے پھر بھی اپنی عادتوں کو نہ چھوڑا تو وہ دھمکے پیچھے اس کو سزا دلاؤں گا۔ اور اسی کے متعلق میرا خیال ہے کہ اس کو مار کر دے گا۔ یہ ہے جس نے اُس کے پیچھے آدمی لگا رکھے ہیں جب تک مجھے بھی بات نہ کہے۔

ہسپانوی

میں اس قدر سبکدھار کہ اپنے ویلوں کو قطع کرو۔ حالانکہ اُس وقت میں اُس سے فائدہ اُٹھانا چاہنے کے لئے آپ کو میرے حوالے کر دیا۔ انسان کے لئے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے کہ کوئی شخص اُسے ایسا مل جائے جو اس کی خوبیاں اُس کو تیار دے۔ کیونکہ کیا انسان کے لئے ایک ہمیشہ بننے والا زور ہے اور نہ توڑا جھنڈا۔ وہاں ہیں بے لیاؤں انسانوں کے درمیان مرکز بننا نہیں چھوڑے جاس کے آدمی سوداگری کے مال کی طرح ہے۔ اُن کی قیمت اسی طرح گھٹتی بڑھتی رہتی ہے جس طرح گُلان کا پھل والا لائق ہوا۔ انا تو اگرچہ ایک کچھ بڑے بھرے ہرے ہرے پتے کے کٹرے کے مانند ہوں۔ مگر میرے ہاتھوں میں یہ کٹرے ایک ہیرے کی قیمت پا سکتے ہوں۔

لاطینی

میں تو یہ کہوں گا کہ آؤ اس روپے کی محبت کو نہیں ختم کریں۔ کیونکہ ختمنا روپیہ تمہارے پاس نیا دھبہ آئے ہی تمہارے فکر کم ہونے چاہئیں۔ جب تم اپنا مطلب حاصل کرو تو یہی مصیبتوں کا خاتمہ کرو۔ تاکہ کہیں تمہارا یہی وہی حال نہ ہو جیسا کہ ایک دفعہ تیس سال کا ہوا تھا۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ وہ اس قدر طویل تھا کہ یہی دولت کو دزن کے شمار کیا کرتا تھا۔ اور ایسا نہیں تھا کہ ایک ہنگامی سے بہتر اُس کے کھیسے نہ ہوتے تھے۔ اور میرے دم اُس کو یہی علم تھا کہ کہیں دولت ختم ہو جائے تو اُس کو بھوکا نہ مرنے پڑے۔ مگر جانتے ہو کہ اُس کا نتیجہ کیا ہوا ہے اب آؤ اُن کو مورت بنے کھانا لایا ہے اُس کے دو کٹورے کھالے۔

اس دنیا میں ہمارے لئے سولے اُس کے اوپر کو نہیں ہے کہ ہم اپنے منہروں اور خوداری سے کلائیں۔ کیونکہ خوداری کے بغیر کسی قدر کم ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں سب سے بھی بات یہ ہے کہ جہانگ ہو سکے بہت کم بولا جائے اور جب کسی کو بلا جائے تو نہایت متانت سے گفتگو کی جائے اور بولتے وقت ایک شریف آدمی کی سی صورت بنانی جائے جب کوئی شخص تم سے کوئی سوال کرے اُس کو جواب نہایت جلدیاد سے دیا جائے اور اگر تم اپنی مرضی سے کچھ نکالو اور کچھ کو قیاد رکھو کہ وہ داب کے ساتھ ہو گویا کہ تم ایک لفظ کا تلفظ بیان کر رہے ہو۔ آج تک تم

اگر تمہیں نزد ہو گیا اور دور دے مارے نہیں سخت تکلیف ہو۔ یا خدا نخواستہ کسی چوٹ کے سبب تم اپنے بستر سے اُٹھ نہ سکتے ہو۔ تو ایسی حالت میں تمہارے پاس کوئی ہو گا جو تمہارے لئے دوائی دیا کرے گا۔ اور ڈاکو سے کہیں گا کہ وہ تمہارا علاج بھی طرح کرے تاکہ تم جلد بستر سے اُٹھو اور اپنے بال بچوں کی نگہا لی کرو۔

یہ کہنے سے تمہاری تو جی بھلی تم سے محبت نہیں کرتی۔ نہ تمہارا بیلا پرک آدی تم سے نفرت کرتا ہے۔ کیا ہمارے اور کیا دوست اور فلکا پرک تم اس بات پر حیران ہو کہ تم کو سب سے زیادہ اپنے روبرو سے محبت ہے۔ اور تم کسی چیز کو اس کے برابر نہیں سمجھتے۔ اور یہی سبب ہے کہ کوئی تم سے بھی محبت نہیں کرتا۔ یہی کرنی چاہیے۔

جرمن

نکالا گیا ہے تو میں اس کو اس طرح اپنے ہاتھوں مصیبت میں نہیں ڈال سکتی۔ اور اگر اس میں میں اس کا قصور بھی ہو تو اس کی سراسر سے کافی طور سے غفلت لی ہے۔ اور نہ اس بات کو بھی طبع جاننے ہو لیکن ہے کہ یہ خیال صحیح ہو۔ گراپنے بچے کی تباہی دیکھی نہیں جاسکتی۔

گراس کا تعلق ہم سے نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا خطرہ ہے جو ہم نے خود بخود اپنے ذمے دوسری خوشیوں کے ساتھ لے رکھا ہے۔ جو شخص چلنے میں بہت شست ہوا اس کو فائدہ دے لے چھپ چھپ کر چلے جاتے ہیں ہمارے پیش کیچنے والے کیونکہ ایک نکتہ کن چڑھیک لستے پر چلائے کی کو شش کریں۔

ترکی

خوش و خرم رہہ گئے ہو تو دنیا میں وہ بہت کم ملتے ہیں۔ کیا ہزار سال میں ایک عاشق بھی محبوب سے ملتا ہے۔ اگر کسی کو ایسا نصیب ہوا ہے تو اس کو ناز کرنا چاہئے۔

اسے دل ! ذرا سوچ تو سہی ! انھوں ! میرے والی زمین کے غفلان ! اگر ایک منٹ آرام کا آتا ہے تو سینکڑوں دن رنج و الم کے ہوتے ہیں۔ اس نے دنیا کی بدداشت پر نہ تو حسد کرو اور نہ اس کا بلا کر کرو۔ کیونکہ یہ سب ہمیشہ و آرام اور ملک و دولت کا خاتمہ ہونے والے ہیں۔

+

فرانسیسی

رنگت ہے۔ اُن کی خواہش ہے کہ سب عالمی رہی۔ گویا میں ایک سو بخت بھی اور پاک بخت ہی ہے۔ جہاں سے قدم اُٹھتا ہے اُٹھتے ہیں اور ہماری آنکھیں ہم پر پڑی ہوئی ہیں۔ جہاں سے پروں پریل پڑے ہوئے ہیں گزول کر ہی بل نہیں پڑتا۔ جب کوئی شخص بُرا چلے میں بخت ظاہر کرے تو اسے معذرت سمجھنا چاہئے کیونکہ دل ہیبتہ جوان ہوتا ہے۔ میری بخت کوئی شش سی کمزور چیز ہے نہیں ہے کہ مادی طور سے ٹوٹ کر ٹوٹے ہوئے ہو جائے۔ ایک پاک اور ہمیشہ رہنے والی بخت ہے یہی بخت تھی ایسی ہی مضبوط ہے کہ بار کی چٹان۔

یونانی

محبوب ہے۔ (حقیقت میں وہ خدا کا پیارا ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی یاد کرتا

جینک میری گوں میں خون کا ایک قطرہ بھی دوڑنا ہے میں تماری مخالفت کرونگی۔ اصلاح خانہ دہلی میں میرا بچہ خراب ہو جاؤ گا۔ ایک شیطانیادی تو دنیا میں جاکر کچھ اصلاح پا سکتا ہے لیکن ایک نیک شخصیت والا بچہ یقیناً ہاں نہ سنبھال سکتا ہو گا۔ جیسے کہ ایک چودا تباہ ہو جاتا ہے۔ جب اس کو سوچ کی روشنی اور ہوا نہ ہے میں ابھی طرح اس بات کو سمجھ نہیں کہ میں اس کے واسطے کوئی بُرائی نہیں کر رہی ہوں۔ میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے میری رہبری کی کہ میں اپنے بچے کے دل میں عمدہ اخلاق اور شرافت کا مادہ پیدا کروں۔ پھر اس نے ایسا خطرہ کام کو نہ لایا ہے و اگر وہ اسکول سے

اُہو ! پھر میرا دل خون سے بھرا ہے۔ اپنے محبوب سے ٹکرا جوتے وقت میں اس کے پاؤں پر گرا۔ میرے جی دل پر غم اور غصہ لے کر کرکے اُس کو حبت لیا۔

محبوب نے آنکھیں پھیر لیں ! میری محبت سے انکار کر دیا۔ آسمان مجھ سے پٹ گیا ! رنج و غم کی گھٹائیں چھا گئیں۔ بار دہشت ٹپا ہو گئے ! دشمن کا ستارہ روشن اور ملحد اور سن بے بار و مددگار لگ گیا ! دنیا کے بلخ میں اگر چہ لوگ خوش نظر آتے ہیں۔ مگر جب ترخو رہے دیکھو تو دنیا رنگ رنگ کی مصیبتوں کا گھر ہے۔ اگر تم انصاف سے

تہمیں درخواست کرتا ہوں کہ آپ یہاں اعتبار کریں کہ یہ معاش لوگوں کے دلوں میں اس قدر محبت نہیں ہوتی جتنی کہ اُن کی زبان پر ہوتی ہے۔ آپ یقین جانتے کہ اگر ایک لڑکی ایک ایسے بد معاش کی محبت میں رہی جائے تو وہ کچھ کچھ کم کرنے کے ہنسنے کا مضبوط اور خوش نامہ پروں والے پر نہ سے درختوں کی نینوں پر رہے نہ سے چھپا رہے ہیں۔ اُن کا وہ چھپانا اس طرح بدل جاتا ہے جس طرح کہ اُن کے پروں کے رنگ کی جگہ عکس کے رنگ گھٹ جاتی ہے وہ اب بوڑھے ہو چکے ہیں۔ نہ تو اُن کی زبان میں رہا ہے اور نہ اُن کے پردے

کھا کی اولاد کی خیال ٹھیک ہے کہ بے وقوف لوگوں کے سب کام

ریویو پیشوا کا رول نمبر

مراجعہ البنی فاضل مسلاہ کی دھم دھام نے مسلمانوں میں چوبیسویں کا جذبہ پیدا کر دیا ہے وہ ابیدوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے کیونکہ اس بلکہ تحریک کی طرف مسلمانوں کا یہ پہلا قدم تھا۔ اسی سلسلہ میں اسلامی اخباروں اور رسالوں نے جو رسول پیر اور مدظلہ العالیین پر نکلے اُن میں ہمارے نقطہ نظر سے پیشوا کے رسول نمبر کو خاص وقت ہے انہیں مشہور مقامات مقدسہ مثلاً حرم بیت المقدس، مزار رسول پاک و دیگر مزارات مقدسہ۔ اور دنیا کی مشہور شاہ عمارات و قلعہ جات تقریباً ۳۰ عدد نو بلاک نہایت دیدہ و زیب ہیں جن سے رسالہ کی شان دو بالا ہو گئی ہے۔ ان میں مذکورستان کے شہزادہ اہل قلم کے بلند پایہ مضامین بھی مطالعہ کے قابل ہیں جن میں امت و جانفانی کی جو رسالہ ترجمیں تجھیں میں صرف کی گئی ہے۔

پیشوا کے ادارہ تحریر و تنظیم حتمی بنیادی اور مبارکبادیں ہیں۔ غرض یہ صحافت اسلامی کا ایک بہترین مرقع ہے۔ گویا دنیا کو کون سے میں بند کیا ہے ہم ناظرین ادبی دنیا سے اس کے عطا کردہ کچھ زور و سفاورش کرتے ہیں۔ اس خاص پرچہ کی قیمت ڈیڑھ روپیہ ہے۔ جو اصحاب وعدہ دیدہ سالانہ چندہ بھیج کر منگائیں ان کو مفت بھیجا جاتا ہے۔ میو رسالہ پیشوا دہلی شطب فروش۔

نظام المشائخ کا رول نمبر

پیشوا کی طرح نظام المشائخ نے رسول پر شائع کیا ہے جو محمدی مضامین میں جن کی اس نفاذ وقت کے زمانہ میں اس قدر صحت بخشی وہ اس رسالہ میں جو چھ ہیں یہ رسالہ من مصادیق کو لیکر جاری ہوا تھا انہیں یکساں رہا ہے۔ جولائی و اگست کا پہلی نمبر رسول نمبر کے نام سے ۳۳ صفحہ پر طبع ہوا۔ صفحہ نمبر کے ضلع ہوا ہے۔ لکھائی بھپائی نہایت دیدہ و زیب ہے۔ اس رسالہ میں بھی گو کہ بعض کے متعلق تقریباً ۸۰ صفحاتی مضمون درج ہیں۔ و ارم کیلئے اس کی قیمت ایک روپیہ ہے۔ اور رسالہ کے مستقل خیرادوں کو مفت بھیجا جاتا ہے۔ نیز نظام المشائخ دہلی سے طلب فرمائیں۔

خضر راہ ۱۰ اس نام کا رسالہ انھوں نے کھنڈو ملانا حاصل کی کہ نیر لادہ لکھا۔ مضامین و کچھ اور بلند پایہ ہیں۔ سندھوستان کے ادیب مولانا نیاز و فقیری کی سرپرستی حکومت بام ترقی پر چلی گئی ہے نیز خضر راہ ہے چند سالانہ لکھ چکا ہے

نایاب ہو سکتیں اور جو حالت کو وہ دیوانہ بن جیتے ہیں۔ اُن کی رائے ہے کہ کفر لوگ دہرائے ہیں عقل ہیں فدا ساز شہید کرنے کی بھی اجازت نہیں دینی کہ آیا عقلیہ ہونا بہتر ہے۔ یا دیوانہ ہونا۔ سچائی پر مضبوطی سے قائم رہ کر ہم خدا کے کنوؤں کی عقل عقل کی درستی سے کرتے ہیں اور یہ ہمارا اعتقاد ہے کہ سب چیزوں کا مالک وہی ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں اس بات کو نا پذیر کیا کہ ہم انکی بہترین مخلوق ہیں اور اپنے آپ کو اُس کے حوالے کرتے ہیں۔ ہم کو خدا سے کبھی غبت جوئی چاہئے۔ اور نام غراسیا کرنا۔ ہمیں اپنا فرض سمجھنا چاہئے۔ اور اگر دوستوں کا مال بلا جھٹا ہے اور آدمی خدا کا رہتا ہے، پھر سب چیزوں کا مالک انسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سب چیزیں خدا کی ہیں اور انسان اور خدا دوست ہیں۔ دوستوں کی ملکیت فی جلی ہوئی ہے اس لئے دنیا کی تمام چیزوں کا مالک انسان اور خدا ہے لہذا ہمیں اس بات کو ماننا چاہئے کہ صرف خدا سے دُرونیوئے لوگ ہی امیر اور عقل مند ہیں۔

یہ کیونکر تفہیم ہو سکتا ہے کہ تم نے خود تو انسان کے لئے قانون بنائے۔ اور خود ہی پتہ لگانے کے کام کرو۔ میں یہ ضرور کہوں گا کہ اگرچہ ایسا نہیں ہو سکتا مگر تم ضرور ایسے لگانا کیلئے جرات ادا کرو۔

بہترین اسلامی کارٹوس



آئی جی سٹو اینڈ کو میسرز

دلروہ علم جراحی میں حریت انگیز ایجاد

لاہور سور۔ مغلائی بیوٹرا۔ ناسور۔ وادھیل خزانہ روسی۔ سوزشیک ہرستم کی جلدی بیماریاؤں کا آئندہ۔ مشرقیہ تیرہ بدت ملاج ہے۔ دوران استعمال میں نذر ہم کو باز دینے کی ضرورت اور نہ ہمارے کی محافظت۔ قیمت فی شیخ دو روپے و اعلیٰ حصول و اعلیٰ بد خور و ار الہستہ شیخ طاہر الدین بازار انارکلی لاہور

فرہنگ لفاظ

[illegible]

دیوان غالب مرتفع جغتائی

حمید ۲۱۰ نسخے ۱۰۰ روپیہ فی جلد کے حساب
محل چکے پین اسکی امداد پر پیش تیارم، تیارم
آر دھریہ سرکار میں تہمت صرف مہم

ادبی ذخیرہ

لمعات نور

شعرا نے اردو کے کلام کا انتخاب سن ان کی
کات وزن و قوافی و سوانح جات جلد چھٹو
منتقن محقق لکھا ہے یہی دیوے زیب تہمت

دلکراقبال

نور محمد فارسی بلا جلد سے جلد
اسرار و نثر فارسی و شعر
بانگ دعا اردو و شعر

مولانا شبلی

سیرۃ امینی بھلاؤں جلد
دم
سم
انفادق فی جلد
سفر نامہ روم و شام
علم الکلام

موانیہ انیس دہر
الامون

شعرا علی اولی
اردو

سرم
چہارم

رسالہ شطرنج
اردو تک زیب

سوانح مولانا اردو
کلیات شبلی اردو
فارسی

مولانا آزاد مرحوم

دربار اکبری
آب جات
نگارستان فارسی

نزدان فارسی

نظم آزاد
نیرنگ خیال
سیرۃ بریل
بکتوبات آزاد
نعت آزاد

سید سلیمان ندوی

ارض القرآن کامل
سیرۃ عاشقہ
جیات ملک

عبد السلام ندوی

اسوہ صحابہ اول
دوم
سیرۃ طہرین عبد العزیز
انقلاب الکرم
شعرا لندواں

تاریخ نقہ اسلامی
دوم

حاجی معین الدین

نفاذی داشتہ
ہاجرین اول

مولانا حالی مرحوم

یا دعا غالب
حلیت سعیدی
دیوان حالی
مقدم دیوان حالی
جیات جاوید حسن حالی

حضرت غالب مرحوم

دیوان غالب
ابن غالب مرتفع جغتائی
دیوان غالب اردو
میت خرقہ شہنا

عالمیاتی
حضرت
پنچود و جلی

اردو کے شاعر
عبد جندی
عبد بکرت

حیات غالب فارسی
خیالستان

سید سجاد حسین

کتابات و احسانات
جلال الدین خوارزم شاہ
کلیات اکبر ہر جلد

نقشات ترغیب
مدح آلا جماع

ابن رشد
مجلس رشتہ

دیوان حضرت مولانی
اجمن نرقی اردو

علم الحیث
امراء منہ
ملقات العرس
نفس تعلیم

نفس جذبات
تذکرہ میر تقی
انتخاب کلام میر
عاجان داس کا لکھی نظم شوق
ڈاکٹر میر
سجاری شاہ مری
کلیات دلی
قرا عبد اردو علی
حسان کلام غالب

منتقن

میر علی اوت اردو و شعر سکینہ
معدائے شہرہ
نظام علی الدین اکبر

دیوان مجروح میر جلدی خروج
ابن اردو
نظم خیال لطافت شعر
میت ششال شاہرہ
اہل فکر کے واسطے

شکوہ شکست افغان
ابراہیم

تقدیر اسلام عبد السلاطین
میر سیرت
میت سیرت

نورالغنائت مولانا نور محمد
صاحب جلد اول
جد دوم

اقبال از محمودی احمد دین
نی لے اتارا اردو و شعر سکینہ
میر میر

شیخ مبارک علی ناشر کتب اندرون لہوری وازہ لاہور

امیر کشور معنی امیر مینائی

نیرنگ کا خاص معیار علم و ادب کی تنقید ہے

اس قصہ کی تکمیل کیلئے ابتدا سے انکے خدمات اہل دلچسپی ہیں اُن سے ادب کا نظریہ واقف ہیں اور محض ہیں کہ نیرنگ نے ہمیشہ روایات کو برقرار رکھا ہے اُس نے جنوبی مسلمانوں میں ملک الشعراء حضرت امیر مینائی مرحوم کھنوی کے فضل و کمال سے معزول کر کے نیرنگ کا امیر مینائی شائع کیا جائیگا۔ امیر مینائی جنوبی مسلمانوں کے چھ مہینے میں شائع ہوگا۔ تقریباً دو سو صفحات کی ضخامت ہوگی اور متعدد دو ڈیڑہ ہلاک عکس تصویریں جنہیں حضرت امیر اور اُن کے صاحبزادوں اور اُن کے تلامذہ نے لکھی ہیں قابل ذکر ہیں۔ بہترین مضمون پر کچھ دوسرے کا حقیر مدیر نیرنگ کی جانب سے صاحب مضمون کی تہذیب ہوگا۔ مینائیں سندھ میں ذیل عنوانات پر مضمون لکھے۔

- (۱) حضرت امیر کے حالات زندگی -
- (۲) امیر کے فضل و کمال اور تصانیف پر تحقیقی نظر -
- (۳) شعراء و کلمات اور معاصرین میں امیر کا مرتبہ -
- (۴) کلام پر تبصرو -
- (۵) تذکرہ تلامذہ -

اربابِ قلم ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۹ء تک حسب پسند عنوان پر مضمون ارسال فرمائیں مضمون میں اقتدار کے ساتھ جاہلیت کا لحاظ ضروری ہے۔
انعامی رقم یک مضمونی مسئلہ ایک بیچ دی جائیگی۔ مدیر نیرنگ دہلی پور

ہفتہ وار اتحاد

ہفتہ وار اتحاد اتحاد و جموں لانا اور کے تہذیب و ادب کے مخصوص ملک قوم کی خدمت میں موزوں ہے۔ اس کے مشاہیر اور عزیز ہیں جنک کسی شخص کو نہایت پیدا نہیں کرتی۔ اس کی بالائی اور ان کے ملک چلیے ہوئے ملک کہ ہندستان کی مختلف اقوام اور مذاہب کے بیروہ ہم غیر ملکی ہو کر یا درمند کی تثنی میں خدمت میں ہم اخبار پر شائع ہوا ہے کہ ہفتہ وار اتحاد، طور پر شائع ہو کر مینائیں کی خدمت میں وقت پر اسے آکر دیا جائے۔ اس کے سرپرستوں کی تصدیق ہوتی ہیں۔ اس کا سب سے زیادہ چیمہ پانچ مہینے

تفہر
مینجہ اخبار اتحاد دانا ہو

لاہور ٹرانسٹنکٹس نارنگلی بلڈز لاہور سے
عمدہ سنے مضبوط اور بصورت ٹرانسٹنکٹس
ٹب بالٹی آہنی کریاں بیٹر کبیں وغیرہ ہر قسم و
حسب و مستی ہو سکتے ہیں

ہر قسم کے سپورٹس کا تازہ سامان، کرکٹ، بالکی
ٹینس، بیڈمنٹن، فٹ بال، والی بال وغیرہ
نہایت سستے نرخوں پر پیپے ذیل سے طلب فرمائیں
نوٹ:- "پرائس لیٹ منت طلب فرمائیں"
چراغ دین اینڈ سنٹر لاہور سپورٹس و ٹرانسٹنکٹس لاہور

اخبار خواں پبلکے تسلیم کر لیا ہو کہ

ویر بھارت

روزانہ اخبارات میں سب سے بہتر سب سے زیادہ پٹ ٹوڈٹ سب سے زیادہ بے لاگ اور سب سے زیادہ آزاد خیال اخبار ہے۔ دوسرے کوئی اخبار اس قدر محنت اور جانفشانی سے ایڈٹ نہیں ہوتا اور نہ انواع و اقسام کی دلچسپیوں کے لحاظ سے اس کا مقابلہ کر سکتا ہے اگر آپ نیا بھوکے واقعات اور حالات سے آگاہ رہنا چاہتے ہیں تو ہر روز ویر بھارت کا مطالعہ کیجئے جو ارقمیتہ برہم شہر میں اخبار فروشوں کے مل سکتا ہے۔

زنگی تسلیم

یعنی جسے قلمی نوٹیں تسلیم سے زیادہ کارآمد ہے۔ ہندوستانی آب و ہوا کے لحاظ سے اس سے زیادہ کوئی دوسری قسم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں سے لیکر ہندوستانی طلبہ تک اسے گہزت استعمال کرتے ہیں۔ اس میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ سب سے اسی قدر کھتی ہے جقدر ضرورت ہوتی ہے۔ دھبے وغیرہ نہیں دیتا۔ ذرا سے بار بار جھٹکا پڑھتا ہے۔ اس کے تمام پڑے ہمارے پاس سے ہر وقت مل سکتے ہیں۔ اسے لکھ کوئی چیز اتنا تیز نہ جائے تو علم پر کار نہیں ہو جائیگا بلکہ آپ ہم سے پڑھ سکتا ہے کہ یہ مناسب قیمت لیکر ہمارے علم کو نئے قلم سے بدل دیتے ہیں۔ زنگی قلم کی کتب اعلیٰ ۱۲ گونہ گہزت سوسلے کی ہوتی ہے۔ اداس پر ہجان کے لئے زنگی لکھتا ہوتا ہے تاکہ خریدار دھوکا نہ کھائیں اگر زنگی قلم پسند نہ آئے تو ایک ہفتہ تک تبدیل کر سکتے ہیں۔ مقررہ ہر مہینہ زنگی قلم لا جواب ہے۔ اسکولوں اور کارخانوں کے طالب علم زنگی قلم کے سوائے دوسرے قلم پسند نہیں کرتے۔

(۱) سکرو کیپ (۲) سیلفی (۳) سیلف فلٹنگ۔ جیسا درکار ہو سکتا ہے۔ قیمت پچھنے اگر لیڈ اسپرنگ ساتھ منگوائیں تو چھ آنے والے ہونگے۔ محصور لڑاکا بدم خدیار۔ زنگی انکلوٹ۔ سیاہی کی چھٹی چھٹی لکھیاں۔ ایک کرس ایک سال کیلئے کافی ہیں۔ ہر رنگ کی لکھائی ہیں قیمت فی گرسین ایک روپیہ

حلنے کا پتہ:- زنگی قلم سیاہی لینے کے پتہ پر زنگی چاندنی چوک دہلی

ایل نمبر ۲۴۸

فہرست مضامین

رجسٹرڈ

نمبر ۱۶

بابت ماہ نومبر ۱۹۲۹ء

جلد ۱۱

تصاویر :- سیفہ سرمئی (۵) پروفیسر دوس اور ان کے شاگرد (۳) سرگرنے (۴) سفری پوٹری (۵) منواری کی تعلیم (۶) پیرا کی کیشت (۷) سلطان علی کا مقبرہ (۸) چنپا باولی دہشت ہی محل کا نظارہ (۹) زار دوس کی جیتی *

نمبر	مضمون	صاحب مضمون	نمبر	مضمون	صاحب مضمون	نمبر	مضمون	صاحب مضمون
۱	ادبی دنیا کا بے نظیر مقدم	تاجور	۵۹۰	سیاسی حجتہ	سیاست و ادب سیاست	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی	
۲	حال و حال	۵۹۱	۲۱	سیاست و ادب سیاست	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۳	آئینہ عالم	۵۹۳	۲۲	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۴	افسانے	۵۹۳	۲۳	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۵	عالم محل	۵۹۰	۲۴	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۶	لاہور کا گھر	۵۹۵	۲۵	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۷	بچے کا خواب	۵۸۰	۲۶	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۸	ایک دن	۵۹۳	۲۷	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۹	میرا گھر	۵۹۸	۲۸	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۱۰	سینہ کی بندوں کا جشن	۵۹۸	۲۹	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۱۱	سیرورپ	۵۹۸	۳۰	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۱۲	ڈرائے	۵۹۸	۳۱	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۱۳	قسمت	۵۹۰	۳۲	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۱۴	جنت حدید	۵۹۰	۳۳	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۱۵	علی حجتہ	۵۹۰	۳۴	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۱۶	سندھ کی تعلیمات	۵۹۰	۳۵	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۱۷	انسانی عقل پر بے کی گویا	۵۹۰	۳۶	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۱۸	تجربہ حجتہ	۵۹۰	۳۷	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۱۹	عزیز کا مقبرہ سرمئی	۵۹۰	۳۸	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۲۰	اردو کی سب سے بڑی شاعر	۵۹۰	۳۹	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۲۱	دستار دار دوست	۵۹۰	۴۰	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۲۲	بچہ	۵۹۰	۴۱	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۲۳	تاریخی حجتہ	۵۹۰	۴۲	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۲۴	بنگالی کی مہم ادب کی تاریخ	۵۹۰	۴۳	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۲۵	مشرق و ادب مشرق	۵۹۰	۴۴	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		
۲۶	ماڈرنازم	۵۹۰	۴۵	سیاسی حجتہ	۵۹۹	پندرہ سیلا رام دھانی		

دنیا کے ادب میں ایک انقلاب عظیم افتی صحافت پر ایک روشن اور زنگار ستارے کا طلوع ادبی دنیا کا سالنامہ

ہم انتہائی مستر سے اعلان کرتے ہیں کہ ہندوستان کے بہترین ادبی رسالے کا سالنامہ جن کا نام ایس کے مقصد کی دلیل ہے
ذیر ترتیب ہے۔ ادبی دنیا کے عام نمبروں کی بہار آفریں اور حیات افروز نظمیں۔ دلکش اور ترنم ریز غزلیں لُچپ
اور تہجیز افسانے۔ گرفتار علی اور تحقیقی مضامین۔ اور اس کی بے لگت نقیدیں تمام اہل ذوق سے خراج
تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ آپ اسی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ ادبی دنیا کا خاص نمبر کیسا ہو گا۔

سالنامہ مرتب ہو رہا ہے اور اس کے لئے جو مضامین حاصل کئے جا چکے ہیں ان کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں۔
کہ یہ ہمارے انقلابی پروگرام کا مکمل مظہر ہو گا۔ ہندوستان کو کیا یورپ میں بھی دنیا بھر کے علم و ادب کا اس
سے بہتر نمونہ مل سکے گا۔ اگر نقد معاوضے پر مشہور اہل قلم سے جس پائے کے خاص مضامین لکھوائے
گئے ہیں۔ اور لکھوائے جا رہے ہیں۔ ان کی تفصیل بجز دستر انگیز ہے۔ مگر قبل از وقت ہم
اس کی ضرورت نہیں سمجھتے البتہ آنا پھر کہہ سکتے ہیں کہ

ادبی دنیا کا خاص نمبر ————— ادبی دنیا کا خاص نمبر ہو گا۔

یہ نمبر صرف اتنا ہی جمید گیا جتنے کی فرمائشیں درج رجسٹر ہو چکی ہوں گی۔

ادبی دنیا کا یہ سالنامہ خریداریوں کو محصول ڈاک کے علاوہ صرف ایک روپیہ میں ملے گا۔

اگر آپ بھی اس نمبر کی دلچسپیوں میں حصہ دار بننا چاہتے ہیں تو جلد سے اپنا نام درج رجسٹر کرائیں ورنہ مثال
ہو جانے کے بعد یہ نمبر کسی قیمت پر بھی نہیں ملے گا۔ ایجنٹ حضرات بھی جتنے پرچے ملگنا چاہیں ان کی تعداد
جلد سے جلد درج رجسٹر کرائیں۔

مینجر رسالہ ادبی دنیا لاہور

ادبی دنیا کا بے نظیر خیر مقدم

ادبی دنیا کے بے نظیر پر سب سے پہلے ہندوستان کی مشہور خیر رسان کنبیسوں (ایڈیٹورس) اور خیری پریس نے شہ نادر الغاٹا میں ایک یو یو کے زبان برقی کی محفوت ہندوستان بھر کے روزانہ اخبارات میں شائع کیا تھا۔

اس وقت سے اب تک کورسلے کے کچھ ممبر شائع ہو چکے ہیں۔ ادبی دنیا کی شہرت سے ہندوستان کا آبا جہدہ روشناس ہو چکا ہے۔ ملک کے مختلف راگنری اخبارات میں بھی کراٹھیں۔ ڈوئی کراٹھیں۔ انڈین نیشنل سیروٹو گھٹیں، مائز آف انڈیا۔ پائیر ایڈر۔ ہندوستان ٹائمز۔ ٹریبون۔ سکرپٹ لک۔ سیول ملری گزٹ وغیرہ نے ہندوستان میں ادبی دنیا پر اظہار رائے کیا۔ ٹریبون نے دوسرے اور سول ملری گزٹ نے چین بارٹھکٹ ٹریبون پر یو یو کیا۔ اور اخبارات و رسائل میں سے شاد و نادر ہی کوئی بچہ چھوگا جس نے اپنے ربو یو میں ادبی دنیا کو اردو ادب کا بہترین پیچہ نہ شایا ہو۔ گوگرکھی اور مہندی کے بھرپے ہمارے معنائیں کا ترجمہ شائع کرتے رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہندوستان کے مشہور اہل قلم منتخب اہل علم اور اہل رائے جن میں یو یو کنبیسوں کے پروفیسر کونسلوں کے ممبر حکومت کے وزیر تعلیمی رہنا، علمی رائے بھی شامل ہیں۔ اپنی راپوں میں ادبی دنیا کی اشاعت کو اردو ادب میں ایک نئے دور کے آغاز کے تعبیر کیے ہیں۔ منکودہ بالا حقیقت کے افزائش قیامت راہیں سرنہیں شائع کی جاتی رہی ہیں۔ اس مرتبہ میں غیاب لیسٹون کو نسل کے قابل عزت پرنسٹنٹ جناب آئریل خان بہادر جو سری شہاب الدین صاحب قلم بہار کے مشہور شاعر خان بہادر دہری خوشی مورتی خان صاحب کو گورنر شہر اور گورنر کالج لاہور کے قابل قدر استاد تاحی فضل حق صاحب اکرم سائے کی قابل فخر شائع کر کے اس سلسلے کو ختم کرتے ہیں۔ راہنما

ہندوستان کی علمی زبانوں سے اردو میں اقتباس کیا گیا ہے، بلکہ ادبیات عالم کے لطیف و لفظ شہ کار سے اردو اہل کے اسالیب و نفیس کے مرتبہ اردو ترجمے کی روشنی میں کئے گئے ہیں!

اس ہندوستانی رسالے کی غامری شان بھی یورپ اور امریکہ کے ادبی رسائل کی ہم شیر ہے۔ آپ کی یہ ادبی خدمت کا بخاطر پرستین و ستائش کی مستحق ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ کی سعی منکودہ ہوا تو آپ کا رسالہ پھیلے!

جو بھدی خوشی مورتی صاحب نظر تھی۔ اسے سالانہ گورنر کشمیر۔

رسالہ ادبی دنیا نظر سے گزرا اس کا ظاہر دلکش اور باطن دلنشین پایا۔ ادبی دنیا کے اصناف و سبب لاہور یقیناً ادبی دنیا کا بڑا کار و بار ہو گیا ہے میں تو دل سے آپ کو مبارکباد دیتا ہوں!

قاضی فضل حق صاحب ایکم۔ اسے پی۔ ای۔ ایس پروفیسر

گورنمنٹ کالج لاہور۔ وائس آف ادبی دنیا اپنی غامری ادبیاتی غوروں

کے لحاظ سے ہندوستان بھر کے "منگھی" جو اہل برقوق رکھتا ہے

اور میری دعا ہے کہ جن مقامہ عابد کو بد نظر کر کے آپ نے اس جڑ سے

کو جاری فرمایا ہے انیس آکھو پورا کامیابی حاصل ہو۔ آئیں ختم آئیں!

آئریل خان بہادر جناب جو دہری شہاب الدین صاحب بی۔ آئریل بی۔ پرنسٹنٹ پچا لیسٹون

میں نے آپ کا رسالہ رسالہ ادبی دنیا "بڑی محنت کے ساتھ مطالعہ کیا۔ آپ کے اس نادر تحفے کا شکریہ جہدہ ادا کیا جائے کم ہے!

میری ذاتی رائے ہے کہ ادبی دنیا اپنے صوری و معنی میں

کے اعتبار سے ہندو دنیا کی ایک باکھل نئی چیز ہے، بھارت کا بھارتی

زبان ہندوستان سے۔ نظم کی جڑوں میں ہندی سوسنی اور ہندی

نیمیاں کی جیا نشی اردو کو اپنے من بھاسے لباس میں پیش کرتی ہے

اور یہ روپ یقیناً تمام اہل ملک کے لئے دہندہ حوں یا مسلمان کیل

طہر پر عروبہ اور عذاب نظر ہو نا چاہئے۔ اردو رسالہ کی ترقی کے

میدان میں غامری سے بھارت کا بھارتی اور عذاب و شہناش قدر اٹھا ہے جس

کے لغزش میں ادبی دنیا کا شکست کے ذریعے چلنے لگتا ہے! آئیے!

خود موصیت سے اس کا لہجے میں مخطوط کیا ہے جس میں صرف

حال و قال

ادبوں میں ادبی نظریات کہیں۔ اصل و نقل، فرد و ملت حقیقت اور نمایش میں فرق کھٹے والے کسیر کی طرح نمایاں رہے ہیں۔ پروپیگنڈے کا علم صدق کو گور اور خوف کو چارہ میں تبدیل کر رہا ہے۔ ایسے جیس لوگوں سے واسطہ پڑ رہا ہے جو مشک کو خوشبو سے مومدم کرنے کی بجائے عطار کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔

نقصا و پرور۔ ادبی دنیا کی تصاویر کے مستقل ہمارے خیالیں کو بھی غفلت ہے کہ ادبی دنیا کی تصویروں نے رسالوں میں لکھا ویر کا مسیحا بہت بلند کر دیا ہے۔ ہمدی زمین لکھا ویر تو عموماً رسالے سے نکال کر فریج میں لگا لی جاتی ہیں۔ تصویروں کے انتخاب میں ہم نے ابتدا سے ہی احتیاط برتی ہے کسی تصویر سے بھجورین دینے، بازاری رنگ نہ پیدا ہوا ہے۔ کوئی ایسی تصویر نہ جو عموماً تصویر کی کارڈوں پر جوتی ہیں۔ کسی تصویر میں عربی اور حباسوزی کا عنصر نہ ہو۔ تصویر بھجوتی اور عیسائیت نہ نہ ہو۔ عرصہ حقیقی احتیاطیں ممکن تھیں، انکو پیش نظر رکھ کر لکھا ویر شائع کی جاتی ہیں۔

محترم خان محمد اظہار علی صاحب سب ج جھنگ رنجاب، تصویر کی آرٹ میں خاص مہارت رکھتے ہیں ادبی دنیا کی تصویروں کے متعلق انکی ہمدردانہ متعینہ دل اور شہدوں نے ہمیں بہت فائدہ پہنچایا ہے۔

بسطی کا غنہ سرور پور اور عطیہ پور (پکچر ایڈیٹرز) نے نہ صرف اپنے بے نظیر الموموں میں سے ہمیں اعلیٰ درجے کی تصاویر بھی پہنچائی بلکہ اپنے پور آرٹ پریشانگ ورکس لاہور کے بالکل انچوروں سے تصاویر کے نمائندہ جیسے بلان بھی خواہر ہمدی تصویر پریشانگ ورکس لاہور کے رہتے ہیں۔

پکچر آرٹ پرنٹنگ ورکس میں گلکے کے ماہر بالک سیکر بڑی ٹری تنخواہوں پر ملازم رکھے گئے ہیں۔ حامد امجد پریس میں اسکی اعلیٰ قیمت کے لئے صوبہ بھر میں سب سے بازی لے گیا ہے وہاں مالک بنانے میں بھی کوئی کام مقابلہ کر رہے ہیں۔

ایک پتے دئے عالم الحرم منتظم لاہور انڈیا مل کچر نے اپنی انتظامی قابلیت سے کئی پریس سے شروع کر کے اس پریس کو صوبہ بھر کے واحد پریس بنایا ہے۔

ادبی دنیا کا یہ نمبر مضامین کے لحاظ سے پہلے نمبروں سے بہت بلند ہے۔ عملاً ادارہ (ایڈیٹر) شرافت کی قابلیت و دست مطالعہ اور رسالے کو اپنا سمجھ کر دل سے کھر کرنے کی کوششوں کا ہر مضامین پر دے رہا ہے۔ مولانا صدیق ہمدی رکن ادارہ عربی لٹریچر سے بلند ترین مضامین کا اس خبری سے ترجمہ کرنے میں کبلا زبان میں اصل و نقل کا امتیاز آپٹ جاتا ہے۔ ملک کے مشہور شاعر اور اس سے زیادہ مشہور اس نے لکھا سید عابد علی بی۔ اے ایل ایل بی سابق ایڈیٹر بزرگوار داستان کو ہم نے مجبور کر کے کجرات سے لاہور بھیج دیا ہے۔ اب وہ اپنی تمام تر توجہ ادبی دنیا کے سمیاد کو بلند کرنے پر صرف کر رہے ہیں۔ ان کے بلند پایہ اساتذہ، شگفتہ نظمیں اور مغربی ادبیات سے منتخب مضامین کے ترجمے ادبی دنیا کے ہر نمبر کو گول پایہ بنارہے ہیں۔ مولانا حامد انصاری رکن ادارہ نے اپنی ادبیات سے ایسے مضامین ترجمے کئے ہیں کہ اسد ادب میں اس ہائے کے بلند مضامین بہت کم ملیں گے۔ مولانا غفرت رحمانی اگرچہ چند مجبوروں سے ایسی نکتہ لاہور میں پہنچ گئے لیکن انکے دماغ کی تیز محرومیتوں میں ادبی دنیا سب سے زیادہ صحت دار بن رہا ہے۔ غرضیکہ اساتذہ ہر نمبر ادبی دنیا کو دلچسپ بنانے میں سرگرمی سے کام کر رہا ہے۔ عملاً ادارہ کو چاہئے کہ میں اگرچہ انہماکات بہت بڑھ گئے ہیں، لیکن ادبی دنیا کے بلند سمیاد کو قائم رکھنے کے لئے ہمارے اساتذہ نے مشرقی و مغربی ادبیات سے اعلیٰ درجے کے اعلیٰ مضامین کا ترجمہ کر کے ایک ذخیرے کی صورت میں جمع کر دئے ہیں۔ ہمیں فریج کی ادبی دنیا کا اختلاف ایسے مشہور منتخب الشا پر ملازمتی پر مشتمل ہے جو غفرتی و مغربی زبانوں کے ماہر علم ادب کے نقاد اور اردو زبان کے لئے پائیدار ہیں۔

اہل نظر اور اہل رائے ادبی دنیا کی بے نظیر خصوصیات کو ابھی طرح جانتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جن نظر رکھتے ہیں انہیں جتانے کی ضرورت نہیں ان کے لئے تو یہ اخبار حقیقت خود سہتمانی ہوا اپنے منہ میں اٹھو بیٹنے کے معنی ہو گا۔

ہم بھی جانتے ہیں کہ خود سہتمانی کوئی ایسی چیز نہیں لیکن جان بوجھ کر اس برائی کو اختیار کرنے پر حالات نے مجھ کو دیا ہے۔

سے کوئی بچہ واپس نہیں لیا جائیگا۔

ادبی دنیا کے ناظرین میں سے جو حضرات مقامی ایجنسیوں سے پرچہ خرید گئے تھے وہ اگر کسی مہینے اپنے شریک ایجنسی پر ادبی دنیا کو نہ پائیں تو سمجھیں کہ مقامی ایجنسی کی کسی مددگار کی وجہ سے دفتر سے پرچہ نہیں بھیجا گیا۔ بعد معاملہ ایجنٹوں نے ایک اور شرائط پشور کی ہے کہ جب ان کی نادھندی کے سبب انہیں پرچہ بھیجنا بند کر دیا جاتا ہے تو یہ شہور کرنے لگتے ہیں کہ دھاکش بدہن، ادبی دنیا بند ہو گیا ہے۔ اس لئے ناظرین ادبی دنیا کو کسی ایجنٹ کی بات پر اعتبار کرنے سے پہلے دفتر ادبی دنیا سے معلوم کر چاہئے۔ اور ایسی صورت میں سب محفوظ طریقہ ہے کہ براہ راست ادبی دنیا کے دفتر سے پرچہ طلب کیا جائے کیونکہ دفتر سے جو پرچہ روانہ کیا جاتا ہے ڈاک کاٹ لٹ لگانے کے علاوہ الگ محمول دے کر ڈاک خانے سے اس پرچے کی رسید بھی لی جاتی ہے۔

سید امجد علی نازش نے صرف دو ٹوٹلی ماہ تک ادبی دنیا کے انتظامی عمل سے متعلق سو کر کام کیا تھا اس کے بعد وہ ہمارے لئے اور عمر کے لئے غیر ضروری ہو گئے۔ اسی نگران کی ملازمت کا تعلق منقطع ہو گیا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کسین پوسٹوں میں کبھی اخباروں میں ان کے نام کے ساتھ "ایڈیٹر ادبی دنیا" کا مندر بھی لکھا جاتا ہے۔ اس سے ادبی دنیا کے مفاد کو سخت نقصان پہنچے کا خطرہ ہے۔ اس لئے ہم یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ نازش صاحب ادبی دنیا کے ایڈیٹر مل مشاف سے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی وابستہ نہیں ہوئے اور نہ ہونگے تھے۔ ادنیٰ ملازمت کا تعلق مینجنگ اشاف سے تھا اور اب چلدا سے ادبی دنیا کے کسی عملے سے ان کا کوئی تعلق نہیں

ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ ادبی دنیا کے ایک پرچہ پر ایک روپیہ لاگت آتی ہے مگر صرف اپنے ادبی پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے نو سو روپے ماہوار کے نقصان پر اس کو چلا رہے ہیں۔ ادھر بحالت ہے اور کھربائشوں کا تقاضا ہے کہ کمیشن کمپنسی فی صدی کر دیا جائے اور ان کی اسی روز روز کی ہائے مانے سے مجبور ہو کر تین آئندہ ماہ سے پہلے کی قیمت میں ایک آڑ کا اضافہ کر دیا ہے۔ دوسرے ادبی دنیا ایجنٹوں سے فروانے میں ملا کر لیا۔ الدتو صاحب دفتر سے طلب کریں گے ان کو بدستور سابق صرف آٹھ آنے میں بھیجا جائیگا۔

منجھ

ناظرین ادبی دنیا اور ایجنٹ حضرات

(از منیر رسالہ ادبی دنیا لاہور)

اخبارات کے ایجنٹوں کی مددگار اور نادھندی کے حالات عموماً اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ بہت سے اخبارات صرف اپنے ایجنٹوں کی نادھندی کے سبب بند ہو چکے ہیں۔ چند دفعہ معاملہ ایجنٹوں کو الگ کر کے عام طور پر ایجنٹوں کی ذمہ داری ہے کہ ایجنٹ اخبارات و رسائل کے مالک ایجنٹوں سے بہت دور رہتے ہیں۔ اس لئے ہم خوش مساکلی دکھائیں یا مددگار کی فزوح سے جو روپیہ آئے اس میں سے جتنا بھی میں آئے رکھیں جتنا چاہیں بیچ دیں کبھی بیچیں کسی نہ بیچیں بالکل ہی نہ بیچیں اس بارے میں اپنے دل کے مختار رہیں۔ مالک اخبار کو نہ اتنی ذمہ داری ہو کہ اتنی زحمت اٹھائیں کہ کھڑی سی رقم کے لئے ناٹھیں کرنا پھرے۔ اسی لائق کی بنا پر اخبارات کے ایجنٹ اخبارات کے مالکوں کو تنگ کرتے رہتے ہیں اور چونکہ اخبارات و رسائل کی فزوح زیادہ تر ایجنٹوں کے ذریعہ ہوا کرتی ہے۔ اس لئے ایجنٹوں کے ستر سیدہ اخبارات کبھی نہیں بیٹے۔ اور کبھی کبھی تو صرف اسی وجہ سے کوئی اخبار بند ہو جاتا ہے کہ بہت کم ایجنٹوں نے واجب الادا رقموں کی ادائیگی کی ضرورت نہیں سمجھی۔

ادبی دنیا کو کبھی ایک تقریر محمد کران حضرت نے دست دلیان شروع کی تھیں مگر چونکہ ادبی دنیا کی زندگی کسی پہلو سے بھی ایجنسیوں کی منت گزار نہیں ہے۔ اس لئے ہمارے ایجنٹوں کی غارتگری سے بہت حد تک بچے رہے۔ ادبی دنیا کے پرچے دفتر سے آئی ایجنٹ کو بھیجے جاتے ہیں جو یا تو مطلوبہ رپوں کی قیمت پہنچی بھیج دے یا وہی پی بھیجنے کی اجازت دے۔ اب کچھ دنوں سے وہی پی منگوانے والے ایجنٹوں کا بھی حال تجرہ ہو رہا ہے۔ کیونکہ بعض ایجنٹ جو دی پی کے ذریعہ پرچہ طلب کرتے ہیں ریلوے والوں سے اسٹامپ دیکر رپوں کا پاسل تو چھڑا لیتے ہیں مگر ریلوے کے رسید کا لفافہ جو دی پی کے ذریعے پہنچتا ہے اسے واپس کر دیتے ہیں اور اس طرح دفتر والوں کو بے بس کر کے سن مانا کمیشن وصول کر لیتے ہیں۔ اس لئے ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ آئندہ صرف ان ایجنٹوں کو رپوں پر بھیجا کریں گے جو کمیشن کے دام کاٹ کر مطلوبہ رپوں کی قیمت پہنچی بھیج دیا کریں گے۔ (۱۰) الگ نمبر سے ۲۵ فی صدی کمیشن دیا جائیگا۔ (۲۰) جو ایجنٹ ڈاک خانے کی معرفت پرچے منگوائیں گے انہیں ادھا محمول ڈاک بھی ادا کرنا پڑے گا۔ محمول کسی ایجنٹ

آئینہ عالم

ایک حقیقت بن چکی ہے لیکن سرسید اسکول کے مصنفوں سے تو اسکی بے نیازی بہت افسوسناک صورت اختیار کر گئی جاتی ہے۔

مولینا آزاد کے بعد اب اس یونیورسٹی کی الوداعی توجہات علامہ شبلی کو اپنا مرکز بنادی ہیں۔

منشی کی اس بے لایف ضعیف شعرا ہم سے یوں کہ اس علم و تعلیم کا مالک نہ ضروری سمجھتے ہیں۔ خیاب و یونرسٹی سے اُسے رنڈہ رنڈہ صحت کا علاج رہا ہے۔ کل تک جو شعرا ہم دوسری یونیورسٹیوں کی طرح خیاب و یونیورسٹی کے کشمکش امتحانات اور انسانی کے اجراء سے تک نصیبوں کا ضروری عنصر تھی اُس کا صحیح عالم تصور تلاش کے لیے اُسے ان نصیبوں سے سطح کا علاج رہا ہے۔ اور یونیورسٹی کے سنڈی بورڈ کی ضرورت سے زیادہ کو کھڑی فرمائی ہے تو یہ نظر آ رہا ہے کہ علامہ منشی کی لکلیوں کا خیاب و یونیورسٹی کے عہد میں داخلہ نہ ہونے والا ہے۔ مگر مولوی عبدالحی صاحب

پتھوں کا عیائب خانہ

کسی ملک کا عجائب خانہ بھی ایسے خاموش مددگار ہوتا ہے۔ لہذا آج اس کی تعلیم دوسرے درجوں سے زیادہ موثر ہوتی ہے۔

امریکا والے کوشش کر رہے ہیں کہ اپنے عجائب خانوں کو سیرکب کے فہم کے مطابق بنا دیں۔ تاکہ لوگ ان کی طرف توجہیں اور ان سے صل حاصل کر سکیں۔ بچوں کے لیے بھی انہیں نے کئی عجائب خانے کھولے ہیں۔ جن کی رنگ برنگ پوٹریاں بعد دوسری چیزوں کو اسکول کے بچے اپنے گھر لے جاکر کئی کئی دن رکھ سکتے ہیں۔

امریکہ کے ایک غیر اہل سرحدین نے ان کے منظموں کو بتایا کہ لاکھ روپیہ اس شخص سے عطا کیا ہے کہ ان میں ایک تاریخی منظر کا سامان کیا جائے جس میں انسان کے عصرِ حجر کی (The Stone Age) سے لیکر اس وقت تک کا ہر دور ترقی اور یک وقت کچل کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔

ہمارے ملک میں بھی عجائب خانے اھر چلنا لگے ہیں اور دور انسان میں تماشا خانوں کا جو روتا ہے۔ بھرکتے ہندوستانی پنکے۔ اور کتے بچوں کے باپ ہیں جو کبھی ان عجائب گھروں سے ایک بے معنی حیرت کے سوا کسی قسم کی تعلیمات لائے ہیں ؟

پنجاب یونیورسٹی اور تصانیف شبلی

سرسید اسکول کے نمبر مغربی ادبیات اور ان کی تزیینوں سے
بے خبر تھے ہونے ہی اُردو زبان میں جس پائے کی کتابیں لکھ گئے
تھے۔ جو تھانیاں ممدی گرو مانے کے بعد یہی اب تسمہ اردو بولنے والوں
میں کوئی ایسا مصنف نہیں اٹھا جسے ششٹی - حالی - نذیر احمد اور آزاد
کا جانشین کہا جاسکے۔

اہل علم و فضل کی اس برگزیدہ جماعت میں دلوں کو فروزہ بجائے
خود کو مکتبے کے دروازہ پر رکھتا۔ لیکن خصوصیت سے علامہ صاحب جرحوم کی بلند
پایہ تصانیف کو نہ صرف اردو ادب اور نصف ہندوستانی لٹریچر بلکہ
مشرقی ادبیات پر بین الاقوامی تصانیف میں شمار کی جاتی ہیں۔
مشہور سنسکرت ڈاکٹر پراکاش نے شہنشاہی کے شعر العجمی کی ایک جلد
کا ترجمہ کر کے اسے اپنی کتاب ”ہمسری آف پرشیا“ کا حصہ بنایا ہے۔
پروفیسر راؤ اس وقت دنیا میں ایرانی ادبیات کا بے نظیر محقق اور
اسپیشلسٹ خیال کیا جاتا ہے۔

اس واقعے سے ہندوستان کے ایک اور بلاشمن اور یوہ پی تحقیقات سے جو خبر بروہی کے اخصیبتے کا مظاہرہ کر دینا کہ ایک لے ظہر مشرقی ایریڈ میں بیڈر کا ہندوستان کے ایک دیہی صنف کی محقق و متعبد کے سامنے علم ہا ہے سے رکھ دیا ہے۔ اس محفل براؤن کی کوسج الجھائی اور ہندوستانی خال صندھ رتھیں مٹری کی ویر کثیت ایک صنف و محقق کے شعلی بھی ہندوستان اور ایشیائے مایعرت و افغانر جاتا ہے۔

ہندوستان کے موجودہ اردو مصنفوں، نقادوں اور افسانہ نگاروں میں سے کون شخص ہے جاہلیان داری سے بھرپور کمر لے کر شہلی کی کتابوں کے کچرے نہیں سیکھا؟ اس حقیقت سے کہے انکار ہو سکتا ہے کہ ہندوستانی نو نوجوان شہلوں کے شہر کی لہا ب شہلی کی لہا نیف کے بغیر نامکمل رہ جاتے ہیں۔

بنجاب یونیورسٹی جس کے جاری کرنے کا اہم مقصد یہ بتایا گیا تھا کہ اسے فیسلمی مشرقی مذاہنوں اور مشرقی علوم کو زندہ کیا جائے گا۔

تھی۔ مگر اب صرف ۱۳۸ ہے۔

اس کی کمی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اب خود والدین نہیں جانتے کہ ان کے زیادہ اولاد جو، اودان کی حسب منشا پرورش نہ ہو سکے۔

دنیا کا سب سے پرانا اخبار

دنیا کا سب سے قدیم اخبار چین کا اخبار پکین ہے جسے چلی ہوئے ایک ہزار سال سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ اس طویل مدت میں جتنے اہل اس میں کام کر چکے ہیں ان میں سے اب تک ۱۵۰۰ آدمیوں کو باغیانہ تحریک کی پاداش میں قتل کی سزا دی جا چکی ہے۔ ملک چین کی عجیب صفت ہے کہ ہر چیز کی طرف پہلا قدم وہی اٹھاتا ہے۔ مگر انتہا تک پہنچنے سے پہلے ہی اس سے شیعہ ہو کر مکمل جاتا ہے۔ چین ہی نے پہلے پہل کاغذ بنایا۔ اسی نے چھانڈا ایجاد کیا۔ اسی نے سب سے پہلے اخبار بھی جاری کیا۔ گواکی ترقی اور اشتراکیت پرانے کام کو سب سے پہلے اخبار

خود بخود جلنے والا چراغ

ایک الیکٹک کی انگریزی کمپنی نے ایک ایسا لمپ ایجاد کیا ہے جس کو کربائی مرکز سے کوئی تعلق نہیں بلکہ جب کربڑتی ہے تو اس میں جھٹسل ہو نیو لہا حصہ اس سے متاثر ہو کر خود بخود روشن ہو جاتا ہے۔ کربڑنے والے دلف میں یہ لمپ اس کوں اور کالوں میں استعمال کیا جانے لگا ہے۔

طیریاں ہندوستان میں

ڈاکٹر روس لندن کی ایک علمی تقریر میں فرماتے ہیں کہ سیلون کے تین جھیلوں میں سے دو جھیلوں میں اس طیر نے آبادیوں کو داناں طیریاں کا دودھ دورہ رہا ہے۔ آباد جھیلوں میں بھی بہت سے مقامات کی آبادی اس کی وجہ سے کم ہوئی جا رہی ہے۔ ایک شہر کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ چند سال پہلے وہاں کی آبادی ۸۰۰۰۰ تھی مگر طیریاں کی وجہ سے اب صرف ۲۳۰۰ رہ گئی ہے۔

تا جوڑ

آبادی کے لحاظ سے تصنیف و تالیف کے اعلیٰ و شمار

گذشتہ اعلیٰ و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ تالیف و تصنیف میں دنیا کا تمام مہذب ملکوں میں سب سے آگے بڑھا ہوا ہے جیسا کہ ذیل کے نقشے سے ظاہر ہو گا۔

ہر سو ہزار آبادی پر ایک کتاب کے لحاظ سے

۱۱۵۳

ڈینمارک

۹۱۰

نارینڈ

۵۵۲

جرمنی

۳۵۸

فرانس

۲۶۰

انگلستان

۶۸۵

امریکہ

اسی جدول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ تصنیف و تالیف میں سب سے پیچھے ہے۔ مگر اس کے باوجود امریکہ والے مطالعے میں کسی سے کم نہیں ہیں۔ بلکہ تصنیف و تالیف میں ہی کی وجہ یہی ہے کہ وہاں سے اخبار دوسرے اس قدر نکلتے ہیں کہ انہی کے پڑھنے سے لوگوں کو فرصت نہیں ملتی۔ اور بغیر ہفتہ وار اخبارات کا وزن کئی کئی گنا ہوتا ہے۔

بچوں کی تربیت

یورپ کے ایک مشہور ماہر تربیت سے پوچھا گیا تھا کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری والدین پر عاید ہوتی ہے یا استاد پر؟ اس نے جواب دیا ہے کہ دونوں اس کے ذمہ دار ہیں کیونکہ آدمی جب تک بچہ ہوتا ہے اس کا بچہ بننے پر قادر نہیں ہوتا تو وہ جو کچھ سیکھتا ہے اپنے والدین سے سیکھتا ہے۔ مگر چار یا پانچ سال کا ہو جانے کے بعد اس کے اخلاق کی تعمیر کا کام استاد کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے اور اس عمر کو بچہ کے کچھ اپنے استاد ہی کا اثر لیکر جو ان سے ہوتے ہیں۔

یورپ کے ولادتی اعلیٰ و شمار

پہلے خیال کیا جاتا تھا کہ برطانیہ کی تعداد میں کمی کی نہایت صرف فرانس کو ہے۔ مگر گزشتہ اعداد و شمار نے انگلستان اور جرمنی کو بھی اسی نمبر میں بنا کر دیا ہے۔ انگلستان کی تعداد برطانیہ کی تعداد کے برابر ہے۔ حالانکہ اس وقت آبادی تقریباً ۳ لاکھ کم گئی اس طرح جرمنی کی تعداد اس سے زیادہ ہو چکی ہے۔

سیفو

یونان کی مشہور شاعرہ

امشب آتیش روئے گرم ژند خوانی بامست (غالب)

رنگینی شباب کی دنیا کہوں اسے باغ نشاط کا گل رعنا کہوں اسے
 یہ وقت ہے شگفتگی گھمائے ناز کا رعنائی تہا نظر آرا کہوں اسے
 اس جسم زرنگار سے جاری ہر موج رنگ شادابیوں میں جلوہ مینا کہوں اسے
 اس چم سحر کار میں لڑاں ہیں مستیاں آئینہ وار عشرت صہبا کہوں اسے
 روشن ہے اسکے عشق سے تصویر کائنات اک پر تو چراغ بجلی کہوں اسے
 اسکے فروغ حسن سے دیکھیں قص میں مستی کا ایک فتنہ برپا کہوں اسے
 اسکی سہیلیوں کو کہوں انجم نشاط اور ماہتاب آئینہ سیمما کہوں اسے
 وہ گیت گارہی ہے بہار شباب کے اس انجمن کی انجمن آرا کہوں اسے
 اشعار اس کے نورِ ترنم میں غرق ہیں نغموں کی لرزش طرب افزا کہوں اسے

یہ حسنِ باوقار ہو صرفِ نیازِ عشق سرگشتہ جنوں تمنا کہوں اسے
 یہ روئے شعلہ کار ہو بہنِ گدازِ عشق وارفتہ فنون تماشا کہوں اسے

تو آپ اپنے خواب کی تعبیر دیکھ لے
 اے عشق پائے ناز میں زنجیر دیکھ لے
 (عابد)

سفری یونیورسٹی

مشتعل رہے جب فلاہوش منہالا تو ایک سکول میں داخل ہو گئے۔ اور وہاں کی تعلیم خیر کے کالج کی تعلیم حاصل کرنے گئے۔ اس کے ساتھ ہی کالج کا خرچہ کیا کرنے کے لئے ایک سکول میں نوکری کر لی۔ پچیسٹی کی ڈگری مل گئی تو مختلف زبانوں کی تحصیل کے لئے جرمنی گئے مگر برلن پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ زبان سے فلسفہ افضل سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے یہی اپنا خیال بدل دیا۔ اور صرف فلسفہ کی تکمیل میں لگ گئے۔ امریکا واپس آئے تو سٹامفورڈ یونیورسٹی میں اقتصادی سیاست، پالیٹیکل سائنس، اور علم اجتماع کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اسی درمیان میں ایک واقعہ رونما ہوا۔ جو ہماری عمرت پذیر کی قابل ہے۔ یونیورسٹی کے ان کو اپنے عہدے سے اس جرم میں برخاست کر دیا کہ وہ دوسروں کی تحقیقوں اور باتوں سے بے پروا ہو کر اپنے ضمیمہ کی رہنمائی میں درس دیا کرتے ہیں۔ لیکن ان کی برطانیہ کے ہدیو نوکری کے تمام پروفیسروں نے محسوس کیا کہ وہ بڑی حد تک معقبہ ہیں اور آزادی کے ساتھ اپنی رائے نہیں ظاہر کر سکتے۔ سات پروفیسروں نے احتجاج (پروٹسٹ) کے طور پر استعفا بھی دیدیا۔ اخبارات نے بھی اس موضوع پر لکھنا شروع کیا اور سارے ملک میں شور مچا دیا کہ یونیورسٹیاں کے پروفیسر اپنی تحقیق اور اپنے نظریے کے خلاف درس دینے پر مجبور کئے جاتے ہیں اور جو اپنے ضمیر کے مطابق لولنے کی جرأت کرنا ہے وہ برطرف کر دیا جاتا ہے، آخر یونیورسٹی کے ارباب عمل و عقد کو رائے عامہ کے سامنے جھکانا پڑا۔ آزادی نے فتح پائی۔ ڈاکٹر روس اور دوسرے پروفیسر دوبارہ یونیورسٹی میں اپنے اپنے عہدوں پر واپس آ گئے۔

ڈاکٹر روس اقتصادیات اور فلسفہ اجتماع کے مین چند منقول ہیں سے ہیں جو اپنی تصنیف و تالیفات اور تعلیم و تدریس کی دنیا و حقیقی زندگی اور اس کے مشاہدات پر لکھتے ہیں۔ یہ صرف نئے نئے نظریے نہیں پیش کیا کرتے۔ بلکہ دنیا کی سیاست کرتے ہیں۔ شروع کو دیکھتے ہیں۔ وہ باتوں میں جاتے ہیں۔ مولوں اور گھروں کی زندگی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ خود وہاں کے رہنے والوں سے وہاں کے حالات

گزشتہ دنوں امریکا کی سفری یونیورسٹی کے ساتھ ڈاکٹر روس لکھتے پہنچے تو خیال ہوا کہ دنیا کے اس بڑے سیاح اور فلسفہ معراج کے سب سے بڑے ماہر سے جبرامریک کے متعلق کچھ سنوں اور ہندوستان کے متعلق کچھ سناؤں۔ مغرب کے وقت یہ سوچا کہ کمر سے چلا کہ ہوٹل کے کسی گوشہ تنہائی میں ان کے ساتھ تھوڑی دیر بیٹھ لوں گا وہ مجھ سے ہندوستان کی حالت پر پوچھیں گے میں ان سے امریکا کی کیفیت دریافت کروں گا۔ اور ڈیڑھ دو گھنٹے پر لطف علمی محبت رہی۔

لیکن ڈاکٹر روس نے مجھ سے ملنے کا جو سامان رکھا تھا وہ میرے خیال اور میری آنکھ کے خلاف نکلا۔ میں ہوٹل میں بیٹھا تو وہ خندہ پیشانی کے ساتھ ملے مگر جب میں نے ارد گرد دیکھا تو کوئی اور اہل علم بھی بیٹھے نظر آئے۔ جو غالباً میری جیسی ترانہ لکھنے سے ملے آئے تھے۔ میں کبھی مناسب گوشہ میں بیٹھنے کی فکر نہیں لگا ہوا تھا کہ ڈاکٹر روس نے کہا۔ میں اپنی یونیورسٹی کے طلبہ کے ایک گروپ کے ساتھ منتخب حضرات سے ہندوستان کے متعلق کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ یہ لکھ کر ہم کو ایک بڑے کمرے میں لے گئے۔ جو خاصا کچھ مال معلوم ہو رہا تھا۔ ساتھ طلبہ جن میں تقریباً نصف روکیاں تھیں بیٹھے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ہم اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ تو ڈاکٹر روس نے ایک فرسٹ کلاسیک میں میں انہوں نے ہندوستان کی اجتماعی زندگی اور سوسائٹی کے متعلق سیکڑوں سوالات پوچھے ہیں سے لکھ رکھے تھے۔ انہوں نے اس میں سے دویمہ ویکہ کمرے سے سوال کرنا شروع کیا ہم ان کے سوال کا جواب دیتے پھر طلبہ اور پروفیسر ہم پر جرح کرتے جب ان کی تشریح ہو جاتی تو دوسرے سوال بتواتر پوچھا کرتے تھے اسی حال جواب میں مصروف رہتے کہ بعد میں فرصت ملی اور میں نے سوچا کہ چلا آیا کہ کل جب ہمسائل ہو گئے اور ڈاکٹر صاحب جواب دینے والے۔ تو آج کا بدلہ لے لیا جائیگا۔

ڈاکٹر روس کو فلسفہ اور علم اجتماع میں کافی شہرت حاصل ہے۔ اور ان دنوں ملہر پر پائٹل کتابیں لکھ چکے ہیں۔ یہ امریکا کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے پچپن میں والدین کے ساتھ کاشتکاری میں

اور معاشرتی رسم و رواج اور امریکہ کے ساتھ ان کے تعلقات کا بظور مطالعہ کیا۔ پھر چین آئے اور وہاں کے حالات دیکھے۔ چینی راہنماؤں سے وہاں کی کیفیتاں سنیں۔ اس کے بعد برصغیر ہنسنے اور وہاں سے ہندوستان آئے ہیں۔ یہاں سے فارغ ہو کر مصر چلے گئے۔ وہاں سے فلسطین اور یوکرین چلے گئے۔ اس کے بعد یورپ کا دورہ کریں گے؟ آسٹریا یونیورسٹی کے طلبہ اور اساتذہ کی تعداد ۱۵ ہے جس میں تقریباً نصف لڑکیاں ہیں۔

نیر طالب علم سالانہ ۵۹۰ پونڈ فیس ادا کرتا ہے۔ جس میں اس کی رہائش تعلیم اور صیاحت کے تمام اخراجات شامل ہیں۔

”امتحان ہم جہاز ہی میں لیتے ہیں یا ان شہروں میں جہاں اترتے ہیں“

جب تک جہاز میں رہتے ہیں، کچھ دوپہر سے پہلے اور دوپہر کے بعد ہوا کرتے ہیں۔ مگر جب کہیں اترتے ہیں۔ تو دوپہر سے پہلے ہی ختم کر دیتے جاتے ہیں۔ تاکہ طلبہ وہاں کی سیر کی سہولتیں اور نظرت کے کچھ دیکھ سکیں۔

جی ہاں! امریکا کی حکومت اس یونیورسٹی کے ڈیپارٹمنٹ کو معتبر سمجھتی ہے اور اس کی خدمات کا اعتراف کرتی ہے۔

میں نے پوچھا کہ ایسی یونیورسٹی جاری کرنے کا خیال آپ کو کیسے اور کب پیدا ہوا؟

ڈاکٹر بوس نے جواب دیا کہ ۱۸۷۷ء میں ایک شخص نے ایک خیالی افسانہ لکھا جس میں اس نے دکھا یا تھا کہ ایک یونیورسٹی کے طلبہ نے اس کے مطالعہ کے لئے کتاب دیکھنے اور پڑھنے کی بجائے خود دنیا کا سفر کر رہے ہیں۔ یہی خیال تھا جس نے ۱۸۷۷ء میں علمی صورت اختیار کی جب ۵۰۰ طلبہ کی ایک جماعت امریکہ سے ایک جہاز میں بیٹھ کر دنیا اور دنیا والوں کے مطالعہ کو چلی۔ لیکن اس وقت مطالعہ اور دوس کا کوئی خاص نظم نہیں تھا۔ صرف چند اساتذہ ان کی رہنمائی کے لئے ساتھ تھے۔

گزشتہ سال رسالہ ”ایرشیا“ کے ایڈیٹر مسٹر گرین نے سوچا کہ اس جذبہ کو رواج دے اور کامیاب بنائے کے لئے ایک باضابطہ سفری یونیورسٹی جاری کرنی چاہیے۔ پہلے ہی ان کی آواز پر لیک لکھا اور یہ نئی یونیورسٹی نمودار ہوئی۔ جوائی اپنی سیاحت میں آپ کے سامنے ہے۔ مسٹر گرین نے اس کے بڑے ارادے ہیں۔

امریکہ اور یورپ کے تمدن کا فرق
میں نے کہا کہ آپ کی یونیورسٹی غالباً خاص امریکن تمدن کی پیدا

ہوتی ہے۔ اس کے بعد کسی ملک کے متعلق کچھ لکھتے یا پڑھتے ہیں جنہی امریکہ۔ یورپ اور جنوبی افریقہ کی کئی باسیاحت کر چکے ہیں۔ سن ۱۹۱۷ء میں جمہوریت کے اعلان کے بعد چین گئے اور وہاں کی تہذیب و معاشرت کے متعلق ایک جامع کتاب شائع کی۔ سوویت گورنمنٹ تھا تو مچھلانے کے بعد ۱۹۱۷ء میں روس تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے آکروس کے ماضی حال اچھتقل پر تین جلدوں میں ایک بہترین کتاب لکھی۔ اتنی علمی تحقیق کے بعد سبھی وہ ہمیشہ علم و معرفت کے پیاسے نظر آتے ہیں۔ اور صرف عقلی اور فطری ہی معرفت کے نہیں بلکہ ایسی بار آور اور نتیجہ خیز معرفت کے جو مختلف ملکوں اور مختلف قوموں کی معاشرتی زندگی سے اخذ کیا گیا ہو۔

سفری یونیورسٹی

توکل دوسرے دن وقت مقررہ پر میں پھر بول پینا اور ڈاکٹر بوس سے امریکہ کے متعلق بہت سے سوالات کئے۔ جن میں سے بعض یہ تھے۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے یہ دنیا کا چکر کھانے والی سفری یونیورسٹی کی بدعت خوب جاری کی ہے؟

انہوں نے جواب دیا کہ ”اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ تعلیم کتاب کے دائرے سے نکل کر ہر ارض کے مشاہدات پر قائم ہو۔ اور طلبہ علم جزائری کتابوں اور لکچروں سے حاصل کرنے کے بجائے خود دنیا کی حسیات کر کے حاصل کریں۔ اور جہاں جہاں چاہیں وہاں کی سیاسیات آفیشیا دنیا اجتماعیات۔ وہاں کی تاریخ۔ وہاں کے مذاہب اور تہذیب و تمدن کے متعلق سنی سنا کی باتوں کا اپنی آنکھوں سے مطالعہ کریں یہاں یونیورسٹی کے طلبہ ہندوستان کی تاریخ یہاں کی سیاست۔ یہاں کی سوسائٹی اور یہاں کے اجتماعات کی پیمائشیں پڑھ چکے ہیں اب خود یہاں آئے ہیں کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ان کے متعلق صحیح رائے قائم کر سکیں۔ وہ تقریباً ایک ماہ ہندوستان میں رہیں گے۔ یہاں کی کیفیت میں سے مشہور رہنماؤں اور بڑے بڑے لوگوں سے بیٹھنے یہاں کی تاریخی یادگاروں اور یہاں کی عظمت رفتہ کے نقوش اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ہم دنیا کا ہر ملک اور کسی ملک کا رجعت نہیں دیکھ سکتے۔

اس لئے ہم نے ایسے ملک اور ایسے مقامات منتخب کر لئے ہیں جو اپنے اندر گہرے طرز معاشرت کی نمایندگی کرتے ہوں۔ ہم امریکہ سے چل کر جزائر فیلیپائن میں پہنچے۔ ہمارے طلبہ نے وہاں کے باشندوں ان کی طرز معاشرت ان کے آپس کے خاندانی تعلقات۔ ان کے مذہبی

قدیں لگے رہتے ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ امریکہ کی عام خوشحالی اسی مزدوری کی زیادتی پر موقوف ہے۔ وہاں اُہرت اتنی کا کافی قسط ہے کہ ایک مزدور مزدور سے تین کھائی لگائی بجادی اور بیماری وغیرہ کیلئے کبھی کبھی انداز بھی کر سکتا ہے۔ یہ سیکس کو سو مزدوروں کی کمائی قمار بازی کی مدد پر جانی؟ اس لئے وہ ہمیشہ فوفاق میں مبتلا رہتے ہیں۔ مگر ہم نے قمار بازی کا قانون بند کر دی ہے۔ اس لئے ہمارے پاس کافی دولت جمع ہو گئی ہے۔

دو چار جمع کرنے کے وسائل بھی ہمارے ہاں بہت ہیں جن میں سب سے زیادہ اہم یہ سیکھیاں ہیں جو اس وقت ۳۰ ملین (تین کروڑ) امریکیوں کی عزت۔ مرض اور موت وغیرہ کی ضامن ہیں۔ اس کے علاوہ غیر فوفاق کا علاج تعلیم سے کرتے ہیں۔ دیرا سہتا ہے متحدہ امریکہ کا بعض ریاستوں میں ۱۴ سال اور اکثر میں ۱۶ سال کی عمر سے پہلے کوئی لڑکا مزدوری نہیں کر سکتا۔ ہر ریاست میں ایسڈی اور ٹوائس ریسنڈری تعلیم چری ہے۔

لڑکے اپنی ۱۴ یا ۱۶ سال کی عمر تک قانوناً تعلیم لگے رہتے ہیں۔ اور اسی درمیان میں کوئی کام کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ حالات جلد دہی تو ان میں سے ذہین طلبہ یونیورسٹی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ باقی ہماری یونیورسٹیوں میں ایک ملین (دس لاکھ) طلبہ تعلیم پارے ہیں اور ایسی تعداد ہے کہ ساری دنیا کی تمام یونیورسٹیوں کے طلبہ کی مجموعی تعداد بھی اس سے کم ہے۔ غریبوں کی امداد کے لئے امریکہ میں سیکرٹوں آج بھی قائم ہیں۔ کئی صورتوں میں حکومت بھی ان کی مدد کرتی ہے۔ لنگر دے۔ نو لے اور دینی مرفیوں کے لئے خاص خاص جائے چناہ جی ہوئی ہیں۔ امریکہ کی سڑکوں پر آپ کو کوئی بھیک مانگنا شش کرنے پر بھی نہیں مل سکتا۔ لا وارث بچوں اور غریب ماؤں کو مکمل مت کی طرف سے ضروریات مینیا کی جاتی ہیں۔

عورتوں کی آزادی

میں نے حیا فت کیا کہ "امریکہ کی عورتوں پر نئے حالات کا کیا اثر پڑا ہے؟"

ڈاکٹر روس نے جواب دیا کہ "آج کل امریکن عورت دینی عورتوں کے سوا تمام دنیا کی عورتوں سے زیادہ آزاد ہے۔ اس کے لئے ایک میں مردوں کی طرح برکادار کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اس لئے ایک امریکن عورت کے نزدیک طلاق کوئی اہم چیز یا قی نہیں رہی ہے۔ سب وقت وہاں طلاق کی درمط ہر سات شادی میں ایک ہے۔ طلاق کے طلبکاروں میں ایک تہائی مرد ہیں اور دو تہائی عورتیں۔ پہلے کی

ہے کیونکہ میرے خیال میں یورپ میں ایسی یونیورسٹی نہیں جاری ہو سکتی۔ پھر امریکہ اور یورپ کے تمدن میں خاص فرق کیا ہے؟"

انہوں نے جواب دیا کہ "امریکن تمدن یورپ ہی کے تمدن کی بنیاد پر قائم ہے لیکن وہ یورپین تمدن سے آگے بڑھ گیا ہے اور قدامت پرستی کو بالکل ترک کر چکا ہے۔ ہر امریکہ میں کسی کا احترام اس کے اصل و نسب کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ اس کی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے کرتے ہیں۔ ہم خاندان اور حسب و نسب کے ان بھگڑوں کو جاننے تک نہیں جو یورپ میں رائج ہیں۔ علاوہ بریں ہم کسی ایسے پیشہ ور شکار کو حقیر نہیں سمجھتے جس میں کسی حد تک ذہنی مہارت بھی شامل ہو اور جس جانوروں کے عمل کی طرح صرف جسم اور درگ پھولوں تک محدود نہ ہو یہی وجہ ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں کے اکثر طلبہ اپنی روزی اپنے کاڑھے لینے سے حاصل کرتے ہیں۔ اس سفری یونیورسٹی میں بھی لڑکے تو الگ رہے لیکن لڑکیاں ایسی ہیں جو ہمارے کڑے و سحرانہ خرچ نکالتی ہیں۔ جب میں سٹافورڈ یونیورسٹی میں پروفیسر تھا تو ریاستہائے متحدہ امریکہ کے موجودہ پریزیڈنٹ مسٹر ہوور وہاں کے ایک غریب طالب علم تھے۔ اپنا کھانا اپنے ہاتھ سے پکا یا کرتے تھے۔ اور پڑھنے سے جو وقت بچتا اس میں مردوں کا کام کرنے کے اپنے اخراجات پورے کرتے تھے۔ امریکہ میں علمی درجہ یورپ سے بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہے۔ اسی کی وجہ سے وہاں صنعت بھی بہت ترقی کر گئی ہے۔ اور یورپ سے بہت زیادہ علم ہو چکی ہے۔ ہم میں اور یورپ میں سب سے بڑا فرق یہ ہے۔ کہ ہم خوشحالی پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کو حاصل کرنے کے لئے عملی جدوجہد کرتے ہیں۔ رہبانیت اور فقر و فاقہ کے فضاں پر ایمان نہیں لاتے اور ہم اس شخص کا احترام کرتے ہیں۔ جو مالدار ہوئے کے لئے کچھ کام کرتا ہے۔ جب وہ مالدار ہو جاتا ہے تو اس کا احترام بھی ہمارے لئے اس وقت غیر ممکن ہے۔ جب وہ کوئی کام نہ کرے اور امریکن قوم کا ایک عضو معطل بن جائے۔ اس لئے ہم میں کوئی بیکار نہیں رہتا۔ نہ کوئی بے مکتوب مرنے والا ہے اور نہ کوئی بے مکتوب عیش ڈال گئے

غربت اور فقر کی علاج

میں نے کہا "لیکن آپ میں جو غریب ہیں ان کا آپ کیا سامان کرتے ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا کہ "امریکہ میں ایک مزدور کی اُہرت ساری دنیا کی متوسط اُہرت سے زیادہ ہے۔ ہر مہینہ چھ مہینہ مرنے والے کی

کھاتا ہے۔ اچھا پیتا ہے۔ آمدورفت میں وقت ضائع ہونے سے بچانے کے لئے ایک موٹر خرید لیتا ہے۔ اور پھر اتفاقی ضروریات اور بڑھاپے کے لئے کچھ پس انداز بھی کر لیتا ہے۔ مختصر یہ کہ شراب کی بندش کی وجہ سے امریکہ کی خوشحالی بہت بڑھ گئی ہے۔ اور وہاں کی معاشرت بہت بلند ہو گئی ہے۔ اب امریکہ شراب کو ہمارے جگہ سے نہیں جانتا کہ یہ عیبت پھر واپس آئے۔ بعض لوگ اس عیبت کو بھروسہ دینا چاہتے ہیں مگر وہ ملک کے لئے باعث نیک و ہار سمجھے جاتے ہیں۔ ملحد ہونے کے باوجود ملک میں ان کی کوئی وقعت نہیں ان کو سوسائٹی کا ایک بیکار رکن اور ملک کی دولت ناجائز طور پر صرف کرنے والا خیال کیا جاتا ہے۔ فقط اپنی لوگوں کے لئے شراب کی ناجائز درآمد کی جاتی ہے۔ درنہ عالم باشندے ہر طرح اس بندش پر راضی ہیں اور اخلاق کو بر باد کرنے والی اس لال پری کو منہ نہیں لگانا چاہتے؟

صدیق طبیب

برسبب اب عورتوں کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی ہے۔ آج کل کوئی عورت گھر کی خدمتگاری بڑی بڑی تنخواہیں پر بھی مشغول سی سے قبول کرتی ہے۔ عورتوں کی آزادی کا نظاریہ اثر یہ پڑا ہے کہ وہاں کے مرد پہلے سے زیادہ صاف ستھرے اور زیادہ پاکیزہ نظر آتے ہیں۔ اور عورتوں کو رجھانے کے لئے بننے سنوٹے اور چہرے کی صفائی کا بہت خیال رکھتے ہیں۔

شراب کی بندش

میں نے پوچھا کہ شراب کے خرید و فروخت کی بندش کا کیا اثر ہوا ہے؟ رائے عامہ اس کے موافق ہے یا نہیں؟ اور اس بندش کی وجہ سے نقشے کی دوسری چیزوں کا رواج تو نہیں بڑھ گیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ”نہیں۔ شراب کی جگہ دوسری چیزیں نہیں رائج ہوئی ہیں۔ بلکہ ایک امریکن پینل جو روپیہ شراب میں بر باد کرتا تھا اب اسے اپنی بہبودی پر صرف کرتا ہے۔ اس لعنت سے نجات پانے کی وجہ سے آرمی سے اچھے مکان میں رہتا ہے۔ اچھا

بیسویں صدی کے خدا سے

بندے بپکارتے ہیں کہ خالق کوئی نہیں
ایک اد آب و گل کا تماشا بنا تو دے
ایک شور ہے کہ بعد فنا زندگی نہیں
پر دے اٹھا کے حشر کا غم دکھا تو دے
جنت بنی ہوئی ہے خود آرائی خیال
کوڑ کی ایک موج جہانیں بہا تو دے
یوسف کا حسن قصہ پارینہ ہو گیا
دنیا تروپ اٹھے کوئی ایسا بنا تو دے
دنیا کو آستانہ وحدت پر پھیر دوں
مالک مجھے دیوڑا الہی سکھا تو دے

عالم کی بے رنجی پہ نہ جائیں تو محو ہوں
کچھ عبد ماسلف کے فنا نہ بنا تو دے

سیدنا شمس لکھنوی

ہندو فلسفے کی تعلیمات

(دراوید آئریل پنڈت سر سنیاس شاستری)

ان رشیوں کے انکشافات کتابوں میں نہیں لکھے جاتے تھے۔ بلکہ سیدہ پیدہ استاد سے شکار کی طرف منتقل ہوئے تھے۔

انہیں انکشافات کا نام "پیدہ" ہے جس کے لونی معنی "علم" کے ہیں۔ "پیدہ" ان انکشافات سے متعلق ہے جو اوروں کا باطنی اور ذہنی عبادت سے حاصل ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے کو ایک مقدس اور الہامی کتاب تصور کیا جاتا ہے۔

جو کچھ اس کتاب مقدس میں درج تھا۔ اسے ناقابل تردید اور قاطع تصور کیا جاتا تھا۔ چنانچہ کسی شخص کو اجازت نہ تھی کہ وہ فلسفے کے ایسے مسائل پیش کرے جن کی تائید میں وہ دید مقدس سے ثبوت نہ لاسکتا ہو۔

بلاشبہ ایسے لوگ بھی موجود تھے جو اس کتاب کی الہامیت سے انکاری تھے بڑی شال کے طور پر بودھ مذہب کے پیرو پیش کئے جاسکتے ہیں۔

تاہم ہندوؤں کی ایک بہت بڑی تعداد اسی کتاب مقدس کی پیروی کرتی ہے۔ ہمیں اس زمانے کے صرف دو فلسفیانہ مذاہب کا حال معلوم ہو سکا ہے۔ پہلا مذہب صرف ان رسم و رواج سے متعلق تھا جو دید مقدس میں درج ہیں۔ اور اس اعتبار سے اس کا تفصیلی تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔

دوسرا مذہب "ویدانت" نام سے موسوم ہے۔ جس کا مطلب "انتہائے علم" ہے۔ ادیسی شے ہے جو دید مقدس کے انکشافات کا مقصد ہے۔ چاروں مسائل ایسے تھے جن کی حلاقت پر تمام مذاہب متفق تھے۔ پہلا مسئلہ یہ تھا کہ انسان کے جسم میں ایک لطیف شے موجود ہے جسے "روح" کہا جاسکتا ہے۔

اس شے کو فنا نہیں۔ چنانچہ خیال کیا جاتا تھا کہ قدیم رشیوں کی رو میں زندہ ہیں۔ اور ایک بار رہیں گی۔

دوسرے یہ کہ انسان کے افعال و اعمال سے خاص اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ جو ایک نہ ختم ہونے والے چکر کے ساتھ گردش کرتے رہتے

چار ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ ہوتا ہے کہ شمالی ہندوستان میں دیواؤں کے کنارے عظیم آئین خاندان کی ایک شاخ آباد تھی، فطرت نے انکی خور و نوش کے ذریعہ اس کثرت سے ہمہ پہنچائے تھے کہ انہیں بہت کم جسمانی محنت کرنا پڑتی تھی کیونکہ کھانے پینے کی تمام اشیاء انہیں آسانی سے حاصل ہو جاتی تھیں۔ کچھ جنگلوں کی کالا درمیب خاموشی نے اس زمانے کے رشیوں کو فطرت کا راز دار بنا دیا تھا۔ ان کے اور فطرت کے درمیان ایک روحانی رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ اور وہ فطرت کے رموز و اسرار کو اس طرح سمجھتے تھے کہ کم رنگوں کو اس کا جواب و خیال بھی نہیں آسکتا۔ وہ اندوں فطرت کی پیچیدہ لمحتیاں سمجھانے میں مصروف تھے۔ اور دنیا جو حیرت منی۔ ہندوستانی و ماغ خصوصیت سے تفکر و تدبیر میں ممتاز ہے۔ ادیسی وجہ ہے کہ ہندوستانی ہمیشہ مابعد الطبیعیات کی گریں کھولنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اندوں فلسفے کے بہت سے سکول قائم ہوئے اور آخر کار ان میں اختلافی مسائل اس قدر بڑھ گئے کہ ہر سکول ایک علیحدہ نام سے موسوم ہو گیا۔ ان میں سے کچھ وہ لوگ تھے جو خدا کی ہستی سے انکار کرتے تھے۔ کچھ متشککین کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ کچھ مادین کہلاتے تھے، کچھ ایسے بھی تھے جو دنیا کی ہر شے کو فانی سمجھتے تھے۔ اور عالم خواب و خیال سمجھتے تھے۔ ایک گروہ تھا اپنے آپ کو تحقیقین کا لقب دیتا تھا۔

ان تمام لوگوں میں ایک بات مشترک تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ لوگ تفکر و استدلال کی بجائے اوروں کا باطنی سے کائنات کی صدا کو تک پہنچتے تھے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ اوروں کا باطنی میں اور استدلال کے طریقوں میں کون کون سے اختلافات تھے۔ عام طور سے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ رشی ہر کسی فطری منظر کو دیکھ کر فوراً اس کی حقیقت کو معلوم کر لیتے ہیں کیونکہ ان کا باطنی فطرت سے اس قدر گہرا ہوتا تھا کہ ان کی نظر فوراً تہ تک پہنچ جاتی تھی۔

ہماری شعوری حالت اور اس حالت کا ہر ایک فعل دو عناصر میں تقسیم ہو سکتا ہے۔ خارجی - اور باطنی یا فاعلی اور انفعالی۔ یہ دونوں عناصر ایک دوسرے کی ضد نظر آتے ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیان جو تعلق قائم ہے وہ ایسا پیچیدہ و کثرت مآں دنیا کے فلسفی شروع ہی سے اس کے متعلق تفرک کرتے رہے ہیں۔

”شکر نے جو نظریہ پیش کیا وہ حسب ذیل ہے۔

اس کا خیال ہے کہ فاعلی اور انفعالی - خارجی اور باطنی دونوں کیفیات واقعی اور حقیقی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ کہتا تھا کہ یہ دونوں کیفیات شعوری حالت کا ایک فعل ہیں۔ اس کے خیال میں ہمارے شعوری حالت کے ذہنی تصورات اور دنیا کے مادی مناظر دونوں ایک ہی انسانی تجربے کے مختلف پہلو ہیں۔ تمام اشیا کی تین ایک روشن صداقت پوشیدہ ہے۔ مادہ - روح - اور تمام خارجی مناظر و مظاہر اسی روشن حقیقت کے عکس ہیں۔ یہی صداقت ہے جو نہایتی ادب میں ”براہمان“ کے نام سے پکاری جاتی ہے۔

یہ صداقت انہی اور غیر محدود تھی۔ اس کے علاوہ باقی تمام اشیا محدود تھیں۔ ہمارا ذہن اور ہمارا علم شرط تھا۔ مقید تھا۔ دوسری کئی چیزوں پر منحصر تھا۔ لیکن یہ حقیقت تمام شرائط اور پابندیوں سے مبرا تھی۔ مکان و زمان کی قید - اور علت و معلول کی دیکھیں اس صداقت کے لئے بے معنی تھیں۔

ہمارے الفاظ - ہمارے تصورات و احساسات - ہمارا تخیل جو ناپیدہ اشیاء و حقایق کی عکس کرتا ہے۔ یہ تمام صفات اس حقیقت کو واقعتاً سمجھنے اور دیکھنے سے قاصر تھیں۔ یہ شیے دونوں جان سے بالاتر تھی۔ ان الفاظ میں ادا ہو سکتی تھی نہ ذہن میں آ سکتی تھی۔ اس کے متعلق صرف یہ کہا جاسکتا تھا۔ کہ ”وہ موجود ہے۔ اندیس ہیں کی تعریف صرف لفظی سے کی جاسکتی تھی۔ جب اس کی تعریف کسی قبائلی پہلو سے کی جاتی تو وہ صداقت مکان و زمان کی دیکھیں میں جکڑی ہوئی نظر آتی۔

دنیا میں سولے اس حقیقت کے اور کچھ نہیں۔ کائنات کی تمام اشیاء - روحانی ہوں یا مادی - اس نورانی کاپر تھیں۔ مادہ مختلف شعبوں میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ روح کے احساسات عجیب عجیب نوعیت اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ تمام کے تمام اس صداقت ہی سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر

ہیں اور علت و معلول کا ایک سلسلہ قائم کرتے ہیں۔ جو مختلف نہ نظرتے والے محرکات سے اثر پذیر ہو کر خاص اعمال کے مرکب ہوتے ہیں۔ پھر ان اعمال سے چند نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اور اس طرح ایک جگر قائم ہو جاتا ہے۔

یہ وہ نظریہ ہے جس کو ”کرم“ کہتے ہیں۔ اور ”کرم“ کے لغوی معنی بھی ”عمل“ کے ہیں۔ انسان کا کوئی ایسا فعل نہیں تھا۔ جو اس نے شعوری حالت میں کیا ہو۔ اور پھر خود بخود ہی اس فعل کی سزا یا جزا نہ پالی ہو۔ نیز اور جزا خود پہلے کی سرشت میں داخل ہیں۔ اسی ”جگر“ کا ایک لازمی نتیجہ ”تنازع“ ہے۔ روح اس بات پر مجبور ہے کہ اپنے اعمال و افعال کا خمیازہ جھگٹے۔ اور مختلف صورتوں میں مشغول ہو کر گناہوں کا کفارہ ادا کرے۔ موت - روح کی فنا کے لئے کافی ہے۔ موت صرف ”جسم“ کے فنا کا نام ہے۔

جو سلسلہ بہت اہم تھا۔

یہ عالم اسباب لازمی طور پر ایک ”دنیا“ تھا۔ کیونکہ دیکھا جاتا تھا کہ انسان پیدا ہوتا تھا اور مر جاتا تھا۔ اس کے پیدا ہونے کا کوئی تسلسلہ نہیں آتا تھا۔ نہ اس کی موت کی کوئی غایت معلوم ہوتی تھی۔ پھر معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا تھا۔ بلکہ ایک بار فنا ہو کے انسان کی روح پھر کئی شکلوں میں منتقل ہو جانے پر مجبور تھی۔ اور اس طرح یہ بے درجہ جگر ازل سے اب تک قائم تھا۔

اس کرب و الم سے کس طرح چھٹکارا حاصل کیا جائے؟ یہی وہ ضروری سوال تھا جو تمام فلسفیوں کو دعوت عمل دے رہا تھا۔ ظاہر تھا کہ کرب تک انسان ”خلقت و فنا“ کے دائرے سے نکل نہ جائے۔ ”الم“ مانگ رہا تھا۔ چنانچہ ہر مذہب کا مقصد یہ تھا کہ انسان کو اس قسم کی بدایات دی جائیں کہ وہ اس زندگی اور موت کے چکر سے آزاد ہو جائے۔

ان مذاہب میں سب سے زیادہ اہم تعلیمات ”ویدانت“ ہی کی ہیں۔ سن عیسوی کے آغاز میں ”شکر“ نے جو ایک وسیع النظر عالم تھا۔ پرانے فلسفہ کی تفسیریں پیش کیں۔ میں اسی عالم کے فلسفے سے بحث کروں گا۔

شاہد لیون ہگس میں اپنا مطلب واضح نہ کر سکوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے سکول میں فلسفے کی تعلیم نہیں پائی۔ بلکہ اپنی عمر کے مختلف حصوں میں شوقیہ اس کا مطالعہ کیا ہے۔

ہو جائے کہ مایا کی حقیقت کچھ نہیں۔ اور اس حاصل و ہمت کے ساتھ ہی الم و کرب کے تمام پردے چاک ہو جائیں۔

علم طور پر مغربی فلسفہ "ویدانت" کی تعلیمات کو یا اس آشنا تصور کرتے ہیں۔ لیکن شنکارا کی تعلیم اس بات کو بھٹلاتی ہے۔ اس کا قول ہے کہ انسانی رُوح کی حلا "علم" پر منحصر ہے۔ لیکن یہ "علم" دھنیں جیسے جو کچھ ہوں کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ بلکہ نور ان کی ایک شعاع ہے کہ جب اس کا عکس آئینہ دل میں آجاتا ہے تو کائنات کے تمام رموز حل ہو جاتے ہیں۔ اور رُوح "کرب و الم" کی دشواریوں سے چھوٹ جاتی ہے۔

"ویدانت کی تعلیمات کا مقصد یہ تھا کہ سچائے کتابی علم کے علم الہی حاصل کرنے کے طریقے سمجھائے جائیں۔

کہا جاتا ہے کہ شنکارا کے فلسفے میں "اخلاقیات" کی کوئی تعلیم نہیں لیکن یہ بات غلط ہے۔ شنکارا نے اس بات کی تخصیص کر دی ہے کہ تو حقیقت کو وہی لوگ دیکھ سکتے ہیں جن کے دل پاک و صاف ہیں جو تمام عجز و تکبر کا دم کرتے رہے ہیں۔ اور جب کا خیال کبھی گناہ کے تصور سے آلودہ نہیں ہوا!

یہی وہ لوگ ہیں جو مایا کو متروک کر کے اپنی توح کو نور انی میں گم کر سکتے ہیں۔

وہ روشن حقیقت ناقابلِ تغیر ہے۔ تو اس کے مظاہر میں استعدائے غیر کی ہنسی رکھنا ہے۔ کسی شخص کو اس کا جواب معلوم نہ تھا۔ ہندوستانی فلسفیوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ اوڑے کے یہ تمام تغیرات یہ فریب یہ نقاب۔ جو حقیقت کی روئے روشن کو چھپائے ہوئے ہے "مایا" ہے۔

اور ہم آفتاب حقیقت کا، جڑِ زندگی کو اسی پردے کے ذریعے دیکھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مایا کی جسمانی صورت ایک دغا باز و خولعبورت نازنیں کی بنائی جاتی ہے۔ کیونکہ قدیم زمانے کے ریشموں کا خیال تھا کہ "دغا" اور "غریب" عورت کی فطرت کا ایک جزو لازمی ہے۔

اس اعتبار سے مایا ایک ایسی چیز مغربی جس میں کچھ وعدہ آفتاب حقیقت کی شعاعوں کا تھا اور کچھ غلامِ سبب کی ظلمت کا۔ اسی وجہ سے یہ غلط مختلف ناموں سے موسوم ہے۔

شنکارا کی تعلیم سچی کہ مایا ایک نقاب ہے۔ جو ظلمت جہل کا دوسرا نام ہے۔ انسانی رُوح نے اپنی حقیقت کو فراموش کر دیا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ وہ موت اور زندگی کے چکر سے رہا نہیں ہو سکتی۔ اگر ایک بار انسان اپنی روحانی آنکھیں کھول کر دیکھے تو اسے معلوم

تنوعات بہار

پھر جھوم کے وہ صحابِ برسا اترائے چمنِ شبابِ برسا

یوں رحمتِ کردگارِ برسی پانی کے عوض بہارِ برسی

ہر قطرہ آبِ گلِ بدامن ہر لونِ دلی کف میں رُوحِ گلشن

شورش سے فضا ہوئی ہم آغوش

پانی سے خلا ہوئی ہم آغوش

لاہور کا نغمہ

کلکتہ ایک خوبصورت دہن ہے جو شہر کے انتظار میں جھرم جھرم ہے
اس کا چہرہ ساری کے ایک رنگین آئین میں چھپا ہوا ہے سگر بے روشن
کی تابانی چاند کی کروں کی طرح موجوں میں پرا پھٹی کر رہی ہے اس کے
گہرے انتظار کے سوز و گداز سے ایک شکر جاسوز بن گئے ہیں۔
دہلی ایک سانحہ ہر خاتون ہے۔ جس نے حوادث زمانہ سے
دانشمندی اور تجربے کا سبق سیکھا ہے اس کی عمر شباب کی خطرناک اور
روح سوز دہوں سے گزر چکی ہے۔ مگر اس کے کچھ پرے پر مٹی ہوئی خوب
صورتی کے نشان باقی ہیں اس کے سعید ہال اور پیشانی کی تھریاں تقدس
اور پاک بازی کے اثرات سے پڑے ہیں اس نے اپنے بچوں کو خون کے
گھاٹ اترتے ہوئے دیکھا ہے لیکن اس کے گراں دقا اور خفا مار
نغمے امید کے رنگین پیغام سے لہر پڑے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ
نغموں کی مٹی میں ایک درخشاں مستقبل کی طرف جا رہی ہے +
ان تمام شہروں کے نغمے میں نے پچان لئے۔ مگر جب لاہور کی باری
آئی تو مجھے احساس ہوا کہ اس شہر میں ایک ایسی شے ہے جو افلاک
میں ادا نہیں ہو سکتی۔ ایک ایسی کیفیت ہے جوادی راہیل کے نفس
میں مغنیہ ہونا نہیں پہچتی جسے چھو جائے تو غزل کے نغمے پر لپڑا ہوا کہ
کہیں دُعا جا چکی ہے۔

آخر کار میں نے اپنے عزیز و دستِ حاد سے اس پریشانی کا
تذکرہ کیا۔

میں نے کہا "یا تو لاہور کے نغمے یہی ہیں۔ یا میری عقل
کی رسانی ان اٹھاد گھرائیں تک نہیں ہوتی۔ تم تو لاہور میں بھیجے
رہے ہو۔ کیا تمہیں کچھ محسوس ہوتا ہے کہ فیظ افغان شہر لاکر
بیعتِ ننگ شاہی میں ملنے کو خفا کیا گھٹائے کلہ میں تم سے کیا
کہتا ہے + مجھے اس خوبصورتی کو محسوس کرنے کا طعنے دتے ہیں مگر
عامانے بے پروا نے جواب دیا "طعنے حرف! طعنے ہو خیر یا
کیوں نہیں پڑھتے +"

مجھے مامد کی بے نیازی دیکھ کر کچھ غصہ سا آگیا۔
عامد! تم بالکل کر ذوق ہو کیا تمہیں احساس نہیں ہوتا کہ ہر

دیکھے دنوں مجھے مریمیت کے کعبہ و ترغیب سے ستا کر ہوا کر خیال ہوا کہ
جس طرح کائنات کی تمام مٹیاں باہم ایک خاص متناسب رابطہ پایا
جاتے ہیں اس طرح مختلف شہروں اور زمین شہر بھی زمین پر ایک خاص اثر
مترتب کرتے ہوں گے۔ اس اعتبار سے خیال کو آہارہ چھوڑ دیا گیا تو جن
میں مجب عجیب کیفیات پیدا ہوئیں ہیں لے کو کشش کی کہ شہروں
کے مجموعی تاثرات کو کسی مادی چیز سے تشبیہ دی جائے اور ان کا
کوئی محبوب و غامضی مقرر کیا جاوے۔

انسان شاعری کے دھانی نغموں کو مادی نام دے سکتا ہے مثلاً
میں ان کو بھی ایک بحرِ فارسی کہیں ایک جوسے کم آب سے۔ کہیں ایک
خود رو چٹے سے نغمہ بیہ دی گئی ہے۔

انسان سین و میل پھولوں کی زبان بھی سمجھ سکتا ہے۔ محبت
کی گیندیں سے مختلف پھولوں سے مختلف جذبات ادا کرنے کا
کام لیا ہے۔

انسان نہایت مشکل اور پیچیدہ مٹے حل کر سکتا ہے یا مٹی
کے اشکال اور نغموں کی قبر کے حوت و نشانات اس بات کا ایک
روشن ثبوت ہیں۔

انسان فطرت کے متاثر و متاثر ہوا کر کشف کر سکتا ہے
چند خیال سے متدوں کو ترس کر تے ہوئے دیکھ سکتا ہے۔ کیا وجہ
کہ شہر جو لفظ پیدا کرتے ہیں انسان صرف اسی کو سمجھنے سے قاصر ہو؟
یہ مقصد نظر رکھ کر میں نے مختلف شہروں کی سیر کی۔

بمبئی کا سودا نازا قرین سب سے زیادہ دلکش ثابت ہوا ایسا معلوم
ہوتا تھا گویا ایک نازنین اپنی گذشتہ جوانی کے ایام بہار کو یاد کر رہی ہے
چہرہ نقوش غم سے پاک ہے مگر دل میں ایک میٹھا میٹھا درد ہے جس کے
اثرات اکھڑوں میں ایک سچ انفرادی کی صورت اختیار کر چکے ہیں ان
کے ہاتھوں میں ایک رباب ہے۔ جو شرقی اور مغربی تاروں کی گزیرش
سے بنایا گیا ہے اس کے نغمے کسی مشرق کی سوکار پارگی سے
لہر رہتے ہیں۔ کہیں مغرب کی بے مشرت کاریوں سے۔

سپاہی نے میری طرف دیکھا پھر کہنے لگا: "دوست میری اپنی کوئی رائے نہیں میری وہی رائے ہے جو میرے افسروں کی رائے ہے!" یہ کہہ کر وہ پھر اسی طور پر منت کے انخام میں مشغول ہو گیا۔ عرصے کے بعد سے جب کہ گاڑیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ڈراؤنگ کیا۔ اس نے میرے کان میں رزدارانہ انداز میں کہا: "میری شادی کو صرف ایک ماہ چھوٹا ہے ذرا یہاں مقبرہ رہو تو میں بیوی سے مل آؤں میرا گھر قریب ہی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ بڑھتی ہوئی تاریکی میں مشرق کی طرف غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آگیا۔ اور میرا شکریہ ادا کرنے کے بعد کہا: "لاہور کے نئے؟ ہاں۔ آج کل باہر سے ایک کمپنی آئی تو ہوئی ہے سنتا ہوں وہاں ایک دو اچھے کامیولے ہیں یا یہ کہہ کر اس نے اپنا سنہ میری طرف سے پھیر لیا۔ گویا کمپنی کے متعلق اطلاع دے کر وہ مجھے اس تکلیف کا کلی معاوضہ دے چکا تھا۔ جو میں نے اس کے لئے برداشت کی تھی۔

وہاں سے چل کر میں ملکہ وکٹوریہ کے مجھے کے پاس سے گزر رہا تھا کہ یکایک سامنے سے جناب عاشق نور اللہ ہوئے۔ وہ شاعر تھے اور خود بھی سلاسل تھے۔ ایک خود فراموشانہ انداز میں وہ میری جانب بڑھے۔ اور آہستہ آہستہ اور اس نے راستہ نہ دیا ہوتا تو یقیناً وہ مجھ سے ٹکرا جاتے۔ میں نے انہیں روک لیا:۔

"عاشق صاحب" میں نے کہا: "آپ ایک نہایت اہم ادبی مسئلے میں میری مدد کر سکتے ہیں؟" آپ خاموش رہے زبان فطرت کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اور آپ کی نگاہ دُور بین قطعوں میں خوشید کا لہو دیکھتی ہے کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ لاہور پر زبان اور خاموش لاہور۔ اگر گویائی کی طاقت رکھتا تو اپنے سنہ سے پہلا لفظ کیا نکالتا۔ کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ لاہور کے فتنے کس شہر میں بینالم کے حامل ہیں؟

میری اس تقریر کے دوران میں وہ نہایت بیتابی سے میری تقریر کے ختم ہونے کا انتظار کر رہے تھے کہ میرے خاموش ہوتے ہی انہوں نے آسمان کی طرف مٹوا کے کہنا شروع کیا: "فضاؤ۔ رنگین ہواؤ۔ ہواؤ۔ عطر رساؤ۔ ایک شاعر۔ اپنی بیگم اپنی محبوب کے رخ و رخسار سے شلو کام ہونے والا ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی ٹائی کی طرف دیکھا۔ پھر مجھ سے پوچھا

شہر اپنے چاہنے والوں سے کچھ راز کی باتیں کہتا ہے مگر تمہیں کیا معلوم ہو سکتا ہے تم نے کائنات کی تمام دیکھ بپاں صرف اپنی ذات میں مقع کر لی ہیں تمہیں دنیا میں کوئی شے اپنے آپ سے زیادہ دلکش اور شیرین تر نہیں نظر آتی۔

حادثہ سکرایا اور پھر کہنے لگا: "عاشق میرے لئے تو تمام شہر ایک ہی طرح کے ہیں"

میں نے فلسفیانہ لہجے میں کہا: "اس دنیائے شمن و عشق میں بنی آدم کا ایک بہت بڑا کردہ نعمت یا تباہی کی طرف جلا جاتا رہا ہے۔ اور تو ہر کوئی تمام لوگوں سے بے پروا اپنی ایک علیحدہ دنیا بنائے ہوئے ہے۔"

میں ایسا بد ذوق نہیں۔ اب تک مجھے اس حجب میں ناکامی ہوئی ہے۔ سو نہ کہہ سکتا ہے کہ آئندہ کیا ہوگا لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر انسان اس راز کو بہت غلاب کر سکتا ہے تو وہ انسان میں ہوگا۔ "وہاں سے میں ایک شراب خانے کے دروازے پر پہنچا۔ شراب خانے کے پیر محفل باہر کھڑے ہوئے تھے میں نے بے تابانہ ان سے سوال کیا "حضرت! آپ ہر رنگ کے آدمی سے ملتے ہیں۔ ہر ہر کے لوگ آپ کے سامنے معذرتی ہندوب کا لہاؤ اتار دیتے ہیں کچھ آپ کو مسلم ہے کہ لاہور کے شے سے تشبیہ دی جا سکتی ہے اور اس شہر کے نفوس میں کیا بات ہے جو دوسرے شہروں سے مختلف ہے؟"

وہ میری طرف دیکھ کر ایک انداز تعجب سے مسکولے پھر ایک "میخار" کو آتے ہوئے دیکھ کر اندر چلے گئے۔ لیکن جاتی دفعہ جو نگاہ انہوں نے مجھ پر ڈالی اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مجھے سڑی تصویر کرتے ہیں۔

میں بادل ناخواستہ وہاں سے رخصت ہو کر کل رڈ کے چوراسے پر جا پہنچا۔ پولیس کا سپاہی اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے آہوریت کے انخام میں مصروف تھا۔ میں نے قریب جا کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا:۔

"دوست! لاہور کے امرا تمہارے سامنے ہے جیڑ رفتار موٹروں پر موج برق کی طرح گزر جاتے ہیں مگر قانون نے تمہارے بازو کو یہ طاقت بخشی ہے کہ جب چاہو اپنی ایک جنبش ناوری سے ان کی موٹروں کو روک سکتے ہو کیا تم نے مجھے اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ لاہور کے نفوس کو کس شے سے تشبیہ دی جا سکتی ہے؟"

آپ کو یاد ہے ناکر آپ ایک موٹر کے نیچے اُٹھتے۔

یکہر کہ اُس نے اپنا ہاتھ میری پیشانی پر رکھ دیا۔ دو یکبارگی رفع ہو گیا۔

میں نے جواب دیا - "مجھے کوئی تکلیف نہیں اور اگر ہو بھی۔ تو اس تکلیف پر ہزاروں رلیٹس قربان ہیں۔ میں نے اس تکلیف کے ذریعے لاہور کا راز معلوم کر لیا ہے۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ لاہور ایک شیعہ جھل لڑاکی سے مشابہ ہے جو بظاہر دنیا سے بالکل بے پروا نظر آتی ہے مگر اس کے دل میں انسانی ہمدردی ایک سمندر کی طرح موجزن ہے۔ لاہور کے نیچے ایک دمشق کے ہیئتنگ گیتوں سے ملنے جلتے ہیں۔ مگر ان میں گلاز اور محبت بھی موجود ہے۔"

زس نے میری طرف مسکرا کے دیکھا۔ شاید اُسے اس قسم کے مریض سے کبھی سابقہ نہ بڑھا تھا۔

ع...

"ڈرا دیکھنا۔ ٹھیک ہے نا؟" اور جواب کا انتظار کئے بغیر اپنی راہ لی۔

میں باؤس ہو کر اُسکے رُخا۔ پھر.....
ایسا معلوم ہوا گویا آسمان میرے سر پر آ رہا۔ دماغ جکاگا.....
مجھے ہوش آیا۔ تو میں ایک صاف ستھرے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے سر میں شدت کا درد ہو رہا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا گویا تمام محسوس کرنے والے اعصاب دماغ میں جمع ہو گئے ہیں اور کوئی انہیں کندہ سونپوں سے کر رہا ہے۔

فضا میں ایک ہلکی سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی جس میں کوئی ناگوار عنصر بھی ملا ہوا محسوس ہوتا تھا۔
اتنے میں میرے اوپر ایک درشت ناصحت جھک گیا، اُس کی آنکھیں گہری نیلی تھیں۔ اور بالوں کا رنگ سنہری خنکاس کی آنکھوں سے ہمدردی اور رقم جھلک رہا تھا۔

میں نے اُٹھنا چاہا لیکن اُس نے مجھے روکا پھر کوئل کی سی طیریں آواز میں کہا۔

آپ بیٹے رہیں آپ کے سر پر سخت چوٹ آئی ہے۔

ڈل دھرم سالہ

دھرم سالہ سے سات آٹھ میل اور ایک نہایت ہی مصفا اور شفاف جمیل ہے۔ جس کے چاروں طرف بلند پہاڑ اور دیوار کے خاموش اور حسرت بارہ دفعت کھڑے ہیں۔ پانی کی ساکن سطح پر کبھی کبھی لہجہ سا موج ہوتا ہے۔ پیدا ہوتا تھا اللہ کبھی کبھی پانی کی جہلی اوپر سے گذر کر پہاڑ کی درمیانی گراہوں میں غرق ہو جاتی تھی۔

وہ زیر آب عکس لوح آفتاب کا وہ صُن دلنواز غرام صباب کا موج ہوا سے ٹوٹ جتنا صباب کا عالم وہ طح آپ پر اک اضطراب کا میرے سکون شوق کو تباہ کر گئے
سروائے شکیب کو سیلاب کر گئے

ہر نظر کا نقش ہے ذوقِ جود کا یا آئینہ ہے نظریہ ہوش نمود کا
تا کہ ایسی سے سلسلہ ہے بہت دلو کا یہ ڈل کہ انتخاب ہے بزمِ نمود کا
یہ قفل نہیں ہے بیکر ہٹانے من ہے
پانی میں عقیقت نئے من ہے

لہر اڑا ہے چاروں طرف زرخیز اللہ سے کھوکھ ڈنڈا زرخیز
اسے وہ کیتیرے جذبے سے تیز کرکس بل اٹھ کے دیکھ کر کشتیوں ہمارے
یہ ڈل نہیں ہے چوڑا درگاہ ہے
مجبور جمیل دل کو سدا ہے

منظر سکوت خیر لہر دیوار کے اور پہلے بلند دھرم کو ہلکے
جلوسے لٹا کاٹے لہری ہلکے شاہد ہیں جس مصیبت پر درد گاہ کے
ہلکی ایک بلی جو آکر کھڑی
جذبات سن خوش کچا کچا کھڑی

خاندان بٹالوی ایم۔ اے پی ایس

ترجمہ کرنے کا فن

کو ترجمہ کرتے وقت نہ صرف معنی کی عبارت کا اصل الاصول (Sense) سمجھنا (S.K) ظاہر کر دینا چاہئے بلکہ جتنا تک ممکن ہو سکے اس کی طرزِ تحریر کو بھی برہیلو سے نہایت چاہئے۔

اگر اوقاتِ محنت لفظِ ترجمہ بدترین ترجمہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت مترجم لفظی ترجمہ کرنے میں باوجود محنت و دماغ سواری کے بھی معنی کی روح کو برقرار نہیں رکھ سکتا۔

ترجمہ کرتے وقت اگر کوئی مترجم ادبی بھیل (طبعاً و تحریراً) کا طرزِ عقیدہ کرتا ہے تو ایک وقت یہ آپڑتی ہے کہ ممکن ہے وہ جس طرز کو اختیار کرتا ہے وہ اس کی زبان کے معیار پر پورا نہ اتر سکے اور اس کی زبان میں اس ضحکہ یا اس قسم کے طرز کا استعمال جائز نہ ہو۔ لیکن اس کے برخلاف اگر کوئی مترجم اپنے ترجمہ کو اپنی قوم کے مخصوص ادبی رنگ میں رنگنا چاہتا ہے۔ تو یہ خطہ ہے کہ وہ اصل معنی کے خیالات میں الجھن پیدا کرے کہیں ضبطِ مطلب یا خلیقِ محبت نہ کر دے اور بسا اوقات ایک باطل نئی کتاب ہی نہ بنا کر دے۔

اس لئے ایک مکمل ترجمے کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اس میں اور بھیل کی روح کو نہایت ایماندارانہ طریقے سے ظاہر کر دیا جائے اور محاورے اور اسالیب بیان کو قصودِ ہی وجہ کے لئے نظر انداز کر کے معنی کی طبعی عبارت کے طرز کو پورا پورا متبع کیا جائے۔ طرزِ بریں مترجم کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ اس کا یہ ”بصرہ طرز“ تخریب نہ جائے اور اس میں کہیں بھیل پر پیدا ہونے پائے۔ اور یہی طرف سے ترجمہ ہر جگہ جگہ مناسب ذہب و ذہنیت بھی دیتا رہے۔ تاکہ اس میں بھی ادبی کیفیت کی مانند روحانی اور قوت بیان کی قدر کی شان چمکے لگے۔

مکمل ترجمے کی تعریف میں یہ بھی شامل ہے کہ ترجمہ میں ادبی بھیل کی قوی خصوصیات کو بھی اچھا کراد کی زبان میں نمایاں طریق پر ظاہر کیا گیا ہو۔ کیونکہ اصل میں ترجمہ کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ غیر زبان کے مفصل کو اپنی زبان میں منتقل کریں ان کے جذبات و حیات کو بخوبی سمجھیں اور ان کے مطلق (مطلق) (مطلق) کو جائیں امداد کے مثالی کا کوئی صحیح تصور قائم کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مقدمہ صرف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب مترجم اپنے ذہنی اور قوی وجہ کو کھلا کر ادبی بھیل میں گونج کر دے۔

مترجم کے لئے یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ اس کے سامنے ایک ایسی کے معاملہ درپاں ہے جس کے ترجمے کے کہن کا ترجمہ کرنے میں نہایت زیادہ حساسیت ہے۔ اس کی زبان کو اپنے لئے کیسی سے مرکب ہوتا ہے ایک ایسا سوال ہے کہ اس کے لئے کلام کا سخت اختلاف ہے۔ مترجم اگر بھیل (انگلستان کے مشہور انشاپرواز) اسے ان مسائل کی اہمیت کو سمجھ کر مترجمین کو پیش آتے رہتے ہیں۔ تو بھیل پر ان کے لئے کچھ ہزار پونڈ اس غرض سے عطا کئے ہیں۔ کہ ”انگلستان میں شیش فوڈیشن“ کا کوئی بھیل کی زبان کے شاہکاروں کے انگریزی تراجم شامل کئے کے لئے دئے جائیں۔ چنانچہ ان کے اس گرانقدر و بہت افسرِ خطیبہ کا خاطرِ غم یہ بھی بننا ہوتا ہے کہ اس کے لئے جس شخص کو بھی شعورِ بہت ادبی مذاق ہو اس کے لئے ترجمہ کا فن نوع و مطالعہ کا مستحق ہے اور بالخصوص اس وجہ سے اسی کی زیادہ بیسیوں کتابوں کے تراجم آئے دن شائع ہوتے رہتے ہیں۔

ترجمہ کرنے کا فن نہ صرف مشکل ہے اور اس خیال پر کہ کوئی مکمل ترجمہ موجود ہے یا ہو سکتا ہے میسور اختلافات کے جانتے ہیں۔ جو مترجم کسی معنی کو غصہ نہ طور پر اس کے رنگ و روپ میں ظاہر کرنا چاہے۔ اس کے لئے لازمی طور پر یہی ہے کہ وہ اس کام کے لئے سموزوں بھی پڑھتی ہے کہ وہ بھی معنی کی طرح کا مزاج اور اسی ہی طبیعت رکھتا ہو۔ اس کے خیالات و آراء میں یک ہو سکے۔ نیز اس کا مثال (درج) بھی معنی کے مثالی بنیاد ہو سکے۔ مترجم کو اپنا کام شروع کرنے سے پہلے بہت ابتدائی مراحل طے کر لینے چاہئیں۔ یعنی یہ کہ اس بات کا خیال رکھنا کہ اس کا معنی کس وقت اور کس نقطے سے قلم رکھتا ہے اور جہاں تک اس کی تحریر پر اثر ڈالنے کا مقصد ہے۔ اس زمانے کی قوی، ملکی، ادبی و معاشرتی خصوصیات کیا ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

بھیل، ادبی و معاشرتی خصوصیات کیا ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ مکمل ترجمہ کو اس کا خیال ہے کہ مترجم کو معنی کے اصل خیالات کو اپنی طرح میں لکھنا چاہئے اور جب وہ ان خیالات پر پوری طرح عبور حاصل کرے تو پھر ان خیالات کی ترجمانی کا کام نہایت آسانی کے ساتھ اسی کے فیصلہ پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ ان کے اہل کے وقت ان کی مناسب تمیل و تزیین کر سکے۔ یہاں پر ان کو کوئی راستہ بھی ظاہر کر دینی چاہئے جو اس کے برعکس یہ سمجھتے ہیں کہ ایک مخلص مترجم

جو ترجمہ کرتے وقت اس "روح" کو کہہ سکتے ہیں وہ ہے اللہ تعالیٰ جس میں اپنی روح بھرنے کی کوشش نہ کرے۔

ممكن ہے بعض اوقات ترجمہ بذات خود ادوکیل سے بہتر ہو جائے اور فن شعری کی ایک بہت بڑی یادگار بن جائے۔ لیکن اگر اس میں یہ فنی روح چھوٹ سکے، مگر تو پھر اس کی ترجمہ کی شان بالی ہو جاتی ہے۔ اور اسے ترجمہ کہنا ہی غلط ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہی مترجم کا ایک فرض ہے کہ وہ اپنے ترجمہ میں جتنی الامکان اصل کلام کو لسانی کے ساتھ شامل کرے کہیں اگر وہ بدقسمتی سے اس روح کو برقرار نہیں رکھ سکتا تو یہ کیا بدہمت ہے کہ ترجمہ کو ناکہ ہی نہ لگائے۔

نظرفریشی دہلوی

اور ساتھ ہی ... اپنی انفرادی "خودی کو کبھی ضائع نہ ہونے دے۔"

اشعار کا ترجمہ؟ زیادہ مشکل ہوتا ہے کیونکہ شاعری میں قوی و غلطی خصوصیات کا خضر غالب آجاتا ہے۔ مگر جی رہی مترجم کو لڑ بچہ کی دیگر شقیوں کی مانند یہاں بھی تقریباً اسی طرح کا کام انجام دینا ہوتا ہے لیکن ہم رجحان و مہم کے اس میں کمیوتی سے مراد متفق نہیں ہو سکتے کہ "اشعار کو ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے وقت ان کی دقیق روح بالکل اڑ جائے کہتی ہے اور تب تک مترجم ان میں اپنی طرف سے ایک نئی روح نہ جھونکے کہ وہ ایک بے جان قالب کی سی حیثیت رکھتے ہیں؛ یہ نیک مانا جا سکتا ہے کہ اشعار کا ترجمہ کرنے میں "دقیق روح" کا بہت کچھ حیثیت اڑ جائے کہتا ہے۔ مگر ایک اچھا مترجم صحیح سمجھا جاتا ہے۔

پہنچا اور ہم

چاندنی افسردہ بھی ہے زرد بھی
دل کی ڈھڑکن گویا دل کو چھوڑ کر
کچھ پریشانی ہے ایسی ماہ میں
چاندنی میں کوئی شے بیتاب ہے
چاند ہے اشکوں سے منہ دھوئے ہوئے
یہ سکون ہے آج کچھ آشفستہ حال
خاموشی جو ہمہ رہتا تب ہے

چھن رہا ہے ہلکا ہلکا درد بھی
منتشر ہے چاندنی کے فرش پر
جیسے کھو جائے مسافر راہ میں
حسن کا شاید پریشاں خواب ہے
نغمے غم انگیز ہیں سوئے ہوئے
یاترِ پ کے بعد ہے کوئی ٹھہرا
بولنے کے واسطے بیتاب ہے

چاندنی کا حسن اس کے دم سے ہے
اور محبت اس کو افسر ہم سے ہے
افسر میرٹھی

بچے کا خواب

پیارا چہرہ دکھائی نہ دیا۔ جب قبرستان میں ایک نجی قبر کا اضافہ ہو گیا۔ اور جب سنا کہ لڑکی اپنی شہین میں ایک بچہ پر ڈالیں اور اس نے اسے ڈھبائی ہوئی ہاتھوں سے دیکھا۔ اس شہین میں بچہ کی نسبت زیادہ روشن تھیں، ان کے زمین پر پڑنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان تک ایک روپ کی راستہ بن گیا ہے، بچہ جب اپنے بستر پر سویا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ لوگوں کا ایک تاننا ٹکا ہوا ہے، جو اس درختان راستے پر رعوں کی محبت میں چل رہے ہیں، اور ستارہ لوند کی ایک وسیع دنیا ہے۔ جہاں ہستار و زمین ان لوگوں کے استقبال کیلئے کھڑی ہیں۔ تمام منظر رعوں سے اپنی نگاہیں انہوں پر گڑ گڑ رہی ہیں، بعض جو زیادہ بے تاب تھیں اپنی ہتھکڑوں سے نکل کر ان سے بپٹ گئی ہیں۔ اور ان کی پیشانیوں کو چومنے لگی ہیں۔

ان کی یہ طاقات الہیاد خوش کوئی منظر تھا کہ وہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، اور فرط سرت سے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

لیکن بہت سی وجوہیں ایسی بھی تھیں جو ان لوگوں کے ساتھ نہیں جاتی تھیں، اور ان میں سے ایک کو وہ پہچانتا بھی تھا۔ ایک کڑھ اور دندہ جو کبھی بستر علالت پر دکھائی دیا کرتا تھا۔ یہ اس کی بہن تھی۔

اس کی بہن کی رنج دروازہ پر انتظار کرتی رہی، اس نے ہنسا (جو لوگوں کو اس لڑکی دنیا میں لایا تھا) سے دریافت کیا۔

”کیا یہ لڑکھائی آگیا ہے؟“

جواب ملا ”نہیں“

وہ امید دار نہ بیچھ کو مڑی۔ بچے نے فرط اشتیاق سے اپنے بازو پھیلا دئے اور چلایا

”پہلی بہن! میں یہاں ہوں مجھے بھی لے جاؤ“

نجی بچی نے اپنی روشن نگاہیں اپنے بھائی پر ڈالیں اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ رات تاریک تھی، ستارہ اپنی طرف روشن تھا۔ کمرے میں ڈال رہا تھا اور وہ پڑھ آتھوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

دو دن خود سال بچے غفلت کی طرف سے ایک عجیب دل و دماغ کے کہا رہے تھے۔ وہ ہر چیز کو ایک خاص گہری نگاہ سے دیکھتے تھے۔ شہین میں بچہ کی جگہ پر اس کی جگہ، شہینوں کے جھنڈی شہین پائی کی گہری پیشہ ان کے لئے غلب کا باعث ہوا کرتی تھیں۔ وہ اکثر ایک دوسرے سے کہا کرتے ”خیر کرو روئے زمین پر کے تمام بچے مر جائیں، تو کیا یہ بچوں، یہ سمندر، یہ آسمانی مغموم نہ ہوں گے؟ انہیں یقین تھا کہ وہ غم و غم محسوس کر سگے کیونکہ کھیلان بچوں کے بچے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی خوشنما دنیاں جو پہاڑوں کے دامن میں اٹھکھیلان کرتی ہوئی رہتی ہیں سمندر کی اولاد ہیں۔ اور یہ جیکلار نختے نختے دھبے چھوٹی جو تمام رات فضا میں آنکھ کھولی کھینچتے پھرتے ہیں ستاروں کے بچے ہیں۔ جب وہ اپنے بچوں کو اپنی انسان کے بچوں کو نہ پائیں گے تو یقیناً مغموم ہونگے۔

میرٹھ کہہ سکی جو ٹی کے نزدیک قبرستان کے اوپر سے ایک صاف جگہ تاننا ستارہ انظار آتا کرتا تھا، یا نسبتاً بڑا اور چمکدار تھا۔ وہ ملا نا غم دیکھیں سے ایک دوسرے کے ہاتھیں باہم جھولے اُسے دیکھ کر تے۔ وہ دن میں سے جسے پہلے دکھائی دیتا وہ چلا اٹھتا۔ وہ دیکھو ستارہ! او کبھی دو دن ایک اولاد انگلیوں سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ”وہ دیکھو ستارہ“

انہیں خوب معلوم تھا کہ وہ کس وقت اور کس جگہ سے طلوع ہوگا۔ وہ اس سے اس قدر مانوس ہو گئے تھے کہ سونے سے پیشہ ایک بار سے ضرور دیکھنے اور جب بستر پر لیٹتے تو کہتے ”پیارے ستارے خدا تمہیں ہمک دے۔“

الفاظ ایسا ہوا کہ بہن بیمار پڑ گئی۔ اور اتنی کڑھ ہو گئی کہ اپنے بھائی کی محبت میں کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر ستارے کو دیکھ نہ سکتی تھی، بچہ کو اس کا بے حد انصاف تھا۔ وہ جب ستارے کو دیکھتا تو بہن کی طرف منہ مڑ کر کہتا ”وہ دیکھو ستارہ! یہ ستارہ کہن کا کڑھ مگر سنا ہوا چہرہ یوں گویا ہوتا“ خدا میرے بھائی اور ستارے کو برکت دے۔“

وہ وقت چل رہی آپہنچا جب بچہ تنہا رہ گیا، جب بستر پر بہن کا

انہوں نے جواب دیا "تمہارے آنے کا ابھی وقت نہیں آیا۔"

ستارہ حسب معمول ایک بار اٹھا۔
وہی بچہ اب ایک اور صبر کر کا آدمی تھا۔ اس کے ہاتھ میں
سیدھے صبر کے ساتھ اس کے سامنے کسی کے بازو پر کھینچنے
مقدمہ یعنی تھا۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ ایک بار پھر ستارہ اور اسکی
وہیں نفاض اس کے سامنے تھی۔

اس کی بہن کی روح نے دہن سے پوچھا
"کیا میری بھائی مر گئی ہے؟"

جواب ملا..... "تمہاری بیٹی جی آئی ہے۔"

اُس اور صبر کے آدمی نے کبھی پوچھا اور اس نے سوئی ہوئی
ہوئی اپنی شفقت بھری گود سے نفاذ دندہ کے حکم سے اپنی پیادری بیٹی کو
جُدا کیا تھا۔ دیکھا وہ متبرک روح اُن تینوں کے ساتھ ہے۔ وہ بولتا تھا
"میری بچی کا سر میری بہن..... کے سینے پر ہے۔" اُس کے
بازو میری والدہ کی گولن میں جامل ہیں۔ اور اس کے ہر دوں کی طرف
میرا تھا بھائی بیٹھا ہے۔ اب میں اس کی جدلی کو برداشت کر لوں گا
اور یہ سب خدا کی مہربانی ہے جس کے لئے سب تفریقیں ہیں؟

ستارہ نفاض میں حسب معمول جھگڑا رہا تھا۔

وہ بچہ اب ایک پیر مرد تھا اس کے صاف، خوبصورت چہرہ پر
جھریاں پڑ چکی تھیں۔ اُس کے قدم لڑکھڑانے لگے تھے اور اُس کی کمر
جھک گئی تھی۔

ایک رات وہ بہتر پڑا تھا، اُس کے بچے اُس کے گرد کھڑے
تھے، وہ اپنے بہن کے بچے میں چلایا
"وہ دیکھو ستارہ"

اُس کے لڑکے بائے آپس میں مرگوشیاں کرنے لگے۔

"افسوس آبا جابان کا آخری وقت آ گیا۔"

پیر مرد شفقت گوازیں

"میں اس پر ہاں، میری عمر کا لباس اب اُتر رہا ہے ادیں
ستارہ کی طرف ایک بچے کی طرح جا رہا ہوں۔ اے خدا! تیرا
نہا ہزار شکر ہے، میں اب ان سے جاملو گا جو میرے اخطار میں
ہیں۔"

ستارہ اس وقت بھی چمک رہا تھا، ادب ابھی اسکی

قبر پر چمکتا ہے۔
(چارسا دکنسٹر)

حمدی

بہن کی وفات کے بعد جب وہ ستارہ کے کی طرف دیکھتا تو اس
کی آنکھوں میں سافر کی آنکھوں میں سافر کی آنکھوں کی جھلک پائی جاتی تھی
جو دشت عزت میں بار بار اپنے وطن کی طرف اٹھتی ہوں۔ اور
ہر بار بھی اپنی جانتے تھے۔

اُس نے خیال کیا کہ اس کا قتل صرف روح میں نہیں ہوا۔
ستارہ سے بھی ہے۔ اور جب اسے اپنی بہن کی روح کے خیال آتا
جستارہ کی طرف روانہ کر گئی تھی تو اس کے خیال کو مزید لغویت پہنچتی۔
کچھ عرصے کے بعد ان کے گھر میں ایک بچہ پیدا ہوا جو اس کا چھوٹا
بھائی کہلا یا لیکن وہ ابھی بہت چھوٹا ہی تھا اور اس نے ایک لفظ بھی
بولنا نہ سیکھا تھا کہ وہ اپنے سدھار گیا۔

بچے نے دوبارہ خواب دیکھا "ستارہ کے تک شعاعوں کا ایک
راستہ بنا ہوا ہے، لوگ روحوں کی معیت میں اُس پر چلے جا رہے
ہیں۔ اور اس کی بہن کی روح نے اسی سے دریافت کیا ہے "کیا میر
بھائی آ گیا ہے؟"

انہی نے خواب دیا "وہ نہیں بلکہ دوسرا"
جب بہن نے اس ننھے بھائی کی روح کو اپنے بازوؤں میں محبت
سے پکڑ لیا تو بچہ چلا اٹھا

"بہن میں یہاں ہوں مجھے بھی بے چلو۔"
اس نے جواب میں اس کی طرف مڑ کر دیکھا اور سرکاری۔۔۔
ستارہ اس کی طرح چمک رہا تھا۔

وہ بچہ اب نوجوان تھا۔ ایک دن اپنے گھر سے بیٹھا مطالعہ
میں مصروف تھا کہ بڑا چادر داخل ہوا اور عرض کیا۔
"جناب کی والدہ قضا لگتی ہیں، میں اُن کی آخری دعا میں اور
برکتیں آپ کے لئے لایا ہوں" رات کو خواب میں اسے پھر وہی منظر
نظر آیا اور حسب سابق اس کی بہن کی روح نے یہ سہما سے دریافت کیا
"کیا میرا بھائی آ گیا ہے؟"

جواب ملا "بھائی نہیں تمہاری والدہ آئی ہیں
ماں کے اپنے دو بچے گھر سے ہوئے بچوں سے دوبارہ جاملنے
پر ستارہ کے کفن میں ہر طرف مست کی لہریں دوڑ گئیں۔ ذہن ذہ
جوشِ مرتے سے تعجباً نظر آتا تھا۔ بچہ اس منظر کو دیکھ کر اس قدر
متاثر ہوا کہ اُس نے اپنے دونوں بازو دھبیلا دے اور چلا اٹھا "ہی
جان! پیاری بہن! پیارے بھائی! میں یہاں اکیلا پڑا ہوں مجھے
بھی بلا لو۔"

عربوں کا نقدِ شاعری

اسلامی علوم و فنون کے ساتھ شاعری بھی ترقی کر گئی اور پہلی صدی
جری ہی میں اس کی ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ شعر کے جاسن اور
عیوب کو کتابوں کی مدد میں جمع کر دیا جائے تاکہ شاعری گمراہی
سے بچیں۔ اور نقدِ شعر کے لئے بھی آسانی ہو جائے۔ اس خیال کے
ماتحت عربوں نے اس فن پر بہت سی کتابیں لکھیں جن کے درجہ پائے
کے بعد نقد کے علاوہ شعر گوئی میں ان سے مدد چاہنے لگی۔ اور اسکو
ساری شعر و شاعری کا دار و مدار ابھی کے مقرر کردہ اوزان و قوافی پر ہے
بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فنِ مقرر اسلام سے پہلے ہی موجود
تھا۔ اس کے ثبوت میں بعض روایات بھی بیان کی گئی ہیں جو چند اہل
اعتقاد نہیں ہیں۔ مثلاً اس فن کی کتابوں میں دو جہالت کے نقد یہ شعر
کا ایک واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ نقدِ ذہنیانہ (ایک جاسلی شاعر)
نے حضرت حسان سے ان کا یہ شعر سنا :-

لَا الْحَمْدَ لَكَ الْغَرَّاءُ لَيْعَنَ فِي لَيْعَنَ
وَأَسَاءَ لِي كَيْفَ تَكُونُ مِنْ تَحْدَاةٍ وَمَا

(ہماری شرافت کی نفائی، ہماری لمبی ہسی چکڑا لکھیں
ہیں جو آخاب کی کشتی میں چمکا کئی ہیں اور دھیر مہادی
شجاعت کی علامت، ہماری تلوار میں بھی تھمت سے خون چسکتا
رہتا ہے۔)

تو کہا کہ اگر تم الفطی (دشمن دان) کے جاسے (الذہبی (تاریک لٹ)
کہتے تو زیادہ بہتر رہتا۔ کیونکہ لوگوں کو تو یہ سمجھتی ہے کہ ہماری ہلکائی
تو کوئی بڑا کمال ہے۔ اسی طرح لفظوں کی جگہ چھین کر کہنا چاہئے تھا۔
تو اس سے غلہ غلہ خون چسکتا کئی بڑی بات ہے شجاعت و جب
معلوم ہو کہ کس سے خون کی رحلت نکلے۔

فہرست میں جھڑپ کی کتاب نقدِ الطغری میں ناقد کی تردید میں لکھتے
ہیں کہ الفطی کی جگہ الذہبی کو بہتر سنا تا اور کہ اسکا لٹن کو چھین چکتنی ہے نقد
اور شاہد سے کسے سرفراخ ہے۔ فلن کو صرف وہی چیز جانتی ہے
جو بحد صاف ادا تھی جھڑپ کی کتاب کی نقشب (اور چمک میں فخر
ہوئے۔ رات کو اپنے سمعی چمک والی چیزیں ملنے لگتی ہیں۔ چاند
ستارے۔ چراغ آگ اور درندوں کی آنکھیں و دیو و آفات کی لٹنی

نقد کے معنی ہیں پکڑنا اور کھانا الگ کرنا۔ روپے سے جس طرح
کھانا چمکے کو نقد درجہ اہم اور شاعر میں اچھے بُرے کی تیز کو نقد شعر
کہتے ہیں۔

فنِ نقد کی حیثیت دوسرے علوم و فنون کے مقابلے میں ایک
حافظ اور زبان کی ہے۔ کیونکہ اسی کی بدولت دوسرے فنونِ خرافات
اور طرب یا بس سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور اسی کا خوف اہل کمال کو
صرف اچھی چیز پیش کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اسی طرح ناقد بھی اہل علم
کو گمراہی سے چھانے والا اور سیدھے راستے پر چلنے کے لئے مجبور کرتے
والا حافظ اور زبان بھانپتا ہے۔ مگر ہر فن کے ناقد کیلئے ضروری ہے کہ
وہ اُس فن میں پوری مہارت رکھتا ہو اور اُس کے رموز و کلمات سے
خود صنعت سے نہیں زیادہ واقف ہو۔ اس کے ساتھ ہی نقد کے مختلف
اسلوب میں بھی کامل دستگاہ رکھنا ہو۔ اور موقع کے مناسب ایسے
طرز پر تبصرہ کر سکتا ہو کہ صنعت پر اس کا اثر پڑے اور وہ اپنی کج روی
ترک کرنے پر تیار ہو جائے۔

تھوڑا سلام سے پہلے عرب میں شاعروں کی کئی ترقی مگر نقد
مفقود تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاہلیت کی شاعری سے اخلاقی عنصر
خفا ہو گیا۔ سخاوت اور شجاعت کی خوبیاں اگر کچھ باقی بھی رہ گئی تھیں۔ تو
ان پر بظاہر لاف اور فیشن نگاری کے پردے چڑھ چکے تھے۔ کوئی نہیں
تھا کہ ان کی عکس تمام کرے۔ اور شاعروں کی بجا فرج ہو لے والی
قوت فکر کو قوم کی فساد و بے ہوشی طرف مائل کر دے۔ تھوڑا سلام کے
بعد عرب کے شاعروں کی سب سے پہلی گرفت خداوند تعالیٰ کی طرف
ہے گئی اور اس آیت کے نزول کے ساتھ نقد کی دنیا و پڑی :-
وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ - المیزان ج ۱ ص ۱۰۱
شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں کیا تو کیجئے
نہاں کردہ (اچھے بُرے کی تیز کے ایضاً مبر وادی میں چلکے
پھرتے ہیں۔)

اس آیت کے بعد کہنا نابل ہوئے کہ بعد صحابہ اگر نقد شعر کی طرف
متوجہ ہو گئے۔ اور مذہب و شاعر کی خدمت اور اچھے اشعار کی مناسب
تقریب سے شعر و شاعری سے بظاہر فی کے عناصر کو تقریباً فنا کر دیا۔

اعراض کا جواب خود وہی ہے۔ نازل ہوا تھا۔
 اِنَّ الَّذِیْنَ یَنْتَظِرُوْنَ لَعْنَةً مِّنَّا لَیَحْمِلُنَّ اَوْثَیْنًا مِّمَّا اُتِیَتْهُمُ
 جن لوگوں کے حق میں ہماری طرف سے پہلے ہی بلند دے دیا
 ہوگا، ان پر جو بوجھ ہے، میں وہی طریقہ طور پر دور سے دور
 رکھے جائیں گے۔

نحویوں، ذوقیوں اور خود غرض راویوں کی اس قسم کی سیسوں بن
 گزرتی روایتیں مشہور ہیں، مگر ان میں سے اکثر انتہائی سطحی ہیں اور جھوٹ
 ایسے جھوٹے ہیں سے بولا گیا ہے کہ ناقداً ستم زلمے کی ادبی اور
 لغوی ترقی کے مدارج اور اس وقت کے افکار و خیالات سے متعلق ہی
 واقفیت بھی رکھتا ہو تو ہی آسانی سے سچ اور جھوٹ میں تمیز کر سکتا ہو۔
 ہماری فلسفے تو علم اسلام سے قبل کی نقد شعری کے متعلق یا اس
 کے ضمن میں مبنی روایتیں گر دی ہیں سب تقریباً اسی طرح لغو و بکریوں
 یا نحو کی غامض ساز معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان کے ناقداً مطالعے کے
 بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ باجمہاریت میں عرب میں فن نقد
 کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں اس کی بنیاد پڑی
 اور ابھی کے ہاتھوں یہ پیمان چڑھا۔ مگر اسلام کے ابتدائی ایام میں
 جبکہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت نے ہر شاعر و غیر شاعر کو اپنی
 طرف متوجہ کر رکھا تھا۔ انسانی کلام کی طرف چندال توجہ نہیں کی۔
 بلکہ جب مسلمان کلام الہی پر ابھی طرح حادی ہو گئے اور مخالفین اسلام
 کی مخالفت اور غزوات سے بھی ایک حد تک فرصت ملے تو کلام
 الہی کی روشنی میں عربی شاعروں کے دیوانوں کی چھان بین اور ان پر
 نقد و تبصرہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور سو سال کے اندر اندر عربی
 کے ابتدائی دور میں عربی زبان کی ترقی کے آخری زینے تک پہنچ گیا۔
 اس کے بعد جیسے جیسے عربوں میں علمی تمدن و مذہب کا دخل ہوتا
 گیا۔ ان کی زبان بھی عجیت سے متاثر ہوئے گی۔ صرف یہی نہیں کہ
 عربی کے علمی شاعروں کی زبان غراب بھی ملگن کے اثر سے خاص
 عربوں میں بھی پہلی ہی صدی فصاحت و بلاغت اعلان کی امتیازی
 سلوکی باقی نہ رہی۔ اور اس طرح عقلی اور بلاغی غلطیوں کی وجہ
 سے زیادہ تر بلاغی حیثیت ہی سے نقد و تبصرہ ہونے لگا۔ اور
 صحابہ کرام یا تابعین نے اس فن کے دریے سے شاعر و شاعری میں
 اصلاحات داخل کرنا اور اشعار سے اصلاح قیام کا جو کام لینا شروع
 کیا تھا اس کا سلسلہ تقریباً بند ہو گیا، بلکہ اس کے ساتھ ہی حقیقی
 معنوں میں عربوں کے سیدھے سادے معنوی لہجہ کا دور ختم ہو گیا۔

آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ شعر سے ایک طرف سلفین بدعتی
 ہیں تو دوسری طرف اس سے ذہنیں بدل جاتی ہیں۔ اور بلا واقعات
 تو اس کا شے آتنا زبردست ہوتا ہے کہ بارہا کہن سے بھی اتنی کیفیت
 نہیں حاصل ہو سکتی۔ شعر کے اس جادو بھرنے اثر سے عرب مدون
 سے واقف ہوتے سمجھت ہوئی صغر کی تربیت کے بعد انہوں نے
 اس کو گراہی اور کذب و افتراء کی نشر و اشاعت کا ذریعہ و قضا
 کا باعث رہنے دینے کے بجائے لوگوں کے دلوں میں جن اخلاق
 اور حق و صداقت کا بوجھ لٹکے کا ذریعہ بنایا۔ اور اس طرح حقیقت
 و حقیقت جیسی شرمناک محبتوں کے شرمناک واقعات کے فکر کرنے
 میں صرف ہوئی تھی وہ حکمت اور فلسفہ الہی اور دوسرے اخلاقی کے ظلم
 کرنے میں خرچ ہونے لگی۔ صوفی کا ظنا اور دوسرے میلوں کے
 متاثر سے۔ سو قیام شاعری کے بلند باگ متاثر ہے۔ عربان نگاہی
 اور بے چارگی کے متاثر سے بند ہو گئے۔ شاعر علی اور ان کے
 راویوں کے جوڑے پہلے مختلف خیالوں میں انش و ضد متعلق کر
 دیا کرتے تھے۔ ان کا جو نثر پہلے کئی اردو کتبوں کے جذبات
 شروانی میں بکھان دیا تھا۔ وہی اب ان کو اخلاق و مذہب کا حسن
 دینے لگا۔ اسی سے اب ان کے کینے بھرے سینوں میں خوبصورت
 کا سمندر بکھل گیا۔ پتہ شاعروں کو اپنی ذہنی سستی کی وجہ
 کو آفتاب کی روشنی میں اس کی چھوٹوں کے سامنے نکھار کے اس کے
 حسین خوب کی ایک ایک کیفیت شیلے پر کھڑے ہو کر ہرے پیلے کے
 سامنے بیان کرنے پر جھول ملا کر تھی اب وہ کلام حق اور فلسفہ
 الہی کی تفسیر پر ملنے لگی۔ جب داد دینے والے اور نقد و تبصرہ کرنے
 والے ہی بدل جائیں تو کون کر سکتا ہے کہ شاعر بدل جائیگا۔
 ان کی نیکل تو دراصل ناقدوں اور داد دینے والوں ہی کے ہاتھ میں
 ہوتی ہے۔ اگر ان کا ذوق نکھر اٹھا ہو تو غیر ممکن ہے کہ ان کے بعد
 میں کوئی بدخلاق یا لغو شاعر پنپ سکے۔

حضرت عمرؓ نے ایک باورنی عطفان کے دند سے گفتگو کرتے
 ہوئے پوچھا کہ یہ شعر کس نے کہا ہے۔

حَدَّثْتُ ظِلَّ اَوْتَارٍ لِنَفْسِكَ مَرَّیْبَةً

وَلَمَّا دَسَّ اَعْمَالُ اللّٰهِ لَمَّ بِمَرِّكَ حَبَّ

میں نے تو خدا کی قسم کہا لی اور تیرے لئے لشک

کی گھاس چھوڑ دی تھی۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ آدمی

کے لئے اللہ کے سوا اور کسی طرف جانے کا راستہ ہی نہیں ہے۔

ارکان و فن نے جواب دیا کہ یہ شعر ناقص و زیبائی کا ہے۔ پھر آئے وقت کے کار اور رس نے کہا ہے۔

أَتَيْتُكَ عَامِرًا بِأَخْلَافٍ شَبَابِي عَلَى وَجْهِ نَظْمٍ فِي الظُّلُونِ
فَالْكَفَّةُ الْكَفَّةُ لَمْ تَخْفُفَا كَذَلِكَ كَانَ نُوحٌ لَمْ يَخُونِ

میں تجھے برائے کپڑوں میں بے ستری کی حالت میں لے آتا

ڈرتا تمہارے پاس بیٹھا۔ (میری یہ حالی کی وجہ سے) جیسے

متعلق طرح طرح کی بدگمانیوں کی جا رہی تھیں (اور تم میری

امانت کو دبا لیتے تو نہ میں خود وصول کر سکتا تھا اور نہ

دوسرے اس میں میری امداد کر سکتے تھے۔ مگر میں نے

اپنی امانت جوں کی توں بلی اور کتنے اس میں خدا بھی

خیانت نہیں کی۔ حضرت نوح بھی اسی طرح کسی کی امانت

میں خیانت نہیں کیا کرتے تھے۔

انہوں نے جواب دیا کہ یہ اشعار بھی ناقص ہی کہ ہیں۔ آئے

فرمایا کہ وہ تمہارے شاعروں میں سب سے بڑا شاعر ہے (پہلو

اشعر شاعر اکبر)

کسی شاعر کو دوسرے شاعروں کے مقابلے میں نفیست دینا

بھی دراصل نقد شعری میں داخل ہے کیونکہ اس کا مطلب بھی یہی

ہوتا ہے کہ اس کے اشعار دوسروں کے اشعار سے اچھے ہیں حضرت

عمرؓ کے اسی تقدیر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ابتدا و اسلام میں نقد شعری

کا معیار کیا تھا اور کس قسم کے اشعار پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جاتے

تھے۔ اور اصحاب نظر ایسے اشعار کی کتنی داد دیتے تھے جن میں کسب

فضائل اور ترکِ رذائل کے لئے یہ انگیزہ کیا گیا ہو۔

اس قسم کی اخلاقی شاعری سے مسلمانوں کی دلچسپی اس لئے

اور بھی بڑھ گئی تھی۔ کہ بعض اوقات شاعروں کی بروقت فکر

قوم اور مہنہ بیان تو ہم کو بڑی بڑی غلطیوں اور نقصانوں سے بچا

لیتی تھی۔ حضرت عمرؓ علیہ السلام فقا بہت اوصیایہ سے بچا

نائی نہیں رکھتے تھے مگر ایسا اوقات وہ بھی شاعروں کی بارودھانی

اور شعر کے اثر سے متاثر ہو جایا کرتے تھے۔ مالک بن انس رحمہ

روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عمال حکومت

کے پاس بے انتہا دولت جمع ہو رہی تھی۔ روایا گو یہ بات بری معلوم

ہوئی اور ایک شاعر نے دربار خلافت میں یہ اشعار کہہ دیے۔

نَحْنُ اِطْعَمُوْا وَنَعْرَءُ اِذَا خَفَرْنَا
فَاَمْنُوْا لَعَمْرُؤُا وَكُنَّا اِلٰی عِزِّهَا

اِذَا التَّاسِعُ اَلْهَيْتُ حَيَّ حَمَاءُ فَيَا كَرِيْمًا

وَمِنْ الْمُسْلِمِ رَا حَتْ فِي مَقَارِعِهَا

قَدْ وَفَّكَ مَالُ اللّٰهِ حَيْثُ وَجَلَّ كَرَمُهُ

سَيَكُونُ اِنْ خَاطَرَكَ كَيْفُ مَكْنُفَتِهِ

وہ اعمال حکومت اچھ کرے ہیں تو ہم بھی کوجا کرتے ہیں

وہ جنگ میں شریک ہوتے ہیں تو ہم بھی شریک ہوتے ہیں

(اچھا اسلام پر عمل کرنے میں ہم اور وہ برابر ہیں) مگر ان

کے پاس مالِ اللہ دولت بہت زیادہ پہنچی ہے اور ہم عزیز پہنچے

غریب ہی ہیں۔

مہندوستانی تاجور مشک ناؤ لیکر پہنچ جاتا ہے تو ان کی

انہیں مشک ہی مشک سے لسی رہتی ہیں۔

اللہ کا مال یہاں جو بھی لے اس پر قبضہ کر لے اگر آپ اپنے

حکمران کی دولت تقسیم کر کے نصف خود (بیت المال میں)

لے لیں تو رعایا کی خوشی کا باعث ہوگا۔

حضرت عمرؓ نے یہ اشعار سن کر زبان واد تو تیس دی مگر اس پر

عملی اقدام کیا کہ شاعر کی آواز کو کے مطابق تمام دولت مکان خلافت

کی نصف دولت بیت المال میں داخل کر لی۔

حضرت علیؓ ذیل کے شعر کو بھی پسند فرمایا کرتے تھے اور میلان

کا دراز میں جاتے وقت اکثر بڑھا کرتے تھے۔

اِیُّ یَوْمَیْ یَمْلِكُ اَوْفَا یَوْمَ لَا تَقْدِرُ اَمْلُوْا مَلُوْا مَلَا

یَوْمَ لَا تَقْدِرُ اَمْلُوْا مَلُوْا مَلَا یَوْمَ لَا تَقْدِرُ اَمْلُوْا مَلُوْا

موت سے پہلے کے لئے کہیں وہ جہاں سکنا ہوں میں

رہنا چاہتا ہوں اس دن سے یا جس روز مقرر ہے اس

سے ؟

تقدیر میں جس دن مرنا نہیں ہے اس دن کا مجھے کوئی خوف

ہی نہیں اور جس دن مقدر ہے اس روز میرا خوف اور دیر

کتر ناموس ہے مجھے بچا ہی نہیں سکتا۔ (بالی انس)

تاجور

قسمت

ایک اجنبی داخل ہوتا ہے۔ وہ بھوک کے دروازے تک پہنچتا چاہتا ہے سپاہی
میںے جانے دو کیے کر لیتے ہیں۔

دوڑیں۔ جاؤ۔ واپس پیسے جاؤ۔

اجنبی کیوں؟

پہلا سپاہی بھوک کے دروازے کا تختہ چھنا مورت ہے۔

اجنبی میں مصر کے جنرل جیسے سے آہیں اور اجنبی جوں۔

پہلا سپاہی۔ اجنبی میں اُسے نہیں چھرتا۔ وہ بھی مارا جائے گا۔

اجنبی۔ ہمارا دروازہ حیرت انگیز عرب پر مقدس ہے۔

اجنبی۔ ایس جلا جاتا ہے۔

دو تکیے داخل ہوتے ہیں۔

لڑکا (سپاہی سے) میاں سپاہی میں بھوک سے ایک جھینڈا لٹکا رہا تھا

جوں۔

سپاہی کی طرف سے

لڑکا۔ دروازے کوڑھیت ہے۔

(لڑکی کے کھٹکے میں ہرک)

میں دروازہ نہیں کھول سکتا۔

(سپاہی سے) میں جھینڈا دروازے ہی سے ڈانٹا لڑکا

سپاہی۔ اس فیک ہے۔

۔۔۔ دوسرے سپاہی کی طرف مخاطب ہوتا ہے۔

پہلا سپاہی۔ یہ آگے بڑھ کر نظر آتا ہے۔

دوسرا۔ (آنکھوں پر ہاتھ سے سایہ کرتے ہوئے) نہیں۔ درمیان میں

ایک کتہ نظر آ رہا ہے۔ اور اس۔

پہلا۔ تو تیرے زراعتیں اور کھانا لیں۔

لڑکا۔ دروازے اور دروازے! مجھے کینڈا دے۔

سپاہی کا ہاتھ ہے۔

لڑکی۔ (سپاہی کی طرف اشارہ کر کے) میرے آباؤ اسے زیادہ لیے

ہیں۔

لڑکا۔ میرے ابا کھو سکتے ہیں۔ مجھے بھی انہوں نے کھنا چھینا سکا یا

ہے۔

فرعون مہر کے ٹاپی مل کے دروازے کے آگے دو سپاہی گشت کرتے ہیں
پچھو مٹنے کے بعد دونوں بھر جاتے ہیں۔

پہلا سپاہی۔ ہوا بند ہے۔ ان کا سانس گھٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا۔ میرا جی چاہتا ہے جس وقت بھوک سے لڑے ہوئے وقت لینے

نیل پر اپنا کمراسا یہاں لڑیں اس کی گھنڈی لڑوں میں اپنے آپ کو قتل کر دوں۔

پہلا۔ شاید یہ کل کر کے گی۔ یا کوئی بادشاہی خاندان پر باد ہوگا۔

دوسرا۔ خاتم کر کو پھٹک کر ہوا ہے گی۔ فرعون کہاں ہے؟

پہلا۔ اپنی سہمی کشتی میں دریا کی مرکز۔ نا ہوگا یا اپنے سپہ سالاروں سے

آئندہ لڑائیں کے متعلق مشورہ کرنے میں مصروف ہوگا۔

اجنبی سنا سے اس پر رحم کرتے ہیں۔ ابھی ستاروں نے اُسے آزاد چھوڑ

رکھا ہے۔

دوسرا۔ تم نے یہ کہا کہا۔ ستارے اس پر رحم کرتے ہیں۔ ستاروں نے

اُسے آزاد چھوڑ رکھا ہے؟

پہلا۔ میں نے یہ اس لئے کہا ہے۔ کو جیسے اسے کسی بادشاہ کو آزاد دیتے

ہیں خواہ اس کا تمام ملک۔ اس کی تمام رعیت اس نے اس میں شریک ہوتی ہے اس

کے اور گرد کی چیزیں بھی فنا ہو جاتی ہیں۔ اس کا محل زمین پر آ رہتا ہے۔ اس کے

مکانوں اور نعمتوں کی دیواریں گر پڑتی ہیں۔ جگہ سے بندر بھاگتے ہوئے شہر میں آ

جاتے ہیں۔ بھوک میں سے وحشی دھمکے تل آتے ہیں۔ اب معلوم ہوتا ہے۔ اگر کسی

کوئی بادشاہ تھا ہی نہیں۔

دوسرا۔ لیکن تیرے بادشاہ کو کیوں سزا دیجئے۔

پہلا۔ اس لئے کہ اس نے مجھے ستاروں کو خوش کھانے کی کرشمہ نہیں کی۔

دوسرا۔ اس میں ہے اس کے متعلق یہ بات اور توڑوں سے بھی سنی ہے۔

پہلا۔ ایسے ہوتا ہے کہ کوئی شخص ستاروں کی چرادر کے۔ طوفان۔

لڑنے۔ سچا لیں سب بلا ہیں انہیں کے انتہا ہیں۔ بادشاہ کے ساتھ قیوت

دوسرے ملکوں کے سفیر موجود رہتے ہیں۔ اس کے سچا لڑو دوسرے اس کے تانوں

ساز دارا لٹھنے میں آرتا تو فوج ہلتے ہیں لیکن ستاروں کے رازدار ستاروں

کے عالم ستاروں کو جانتے دانتے کسی نہیں دیکھتے جاتے۔

دوسرا۔ سزا کیا ہے پہلی کا لڑکا کا؟

پہلا۔ لیکن کہ دوسرے بھوک سے ناخوش ہیں۔

کس طرح شروع ہوگی اور کس طرح ختم ہوگی۔ کتنے آدمی کام آئیے۔ کیا نتیجہ ہوا۔
دوسرا۔ لیکن پہاڑی قوموں سے توجہ لٹائی ہو۔ اسے مصر کے جنگ
نہیں کنا جانیئے۔

پہلا۔ ان باتیں کہیں کسی دیتا نہتے ہیں۔

دوسرا۔ کس پر نہتے ہیں۔

پہلا۔ بادشاہوں پر۔

دوسرا۔ نہیں پہاڑی لوگوں سے لڑائی کا اتنا کیوں کھسے۔

پہلا۔ اس لئے کہ ہمارے فرعون کے پاس اپنے باپ دادا سے زیادہ دولت
میں ہر گھنٹی ہے اس کے پاس ان گنت جملی گھڑے ہیں۔ لالہ اندازاً اپنے چینیار
فرج ہے۔ فرعون بہت طاقت ور ہو گیا ہے۔

دوسرا۔ تو وہ پہاڑی لوگوں کو بہت ملحدی مغلوب کر لے گا۔

پہلا۔ جب بادشاہ بہت طاقت ور ہو جائے ہیں۔ تو تارے رشک کتنے

ہیں۔

لڑکا۔ وہیں نے ہمدانی نظم لکھی۔

لڑکی۔ سچ بچ۔

لڑکا۔ میں نہیں سنا تھا ہوں۔

عمل کی دیوار پر بھی ہوتی نظم پڑھتے۔

اک شعر ریز طیار

ہر دم کے افواض

عوض بریں کی کاپ

پرواز کر گیا ہے

مر گیا ہے !!

لڑکی۔ آخری مصرع چھپتا ہے۔

لڑکا۔ کیا ہر ج ہے؟

دے پاؤں ایک سیاہی پر داخل ہوتا ہے۔

بھر کایک غائب ہو جاتا ہے۔

لڑکی۔ اُٹ۔ میں تو ڈر گئی۔

لڑکا۔ کیوں؟ وہ تو ایک معمولی سیاہی تھا۔

لڑکی۔ مجھے سیاہی بڑے معلوم ہوتے ہیں۔

لڑکا۔ تو آؤ گھر جاکر چلیں۔

سیاہی (دکھن کو دیکھ کر) بچ۔ جاگ جاؤ۔ فرعون اڑا ہے۔ وہ نہیں

کھاتے گا۔

لاسا سیاہی کی طوت ایک چھر جھنک کر جاگ جاتا ہے۔ نیکلے سیاہی

لڑکی۔ کوئی کھینے پانے سے نہیں ڈرتا مرے آبا سچی ہیں۔

لڑکا۔ مرے پاس ایک سونے کا ڈلبے۔ میں نے ہدی میں سے نکالا تھا

لڑکی۔ یہ سونے کا ڈلبے۔ میں نے اپنے دامع سے کھال ہے۔

لڑکا۔ کیا یہ نظم لمبی ہے۔

لڑکی۔ نہیں۔

لڑکا۔ صبا سناؤ تو

لڑکی۔ (چھٹی ہے)

اک شعر ریز عازر۔ پرچھے اور خواں تے

عزیز بریں کی جانب پرواز کر گیا ہے۔

لڑکا۔ "مر گیا ہے"

لڑکی۔ یہ میری نظم کے مصرعوں سے چھوٹا مصرع ہے۔

لڑکا۔ کیا ہر ج ہے؟

لڑکی۔ نہیں میری نظم پسند آئی؟

لڑکا۔ پونے اور خواں میں جوتے۔

لڑکی۔ لیکن میرے والد کا پرندہ تو اور خواں ہی تھا۔

لڑکا۔ اوہ!

لڑکی۔ نہیں میری نظم پسند نہیں؟

لڑکا۔ کیوں نہیں؟

لڑکی۔ تم غلط کہتے ہو۔ نہیں یہ نظم تو اسی صلی نہیں معلوم ہوتی۔

لڑکا۔ نہیں نہیں۔ مجھے یہ بہت صلی معلوم ہوتی ہے۔

لڑکی۔ تو پھر تم نے کہا کیوں نہیں؟ میں جانتی ہوں۔ تم اس کو پسند

نہیں کرتے۔

لڑکا۔ وہیں نہیں خوش کرنے کے لئے نظم دیوار پر لکھ دیتا ہوں نکلے جانے دو۔

لڑکی۔ تم کبھی نہ کہتے ہو؟

لڑکا۔ ہاں میں لکھ سکتا ہوں۔

لڑکی۔ تو ضرور لکھو۔ دیکھو صبا دیوار پر لکھی ہوئی میری نظم کسی معلوم

ہوتی ہے۔

لاسا نظم کھینے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ لڑکی دیکھ رہی ہے۔

پہلا سیاہی پر عنقریب کسی اور لکے سے ہماری لڑائی چھڑ جائیگی۔

دوسرا سیاہی معمولی لڑائی ہوگی۔ پہاڑی قوموں سے ہمیشہ لڑتے

ہے ہیں۔ لیکن تمہارے جنگ کرتی نہیں ہوتی۔

پہلا۔ جب کوئی شخص لڑائی کے لئے جاتا ہے۔ تو اس کی آنکھیں اور

مستقل کے درمیان پردے زیادہ گہرے ہو جاتے ہیں۔ کن کہہ سکتا ہے کہ لڑائی

حاجب بڑھتا ہے۔

ایک ننگہ ریز طائر

چرخ کے گھراں تھے

عرش بریں کی بنا۔

پردہ اڑ کر گیا ہے

”مر گیا ہے“

سپاہی۔ (اپنے آپ سے) ستاروں نے نیلہ سنا دیا۔

فرعون۔ اجنبی کے علاوہ کوئی اور بھی یہاں آیا تھا۔

سپاہی۔ (تھک کر) نہیں مایہا۔ کوئی نہیں۔

فرعون۔ تم نے اور کچھ نہیں دیکھا۔

سپاہی۔ نہیں۔ مایہا۔

حاجب۔ عجیب جا رہا ہے۔

فرعون۔ شاید یہ کوئی عجیبی اور پرامن پیغام ہے جو میری تنبیہ کے لئے

بھیجا گیا ہے۔

حاجب۔ تحریر یا غائب ہے۔

فرعون۔ یہ پیغام ستاروں کا ہے۔

حاجب۔ نہیں۔ مالی جاہ۔ یہ ستاروں کا نہیں کسی انسان کا کام ہے

تاہم تحریر کا مطلب سمجھنے کی کوشش ضروری ہے۔ ارشادِ عالی ہو تو ستاروں کے

عالم طلب کئے جائیں۔

فرعون۔ سپاہیوں کو اپنے تئیں طلب کرتا ہے۔

فرعون۔ ماہر ستاروں کے رازداروں کو بلاؤ۔ (حاجب سے مخاطب)

جو کہ شاید اب ہم کسی نیل کی سرزد کر سکیں، معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم نے ستاروں کی

نیت، اپنی رعیت کا خیال یا نیا دیکھا ہے۔ اور جسے کتبناں پر جوئے نیل

کو ترجیح دی ہے۔

حاجب۔ عالی جاہ! یہ تحریر کسی احمق نے لکھی ہے، حضور پروردگار سپاہی

اس باغی کو گرفتار کر سکیں گے۔ اور پھر تمام پریشانی رفع ہو جائے گی۔

فرعون۔ شاید۔ مگر سپاہیوں نے کسی غلطی کی یہ تحریر دیکھتے ہوئے

نہیں دیکھا۔

حاجب۔ دیکھئے حضور والا۔ وہ دو عالم آپس میں۔ وہ حضور کی نشانی

کریں گے۔

دو عالم داخل ہوتے ہیں، ان کے ساتھ ایک بچہ بھی ہے۔

فرعون۔ کسی فقیر نے میرے دروازے پر کچھ شعر لکھے ہیں، مگر ہم

نے آپ کے طلب کیا ہے، کہ آپ ہمیں کیا ان ہمارے میں کبھی معنی ہیں؟

اصل پر ہوتا ہے۔ دیوار پر کسی عربی نغمہ پڑھ کر آؤ کہ طرح چنچ مارتا ہے۔ ایک دوسرا
سپاہی آجاتا ہے۔ نظم پڑھ کر وہ بھی چنچ اٹھتا ہے۔ پھر دونوں خاموش ہو جاتے
ہیں۔

فرعون مصر اور حاجب داخل ہوتے ہیں۔

فرعون نے ایک ارغوانی قبائلی ہوئی ہے سپاہی اپنے بھالوں کا پیش

ہاتھ میں تمام لیے ہیں اور پھر تیرے سچے سلام کرتے ہیں۔

پہلا سپاہی فرعون کے حضور پر جھک جاتا ہے۔

شہنشاہ زمان، دروازے پر کچھ لکھا پڑا ہے؟

حاجب۔ انہی دروازے پر!

فرعون کسی احمق کا نام ہے۔ کل سے آج تک یہاں کون کون آیا ہے۔

پہلا سپاہی۔ (سوچ کر) کوئی نہیں۔ مایہا، معرفت جنوبی مصر کا ایک

اجنبی آیا تھا۔

فرعون۔ کیا اُس نے دروازے کو چھڑا تھا؟

سپاہی۔ نہیں مایہا۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ دروازے کو جھوٹے نینم

نے اُسے اپنے بھالوں سے پیچھے دھکیل دیا تھا۔

فرعون۔ وہ کہاں تک آیا تھا؟

پہلا سنہری، ہمارے بھالوں کی زد میں آچکا تھا۔

فرعون۔ بتائیں کچھ معلوم پڑا کہ وہ دروازے کو کیوں چھوڑنا چاہتا تھا۔

سپاہی۔ نہیں مالی جاہ۔

فرعون۔ وہ کس طرف گ گیا تھا۔

سپاہی۔ (اشارہ کرتے ہوئے) اس طرف!

بادشاہ ایک سپاہی کے کان میں کچھ کہتا ہے۔ سپاہی واپس چلا جاتا

فرعون۔ (باتی مائدہ سپاہیوں سے مخاطب ہو کر)

اس تحریر کے کیا معنی ہیں۔

ایک سپاہی۔ مایہا۔ ہم نہیں پڑھ سکتے۔

فرعون۔ سپاہی کو کہہ دو ان کو پانا جائے۔

دوسرا سپاہی۔ مایہا۔ ہم گمراہی کرتے ہیں، حفاظت کرتے ہیں ہم

کے معنی جانتے ہیں۔ دشمن کے نشان پہچانتے ہیں۔ اور ہمارے جگہوں میں ہاتھیں

پیکھ چکے ہوتی ہیں۔ انہیں بھی سن لیتے ہیں۔ لیکن ہم پوچھ نہیں سکتے۔

فرعون۔ (حاجب سے) دیکھو۔ یہ کیا لکھا ہے۔

حاجب۔ (پڑھ کر) مایہا۔ یہ مریخ بنادت ہے۔ تحریر تمام باغیا

ہے۔

فرعون۔ پڑھو۔

ناخوش ہو گئے۔ آہ!

ستاروں کا سب سے بڑا عالم داخل ہوتا ہے۔

فرعون۔ یہ تحریر پڑھو اور مجھے اس کا مطلب سمجھاؤ۔ میں اتنا سبکیں
میں نذر سے کا لارہ لالچا۔ اور ان نیلوس سے مالال کر دنگا جو میرے ملک کی
سرحد پر برف سے منجمد پاٹوں میں دفن ہیں۔

عالم سیاہ لباس پہن لیتا ہے۔

عالم کون ہے جس کا لباس ارغوانی رنگ کا ہے۔

فرعون۔ کون ہے جو آسمان کی طرٹ پر داڑ کر رہا ہے۔

فرعون۔ کون ہے جس نے ستاروں کو ذرا دوش کر رکھا ہے۔

فرعون مصر!

فرعون۔ یہ تحریر کس نے بھیجی ہے۔

عالم کسی دوتا نامے، خاص سوئے سے بھیجی ہے۔

کبھی ایسے دوتا نامے جو ایستاروں میں رہتا ہے۔

پہلا سپاسی۔ (اپنے آپ سے) کل ایک ستارہ شکل برساتا ہوا زمین

کی طرٹ کر رہا تھا

عالم۔ لاسی۔ لاسی۔ لاسی۔ مرز۔ الیاب۔

فرعون۔ میں نے اپنی رماؤ کو شمال نکالتے ستارے کیوں مجھ

سے خفا ہیں۔ میرا آئی دوتے زمین پر کوئی نہیں آتا۔ ستارے کیوں کبھی فرعون
میرے کو کوئی انسانی طاقت نہ مل سکی۔ آخر ستاروں نے ایک دوتے کو بھیجا۔

عالم ستاروں کو فراموش کرنا گناہ ہے۔ بہت اچھا تھا۔ اگر فرعون

رعیت کی بجائے ستاروں کا زیادہ خیال رکھتا۔

فرعون میں ستاروں کو قربانی دینے کے تیار ہوں مگر ستارے

اپنا فیصلہ بدل دیں۔ تو میں ہمتا تے ہوتے ستاروں کو ایک تین لڑکی قربانی

چڑھاؤں گا۔ اور دو ستاروں پر ایک تو منہ لڑکے کا خون قربان کر دنگا۔

ستاروں کے ستارے بچوں کو بپا کر کے ہیں۔

عالم (حلازموں سے)

قربانی کے چاؤ تیرے کرد۔

دوسرے حلازموں سے، قربانی کا بچہ لے آؤ۔

فرعون۔ کیا یہ قربانی کافی ہو گی۔

عالم۔ شاید۔

فرعون۔ تو تمہیں ہے کہ اس قربانی کے باوجود ستاروں کا حکم کمال ہے

عالم۔ ہر ستارے، ہر ستارے، ہر ستارے، ہر ستارے، ہر ستارے، ہر ستارے

قربانی کی قربانی کیسے۔

حاجب۔ بے معنی تحریر!

عالم تحریر کا مطالعہ کرتے ہیں۔

پہلا عالم۔ بچے اور بچے کا سب سے سرخ جسے لے آکر کون کد کد کد ہے۔

تحریر کا مطلب کیا ہو گا۔ شاید ایسا کہ ستاروں نے فرعون کو سرت اور

کاسیائی کا بیجا بیجا ہو۔ اور دیکھو ہماری سبز نقاشیں بھی لیتا آ۔ شاید ستاروں

نے فرعون کو ان کی خوبصورت چیزوں سے آشنا کرنا چاہا ہو۔ چراغے آئندہ مثال

ہونے والی ہیں۔ سن بچے، ہمارے سیاہ جس ابھی لیتا آ۔ ہر ستارے کو ستاروں

نے فرعون کی تقدیر کا فیصلہ کر دیا ہو۔

پہلا عالم۔ (تحریر کو غور سے دیکھتا ہے)

ستاروں نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔ تحریر خاص سوئے سے بھیجی ہو گی۔

پہلا عالم سیاہ لباس پہن لیتا ہے۔

فرعون۔ کیا لیتے ہیں ستارے؟

پہلا عالم۔ کچھ پتا نہیں۔ لاسی۔ لاسی۔ الیہ۔ الیہ۔ الیہ۔ الیہ۔

پہلا عالم۔

فرعون۔ (دوسرے عالم سے) آپ دیکھئے کیا کہتے ہیں ستارے؟

دوسرے عالم۔ (تحریر پڑھتا ہے)

ستاروں نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

فرعون۔ کیا کہتے ہیں ستارے؟

دوسرے عالم۔ کچھ پتا نہیں۔ لاسی۔ لاسی۔ لاسی۔ مرز۔ الیاب۔

ایہ بیو لڑ۔

فرعون۔ حلازموں نے سیاہ لباس پہن لے۔ اب لوگ انکو دیکھئے

تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ستارے مجھ سے ناخوش ہیں۔

حاجب۔ عالیجا! میں ستاروں کے سب سے بڑے عالم کو مل گیا تھا

میں! حضوری کی رعیت! تحریر کا مطلب ضرور مل ہو گا۔

فرعون۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی ان دونوں کی طرح سیاہ پوشے

پہند۔ سر جھکا کر۔ واپس چلا جائے۔ ناخوش مجھے معلوم ہو جائے کہ میری

تقدیر میں کیا لکھا ہے۔

حاجب۔ عالیجا! یقیناً یہ کام کسی عورت کا ہے جس

نے خست سے جمع کئے ہوئے سوئے کے ڈلے حماقت سے ضائع کر دیئے ہیں۔

فرعون۔ آہ! میں نے دیان اور بزرگزمین کو یاد کیا۔ جہاں وحشی دیکھ

لیتے تھے حلازموں کو بپا کیا۔ میں نے اپنے ملک کی حدیں لڑاؤں سے

دیکھیں۔ اور رعیت کو امن کی برکتوں سے بہرہ ور کیا۔ میں نے دانشمندانہ

قانون وضع کئے۔ کہ میری رعیت غرض نش ہے۔ اور ستارے مجھ سے

ہیلا سپاہی - فرعون ہستادوں کی سبلی کرنے والی ہے۔
یو بھاگ جاتے ہیں۔

دوسرا سپاہی - اگرستادوں نے تلج کو قبول نہ کیا تو کیا ہوگا۔
ہیلا - مصر پر باد ہو جائے گا۔ ایسا معدوم ہوگا۔ اگر یا کبھی کوئی بادشاہ
تھا ہی نہیں۔

دونوں بھاگ جاتے ہیں۔
لڑاکا داخل ہوتا ہے۔

دروازے: دروازے! میرا گنبد دے۔
لڑاکا دروازے کے پاس جاتا ہے۔ تلج کو دیکھ کر متحیرہ جاتا ہے۔
پھر عسائے شاہی کو اٹھا لیتا ہے۔ اور اس سے تلج کو تحفہ کی طرح رونق
ہوئے جاتا ہے۔

دوسرا سپاہی داخل ہوتے ہیں۔ تاج کو دیکھ کر متحیرہ جاتے ہیں۔
ہیلا - اوتار زمین پر اتار آئے۔

دونوں بھاگ جاتے ہیں۔

فرعون - اور عاجب داخل ہوتے ہیں۔

فرعون - ستارے غرض ہیں۔ انہوں نے میری نندہ تعیل کلا

عابد

فرعون - کس شے کی؟

عالم - اپنے غور کی۔

فرعون - کس طرح؟

عالم - اپنے تاج کی قربانی کرو۔ کیونکہ تمہیں صرف اسی تلج کے
غور کی وجہ سے سزا مل رہی ہے۔

فرعون - میں سہر جہ تیار ہوں۔ میں اپنا تاج قربانی کے پیچھے پر رکھ کر
ملا دوں گا۔ اور تمام عمر بغیر تاج کے بادشاہت کروں گا۔

عالم - نہیں۔ اس تاج کو اتنی دروازے کے پاس رکھ دو۔ جب
مذاب کا دیوتا رات کو تمہیں سزا دینے کے لئے آئیگا۔ تو وہ اس تاج کو
دیکھ لے گا۔ شاید اس کے دل میں رحم آجائے۔ کیونکہ تم نے اپنے سر سے
اس بایں غور کو اٹا کر ستادوں کی نذر کر دیا ہے۔

فرعون - تاج اٹا کر پیچھے پر رکھ دیتا ہے۔ پھر عسائے شاہی بھی
وہیں رکھ دیتا ہے۔

فرعون - اے تاج سلطنت، خدا حافظ۔ بادشاہوں نے تیری تمنا
کی ہے۔ ستادوں نے پیچھے پر شک کیا ہے۔ خدا حافظ۔

عالم جو دیکھ کر ستادوں سے اٹھا کھڑے والا آفتاب غروب ہو گیا ہے۔
دیوتا زمین پر اتنے تلے ہیں۔ جہ۔ ہیں۔ سے لوٹ چکے۔

فرعون - (سپاہیوں سے) دیکھو۔ تمام رات کبھی شخص کو تاج کے
قرب نہ آنے دو۔

سپاہی - ایسا ہی ہوگا۔ عالم بھاگتا۔

خاک اڑتی نظر آتی ہے جدھر جاتے ہیں

تیرے گیسو مرے شانوں پہ بکھر جاتے ہیں

زندہ رہتے ہیں محبت میں کہ مر جاتے ہیں

جب وہ جاتے ہیں تو بس مل مجھے کرجاتے ہیں

شام غربت نظر آتی ہے جدھر جاتے ہیں

خدا صبر بھی کھٹکتا ہے تو ڈر جاتے ہیں

میاں
شاہجہاں پوری

ہو گیا اب دل گم گشتہ کا دلنا معلوم

دوہ دل کا شبِ فقرت میں کچھ انداز نہ پوچھ

مجھ گرفتار بلا کو یہ بتا دے کوئی

موج رفتار اگر تیغ نہیں ہو تو کیا ہے

ہے محبت میں یہ کس رات کی آمد یارب

وصلِ دلدار کی تیباک تمنا کیسی

انسانی عقل۔ تجربے کی کسوٹی پر

لکھ کے۔

۸۔ بشراتی قوائے عقلیہ میں مزید بیدار کا باعث ہوتی ہے۔ مثلاً دو فنون سے نا آشنا ہونے کی صورت میں اگر دونوں میں ۱۰ دہریے کی دوری فرض کی جائے تو دونوں کو سمجھنے اور دونوں سے مساوی حیثیت سے آشنا ہونے کے بعد ان دونوں کی دوری ۳۰ سے ۴۰ دہریے تک بڑھ جاتی ہے۔

۹۔ ہمارا سن جتنا زیادہ ہوتا جائے ہمارے دماغ کے کیسے حیات (Life) کم اور ناقص ہوتے جاتے ہیں۔ یعنی کہ ۵۰ سال کی عمر میں دماغ کا وزن ستر گرام کم ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ جوں جوں زیادہ بولی جاتی ہے انسان کی قوت حافظہ اور قوت ایجا و کماورہ ہوتی جاتی ہے۔

۱۱۔ عورت کے حواس مرد سے ضعیف ہوتے ہیں مگر اس کا حافظہ مرد سے قوی ہوتا ہے۔

۱۲۔ عورتوں کی رہنمائی مردوں میں اختلاف زیادہ ہوتا ہے یعنی عقلندی اور یوقنی کے اختلافات عورتوں سے مردوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔

۱۳۔ بچوں کے قوی پر والدین کی عمر کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔
۱۴۔ انسان کو ایک کامیاب باورچی بننے کے لئے ایک کامیاب کاشتکار بننے کی رہنمائی زیادہ سیدار مغزی کی ضرورت ہے۔
۱۵۔ شہری سکولوں کے طلبہ دیہاتی سکولوں کے طلبہ سے زیادہ ہوشیار ہوتے ہیں حالانکہ دونوں جگہ نصاب اور تعلیم کا معیار ایک ہے۔

۱۶۔ تقریباً ششخص کسی نہ کسی کام میں کامیاب ہو سکتا ہے۔
۱۷۔ کسی خاص کام کے لئے ایک مناسب شخص یا اوقات کو دیکھ کر کاموں کے لئے بالکل غیر مناسب ہوتا ہے۔ یوں کہ کسی کی جو کرنی نہیں آتی تھی۔ لیکن اس نے مشہور ریاضی دان دیو بر کی جو شروع کردی مگر اس فن میں پورا نہیں اترا۔

۱۸۔ اندھا آنکھ والوں سے زیادہ نہیں سُنتا۔

نفس لوجی (علم النفس) کے ماہر ہمیشہ عقل کی تبدیلی اور آزمائش میں لگے رہتے ہیں۔ اور بسا اوقات ان کے تجربے کے ایسے نتائج برآمد ہوتے ہیں جو ہمارے گمان اور مشورہ خیالات کے بالکل خلاف ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر تیرڈ نے جو اس فن کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ اپنے ایک مضمون میں ذیل کے چند نتائج کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ عام طور پر مشہور ہے کہ جلد بازی سے کام خراب ہو جاتا ہے مگر عقلی کاموں میں تجربہ اس کے خلاف ثابت کرتا ہے کیونکہ ہم غور و فکر میں جتنی جلدی کرتے ہیں اتنا ہی عید ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ عام طور پر مشہور ہے کہ جس کا حافظہ اچھا ہوتا ہے اس کا ذہن اچھا نہیں ہوتا۔ مگر نفس لوجی کے ماہروں کے تجربے ثابت کر رہے ہیں کہ اچھے حافظے والے ہی ذہین ہوتے ہیں۔

۳۔ حافظہ یا ذہن کو کسی ایک موضوع میں صرف کرنا دوسرے موضوع کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ مثلاً ایک شخص جبر یا معاد میں مشغول ہو رہا ہو تو پیشانی جزائیہ اور تاریخ میں اس کی ذرا بھی مدد نہیں کر سکتی۔ اسی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حافظہ کو کسی ایک ہی موضوع کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ اور اس کو کوئی موضوع پر صرف کرنا ہمارے امکان سے باہر ہے۔

۴۔ ہر نسل آدمیوں میں تین چار آدمی سرخ اور سبز میں تیز نہیں کر سکتے۔ اور بعض عورتوں کی رہنمائی مردوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔

۵۔ پڑھنے کا سب سے بہتر زمانہ ۱۶ اور ۲۵ سال کی عمر کے درمیان کا ہوتا ہے۔ مگر جالبہاں سال کی عمر میں بھی پڑھنے کی قابلیت بیس سال کی عمر کی رہنمائی تھوڑی سی کم ہوتی ہے۔

۶۔ دماغ کی چھوٹی بڑائی اور شکل کو عقل کی کمی بیشی سے رلے نامعلوم ہے۔ حالانکہ مشہور ہے۔ کہ بڑے دماغ والا بڑا عقل مند ہوتا ہے۔

۷۔ قوت تقریر کو بسا اوقات قوت تحریر سے کوئی علاوہ نہیں ہوتا۔ اور ایک بہترین مقرر ممکن ہے کہ ایک مطبعی درست نہ

- ۱۶۔ تقریباً ہر شخص کی عقلی قوت میں کچھ نہ کچھ ضعف ہوتا ہے۔
 ۲۰۔ مختلف آدمیوں میں عقل کی کئی بیشی خون کے اجزاء کی کمی بیشی کا نتیجہ ہوتی ہے۔
 ۲۱۔ انسان کی ساری قوتیں بچپن سے آہستہ آہستہ نین ٹھہرتی ہیں۔
 ۲۲۔ بعض قومیں ایسی حالت میں بڑھ جاتی ہیں کہ دوسری قوتیں اپنی کمزور حالت میں پڑی رہتی ہیں۔
 ۲۳۔ ۱۲ سال کی عمر میں لڑکیوں کا ذہن یکبارگی بہت ترقی کر جاتا ہے مگر لڑکوں کا ذہن ۱۶-۱۷ سال کی عمر تک ترقی کرتا ہے۔

ص.....

غزلیات

نگاہ لطف گر لے ساقی مئے خانہ ہو جائے
 دل مضطر بہ رحم آتا ہے اندھوتی ہے وحشت بھی
 کدوں کیجاد وہ رنگ بجت بزمِ دنیا میں
 مری مٹی میں اک برتن تیاں ہے دیکھ کر چلنا
 بقدر وسعتِ دل اور دنیا خلق کرتا ہوں
 مرا جینا ہو جینا یا جس مرنا ہو مرا مرنا
 اگر یہ زندگی صرف رو میخانہ ہو جائے

یاس

جُأتِ پروانہ ہے تکمیلِ بیدارِ جنوں
 دوقِ سستی سے ہیں مرے ہاتھ لڑناں ساقیا!
 کرچکا ہوں حشر میں اُن کی شکایت، کیا کدوں
 میری توبہ بھل ڈکاد تک محدود ہے

جنتِ امید ہے خوابِ طلسمِ آرزو
 بُرائی اُغلا رافقت اور اُن کے ساٹنے؟
 زیبِ ویرانہ ہے خالک کا مگلا دارِ جنوں
 داستانِ عشق ہے ہر ذرہ صحرایِ مجھ
 ہو گیا ہے دل کو بھرا حشرِ جنوں آرزو
 اُگئی امید دینے کے لئے دھوکا مجھ

سید عبد الحمید اختر

ایک دن

اس کا جی چاہتا تھا۔ کسی طرح وہ بھی غربت اور ذلت کی زنجیروں سے آزاد ہو کر محبت کی زنجین فضا میں داخل ہو جائے۔ بات کو اکثر وہ اپنے بستر پر بیٹھا سوچتا۔ بار بار انداز میں لے کر نکال دیتا۔ کہ مجھے آرام نصیب نہیں ہوتا۔ لاشیں مجھے تعظیم نہ دلائی گئی ہوتی۔ اور اگر تعظیم دلائی گئی ہوتی۔ تو صاف دل نہ عطا ہوتا ہو تا سوچتے سوچتے وہ پاگل سا ہو جاتا۔ اور جب اس کی نیند بالکل اچاٹ ہو جاتی تو وہ اپنی بیوی کے بستر کی طرف دیکھتا۔ اس کی بیوی دنا شہار۔ ایشیا کی بیوی۔ نہایت آرام کی غیز سو رہی ہوتی خوش بیدار جی چاہتا تھا۔ اس کا منہ فریغ لے، اس کے چہرے کے تسمک کو اپنے ناخنوں سے مجروح کر دے۔ اس کے اطمینان قلب۔ اس کی آرام کی نیند دیکھ کر فرشتہ کے دل میں اپنی بے آرامی کا احساس اور زیادہ گہرا ہو جاتا۔

ایک شام کا واقعہ ہے جو فرشتہ و فرستہ واپس آکر جانتے بی رہا تھا۔ اور چکی ہوئی آنکھوں سے ان تصویروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جو دروازوں پر آویزاں تھیں یہ تصویریں اس قسم کی نفس کش فرشتہ کا کھنڈن تسلیم نہیں ایک لمحے کے لئے بھی برداشت نہ کر سکتا تھا لہذا اسے اپنی بیوی کی خاطر درجہ منظور بھی ہوا کہ کو کہے کا ایک جڑ لاری قصور کرتی تھی۔

انگلیشی کے پاس ایک بلی خرخر کر رہی تھی۔ فرشتہ کی بیوی نشیمن پر کپڑے سی رہی تھی دشمن کی مسلسل آواز نے فرشتہ کے گلے ہونے دماغ کو تھریا۔ مقلق کر دیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی بیوی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یا ایک وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور گھر سے باہر نکل کر ناظرین کو علم کروا کر لاہر عجیب و غریب کو الف و سواح کا غورن ہے۔

ممکن ہے کہ آپ دنیا کے گناہے آہستہ آہستہ نکل رہے ہوں تو اپنے ایک ایسے دوست سے گھرا جائیں جو بیس سال سے مفقود گھر ہے۔ جس کو آفری بار آپ نے اٹھ بیٹھ کے پتے پر خطا بکھا تھا۔

ممکن ہے کہ آپ شہر کے گمنام بازاریروں میں سے گزرتے ہوں۔ آپ کو ڈاکو آپ پر حملہ دیا ہو لیکن آپ کا تمام مال و متاع کے کرور فیکر ہو چکا ہے۔

ممکن ہے کہ شہر کے گمنام بازاروں میں سے گزرتے ہوں۔ آپ کو کوئی حادثہ پیش آجائے اور آپ ہسپتال کی فرش سے شادی کریں۔

داناؤں نے کہا ہے۔ کہ جب تک کوئی شخص غربت محبت اور لڑائی کے مزے نہ چکے۔ وہ زندگی کے مزے سے محروم رہے گا۔

جو لوگ کھنے سے ذوق رکھتے ہیں۔ وہ یقیناً اس مغزلے کی سچائی اور اختصار سے متاثر ہو گئے۔ مندرجہ بالا نینوں چیزیں اس نوعیت کی ہیں۔ کہ لائیت کی تمام کیفیات انہیں سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً یہ کوئی مہتریں سیکے کہ اس جو جسے ہیں دولت کو شامل کر لیا جائے۔ ورنہ زندگی کے عناصر ناممکن رہیں گے۔ لیکن یہ بگڑ بگڑ اور ضمن غلط ہے۔ جب کوئی مفسس اپنی جیب میں غیر متوقع طور پر ایک روپیہ پڑا ہوا پاتا ہے جسے جیب میں ڈال کر بھول گیا تھا۔ تو اسے اس قدر مسرت حاصل ہوتی ہے۔ کہ کسی کو ڈھکی چھپی کر لاکھوں کے حصول سے نہ ہوتی ہوگی۔

معلوم ہوتا ہے کہ مشیت خداوندی نے یہ اہل قانون مقرر کر دیا ہے۔ کہ عالم اسباب کا کوئی فرد ان تینوں اشیاء سے نا آشنا نہیں۔ جیسے تھیں گے انھوں میں ہیں جو چیزیں انہیں اہمیت نہیں کہیں غریب کی ملکیت نسبتاً کم محسوس ہوتی ہے۔ محبت میں جو عشق نہیں پایا جاتا۔ لڑائی حرت میں نہیں اور بچوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور عام طور پر زانیہ کی صورت اختیار کرتی ہے۔

اس مغزلے کی سچائی اس وقت صحیح معنوں میں ثابت ہوتی ہے۔ جب بڑے بڑے شہروں میں رہنے والے لوگ بھی مجبوراً فقرات کے قانون کے آگے ہٹک جاتے ہیں۔

یہ سب سچ ہے مگر اس بات کا فقر حرت فرشتہ اور ہی کو مال ہے۔ کہ ایک دن کی مختصر ساعتوں میں وہ زندگی کے تمام مراحل گزرتے گئے۔

فرشتہ اور فرستہ کے دفتر میں ایک معمولی سا لکھا ہوا خط دوسرے لاکھوں کی طرح اس کی زندگی فرسودگی اور تسلسل کے ایک پیکر سے عبارت تھی۔ صبح ناشتہ۔ دفتر کی تیاری۔ کھانا۔ دفتر۔ سر پہر کا ناشتہ۔ شام کا کھانا۔ سنا۔ صبح کا ناشتہ۔ . . .

ماہ و سال اسی طرح ختم ہوتے چلے جاتے تھے۔ اُسے اپنے مستقبل کے افق پر کوئی روشن خیزر نظر نہیں آتی تھی۔

بعض دفعہ وہ تنگ آ کر سنبھلا جاتا۔ اور دنیا کے تعلیمات پر دیکھ کر اس کے دل میں عجیب عجیب خواہشات کا طوفان اٹھتا تھا۔

سنگ مرمر کے فرش پر چمکے تھے۔ اتنے میں شیر خان آ پہنچا۔۔۔
 خورشید بھی جو ان تھا حضور تھا۔ اور بڑی بات یہ کہ حق
 پر تھا۔

دو دنوں گتہم گتہا ہو گئے۔ کون اور خطوں نے اپنا کام کرنا شروع
 کیا۔ اسی طرح اگلے برسے وہ کرے کے وسط میں آ گیا۔ ایک مہر المٹ
 گئی۔ اور شراب کے بطوریں کنوگر کے ریزہ ریزہ ہو گئے۔ ایک لمحے
 کے لئے دونوں علیحدہ ہوئے۔ خورشید نے پاس ہی سے ایک گدا بٹھا
 لیا۔ اور تاک کر مارا۔ مگر شیر خان۔ اپنی فطری پالائی سے کام لے کر
 عین وقت پر جھبک گیا۔ گدا ایک کھڑکی میں ٹھکیشے کے ٹوٹنے کی
 آواز آئی پھر نیچے سے انگیروں کا شہر بلند ہوا۔ اور بڑل کے کارپروانوں
 کو معلوم ہو گیا کہ اس طوائف کا مقصد صرف ہرل تک ہی محدود نہیں بلکہ اس
 کا شہر بازار تک بھی جا پہنچا ہے۔ مہذب خوش پوش آدمی کھڑکے کا پتہ
 ہرے۔ ہرل کے دوسرے ملازمین بھی آگئے۔ مگر اس تھا میں خورشید
 اور شیر خان اپنے جوش میں دماغ سے ماہر نکل پھٹے کچھ عرصہ
 لڑائی زور و شور سے بازار میں ماری رہی۔ یکا یک ایک بے لیس
 کاسپا ہی آ گیا۔ شیر خان خورشید کو چھوڑ کر ہرل میں گھس گیا۔ فحشیت
 ساتھ ہی ایک علی علی۔ اندھا عہد اس طوفان مڑ گیا۔

بے لیس کاسپا ہی اس کا تعاقب کرنا تھا۔ اور خورشید
 اس قدر تیز و دروز ہوا تھا۔ گویا اس کے پاؤں کے ساتھ پتے بندھے
 ہوئے ہیں۔

آخر خورشید سہا ہی سے بہت آگے چل گیا۔ اس دوڑ کے دوران
 میں اُسے محسوس ہوتا تھا کہ ایک سرخ رنگ کی موڑ اس کے ساتھ
 ساتھ چلی رہی ہے۔

جب فوری خط سے نہات مائل کسے کے بعد اس کے قدم
 ذرا حسرت چٹکے۔ قراس نے دیکھا کہ سفر کرنے سے موز میں بیٹھ جانے
 کا شائد کیا۔ خورشید بن سوچے سمجھے کہ موڑ میں چھ گیا۔ اور موڑ چلنے
 پھرتی ہوئی دماغ ہوئی۔ پانچ منٹ کے بعد خورشید نے اپنے آپ کو
 گنجان بازار میں سے باہر دوسری مڑ کی کھلی دروازہ بتائی۔ وہاں پہلا
 شرفراہی تک موڑ کو نہایت تیز رفتار پرلے جا رہا تھا۔

خورشید نے پچھتے ہوئے شوخرا کا شکر ادا کیا لیکن اسے کوئی
 جواب نہیں ملا۔ ٹھکے مرے کے بعد موڑ ایک عایشی کو کھلی کے
 بیرونی دروازہ کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

شعرا تزا۔ اس کا چہرہ بجزی نظر نہیں آتا۔ قہر کی دھماکے اس نے

ممکن ہے کوئی مالدار پر پیش آپ پر عاشق ہو جائے۔ اور اپنی
 شاندار نشن میں بیٹھا کر اپنے عایشیوں مکان کی طرف روانہ ہو جائے۔
 انھیں لاہور میں منکات کا وائزہ اس قدر بیع ہے کہ کوئی
 شخص محفوظ نہیں۔

جب خورشید نے ماہر کی ہا میں سانس لیا تو اس کی طبیعت
 جوشی۔ ہر میں ایک خوشگوار خوشبو مل رہی تھی۔ جو نکلے ہوئے
 دماغوں کے لئے پیغام سکون تھی۔

گلہریوں میں بچے کھیل رہے تھے۔ اور ان کی چہنچہار میں بھی لڑلڑ
 کا سنا مناسب پایا جاتا تھا۔

خورشید لاہور کے بارون بنا ماموں میں سے گزرتا ہوا نارنگی جا پہنچا۔
 ایک بڑل کی گھنگھنی ہوئی مہارت نے اس کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔
 اس کا جی پا با کدو اس سسلی محل میں داخل ہو جائے۔ اور ایک بابا اس
 "نڈکی" کے مناخ بھی دیکھ لے جو اسے فاول اور انسانوں میں بڑھاتی تھی۔
 وہ اندر داخل ہو گیا۔

"ڈا بیچنگ ہال" میں خوش پوش۔ خوش ادا آدمیوں کا مجمع تھا۔
 جو مہذب بلکہ معنی باتوں میں مصروف تھا۔

وہ ایک خوش فہمی کے عالم میں ایک نیز پر بیٹھ گیا۔ بار تین کی
 ایک ایک پیٹ طلب کی۔

جب وہ قیمت ادا کرنے کے لئے غواہی کے قریب پہنچا۔ تو اسے جب
 میںا ہاتھ دالے کے بعد محسوس ہوا کہ گھرے کوئی نقدی ساتھ نہیں
 لایا۔

اس کا چہرہ ندر ہو گیا۔ بیٹانی پر نہایت کا پسینہ آ گیا۔ اُسے ایسا
 محسوس ہوا گویا اس کا گلا پیچھ گیا ہے۔ اور کسی نے دیکھتے ہوئے چلنے سے
 اس کی زبان کھینچ لی ہے۔ اُس نے التبا کے لمحے میں کہا: "میںے انوس ہے
 میرے پاس اس وقت کوئی نقدی نہیں ہے۔ میں اپنا بڑا گھر بول آیا
 ہوں۔ میں کل ہی آپ کا قرض چکا دوں گا۔"

غواہی نے اس تقریر کو خاموشی سے سنا۔ پھر بلند آواز میں پکارا
 "سخیر خان"

ایک چٹا کتا ترمزد نوجوان جس کے چہرے کی سحر کی شانوں کی کھڑک
 اور لباس کی وضع قطع اس کے چٹان ہونے کا ثبوت دے رہی تھی۔
 اور جاسی کا مہر کے لئے مخصوص تھا۔ کہ خورشید جیسے لاکھوں کی خبر لیا
 کرے۔ وہ دھڑے آنا ہوا دکھائی دیا۔

خورشید نے گھانے کی کوشش کی۔ مگر اس کے پاؤں گر گیا

اور انکی تیز رفتاری تو شاید آئندہ کیلئے ضرب القتل ہوگی۔
یہ کچکر شور و اواہس چلا گیا۔

خاتون نے انور کی طرف دیکھا۔ آہ وہ مجھ! خورشید کی تمام آرزوئیں اور تمنائیں اس مجھ کے ساتھ کھینچی ہوئی پگائیں اسے معلوم ہو اگورا وہ جسد بیجان رہ گیا ہے۔ گویا اسکی روح ان سیاہ پتلیوں میں سما گئی ہے۔

خورشید نے اپنے دل کی گہرائیوں میں اس جذبے کو محسوس کیا جسے ”حقیقی“ کہا جاتا ہے۔

خاتون نے کہا۔ (اے وہ آواز اٹھنے اس آواز کے استار چڑھاؤ میں لرز رہے تھے اور خورشید کو قیام محسوس ہوتا تھا گویا دنیا تمام لرز رہی ہے) میں نے اپنے شور و شوق کا لفظ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر سرخی دور کی۔

کو بھجھا تھا کہ وہ میرے چچا زاد بھائی شاہد حسین کو بلالئے۔ بات یہ ہے کہ اسوقت بہانہ ایک بد تہذیب مرد موجود ہے۔ جس نے میری توہین کی ہے۔ میں نے اس بات کی شکایت اپنی والدہ سے کی مگر وہ صرف مسکرا کے چپ ہو رہیں۔ اسلئے مجھے شاہد حسین صاحب کو بلانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اسوقت ہے کہ وہ یہاں نہیں ہیں۔

اس رات میں شجاع اور فیروز دو کئی کئی ہے۔ کیا میں آپ کی مدد پر محروم نہ کر سکتی ہوں؟

خورشید کے دل میں ایک طغیان غور پر پا ہو گیا۔ اسے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ”مجھے وہ بد تہذیب شخص دکھائیے اور اس کے بعد جو اس کا حشر ہو گا وہ آپ دیکھ سکتی ہیں۔“

خاتون نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کر کے کہا ”اس کمرے میں وہ موجود ہے۔ آپ ڈرتے تو نہیں؟“

خورشید جواب دینے کی بجائے اس کمرے کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کے اندر داخل ہو گیا۔ وہ اسوقت اتنا ڈرا اور شہرے لڑنے کے لئے تیار تھا۔ انسان کی کیا بساط ہو سکتی ہے۔ کمرے میں ایک لڑکا جو شور و طغیلا کیا۔ ایک آرام کر سی پر بیٹھا ہوا پردہ راتا خورشید نے جلتے ہی ہٹنے کے لیے کہا ”مناسب ہے کہ تم تہذیب و ادب معاشرت پر جو کتابیں تصنیف کی گئی ہیں صرف یہی پڑھا کرو۔“

خاتون نے نظر اٹھ کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر تعجب کے آثار

پڑی سیاہ عینک لگا رکھی تھی۔ اور اس کے چہرے کا پچھلا حصہ ایک ادنیٰ منظر میں لپٹا ہوا تھا اسے دروازے کی طرف اشارہ کیلئے ہوئے کہا ”تشریف لے چلئے۔ ایک مصیبت زدہ خاتون آپ کی انتظار میں ہے۔“

خیرانی اس قدر فساد لفظ ہو چکا ہے کہ خورشید کے جذبات کو اس سے موسوم کرنا شاید ناگیا ہو۔ اس کا دماغ بکا رہا تھا۔ ”مصیبت زدہ خاتون“ انتظار۔ یہ لفظ اس کے دل میں ایک طوفان مچنے لگا رہا ہے۔ اس نے کوشش کی کہ طرف غور سے دیکھے۔ مگر وہی روتی روٹ کر آتا تھا۔ اور یہاں سے بھی ضرور گذرنا ہو گا۔ مگر اس نے کبھی اس جگہ کی طرف خیال نہ کیا تھا۔

بیرونی دروازے سے اندر کا باغ صاف نظر آتا تھا۔ اور ایک روشنی بیدی کوشش کی طرف جاتی ہوئی دکھائی دیتی تھی اب شام ہو چکی تھی۔ مگر سچو لوں کے رنگ پہنچانے جاسکتے تھے گلاب و نارنج کی پتلی پتلی خوشبو آ رہی تھی۔ خورشید گویا دیوانہ سا ہو گیا۔ وہ خود فراموشی کے سے اعجاز میں شوخ کے کچھے چھا رہا۔ شوخ نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔ اور خورشید کو محسوس ہوا گویا اس کے اخفی حیات پر ایک درخشاں ستارے کا طلوع ہوا جو کمرے میں قیمتی قالین کچھے ہوئے تھے۔ جتنے لغزش و غلط کار رنگ۔ اس کے رنگ سے متناسب تھا۔ اور ایک موم۔ پیر ایک مورچہ رنگ و بو پر ایک شمع ماہ جلوہ ریز تھی۔

وہ ایک مناسبت مثال نازنین تھی۔ جس کے چہرے پر کائنات کی ستریں تھم جکر میل پڑی تھیں۔ اسکی سیاہ۔ گہری سیاہ آنکھیں ہیں۔ نیکیاں تمام عیشیں نص کر رہی تھیں۔ اس کے بالوں میں وہ بال جو ہلکے مصیبت سے زیادہ ناریک تھے۔ نکبتوں نے اگر پہناہ لی تھی۔

شوخی نے عینک اتاری۔ منظر کو الگ کیا۔ اور پھر ایک عجیب انداز میں چھاتی پر ہاتھ رکھا جیسک گیا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

”محترم خاتون! شاد صاحب دہلی تشریف لے گئے ہیں۔ اسلئے حاضر نہ ہو سکے۔ انکی جگہ میں آؤ (خورشید کی طرف اشارہ کر کے) یہ آئی ہوں۔ میں آپ کو یقین دلانا ہوں کہ آپ سے زیادہ اور طاقتور آدمیوں سے مقابلہ کرنے میں یہ اپنا جواب نہیں رکھتے

پیدا ہوئے پورے خورشید کے نیچے خاتون کو بھی داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ وہ ہنسنے لگا۔ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور پھرتی سے خورشید کی بائیںوں کو ایک ایسی آہنی گرفت میں ختم لیا کہ خورشید باوجود کوشش کے حرکت کرنے سے محذور ہو گیا۔ اسی طرح ختم ہونے لگا۔ نوجوان خورشید کو باہر کے دروازے تک لے گیا۔ اور دروازہ بند کرنے کے بعد واپس اسی کمرے میں آ گیا۔

پھر خاتون کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔
”سکھائی! تمہارے دل میں یہ کیا سانی ہے کہ بالکل انہی آدمیوں کو بالائی ہو“

سکھائی ”تم بہت برے آدمی ہو۔ پہلے تم نے میری کتاب اس بھلے آگ میں جھونک دی کہ میرے لئے ہمت پرنا حاضر ہے۔ اور اب تم میرے مددگاروں کو ”انہی“ کہہ رہا ہوتے ہو۔ وہ تو شکر

کرو شاہر حسین موجود تھا وہ نہ
وہ خاموش ہو گئی۔

نوجوان کھٹکھٹا کر شکر
اچھا! یہ عرصہ تھا۔ دیا

آئیں اور پردہ آنا دیا۔ تو میں
کے خلاف ہوں۔ مگر تیار ہو

خواب ہو گیا ہے کہ تم پر
دیر آنا چاہتی ہو۔ اس

ڈاکٹر نے منع نہیں کیا کہ
نہ دی جائے۔ مجھے تمہارا

حق بھی ہے بائیں
سکھائی خاموش

کیلے اسی

مگر مزدور

کے ماتھے سے

بڑے زمیندار

خاتون میں

نظر آتے ہیں

کیلے خاص ہو رہی ہیں

نہیں ہے

ادب حکومتی اور انہی

خاص نہیں ہیں

حاصل کرتے ہیں

پہلے ہو رہی ہیں

اسی طرح اب کار کے کہا۔

بسماء چاہتا تھا کہ پورا یقین ہے

ماہرین جنگ

خیال کیا کہ ملک

لوگ ہو سکتے ہیں

سے

ٹیک کہ سیاست کا

کے تجربے۔ گرم وہ

ان باؤل کی وجہ سے

ادبیاتی ساری زندگی

والوں کی بہ نسبت

اور اس قابل ہو سکتا۔

وہ بوداس کے سپرد

پارٹنر سیاست دان

کی سیاست پر زیادہ

فیروزوں کے خواہش

ہمارت پیدا ہو جائی

کی مختلف فہموں کی

سیاست اور ارباب بیمار

(مشہور ملاوی مخدوم فرید کے ایک مضمون کا خلاصہ)

جنگ عظیم سے پہلے دنیا کی سیاست پھر مالداروں اور اچھے طبقے والوں کا قبضہ تھا مگر جنگ نے دنیا کی کایا پلاٹ دی مزدوروں اور ملاحوں کی قدر و قیمت بڑھ گئی۔ اب آہستہ آہستہ سیاست

بھی انہی کے ہاتھوں میں چلی جا رہی ہے۔
گزشتہ دنوں ریاستہائے متحدہ امریکہ کی پریزیڈنٹ کے لئے مسٹر ہود کے انتخاب نے ہر شخص کو مزدور اور سیاست کے تعلق

کی طرف متوجہ کر دیا ہے۔ مسٹر ہود ایک مہندس ہیں اور انہوں نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ مشرق وسطیٰ کی کالوں میں گزارا ہے۔ جنگ عظیم کے موقع پر یہ مہندس نے ٹیکس میڈین سیاست میں آگئے۔ اور

امریکہ میں اپنی مقبولیت حاصل کر کے اب وہاں کے پریزیڈنٹ ہیں۔
مسٹر ہود سے پہلے امریکہ کے چھ پریزیڈنٹ ایسے ہو چکے ہیں جن کو

ذہنی کام کرنے والا کہا جاسکتا ہے اور سیاسی خبر سے ان کا واسطہ نظر ہر تیل کی جا سکتا ہے۔ مسٹر ہود ایک وکیل تھے۔ مسٹر ہارڈنگ ایک اخبار کے ایڈیٹر تھے۔ مسٹر ولسن ایک یونیورسٹی کے رجسٹرار

تھے۔ مسٹر ٹاٹ بھی وکیل تھے۔ مسٹر روز ویٹ ایک مشہور اخبار

زیریں اور اوپر تھے

لحاظ سے ارباب

کے ایک ریزر جدید

اور ارباب ذہن

جنگ عظیم کی پیدا

چنگ عظیم

وہ اپنے تمام

سے بھی کام

کی اور حکومت

انگلستان اور

پیروی کی۔ مزا

اور دیکھا کہ

ہمیں امریکہ

نظر آتا ہے

گرد

صیدِ ایجاد

معمول کے میان کی تائید کرتی تھیں۔ لیکن میں متوجہ بن گیا کہ ضرر آدھ گھنٹہ پہلے میں رشید سے ملکر آیا تھا۔ اور اسے اس کی لیباریٹری میں مرحوم سلامت چھوڑا تھا۔

میں نے آتشزدگی کی اصل وجہ معلوم کرنے کی کھان لی اور انہیں کاہلیاں بنوا جو کچھ مجھے معلوم ہوا وہ میں نے اپنے روزنامے میں لکھ لیا۔ اب میں آپ کو اپنے روزنامے سے رشید سے اپنی ملاقات کا حال اور پھر آتشزدگی کے اصل حالات پر بڑھ کر سناتا ہوں۔

اس نے میز پر سے اپنا روزنامہ اٹھا لیا اور کہا:-

”مسٹر لیٹر میرا روزنامہ بھی بڑا دلچسپ ہے مجھے پورا لائق ہے کہ میری وفات کے بعد جب یہ مجھے ملے گا تو لوگ اسے حیرت اور تعجب کے ساتھ پڑھیں گے۔ یہ ایسی قسم کا کتا روزنامہ مانا جائیگا۔ اور خدا کا اس پر شاندار دیوبند لکھیں گے۔ اچھا اب میں آپ کو اس کا وہ حصہ پڑھ کر سناتا ہوں جو اس واقعہ سے متعلق ہے۔“

”آج میں اسے دوست رشید سے ملنے گیا۔ رشید ایک گناہم مُوجد ہے اور اس کی ایجادیں ابھی عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہیں لیکن اس کی قوتِ ایجاد کا مقابلہ یورپ اور امریکہ کے موجد بھی نہیں کر سکتے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ جب اس کی ایجادیں منظر عام پر آئیں تو دنیا انہیں حیرت اور تعجب سے دیکھے گی۔ دنیا بھر کے موجد اس کی قوتِ ایجاد کا نامنا جائیں گے اور ہندوستانی رشید دنیا کے موجدوں کا سر تاج سمجھا جائیگا۔“

اس وقت رشید پر وہ گناہی میں ہے۔ وہ اپنے والدین مکان میں اپنی زندگی گزارتا ہے۔ وہ شاذ و نادر ہی اپنے مکان سے باہر نکلتا ہے اور اپنا سارا وقت اپنی لیباریٹری میں گزارتا ہے جو اس کے مکان کے بالائی حصے میں ہے۔ لیباریٹری کی چھت کے نیچے کی طرف اس نے میشر تاروں کا جال بکھیر رکھا ہے۔ ان میں سے بعض انگلی کے برابر موی ہیں۔ اور بعض ٹکڑی کے جالے کی طرح باریک ہیں چھت کے اوپر کئی چھوٹے چھوٹے مچھے کھڑے ہیں۔ لیباریٹری میں چاندوں طرف تیشے کی الماریوں کی کیمیائی مرکبات اور دھاتوں کے چھوٹے

جپ ہیں اس کو اپنی زندگی کا سب سے زیادہ عجیب و غریب شے چکا تو اس نے شکر اٹے ہوئے کہا:- ”صاف کچھ ایک ایسے شخص کے لئے جس کی زندگی اس قسم کے واقعات سے بھرپور ہو۔ واقعہ کچھ زیادہ دلچسپ نہیں ہو سکتا۔ ایک واقعہ جو میں آپ کو سناتا ہوں میری زندگی کے عجیب واقعات میں تجدیدیت انگیز ہے۔ یہ واقعہ ایک راز ہے اور آپ ہی پہلے اور آخری شخص ہیں جس کو میں اس راز میں اپنا شریک کر رہا ہوں۔“

پھر مینا ٹائیز نے میرے چہرے پر اپنی تیز نظرں جبا کر کہا:-

”مسٹر لیٹر عمل کے وقت معمول کی رسائی بہت دور دور تک ہوئی ہے۔ اور عامل کے علم سے وہ ایسے چیزیں دیکھ سکتا ہے جو معمول کو بھی نظروں سے ہٹا کر آگاہیں اپنے معمول سے بچھو کر نیا باریک خیال شرط کے خلاف مقام پر کیا ہو رہے۔ یا فلاں فعل کی کیا حالت ہے۔ یا میز فلاں دوست کیا کام کر رہا ہے تو وہ ہر سوال کا صحیح صحیح اور ٹھیک ٹھیک جواب دیتا۔“ وہ تھوڑی دیر تک بچھ کھٹے لگا۔

”ایک دن میں معمول کے سر ہانے کھڑا ہوا۔ اس سے مختلف سوال پوچھ رہا تھا اسی دوران میں میں نے اس سے پوچھا کہ میرے دوست رشید کا کیا حال ہے اور وہ اس وقت کیا کر رہا ہے۔ اس حال کے جواب میں میں اس سے کسی غیر معمولی جواب کے سننے کی امید نہ رکھتا تھا۔ چونکہ میں جانتا تھا کہ اس وقت رشید اپنی لیباریٹری میں بیٹھا ہو اور مریخ جانے والے راکٹ کو مکمل کر رہا ہو گا۔ لیکن معمول نے جو میرے اس سوال کا جواب دیا اس نے مجھے متوجہ اور پریشان کر دیا۔

معمول نے کہا کہ رشید اور ظہیر پر کئی گری ہے اور رشید کا مکان جل رہا ہے۔ اتنا کہ معمول جتنا کہ منہ لگ کے فصول کی زد میں آگیا ہوں مجھے پکاؤ۔ یہ سنکر میں نے رد عمل کیا اور معمول کو بڑی مشکل سے ہوش آئی۔

میں نے کھڑکی کھولی اور باہر جھانکا لوگ دوڑ رہے تھے۔ فائر بریگیڈ بڑی تیزی سے جا رہا تھا خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی ہر شخص کی زبان پر ہلک گئی، آگ لگ گئی، کے الفاظ آئے اور یہ سب باتیں

مکان پر شریف لائے بیشک آپ بہت عقلمند ہیں۔ آپ میرے کہنے والوں سے بدرجہا زیادہ عقلمند ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ طویل طول کاغذ میں میرا وقت ضائع نہ کریں گے۔
 ”آپ جانتے ہیں مجھے آپ سے کس قدر اُنس ہے اے آپ کی کاپیوں سے کس قدر دلچسپی ہے“

”کیا آپ چند منٹ کے لئے مجھے اپنی لیبارٹری میں بلا کر مجھے بالمشافہ گفتگو کرنی پسند فرمائیں گے۔“

”کچھ دیر خاموش رہتے اور بڑبڑانے کے بعد
 ”آجھا! آجھا! آخر آج تو میں آپ کو بلا لیتا ہوں کیونکہ مجھے یہی آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔ لیکن آئندہ آپ مجھے اس قسم کی کوئی کٹیف نہیں دیں اور میرا وقت ضائع نہ کریں۔ آپ اس لفٹ میں بیٹھ جائیں تاکہ میں اسے اوپر لے جاؤں۔“

”میں لفٹ میں بیٹھ گیا لفٹ اوپر اٹھی اور جب یہ ٹھہری تو میں نے رشید کو ایسے سامنے ٹھکڑا دیکھا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے اپنی لیبارٹری میں لے گیا۔ اس نے مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کو کہا میں اور وہ خود میرے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔“

”مسٹر موہن آپ ایک زبردست عامل مسرمرزم مانے جاتے ہیں اور آپ کی اعلیٰ قابلیت کا دُور دور شہرہ ہے۔ کیا آپ اپنے عمل کی مدد سے مجھے بتائیں گے کہ میں مریخ جانے میں کامیاب ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن ٹھہریے میرا یہ سوال بے سود ہے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ جو راکٹ میں بنارہا ہوں وہ مجھے ضرور منزل مقصود تک پہنچا دیگا۔ آجھا آپ مجھے یہ بتائیں کہ سطح مریخ پر جو ایک دوسرے کو کاٹتے چمٹے خطوط ہیں وہ کیا ہیں؟ آپ جانتے ہیں کہ مجھے آہم بہت پسند ہیں۔ مجھے مریخ میں آہم میں گئے یا نہیں؟“

”میں کہہ مریخ میں لنگڑا، مسند حوری، سفیدہ، وغیرہ اہوں کے درخت بارگہر بہت خوش ہو گا۔ مسرمرزم
 ڈائریٹر رشید! میں ان سوالات کا جواب دینے کی نسبت یہ پسند کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی لیبارٹری کی سیئر لکے اپنی ایجادوں کا حال سنائیں۔“

”کیوں صاحب! اس کا مطلب یہی ہے کہ آپ ان سوالات کا جواب نہیں دے سکتے۔ اس نے سنا نہ بکا کہ محدود ہے۔ محدود ہے۔ آپ کا علم یہ محض فہمہ بازی ہے۔ لیکن پھر بھی میں آپ کی عزت کرتا ہوں کیونکہ آپ میرے بڑے تعلق ہوتے ہیں۔“

”بڑے فکر سے بڑے ہوئے ہیں مختلف دھاتوں سے کی صنعتی سہرے رکھے ہیں۔ ایک طرف فاصلہ پارے کے کئی پیسے بچے ہوئے ہیں۔ لیبارٹری کے وسط میں ایک بڑا میز ہے جس پر رشید بڑے کرتا ہے۔ یہیں پر ہیں سو گراہر ریڈیم رکھا ہوا ہے لیبارٹری میں کئی بڑے اجین ہیں جن کو وہ مختلف اوقات پر مختلف مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے۔ ان کے علاوہ بہت سی چھوٹی چھوٹی مشینیں ہیں کئی میٹن بڑے ہیں جو فاصلہ فولادی نہایت باریک تاروں سے بنائے گئے ہیں۔ مال کرے سے متعل ادبھی بہت سے فرائز کرے ہیں جن میں سے ایک میں بہت سی فولادی گلیں اور ایک عجیب دھات کے بہت سے بڑے بڑے ٹکڑے بڑے ہوتے ہیں۔“

”اس نے ابھی تک شادی نہیں کی۔ اس کے بھائی اور والدین مکان کی کچھ منزلوں میں رہتے ہیں لیکن وہ کسی کو بھی اپنی لیبارٹری میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ حتیٰ کہ اگر اس کے والدین بھی اس کا کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ساتھ بھی نہایت سختی سے پیش آتا ہے۔“

”جب میں اس کے مکان پر پہنچا تو اس کے والد مجھ سے بڑے تپاک سے ملے۔ چونکہ وہ جانتے تھے کہ میں رشید کا دوست ادا اس کا ہمارا ہوں۔ اس کے والد نے مجھے بتایا کہ اسے نیچے اتارے ہوئے چھ ماہ گزرد چکے ہیں۔ آخری دفعہ وہ آدھ ٹھٹھٹے کے لئے نیچے آیا تھا۔“

”مجھے اس کے والد سے معلوم ہوا کہ وہ اس سے ملنے کے لئے ٹیلیفون کے ذریعے سے اجازت لیتے ہیں۔ میں نے بھی ٹیلیفون کی گھنٹی بجائی اور ریسور کو کان سے لگا یا۔“

”ٹال ٹال۔ کیوں؟ کیا ہے؟..... احمق! یاد رکھو اگر تم بار بار مجھ کو تنگ کرنے سے باز نہ آؤ گے تو میں ٹیلیفون ہی کو توڑ ڈالوں گا۔ تم میرے خاندان کے لوگ ہوتے ہوئے بھی میری مدد کرنے کی بجائے مجھے تکلیف دیتے ہو۔ افسوس تم کو معلوم نہیں کہ میرے پیش نظر کتنے اہم مقاصد ہیں۔ اور میرے ارادے تمہارے علمی خیالات سے کس قدر زیادہ بلند اور کس قدر ارفع و اعلیٰ ہیں۔ تم تم.....“

”مسٹر رشید میں تو آپ کا دوست مومن ہوں“
 ”آجھا! آجھا! مسٹر موہن آپ ہیں..... ٹال..... اس برس بعد آپ ہی پہلے شخص ہیں جو مجھ سے ملنے کی عرض سے میرے

پر ایک ہمارے مسئلہ دیکھتے ہیں۔ اس نے قریب کی ایک چوٹی سے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "لیکن اس زمین کے ذریعہ سے آپ اس کے پرچھوٹے ٹڑے حصہ کو نہایت اچھی طرح سے دیکھ سکتے ہیں۔ اور میں اسی زمین کے ذریعے سے اس جہاں کو یا اس کے کسی حصہ کو گولے بارود کے بغیر محض ایک برقی دھڑکے کے ساتھ تباہ کر سکتا ہوں۔"

پھر اس نے مجھے زمین کے ایک سوراخ میں سے جہاز کے قلعہ حصے اور سارا دکھائے اور کپتان کی شکل دکھا کر کہا "آپ کپتان کی کلائی پر ایک گھڑی دیکھ رہے ہیں۔ میں کپتان کی کلائی کو کچھ لکھتے پہنچائے بغیر ہی اس گھڑی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ پہرے دیکھتے دیکھتے رشید نے ایک چکر لگایا اور گھڑی کپتان کی کلائی سے ریڑھ ریڑھ ہو کر گر پڑی۔ اس کپتان کی چرٹی اور پریشانی دیکھ کر میں خوب ہی ہنس رہا تھا۔ رشید بھی مسکرایا۔ پھر رشید نے گھڑی کی منڈ کر دی۔ بعد ازاں اس نے مجھے وہ آلہ دکھایا جس کے ذریعے سے وہ ساروں کا درم حوالت معلوم کرتا تھا۔ اسی آلہ کے ذریعے سے اس نے مجھے بتایا کہ سورج کا درجہ حرارت چھ سو درجہ فارن ہائیٹی کے قریب ہے۔ اس نے لیبارٹری کے وسط میں بڑے بڑے فوٹو فوگے کی طرف اشارہ کر کے کہا "یہ وہ والٹ ہے جس کے ساتھ میں پندرہ منٹ میں ساری دنیا کے گڑ گھوم چکا ہوں۔ میں نے اس کا نام برق رشید رکھا ہے۔ اس کے استعمال کے لئے میں بعض اوقات شمسی بجلی کی حرارت سے بھی فائدہ اٹھاتا ہوں۔ شمسی بجلی کبھی کبھی چڑھ ہے؛ یہ تو میں آپ کو پھر بتاؤں گا۔ پہلے اس چیز کو دیکھیں جو پندرہ منٹ میں اپنے ہوجوہ کے ساتھ تمام دنیا کے گرد گھوم چکی ہے۔ پہلے یہ تیر کی طرح زمین سے اٹھتی ہے۔ چلی کر زمین کی کشش ثقل سے باہر نکل جاتی ہے۔ اگر وہ وہاں پر پھر جائے تو زمین چومیں گئے۔ میں اس کے سامنے سے نکل جاسکتے۔ یا یہ زمین کے گرد ۲۴ گھنٹے میں گھوم چکے ہیں۔ اس کا دوہرا گھوڑے کی حرکت رکھنے والا زمین کی حرکت سے مخالف سمت میں پوری رفتار سے دوڑتا ہے۔ اور اس طرح سے پندرہ منٹ میں زمین کے گرد ایک پورے چکر ختم ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس وقت دن ہے اگر رات ہوئی تو میں اپنے قیمتی وقت کے پندرہ منٹ ضائع کر کے آپ کو دنیا کی سرکار دیتا ہوں اس وقت دن ہے۔ میرے مکان کی چھت سے "برقی رشید" کو آسمان کی طرف ناقابل نقصان رفتار سے جاتے دیکھ کر اچھی کھاؤ ہو جرت میں پڑ جائیں گے۔ اور میرا رخ فاش ہو جائے گا۔"

میرے کہنے والوں سے بہت زیادہ غافل ہیں۔ آپ استدہارنے اور بے تکلف دوست ہونے کے باوجود بھی مجھ سے برسوں بعد جرنلٹ کے لئے ملے آئے ہیں۔ مسٹر موہن میں آپ کا مشکور ہوں۔

پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ "میرے مقصد عالی ہیں۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔ اس نے پڑ جوش لیجے میں کہا۔ "دنیائے پر ثابت کر دو کہ ہندوستان میں محض ہندو تنہا خیال اور کدو لوگ ہی نہیں بستے اور ایجاد و اختراع یورپ اور امریکہ کی قسمت میں ہی نہیں کبھی بلکہ ہندوستان میں بھی بہت سے ایسے لوگ پیدا ہوئے ہیں جو نادر روزگار و نادر دماغ رکھتے ہیں۔ اور ہندوستان میں بھی ایسی ایسی ایجادیں کر سکتے ہیں جو یورپ اور امریکہ کے موجدوں کے خیال میں بھی نہیں آسکتیں۔" جب میں بڑھا ہوا جھوٹا جب میرے قوی تحت کام کرنے کے لائق نہ رہیں گے، جب میرا دماغ تنگ جائیگا، اس وقت۔۔۔ ہاں اس وقت میں اپنی ایجادوں دنیا کے سامنے پیش کر دوں گا۔ میری ایجادیں دنیا میں تھک جاؤ گی۔ اس وقت دنیا میری طرف دوڑے گی۔ یورپ اور امریکہ کے شغوب لوگ مان جائیں گے کہ ہندوستانی قوم بھی ہم سے کس طرح کم نہیں۔ حکومتیں مجھے مدعو کر لیں گی تاکہ وہ میرے دماغ سے فائدہ اٹھالیں لیکن یہ بیفائدہ ہوگا۔ میرے اعضا کام کرنے کے لائق نہ ہونگے۔ میں بڑھا ہوا چکا ہونگا اور اس وقت میں اپنی زندگی کا بہترین حصہ مادہ وطن کی عزت و شہرت اور دینی فروع انسان کے آرام اور مسائل پر قربان کر چکا ہوں گا۔

میں ذاتی شہرت سے نفرت کرتا ہوں۔ شہرت خوشامدی اور غرض پرست لوگوں کو دوست بنادیتی ہے۔ اور اپنے پیش نظر مقاصد کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اگر آج میں اپنی ایجادوں کو دنیا کے سامنے پیش کر دوں تو شہرت میرے قدم چومے، میرے گرد خوشامدیوں کا اور غرض پرستوں کا جھگمگ گھ جائے اور میں اصل راہ سے بھٹک جاؤں پس میں چاہتا ہوں کہ یہ کجبت شہرت اس وقت میرے پاس آئے جب میں اپنے پیش نظر مقصد کی تکمیل کر لوں۔

میں اس کے اس خیال کی تردید کر سکتا ہوں مجھے اس نے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ اور ایک گھڑی کو کھولتے ہوئے کہا:-
مسٹر موہن آپ اس جگہ سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلہ

اکثر اوقات رات کے وقت میں اپنی حوالی موٹروں میں نفلت دعائیں اور مگر بات خریدنے جاتا ہوں۔

ان باتوں کے باوجود بھی میری ایجادوں سے میرے رشتہ داروں کے اور تہارے سے سب لوگ نا آشنا ہیں مجھے دنوں کراچی کے مشہور موجودہ پبلک کے کالوں میں میری ایجادوں کی کچھ عینک بڑھ گئی وہ چھپ کر میری لیبیاریٹری میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے دیکھ لیا اور برقی رو کے ذریعہ سے اس کا دیال بازو فل کر دیا۔ وہ بھاگ گیا۔ اور پھر کبھی نہیں آیا۔ اچھا اب آپ ٹشورف لیبیاریٹری میں آپ نے میرا آدھ گھنٹہ ضائع کر دیا۔ میں مدلوں کسی کے ساتھ بات چیت نہیں کرنا۔ یہ کہتا ہوا وہ مجھے لفظ نک لایا اور چوٹی میں اسمیں کھڑا ہوا اس نے جن دبا کر مجھے پیسے اتار دیا۔

جس دن میں رشید سے ملنے گیا اس دن کراچی کے مشہور سائنسٹک نظیر نے رشید کی لیبیاریٹری میں دوبارہ داخل ہونے کی کوشش کی اور کامیاب ہو گیا۔ تجربہ کرنے کی بڑی مینز کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ اس نے "براق رشید" "شمسی بجلی" اور دیگر ایجادوں کے متعلق ہماری ساری گفتگو سنی لی۔

میرے جانے کے بعد رشید نے شمسی بجلی کو کھولا، پھر کچھ سوچ کر اسے بند کر دیا۔ اور لفظ میں بیٹھ کر نیچے اتر گیا۔ اس کے جانے کے بعد نظیر مینز کے پیچھے سے نکلا اور شمسی بجلی کی ساخت پر غور کرنے لگا۔ اس نے وہ ہینڈل دیکھے۔ پہلے ہینڈل کو دیکھ کر اُس نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس خازن کو کھولنے کے لئے ہے جس میں خازنات میں تبدیل کرنے کے لئے وہاں ڈالی جاتی ہیں اور دوسرے ہینڈل کے متعلق اس کا فیصلہ تھا کہ اس کے گھمانے سے بجلی میں پھر مزارا گری سنٹی گریڈ کی حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کا خیال غلط تھا۔ وہ خازن میں ہیں وہاں ڈالی جاتی ہیں دھات کے دھانے کے دھانے سے کھلتا تھا۔ اور دھات کا تہ نہ تھا گراس پر بیچ نہیں لگا ہوا تھا۔ پہلے ہینڈل "شمسی بجلی" میں گئی اور دھات بجلی داخل کرنے کے لئے تھا۔ اور دوسرے ہینڈل اس بجلی کو سورج کی جانب رخ کر سطح سے اٹھنی دلی شعاعوں کو کھینچنا دیتا تھا۔ غیر پہلے ہینڈل کو دبا کر دھاتیں ڈالنے کے خالے کو کھول کر اس کی ساخت دیکھنا چاہتا تھا۔ کہ رشید کمرے میں داخل ہوا اور شمسی بجلی کے پاس لہر کو دیکھ کر غصہ نہاں ہو گیا۔ وہ شعاعی ہینڈل کے ذریعہ سے غریب کو جاکر کرنا چاہتا تھا کہ نظیر نے رشید کو دیکھ کر ہنسنا

مستر مہن اب میں آپ کو کچھ بھی دکھانا ہوں۔ کمرے کے وسط میں یہ جواکب عجیب و غریب دھات کا بنا ہوا براسا صندوق ہے۔ یہی دراصل شمسی بجلی ہے۔ اس کے دہر حادثات کو میں پھر ہزاروں کی سنٹی گریڈ تک پہنچا سکتا ہوں۔ جو سورج کا درجہ حرارت ہے۔ اس لئے میں اس کا نام شمسی بجلی رکھا ہے۔ یہ بہت کارآمد چیز ہے۔ اس کے ذریعے ایک انجن کی مدد سے میں ہر دھات کو بخارات میں تبدیل کر سکتا ہوں لیکن جس دھات کی یہ بجلی بنی ہوئی ہے وہ اس کی حرارت سے نہیں بھلتی۔ اس پر گری اثر کرتی ہے۔ نہ سوری، نہ یہ ٹوٹی ہے اور نہ مڑی سکتی ہے۔ اسی دھات کا ایک ٹکڑا بنا رہا ہوں جس میں مربع کا سفر کرنے کا ارادہ ہے۔

اس بجلی کے ایک حصہ میں میں نے آسانی ملی کو قید کر لیا۔ آپ لیبیاریٹری کی چھت میں دولاکھ بار ایک اور موٹی تاریں، اور اس کے اوپر چھوٹے ٹھیکے دیکھتے ہیں یہ بجلی کو قید کر لیتے ہیں۔ موسم برسات کی تار ایک اور ڈاؤن ڈاؤن میں چمک کر غائب ہو جانے والی بجلی کو روک ڈالنے کی طاقت رکھتی ہے۔ اور اس کی اصل طاقت کو دیکھ کر یورپ اور امریکہ کے سائنسدانوں کے منہ میں پانی بھر آ کرنا ہے۔ لیکن یہ بھی میری غلام ہے۔ رات کو جب وقت بدل آتے ہیں اور بجلی نکلتی ہے۔ یہ مجھے بلند ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ بارشوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان کے ذریعہ بجلی آتی ہے اور شمسی بجلی کے ایک حصے میں جمع ہو جاتی ہے۔

اس بجلی نے مجھے ورکشاپ سے بے نیاز کر دیا ہے، اگر اسکو دس میل لمبی، چوڑی، اور گہری تحصیل میں رکھ دوں گا نہ کھول دیا جائے جس میں دھاتیں بخارات میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ تو تحصیل کا پانی صرف آدھ گھنٹے میں بالکل خشک ہو جائے۔

مستروہن! میں میدن کر رہا ہوں کہ اب آپ ٹشورف لیبیاریٹری چوکنہ میں مریخ جانے والے کو بہت حد تک کرنا چاہتا ہوں۔ میں وہ راکٹ بھی آپ کو دکھاتا لیکن ابھی وہ نامکمل ہے۔ اب مریخ سے واپس آنے کے بعد ہی دیکھئے گا۔ باقی میں اس طرف عجیب و غریب چیزیں پڑی ہوئی ہیں جن کو دکھانے کے لئے کئی گھنٹے دکا رہیں۔ میرے والدین مجھے ہیں کہ میں لیبیاریٹری میں اپنی عمر ضائع کر رہا ہوں۔ حالانکہ میں گزہ ارمن کے گرد پندرہ بار محوم چکا ہوں۔ کئی گھنٹے ریڈیو کے تجربات کرنے کے لئے مونٹ اینڈرسٹ پر گزرا چکا ہوں۔ سمند کی بلے تہا گر لڑکیوں کی کئی پادیس کر چکا ہوں۔ اور

کانک کارخانہ تھا وہ بھی شعلوں کی لپٹ میں آگیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ رشید کے مکان کو بھی اسی کارخانے سے آگ لگی ہے۔ اس طرح سے کراچی کی زبردست آتشزدگی و توجہ پزیر ہوئی جس کی دور دروشتال نہیں ملتی۔ اور جس کی اصل وجہ میرے سوا کسی کو معلوم نہیں۔

پورے پچھنپنا میں نے اس قدر پڑھ لکھا کہ بتا دوں گا کہ مجھے سے مخاطب ہوا۔ اب رشید کو آپ کے ادب میرے سوا کوئی جانتا ہی نہیں؟

اختر سبحانی

ہینڈل دیا وہ مجھنا تھا کہ اب وہ خانہ جس میں دھاتیں ڈالی جاتی ہیں کھل جائیگا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی ادب وولٹ بجلی میں ہزار گھوڑے کی طاقت کے انجن کے ذریعے سے دس گنی طاقت حاصل کر کے بھی میں داخل ہوئی اور وہ ڈھلکا کھل گیا جو بیچ لگانے کے لیے پہلی طور پر بند تھا۔ چھت میں لگی ہوئی لاکھوں تاریں مل اٹھیں۔ اور رشید وغیرہ بھی جگر خاک ہو گئے۔ رشید کا مکان بھی جلنے لگا۔ نفل میں لٹی

۴۰ اس کے بدصفت والدین اس کے ساتھ ہی اس فانی دنیا کو چھوڑ گئے۔

شام تاریک

کچھ نشت فضا میں پیرتا ہے شیطاں ہوا میں تیرتا ہے
وہ حسن سیاہ کار نکلا، وہ غیرت صد بہار نکلا
اک بار چمک اٹھیں فضا میں اک بار ہمک اُٹھیں ہوا میں
شاداب و کامران و گل پوش رنگینی عاشقی سے بیوش
پیرا بن ریشمی بدن پر انداز شباب گل بدن
ہر ایک ادا ہو س کا پیغام ہر ایک نگاہ عشرت انجام
شائوں پرفتہ خیز گیسو بھرے ہوئے شکر رنگیو
ہر عنوہ بیقرار عریاں ہر غزہ سحر کار عریاں
بالکل سرشار ہیں نگاہیں شاداب بہار ہیں نگاہیں
پاؤں میں لچک جوانوں کی بارش ہے گلکشانیوں کی
ہو نٹوں پر موجزن تہمت گویا کہ چمن چمن تبسم
اس حسن سے ہے بہار بستی رنگینی زرنکار بستی
تنگ و ناموس کو بھلا کے بس میں ہو تو میں کہوں جلکے
تم صبح دوام زندگی ہو عابد

سریا پھسل سیاہ و باریک دریا ہیں غلمتوں کے جاری
خاموش ہے کائنات ساری طائر سب آشیاں میں رو پوش
خواب مصویت سے مدوش یعنی ساری بہار خاموش
شادابی کار و ان انجم رگینی زرنشان انجم
دریا کے خیرام کا ترنم نور مناب کا تبسم
گھمائے چمن طراز کے رنگ گھمائے نظر نواز کے رنگ
اندوہ غنیم آتش کاش گم تاریکی انظار میں گم
نغمہ خاموش بھگیا ہے مطرب کا ساز سو گیا ہے
عشرت کے گناہ جاگ اٹھیں انوار سیاہ جاگ اٹھے ہیں
رندی بستی۔ شراب نوشی روشن ہے دنیا عیش کو شہ
شہر سے ہیں طاق آذی کے نغمے نے منہ چھپا لیا ہے
عشرت کی جلوہ گاہ کے پھول بریں گے یہاں گاہ کے پھول
تم زینت شام زندگی ہو تم زینت شام زندگی ہو

اکڑ اوقات رات کے وقت میں اپنی جوانی مٹوں میں مختلف دھاتیں اور مرکبات خریدنے جاتا ہوں۔

ان باتوں کے باوجود مجھ میری ایجادوں سے میرے رشتہ داروں کے اور تہدار سے سوا سب لوگ نا آشنا ہیں مجھے دنوں کراچی کے مشہور موجد ظہیر کے کالوں میں میری ایجادوں کی کچھ بھینک پڑ گئی وہ چھپ کر میری لیبارٹری میں داخل ہوا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے دیکھ لیا اور برقی رو کے ذریعہ سے اس کا دیال بازو ٹک کر دیا۔ وہ بھاگ گیا۔ اور پھر کبھی نہیں آیا۔ اچھا اب آپ کٹر لوف لیجائیں آپ نے میرا ذہن گھنڈھ خلع کر دیا۔ میں مدتوں کسی کے ساتھ بات چیت نہیں کرتا۔ یہ کہتا ہوا وہ مجھے لغت تک لایا اور جوینی میں اسمیں کھڑا ہوا اس نے بہن دبا کر مجھے پیسے دیا اور یا۔

جس دن میں رشید سے ملنے گیا اس دن کراچی کے مشہور سائنس نگار رشید کی لیبارٹری میں دوبارہ داخل ہونے کی کوشش کی اور کامیاب ہو گیا۔ تجربہ کرنے کی بڑی منزل کے پہلے چھپ کر بیٹھ گیا۔ اس نے "براق رشید" "شمسی بجلی" اور دیگر ایجادوں کے متعلق ہماری ساری گفتگو سن لی۔

میرے جانے کے بعد رشید نے شمسی بجلی کو کھولا اور پھر کچھ سوچ کر اسے بند کر دیا۔ اور لغت میں بیٹھ کر بیٹھے اتر گیا۔ اس کے جانے کے بعد ظہیر مینز کے پیچھے سے نکلا اور شمسی بجلی کی ساخت پر غور کرنے لگا۔ اس نے وہ ہینڈل دیکھے۔ پہلے ہینڈل کو دیکھ کر اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس خاد کو کھولنے کے لئے ہے جس میں غارت میں تبدیل کرنے کے لئے وہاں ڈالی جاتی ہیں اور دوسرے ہینڈل کے متعلق اس کا فیصلہ یہ تھا کہ اس کے گھمانے سے بجلی میں چھڑ مار دگزی سنٹی گریڈ کی حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کا خیال غلط تھا۔ وہ خاد جس میں وہاں ڈالی جاتی تھیں دراصل ایک مین کے دہانے سے کھلتا تھا۔ اور دھکا تو بند تھا گراس پر بیچ نہیں لگا ہوا تھا۔ پہلے ہینڈل "شمسی بجلی" میں کسی ارب دولت بھلی داخل کرنے کے لئے تھا۔ اور دوسرے ہینڈل اس بجلی کو سورج کی چادر یعنی سطح سے ملنے والی اشعاعوں کو کھینچنا دیتا تھا۔ ظہیر پہلے ہینڈل کو دبا کر وہاں ڈالنے کے خالے کو کھل کر اس کی ساخت دیکھنا چاہتا تھا۔ کہ رشید دکرے میں داخل ہوا اور شمسی بجلی کے پاس لپکر دیکھ کر غصہ بنا کر ہو گیا۔ وہ شامی بستر کے ذریعہ سے غریب کو لا کر نا چاہتا تھا کہ ظہیر نے رشید کو دیکھ کر بغیر سوا

مسٹر موہن اب میں آپ کو کٹھنی بجلی دکھانا ہوں۔ کرے کے وسط میں یہ ایک عجیب و غریب دھات کا بنا ہوا ٹراسا صندوق ہے۔ یہی دراصل شمسی بجلی ہے۔ اس کے دہر حرارت کو میں چھ ہزار ڈگری سنٹی گریڈ تک پہنچا سکتا ہوں۔ جو سورج کا درجہ حرارت ہے۔ اس لئے میں اس کا نام شمسی بجلی رکھا ہے۔ یہ بہت کارآمد چیز ہے۔ اس کے ذریعے ایک ابجی کی مدد سے میں ہر دھات کو بخارات میں تبدیل کر سکتا ہوں لیکن جس دھات کی یہ بجلی بنی ہوئی ہے وہ اس کی حرارت سے نہیں بھٹکتی۔ اس پر گرمی اثر کرتی ہے۔ نہ سردی، نہ یہ ٹوٹی ہے اور نہ مڑی سکتی ہے۔ اسی دھات کا ایک ٹکڑا بنا رہا ہوں جس میں مربع کا سفر کرنے کا ارادہ ہے۔

اس بجلی کے ایک حصہ میں میں نے آسمانی کلی کو قید کر لیا۔ آپ لیبارٹری کی کچھت میں دو لاکھ باریک اور موٹی تاریں، اور اس کے اوپر چھوٹے ٹھیکے دیکھتے ہیں یہ بجلی کو قید کر لیتے ہیں۔ موسم برسات کی تاریک اور ڈانوں کی راتوں میں جب کہ غائب ہو جانے والی بجلی کو روک دھات کی طاقت رکھتی ہے۔ اور اس کی اس طاقت کو دیکھ کر یورپ اور امریکہ کے سائنسدانوں کے منہ میں پانی بھر آ جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی میری غلام ہے۔ رات کو جس وقت بادل آتے ہیں اور بجلی راکتی ہے۔ یہ مجھے بلند ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ بادلوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان کے ذریعے بجلی آتی ہے اور شمسی بجلی کے ایک حصہ میں جمع ہو جاتی ہے۔

اس بجلی نے مجھے ورکشاپ سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اگر اسکو دس مل لی، چوڑی، اور گرمی جمیل میں رکھو وہ خاند کو ہل دیا جائے جس میں دھاتیں، سہارا میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ تو جمیل کا پانی صرف آدھ گھنٹے میں بالکل خشک ہو جائے۔

مسٹر موہن! میں میرا کہتا ہوں کہ اب آپ کٹر لوف لیجائیں گے۔ چونکہ میں مربع جانے والے کو بہت حد تک کرنا چاہتا ہوں۔ میں وہ راکٹ بھی آپ کو دکھانا لیکن ابھی وہ نامکمل ہے۔ اب مربع سے واپس آنے کے بعد ہی دیکھنے گا۔ باقی مبالغہ صرف عجیب و غریب چیزیں پڑی ہوئی ہیں جن کو دکھانے کے لئے کئی گھنٹے دکا رہیں۔ میرے والدین مجھے ہیں کہ میں لیبارٹری میں اپنی عرضائے کر رہا ہوں۔ حالانکہ میں کڑا درجن کے گرد پندرہ بار محوم کچا ہوں۔ کئی گھنٹے یومیہ کے تجربات کرنے کے لئے مونس الودست پر گواہ چکا ہوں۔ مسند میں بے تہا ہرگز نہیں کی کسی باریک رکھا ہوں۔ اور

کا ایک کارخانہ تھا وہ بھی شعلوں کی لپٹ میں آ گیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ رشید کے مکان کو بھی اسی کارخانے سے آگ لگی ہے۔ اس طرح سے کراچی کی زبردست آتشزدگی و تفرق پذیر ہو گئی۔ جس کی دور دروشتا نہیں ملتی۔ اور جس کی اصل وجہ میرے سوا کسی کو معلوم نہیں۔

پورے سپنا نما یز نے اس قدر بڑھ کر اپنا دنا بچہ بند کر کے مجھ سے مخاطب ہوا۔ اب رشید کو آپ کے اور میرے سوا کوئی جاننا ہی نہیں؟

اختر سبحانی

ہینڈل دبا دیا وہ مجھنا تھا کہ اب وہ خانہ جس میں دھاتیں ڈالی جاتی ہیں کھل جائیگا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی ارب وولٹ بجلی میں ہزار گھوڑے کی طاقت کے ابھرنے کے ذریعے سے دس گنی طاقت حاصل کر کے بجلی میں داخل ہوئی اور وہ ڈھکنا کھل گیا جو بیچ لگائے لیٹر میں طوفان بند تھا۔ چھت میں لگی ہوئی لاکھوں تاریں جل اٹھیں۔ اور رشید و دیگر بھی جل کر خاک ہو گئے۔ رشید کا مکان بھی جلنے لگا۔ بغل میں بیٹھی م اس کے بد قسمت والدین اس کے ساتھ ہی اس فانی دنیا کو چھوڑ گئے۔

شام تاریک

کچھ لٹ فضا میں پیرتا ہے
وہ حسن سیاہ کار نکلا
اک بار چمک اٹھیں فضا میں
شاداب و کامران و گل پوش
پیرا بن لیشی بدن پر
انداز شباب گل بدن
ہر ایک ادا ہو سکے پیغام
شالوں پرفتخہ خیز گیسو
ہر عشوہ بیتار عریاں
بالکل سرشار میں نگاہیں
پاؤں میں لچک جوانوں کی
ہوٹوں پر موج حسن مہم
اس حسن سے ہے بہار ہستی
تنگ و ناموس کو بھلا کے
تم صبح دوام زندگی ہو

شیاطاں ہوا میں تیرتا ہے
وہ غیرت مدبہار نکلا
اک بار ملک اٹھیں ہوا میں
رنگینی عاشقی سے بیوش
گل رنگ و مرمریں بدن پر
آنکھوں میں شمع حسن روشن
ہر ایک نگاہ عشرت انجام
بکھرے ہوئے شکریہ گیسو
بر غزہ سحر کار عریاں
شاداب بہار ہیں نگاہیں
بارش ہے گلشن نیل کی
گویا کہ چمن چمن تبسم
رنگینی زنگار ہستی
بس میں ہو تو یں کہوں جلے
عابد

چھائی ہے جہاں شام تاریک
دریا میں غلغلتوں کے جاری
طاہر سب آئیاں ہیں در پوش
گلزار و ہزار و سار خاموش
رنگینی زلف شان انجم
نور منتاب کا تبسم
گھمائے نظر نواز کے رنگ
تاریکی اختصار میں گم
مطرب کا ساز سو گیا ہے
انوار سیاہ جاگ اٹھے ہیں
روشن ہے صیا عیش کوئی
نغمے رقصاں ہیں عاشقی کے
غلبہ ہستی نے پایا ہے
بریں گریہاں گامے پھول
تم زینت شام زندگی ہو

سر پائیل سیاہ و باریک
خاموش ہے کائنات ساری
خواب مصویت سے مدوش
یعنی ماری ہر خاموش
شادابی کار و ان انجم
دریا کے خیرام کا نرم
گھمائے چمن طراز کے رنگ
اندوہ غم آنکھیں گم
نغمہ خاموش بگیا ہے
عشرت کے گناہ جاگ اٹھیں
رندی ہستی۔ شراب نوشی
شہر سے ہیں طاق آذی کے
نیکی نے منہ چھپایا ہے
عشرت کی جلوہ گاہ کے پھول
تم زینت شام زندگی ہو

مشرق و اہل مشرق

رُوپ مسمیٰ اور باز بہادر کے غیر فانی عشق و محبت کی سرزمین ماند و گرگڑھ

باپ بیٹے لڑے تھے ————— یہ مٹا کا کاج ہے ————— یہ راسے قتلوں کا سراج ہے ————— یہ راسے پھوڑا کی راج دھانی ہے ————— یہاں صلح انصاف کے چمکے بیٹے تھے ————— یہاں خون کا دریا رواں تھا ————— یہ ماند و گرگڑھ ہے یہاں قاف کی پردیاں ہتی تھیں۔ اب اس میں چمکا رہے ہیں! یہ روپ مسمیٰ کی عیشت گاہ تھی۔ اب اباسلوں کی خواب گاہ ہے! ————— یہ باز بہادر پھل تھا اب دندوں کا سکن ہے۔

مختگیوں جو رہے ہیں ۹! اگر آپ اپنے اسلاف کے کانوں سے نہ واقف ہیں تو مہنت آپ ہی کی واقفیت کے لئے "اولی دنیا" کے صفحے پر راہ میں "مشرق و اہل مشرق" پر وقت کر دیے ہیں۔ اور اگر آپ مشرق کی ذرا بخش شدہ عظمت سے واقف ہیں تو آپ کے زہم اُسے بے شک کی وضع کے لئے ایتھہاٹے باز نہاد کا وہ ہزار نام اپنا فرض خیال کرتے ہیں جو سکتے ہیں کہ جہاں کوئی تہذیب کا نام نہیں دیتی وہاں بچے کے بااثر ثابت ہوں اور ہم اپنی ٹھوکی ہوئی عظمت کو بھی بائیں تو کہہ سکتے ہیں کہ اس کے صدر کا خیال ہی پیدا ہو جاتا ہے۔

ماند و گرگڑھ۔ بندہ ساحل کی ایک شاخ کی کشادہ سطح پر واقع ہے جو سمندر کی سطح سے درجہ ۹۰ فٹ بلند ہے۔ قدرت نے اپنے آسمانی اوزاروں سے اس پہاڑی کی چٹانیں کاٹ کر اس کے پہلو کھینچے سیدھے بنا دیے ہیں کہ یہاں کے قتلوں کی ایک قدرتی تھیل تیار ہو گئی ہے۔ ماند و گرگڑھ کی ابتدا کی تاریخ پر وہ غلطی ہے اس کی بہتر تاریخ کا آغاز چودھویں صدی عیسوی سے ہوتا ہے جب راسے تھا کہ روس قدرتی قلعے پر قابض اور درگزر کے علاقے کا مرکز تھا۔ مستطیرام میں اہل ملک کے اقوام سبلی ہر سلطان کے قلعے میں آیا اور مدتوں خانانہ کا دارالسلطنت بنا رہا۔ ہر شاہ شاہ غوری نے مستطیرام سے مستطیرام تک اپنے دارالسلطنت میں اسے کچھ کچھ بنا دیا۔ علی علی قلعے تیار کیے۔ شاہزادہیں بنائیں۔ ان میں مددہ جلدی کیے۔ جو صورت بازو اچھے سر پہرہ پہنے ہوئے تھے۔ اس نے چھ ہندی کیلے لے کر آکر ایک کھانا بنا دیا۔ مگر آج کے زمانہ واپس ہے۔ لہذا ان ہونے نفلوں سے دیکھ لیتے تھے۔ مگر ہر شاہ شاہ غوری کی زندگی میں کسی کی پیش دہائی اس کی مفاہات کے بعد ادیان مگر تے لٹی لکھے۔ آخر

ہر عروج میں زوال اور ترقی میں انحطاط یہاں ہے ہر سہارے کے بعد خزاں اور بھجے کے بعد اندھا ملائی ہے بھگت کے لئے زلت اور ہندی کے واسطے پستی ضروری کو قدرت کی کرشمہ سازوں کو بھجی نہیں جاتی قدرت کی ترغیبات کی کو ایک حالت میں نہیں دیکھ سکتیں کل جو اہل وحشی تھے آج ہند بن گئے ہیں کل جو ہند تھے آج ترک و تہذیب نظر آ رہے ہیں ہند کے علاوہ کل بھو نظریات ملک و سرحدوں میں تبدیل ہو گئی ہیں۔ مشرق کے بادشاہوں کے اہل زمین پر مسندوں کے بدل گئے ہیں۔ کل جہاں تو بوتے تھے آج وہاں گشت نظر کر رہے ہیں جہاں جن قہاں و داں گیسے لوٹ رہے ہیں۔ ماند و روپ مسمیٰ اور باز بہادر کے عشق و محبت کی سرزمین ماند و گرگڑھ کی اپنی سرسری دشا دانی اپنی بادی اور پیل پیل۔ اپنے قلعے اہل اہل۔ اپنی قوت و نزاکت اور اپنی عشق و محبت کی بنا پر اہل تہذیب تھا۔ آج اس کی گدائی کی بحالت ہے کہ کسی ملک میں لے دے بہت سے لوگ اس کا نام نہیں جانتے لیکن ہے آپ ہی نام سے نا آشنا ہوں اور اس کی عظمت و رفعت کی عظمت سن کر تہرہ و جہاں مگر نہیں اس پر چھٹے کچھ کچھ مشرق کی خود راوشی پر تعجب دیکھئے اسلاف کے عروج اور اپنے زوال پر تعجب دیکھئے ان کی عظمت اور اپنی ذلت پر!

بے شک بہار کے بعد خزاں لازمی ہے یقیناً ہر کے بعد جزیرہ ضروری ہے مگر یہ کیا ہے کہ ہمارے خزانہ خزانہ سے کوئیں آتی۔ بعد بان گریس گریس ہر جزیرہ کی پستی حکم لیتا ہے جسے کا نام نہیں لیتی۔ ایک دو تھے کہ شہر شہر سے ان کی عظمت کے آثار اب تک آتی ہیں۔ ایک ہمیں کران کی سکھ بنگا دوں پر کوئی سمیٹوئی سی حالت نہیں جاسکتے آپ انطا و اس کے کڑھوں پر کربہ میں حالہ کو کھڑا سارے مشرق اور وسط ایشیا کی سرزمین ہندوستان کا پتہ چیتا ہے ایشیہ کی پستی یا دگا روں سے بہا رہا ہے ————— یہاں مصر کو کا تمدن دفن ہے ————— یہاں عربوں کی تہذیب مدفون ہے ————— یہ وہاں کوں کی شائستگی کا سراج ہے ————— یہ ایرانوں کی ترقی کے کھنڈ ہیں ————— یہ ایرانوں کی عظمت کے نقشے ہیں ————— یہ آٹھوں کے ہزار یا تھا ————— اسے ہندو گیت نے تحریر کیا تھا ————— یہ خلوں کی داگہ ہے ————— یہاں سلطنت کے لئے بھائی بھائی میں جنگ ہوئی تھی ————— یہاں

سے کئی دن داخل اندر ہوتے رہے۔ اس کے ساتھ شام انگلستان کا سفیر سر ٹامس واڈ اور پادری میری جی تھا۔ جہاں بیٹھے اپنے ترکس میں بڑے فخر کے ساتھ کھائے۔ اس وقت میں نے وہاں نے پانچ شیشہ شکر کیے۔ سلاطین میں انڈو کی مجلسوں نے جہاں گیارہ اور وہاں کوہاں کی طرف کشیا اور وہاں مہینوں، ان فیضہ کو تباہ کرنے میں لاکھ روپے کی ناک سے برائے کلن کی تیرہ تیرہ کی راہی شہزادہ فخر دشا جہاں نے باپ کو سرکشی کی تو اس کو کوئی جانے نہ پڑتی تھی۔ آخر سلاطین میں اندر گڑھے سے اسے اپنی پتا میں لے آیا۔ جلاوطن اس پر اس پر بڑے قاضی ہو گئے مگر وہ جہاں سے اس سلطنت ذکر کے اور کئی سرکوں کے بدستار میں، مائو گڑھ ہمارا دھارے تھیں میں سے اس سلطنت اب بھی اس پر اسی خاندان کی ریاست ہے۔ مگر اس کی پرانی شان و شوکت مٹ چکی فنا ہو گئی۔ اب نہ وہ میں۔ نہ وہ میری گاہ میں۔ نہ وہ شوکت و عظمت ہے۔ اب اندھ گڑھ نام ہے چھیس کی چند بے ترتیب تھوڑیوں کے جھوکے جہاں کبھی باہر ہمارا کدی مشکوہ نہ پڑتی تھی۔ آج وہاں دھبے بستے ہیں جہاں کبھی جہاں گیارہ اور وہاں شہر سے آج دلازمینوں اور گواہوں کی گاہ میں بندھتی ہیں۔

انسان کی بنائی ہوئی دلفریبیاں، ایک ایک کے کھمبے تھیں۔ گرجہ کے کھمبیاں اب تک جوں کی قوس موجود ہیں۔ اس کی سرسری و خدا دانی آئینہ نواید جذبات میں بجان پیدا کرتی رہتی ہے۔ پر شوکت مارتیں زمین کے برابر ہو کر مٹتی ہو گئی ہیں اور ہرے بھرے جنگل میں غلطی کے پریمیت میں جن خوفناک فضاؤں پر ہیں۔ اور گڑھ خواسانی کی دے گاڑھوتے دالے رفتوں کی قطاریں معلوم ہوتی ہے کہ گویا قدرت نے اسے حسن کی گھنٹی کے لیے اپنی آسمانی فون کے لائقہ ارب میں کوہر سے پر مقرر کر دیا ہے۔ اس علاقے کے لوگ اس خواسانی کی کہتے ہیں گرجہ وکیل افریقہ کا کینگل دھت ہے جسے ہندو اسلامی کے کسی شوقین گزارنے ابلی حینا سے لنگا کہ میں لنگا تھا۔

آج کل اندر گڑھ سے مہرل جنوب مشرق کی جانب کی جی، اوسط بند، کی سبب دھار کا صدقہ مشہور دھار واقع ہے۔ اندر گڑھ کی سیر کرنے والے کو اب بھی بے ہو کر جاتے ہیں۔ انڈو کی فحیل کا گھر تقریباً تیس سال سے جہاں سحر اور شوکت شا کا تمبر وہری سے دکھائی پڑے ہیں مشہور کے اندر وہاں ہوسے پر قدم تہہ پر شوکت دینے کے نقوش نظر آتے ہیں۔ کئی عمارت اپنی اہلی حالت نہیں ہے۔ مگر گڑھ سے کھنڈر ہی ان کی ساری داستان شکار دیکھنے والے کے سامنے انسانی کا بنام کی بے بنیالی کا سر تھک نشہ جتن کر دیتے ہیں گنبد گرجہ میں مینا سے پت ہو چکے ہیں۔ ہوا میں لگی ہوئی ہیں۔ کوئی نہیں ہے جو ان کی قدیم تھوڑ کر اسے صرف غلی غفلت اور دور و سب کے برائی ان کی پرہوشی کر رہی ہے۔

مجمعی باہن شاؤں (چٹاؤں) کی داغ میں سڈو اعلیٰ جہاں اعلیٰ اور جہاں ڈو کی سگو اور دہرے بننے سیساؤں کو کسوت بنا دیتے ہیں غفلت کے عوشر کے دوس کی ضرورہ

سلاطین میں منظر فخر کا مہا سیاب ہوا اور اندر گڑھ دلی گورت کے زیر قیادت گیا لیکن جہاں ابو پرہرہ رضا کو ایک خون کا سر کے کلبہ شدہ میں اندر گڑھ پر بھی کسی کا اقتدار قائم نہ ہو گیا۔ مگر اس کی حکومت بھی کچھ باڈر نہ ثابت ہوئی اور سلاطین میں قارضانے مارہ کو فتح کر کے اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ وہی کیا زمانہ افسانہ اور کسی طوائف الملک کی پہلی ہوئی قیامت منظر پر بادشاہوں کی سیاست دلی قیامت جان و دشمنش کے بعد ایک جگہ کو فتح کرتے تھے۔ مگر باوقات جنگ کی سختی اور ہرے سے پہلے ہی ان کی رائے بدل جاتی تھی اور جس کے لیے ہزاروں انسانوں کا خون پانی کیٹا ہوا تھا اس کو فخری چوڑ کر دوسری جگہ لے دیتے تھے۔

موجودہ محض میں تونیت اور طوئیت کے افکار شہر صدی کی پیداوار ہیں۔ گرجہ سے تین چار سو سال پہلے یہ افکار خان یا محض میں موجود ہوتے تو غالباً ریختہ جلا جہوں میں تاتیں اور کوئی اسلامی فرائد اور کسی اسلامی حکومت پر کوئی مندر اور کسی ریاست پر چڑھائی نہ کرتا۔ اب جہاں جو فخر و شہرت گزشتہ اوقات کو کسی رنگ میں نہیں لکھتا اور جہاں دلت جنگل میں مال و دولت، دھرت کی شان و شوکت کیلئے ہو گئی تھی، اب اسے سلطان بادشاہی سلطنت جہاں سے کیے گزرتے پاتا تو مذہب کو بے جا اور دوسری سلطنت چڑھ کر دیتا۔ اس کو اس کی نیال نہ ہونا تھا۔ کفائل سلا سے نہ ہندو اس کو تو پناہ عطا کر دیتے تھے کہ آج رہو قی میں ملن کے تھیں سے سے ہندو کے۔ اس طرح ایک ہندو مال اور دولت اور ملک گیری کی تہا میں سورج باکر جیسے ایک اسلامی سلطنت پر لکھ کر اپنا جائز حق نکھتا دیتے ایک ہندو راج پریر تھا چڑھائی کرنے میں بھی اس کے نزدیک کوئی برائی نہیں تھی۔ آج میں خیالات کو برکتی مردوں کے دماغ میں ٹوٹنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ان کو کسان گانہ بھی دھان کی جنگ صرف مال و دولت کے لیے ہوتی تھی اور صرف سلطنت کے لیے۔

فتح کے چند ہی دنوں بعد بادشاہ اندر گڑھ چھوڑ چکا اور دھوخال سے میدان خالی پکڑ کر اپنی حکومت قائم کر لی مگر ابھی قدر میں نہ جاتے پانچا کے سلاطین میں شہزادہ موری مارہ جہاں کا جہاں کھوخال اپنی جان سے کہ جہاں کا اور اندر گڑھ شہزادہ کے صوبہ دار مارہ جہاں خاں کا دار حکومت تھرا پایا۔ موری خاندان کا کتابت اقبال جس سرت سے نصف انہار پر پڑتا تھا، ابھی تیری سے عرب بھی ہو چکا تھا۔ خاں کے عاشق مزاج بیٹے باڈر ہونے کے باپ کے بعد مرقی شہزادہ کا اعلان کر دیا مگر ایک عاشق سے اس سلطنت سے کیا واسطہ؟ اور عاشق بھی باڈر ہوا جہاں جس کے عشق کے افسانے اب تک وسطہ میں جذبات کا ظہور پا چکے رہتے ہیں اور جہاں سا باڈر کھیل روچکے کے مقابل میں اب تک جن مارہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سلاطین میں اندر گڑھ سلطنت علیہ میں شامل ہو گیا جلاوطن میں اکر تہ اندر اپنے قدم سے مشرف کیا ابھی شہزادہ کے لیے چندہ دن تک وہ قیام اور سلاطین میں قتل مناظر کا شہید اب جہاں گیارہ سال کی ہو رہی تھی وہاں اندر گڑھ کے دلفریب مناظر

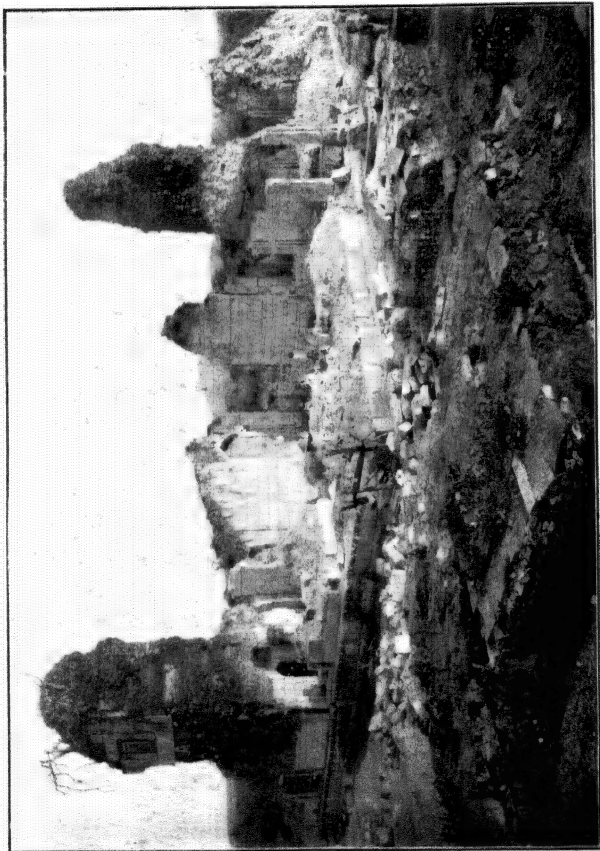
نفس نکاح کر کے کھانا ششدر رہ جاتا ہے چپا بالی کا پانی جو کبھی سن و سال کی خوش اداسیوں کا مرکز تھا اب کالے مالک کی طرح کانٹے دوڑتا ہے۔ اس کے کناروں کے محل کو کبھی بیکسات کے سر و خاتمے سے اب بھڑیلوں کے کجبت بنے ہوئے ہیں جاتانے کے وسط میں ایک بارہ دہری بنی ہوئی تھی مگر اب اس کنوں کے پھول کی بجلی تپان بکھر چکی ہیں اور اس کی یاد کا صرف ایک دروازہ چمڑے کا کچھ بقی رہ گیا ہے۔ بار بار اور روپ پستی کا محل اب تک ان کے عشق و محبت کی داستان و برتا رہا ہے۔ یہ اگرچہ بہت بڑا نہیں مگر اس کے گوشے سے ایک عاشق کا پیکر ہذاق نمایاں ہے۔ روپ چٹا کی تین چھری بھی اب تک اپنے مکین کے حسن کی یاد تازہ کر رہی ہے۔

خاکستر مشعل

بھیر خدا جانے کہاں سے آگیا ہسپتالوں میں دل
تجہ کو خاکستر میں کوئی کرمل نہیں چنگا ریاں
داغ روشن کر دے یکسر ہوا غاں کر دیا
جوش غیرت میں غور و حسن نے ڈالی نظر
اس طرح اپنے اثر کا آئینہ ان کرنے لگا
آگ میں بھڑکا دیئے شعلے ہوائے ناز سے
جلوہ افروزی لبون گرمی بازار سے
کس کو تاب یک نظر ہے مصلحت کے حسن ہے
ہوش کھو بیٹھے کوئی یا آگ لگ جائے نہیں
یوں ہوئی آغوش دل جلوہ سے تیرے کامیاب
تیری زینت ہے محبت تیری طہنت نہیں ہے
تیرے پر تو سے جو تابش درہ بدوش میں
جوہر قابل ہو تب ہوتی ہے ترتیب اثر
ہے سعادت میں برج شرف کے واسطے
کیا جلاتی برق خاکستر میں اہلیت نہ بھی
سبے دلی میں یاس کے ٹھکانے بنائیں کی پڑی
دل تو خاکستر تھا کیسے دل کو شعلہ کر دیا
جس کی حال ایک تیری ہی نگاہ ناز ہے۔
نذر دیتا ہے فرشتہ جذبہ الفت تجھے
تو مجھ کا ہے عصمت قدسی کو بابل کا کنواں
کیا ترے جلوہ کو کم سمی یہ فضا نکالت

مانی
جالی

آج ہر کچا چیز ہے سینے کے اندر مشعل
میں سوائے خاک پاتا ہی نہ تناول کا نشان
لے کے جن چنگا ہوں کو شعلہ سماں کر دیا
یا مجھے بیگانہ سوز محبت دیکھ کر
میں تجھ میں شہر اے نشان کرنے لگا
آگ بیدار کی شاعر عشق و انداز سے
یا یہ فطرت حسن کی ہے جو روئے کار ہے
واقعی ذوق تراش اقتصا نے حسن ہے
برق پائش جلوہ کو اس کی ذرا پروا نہیں
یا یہ صورت ہے کہ دل آئینہ ہے تو آفتاب
کیوں نہیں تو حسن ہے تیری طبیعت نہیں ہے
آئینہ کیا، جب نوازش تیری آنے جوش میں
کوئی صورت بھی ہو، استعداد لازم ہے مگر
آب نیل ہے سحر، لیکن صدف کی واسطے
کیا کچا نایبہ زمین میں جب نہ بھی روئیدگی
مجھ میں استعداد کیا، ایسی ملا کی بے جسی
تو نے اس عالم میں کیونکر سوز پیدا کر دیا
سحر ہے یہ خرق عادت ہے، یہ وہ اعجاز ہے
آسمان حسن کی زہرہ! ہے وہ قدرت تجھے
تو لگائے آگ یا میں کی کجا جائے وحوال
آہ تو اور مانی ناکام کی برہم حیات



ماد و کده صوم حاکم خانقاه کا حصه مقبره



سادگہ کڈہ شاہی محل کی مشہور جھیل "چنیا بڑولی" کا



سادگہ کڈہ کی درجہ اولیٰ جھیل میں شاہی محل کا منظر

اردو کی سب سے پہلی شاعرہ

چندا

لے جاتی ہے لیکن سراسر کاہلی سے بچا نہیں ہوتا۔ شعراء و دوں مزاج اس کے مدح میں اشعار کہہ کر لکھتے ہیں۔ چاندا کی پہلی پائی ہے اور وہ زندگی بطور مردوں کے درخشاں کرتی ہے، گھوڑا دوڑاتی ہے اور ناول بازی و سنان کاری میں مگن سے گزرتا انداز میں اور نیزہ بازی سے میدان میں مشغول ہوتی ہے۔ غرض کہ نہایت پوشیدہ پنہان کار نادر العصر اور عجیبہ روزگار ہے۔ اور دیوان مرتضیٰ شملی اور پراگشہ انواع سخن کے رکھتی ہے اور اپنی فکر کے عروسوں کو نظر خیرہ خان ایمان سے گزارتی ہے۔ یہ دہریت اس کے جمیرے ہاتھ آئیں ہیں لکھتا ہوں صاحب دیوان ہے ایک جلد اس کی سرکاری کتب خانہ میں درمیان انجمن کے موجود ہے۔ یہ کتاب اپنے نافع میں بہت نامور صاحب کو اس نے بطور زندگی کی کتاب قرار دیا اور کوئی غلطی (دیکھو طبعات الشعراء ہندوستانی عبدالکرم صفحہ ۳۲۸)

اسی تذکرے میں ماہ نقارہ عالم دیکھتے تو غریب چندا عورت کی بجائے مرد نظر آتی ہے۔ لکھا ہے کہ -

ماہ نقارہ - مصنف ایک دیوان اردو کا جس کی ایک جلد جلیکلو کے راج چند لال کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اور ایک بڑی دلچسپ مثنوی خاتم قصہ خاوند شاہ جو کہ بہت زبان میں شاہ عالم کے وقت میں تصنیف کی گئی تھی اس میں اس کی مدح اور صوبہ دار کی بھی اور صوبے کی جہاں وہ تصنیف ہوئی ہے۔ (دیکھو صفحہ ۱۳۷)

دراصل دیوان اور مثنوی دونوں کا تذکرہ کرنے میں غلطی کی ہے مثنوی ایک افسانہ شخص کی ہے جس کے نام کا ایک جزو ماہ نقارہ ہے مگر ماہ نقارہ خاتم قصہ خاوند شاہ کی مثنوی میں اس مثنوی کو پیش کریں گے اور اس وقت یہ بھی ظاہر کریں گے کہ اس مثنوی کا نام کیا ہے؟

سہ خاتمہ الکرم

اردو کے ساتھ جہاں اور بے اعتنائیاں کی گئیں وہاں نظم بھی کیا گیا کرکسی نے کوئی عمدہ اور سنجیدہ تذکرہ اور شعر کہنے والی عورتوں کا انجمن نہیں لکھا۔ - علامہ ربیعہ نے خاندان جاوید - مولوی عبدالحی نے گل رعنا - مولوی عبدالسلام نے شعر الہند اور مختلف اصحاب نے مختلف طریقوں سے انجمن تذکرے و طرہ نگاہ کر مردوں کی شاعری کی تہذیبی ترقی ظاہر کی مگر عورتوں کی شعر گوئی کی طرف کوئی نظر اعتنا نہیں کیا گئی۔ گزشتہ پچاس سال کے عرصے میں بعض لوگوں نے اردو شاعری شعر کہنے والی عورتوں کے تذکرے لکھے مگر اسی پرانی طرز اور اسی قدیم روش پر جدید طریقے سے کسی نے بھی روشنی نہیں ڈالی۔ حال میں نو کشور پریس سے ایک تذکرہ اردو ناولی شعر کہنے والی عورتوں کا شائع ہوا ہے۔ مگر بالکل ناقص اور سید غلط مسلط - ہم نے ڈیڑھ سال کی محنت میں اس کے متعلق کافی مواد جمع کر لیا ہے۔ اور تراش چادی ہے انشاء اللہ بشریہ اشاعت ایک مستقل تذکرہ شائع کر کے مردوں کے دامن سے بے اعتنائی کے داغ کو مٹانے کی کوشش کریں گے۔

جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے اردو میں سب سے پہلے خاکی دکن کی بڑی نے شعر کہے ہیں اور دوسری چند عورتوں نے بھی مگر اردو زبان میں دیوان ترتیب دینے کا فخر ماہ نقارہ بانی چندا اور صرف چندا کو حاصل ہے۔ چندا کون تھی، یہ ایک آسان سوال ہے مگر اس کا طبعی قبل جواب ذرا عجیب کہ ہے، تقریباً تمام تذکرے نویسوں نے اس خصوص میں بدحواسیاں کی ہیں۔ یہی نے چندا اور ماہ نقارہ کو الگ الگ شاعر و قلم کار دیا ہے کسی نے کچھ بدحواسی کی ہے۔ بہر حال ایک اچھا خاصہ اور اس کے شخصی جمع ہو گیا ہے۔

۱۸۶۲ء میں منشی کریم الدین نے طبعات الشعراء ہند دیکھی تو انہوں نے غالباً ہندوستان کو سب سے پہلے چند کوروشناس کر لیا۔ لکھتے ہیں کہ:- چندا - یہ شخص مشرق شہر شمالی بیکو خاں لکھنؤ آبادی مقامہ مشرق خاں مقامہ ملقا نام کا ہے کہتے ہیں کہ یہ حیدر آبادی نہایت تہذیب سے آگاہ ہے کہ کہ ہے۔ قریب پانچ سو بیانیہ لکھنؤ چندیو کے لکھنؤ کی چندیو مشرق و ناز سے آدمیوں کے دلوں کو چھین

۳۳) صفحات پر کتابی صورت میں شائع کیلئے مگر وہ بھی گوشتہ نگم نامی بی پڑا رہا۔ مجھی مولوی ظفر باب خان صاحب سابق مدیر ادیب حمید آباد دکن نے انجمن ارباب ادب اور مشرور نگر حمید آباد دکن کے آرگن رسالہ 'تختہ نابت' ماہ صفر ۱۳۳۳ء میں ایک مختصر مضمون چند کی شاعری اور سوانح کے متعلق لکھا مگر افسوس ہے کہ اسے بھی شہرت نہیں ہوئی، رسالہ انقلاب لاہور، بہت ماہ دسمبر ۱۳۴۵ء میں کاغذی نمبر نے ایک مضمون چند کی شاعری پر لکھا مگر وہ بھی مشہور نہ ہوا۔ انتہا یہ کہ لوگ شعور پر بس تک بھی اس لاہوری مضمون کی رسائی نہ ہو سکی۔

اب ہم ماہ لقا بائی چند کے حالات زندگی لکھ کر اس کی شاعری کے نمونے پیش کرتے ہیں۔

۱۳۱۰ء میں شیخی غلام حسین جو تہرنے ماہ لقا بائی کے کتب خانے سے فائدہ اٹھا کر ایک تاریخ ترتیب دی ہے۔ اور اس کا نام 'ماہ نامہ لقا' ہے۔ اس میں ماہ لقا کے خاندانی حالات تفصیل سے لکھے ہیں چنانچہ اس کا ایک علمی نسخہ جو کتب خانہ اصفیہ کی ملک ہے اور فرست میں فن تاریخ ۱۳۱۴ء پر موجود ہے۔ ہمارے پیش نظر ہے۔ یہ تاریخ ماہ لقا بائی کی تلاش پر لکھی گئی ہے۔ چنانچہ اختتام پر جو قطعہ تاریخ مولف نے لکھا ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

سنہ ۱۲۸۱ء فراموش ماہ سپر دہری ماہ ندرگشت لامع چلی مبدل الہی سال امتیاش جو چہ شہرت انما ملک گفت گو با مشرق افروز حسن مرلقا الوافق نصیر الدین محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ حکومت میں خواجہ محمد حسین نامی ایک شریف جوان دہلی اگر ملازمت سرکاری کا خواستگار ہوا اور کسی کی سفارش پر احمد بادشاہ گجرات میں کھڑے گریہ کر سٹھ میں ملازم ہو گیا۔ چند روز کے بعد خواجہ زادگان کا مٹاؤ اور اسکے خاندان کی ایک لڑکی سے عقد بھی ہو گیا۔ اور اس نے مستقل طور پر گجرات میں سکونت اختیار کی، قدرت نے فیاضی سے ایک دوہیں ایٹل لاکے روک لیا دیں۔ جن میں سے کٹر کوپ گئے اور پانچ لاکے روک لیا بائی رہیں (۱)۔ غلام حسین، ۲۔ غلام محمد، ۳۔

نور علی، ۴۔ لیلیٰ بی بی، ۵۔ میدہ بی بی (۱) یہ زمانہ تھا کہ حکومت کا انتظام بلوں ہی ساتھ، بنگالی، سہی برائے نام ہوئی تھی، محمد حسین نے بھی خوب ہاتھ رنگے سرکاری روپیہ کو شہر بادل بکھڑا شروع کیا۔ مگر تاکے، آخر ناظم کو اطلاع کی اور ان کے دفتر کی پڑاں شروع ہوئی، جو کٹر کے حساب بدینین کیا تھا اور مت مزاحمتاں تھا اس لئے نہایت سراسیمگی کے حامل ہو گئے بار بیوی بچوں کو چھوڑ کر فرار کر آکر اس میں حاکم روپوش ہو گیا۔ ناظم نے

چند کے انہیں حالات کو مختلف تذکرہ نویسوں نے مختلف طور پر بیان کیا ہے۔ کسی نے چند کی محبوبہ ظاہر کیا ہے اور کسی نے نواب علی بخش ہادری کی منظر نظر لکھا ہے چنانچہ رائے دہا پر شاہ تذکرہ النساء ہادی کے صفحات ۷۱ و ۷۲ و ۷۳ پر اور صاحب مشائیر نسواں صفحات ۳۱ تا ۳۲ پر مولف جلیلہ عشرت صفحہ ۵۳ و ۵۴ پر، مرتب ماہ درخشاں صفحہ ۵۱ و ۵۲ پر مصنف شمیم سخن صفحہ ۵۳ و ۵۴ پر مالک بہارستان نانہ صفحہ ۳۴ و ۳۵ پر سخن شعراء میں مولوی صاحب نے صفحہ ۵۴ پر یہی لکھا ہے اور سب کو یہی دہو کا ہوا ہے کہ ماہ لقا الگ ہے اور چند جدا! مگر غضب کیا ہے تذکرہ الخواصین بطور اولیٰ لکھنؤ پریس کے مرتب حضرت آسٹی نے کتب تذکرہ نویسوں سے ہٹ کر اور سطوحہ کا نام لے دیا چنانچہ لکھتے ہیں۔

چند آ۔ تخلص بھی یہی ہے اور نام بھی یہی ہے ۱۳۹۹ء میں جب کہ مولف دار اسطوحہ کے رفعت وصولت کا بنام دکن میں گم گم ہادی زمانہ تھا کہ چند کی شاعری آفتاب نصیف النہار شکر دکن کے آسمان شہرت پر چمک رہی تھی۔ انہم (دیکھو صفحہ ۴۵ و ۴۶)

یہی نہیں بلکہ اور ایک غضب یہ بھی کیا ہے کہ ماہ لقا کے نام سے بھی ملاحظہ ہو۔

ماہ لقا (ط) یہی تخلص تھا اور یہی نام تھا چند آباد دکن کی شاہد بازاری تھی جو راج چند واصل کی سرکاری ملازمہ کر متمول ہو گئی تھی۔ اور اسی محبت نے اس کو شاعری بنادیا تھا۔ (دیکھو صفحہ ۱۲)

اسی تذکرے کے دوسرے حصے میں فارسی شعر کہنے والی ہوتوں کے حالات لکھتے ہوئے لکھا ہے کہ

ماہ لقا، اس شاعرہ کا اصلی نام چند اپری تھا، حمید آباد کی رہنے والی تھی، کا بچے والے دہلی ہجرت تھی نواب نظام علی بن خلف نظام الملک آصف جاہ کی نوکر تھی، اربع (دیکھو صفحہ ۳۳)

۱۹۰۶ء میں مولوی غلام صدیقی گوہرنے 'حیات ماہ لقا' کے نام سے چند کے حالات زندگی کتابی صورت میں (۳۳) صفحات پر شائع کیے ہیں مگر افسوس ہے کہ اس رسالے کو قطعہ شہرت نصیف نہیں ہوئی اس کے ساتھ ساتھ 'گلزار ماہ لقا' کے نام سے انتخاب دیوان چند بھی

نواب راسلت خاں نے دل بھر کھاؤ پھینٹنے کے چبوتے اور چھوڑ دی
دھوم سے کیا اور مہتاب کنور بائی "صاحبہ جی صاحبہ" نے چند بائی کو لاکھ
کی وجہ سے گھر میں لے لیا۔ چند کی پورش ایوان وزارت میں ہوئی اور اعلیٰ
پیمانہ پر تعلیم و تربیت دلائی گئی حضرت عثمان آباد آصف شاہ ثانی کی خاص
نظر عنایت تھی چنانچہ مسٹر کلاس (۱۹۱۳ء) میں معزز نزل ۱۹۱۳ء میں
اور ہم بائیں ۱۹۱۳ء میں حضور دلائے چند بائی کی کو ساتھ رکھا تھا، اور خالد کو
سم سے فرحت پاکر اور لکھاؤ کو دراجت فرمائی اور جشن فرح آراستہ کیا چند کو
"ماہ نقابا" خطاب اور نوبت سے سرفراز فرمایا۔ اور ہجرے کے لئے ملک
ہزارہہ مقرر ہوا۔ نوبت سے بھی معزز فرمایا۔ چنانچہ کسی نے اس کی تاریخ
بھی کہی ہے۔

نوبہ اعلیٰ عالمہ - نقار ۴ نورش کرد اور نوبت شہنشاہ
ترانہ ساز سالن گشت تابعد بلند آواز نوبت باد ولوہ
اس کے بعد شہزادہ دھاری نالی باکی اور عالیہ منصب سے بھی سرفراز ہوئی
ماہ نقابا کی مناسبت تین چوبیس کی ایک تصویر ہمارے ایک کمرہ فرماتے
ہیں دی ہے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ "غضب کی عورت" بھی گودہ تصویر
اس وقت پیش نظر نہیں مگر انھوں میں پھر ہی ہے۔ سرو ساقہ۔ ہوا ہوا
جسم، سرخ و سپید رنگ، نمایاں خط و خال، سونواں ناک، گول تونڈی
بھرے بھرے رخسارے، صاف چوڑی پیشانی، تنگ دہان۔ پتلے پتلے ہونٹ
بڑی بڑی مخمور آنکھیں گھنی پلکیں، جچی ہوں۔ ہرے سے بجائے شونی کے
مناجات اور نکلت ہو رہا۔

مہندو کو کس بے شمار طوائفیں گذری ہیں جو رقاصہ اور مطربہ حضور
نہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ ہستی یا اہل خاندان کی حیثیت رکھتی تھیں۔
ماہ نقابا بائی کا بھی یہی حال تھا گمانے بجانے کے لئے وہ امراء و روسا کے پاس
موجود کیا کرتی تھی مگر کسی سے نامائز تعلقات نہ تھے۔ البتہ بعض امراء اس
پر بڑی طرح سے ہوتے تھے جہاں تک میں نے دیکھا ہے طوائفوں کا کوئی
ذہب نہیں ہوتا۔ ہندو طوائفیں پوجا پاٹ بھی کرتی ہیں اور ہندو منازک بھی لگاتی
ہیں البتہ بعض دل چلی تو نمازیں بھی پڑھتی ہیں۔ اسی طرح ماہ نقابا بائی کا بھی
کوئی مذہب نہ تھا۔ نہ خود شیعہ اور نہ سنی بلکہ مسلمان خود بھی۔ کوہ تولا
کے عرس میں خاص طور پر جھٹ پائی تھی۔ اس کے ہاں تجاں حیدری۔ تجاں
غزادری خاص اہتمام سے عطا فرمائی تھیں اور دوسرے کا وہ بار بھی اپنی
شیعت کا اہتمام کرتی تھی۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ سیدہ نقابا علیہ السلام کی خدمت

چٹا لکی مزدوروں و دیگر غنیمت ثابت ہوا۔ مال و اسباب ضبط ہو گیا پس
عورت مہجرت کے گھر سے باہر کر دی گئی۔ اس زلزلے میں خانت باجرم تھا
خان کی اہل و عیال اس کے اوجھڑوں کے ہدایت یافتہ تھے۔ نواب کنور بائی کا تھا۔
پچھلے ایک فادکشی کہ جسے ملک حکومت کی تھی وہاں بیک مانجھا بھی گوارا
نہ ہوا۔ بچوں کی ماں سے ہجرت کی، ادھر ادھر کی خاک چھان کر قصبہ دیولیر
پہنچی تو خدا ترس جھگڑیوں سے اُسے بٹھا دی اور اس کی راکھیں کو نقص
و سرود کی تعلیم دینے لگے۔ قصبہ کے حاکم اسلام گھٹ کو اطلاع ملی تو اس
نے ان عزیزوں کو رہنے کے لئے مکان دوا دیا اور ہر طرح خبر گیری بھی کرنے
لگا۔ مگر انکساریاں سے ڈر کر نہیں بلکہ

ہر خدمت کردار و مخروم شد
کے اصول پر سیدہ بی بی کی ہم آہوشی کی کتابیں چنانچہ اپنی شہرت و عزت
حسن و جمال و مہربانی کے اثرات سے سیدہ بی بی کو اپنی ہوسنوں
کی بھینٹ چڑا دیا اور سیدہ بی بی سیدہ بائی سنگی سیدہ بائی گوارا و سلم گھٹ
سے ایک ایک مہتاب یا بی بی تولد ہوئی اور راجہ کی بیوی نے اس پر جادو
لگانا شروع کر دیا چنانچہ سیدہ بائی شدید علالت کے بعد مرتے ہوئے۔
اعمال کے بعد اس کی ماں نے اعتقاد کیا۔ چونکہ سیدہ بی بی راجہ کی بیوی
سے ہمیشہ بھی تھی اور اسے خوف تھا کہ وہیں راجہ و وزیر کے مار ڈالنے
اس لئے اپنی بیویوں اور چند بھینٹوں کے ساتھ اس نے دیولیر چھوڑ کر ماہ
کار گئے۔ یہاں کچھ ایسی بے ترتیبی ہوئی کہ اس کے مدفن بھائی غلام حسین اور
غلام محمد اس سے جدا ہو گئے۔ اور وہ موت پریشانی کی حالت میں سلاخ میں
برائے پور پہنچ گئی۔ نواب نظام الملک آصف شاہ بہادر برائے پور میں مقیم تھے
فکر دکن بھی تھا امراء و روسا سب موجود تھے یہاں بھگتیوں کے مشورے
سے نام بدلے گئے اور سیدہ بی بی، راج کنور بائی، فرحت بائی، برج کنور بائی،
بولن بائی، بولن کنور بائی اور مہتاب بائی، مہتاب کنور بائی بن گئیں۔
نواب راسلت خاں بہادر اپنی فرح کی نظر انتخاب لے راج کنور بائی کو نکالا
اس سے شادی کر لی۔ لشکر ایک تھکڑہ۔ چند ماہ باکوں آ رہا اور احتشام جنگ
کن الدولہ بہادر نے مہتاب کنور بائی کو اپنے عقد خارج میں لیکر "صاحبہ جی
صاحبہ" خطاب دیا اور یہ "عورت" دارالہمام دکن کی منکوحہ ہو گئی۔

راج کنور بائی کے بطن سے ۱۸۷۰ء قعدہ ۱۲۹۰ھ کو حیدر آباد میں
چند بائی بی تولد ہوئی۔ منشی غلام محمد کی لکھنے میں کہ "کر لود کے وقت دفعتاً ہی
روشنی ہوئی کہ چھوڑ منور ہو گیا۔

سے بھی نہیں بگڑتی تھی چند کی ماں کے کلمات اور خرقہ عادات بھی لکھ میں گویا وہ بھی کوئی "ادبہ" تھی العجب ثم العجب و نکلت،
سیدہ حیدر آباد میں منام کا عظیم الشان بازار ہے جس پر اربعہ اربعہ علیہ السلام کا چاند ہے ادشیدہ گروہ اس کا دس بڑی درہم دہم کرتا ہے۔ حیدر آباد کو کئی ایسی نہایت
منکوحہ ہے۔

تھی۔

انتخاب زمانہ ماہ لقا درجہاں شد بکار غیر کیش
سال این خیر خضر کفایت میں یاد دہلی رہے آب بغیر میل
کمان لچلی بگ کی شاندار جلی میں اسی نے بنوائی تھی، ایک سجدہ میں
جلد بنوائی تھی۔ جس کی بنا پر تاریخ مشہور ہے۔

چو بحر الشیخو خاصہ عام است فلک لقا کس بیت الحرام است
حضور مہذبان عالی ماہ لقا بانی کی بہت عزت کرتے تھے۔ اور بے انتہا
پسند فرماتے تھے، چنانچہ حضرت مغفرت منزل فرمایا کرتے تھے کہ
”مازندہما لقا بانی دیری بہ این کمالات پیداشدن مشکل است“
حضور نے اکثر مقامات کے سفر میں براہ رکاب رکھا تھا، کوئی مجلس
یا بزم طرب ایسی نہ ہوتی تھی جہاں ماہ لقا بانی حاضر نہ ہو۔ سرورنگار میں بھی
ساتھ ہی رہتا رکھا کرتے تھے۔ حضور ندگان علی کے ہاتھی کے پیچھے دوڑ
ہاتھی ماہ لقا بانی کا جو کتا تھا۔

نواب اعظم الامراء اور سوجا بہاد درالہما میں بہت جانتے تھے
اور عزت بھی کرتے تھے۔ عموماً ان کے بزم نشاط کی رونق بھی ہوتی تھی
میر عالم بہاد تو بڑی طرح مٹے ہوئے تھے۔ اکثر کتا کرتے تھے کہ
”جلس بائیزے۔ یہ اس حدیث طبع و رسائی ختم مال ماہ لقا بانی
کم دیدہ شد“

ایک سراسر بھی تحریر فرمایا تھا جس میں سوادوسو ابیات ہیں چنانچہ
چند شعر نقل کئے جاتے ہیں۔ دیکھئے لفظ لفظ سے بے قراری ظاہر ہے۔

اسے ماہ سپہر آشنائی از سنا پا تو دل ربائی

اے مہر دم دیدہ محبت مر سنا قدمت طلسم الفت

اے ماہ لقا نے ماہ پیکر دے ماہ میں و ماہ منظر

اے سرخ و ماہ لعلین اے طلعت تو صد اقصیٰ میں

بود و ہنوت نہ سوا ہوا تیرنگ گرد ز سامر ہما

دو چارہ زمیں بہ سحر کامل آتش کہ گشت شہر باہل

بازوئے تو کھنکدے عشق بازوئے تو زور بازوئے عشق

از جملہ اُن کتب نگارین ابتدا شکم ہمیشہ رنگیں

لے ناز تو فتنہ زمانہ انداز تو فتنہ زار ہما نہ

لے دوئے تو رشک ماہ و شہد آغوش تو صبح زار امید

از عکس رخ تو سبیکہ غرق دیارے آب گوہر

خیر نام کر نشان نہ بوند خیر اکہ بہ قتل سن کر چند

کشہر زیار کیا زمین بھی بڑے ہی خلوص عقیدت اور تزک و احتشام کے کرتی
تھی، اور دیگر زندگان اہل سنت کی شان پر بھی دلائی تھی، نماز کی سخت پابند
تھی اللہ ہی طریقے پر ادا کرتی تھی۔ بعد از قرآن و سورت قرآن اور وظائف
کا بھی شغل رہتا تھا۔ اور پھر تیر اندازی، شہسوری، ہمواری، کلاسی، بانک -
پٹا و خیزو کی شوق بھی کرتی تھی، جو کھ فغانی اور معمولی عربی جانتی تھی اور علمی
ذوق موجود تھا اس لئے شعراء اور علماء کی قدر دانی بھی کرتی تھی۔ اہل علم کا
مجموع بھی در دولت پر موجود رہتا۔ کچھ لوگ گھینڈا گشت جمال کرتے کچھ روپے
پیسے سے دامن بھرے، حاجت مندوں اور فقیروں کو بھی بہت کچھ ملتا تھا۔
سادات و مشائخ عصب سے زیادہ فائدہ اٹھاتے تھے۔ مکتبوں کا بہت
شوق تھا، ایک عمدہ ترین کتب خانہ بھی جمع کر لیا تھا چنانچہ مولف ماہ نامہ
نے اپنے وطن بیدر سے آکر اسی کتب خانہ سے فائدہ اٹھا یا اور ماہ نامہ
ترتیب دیا۔ لباس نہایت پر تکلف ہستی تھی اور ہینڈا بھی جاپٹے۔ اوقات
کی پابندی بھی مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ بہت پابند وقت تھی۔ خوب سی کی تعلیم
باضابطہ بانی تھی مگر بعد ازاں تعلیم بھی ہوئی تھی جسے آباد کے مشہور گوئے
خوشحال خاں اس کے استاد تھے، ماہ لقا کی تین سو کزنیں تھیں اور تقریباً
سب کی سب گائے بچانے والی تھیں، ان میں سے حسن افزا اور حسین لقا
بہت مشہور ہوئیں۔ محی مولوی ظریاب خاں نے اپنے مضمون میں حسین لقا کو
ماہ لقا کی لڑکی لکھا ہے مگر جہاں تک ہمیں معلوم ہے ماہ لقا کے کوئی لڑکی یا لڑکا
نہ تھا۔

ماہ لقا بانی کے عزت و احترام اور قبول کی حال تھا کہ آج تک
ہندوستان بھر میں تو یہ عزت کسی طوائف کو نصیب ہوئی اور نہ یہ امارت
ہی، ملاقات نہ پناہ، سیدہ بی، حیدر گوٹہ، چندا بیٹہ، پتے پھاڑ -
علی باغ، ڈاٹھی دیہ، جاگیرات اور قطع تھے یہ اس قدر سیر حاصل دیہات
میں کہ کرا بھل اگر کسی کو میل جاہلیں ڈالنے کے لحاظ سے مہاراجہ اور
پھر بہ بانس کا خطاب ضرور ہی ملتا تھا۔ ماہ لقا بانی کی وفات کے بعد
اس کی دولت کا جائزہ لیا گیا تو علاوہ باغات مکانات و زیورات کے ایک
کوڑ روپے لختہ رہا جو ا۔ یہ روپیہ غارت سے جمع کیا جو انہیں تھا بلکہ فانی
دریادگی سے خرچ کرنے کے بعد رہا تھا۔

تعمیر کا شوق بھی ماہ لقا بانی کو بہت تھا چنانچہ زندگی میں اپنا شاندار
مقبرہ بنوا لیا تھا۔ جواب تک موجود ہے۔ کو مولانا پرچتہ دالان بھی اسی
کی یادگار اور جس کو شریف کے تماشا بینوں کے لئے خوب آسائش ہے
دیں گروہ پر عرض بھی ایک موجود ہے کسی نے اسی عرصہ کی تاریخ بھی
لے جو آجکل لوگ مینٹ کے نام سے مشہور ہے اور جہاں اب جامعہ عثمانیہ کی شاندار عمارت تعمیر ہو رہی ہے۔ (ملکن)

جس (۱۲۵) غزلیات ہیں اور ہر ایک غزل پانچ یا چھ شعر کی ہے نہ صرف یقین کے نام کے پانچ شعر بلکہ میں یکدم تمام غزلوں کے مقطعے منفیت میں ہیں۔

کہتے ہیں کہ فطرت جگت، بھلائے حاضر جوابی لطیفہ گوئی میں بھی وہ اپنی نظریاتی سبکیوں لطیفے اس کے نام سے مشہور ہیں۔

ایک دفعہ ماہ نقابا بی پانچویں یا چھویں جاری تھی، زمانے خاص دلی الٹ گیا یا کیا ہو گا جو کہنے کی سنہری ڈیٹی لوہے کی بنیے گئی، ایک صاحب جو قریب سے جا رہے تھے سکر کر کہنے لگے: ”با بی! اندازاً ماہ نقابا سکرانے ہوئے جواب دیا گیا خوب کرتے ہی ہانگ دیئے گئے۔“

اب ہم دیوان چندا سے خاص خاص اشعار نقل کرتے ہیں۔ مقطع کے متعلق ہم نے قبل ازیں لکھا ہے کہ عموماً منفیت میں ہوتے ہیں چنانچہ چند مقطعے نقل کئے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہو گا کہ چندا محبت امیر علیہ السلام والفت اہل بیت میں کیسے قد ڈلی ہوئی تھی۔

یا علی قدوم خود بخوار ہے دنیا مشہور کھائے کچھا کچھا اسکے حضور میں غلط روشن رکھو جہاں میں مولا مثال صبر چندا کے منہ سے نور کو تو قدرت کر کینری سے ہے مرقعی کی میسر جو چندا پہ لطیف اتم دیکھتے ہیں عمر بھر یوں رہے جس کا جلوہ چندا آند دیکھتے ہیں یہ حیدر کر اسے ہم چہ گلشن نجف میں تیرے ہاتھ پائی چندا میں عزت لب عزتوں کی احتیاط حضرت امیر سے استمداد بھی چاہتی ہے تو اس انداز سے کہ جی کوٹ جاتا ہے، دیکھئے۔

یہی امید ہے چندا کو خوب دیو میں دیکھ ہمیشہ تیرا یا علی کرم گستاخ چندا کے خیر خواہ کو عزت ہو یا علی اس کا سدا رہے سرود جاہ سوسے شیش گری وہ جو سوسے سن میں چندا کی جی جو لے کلاس کے دیکھ کعبہ کی رات کوئی گچ کر دم ہے جھنجھ چندا کو اس قد مولا نہ ہووے پھر کی نذر دار کی کھش

اب ذرا غزل کا نمونہ بھی ملاحظہ ہو، مطلع دیوان اور غزل میں ہے۔ کمال افت جہاں مدحیں جو ہر زبان گیا کیا جان جزو و عامہ میں نہیں چاکوں گیا نہ جو فتن محمد میں کسی سے مصلحت آئی بجا کہ ہرگز آئی سے نہ جو شیش سالیا تناسے راہ ہرگز نہ ہوئے پائے قصہ کہ چلے اس دشت میں مرے گریہ و زاری نہ رسائی کہ ہے اندیش کو یاں نہ زانیاں نہ نہاں کو نہ کہ ایک ہر کہوے رواں گزیر جگر حق کے کوئی گپ و اوصاف وصف اتیرے؟

راجندا فلک پر بھی ہو نکتہ نہاں گویا دیگ لے حضرت دل کیجئے نہ آہنگ نہاں کچھ اندوں بگڑا ہے بہت رنگ خراب

سرود چائے دانش آرا از سوسے میاست آستان تابا لے حسن تو در جہاں فسانہ دل گرمی عشق را بہانہ ابرو سے قوی کند کمال ناز چہریت پر بنگاہ ناوک انداز بیناں نہماں مرغوش آن ماہ العقبہ بگو و قصہ کوتاہ نواب میر عالم بہادر ایک والہانہ خط ماہ نقابا کے نام لکھا ہوا ایک خاتون نے ہمیں دیا تھا۔ انسوس ہے کہ وہ کئی دفوں کی تلاش کے باوجود نہیں مل رہا ہے۔ یہ خط کسی شخص کے ساتھ بھیجا گیا تھا اور نواب صاحب نے دلی کھول کر اظہار الفت کیا تھا۔

مہاراجہ چند لال بہادر بھی ماہ نقابا کو بہت پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ اپنے دربار میں بیٹھنے کے لئے مسند مرحمت فرمائی تھی۔ چنا ہ وزیر مدارالسلام اور مینیکلا کا یہ حال ہو تو اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اور ماہ اور دوسرا سکندر عزت و احترام نہ کرتے ہو گئے۔

ماہ نقابا نے ساتھ برس کے سن میں سترہ سالہ میں ہی ہندو سے متحال کیا، اور حیدر آباد سے عیس کے فاصلہ پر کہ حوالہ دامن میں اپنے بنائے ہوئے مقبرے میں جس پر ایک لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا۔ مدفون ہوئی۔ مزار پر قطعہ تاریخ کندہ ہے جس کا مادہ ہے۔

راہی جنت شدہ ماہ نقابا سے دکن ماہ نقابا کی مقبرے کے عرس کے لئے سالانہ پانچ سو روپیہ اور عاشور خانے کے لئے سالانہ ایک سو روپیہ شایا بک جاری ہے۔

ماہ نقابا کی انتقال کے بعد دلی کی وجہ سے اس کا مکان و غیرہ سرکاری نگراں میں لے لیا گیا۔ جاگیرت ضبط کر لی گئی۔ اس کے متعلق میں سے ناگھاؤں کوئی ناگہر میں روپیہ ماہوار اور کینری پانچ سو روپیہ ماہوار اور خانہ زادوں کوئی نفر سات روپیہ ماہوار خواہ اجا ہوئی ۱۳۲۵ء میں فواید ملکہ بہادر نے حسن افکار اور حسین نقابا کو ماہ نقابا کی وارث قرار دیکر مکانات زیورات وغیرہ زیورات مرحمت فرما دیئے، اور جاگیرت بھی دونوں کے نام پر کچال فرما لی گئی۔ انکس جید آباد (پڑوسی لائن) کے قریب محلہ نامہ میں عیسی تھا ایک باغ اور مکان اب تک موجود ہے اور محلہ انکم ٹم میں حسن افکار کا مکان اور باغ بھی باقی ہے۔ حسن افکار نے بھی بہت سی روکیاں پال رکھی تھیں جن میں گئے نیلانی کامنی بائی و سالو بائی مشہور ہوئیں۔

ماہ نقابا کی نہایت طبیعت دار زندہ دلی تھی اور یہی زندہ دلی صندنی طبع کی صورت میں اس کی شاعری ثابت ہوئی، حیدر آباد کے مشہور شاعر شیر محمد خاں آریان کو اپنا کلام دکھائی تھی ۱۳۱۵ء میں دیوان تریسے یا

نکسی دیر عالم کی طرف سے کی ہے، کسی اور کا ذکر ہی کیا ہے
سدا پہلے میں چندا سے ہزاروں جیسے سامنے میں
نظام الدولہ و شاہ و کن ہے رسم دوران

اور بسنی غزل کی مومی جن کے موقع پر شائد کی گئی ہے۔ ۵

بند آئی ہے موج نہ نگل چو نہ سہاوا
خدا کے فضل سے عشق طرب کی اب کی کیا ہے
بیاباں میں کیا کروں کے شہستان کا کمال اللہ
فضا و قدس کے کشن کا اب کا روم ہے
سفاوت میں کوئی ہمسرہ ہوا سکا نہ نہیں
دی کرتا ہے پورا جسکے ملیں حوالہ ہے
نظم الدولہ آصف جاہ جو سب سے پہلے
نظم الدولہ آصف جاہ جو سب سے پہلے

یہی خوان کرم سے ہے سدا امید چندا کو

کسی کی بھی یہ محتاج ترم سے یہ تمنا ہے

غالب یہ غزل بھی بسنت میں از سطوحا بہاد کے لئے کی گئی ہے۔

بہادش لیکو باغ عرباں لول بستائی
کے لکھتے ہیں شبنم سے گل کے لکھتے ہیں
ضیاء کے لئے آئینہ دار چشم ابل ہے
بجورم نوع و صمان جن کی ہے خود آرائی
کسی نے مجھ سے پوچھا یہ یہ چاند نہ کیا؟
کہا میں نے یہ دی ہے حلاوت ثانی نہ نیلانی
قدم ترم نہ چوے کہوں کہ مدین شفا میں
ادل سے تالید مشہور ہے اس کی ہولانی
دیا جو شرط حق بخشش کی چہری ہر اکرم میں

بہادش لیکو باغ عرباں لول بستائی

بہادش لیکو باغ عرباں لول بستائی

ایک اور سنی غزل میں از سطوحا بہاد کا ذکر بھی کیا ہے، یہ غزل بھی

منقولہ بالا غزل کے ساتھ کی معلوم ہوتی ہے۔

جب ہوا محبت میں مشغول کا گرا
غزلیوں نے کئے ہر سمت سے ہوا کا کار
سکے یہ آواز دہل لے کر کچھ کرا لے
جل سستی پڑی ہو کر لے لے سستی پڑی
الغرض پہنچا ہے اس جن فریدوں کو گل
منہاں اس جگہ دیکھا امیر نامدار
دفعہ ہے کئے و خسروں کے دیو
و عجب نام نہاد سے نہ حاکم نہ بہادر

مدعا چندا کا ہے اب یہ از سطوحا سے

فیل دلدل بخشش کو کی جاگ کرا بھی ہو شام

ایک اور غزل میں بھی از سطوحا بہاد کی محدث و مخبر کا ذکر کیا گیا ہے۔

جس کا ایک شعر دیکھئے۔

سلا از سطوحا نواب اعظم الامراء بہادر دیوان دکن۔ تاریخ سرگزشت دیوانی
ارشاد ۱۹۷۷ء بہار برتیشکلاہ دفات ۲۸ مجموعہ ۱۹۷۷ء مطابق ۱۹۷۷ء
مدت دیوانی ۲۴ سال

۱۹۷۷ء نواب از سطوحا بہاد کی انسل تھے اس شعر میں بقولہ کہ خسرو سے

مرا دشا نہ دی خاندانی سلسلہ ہے۔

۱۹۷۷ء

ہوں اسکے مرے شہسب سے صلح کا عالم
جس طرح کہ مستوں میں ہے جنگ خرابا
اگر وہاں دانا ہے ہر اک آباد
طے ہوئے ہیں کس لطف سے فرنگ خرابا
غش لکھا ہے بے سنتی ہی لہرے نول بھی

مجھی ہے عجب سے لے نے و جنگ خرابا

یاساتی کوڑھی چندا کی دعا ہے

یہ دور ہے اس سے جو ہر جنگ خرابا

دیگی

گل کے ہونے کی توقع ہے مجھے میٹھی ہے
برگ جان کو میٹھی میں لے میٹھی ہے
کبھی میاد کا کھٹکا ہے بھی خوف خزاں
بل اب جان بھلی پہ لئے سستی ہے
تیرو تلوار سے بڑھ کر ہے تیری ترچہ نگ
سکروں عاشقوں کا خون کے میٹھی ہے
تیرے رسوا سے تشبیہ ہے دل کو کر
شع تو چنی کو نکھوں میں لے میٹھی ہے

تسہ اب کیوں رہے لے سانی کوڑ چندا

یہ تیرے جام بہت کو پئے میٹھی ہے

دیگی

ہم جو شہ کو ناگال اس شوق کے بلے پائے
دل تو جانی رہا، اچان کے لالے پائے
بحر میں روبا جہل تیرے لہان میں عذرا
خون سے دل کے بے جالے تیرے پائے پائے
چاند سنا نہ پنا دکھائے کبھی او گلہاں
سیکروں رو پر تیرے میں دیکھنے ملا پائے
دست نشانے تجھے یک موہن سن لالہ
جس کی ہرٹ میں لکھتے ہیں سدا لالے پائے

آئی چندا آپ کے دہرے وہ یوں یا علی!

کئے ہوں الماس کے اوصل کے بلے پائے

دیگی

چشم کا فوری چادر غزہ غزہ غزہ ہے
قل کو پاس سپاہی کے تیرو بھی ہے
کھوڑا سلام میں ثابت رہے دل کو بھلا
صاحب ہو بھی ہے مالک نہ داسی ہے
گر چہ راحت تیرے پئے ہے نہ فرج بھی
جس میں جگہ ہے مری جان ہی خلجی ہے
پکھڑا کر گیا اسے مٹتی اسے دل
رہم صرف نہ دیا اس کے سنا دے بھی ہے

حال دل کس سے یہ چندا کے ہر شکل میں

یا علی! تیرے سوا کوئی مددگار بھی ہے؟

ان غزلوں کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ چندا کی غزل گوئی کا کیا حال تھا
یہ غزلیں ہم نے بلا انتخاب سرسری طور پر درج کر دی ہیں۔ اگر دیوان کا گہرا مطالعہ
کیا جائے تو بہتر میں شعر ملیں گے۔

چندا کے پورے دیوان میں صرف چند جہز میں ایک غزل اور
چند اعلیٰ حضرت چندا کی عالی کی مدح میں ہیں دو غزلیں نواب اعظم الامراء
از سطوحا بہاد کی شان میں اور بس نہ چند لالہ بہاد کی مدح کی ہے اور

نہیں ہے کچھ میرا نقصان گو غیروں کے لینے سے
نہیں ہے جو مجھ سے کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

دل میں میرے پھر خیال آنا ہے آج +
کوئی دل بربے مثال آنا ہے آج +

ہوئے خیالات میں اب تک نہ تیرے ہم کنار
خدا کے واسطے ہم سے نہ ہو صنم مستار

اب خروہ بہار آنے کا سنتے ہی قفس میں
تڑپا یہ کہ کچھ بال و پر اپنے نہ رکھا صید

چو پچھے ہجرت کی حالت مری وہ بے وفا ہنکر
تقدیق ہو سکے کہ باؤ سر و چشم تر خاصد

آئینہ سکندر کا نہیں دل کے برابر +
ظالم نہ سمجھنا کہ بت یہ بل کے برابر +

ہے مہر اسی غنیمت سا غم گل ہے صحن باغ میں
یاد ساقی ہو برستا ہو سے ابرو ہزار

کو کہن پر بھی کیا جور مگر شیریں نے
تو نے اس طرح کیا ہے مجھے بیزار کہیں

اشارہ پھر اسی ابرو سے چاہے ہو یہ دل پر
کہ جس چیم سیر نے سیکڑوں کے پل میں گھمٹے
کہاں سمجھائے سے مجھے ہے نادان قدو دل کی
نہ جب تک پڑے ظالم کسی بے دود کے پالے

مردام سے اپنے ہمیں آزاد کرو گے!
پھر کس سے شیخ نقص آباو کرو گے؟
ناشا دکنی دل میں نہ ٹھنے سے تمہارے!
ایسا بھی کبھی ہو گا انہیں شاد کرو گے

ارطو جاد وہ فرخ شرد اہل علم ہے
کہ جسکے فیض کا جہاں میں ہے علم بابا
یہ صرف وہ شعر ہے جو منقبت یا مدح میں کہے گئے۔ اب ذرا متفرق شعر
بھی سن لیجئے۔

ناز جینا کو نہ ہو کیوں فوجانی پر خلک
جس کو ہم دہم ہے بھر و سار لطف سے پیر کا

ہم سکے کے ہے یار بیاں اپنی چاہ کا
حاضر ہیں ہم بھی گر ہو ارادہ خباہ کا

چندہ کے دیکھنے کی جو خواہش کرے کوئی
لکھنا ہو وصف اپنے میں وہ عروہ جاوہ

ہوا ہے اس طرح دندان غریب گل کے کاہیہ
تیرے محض پندخال حلقہ زنجیر ہوتا ہے

اٹھنا ناچار ہے حاصل جو ایسا ہی مقدر تھا
مجھے تمہا ہی رہنا آپ کے بننے سے بہتر تھا

آیا نہ ایک دن بھی تو وعدے یہ رات کو
اچھا کیا سلوک نقابل شعرا! خوب !!

آگے سے یک فسانے پڑ گیا کہ ہم خوش
کر نے گئے ہوا تو سوال و جواب خوب

پھر لوگی ہے مجھ کو کس شمع رو کی ہے ہے
دل اندلوں رہے ہے کچھ بے قرار ہر شب

نہیں ہے ذلت کی لٹ اس نرجس شوق پر
یہ اوس چاٹنے لگا ہے ماستاب میں ساپ

روبرہ چندا کے ہووے کیا عجب +
مشرقی وزہرہ پروین کو مات +

چند کے استاد شیخ محمد خاں ایمان نہایت پر گرو اور اپنے خاصے
شاعر تھے اس زمانہ میں شمار ہوتے تھے ایسے استاد اور ایسی شاگرد کو کا
کہا جی ایمان نے ایمان داری سے مشورہ دیا۔ اور چند نے بھی خوب
جی کھول کر نگر خنکی کی یوں تو چند کے بعد سے سب کا دل عورتوں سے
شاعری کی اور اب تو بلا مبالغہ اور شعر کہنے والی عورتیں اتنی ہی اکثر
سے پیدا ہو گئی ہیں جتنے کہ ادبی اور علمی رسائل ہندوستان میں شائع
ہوتے ہیں۔ مگر چند نے حجاب پوشی کو دیکھی کو نہ ہوئی۔

دین اللہ کی ہے ننگ ہے اپنا اپنا
الحدیس

ہی ہے ہم کہیں گیت سے اُن کے گھسوں کی جو بنائی
 جن میں نہایت سانی سے گزرتے جام سے گزرتے
 نر و گیسو و خال و طاق آبرو دیکھ کر اشک کے
 نماز و روزہ کو حسین مع و شام سے گزرتے
 داغ کا مطلوب میں بھی نہیں دل لئے جاتا ہے اور چند کا محبوب بھی
 سستی میں جھک کر لئے جاتا ہے ۔

میرا دل کی جو زلفِ غمِ بربانی
 اور حلاوتِ سبھی کھول دے چوری میں نکلی
 تقریباً سبھی مضمون چیدہ سبب سے بند ہی ہے
 گرمی کے دل کو چاہیں تو نے ظالم
 کھول دے بند جھپٹی کو دکھا ماتھوں کو؟

ماخذ

- ۱۲۔ شہرین مولفہ عبدالحی صاحب صفحا، مطبوعہ صفحہ ۹۰۸
۱۳۔ تنکرک الخواتین مولفہ عبدالباری آسی ~ ۱۳۷۰ ۱۳۵۹
۱۴۔ شہرینوں مولفہ منشی فاضل محمد عباس بی۔ ۱۔ مطبوعہ
صفحہ ۲۱۰ تا ۲۱۲
۱۵۔ خاموس الشہرین مرتبہ نظامی پریس بیلوں جلد اولہ ۱۹۰۰
۱۶۔ سخن الشعراء ————— مطبوعہ صفحہ ۵۳
۱۷۔ حدائق عشرت، مولفہ درگاہ شاد دہر مطبوعہ صفحہ ۵۳
۱۸۔ رسالہ حرمۃ الخجرات اب اردو سرورنگر بابۃ صفحہ ۳۲۸
مولوی ظفر باب خاں صفحہ ۱ تا ۷
۱۹۔ رسالہ انقلاب لاہور بابۃ دسمبر ۱۹۲۷ صفحہ ۵۵
مضمون کانگریس
صاحبہ
۲۰۔ جنری مطالعہ نین کیفیت (دسے کن وچو مرتبہ مولوی
ناظم علی خاں)
تمکین کانگریس

- ۱- دیوان ماه نقیہ چند نظمیں موجود دکنست خانہ تصنیف ۱۳۳۱
 - ۲- تاریخ ماہ نامہ علمی مولفہ غلام حسین خاں جہر تصنیف ۱۳۳۱
 - ۳- تاریخ گلزار اصطفیٰ مطبوعہ ۱۳۳۱
 - ۴- حیاتہ اہل نقیہ مولفہ غلام بہترانی گہر مطبوعہ صفحہ ۴۳۹
 - ۵- گلزار ماہ نقیہ
 - ۶- طبقات الشعراء مہند مولفہ خشی کوکم الیہ مطبوعہ صفحہ ۱۲۶
- ۳۲۵ -
- ۷- دکن میں اردو سے مولوی نصیر الدین خاں شامی تصنیف صفحہ ۳۳۱
 - ۸- تذکرۃ النساء ناری مولفہ درگا پریش مطبوعہ صفحہ ۲۴۱ تا ۲۸۴
 - ۹- بہارستانی نازہ مولفہ فیض الدین رستمی ۳۸
 - ۱۰- ماہ رمضان مولفہ حکیم تقاسم مطبوعہ ۱۹۱۵ء
 - ۱۱- رسالہ رنگ و ابجد بابت جل و جلالی ۱۹۱۶ء مضمون تمجید
- خانگی صفحہ ۳ تا ۳۱ دسمبر ۱۹۱۶ء

رباعی

ہے اتنی غرض دہر کے افسانے کی
جو کچھ کر، صاف کر، بدی یا نیکی
نہی ہوئی جان پہ نہیں آنے کی
ہوشیار کہ زندگی دو روزہ ہے لوں

سمندر کی بوندوں کا جشن

بہاؤ میں کود پڑی۔ میرے پیچھے میری ہمیں سبھی کو دین۔ سب میری طرح آزادی کی پیاسی تھیں۔ اور بھد خوش تھیں کہ اب ہماری ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے۔ لیکن ہماری خوشی زیادہ دیر قائم نہ رہی۔ ”بوند ہیں تک کہنے پانی بھی کہ ایک ہر نے اس کی پہلی آواز بند کر دی۔ آدھی نے اپنے دل میں کہا بیشک میری بہن ہے۔ اس کے دماغ میں گذشتہ زمانے کے واقعات تازہ ہو گئے۔ ایسے بہن کی باری بائیں یاد آگئیں جبکہ اس نے لامعلوم زندگی میں پہلا قدم اٹھا رہا تھا۔ کن کن چیزوں سے خوشی ہوتی تھی۔ پہنے کی کیا کتابیں اور آرزوئیں تھیں۔ کس طرح وہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہم جو یوں کے ساتھ کھیلتا کرتا تھا۔ بوند نے پھر اپنی آپ جتنی شروع کی۔

ہماری خوشی زیادہ دیر قائم نہ رہی۔ نیچے والی میں جھک کر اور گھاس میں رگ جانا پڑا۔ یہاں ہمیں اپنی نفس رانی بھول گئیں۔ جھک اور سے آتواری ہمیں کی خوشی کی آواز سے اور بھی غمیں کر دیا۔ ان جھک کر کچھ نہ رہتھی۔ کہیں کیا ہوئے والا ہے۔ ہمارے لئے بھل ایک عذاب یہ بھی تھا کہ گھٹنے میں ڈک بر طرف سے عقیدت کے ساتھ کھڑے تھے۔ اس وقت ہم کہہ رہے تھے کہ کاش ہم شام سے پہلے ہی ہوا پر سوار ہو کر یہاں سے روانہ ہو جاتے۔ اور اس عذاب سے چھٹکارا پاتے۔ اس وقت گھاس نے آہستہ سے صاف آواز دیا۔ ”کہا“ لے نادان! بوند! چپ رہو اور صبر کرو! زندگی صبر کی کا نام ہے! تم کہاں جانا جا رہی ہو۔ ہم کو دیکھو کس طرح ایک ہی جگہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ تم بھی اسی طرح زندگی گزار دو۔ صبر کرو! انشورہ دایلا سے کچھ نہیں ہو سکتا! افسوس وہ کیا جانتے تھے کہ ہم ان کی طرح کہاں نہیں ہیں۔ اور ہمارے دلیں ہمیشہ جد و جہد کرنے اور زندہ رہنے کا دلی ہے۔ آخر ایک روز جب ہماری بے قراری اور بچہ جی مد سے بڑھ گئی۔ تو ہم نے صبر اور وہ کہہ کر اس تنگ جگہ سے نکل کر بھاگ جائیں۔

اس موقع پر ایک ہر نے بھی بوند کی کہانی میں غل ڈال دیا۔ اس آدمی نے اپنے دلیں کہا۔ بیشک میری بہن ہے اس کو یاد آیا کہ پہلی مرتبہ گاؤں کی بدتمیزی اور وہ حقانیت سے کس طرح میرے

ایک بڑی خلیج کے کنارے جو میرے سے مذکور کا تخت بنا ہوا تھا۔ اعلیٰ آنکھ کی طرح خضلا مستنہا ہی کی طرف کھلی ہوئی تھی۔ اسی کے قریب کلاڑی اور لوہے سے بنی ہوئی ایک بھول بھلیاں تھیں جس میں ہر ایک خود بخود غواچا رہتا تھا۔ اور جہاں رات دن سیاہ لفظوں کے غول (انسان) گردش کرتے تھے۔

ایک دن صبح کو ان لفظوں میں سے ایک نے پھر اتر کر آیا اور سمندر کی طرف منہ کر کے ریت پر بیٹھ گیا۔ سمندر اس وقت ساکن تھا۔ آسمان بھی صاف اور خنداں تھا۔ موسم بہار کا آفتاب بھی اپنی جگہ دمک دکھا رہا تھا۔ سمندر کے کنارے سب سے اوپر بھولوں سے آراستہ تھے۔ لوہا بھولنے لامتناہی سے فزوت بخش لگت لگت تھی۔ اس آدمی نے اس شاندار منظر پر ایک نگاہ ڈالی۔ آہستہ آہستہ ایک لہر اس کے پیروں تک آئی اور ایک شرابی آواز کے ساتھ پیچھے ہٹ گئی۔ پھر قریب آئی اور پیچھے ہٹتی آئی ایک نئی ہی بوند نے غیب پھاری زبان میں تقریر شروع کی۔

میں تمہاری نئی بہن ہوں۔ میرے عزیز تم مجھے نہیں جانتے لیکن تمہاری جانی ہوں۔ تم میرے بھائی ہو۔ سنو! میں یہاں سے بہت دھڑیل ہوئی ہوں۔ بہت ہی دوشنبوں میں چٹانوں کے اندر جہاں انسان لٹکے ہیں شہ پرندے و دفان دفن ایک مشورج کی شعاع داخل ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہم کھینچ رہی اور اس کی لچبسی کے لئے میں ”فوس“ قزح کے سات سات رنگوں سے اپنی آرائش کرتی۔ بعد صبح کداس سے ملاکتی اور نام کو جس طرح ایک سیلی اپنی پیادری سیلی کو رخصت کرتی ہے رخصت کر دیتی۔ لیکن اس نے مجھ سے فضا لامتناہی اور کھنکی کی دوسری دنیا کا تذکرہ کیا۔ جہاں کی ہر چیز پاک صاف اور آزاد ہے۔ اس نے اپنے سر شہرہ صوری اور بھولوں کا حال بیان کیا۔ اسی وقت سے میرے دل میں ایک نئی حرکت پیدا ہو گئی۔ میں نے اس سے دائمی محبت کا عہد و میمان کر لیا۔ ادنیٰ نے قسم کھائی کہ میں اس غیب دنیا کو دیکھنے کے لئے اپنے قید خانے سے بھاگ چلوں گی۔ آخر ایک دن بے خود ہو کر اس کے ساتھ نیک

خیال میں منکشف ہوتا جا رہا تھا۔

”منہی بوند“ نے پھر اپنی تقریر شروع کی :-

پہلے مجھ کو سمندر سے خوف پیدا ہوا۔ اُس کی وسعت اور گہرائی
دیکھ کر میں گھبرا گئی۔ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ وہاں میری ہستی فنا ہو جائیگی
مجھے آندھی سے بھی ڈر معلوم ہوا۔ لیکن بہت جلد میرا ڈر جانا رہا۔

اب پھر ویسی ہی پاک صاف ہوں - جسی پہلے کسی زمانے میں تھی....

اب مجھے دلچسپی کا خیال بھی نہیں آتا۔..... میری زندگی اب
معافی میں نہیں ہے بلکہ مستقبل میں ہے۔ میں زمین کے کسی ٹکڑے

میں نہیں ہوں۔ بلکہ سمندر میں ہوں۔ یہاں میں ایک نازک بوند نہیں ہوں۔ جسکو ہر جہتی اور کنگری روک دے اور راستے سے ہٹا دے۔

یہاں میں ایک قوت ہوں اور قوت بھی خوفناک کیونکہ میری لاکھوں ہنسیں میرے ساتھ ہیں بہت سی چٹا نہیں ہمنے چمکا چور کر دیں - اور

آئندہ بھی جو چٹان ہمارے راستے میں حائل ہوگی اس کو پاش پاش کر دیں گے۔ ہمارا تھیٹر انسان کے آہنی گھن سے بھی زیادہ زبردست

ہے اگر ہم جاہیں تو یا پھول بر اعظموں میں داخل ہو جائیں۔ ایلوہ کے
ارض پر چھا جائیں۔ ہاں ہم عظیم الشان طاقت ہیں۔ ہم سمندر

یہاں ایک لہر نے پھر اس کی جوش بھری تقریر میں خلل ڈال دیا۔

اس کو یاد دیا کہ ایک مرتبہ میں بھی ایک بڑے بخاری شہر کو دیکھ کر ڈر گیا تھا۔ ہم قلعہ سازی کے لئے آ رہے تھے اور رفتہ رفتہ ہمیں انوس ہو

ہو گیا۔ آج میں ۲۵ سالہ قوی جوان ہوں اور اپنے فن میں استاد۔
اب میں بھی ایک قوت ہوں۔ یہاں میں تنہا نہیں ہوں بلکہ تمام

میں متحد ہو جائیں گے تو ہم میں ایک نئی جان بڑ جائے گی۔ مسند کی کھنٹی

بوندوں کی طرح دنیا کے مزدوروں کا اتحاد بھی ایک طوفان ہے۔
سمندر کی نہی بوند لے پھر اپنی کہانی شروع کی:-

سال میں ایک دفعہ جب آسمان صاف اور خنداں ہوتا ہے۔ جب موسم بہار کا آفتاب اپنی چمک دمک دکھاتا ہے۔ جب سمندر

کے کندھے سبز سے اور پھولوں سے آراستہ ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ہم باہمی اتحاد اور قوت کا جشن مناتے ہیں۔ اس میں ہم اپنے

دل میں بیڑی پیدا ہوئی تھی اور مدینہؓ تک اپنی ٹراپٹ سے کس طرح ناک
میں دم کئے رہتے تھے۔

اس کو اپنے باپ کا یہ واقعہ بھی یاد آیا کہ وہ اس کو ایک مدت کے لئے مولیشی جانے کی خدمت سپرد کرنا چاہتا تھا۔ مگر وہ اپنے دو

ہم عمروں کے ساتھ نزدیک کے شہر میں بھاگ گیا۔ کہ وہاں لکھن پڑھا اور کوئی کام سیکھ لے اور اپنی روزی خود پیدا کر سکے۔ اور اگر روزگار

نہ بھی ملے تو کوئی پروا نہیں۔ گاؤں میں غلام بنے رہنے سے قانون
مرجانا اچھا ہے..... یہ سب سمندر کی ننھی بوند کی کہانی

بوند نے پھر اپنی کہانی شروع کی :-

اس طرح ہم کے اس منہ جلا سے بھاگ جائے گی وہیں ان
لی۔ اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ نیچے ہم کو ہماری اور ہمیں بھی ٹھیکیں۔
جو ہماری طرح بھاگ کر آئی تھیں۔ ایک جھوٹے سے ہاؤس میں جاتے

بجائے فحش و زانیہ کے درجے میں روانہ ہو گئے۔۔۔۔۔ ہمارے راستے میں بہت سے پتھر۔ درخت اور فصیل تھیں۔۔۔۔۔ اگرچہ ہم

ان کو تو رہا نہیں سکتے تھے۔ لیکن ہم ان پر سے پھسل گئے اور ان کو بھانڈ گئے اگر یہاں نہ سکے تو ان کا چکر کاٹ کر نعل گئے۔ آخر ہم ایک

میدان میں پہنچ گئے۔ وہاں گاؤں اور شہروں نے اپنی گندکیوں سے ہم کو بھی گنداکر دیا اور ہم اپنی پہلی صفائی اور پاکیزگی پر حسرت کرنے لگے۔

لیکن ایک دن ہم کو ایک خیر روشن اور بے پایاں نظر آئی۔ تو ہم اسی طرف بڑھے چلے گئے۔

اب پھر ایک لڑے کمانی میں صلہ دالیا :-
 اس آدمی نے اپنے دل میں کہا :- بے شک یہ میری بہن ہے۔

اور اس لوگوں سے بھانپنے، برسوں ایک سہرے سے دوسرے سہرے میں گھومنے مشکل سے روٹی دستیاب ہونے اور ذلت و امانت کے واقعات یاد آ گئے۔ اسکے یہ سہرا ہوتا کہ ایک مرتبہ اس نے اپنے

گھر جانے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن یہ سوچ کر نہیں گیا کہ وہاں جا کر کیا کرونگا۔ یہاں شہروں پر اگر مشکلات ہیں تو یہاں کیسے ہوں گی۔ وہ محنت

کاذب تو یہ ہو گیا ہے۔ اب وہ بھولا احمال و ہتھکانی نہیں ہے۔ بلکہ

وہ ایک مزدور ہے جو سوچتا ہے اور گنتا ہے جس طرح سمندر کی
نہی بوند کو کوئی روشن اور بے پایاں چیز نظر آتی تھی ؟ اسی

طرح ایک دھندلا لیکن بے خود کرنے والا نقب العین اس کے

کھیت۔ میدان اور تمام دنیا اپنی سے بھر گئی..... ہن کی
نقد و سمندر کی ہوندوں کی طرح لا تعداد سچی اور سمندر کے تہلنے
کی طرح ان کا ترانہ بھی زور اور قوت سے بھرا ہوا تھا۔
آج تقریباً ساری دنیا کے مملکت کی باگ اپنی مزبوروں
کے ماتحتیں ہے۔

فاطمہ بیگم انصاری

ماضی کی یاد اور اپنے مستقبل کا مشاہدہ کرتے ہیں۔
”میرے سبھی آج ہی دن ہے“

اس آدمی کے دل میں ایک حرکت پیدا ہوئی۔ مزبوروں کا
جلوس چیز شیوں کی قطار کی طرح شہر کی طرف چلا جا رہا تھا۔ وہ بھی
ان کے ساتھ ہو گیا۔ فضا میں ایک شاندار ترانہ بلند ہوا اور لمحہ خوش
منانے والوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ شہر کے راستے گرد و نواح

اُڑتی چڑیا سے

روشنی ہر دوس میں چھپ گیا ہو۔ نئے نئے ترانے گائے جا، گائے
جا۔ اس وقت تک کہ دنیا ایک بہم سی امیڈ ویم کے ساتھ عالمگیر
ہمدردی کا شادانہ بجائے!

تو ایک معصوم و دشیزہ ہے جو اپنے فلکِ نازل پر سکتے کے
عالم میں بی بی جنت کی مٹی اور سیلی راگینیوں سے اپنا دل بھلا رہی ہو۔
تو ایک سنہرا جتنو ہے۔ جو کسی شبنم باش وادی کے سبز سے میں چپکے
چپکے اپنے ہر دوس سے ہلکا ہلکا گھول اڑا رہا ہو اور خود اس میں دل تل
کر نظروں سے پنہاں ہو گیا ہو، تو کلاب کا ایک بھول سے جوابی دھاتی
کو پنوں کی سیچ پر سوراہا ہو۔ جس کی خوشبو ہوا کے چھوڑا کر لے گئے
ہوں اور پھر مست ہو کر بارہ خواروں کی طرح لڑکھڑا کر گئے پڑے ہوں !
زخموں زان زاروں میں ترنم ریز چڑیوں کی جھنکار، مرغزاروں میں کوئی
فوش پرندوں کی چٹکارا۔ ہمارے ہمارے تیری خوشی
ان سب چیزوں سے زیادہ رسیلی اور نازک ہے، ہاں، ہاں، گائے جا،
گائے جا!

نصی سی چڑیا! — پریم کی دیوی! میں تجھ سے اٹھ کر
ہوں کہ تو مجھے بھی اپنا لادہاں بنا لے۔ میں نے جنت اور شراب کی
تھریف بار دھٹی ہے، لیکن امنگوں کا ایسا جلعہ دے دیں سیلاب
میرے عشقِ قلب سے بھی نہیں اٹھا جیس کہ آج تیرے طوفانِ خیز
راگوں نے ہرا کر دیا ہے!

خوش باش! مسرت کی دیوی! خوش باش! آسمان کے پہلو
میں بیٹھ کر اپنی دلی ترقیوں کا عینہ برسانے جا، گائے جا، ہاں، وہی
گیت شتا جو موسیقی کے کاغذ نے اب تک نہیں سُنا، چل، اُڑتی
چل، ایک شرور بادل کی طرح زمین سے صموکر، ہاں، آسمان کی
نیل گوں فضا میں مشتق پرواز کئے جا۔ گائے جا، اُڑے جا۔ اُڑے
جا، گائے جا!

اگر وہانی کرین تیری پہاڑ کے گرد چکر لگا رہی ہیں اور تو ان میں
پوشیدہ ہے۔ جیسے دن کی چمکی روشنی میں آسمان کا تارا۔ لیکن
میں تیرا گیت اب بھی مسلسل سن رہا ہوں! جیسے تاروں کی تیز کرین
میں صاف کھنڈ میں تھلن ہو کر ستارہ صبح کو نقاب پوش بنا دیجیں
ویسے ہی تو صرف میری نظروں سے پنہاں ہے۔ غیر محسوس ہر کہ نہیں
کیونکہ تیری جیتی راگینیاں تیری کرین ہیں!

میں زمین اور فضا نے آسمان میں تیری ریس بھری موسیقی کی
لہر کیا ہیں۔ گویا ایک بزمِ رات میں کسی تہا اور خاموش بادل سے
چاندنی کی بھوار پڑ رہی ہے اور آسمان کی کشتی اُس پر تیر رہی ہے!

میں نہیں جانتا کہ تو کیا ہے، لیکن ہے اوکس چیز سے زیادہ
مشابہ ہے، رہیں بادلوں سے اتنے چمکدار قطے ہرگز نہیں چمکتے
جتنی تو تیرے اور خوش الحان بادش ترے نورانی ہمدوں سے مر رہی ہے!
اچھا، گائے جا، اُس خود خاموش شاعر کی طرح جو اپنے خیالات کے

واردات کی داستان سنائیں ! ٹال، چل، ٹرنہیں، گاسے جا!

مگر اے میری حسرتا چڑیا! اگر میں ایسا آفت ہرمت کھیلے
کہ پیدا نہوتا، اگر مرادل جو بائے غم نہ ہوتا۔ اگر میری آنکھیں آنسو بہانا
نہ جانتیں تو پھر تو ہی بتا کر تیرے یہ فتنہ انگیز گیت کوئی سناتا؟!

تیری ترنم دہری میرے لئے تو اس دولت سے بھی زیادہ بیش
قیمت ہے جو زمین کے سینے میں محفوظ ہے، بلکہ ان نہ دار موتوں سے
بھی زیادہ قیمتی ہے جن کی ریاں کتابوں کے صفحات پر بکھری ہوئی
ہیں! ناں میں احوال کرنا ہوں کہ وہ میرے لئے — میرے
خانہ بدوش قلب کے لئے تنہا مایہ مست و دش دمانی ہے!
کاش تو مجھے بھی اپنی خالص مسترت کا ایک جام بلا دیتی! اے
پھر کیا ہوتا؟ کچھ ایسی نشانی بائیں میرے لبوں سے نکلتیں کہ دنیا
مخمر ہو جاتی — مجبور ہو جاتی! اسی طرح مجبور ہو جاتی جس
طرح میں تیرے لئے مجبور ہوا ہوں! چل آؤی چل، گاسے جا،
محبت — مسترت — محبت کا میدان بے گاسے جا!
محبتیں راہ پروری

شادی کے گیت جتنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ فتح کے ترانے اُٹنے
ہی نہیں اور چلیے، لیکن جب ان سے تیری موسیقی کا موازنہ کرتا ہوں
تو ان میں ایک غیر محسوس سی چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے! نام؟ اس
چیز کا نام مجھ سے نہیں لیا جاتا! اچھا تو خود ہی بتا کر تیرے اس ساو
گیت کا رخشہ کیا ہے؟ — مبدان ہے؟ دیا ہے؟
پہلا ہے؟ آخر کیا ہے؟ کیا آسمان و زمین کا کوئی خاص سماں ہے؟
یہ بھی نہیں تو کیا پھر خدا کی طرح پاک اور لولہائی محبت ہے؟! بتا، جلد
بتا، وہ کیا چیز ہے؟

تیری خالص مسترتیں لالٹن و آئینہ کش کا نام نہیں، تکلیف کا سایہ
تیرے قریب نہیں آسکتا، تو نے محبت کا اصلی روپ نہیں دیکھا!
رعنائیاں دیکھیں، اہل نم تعب ادا میں کیوں دیکھتی، اور قاتل کھیل
کاشکار کس دل کو جاتی؟!

آہ! ہم! ناگفتہ بہ ماضی اور ناگفتنی مستقبل کا ترنہ ہماری قیمت
ہے! ہمدرد کوئی ترانہ سکھ، دکھ کی چاشنی سے خالی نہیں، ہمارے
سب سے زیادہ شیریں گیت وہی ہیں جو سب سے زیادہ دکھ بھری

فطرت میں ہے شانِ خوئیملی

وہ دیکھ اُفتخ ہوا فروزاں
تاریکی شب ہوئی ہے روپوش
تازہ ہوا شوہر ہستی
ہیا دل میں آگیا طلاطم
گلزار کی خوشنما فضا دیکھ
غریاں ہے جمال دشت و صحرا
دل چپیں دہی ہے ہر گلی کا
آغوش کشا گلی کلی ہے
قدت چوئی بے نقاب یکسر

مژدہ ہے غولہ زانی
فطرت میں ہے شانِ خوئیملی
اب تو بھی نقاب کو اٹھا دے
ہر دے کو حجاب کو اٹھا دے

تقسیم

موجودہ بنگالی علم و ادب کی تاریخ

ہی انہوں نے پیدا کیا تھا۔ عکاظ حقیقت میں حر، کا لڑچکر کا ماننا ہے۔ اس کیجئے
بھی انہوں نے بنگالی زبان کی بڑی بڑی خدمات کیں۔ اسی طریق پر انیسویں
صدی کا نصف حصہ گذر گیا۔

اس وقت تک بنگالی قوم بڑی صحتک بیدار ہو چکی تھی۔ ایک طرف جمہور
سماج کی تحریک اور اس کے ساتھ جوانوں کا جوش و خروش اور دوسری طرف
ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے بنگال میں انگریزی تعلیم ہاری کسے کی سرکش۔
اسکول اور کالج قائم ہونے لگے۔ طلبہ کو موجودہ زمانے کے علم سے واقفیت ہوئی۔
کثرت سے اہل قلم پیدا ہونے لگے اور بنگالی لٹریچر کی ترقی کے تم کو ہم کی کتابیں بھی
جانے لگیں۔ یورپین زبانوں سے ترجمے کئے گئے۔ اور ان کے طرز پر اس کتابیں
بھی بنگالی زبان میں شائع ہوئیں۔

۱۸۷۱ء کی انیسویں صدی کے آخری حصے میں کثیر تعداد میں اہل قلم پیدا ہونے
لگے۔ ان میں سے زیادہ مشہور ایٹھو چندر و داساگر۔ اکشائے
چندر بڑال۔ بنگم چندر پرطی۔ سورنا کمار دیوی۔ مانمگل۔ دھرمو دھن
دیت۔ جیم چندر رنجی۔ گربش چندر گھوش۔ نون چندر سین۔ قے۔ ویدیاگر
نے بنگالی لٹریچر میں نثر و کسب سے زیادہ ترقی دی۔ یہی جمعی ریشل اصلاح کے بہت
بڑے حامی تھے۔ اور بڑی دیر اور اخلاص کے ساتھ اس کام کو سر انجام دیتے
رہے۔ انہوں نے ہندو یوں کی انفس ناک مانت کو بہت محسوس کیا۔ اور
خو سکرت زبان اور ہندو شاہنشاہ کے عالم ہونے کی وجہ سے شائستوں سے دلیل
دے کر ثابت کیا کہ یواؤں کا دوسرا طرح کا زمانہ ہے۔ انہوں نے مشہور کی کویدیائی
آف ایمرور کا اسکرت شاعر کا لی داس کی کتاب اور گیان سنگھ کٹال کا ترجمہ
شائع کیا۔ معاہدات کے کچھ حصے کا بھی انہوں نے ترجمہ کیا۔ جو بعد ازاں -

(شادی بیگان) نام کی مشہور کتاب انہیں کی تصنیف ہے۔ ان کے علاوہ اور
بھی بہت سی کتابیں انہوں نے لکھی ہیں۔ ہندی میاں کیجی کا ترجمہ بھی انہوں
نے کیا ہے۔ بیچوں کی اخلاقی تعلیم کے لئے انگریزی سے ایسپر فیلڈر دیکھا بات قرآن
کی کتابوں کو بنگالی طبعیت کے موافق بنا کر لکھا لاکے نام سے شائع کیا۔ بیچوں
کی اخلاقی تعلیم کے لئے جو چند کتابیں انہوں نے لکھی ہیں۔ وہ آج تک بیچوں
میں بچوں کو ناٹھ پہنچا رہی ہیں۔

موجودہ بنگالی لٹریچر کا زمانہ انیسویں صدی سے شروع ہوتا ہے۔ اہل قلم
کے مطالعہ سے پہلے انیسویں صدی میں بنگال کے سوشل حالات سے باخبر نہ تھے۔
مردی ہے۔ اس لئے پہلے میں اسے مختصر طور پر بیان کر دیتا ہوں۔

۱۸۷۱ء میں انیسویں صدی کے آخری حصے میں برصغیر کے بانی
راجہ رام موہن رائے بنگال کے سب سے مشہور آدمی تھے۔
سوسائٹی کے لئے انہوں نے جو تحریک شروع کی تھی۔ اسی کا نتیجہ برصغیر سماج
ہے۔ اس تحریک کے ذریعے انیسویں صدی کی ابتدا میں راجہ رام موہن رائے
نے بنگال میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی تھی۔ سوسائٹی اور مذہب کی خدمت
کے ساتھ ساتھ قوم کی پرستش کی اصلاح کو بھی انہوں نے مد نظر رکھا تھا۔ بنگالی
زبان اور لٹریچر بھی اسی زور سے متاثر ہوئے تھے۔ پہلے زمانے میں بنگالی لٹریچر
صرف نظم تک محدود تھا۔ لیکن رام موہن بلخانے اس کو نثر کی صورت میں رائج
کیا۔ انہوں نے فوجیہت کی مغزوں اور نثریں لکھیں۔ اور نثر میں بھی ان کی بہت
سی تحریروں پر موجود ہیں۔ اس موقع شخص نے ہندو مذہب اور سوسائٹی کی برائیاں
کو دنیا کے سامنے پیش کر کے فوجیہ کو تادم کرنا چاہا۔ فوجیہ کی تعلیم کے ذریعے سے
انہوں نے بہت سے جوشیلے جوانوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور ان میں ایک
نئی زندگی پیدا کر دی۔ ان سب نے قی کر برصغیر سماج کی تحریک کو اتنی شدت
کے ساتھ جاری رکھا کہ تمام بنگال میں اس نے ایک طرف ان کی طرح اپنا اخصیا
دیا۔ اس سے فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں کے دلوں میں ایک احساس پیدا ہوا۔
لوگ بیدار ہو گئے۔ اور اپنی اصلاح کے لئے مغربی قوموں کی طرٹ نظر ڈالنے لگے
مغربی لٹریچر کو دیکھ کر ان کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ بھی اپنے لٹریچر کو
اپنے فکر کا باعث بنالیں۔

۱۸۷۱ء کی کتابوں کا زمانہ برصغیر سماج کی تحریک اور اصل ایک مذہبی تحریک تھی۔
لٹریچر کی ترقی اور اس کا مقصد فوجیہ کو تادم کرنا تھا۔ اس لئے راجہ
رام موہن رائے اور ان کے پیروں نے اپنی شدت کا ترجمہ شروع کیا۔ کیونکہ انہیں
میں فوجیہ کی تعلیم پائی جاتی ہے۔ بعد میں اور لوگوں نے دیگر مذہب کی کتابوں
کا ترجمہ بھی شائع کیا۔ گرش چندر سین نے جو ایک مشہور جرم متعلق ہے۔ بھارتی تعلیم
میں کسے بنگالی میں ترقی خریف کا پہلا ترجمہ شائع کیا۔ اسی طرح تحریر و تقریر
کے ذریعے برصغیر میں بنگالی لٹریچر کو ترقی دی۔ لیکن نہ صرف مذہبی لٹریچر

نظامِ نازنینی بیسویں صدی کے غیر میں اپنی تصنیفات کے ذریعے
 کیلئے سے پہلے ہی انھوں نے جو کتابیں اور نظریے لکھے تھے۔ ان کا طرز اور تخیل
 قابلِ تعریف ہے۔ اس صدی میں آج تک ان کی جتنی کتابیں شائع ہو چکی
 ہیں۔ ان کو شمار کرنا آسان نہیں ہے۔ کیا نظریہ اور کتابیں سوسائٹی اور مذہبی
 کے تمام پہلوؤں کو انھوں نے کسی ایک جگہ میں بیان کیا ہے۔ اگر کسی تصنیف
 میں بہت بڑے فلسفہ کی حیثیت میں انھوں نے بڑے بڑے خیالات کا اظہار
 کیا۔ تو کسی دوسری تصنیف میں نہایت چھوٹے چھوٹے کچھ کی طبیعت
 کے موافق کتابیاں بھی لکھیں۔ ایک طرف ان کی ایک نظر کی کتاب "شعور
 (کچھ) میں کچھ کی دلی کیفیت، ان کے حرکات ان کی فکر کا طرز ان کا خیال
 کو دکھاتا ہے، دوسری طرف اصل آسان اور صاف زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ تو
 دوسری طرف سے "گیت بیتی" "دو یا" "تجلیا" "سید کا تجربہ" کتابوں میں بہت
 بلند فلسفیانہ خیالات کا اظہار ہوا ہے۔ ان کی نظریہ نہ کہ بیان اور نظریہ بھی بہت
 مستحکم ہیں۔ دیگر لکھی تصنیفات میں سوسائٹی کی حالت بیان کرتے ہوئے
 باہم احساس کی کامیابیوں کو بیان کیا ہے۔ اور ان کی اصلاح کیلئے اپنا خیال ظاہر
 کیا ہے۔ "نظمِ نازنینی" اور "سید کا تجربہ" میں توحید کی تعریف تقریباً ہر صفحہ میں نمایاں ہے۔
 ان دونوں کتابوں میں بہت سے گیت بھی موجود ہیں جن میں دیوانت فلسفی
 بیان کی گئی ہے۔ دیوانت فلسفی اور تصوف کے درمیان بڑی مشابہت ہے
 اس لئے بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ دیگر لکھے اپنی تحریر کے ذریعے سے
 جس طرح دیوانت فلسفی کی تعریف دی جا رہی ہے۔ اسی طرح تصوف کی تعریف
 بھی انھوں نے لوگوں کو قائل کرنا چاہا ہے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے
 خصوصاً بنگالی کے مسلمان برہمنوں میں پھیل گئے ہیں۔ دیگر لکھے والے سماجی و مذہبی
 دیگر راجہ رام مرہن رائے کے مشورہ کا جواب میں سے تھے۔ نازی زبان کی بہت
 بھی یافت رکھتے تھے۔ اور وہ زبان "مانف" ہیئت ان کے ساتھ فرما کر لکھا۔ ہمارے
 صوفیوں کے خیالات کو بہت پسند فرما کرتے تھے۔ اور ان کی بہت تعریف بھی
 کیا کرتے تھے۔ اور دیگر بھی کچھ میں زیادہ تر اپنے صوفی والے ساتھ شاعری تخیل
 میں رہتے تھے۔ اس سے ان پر کچھ ہی سے حافظ کی نظموں کا بڑا اثر ہوا۔ اور
 ان کا دیگر کی نظموں میں نظر آتا ہے۔ بات بڑی مزید ممکن ہے۔ لیکن اسی
 کی وجہ سے دیگر کے عقل و لسان کی خیالات کی بنیاد کی حالت ایک حرف بھی
 نہیں کہا جاسکتا۔

بنگال میں دیگر کا تعلیم یافتہ بنگالیوں خصوصاً انھوں میں دیگر کی تعلیم
 بنگال میں دیگر کا بہت مقبول ہونے سے دیگر کا گیت ہر مذہب کا ہوا ہے
 اپنی تصنیفوں میں دیگر کی عبارت نقل کرنا لوگ باعیت فرماتے ہیں۔ خاص کر

بنگال میں دیگر کی تعلیم چند رکتہ پور پورٹی کے ابتدائی مرحلوں میں سے
 تھے۔ سرکاری ملازم ہونے کے باوجود بنگالی لٹریچر کی جو
 خدمت انھوں نے کی ہے۔ بہت کم آدمیوں نے کی ہوگی بنگالی میں بنگالیہ
 ناولوں کی بنیاد انھیں نے رکھی تھی۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں بڑی مدد
 سروساٹھ کا طرز اختیار کیا۔ یہاں تک کہ ان کے ناول درمیانِ مذہب میں
 سکاٹ کے مشہور ناول "آپو" جو کا بلاٹا جو برہمن کا ہوتا ہے۔ ان کو بنگال کا
 سکاٹ کہا جاسکے۔ ان کا ایک بہت بڑا نقص یہ تھا کہ اپنی تصنیفات میں باہم
 مسائل پر بے باک کیا کرتے تھے۔

بنگال میں دیگر کی تصنیفیں صرف ناولوں تک محدود نہیں ہیں۔ وہ بہت بڑے
 ملازم تھے۔ سکاٹ میں ان کو ایک ممبر مائل تھا۔ انھوں نے گیتا کا ترجمہ اور
 مختصر شرح شائع کی۔ سری کرشن کی مختصر سوانح عمری بھی جس میں سری کرشن
 کے ناز و دیگر کے مختلف بڑی کاما لائش (Research) موجود
 ہے۔ اور بھی بہت سی کتابیں۔ انھوں نے شائع کی تھیں۔ اس کے علاوہ ایک
 رسالہ "میر کا روشن" میں تاریکی کا تھا۔ جو بیسویں صدی کے بنگالی لٹریچر میں
 سب سے زیادہ مشہور تھا۔

گوش چندر چندر کچھ صدی کے سب سے مشہور ڈراما نویس تھے۔ انھوں
 نے جیکب کے چند ڈراموں کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ بنگال میں تجزیہ کا علاج بہت نوجوانوں
 سے ہے۔ تجزیہ کی ترقی کے لئے جن لوگوں کے کوشش کی ان میں گوش چندر
 صحت اولیٰ میں ہیں۔ اس کا بنگال کی تھیٹر میں بڑی مدد ہے۔ ہرپ کے تجزیہ
 کا لفظ اپنا جاتا ہے۔ پہلے بنگالی تھیٹر میں عورت کا پارٹ کچھ سے لیا جاتا
 تھا۔ لیکن اب یہ نقص دور کر دیا گیا ہے۔ ڈرامے اور تھیٹروں کا اس حیثیت تک
 پہنچنا گوش چندر کی کوشش ہی کا نتیجہ ہے۔

فون چندر بیسویں صدی کے مشہور شاعریوں
 سے تھے۔ اس کے ادبی تصنیفوں میں چند عورتیں بھی نظر آتی ہیں۔ جن میں
 سرنگامی دوی کا نام خصوصیت سے نمایاں ہے۔ جو قبیلہ کی ہیں۔ اور
 اب تک زندہ ہیں۔ تیار سچ اور سچ کا چرچا بھی ان دونوں میں بہت ہو گیا تھا۔
 (۸۰) **صمدی** بیسویں صدی کے ابتدائے بنگال کی ادبی دنیا میں مشہور
بیسویں صدی مصنف شاعر، مترجم، فلسفی، سائنس دان۔ ریڈیو کی تربیت
 علوم میں آئے ہیں۔ افسانوں اور رسالوں کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی
 ہے۔ بڑے بڑے مصنف اتنے موجود ہیں کہ ان کے نام درج کرنے کے لئے کافی
 لمبی فہرست چاہئے۔ اس سے میں صرف چند بڑے زیادہ مشہور مصنفوں کا
 ذکر کر دیتے ہر کفایت کرتا ہوں۔

کا معاملہ سامراجیوں کا اور برطانوی شاہ و دیوتا کی کتابوں میں بہت ہے۔ ایک جھڑپی کی کتاب میں جس کا نام "دیبا تو سوسائٹی" (آرٹھی سماج) بنگال کے دیہات کی زندگی کو کس قدر صیح طرح پر بیان کیا گیا ہے۔ کتاب پڑھنے وقت معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام واقعات ہماری موجودگی میں ہو رہے ہیں۔ اس کتاب کو خود مصنف نے ڈرنے کی صورت میں بھی شائع کیا ہے۔ جو مکلفہ میں کئی بار دکھایا گیا ہے۔ پرتھوی میں جو ایک مشہور کتاب ہے، اس میں انہوں نے دکھایا ہے کہ عام لوگوں کے خیال میں جو چیزیں بڑی معلوم ہوتی ہیں، یہ ضروری نہیں کہ وہ چیزیں حقیقت میں بھی بڑی ہوں۔ اور فخرناوی سی کر دوسری رنگینی کی وجہ سے سوسائٹی بن لوگوں پر عینت بھیجا کرتا ہے، ان کے اندر بھی جو اس پر اسے موجود ہوتے ہیں۔ اس کتاب کے ذریعے سے اس مشہور مصنف نے اخلاقی تضام کی ایک پیمل پیدا کر دی ہے۔ اس کی وجہ سے ان پر بڑے بڑے اعتراضات بھی کئے گئے ہیں۔ اور کتابوں میں بھی اس برے کے خیالات موجود ہیں۔ مگر اختصار کی خاطر ان کا الگ بیان نہیں دے سکتا۔

شرع چھڑی کی کتابوں کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ ان میں مصداق پرے کا حملہ نہیں کیا گیا ہے۔ جو بہت سے ہندو مصنف اپنی تنقید کے یہ کہتے ہیں۔ اور دوسری خوبی یہ ہے کہ ان کی زبان بہت صاف اور سلیس ہے۔ لغوی جذبات کا بیان آسان الفاظ میں اس خوبی سے کرتے ہیں کہ پڑھنے والا حیران ہو جاتا ہے۔

مسلمان مصنفوں میں سے مولانا محمد ابراہیم خان "ابو بکر" بھی "مولوی نوذکر" "سامینا" و "شارم" شیخ فضلہ علی، ڈاکٹر محمد شہداء اللہ پروردیہ، ڈاکٹر سیدی قاضی نذیر اسلام وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ قاضی نذیر اسلام "جامعی شاعر" کے نام سے مشہور ہیں۔ کیونکہ ہندوستان کی سیاسی اور روشنی آزادی پر ان کے ناول اور ان کی نظمیں بہت پرورش پرتی ہیں۔

بنگال کی خاتین میں سے بھی بہت اچھی لکھنے والی بیلا بھل ہیں۔ بیلا کی بہن شریستی سونا گامی، دیوی کا کوکیتہ ہو چکا ہے۔ ناول اور اسٹاڈ لکھنے میں انہوں نے دیوی سونا پاؤ دیوی، عسری والا دیوی، اندرا دیوی، سینا والا دیوی، مسز کاہن سین، وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ سوسائٹی اور مرقوں کی تعبیر کے اصلاح کے لئے سینا والا دیوی، جیو تریستی، دیوی وغیرہ کی مذمت قابل قدر ہیں۔ اور ان کی موجودہ کتاب "جیو تریستی" خوش گوار اور امید افزا اثر ہو رہے ہیں مسلمان خاتین میں آر۔ ایس جین نے اس کام میں بہت جد لی ہے۔

بعض بنگالی اخبارات معنوں، کاغذ، چھاپہ، قیمت اور اشاعت کے لحاظ سے اعلیٰ پائے کے نگین ہیں۔

جمہور سماج میں نوذکر کو ایک ہیرو سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ ان کو ایک مدینک نام کی حیثیت دی جاتی ہے۔ لیکن چونکہ نوذکر اور برہمن سماج موجود ہیں۔ اور بہت پرستی کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس لئے بعض تنگ دل ہندو بیوروکریٹس نے انہیں سے منعید ہونا باغیٹ زہن خیال کرتے ہیں۔ اس قسم کا خیال شروع میں بہت غالب تھا۔ مگر جب سے بیوروکریٹ شہرت ساری دنیا میں ہو گئی اور ان کو ذلیل پڑاؤ بھی مل گیا۔ اس وقت سے اب اسے لوگ بہت ہی کم نظر کرتے ہیں مسلمان رچا نوذکر بھی بیوروکریٹ ہندوؤں سے کم نہیں ہے۔

بیوروکریٹ کے خیالات بیوروکریٹ کے متعلق اس مضمون میں تفصیل کی گئی ہے۔ بیوروکریٹ کے خیالات انہیں۔ اس لئے میں اختصار کے ساتھ چھپے عین کر دیتا ہوں۔ انہیں صدی کی نصف پہلے کے زمانے کی ہندوستانی تہذیب نے تہذیب پرکرت سے بیوروکریٹ کے معنوں اور انہیں موجود ہیں۔ موجودہ صدی کے ابتدائی چند سال میں جب کہ سوشلسٹ تحریک شروع ہوئی۔ اور ہندوستان کی سیاسی آزادی کے لئے سرحد ماؤتہ نہری کی اور ان کے پیروؤں نے عہدہ برطرف کر دی۔ تو بیوروکریٹ نے بھی بہت سے قومی گیت لکھے۔ جو آج کل کی سیاسی مجلسوں میں گائے جاتے ہیں۔ لیکن آج کل کی نفسیاتی تقریباً تمام ہی نفسیاتی نہیں۔ ان لوگوں کی سرور کی خاص وجہ ایک اور موضوع کی طرف ہے جس کا مقدمہ "وٹا بھائی" کے لفظ سے اور اس وقت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قریب قریب انسان کو برہمن سے ایک حیثیت دلایا جائے جس طرح آج کل مغربی قومیں مشرقی ممالک کو گرفت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ یا جس طرح طاقت ور قوم کو کمزور قوم پر ظلم کرتی ہے۔ اور اس کی یہودی کھیلے ادا نہیں کرنا چاہتی۔ جو بیوروکریٹ کو پسند نہیں ہے۔ "میں سنا" کی ایک نظم میں اس دنیا کی تمام قومیں ہندوستان کے سمندر کے کنارے پر اسٹیج ہو گئی ہیں۔ اس ملک کا لندن زمانہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ بیوروکریٹ کی ہمت کی گمانہ تو ہیں۔ یہاں آکر نوذکر ہندوستان میں دل لیں گئی ہیں۔ اس لئے ہندوستان اس کے لئے سب سے مناسب، کہ ساری دنیا کی تمام قوموں کو کسی ملک میں ملا دیا جائے۔ اس نظم میں یہ دعوت دی گئی ہے کہ مغربی اور مشرقی مسلمان اور عیسائی برہمن اور انچھوت، اس پاک مقصد کے لئے اکٹھے مل جائیں۔

موجودہ بنگال کے سب سے مشہور ناولست ہیں۔ ان کا دو مشہور چند پیمیں "دیبا تو سوسائٹی" کی کتابوں سے زیادہ مقبول اثر ہے۔ انہیں شریستی چھڑی کی کتابوں میں جمودیت

کے خیالات بہت غالب ہیں۔ اور ان کی کتابوں میں سوسائٹی کے صرف اعلیٰ طبقے کو ہی ذکر نہیں آتا۔ بلکہ عام لوگوں کی سوسائٹی کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ خواہ وہ مشہور ہیں۔ خواہ وہ بنگالی معمولی لکھنے والا اور بیوروکریٹ

ہیں اور اقتصادیات کے بہت بڑے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔

بنگلہ کی ادبی آوی سوسائٹی

بنگلہ کی ادب کی اصلاح و ترقی کے لئے مدت سے ایک سوسائٹی قائم ہے جس کو ”بنگلیا ہیتا پریٹ“ کہتے ہیں۔ بڑے بڑے مشہور اہل قلم اسی کے ممبر ہیں۔ اس کا رسالہ بھی شائع ہوتا ہے۔ اس کے اعراض پر غور کر لے کے ہر سال ایک کانفرنس ہوا کرتی ہے جو بنگلہ کی ادبی کانفرنس کے نام سے مشہور ہے۔ اس کانفرنس کی خاص شاخیں چار ہیں۔ ادب تالیف، فلسفہ اور سائنس، پوری کانفرنس کا ایک عام صدر ہوا کرتا ہے اور پھر ہر ایک شاخ کے لئے الگ الگ صدر بنایا جاتا ہے۔ یہ کانفرنس تقریباً پچیس سال سے قائم ہے اور ہر سال ایک بار منعقد ہوتی ہے۔

عبداللہ بنگلہ

اخبارات کا مطالعہ کر سکتے ہیں مثال کے طور پر روزانہ ”سیاحتی“ کا نام دیا جاسکتا۔ رسالوں میں سے مضامین، تصاویر اور شاعری و شہرت کے لحاظ سے ”پیراماسی“ جہاں روش اور ”ہور پرستی“ کے نام سے مقصد میں شمولیت نے بھی کئی رسالے نکالے ہیں جن میں سے ”جمہوری“ اور ”سوغات“ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان رسالوں میں ہر قسم کے مضامین شائع ہوتے ہیں نظریات بھی کافی حصہ جتنا ہے۔ خاص ادبی مضمون سے لے کر ناول، ڈراما سائنس، فلسفہ، تالیف، تعلیم، صحافت، مذہب، سیاست، صحت، علم، طب و دیگر کسی کو چھوڑا نہیں جاتا۔ رسالے پیش رفتاری بننے ہیں اور مضمون نگار بھی ہندو مسلمان، مرد و عورت پیش رفتاری۔

کئی سال سے خاص سائنس کی اشاعت کے لئے ایک رسالہ ”راکتی“ بھی شائع ہوتا ہے۔ اس میں ہر قسم کی سائنس، مضمون لکھے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر ستیہ چرن لالہ، ہانی اور ایڈیٹریں۔

بنگلہ کی اقتصادی حالت کی اصلاح کیلئے بھی ایک رسالہ نکالا گیا ہے جس کا نام ”آسٹاک کیتی“ (اقتصادی ترقی) ہے۔ اس کے بانی اور ایڈیٹریں فیلیٹ کمار رسکاریں جو پچہ سال تک مختلف ممالک کی سیاحت کر چکے

دربائے راوی

یا کوئی شمشیر میرا میں پڑی ہے بے نیام
سامل خود راہ کی الفت کا دم بھرتی ہوں میں
شاہد! میں خاموش ویرانے میں گھبراہتی ہیں یہ
کچھ ادھر بکھری ہوئی ہیں کچھ ادھر بکھری ہوئی
کرستے ہیں دل پر اڑ آزاد ملاحوں کے گیت

ہے سکوت شب میں راوی ناز سے محو خرام
چاند کی کرنوں سے لہرس شوخیاں کرتی ہوں میں
پتھروں سے بلند آواز کے ٹکراتی ہیں یہ۔
کشتیاں ہیں ٹیل سطح آب پر بکھری ہوئی
ہیں نغما میں غمشتر آزاد ملاحوں کے گیت

جس کے ماتم میں فرشتوں کا گریباں پاک ہے
سے نمایاں ہر دروہ دلوار سے شان کہن
خاندان مندر کا عدل پر دروہ تاجدار ؎
رود راہوں دیکھ کر ٹوٹی ہوئی بارہ دری
کرد یا پامال میں کوگر و شش تپام سنے ؎
غلوہ سنج آسمان ہے آصف اللہ کی قبر
کعبہ ارباب دل نور جہاں کی قبر ہے ؎

یہ کنارے پر مگر کس کا مزار پاک ہے
یا دوا کا محمد رفتہ ہے یہ الوان کہن
سوزنا ہے اس میں ایک خوابیدہ اختر تاجدار
صاف آتی ہے نظر ٹوٹی ہوئی بارہ دری
ایک فرسودہ عمارت کے گھنڈوں میں ماسنے
دہ تجرود میں مٹا ہے آصف اللہ کی قبر
اور اس کے متصل نور جہاں کی قبر ہے

میں یہ سب سامان لئے دل تیری عزت کیلئے
سرہر غمناں ہے یہ چشم بھیرت کے لئے

عارف

جنتِ جدید

مذہب کی گونا گوں ایشاد توں، برکتوں اور عہدوں میں جو دل آویزی، جذب اکوش جنت کر حاصل ہے۔ وہ بحیثیت مجموعی شاید ہی کسی کو نصیب ہو۔ حضرت تیسرا محض دل کے ہلکانے کا سامان خیال کریں تو کریں۔ اور دنیا کے کثیر حصے کی سمیٹ اس کی بخش یا دین کٹ جاتی ہے۔ جنت کا دواہر یا خیال با اعتماد جو کچھ بھی ہو۔ کسی ایک مذہب سے خاص نہیں۔ بلکہ دنیا کے کچھ مذاہب کی مجال اس شمع کے دم سے روشن ہیں۔ فطرت انسانی کے ایک ماہر متاع کی طرح مذہب سے بھی جنت جنت کو بے نقاب کرنا نظر فرما دینا جنت میں خیال کیا۔ اور استدعا اور تشہید کے پردہ زنگاری کی اوٹ سے ایک ایسی جگہ دکھادی کہ اس ذہیل عربی میں ہر ہر دوسرے انسان کی ضیاء طبع کا سامان نظر آتا ہے حقیقت جنت پر فقہانہ یا فلسفیانہ انداز سے نظر نہیں ڈال رہے۔ اس لئے اس موضوع پر کسی "عبدالمعین" تبصرے کی توقع بحث ہے۔ یہ نام بھی پیشواؤں اور شب نامہ دار زبدهوں کا کام ہے۔ رند تباہ حال کو ان کے احاطہ اختیار میں در آنے کی نہ ضرورت ہے۔ اور خدا جانتے ہیں۔ امید ہے کہ اس طرح یہ حضرات بھی ایک ضیاء انجمن کی خلوت کا احترام فرمائیں گے۔ اور ایسی جگہ قدم رکھنے کی وقت نہ اٹھائیں گے۔ جہاں ان کے نزول اجمالی کی نہ ضرورت ہے۔ اور نہ اعجازت۔ و جنت کی کلمہ برداری انہیں مبارک لیکن بیان و معانی کے وسیع میدان میں جہلا ہی جھٹ سے ہیں ان کا کوئی حربہ تکمیل سے لیکر بزم تک نہیں روک سکتا۔ احسان فراموشی کی اور بات ہے۔ ورنہ ہم نے تو باسی پھولوں کے بارگاہ رکھنا ہے تو دوسرے کے کھلنے سے کھلنے کے لئے نہیں۔ اگر ان کا وسیع ہو تو شامہ قابل علاج ہے۔ ہم سزاوار دار ہیں۔ جنت کی پرامن حقیقت کو احساس خاموشی کی تکلیف سے دیکھیں۔ تو اس میں ہیں آب زلال کے چشمے۔ دودھ اور خند کی نہریں۔ تھریا شکر کے حوض۔ حورہ غلمان کا طعنت۔ ڈرائے اشارے پر قدم ہیں جو نواں سیوہ دار درخت نظر آتے ہیں۔ مگر فصل کبشب یہ چیزیں نہیں۔ بلکہ ان کے تناثرات کی شمع میں جنت میں ملتی۔ اور اس پردہ میں کیا کھلے گا۔ کوئی نہیں نہیں سکتا۔ تہذیب و تمدن کے موجودہ دور تو موقوف بخداد ان تشبہات کو ٹھٹھٹھ ساٹھے میں ڈال جائے۔ تو ایک لطیف حدت طرازی کے علاوہ دست نظر کا باعث ہوگا۔ زمانہ کی ذہنیت کے ساتھ اگر جنت کا بھی یہی بدل جائے تو کیا معنی پڑے گا۔ تو بھی بدل کر اب تو زمانہ بدل گیا۔

شاہد ہرمان حدود سے مجاہد کر رہے ہیں جس سے آگے بڑھنے کا فتنہ نہ نگاری روا داریں۔

مطلوب ہے۔ آخر صد محض نے محسوس کیا کہ ہمیشہ و عشرت کا فخر شروع ہو گیا۔ تو وہ بطور دعا سے خیر آخری نظر کر کے کے لئے کھڑا ہوا۔ شاہدین کے کام گڑھے اور ارتعواں جام ڈالنے لگے۔

بہر سے احباب کو نورہ مبارک اسب سے پہلے اس فرخندہ روزگار جماعت کی محبت کا جام، جس نے اس سے تھوڑی سی عمر بھی اپنے اراکین کو کھیر دیا اسے نجات دلا دی ہے۔ یہ رہی جسو کی صحت جس نے پولیس کو ناک چنے چوسا ہے ہیں۔ اور دن ڈالے کو بیٹوں کا اور ڈھانچا تک خدمت میں حاصل کیا ہے۔ ہمارے یہاں بہادر۔ جفاکش۔ اندہمرد جی نوع انسان (تقدیر) بھائی بچہ تقدیر نہ کریں بوجاہے۔ سیرن کے جیلوں کو روپے۔ پیسے۔ گولڑی بچرے بنگلہ بار کرے ہیں سماج کی جو نظیر شان خدمت کی ہے۔ محتاج بیان نہیں۔ دہلی میں آپ کے کمال کے جرنلے آڑے ہیں۔ جسوٹ کے مخبر آبدار کس سندھوستان بھر میں و حوم ہے۔ کون ہے۔ جو اس کا لونیا میں مانا۔ دس لاکھوں کا خون بہا کر بھی۔

اگرچہ انکسار۔ ہنوا اپنے شمس سرخرو خیال نہیں کرتا۔ زمین کے چمن بھر

لق و دنی سنان جہل میں جو آمد و رفت کے تمام وسائل سے محروم ہے۔ ایک بیع الشان مکان آسمان سے تیار کر پڑے۔ آدل تو کوئی آنکھوں والا آدمہ سے گندنا ہی نہیں۔ اور جو دیکھو کوئی مجنون و فریاد کا جاشین جوش خیزن میں آئی بیٹھے۔ تو درخت اور بیلین طرح پرکھنا تو پ چھائی ہیں۔ مجال کیا کسی کو اس گند سبز پیش پر مکان کا گمان ہو۔ صبح کی گناہ و درہنہ۔ اور تو طلوع آفتاب کی زندگی کشش کر لیں کھڑکیوں سے مکان کے پرنکھت کر دیں جن گومر رہی ہیں۔ محض شب کی گواہی سی باتیں نہیں دیں۔ پھر یہی خسار آلودہ آنکھیں کسی کی انگڑائی پر تڑپنا ہے۔ کو موجود ہیں۔ شمع روشن تو ہے۔ مگر وہ۔ روشن کے سامنے اس کا چراغ نہیں جلا۔ مہینہ کھانا ہے۔ کاسامان موجود مگر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کاس کا اہتمام کسی پھوڑے پر ہے۔ کافقہ میں ہے۔ جو سلیقہ سے کام لینا اپنی روٹیاں کے تھیں پھیل گئی ہیں۔ نیز کے گرد عورتوں اور موہل کا جوا ہے۔

ان کے چہرے سے تپا ہے۔ میں کاس وقت سرود و مسرت سے سیر جو کھینچے۔ اور ان میں بھرے تنازعہ نگاہ کی آنکھوں میں پھنسنکڑا دیو غل

کی نفرت اور عقارت کی انتہا نہ رہی۔ اس کی شکل نے سالار کی نگاہ کو بڑھا دیا۔ پیشانی کا چہرہ کچھ گیا۔ اور سرخ آنکھوں نے فطرت کی کڑائی کا پتہ دیا۔ لڑکی سالار کی واحد غامضی تھی۔ اور یہی سن طریق سے مالک کو دق کرنا اس نے اپنا شمار نہ کیا تھا۔ سالار کے آنکھوں سے تنگ آ گیا تھا۔ کئی دفع جواب دیا۔ مگر سے ٹھل باہر کیا۔ لیکن اسے نہ جانا تھا نہ جی۔

— اور سالار کے سینہ پر مرمیگ دے لے کیسے اس گھر میں اپنی جوتی کو لا کر نہ دیا۔ لڑکی آسمان کی طوفان دیکھ رہی تھی۔ اور زمین پر چل رہی تھی۔ اس حرکت کا یہ بیوقوف لازم تھا کہ وہ ٹھوکر کھائے۔ چنانچہ اس نے ٹھوکر کھائی۔ اور عین اسوقت گری جب ایک موٹر لاری بھی وہاں کی گڑھی سالار نے جھپٹ کر لڑکی کو زور سے بچایا۔ اور خود لپٹ میں آ گیا۔ لڑکی تو اپنے پاؤں پر کھڑی ہوئی۔ مگر سالار ہسپتال جا ہوا۔

سالار صبح سے محو رہا تھا۔ خدا جانتے تھے۔ میل نکل گیا۔ مگر وہ تازہ دم تھا۔ ذرا تھکان محسوس نہ ہوئی تھی۔ ہوا خوشگوار تھی۔ مگر دھوپ میں چلنا بھی گراں نہ گذرتا تھا۔ سب خوش و خرم نظر آتے تھے۔ ابھی بھی تو ایسا نہ ملا۔ جسے غرض زمانہ کی شکایت یا دنیا کے وطن سے شکوہ ہو سلا۔ نے دوا ایک ریڈیو کی جھیروں کی طرف ناٹھ پڑھایا۔ مگر انہوں نے فسکر کر خود ہی اپنی جبین خالی کر دیں۔ جبران تھا یہ کون مقام ہے۔ دہلی و شاید!۔

جھپٹ کر محسوس ہوئی۔ تو ایک جوتی میں گیا۔ داخل ہوا۔ تو ایک

غلام سا ملا جس سے اس کی پہلے کی جان پہچان تھی۔ یہ ان تھا۔ کہ وہ یہاں کیسے آیا۔ کھانا کھا کر چپکے سے نکل آیا۔ مگر کسی نے بل کیلئے اس کا نائب نہ کیا۔ جیب میں ناٹھ ڈالا تو سگریٹ کی ڈبیہ نکل آئی۔ ایک عدد نکالا نکھلایا۔ اور ایک پارک میں بیٹھ کر کھانے لگا۔ اتنے میں چند دن کا صدمہ گھٹ گیا۔ بچایا۔ ناچیس روکوں۔ اور چل گیا۔ سالار بہت غصہ ہوا۔

دو دن وقت بل رہے تھے۔ مگر سالار ہنوز سرگرم خرام تھا۔ ایک لمبی سڑک سامنے تھی جس کے دونوں طرف صنوبر کے درخت چھوڑ رہے تھے۔ اور ان میں جا بجا بجلی کے سڑکے اور کٹھن لپٹ دیئے تھے۔ سڑک ایسی مسیدھی تھی کہ جہاز کا ایک سڑک سے دو قدم آگے نکلی تھی۔ پر سڑکوں اور پیچوں میں بے ہوش ہونے کے برابر کے چھوٹے مشام جان تک کو محسوس کر رہے تھے۔ مگر اسے غلط یاد نہ تھا۔ اس نے انک کی کیا کیا۔ کہاں

کہاں پھرا۔ کیا کہا یا بعد وقت کا حساب کیا تھا۔ خیال آیا۔ خدا کا نامیں۔ اور قیمت آزمائیں۔ جب میں ناٹھ ڈالا۔ دوا خیر نہیں ہو جوتی تھیں۔ اس جیسے گماگ قرار باز کے لئے یہ کافی تھی۔ زیادہ مر رہا تھا۔ نظر اٹھا کر دیکھا۔ تو قرار خا نہ سنا تھے تھا۔ وہ یہاں تھا۔ کہیں نے مانتی کا ہار کا تھوڑا سا

بیدنی کے لباس میں لیگت کی تفریح طبع کا سامان بہم پہنچایا۔ وہ ٹھوکر نہ تو ضرور ہے۔ لیکن غلطی کا طعنے قابل قدر ہے۔ کہ دس ہزار کی گرانقدر نفرت خزانہ عامہ میں داخل کی جوتی ہے۔ اس طرح مٹو کی کے عشوہ و ناز۔ راز۔ و نیاز افلاک گھاٹ سے امیر نادوں کا جو رویہ منظر چھنے سے اس کی قدردان سوت تک پچاس ہزار سے آگے نکل گئی ہے۔ سب کی خدمت کا جادو کا نہ اعتراف وقت کی لہذا سے باہر ہے۔ لیکن وہ یقین رکھیں۔ کہ ہمارے دلی جذبات لشکر و احسان سے لبریز ہیں۔ ماحضان کے وجود کو یہ جماعت رحمت پروردگار خیال کرتی ہے۔ لیکن معراج کمال پر پہنچنے کے لئے ابھی بہت محنت اور سرگرمی کی ضرورت ہے۔ حکومت کے خزانے۔ بینک جو برہنوں کی دکان ہیں۔ اور باب نشاط کے زیورات وہ چیزیں ہیں جن کا ہمارے پاس کوئی نمونہ موجود نہیں۔ ہمارے اس سالانہ جلسہ کے آئندہ انعقاد میں ابھی ایک سال کا طویل عرصہ چاہیے۔ کون مرے کون بچے۔ مگر جیسے یاد رکھو۔ کہ موت کا پتہ ابھی کسی میں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتا۔ جنت نہ بھی۔ دوزخ تو کہیں نہیں گئی۔ جہاں چار دیواری نہیں گئے۔ دوزخ دیکھ ابشت جو جاگتی اٹھائے سب نے نکال اٹھائے۔ مگر دوا ایک کا پ رہے تھے۔ اور چارپاچ کے چہرے زرد ہو رہے تھے۔ لیکن یہ زردی زعفران سے نہیں۔

سکرت سے ملتی تھی۔

سالار اور زمین کی موڑ اپنا راستہ آپ بناتی نکل گئی۔ اور شمر کے ایک خوبصورت بالائے کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔ زمین اتری اور پامان پر کھڑے کھڑے ہوئی۔

ایک دفعہ نہیں بار بار کھڑی کسی کا پاند ہو کر نہ مری سرشت کے خلاف ہے۔ لیکن یہ شادی کا جھگڑا ختم ہونے کو نہیں آتا۔ اگر یہ زندگی جیسے پسند ہوتی تو اسوقت میری موٹر قہر آنا دی سے نہ اپنی ہوتی۔

لیکن مجھ سے شادی آپ کی آنا دی میں نکل نہ ہوگی۔ اور ہم ایک بیان ہو کر ماری جماعت کو شمع میں سے آئیں گے۔

تو کل جواب دہی؟

ضرور؟

بلا سائل؟

سالار اپنے سکن کے قریب پہنچا۔ تو دور واز سے اسے ایک گڑبگڑ صورت پر دے دے کی غلطی لڑکی نکل۔ اس کے ایک ناٹھ میں دوتی کا گھڑا تھا۔ اور دوسرے میں دو دھ کا ایک پیالہ۔ اسے دیکھ کر سالار

کر کے کہنے لگا۔ کہ حضور کو اشرہ سے کیا شکایت ہے۔ ابراہیم نے بات کاٹ کر کہا یہ اچی نئے آئے میں۔ یہاں کی معاشرت سے آگاہ نہیں۔ آہستہ آہستہ جان جائیں گے۔ آپ جانیے۔ کوئی بات نہیں۔ سپاہی مسکرا کر چلا گیا۔

سالار حیرت پر حیرت ہو رہی تھی۔ بھیتا یہ کیوں نہیں کہتے کہ کہاں ہوں۔ ظاہر عالم خواب تو معلوم نہیں ہوتا۔ ابراہیم۔ اسے جنت کہتے ہیں۔

سالار۔ اسے جنت! مجھے کیسے بار ملا۔ یہاں۔

ابراہیم۔ ایک بیکس تھیم لو کی کی پرورش اور جان بچا نیکیا میں۔ سالار۔ بس۔ اویس کے گناہ۔ حرف غلط ہو گئے۔ اور یہی ایک نیکی نے اتنا بڑا دفتر دھو ڈالا۔ سچ ہے تیرے بھینے کے ڈپنگ نیارے ہیں۔

نور الہی محمد عمر

کر یہاں لار کا کھا۔ خیر وہ داخل ہوا۔ واؤں کھانے شروع کئے۔ اور تھوٹی دیہ میں اس کے سامنے اشرفیوں کا انبار لگ گیا۔ اتنے میں اُس نے سنا کوئی اس کا نام لیکر پکار رہا ہے۔ پھر کسے دیکھا۔ تو ابراہیم تھے۔ بڑے تباہ سے ملے۔ اسے وہاں ابراہیم پوچھو خوب ملے۔ ذرا یہ تو بتانا۔ میں ہوں کہاں آخر! کبھی بھٹتا ہوں۔ دہلی ہے کمی ماحولی کا ملہ۔ اور چاروں طرف سے مہجریں۔ گل اندام لڑکیاں اگر ناپچے کئے گھس ان کے بافتوں میں شراب کے گلاس تھے۔ اور ہر ایک آگے بڑھ کر نہایت ادب سے سالار کے آگے پیش کرتی تھی۔ اور وہ چڑھائے جاتا تھا جب سب گلاس ختم ہو گئے تو وہ بچا گئیں۔ سالار نے کہا۔ رنگ دلو تو خوب تھے۔ مگر حوام ہے۔ جو خدا بھی سرور ہو۔ ادنیٰ دکان پھیکا پکوان! کہ غبت یہاں بھی پانی پلائے میں۔ اب بھاری والے خدا جانے کہاں ہر گئے۔ کوئی نہیں پوچھتا۔ ابھی سالار نے اپنا لیکچر سمیٹ لیا تھا کہ ایک شخص ودی پہنچے پرتلا لگائے آیا۔ اور فرشی سلام

طاؤس

یہ کیف گر وشت پر برسات کا موسم + یہ وجد کا عالم
ہے رقص میں طاؤس کہ اک رنگِ مجسم + رقصیدہٴ پیہم

سینا ہے کلیسی ہے کہ ہے سینہٴ زریں + یا چنہٴ اسیمیں
جنش میں ہے اعجاز سے اک فانی نہیں + یا گرون پر غم

نیوفری دم پر ہیں یا پاشیدہ جو ابرو + یا چرخ پر اختر
یا نیند سے جا رہے ہوئے بڑے کی جبین پر + ہے رقص میں پیہم

موسیقی صحرانویں وجہ میں رقصاں + صد رنگِ ملال
یا نغمہٴ سہرے کوئی طاؤس خسراں + برہم نغم

اسے جان تو غم! یہ تیری زمزمہ سازی + جذباتِ نوازی
یہ سلسلہٴ مستی الحانِ مجازی + یہ نغمہٴ پیہم

مدِ ہوشی "محبتِ کامل" سے جو جھوٹا + طاؤس نہیں تھا
میں نے ہی نہیں آج تو نظرت لے لیا + لٹے کو مجسم

روشِ صدیقی

سیر یورپ

(طبقات شمالی کا ایک افسانہ)

گذشتہ سے پیوست

گئے۔ ان کے بعد مسٹر بیکر بھی اپنی صاحبزادی کے پاس چلی گئیں۔ ان کی جگہ ٹوہمان آتے جاتے رہتے۔ کوئی چند دن بیٹھتا۔ کوئی کچھ زیادہ عرصہ تک قیام کرتا۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ مناسب مقامات پر آتا رہیگا۔ انیس کے ساتھی جب کیمبرج چلے گئے تو انیس کو رائلش کے لئے ایک بڑا کمرہ مل گیا۔

پہلے دن ناشے کے دوران میں انیس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ سب سے پہلے اُسے پیشکش ہوئی کہ کہاں سب کے لباس ایک طرح کے ہیں۔ اور سب کی شکل و شماری بھی ایک جیسی ہے۔ مجھے تو انہیں شناخت کرنا بھی مشکل ہو کر گیا۔ پھر اسے خیال آیا کہ مگر کس بازاں اور چوک بھی قریب قریب ایک ہی جیسے ہیں۔ میں اپنا راستہ کیسے معلوم کر دوں گا۔ ہمارے کھانوں کی فہرست کے مطابق اس کا خیال تھا کہ عام گھروں میں بھی کھانوں کی ویسی ہی افراط اور کثرت ہوا کرتی۔ اس میں کبھی اس کو بالہوسی ہوئی۔ کیونکہ کھانا گو اچھا اور کاکی تھا انیس ہمارے کی طرح قسم قسم کا نہیں تھا ایسے ہی مختلف خیالات کے ساتھ ساتھ اُسے مکان کی مالک اور

دوسری دونوں خاتونوں کے سوالات کا جواب بھی دینا پڑتا تھا۔ سفر کیسے کرنا؟ کھانا تو نہیں ہے؟ اور اسی تو نہیں معلوم ہوتی؟ آج ہوا تو موافق ہے نا؟ کیوں یورپ کیسا پسند آیا؟ وغیرہ۔ انیس کو حیرت ہوئی کہ اتنی خیمگی اور اصرار کے ساتھ یہ باتیں تو بھی جاری ہیں۔ کچھ عرصہ انگلستان رہ چکے تھے بعد اسے معلوم ہوا کہ اس قسم کے سوالات یہاں کی تواریف کا ایک مفروضہ ہی جو ہیں۔ چنانچہ دوسری

صبح جب انیس ناشے پر آیا۔ تو مقررہ سلام کے بعد مالک مکان نے دریافت کیا کہ کرات سوئے تو اچھی طرح؟ اجنبیت کی وجہ سے نیند میں خلل تو نہیں آیا؟ اور بڑی خوشی کے لہجہ میں کہ موسم تو آج اچھا ہے۔ سورج نکلا جوابا ہے؛ انیس نے مسکرا کر ان کہیا بلکہ پھر اُسے

مس پارسنز کی عمر اس وقت قریب چالیس سال کے تھی۔ انیس کو حیرت ہوا کہ کتنی سنی کہ ایک ایسی خوبصورت تربیت یافتہ اور سنجیدہ مزاج خاتون نے اس غریب شادی کیوں نہیں کی۔ پہلے ہی دن سے یہ خاتون انیس کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتی تھیں اور رفتہ رفتہ ان کی آپس میں ایسقدر بے تکلفی ہو گئی تھی۔ کہ انیس انہیں خالکہ کہہ کر بکھارتا تھا۔ یہ بھی ہر مرحلے پر اس کی رہنمائی کرتیں اور کوشش کرتیں کہ غیر ملک کی رائلش اسے اداس نہ کرے۔ بعض دفعہ جب ان دونوں میں اختلاف رائے ہو جاتا۔ تو مس پارسنز حکم کے ساتھ بھی اپنی بات منوا لیتیں۔ انیس کو بھی ان کا اسقدر پاس خاطر ملحوظ تھا کہ وہ ہر بات میں ان کا مشورہ لیا کرتا اور ان کی رائے کے مطابق عمل کیا کرتا۔ جب ان دونوں میں سے کوئی لندن سے باہر جاتا تو متواتر خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا۔ چنانچہ خط و کتابت ہی کے سلسلہ میں انیس کو معلوم ہوا کہ پارسنز کی دو دو فرسبیت ہوئی تھی لیکن دو دو دفعہ نکاح کے دن سے دو چار روز پہلے ان کا منسوب کسی حادثہ کا شکار ہو کر مارا گیا۔ دوسرے واقعہ کے بعد ان کی طبیعت شادی کے نام سے ہمیشہ کے لئے ڈر گئی۔ اور انہوں نے اپنی زندگی دیگی کاموں کے لئے وقف کر دی۔ جب انیس لندن پہنچا تو یہ اجنبی اشاعت انہیں کی ایک شارع کی سیکورٹری تھیں۔ ان کا دفتر گردو ہی میں واقع تھا۔ اسی سہولت کی وجہ سے انہوں نے اس مکان میں رائلش بھی اخیانہ کر رکھی تھی۔

جو صاحب انیس اور اس کے دونوں ساتھیوں کو پیشکش پٹے تھے۔ وہ بھی ہر سرٹری کے طالب علم بنے اور کچھ عرصے سے اسی مکان میں رہتے تھے۔ چند مہینے کے بعد انیس کے دونوں ساتھی تو کیمبرج چلے گئے۔ اور یہی دوسرے مکان میں ٹرنٹ لے

چلی جاتی ہے۔

محب بریلوں کے سلسلوں میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں :-
 پکا ڈلی ٹیوب - جو ہر سیمت سے محل کے سوتھ کسٹمنس اور پکا ڈلی
 سسٹم سے ہوتی ہوئی فیکٹری بارک چلی جاتی ہے۔
 سٹیزل لندن ریلو سے پہلے ڈولین سے بینک تک جاتی
 تھی، لیکن اب ایک طرف تو بینک سے بورپول سٹریٹ تک اور
 دوسری طرف ڈولین سے المیاب براڈے تک وسیع کی جا چکی ہے
 یہ لائن آکسفورڈ سٹریٹ برلن میوزیم اور چاکسری لین وغیرہ سے گزرتی
 ہے۔

میکرو ریلو سے اسجنوئی لندن سے شروع ہو کر کیمسٹڈ آئی
 گیٹ - گولڈرس گرین اور اب مورڈین تک جاتی ہے۔ ان کے
 علاوہ اور بھی بسلسلے ہیں لیکن وہ بہت زیادہ مشہور نہیں ہیں۔ ہر بسلسلے
 کی ریلیں مرکزی لندن کے نیچے سے گزرتی ہیں جہاں دوسرے
 سلسلوں کے ساتھ ان کے مقامات اتصال ہیں۔ تاکہ مسافر زمین کے
 اندر ہی اندر سلسلہ بدل کر لندن کے جس حصے میں جائیں پہنچ سکیں۔
 بازادوں میں ان ریلوں کے سٹیشن دکانوں کی قطار میں بنے
 ہوئے ہیں۔ صرف باہر لکھا ہوا نام ہے کہ یہ فلاں سٹیشن ہے۔
 اندر داخل ہوتے ہی سامنے ٹکٹ لینے کی کھڑکیاں نظر آتی ہیں۔ اکثر
 سٹیشنوں پر ٹکٹ لینے کی مشینیں بھی لگی ہوئی ہیں۔ ایک آنہ - دو
 آنے - تین آنے کے ٹکٹوں کی الگ الگ مشینیں ہوتی ہیں۔ مسافر
 کرایہ کی مقررہ رقم سٹیشن میں ڈال دیتا ہے اور ٹکٹ خود خود مشین سے
 نکل آتا ہے۔ البتہ اگر یہ گاڑی واپس کرنی ہو تو کھڑکی سے ٹکٹ خریدنا
 پڑتا ہے۔ ٹکٹ لیکر مسافر لفٹ یعنی مسافروں کو اوپر نیچے لے جانے
 والے برقی بچرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ بچرے ایک ایک
 منٹ کے بعد بھیجے اوپر جاتے رہتے ہیں۔ نیچے بھیجے کوئی سرنگٹین نظر
 آتی ہیں جن میں برقی روشنی سے دن چڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے
 ان میں بہت سے نشان لگے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ ان طرف کی
 بریل پر فلاں راستے سے جاؤ پلٹ فارم پر نہ کوئی سٹیشن مانر ہوتا
 ہے۔ یہ ٹکٹ ٹکٹ نہ نقلی - ٹکٹ ٹکٹ نہ نقلی - ٹکٹ ٹکٹ نہ نقلی
 کہ مسافر صرف لفٹ سے داخل ہو سکتے ہیں۔ اور لفٹ ہی سے
 نکل سکتے ہیں۔ اور لفٹ میں داخل ہوتے یا اس سے نکلنے وقت
 ٹکٹوں کا سامنا ہو جاتا ہے۔ نقلی کی اس لئے ضرورت نہیں کہ یہ
 ریلیں صرف شہر کے نیچے چلتی ہیں۔ اکثر مسافروں کو بھاری اسباب

تھوب ہوا کہ بھلا کیوں نہ خصوصیت کے ساتھ جٹانے کی بات بھی کیوں
 نکلا جاتا ہے۔ لیکن جب انگلستان کے موسم خزاں اور موسم سرما کا کچھ
 تجربہ ہو چکا تو اسے معلوم ہو گیا کہ یہاں سورج کا چلنے کے نظر آنا
 واقعی ایک ایسا نظارہ ہے جسے دیکھ کر طبیعت میں بلاشت پیدا
 ہو جاتی ہے اور دل چاہتا ہے کہ لیکہ دوسرے کو اس پر مبارکباد دی
 جائے۔

ناشتے کے بعد انیس کے ساتھیوں سے ملنے کے لئے ان
 کے ایک ہندوستانی دوست آگئے۔ اور تجویز یہ ہوتی کہ کھانے کے
 دفتر میں آکر اپنے اپنے روپے کا پتہ لگایا جائے اور انکب آتا ہے یا
 نہیں اگر آگیا ہو تو بینک کا حساب کھول دیا جائے۔ اور ڈاک کے
 لئے پتہ بھی لکھوا دیا جائے۔ چنانچہ ہر سرستھ کے سٹیشن سے سب
 لوگ ڈسٹرکٹ ریلو سے پرسنل ہوا کی ایک فرانس سٹیشن تک گئے۔
 گویہ ریلیں بازادوں کی سطح سے نیچے چلتی ہیں اور بعض جگہ ریلوں میں سے
 ہو کر مکانوں کے نیچے سے بھی گزرتی ہیں۔ لیکن ٹیوب ریلو سے کی طرح
 یہ زمین و زمین پر ہیں۔ دونوں قسم کی ریلیں برقی طاقت سے چلتی ہیں۔
 اور دونوں ٹانڈر گروئنڈ ہیں فرق یہ ہے کہ موٹر والے کو محض بازادوں
 کی سطح سے نیچے چلتی ہیں۔ اور ٹیوب گاڑیاں بعض بعض جگہ کی سو فرٹ
 سطح زمین سے نیچے گھبراہٹ کے پیٹ کے اندر چلتی ہیں۔ لندن کے
 نیچے ان دونوں قسم کی ریلوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔ شہر کے باہر کے
 حصوں میں جہاں آبادی کھلی کھلی ہے یہ ریلیں زمین کے اوپر آ جاتی ہیں
 لیکن شہر کے پائے اور کھلی آبادی والے حصوں میں سب زمین
 کے اندر ہی چلتی ہیں۔ ہونڈون کے سٹیشن پر پکا ڈلی ٹیوب کی ریلیں
 سطح زمین سے فوراً زمین سو فرٹ نیچے چلتی ہیں۔ چیرنگ کراس اور واٹرلو
 کے سٹیشنوں کے درمیان میکرو ٹیوب کی ریلیں دریا کے نیچے سے
 نیچے سے بھی گزرتی ہیں۔

انڈر گروئنڈ ریلوں کے سلسلوں میں سے دوڑے سلسلے ڈسٹرکٹ
 ریلو سے اور میروپلیٹن ریلو سے کے ہیں۔ اول الذکر کی ریلیں
 وسنڈون - رچمنڈ - ہونسلو - ایلمنگ - ہیرو اور آکسبرج سے
 چکر شہر کے مرکز کو جاتی ہیں۔ اور مرکز سے نکل کر مشرق کی طرف بالنگ
 اور سوتھنڈ تک پہنچا دیتی ہیں۔ میروپلیٹن کی ریلیں لندن کے
 نیچے ایک حلقے میں چکر لگاتی رہتی ہیں جسے انٹرنرل یعنی اندرونی
 حلقہ کہتے ہیں۔ ایک شاخ جو ہر سمت سے چکر لگاندوئی حلقے کو جاتی
 ہے اور ایک شاخ میکرو سٹریٹ سے لنگر و بیبلے میرور اور سڈبی کو

ساتھ لجا لے کر ضرورت نہیں پڑتی۔ اور جو تھوڑا بہت سراسمان کسی وقت لپکا جائیگا بڑے توساؤ اسے خود اٹھا لیتے ہیں۔ دو تین تین منٹ کے وقفے پر ٹرین آتی جاتی رہتی ہیں۔ ریل کے کٹھے ہوئے ہی دروازے خود بخود ہی طاقت سے کھل جاتے ہیں۔ پیلے اترنے والے مسافر اترتے ہیں اور جب تک تمام مسافر اتر نہیں کوئی مسافر چڑھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ جب تمام اترنے والے مسافر اتر جاتے ہیں تو پڑھنے والے مسافر نہایت اہلکار سے سوار ہو جاتے ہیں۔ اس ترتیب کے اختیار کرنے سے صندھ سکندھ میں مسیوں مسافر برائش پر اتر جاتے اور سوار ہو جاتے ہیں۔ ان کی قسم کا شور و غوغا ہوتا ہے۔ ان کی قسم کی چینی پیدا ہوتی ہے۔ جب سب مسافر سوار ہو چکے ہیں تو ریل کے دروازے خود بخود بند ہو جاتے ہیں اور ریل روانہ ہو جاتی ہے۔

مکمل لیتے وقت۔ لغٹ میں داخل ہونے وقت۔ لغٹ سے نکلنے وقت بھی ہر شخص ترتیب اور باری سے چلتا ہے اور اس طرح تمام کاروبار اہلکار سے چلتا رہتا ہے۔ ٹرینوں میں اور پلٹ فارملوں پر پھنسی طوطہ پر پیدا کی موٹی تانہ ہوا ہر وقت تیزی سے چلتی رہتی ہے اس لئے طبیعت کسی قسم کا وجہ نہیں پڑتا۔ اور جی کا احساس نہیں ہوتا۔ برقی ریلوں کے علاوہ ٹریم اور موٹر بس کے نذر لے آمدورفت بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ ایک دو مقامات پر ٹریم کو بھی زمین کے نیچے سے گزرتا پڑتا ہے۔ موٹر بس ہمیشہ زمین کے اوپر ہی چلتے ہیں۔ برقی ریلوں۔ ٹریم اور بسوں میں کرایہ بالکل سستا ہے اور سوائے ڈسٹرکٹ اور میٹروپولیٹن ریلوں کے جن میں دور درجے ہوتے ہیں باقی سب میں ایک ہی درجہ ہوتا ہے۔ مرکز لندن میں انسان ایک جگہ سے دوسری جگہ دو تین آنے میں پہنچ سکتا ہے۔ اور دور کے حصوں میں زیادہ سے زیادہ چھ سات آنے میں۔

شہر کے جس حصے میں بھی کسی کی رہائش ہو۔ ٹریم پالس کی کوئی لائن یا برقی ریل کا سٹیشن ضرور اس کے قریب ہی ہوگا۔ بلیک ڈرائس سٹیشن سے باہر نکل کر ایس کے نظر جب بازار پر پڑی تو وہ بدمعاش متحیر ہوا۔ اس جگہ جادو نہیں ملتی تھی۔ اور جو نگرہ جگہ مرکزی حصے میں ہے اس لئے یہاں آمدورفت کی اتنی کثرت تھی اور ہر جسم کی گاڑیوں کا اس قدر جھوم تھا کہ چوک کے ایک طرف سے دوسری طرف پہنچنا ممکن نظر آتا تھا۔ لیکن ایس کو معلوم ہوا کہ مرکز کے اوپر سے

گٹ کے دفتر میں روٹینکا اور نظام کرنے کے بعد یہ لوگ اسی دفتر کے ٹاک کے ٹکے میں گئے۔ ایس کے نام کا صنف ایک خطاس کے ایک دوست کی طرف سے آیا تھا۔ گھروالوں کی جانب سے کوئی خط نہ تھا۔ اور اگرچہ اسے معلوم تھا کہ اس کے رخصت ہونے کے بعد جو خط لکھے گئے ہونگے وہ ابھی آئندہ ڈاک میں ایس کے پیچھے ہی اسے مایوسی ہوئی۔

گٹ کے دفتر سے نکل کر گڈ گڈ لٹل پیر پر لوگ ہوپ برادرین کی دکان میں گئے اور کچھ دھمال۔ چراہیں۔ کارڈنگائی۔ بنیان۔ دستاںے وغیرہ خریدے۔ ساتھے سینٹ ہال کے گے جگہ ہالیشن عمارت نظر آ رہی تھی۔ لیکن چونکہ ابھی کچھ ضروری امور انجام دینے تھے اس لئے ایس نے سیر کے خیال کوئی اہل متوی کر دیا۔

(باقی آئندہ)

رباعی

راز رحمت کسی کو معلوم نہیں

اسکی غایت کسی کو معلوم نہیں

عالم ہے اسیر دام نہ رنگ نمونہ

اصلی حالت کسی کو معلوم نہیں

رواں
ایم۔ اے

دنیاے ادب

حسن و عشق کی داستان

یہ آج کی بات نہیں ہے بلکہ اس وقت کی بات ہے جب دنیا بھر میں نئی نئی قوتیں لوگ لباس کی بنڈنوں سے آزاد اور حسن و عشق کی دل فریبیوں سے نمائندہ تھے۔ اس

وقت میں دنیا پر مشرقی تمدن چھایا ہوا تھا۔ اور نہ مغربی تہذیب کی محکموں کا ریاں تھیں۔ دنیا والے انتہائی سکون کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔ اور اگرچہ حسن و عشق کے کتب سے محروم تھے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ مذاق و ہجے کے نشروں سے بھی

ان کے جگر ٹھوٹھ تھے۔ میں تو یہ کہوں گا کہ وہ زندگی گھرے بہن کی زندگی تھی۔ جب دنیا کو پیکٹوں اور سیپکٹوں کا عالم دوڑا جس میں جن وقتوں سے اور عشق کو

توقدیر کی طلسم کاریاں جن وقتوں کو عالم دوڑا جس میں جن وقتوں سے اور عشق کو حسن سے جدا کر دیا گیا۔ ان دونوں میں ہزار ہا میل کا فاصلہ تھا۔ اور یہ دونوں

بائل ایک دوسرے سے نا آشنا تھے۔ لیکن قدرت کا یہ فیصلہ تھا کہ جس روز عشق کی مسانی کیفیت عشق کی جھین سے ہم آغوش ہو جائیں گی اس روز دنیا پھر جن وقت کی حکومت ہوگی۔

خیال کے حدود سے بہت دور ایک خوشامیز جیسے میں ایک غیر معمولی گلاب کی کالی دیکھی تھی۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس گلاب کے شگفتہ ہونے کے بعد جن کی پیدا

ہوگی۔ انسان اس دور سے باطل بنے خوشامیز۔ لیکن اس خوشامیز جیسے کے خوشامیز پردوں کے کان میں چپکے سے کوئی یہ راز لگا دیا تھا۔ اس راز کو نہ سوتا تھا کہ ہر صبح کو

طاؤن خوش الحان اس گلاب کی کالی کے گرد مڑتا نہ دارا گاتے ہوئے ہر صبح کو کرتے تھے۔ جس وقت یہ نئے پرند عالم گین میں رقص کرتے تھے تو یہ سلو مہو ہوتا تھا

کو گویا وہ اس منجے کے شگفتہ ہونے کے لئے جیسے ہیں۔ اس جزیرے سے بہت دور لاکھ دو لاکھ سال پہلے پر ایک ایسی جگہ جہاں سمندریں

ظاہر پر رہتا تھا۔ اور یہی جہاں انسان کا وہاں گزار دشا رہی ہیں بلکہ ممکن تھا۔ ایک کنول کا شگفتہ پھول پانی پر تیرتی ہوا دکھائی دے۔ اس کنول میں اس

ناشگفتہ پھول کو اپنی خوش میٹھی سے دوسرے اور صبر کی قیاس۔ اس میں کے متعلق شہر تھا کہ شگفتہ ہونے کے بعد اس پھول سے عشق پیدا ہو گا۔ سمندر کی

موجوں کا ظالم عشق کی پیدائش کا رگس سالہا سال ایک ایسی طرح کا تارا۔

اور بے چین سمندر کی ہر صبح عشق کے دیدار کے لئے تڑپ رہی تھیں۔ لیکن ابھی اس کی پیدائش کا وقت دور تھا۔

ایک زمانہ گزرا۔ اس کا ایک صبح کو خوشامیز جیسے جہاں گلاب کا ایک نیم شگفتہ نیم سلفظ پھل پھیلا رہا تھا۔ ایک پر سکون بکلی نہ سنی رہتا ہوا تھی۔

اس روشنی میں صد احسن کے جیسے فن میں قیاس کرتے ہوئے دکھائی دے۔ عین صبح صادق کے وقت گلاب کی کالی کھلی۔ اور اس میں سے ایک نیم کھال نے

مستانہ انداز کے ساتھ اس زمین پر قدم رکھا جس پر قدرت کی گھڑا کا پھول کھیل کھیل کا فرش بچھا رکھا تھا۔ اس کا حسن انسانی آنکھ کو نہ روک دے جسے لئے ایک طلسم و

رمانی کا بھر تھا۔ جن کی گلابھی۔ جو ہی اس میں کھال نے اپنے چہرہ کو لئے تھا۔ کس است خوشبو، دنیا میں صلی گئیں۔ اور اس کے حسن کی شاعروں نے طبع کر دیا

کا جامہ پہنکر دنیا کو منور کر دیا۔ حسن کی طبعیت کو کڑوں نے سمندر کی خوشبو میں رہنے والے نا شگفتہ موجوں

کی سوا ہی کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اور سمندر میں ایک جگہ جمع ہوا۔ اور جب ہلکے سطح آب سے ہلکے پھول کوئے جوئے غیر معمولی بنا ہی پر آ کر کچھ دیر کے بعد نا شگفتہ پھول

کے ہلکے پھول کی پکڑوں کے اندر ایک ہنگامی تپ ہوئی۔ اور اس جنس کے بعد نا شگفتہ پھول شگفتہ پھول کی صورت میں تبدیل ہوئی۔ اور اس سے ایک جوا

رمانی شان و دیر کے ساتھ نکل بیٹھ سمندر پر اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے کوئی پری چٹان پر کھڑا ہو جاتا ہے جس جگہ پر جواں رمانا گھڑا تھا وہاں سمندر

بائل ساکت رہا۔ لیکن چاندی حزن طوفان طوفان آنے شروع ہوئے۔ ایسا صدمہ ہوتا تھا کہ دنیا اس طوفان میں فرق ہو جانے کی سہرا دشمن کی چھٹا

فنا میں پھل گیا۔ اور دشمن کی شاعروں سے ہم آغوش ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود ایک دوسرے کا کوئی ملے نہ تھا۔

حسن جو د سالہا سال تک ایک بکری کھال و شیر کی طرح جزیرہ میں رہا۔ حسن کی کھڑا ہے حسن کی شاعروں نے دنیا کو منور کر دیا تھی۔ لیکن اس کا دل تپ

اور بھونے سے مستند کی بہوں پر بیٹھ کر وحش کی مساحت کا ارادہ کیا
ایک صاف شفاف خوشنما سند رہی ہر پریشی سیٹھا۔ اور اس کے جد مستند
ہیں بنات سکون کے ساتھ یہ ہر پریشی اور ہزاروں دھواؤں کو بے چین
آگے بڑھیں۔

آسمان پر ایک خوشنما لگا لگائی رنگ کا برعیا ہوا تھا۔ اور اس اندر سے
خوشنما چھوٹوں کی تپانیں سند پر برس رہی تھیں۔ دنیا کے تمام خوشنما پر سندے نفس زبرد
تھے۔ خنڈے سوچی کا ایک کیف یہ کہہ دیا تھا۔ یہ جو کچھ جہاں جن وحش کا اتصال
ہو نہ الا تھا جن نے عشق کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا عشق نے جن کی حلو گری کا نظارہ
کیا۔ اور جن وحش کے پیڑے اس سند میں جہاں چھوٹوں کی بارش ہو رہی تھی اُگرتے۔
حسن مینا یا عشق کی طرف بڑا۔ اوشن نے مینا یا حسن کی جانب رخ کیا عشق وحش ایک
دوسرے سے۔ دونوں پر ایک جوڑی کا عالم ہلکی آگیا۔ یہ جہاں ہر شاہکار جیسے وہ سہا
سال سے ایک دوسرے کے قیام تھے جن کی اسلیوں نے عشق کے ساتھ حلو گری کو پہلی نسبت
بنایا۔ اوشن کے ساتھ حلو گری کی سہلیوں نے مینا یا حسن کی کوئی ایک جتنی سہلیوں
اور خنڈے وحش اور جن وحش کے ساتھ حلو گری کو جس کی دنیا میں مینا یا حسن کی
حسن کی اندر رہے جس کے چہرے تمام دنیا میں تھے جہاں تھے۔ دوسرے دنیا کا کئی حصہ اس
خالی نہیں ہے۔ اور چہرے اس وقت میں جس کے جھبکے نیابتی ہے۔ (دین و دنیا)

دین میں محسوس کر رہا تھا۔ ہمیشہ جزیرے کے ساحل پر کسی کی تلاش میں گھسٹوں ہاؤس
کو فتنائیں پھیلانے ہوئے انتظار کیا کرتی تھی لیکن ابھی اس کی بے چینوں کے خم
ہونے کا زائچہ لایا تھا جن پر دست خوش ہو کر سند کے ساحل پر لوٹا تھا۔ اور اس
کے دل کی ٹرپ کسی کو یہاں دل سے ہی نہیں کسی اس کیلئے بھی پہنچی۔ اس سفر
عشق کی تپا ہوں نے سند کے اندر ایک طالع پر لکھا تھا۔ اور جو ان عشق کی دنیا
اسے اس جزیرے کے طرف صبح رہی تھیں۔ لیکن قدرت کی یہ جہاں نے اس جہاں
رہنا جس عشق کو پا بند کر دیا تھا۔ اور اس میں اتنی قوت تھی کہ وہ بائی کی گرفت
سے آزاد ہو کر اپنی تپانوں کے مرکز کو تلاش کر سکے۔ کیونکہ جہاں اس کا وقت نہیں
آیا تھا۔

آفر وہ زمانہ آگیا جب جن پر عشق سے ہم خوش ہونے والا تھا۔ اور عشق
حسن بھر دے کر زندگی کا کیف حاصل کرنے کا منتظر تھا۔ جزیرے میں ایک جگہ کو
ہزاروں پیکر جہاں حسن کی دیوایاں چھوٹوں سے نمودار تھیں۔ اور ان پر مینوں نے
نارنگ چھوٹوں سے بہت سی کششیاں کیا تھیں۔ اور ایک کشتی کو حضور سے زیادہ
آرامندہ کے چھوٹوں سے سجایا۔ حسن کو کشتی میں سجایا اور سند کے لطیف معامل
کونے کے لئے چین جہاں سند کی سطح پر تیرنے لگی۔
اس طرح ہر عشق میں سند کے قطروں سے ہزار ہا رونا پیدا ہو گئے

جان کی رنگیں شمعیں ہیں کہیں سلا ب جنوں
عشق بر باد و تمنّا عشق بیتاب جنوں
کیف سے کرتے ہیں روشن دلکوار بنا جنوں
دیکھتا ہوں میں کنوای عشق جنوں بے جنوں
مرٹ چکا ہے دل گمراہ عالم میں تپاب جنوں
حسن کی رعنائیاں ہیں مجھ کو اسباب جنوں
ہو گئی دنیا میں انداز جنس نیایا ب جنوں
صوفشال ہے مے لیس نور متاب جنوں

عابد

لالہ زاروں پر برستی ہے نئے ناب جنوں
حسن نمودار سرست حسن معمور بہار
جام کی رنگینوں سے شمع کالتے ہیں کام
جانتا ہوں میں کہ وحشت ہے نال آرزو
جوش آتا ہے ہمار لالہ و گل دیکھ کر
عشق کی مینا بیاں ہیں مجھ کو سامان نشاط
کر لیا دنیا کو آنکھوں نے تری سحر ناز
دیکھتا ہوں دل میں عابد پر تو انوار حسن

عابد

ہندی

اے میرے پی تیجے کہاں ڈھونڈوں! تیری تلاش میں کہاں
کہاں نہ گئی۔ تیری سب جو کون کون سی جگہ نہ چھانی۔ میں نے کن بیاہوں کو
لے نہ کیا۔ کن دریاؤں کو عبور نہ کیا۔ کن بیابانوں پر نہ چڑھی۔ کن جنگلوں اور
کن اودیوں میں نہ گئی۔ مگر افسوس! مجھے نہ لانا تھا نہ ملے۔ اے مجھے بھول جانے
والے اب تو جو بھی جہاں نصیب کی خبر لے۔ اے اوسیرئی! کی پانکٹ نہ پڑھ لکھتے

اے میرے مالک! رات گزر چکی ہے۔ صبح صادق کی سفیدی دست نکلی
پرنورانی چاندھیلا چکی ہے۔ سیارے ساری رات کی گردش سے ٹھک کر چور چمکے
ہیں۔ ان کی خواب آلود کھیں! ہستہ آہستہ بندھ رہی جا رہی ہیں۔ باغوں میں
کھلیاں خوابِ محشر سے سیارہ ہر گھر گھر لٹائے رہی ہیں۔ اور جوشِ طرب
سے کل کر پھول پتی جا رہی ہیں۔ مگر میں بد نصیب! ایک خوابِ انتظار ہوں۔

بنگالی

یادِ محبوب

میری یہ کالی ناگینیں یہ گھونگروالی زلفیں جبیں تجھ پر مارکتے تھے
آج تمہارے فراق میں فقیروں کی لٹوں میں تبدیل ہو گئی ہیں۔ میرا سینہ
جس پر غم اکثر افسرِ سر رکھا کرتے تھے، آج بیٹا جا رہا ہے۔ اٹ! اٹ! میں نے
اس گلدستے کے حضور دھڑکتے ہوئے ہونکلی بازو کاٹھن۔ گرمستہ محبت
کی نشانی۔ ذرا محسوس شدہ پیاری یاد۔ میری یہ چوڑیاں جو تھے مجھے
دی نصیب۔ اب فقیروں کے کرشمے بکلی ہیں۔ اودھ تھالی میں ہم تم
کھا یا کرتے تھے میرے ہر ہر جبک ملنے میں کاسہ گدا کی کا کام دے رہی ہے
میری بان۔ میرے دل آرام
ٹھک آگئی ہوں، جب کبھی نہ رہے مہلا میرا یہاں کیا کام؟ میری
ماں مجھے روکتی ہے۔ میرا حسن۔ میری جوانی۔ آہ! تمہاری دولت۔
تمہاری امانت مجھے باہر نہیں چھوڑتی۔ وہ نہ میری دلچسپی کا ٹھکانہ ہے۔ کہ
اس دنیا کو چھوڑ کر تمہاری تلاش میں جنگل کی راہ لوں لیکن میں مجبور ہوں لپٹا ہوں
بے بسی ہوں مگر تمہاری یاد میرے دل سے نہیں نکل سکتی۔ میں تمہاری ہونکلی
ہوں اودھ تھالی کیلئے تمہاری ہونکلی ہوں۔ میں تمہاری یاد میں آٹو بہاتی
ہوں اودھ تھالی کے ہماؤ کی طرح تم کیلئے بالکل ہی بھول گئے۔ میرے مالک۔ میرے
پتی تم نہیں آسکتے تو کسی بھی پہننے میں یں ہر دشمن سے ہایا کرو۔

میرے میرے باؤ اودھ دیکھو کہ تمہاری۔ آہ! صرف تمہاری
سندھ کس طرح اودھ اس بھی ہے، میرے دل کے دکھ کی دوا آؤ۔ اور
اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ وہ کتنی نکلیں ہے۔ اس کے پھول سے گال
نہ ہونچکے ہیں، اس کے خوبصورت بال کبھی کریشان ہو رہے ہیں۔
میری جان آؤ۔ فدا میرے لئے آؤ اور اس کی بری حالت دیکھ جاؤ
تمہاری جدائی کا فکرمیری جان کا روگ بن گیا ہے، میرا دل میرے
اقتدار سے باہر ہو چکا ہے۔ میری آنکھیں دتے دتے اپنا حسن کو
کھلی ہیں مگر آہ! اب بھی تمہاری آہ کے انتظار میں کھلی ہوئی ہیں۔ ان
میں بھی ایک محبت جھلکتی ہے۔ مگر مانے دل میرے اختیار سے
باہر ہوا ہے۔ میں جتنا مضطرب کرتی ہوں، اتنی ہی اس کی بے قرار می
پر مکتی ہے، میں جتنا اس کو روکتی ہوں، اتنا ہی وہ رورہ کر
تھمیں دھڑکتا ہے۔ میں پابندی ہوں کہ دنیا کے رسم و رواج کو توڑ کر ادا
ہو جاؤں، مگر نہ بکھرے چہ چہ چھان لادوں۔ اودھ میں ڈھونڈنا کالوں
یا راہ طلب میں جان سے گور جاؤں۔
میرا یہ خوبصورت گورا بدن میرے یہ سیاہ اور لالہ خال جنہیں تمہارا
پیادہا نازِ محض کرتا تھا۔ آج تمہاری جدائی میں ناک آلود ہو رہے ہیں۔

گجراتی

گھر آہ جب چمک اٹھتی ہوں تو یہ ساری باتیں خوابِ خیالی معلوم
ہوتی ہیں۔ خوشی کے سال گھر یوں میں گزرتا ہے۔ مگر فراق کی گھبراہٹ
صدیاں معلوم ہوتی ہیں۔ تیرے انتظار میں کھلی بانڈے بھی ہوں۔ چمک چمکا
میرے بے حرام ہو گیا ہے۔ میرے مالک اب بھی تو آ۔

علمِ حوزی میں تیری مدد میری شری آواز کو سنتی ہوں تو میرا دل
بلبل ہونے لگتا ہے۔ میرے مہم جو میں زندگی کو رو دے رہی ہے۔ اچھے
تیری آواز ایسی بھلی معلوم ہوتی ہے کہ میرا سارا وجود حسرت کی دنیا میں گھبرا
ہے۔

تامل

اسے سرمایہ داروں کی جرات دن مکاریوں سیسکائیوں حرام کاریوں سے
دولت اکھی کرتے تھے۔ اور غریبوں کی دستبرد اور زلنے کی ہوسے جانے کیلئے

زمینیں دفن کرتے جاتے ہو۔ یاد رکھو کہ ایک دن طاقتور و غنی سے ہر دار کا ہنگامہ
تمہاری کا ایک دمیر و صاحبان کے دست برداری دولت غریبوں کی کے انھوں میں پہلی جگہ

تلنگو

اگر تم مسلمان جنگلوں اور دیوان دادیوں کے باشندے ہو تو قیاس جنگل
کے خوشخوار جانوروں کا درمیان؟
اگر تم مسلمان کے گناہے پر بنے دے ہو تو قیاس لہروں کے بے پناہ
سیلاب کا خوف کیوں؟
اگر شہروں کی گنجائش اور شہر مملوں کے رہنے والے ہو۔ تو قیاس دھڑلش
آوازوں کی پروا کیسی؟
ہر حالت میں زندگی بسر کرنے کی نویدیا کرو۔ صبر و امانت دیکھو۔ دھڑلش
شہرت اور دنیا کی کوٹھڑی دے دل سے سننے کے مادی بن جاؤ۔

مڑھی

اگرچہ پردہ و گار عالم ظاہری وجود سے پاک ہے۔ مگر پھر
بھی میری متلاشی آنکھوں نے اس کے پر جلال علیہ کو دیکھ لیا ہے۔
اسکی عظمت، اسکی شان کی تصویریں میرے دل کی آنکھوں پر کھینچی ہیں
جکو دیکھنے کے تمام نو ہمت بھی نہیں مٹا سکتے۔
اگرچہ الفاظ اس کے اوصاف نہیں بیان کر سکتے، اور اسے
اسکی کیفیت نہیں سمجھا سکتے۔ مگر میری وہ نگاہیں نہیں ہیں۔ تو
پلپے تو اسکو دل کی آنکھوں سے دیکھ سکتے۔ مگر پلپے میں عشق و حیرت
پیدا کر اور یقین کامل کی روشنی میں اسکی نگاہیں میں گم کر جا۔

سنکرت

مجھے اس سے محبت ہے، جو جتنا کہ سر پر کن اردوں پر ملتا ہے
جس نے کس کو قتل کیا، جو پرائیوں کا دشمن ہے،
مجھے اس سے محبت ہے، جسے برج کے تمام گواہے پیدا کرتے
ہیں، جسے گویاں محبت میری شرمیلی آنکھوں سے ناکار کرتی ہیں۔
مجھے اس سے عشق ہے، جس کا سرمد کے نورانی پردوں سے
سجھا ہوا ہے۔ جسے خوبصورت ہال گنگرے ہیں، اور جسے سڑوں
بازوئیں بچھے معلوم ہوتے ہیں۔ میں اس دیوتا کی پوجا کرتی ہوں جو تمام جگہوں کا
ملاح و چمکی بانسری، مسانے کا لیت کے تارک پدوں کو چاک کر دیتی ہے

پالی

چار بار نہیں! پانچ بار۔ میں اپنی کیا سے تھلا کر نکلی۔ میں مسرت
کو ڈھونڈتی تھی۔ خوشی کو تلاش کرتی تھی۔ مگر آہ! یہ منت میری
قسمت میں نہ تھی۔
میں کیمتوں کی دست میں اسے ڈھونڈا، میں ان میں گھومی
بار بار پھر لگا۔ مگر میں نے قلب کی کیسوٹی کو کہیں پایا، آہ!
خوشی مجھ سے کسوں دور ہی رہی
ایک دن پیٹھے پیٹھے میرے دل نے منچھل میں خواہشوں کا لٹکانا

آٹا آستند بڑی تھی؟ کتنی بے درجہ تھی مگر سب بیکار گئی، اور میں خوشی
کے پاس بھی نہ چھٹک سکی، بال میں سے دھڑ سے مسرت کی دہلی کو
دیکھا۔ اور حسرت سے ہاتھ ملکر رہی۔

بایں ہو کر میں نے مسرت کی تلاش ہی ترک کر دی، میری
خواہشوں کا خاتمہ ہو گیا، میری امیدیں ابھر ابھر کر مٹ گئیں، ابھی ابھی مجھے
وادی خوشی بخش دی، میرا ملک مجھ سے خوش ہو گیا، اور اب میں
مسرت کی دنیا میں بے گری کے ساتھ گامزن ہوں + (اقبال)

کشمیری

اے عالم رنگ و بو مختلف انسانوں، متضاد طبیعتوں اور عجیب
اخلاقتوں اور عرصے کو گوں کا مرکز ہے۔
ہر اہل دل ایسے ہیں کہ محض خواب ہی چہرہ ہی انکے دل میں لکھیں۔
لاکھوں ایسے ہیں کہ نظائر کو شہسوار ہیں مگر حقیقتاً خواب ہی غلط ہے سرشت ہیں

عربی

میں دیکھتا ہوں کہ سرب امید کی جھلکیاں تیرے ساتھ تھوڑی ہیں اور
تو امید مہم کی بنا پر طبع انسان تھوڑوں کی تیر میں شمول ہے۔ کیا تجھے بھی
یہ سوچنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ انھوں نے اس سے بڑے عمل کو نہ کرنے
تھے مگر آج وہ کیا ہوئے۔ اور ان کی کوششوں کا اس کی سلاطین کا جہاں دو
شہر کی شکستہ قبروں پر جا اور پھر کہ ان کے تخت و تاج کیا ہوئے۔ ان کی
معبودہ دنیا میں کہاں گئیں۔ پوچھ کہ ان کا لاڈلہ کب کہاں گیا۔ ان کی ہما
ہی کہ صحرائی۔ صحرائی کے کہ دور و زمان کہاں ہوئے۔ کاغذ پر شہر ان کی
جئے سرخرو دنیا میں گئی (المشرق - بیروت)

فارسی

دساتیر اور اوستا

ایران قدیم کا ذخیرہ علمی و ادبی

لیکن اس سے بھی زیادہ قابلِ توجہ یہ ہے کہ جملے اس کے
کہ ہما چنی قدیم زبانوں کے سند پر فہم رکھتے اور اوستا کی زندگی کے
سوال کو اٹھاتے۔ ہمارے سامنے ایک نئی کتاب آجاتی ہے
اس کتاب کا نام دساتیر ہے اس کی زبان عجیب قسم کی ہے
اور اس کو ہندوستان میں حجابا گیا ہے۔
عجب ہے کہ ایک جمہول الصفت کتاب کی طرف اہل حضرات
دستِ طلب و لڑکر رہے ہیں اور اس کی اشاعت سے وہ بھی لے رہے
ہیں اور اس کو ایران قدیم کی تاریخی، مذہبی اور لسانی مہمات کا مافوقِ
دے رہے ہیں۔

سب سے پہلے مشاعرہ میں طے کا دس نامی ایک شخص اس کا
ایک قصہ ایران سے ہندوستان لے گیا۔ وہ سلاطین اس کے
رشتے کے ملا فیروز نے انگریزی ترجمہ کے ساتھ اس کو کچاپ کر شائع
کر دیا۔

اوستا ایران قدیم کی ایک مشہور کتاب ہے جو باختری زبان میں
لکھی گئی ہے۔ ضرورت پڑی کہ ایران علمی اور ادبی حیثیت سے اس کی طرف
توجہ کرنا لیکن انھوں نے اس کے سادہ اس کے ماحول پر غلاف ہے۔

ذہن پر اس کا مشہور کتاب ہے وہ لوگ ناواقف ہیں جن کو
دوسرے کا مشہور کتاب کی معلومات سے وہ کبھی نہیں۔ بلکہ وہ لوگ جو ایران میں
حیثیت ایک مشہور ادیب اور فاضل کے روشناس ہیں انھوں نے بھی
بہت کم اس کی طرف توجہ نہیں کی۔

حالا کہ ایران کے فاضل ادیبوں کا یہ فرض تھا کہ وہ ایران کے
ذہن پر جدید علمی کا زائوس کو کوشش سے تلاش کرتے اور ان کی بقول کے
سلسلہ پر توجہ کرتے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ ایران میں ایک شخص بھی ایسا مہم نہیں جو
دستِ خانی پہلوئی یا کسی ایسی زبان سے واقف ہو جس کو تعلق ایران
یہ ہے۔

لطف یہ ہے کہ ایران کے آخری دور کے ادیبوں نے اس بے اصل اور جعلی کتاب کی خوب قدر کی۔

حتیٰ کہ سوبستان المذاہب کے مصنف نے تو یہ غضب کیا کہ ایران کے مذہب قدیم کے متعلق اس سے نتائج اخذ کئے۔ اس سبھی زیادہ قابل افسوس یہ امر ہے کہ ماہرین لغت اور ایران کے ادیب لوگ بھی اس کو ایران کا صحیح اور اصلی لغت تصور کر رہے ہیں اور اس کے لغات کو فرہنگوں اور لغات کی کتابوں میں داخل کر کے عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر متاخرین کے لغات میں کسی لغظ کی تحقیق کی جائے تو اس وقت تک اس پر یقین نہ کیا جائے جب تک متقدمین کے اشعار سے اس کے

صحیح ہونے کی کوئی دلیل نہ مل جائے کیونکہ یہ یقین ممکن ہے کہ جس لغت کی تم تحقیق کر رہے ہو وہ فرہنگوں میں دستاویز کی معذرت اور جعلی زبان سے لیا گیا ہو جس کے لغات سے متاخرین کی جو نگلیں بھری پڑی ہیں کتاب دستاویز کو ہرگز وہ مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا جو دستاویز کا اصل ہے کیونکہ غالب خیال یہ ہے کہ یہ فرقہ اسمعیلی کی بنائی ہوئی کتاب ہے یہ یقین کر لینے کا کافی وجہ موجود ہے کہ یہ کتاب ہر نکل جن مکرر ت۔ نقلی اور جعلی ہے۔ جس کا ایران کی قدیم ادبیات کو کوئی تعلق نہیں اس لئے ضروری ہے کہ ایران کے فاضل ادیب اور مورخ اس سے لغات کے استنباط اور تاریخی واقعات کے استخراج سے محترز رہیں۔

عالم انصاری

(کاف)

ترکی

میں اسی میں خوش ہوں۔ وہ وقت اب خواب دخیال ہو گیا جب ہم حط میں بس کر نکلا کرتے تھے۔ لوگوں کی آنکھیں ہماری طرف اٹھا کر تکی تھیں وہ دیر در نگاہوں سے کسی کا دیکھتا اور دیکھ دیکھ کر مسکراتا دل میں ایک قیامت برپا کر دیتا تھا۔ اب مجھے بیوہوں سے نفرت ہے۔ خوشبو سے نفرت ہے۔ دستوں کی محنتوں سے نفرت ہے۔ بلکہ مجھے خود اپنے سے بھی نفرت ہے۔

اب میں اپنے باقی دن سادگی میں گزارنا چاہتا ہوں۔ جاؤ۔ مجھے نہ سناؤ۔ مسکنا پنہا کو بیک کھنے کی تیاری میں لگا ہوا ہوں۔

قطبی

دیا عبور کر کے نکلے لے ایک تو بیڑ بھی تو دیر کھلے۔ پھر مجھے خوف کیا۔ میں ہر بائیں کو دتا ہوں۔ لہریں میرے پاؤں تلے خشک ریگ سی حلیم ہو رہی ہیں۔ اسے محبت میرا ساتھ دے چھوڑا تیری ہی وجہ سے مجھ میں کئی طاقت پیدا ہو گئی ہے اپنی محبت کے توبہ کی برکت سے میں صحیح سالم بار بار جاؤں گا۔ وہ توبہ کیا ہے اس کی صحیح صادق جہی پاک محبت۔

جاوی

میرا گھر آمدورفت اور میل ملاپ کی قید سے آزاد ہے۔ اسکے گھر مملکتی فرشتوں کی جماعت طواف کرتی ہے، اسکے اندر ملک جنتی کا قدر ملوہ کر رہتا ہے۔ شہر میں قائم جانتے ہی جو بیڑی میرا دل ہے۔

اے میرے بیوہ! تم امیر باپ کے لخت جگر ہو۔ اس کی آنکھوں کا نور اور سرور ہو، عیش کرد۔ خوشی کی زندگی بسر کرو تمہارے باپ کا دل مردہ ہو چکا ہے۔ سفید بالوں کی سیبی نے انکے جذبات کی ہنگامہ گھٹا کر دوشن کر دیا ہے آہ! یہ دل جو کبھی عیش و عشرت کی جولانچو تھا آج اس میں خاک اتر چکی ہے، تم مجھے دے چھوڑو میرا خون سرد ہو چکا ہے اور تمہارا خون گرم ہے اجاڑا تم زندگی کی سردی میں اپنے خون کی گرمی کو آزمادو۔ یہ تمہارا وقت ہے۔ میں نہیں نہیں رکھتا سادو میدان زندگی میں سرگرم مل ہو جاؤ۔ اے اللہ میرے حال پر چھوڑ دو

میری محبوبہ دریا کے نیل کے اس پار رہتی ہے۔ اس سے ملنے کے لئے میرا دل بہتر قرار ہے۔ ہم دونوں کے درمیان پانی کا خونناک آڑھا حال ہے۔ مگر مجھ اپنے لذت بخش کار کی تاک میں چھپا بیٹھا ہے مگر میری محبت ان چیزوں کو خاطر میں نہیں لاتی۔ محبوبہ سے ملنے کی آہود نے مجھے نڈر بنا دیا ہے۔ ہاں۔ مجھ نے سما کی کے ساتھ

زندگی کی کشمکش خود دریا کے ہنگاموں سے الگ میں نے اپنی جھونپڑی بنا رکھی ہے۔ دنیا کی آرزوؤں، اور نفسانی خواہشوں کا وہاں تک اثر نہیں ہوتا میری محبوبہ جنتی راحت اور اطمینان کا گہوارا ہے

یابی

خدا یا ہوا کو حکم دے کہ میری غلطی کو اڑائے جائے۔ اسے خدا
آسمان میں تجھے بڑا کون ہے؟ تو ہی سب سے بڑا ہے۔ زمین
پر تجھے کون بڑا ہے؟ تو ہی نوے۔ آسمان پر تیری آواز کو کہتی ہے
تو ملے دو تو فرخشاں خاک پر گر جاتے ہیں۔ زمین پر تیری آواز کو کہتی
ہے تو روہیں خاک چلتے ہیں۔ تو دو تو تیرے بھائی ہیں انہیں
تجھ جیسا کون ہے؟ تیرے حکموں کو نالے کسی جلال ہے؟ تیرے کون
مقابلہ کر سکتا ہے۔ اسے خدا۔ اسے میرے خالق تو ہی مجھے سہارا
دے تو میرے منہ کے دروازے پر نگہبان رہ۔ اے میرے ہاتھوں
کو بیکار ہوں سے محفوظ رکھ۔ تو میرا خدا ہے۔ *

(اب سے باقی ہزار سال پہلے کی اہل بابل کے خلیفہ نبی کی ایک
 لوح پر لکھی ہوئی مناجات)

اے خدا میرے گناہ نہت بہادی ہیں۔ میں عازم چیر کھاتی بیٹیا
 جن میں ہوں کا سر تک بھونچا ہوں مجھے اکیلی خبر ہو جاتی ہے۔ خدا مجھ سے
 خدا جو کہ میرے پاس سے واپس نہا۔ اور مجھے مصیبت کی تباہی میں
 پھنسا ہوا نہ چھوڑ۔ تیری مدد کے بغیر میں اپنے کو کیسے بچا سکتا ہوں۔
 تو میرا خدا ہے میں تجھی سے فریاد کرتا ہوں اور تیرے ہی حضور میں اپنی
 دعا پیش کرتا ہوں۔ خدا! اپنے خادم سے کوسری عمر گناہی کے لئے
 بحال کر دے۔ مگر اہل بابل کے خلیفہ کی دعا میں یہاں ہاں ہوں تو تیرا
 ساتھ ہزاروں آدمیوں کے ساتھ ہوں۔ درگزر کر کے مجھے برکت دے۔

یونانی

جنگ کوساری کائنات کے فرمانروا کو نہ دیکھو لے۔ ان فانی مخلوق کی فانی تپیل سے
نہیں دیکھ سکتا۔ اسے اگر دگردا دل کا حلقہ ہے تیری یہ کز فکس تو ہیں کہ مجھ پر کھینچتا

دیدار الہی کا شوق ہے تو چشم بصیرت کھول۔ اپنی تمام قوت سے اپنے دل کی آنکھ کو اس پر جمادے۔ اور دلیری سے اس وقت تک ٹکٹی باندھے رکھ

روسی

ہیں ان سے تنگ آ گیا ہوں۔ میرے دل کی تسکون نے ان کے پوشیدہ جذبات کو اجیج طرح کر کے پایا ہے دنیا ہی بے مظلوم ہے ہماری کوئی ہے اسلئے میں دنیا ہی ہے آگیا ہوں۔ کوش! میرا مسکن وہاں جو جہاں سبزہ لعلہا بنا ہو جہاں کھٹے ہوں۔ فضا کہتی ہو جہاں کھٹے دھنوں کی قطار باجی ہار دکھا رہی ہوں۔ جہاں ہاڑ ناے اپنے دلکش گھوں سے ساکن فضا میں خشک رہا کر ہے ہوں اور جہاں غشِ اعلان چڑیوں کے جانفزا اتراؤں نے دھوم مچا رکھی ہو۔

بس اللود اے اے جہاں ہے نگہ کے بنے فالو! اللود! اللود! اے
 اے ظہیر پرست اسبق! اللود اللود اے میں تم سے کمال گیا جسوں ادب پہلے کی خدمت
 اللود اے بڑی کی شاعر! اللود اے میں تم سے کمال گیا جسوں ادب پہلے کی خدمت
 جتنی خوشامری ہو یہیں سے ہی، چھوڑی ظہیر پرستی، اور خود غرضی، کو کمال کی خدمت
 جبریل لکھتے ہیں کہ کف مسکوا کر دیکھا

کاش! ہوتوں کے انہار، سونے کی ٹینیں، پستی لباس،
سکس کی جلوہ افروزیاں، مسخر انقلاب تحریروں، انقلاب انگریز تحریروں،
نوبل دارن ناز کی ادائیں میرے دلی تلی کا باعث بن سکیں۔
کاش! یہ بدبراصحاب، شہرہ آفاق، مستیاں، حسین چہرے،
یہ دیول کو سوسکر کے والے سلاز۔ یہ خوابیہ جذبات کے جگنے والے
مصنف، نبوت، بھادرا دل بھی رکھتے۔

لاش! انکے سینے الفت و پیار کی روشنی سے منور ہوتے اور کاش
انکے دل پاک محبت کے چشموں کا عصفور ہوتے، گرافوس امدافوس!
محمد حسین عظیمی، یہ سارے رہنما، یہ حضرات ہستیاں ادیب کی ہے یہ
یہ مجھے بے لوث محبت سے بالکل غلبی ہیں، یہ ظاہری شان و شوکت
کے دلوراحے نام و نمود پر مٹے جا رہے ہیں۔

سندی

پھر اس کی جین اٹھیں ہم پر دوسے ذاتی ہیں پھر ہر کی شرم و حیا ہیں فریب دیتی ہے۔ ایکے بعد کا کھل کھلا کر ہنسا اور اس کی سیاری ادنیٰ ہیں اپنا معقول بنالقی ہیں

عورت جب ایک بار ہلکے تھوڑے قبضہ پالیتی ہے۔ تو پھر ہم کو ہر طرف اسی کا جمل نظر آتا ہے۔ پہلے اسکے ابرو کی دلفریب اینا گرویدہ بنائی ہے

جینی

مگر اپنے مستقبل کی تعمیر میں شغول ہوتے۔ مگر انوس! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تنہائی ہی میری منت میں لگی ہوئی ہے۔ ہم دونوں دریا کے کنارے کیلئے مرنے کی سیر کیا کرتے تھے۔ اور اس وقت ہم جو باتیں کرتے تھے وہ کتنی سچی معلوم ہوتی تھیں۔ ہر وقت میرے سامان گمان میں ہی یہ نہ تھا کہ تم جلد وفا کرو گے۔ اور مجھے جلد ہی کے یہ دن دیکھنے پونگے اور دور و کر زندگی گذارنی ہوگی۔

جاپانی

لئے بے قرار ہے۔ اگر تیرا دل بھی میرے لیے چین ہے تو تاخیر اور یہ جیلے ہلنے کیوں ہیں۔ کوئی طاہر اس آہ و زاری کی وجہ پر ہم بیٹھا تو تو ہی بتا کہ کیا جواب دوں گا۔ کہیں تیرا پیرا نام منہ سے نکل گیا تو میرے چہرے کی شرم آلود کیفیت نے ہماری بخت رسوا ہو جائیگی۔ مگر تمہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں کہہ دوں گا کہ جلد دیکھنے کے لئے بے چین ہو رہا ہوں جو اس پہاڑی کے چمچے سے نمودار ہو رہا ہے۔ راہگیر تو مان جائے گا مگر میرا دل تیرے بغیر کیسے مان سکتا ہے!

میرا دل تو جوں کا تو ہے۔ مگر یہ معلوم تھا کہ دل کیوں چمچ گیا۔ میں تین سال تک بھاری سیوی رہی۔ اور تم کو آرام پہنچانے کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر دیا۔ صبح سب سے پہلے بھتی سرات کو ب کے بعد سوتی۔ میں نے اپنے حمد کو دل و جان سے سنا ہے میں کبھی دروغ نہ بکھا۔ مگر تم نے جو اقرار کئے تھے وہ اب جھوٹ ثابت ہو رہے ہیں۔ اپنے جہانوں کو صورت حال سے اکاڑاؤں کرتا ہوں یہی اندر چلتی اور کھلتی ہوں۔ کتنا اچھا ہوتا کہ ہم دونوں غلوں کے ساتھ

ہمارا کا تو نگوار موسم ہے۔ ہر شخص مسرور نظر آ رہا ہے مگر میرے دل کے زخم اور بھی ہرے ہو گئے ہیں۔ میری کائنات میرے شور گرنے کی گھوٹی ہے۔ مجھے اپنے نالہ و شبنوں کے سوا اور کوئی صدا سنائی نہیں دیتی جس طرح برہنہ کا کیرا اپنے خول کے اندر بند پڑا رہتا ہے اسی طرح میں بھی اپنے جگر شکاف آہوں کے حلقے میں بیٹھا آنسو بہا رہا ہوں۔ سات کے سیاہ پردے پھیلتے جا رہے ہیں اند میری مسدود آستین آنسو سے تر ہوئی جارہی ہے۔ کسی سے بولنے کو میرا جی نہیں چاہتا۔ اپنے بخت کی دردناک داستان کس کو سناؤں میرا دل تیرے

فرانسیسی

مگر عقلمندوں کے نزدیک قیمت کوئی چیز نہیں ہے صرف انسانی تو بہمت کی تصویر کا ایک رخ ہے یہ صرف حقوق کا مجموعہ اور انداز بیان کا ہیہ پھر ہے۔ ہم پروں کے مغزوں و دانوں کی توبہ پلا اور انگوں کے خیالات کی پروی اسی حد تک کرتے ہیں جہاں تک ان سے ہم کو فائدہ پہنچ رہا ہو۔ اگلی اسی وقت تک قدر کہا جاتی ہے جب تک وہ خوشی راحت اور آرام و آسائش کا باعث بن سکیں اور اگر وہی باتیں نہایت مصائب کا ذریعہ بن جائیں تو یہ ہماری قیمت کا قصہ ہے اپنے تمام صدقہاں میں کامیاب ہو جائیں تو اس کامیابی کو اپنے قہر بعد کی محنت کا ثمر مانتے ہیں ناکام رہیں تو اسکو قیمت کے سر توپ دیتے ہیں (اقبال)

انتہائے ازل سے عام لوگ یہ کہتے آئے ہیں۔ کہ قیمت بھی ایک پرشیدہ طاقت ہے، انسانی خیالات، انسانی جذبات، انسانی دماغ، انسانی عقل و فہم کو انسانی حوادث میں کوئی دخل نہیں، کشتی حیات حوادث میں قیمت ہی کے بے پناہ تھیلوں کے پس میں ہے، مصائب کی جہاز تک راؤں میں قیمت ہی انسان کی مددگار ہوتی ہے۔ انسان اور انک کی ہر طرف معمولی واقعات کی سطح تک ہوتی ہے اور انکے آگے انکی رسائی امر محال ہے۔ دنیا کے تمام واقعات صرف قیمت ہی کے سمنوں میں عدل و انصاف کا انسانی دنیا میں کوئی دخل نہیں۔ جو ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اور جو جھٹے والا ہے وہی ہوگا۔

انگریزی فن مصوری کے متعلق ایک مختصر تاریخی جائزہ

مگر اسے جو سامنے دیکر بیٹھ گیا۔ اسوقت کے احاسات کی تشریح نہیں ہو سکتی۔ مگر سرگورنگ میں ڈوبا۔ اپنے خیالات کا ایک دھندلا سا خاکہ اس طرح کھینچ سکا ہوں اور یہ کہوں کہ میرے سامنے ایک بزرگ خدا تھا۔ اور میں ان میں غوطہ زن ہو ناچا رہا تھا۔ خدا جیسے مجھے سمجھتا تھا کہ میں خوفناک آبی جادوئل سے پالا ہوا کوئی مجھ کا تاجہ اصل ہے بہا ساتھ آگیا۔

اس بزرگ خدا میں غوطہ لگا کر انسان خود اپنی جان بچانے کے لئے دیوانہ وار دھناتے پھرتا رہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک ماہر مصوری کی نظر پر ایک فنی اصول کی خلاف ورزی کو ایک ناقابل حافی ثناء تصور کرتی ہے۔ اور ایک تیز سونے کی طرح عیب کو کھیر کر نکال دیتی ہے۔

مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مصوری کے شاہکار مشق اور صنعتی اصولوں کے پیروی سے جنم نہیں کئے گئے۔ بلکہ وجدان ذوق کے کیف آفریں اثرات کا نتیجہ ہیں۔ میری پہلی تصویر ایک مقدس خاندان محمدی ایک وجدانی کیفیت کی آواز باز گشت ہے۔ یہ تصویر آدھ گھنٹوں مکمل ہو گئی۔ ایک معرخص ایک ادیب طبع کی صحت۔ ایک بڑے نیلگوں لباس پہنے ہوئے دیکرے فضا میں کچھ تاریخی سی۔ مھر حاضرہ نما کیفیت کے اعتبار سے جرت انگریز ہے۔ جس پر کچھ جانتے ہیں۔ لیکن بہارے احاسات بالکل مردہ ہیں۔ شاید یہ کوئی ایسا شعلہ دامن جذبہ ہوتا ہو جو ہمارے دل میں کوئی شرار احاس مشعل کرتا ہو۔

مصوری کا فن بھی ایسی مردہ دلی کا شعلہ ہے۔ فن کے متعلق نظریے قائم کئے جاتے ہیں مگر کوئی شخص فن کی روح کو واضح نہیں کر سکتا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مصوری میں شاہکار ایک لفظ ہی نہیں ہو گیا ہے۔ آج کل کا فن نقوش و طرح کے ایک جہل مجوسے کا نام ہے۔ بڑا کتا ہوں نظریے قائم کئے جا رہے ہیں کہ جن دھیلے کے دکھائی دینے لگے تو سامنے پٹھا احاسات کے ذیلی ہر شے کی طوط سے جی نہیں بند کر لو۔

بعض اوقات انسان کو اپنے معتقدات میں یکسر تبدیلی کرنا پڑتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں کما کر رہا تھا۔ معتقدی اپنے عروج کے آخری ذریعہ تک پہنچ چکی ہے۔ کوئی ایسا جہل شے نہیں جس کو مصور کے قلم نے غیر فانی نہ بنادیا ہو۔ کوئی ایسا حسین منظر نہیں جسے انسان کی جاہلکشی نے فطرت کے خزانے سے چھڑا دیا ہو۔ نقوش و رنگ کا کوئی ایسا مجبور نہیں جو کاغذ پر منتقل نہ ہو چکا ہو۔ یہ صنعت اب انحطاط و زوال کی طرف جا رہی ہے۔

ایک ایک ۱۰ سال کی عمر میں مجھے محسوس ہوا کہ میری روح الفاظ کے علاوہ کسی اور ظہر کے تلاش میں سرگرداں ہے میرے احاسات عروج کے مجوسے میں اپنی ذہن ختم ہونے والی تھی کہ سیریا میں کر سکتے۔ اور نقوش کے پراسرار موزونیت میں گم ہو جانا چاہتے ہیں۔ میں نے بار بار اپنے آپ سے سوال کیا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ میری روح اظہار احاس کے لئے رنگ آمیزی کی محتاج ہے؟ ۲۰ سال کے عرصے سے میری شخصیت مترنم الفاظ کے آبدار میں کھوجاتی رہی ہے ایک میری روح کو اس میں زندگی سے کیوں روکتی نہیں رہی؟ لیکن دنیا میں کچھ ایسا ہوتا ہے کہ روح دھڑکھار انسان کی ہر ہر سے متاثر نہیں ہوتی۔ اور کچھ کم چاہتے ہیں کہ اس کے خلاف غور پذیر ہوتا ہے۔

باش ہودی تھی۔ اور مجھے اپنے شکرے میں سے باغ کا کچھ حستانظر آتا تھا کہ کیا کتا ہر ایک اور شے کی چھائی ہوئی معلوم ہوتی تھی ایسا محسوس ہوتا تھا گویا سینہ کی ہوجھاؤ گھماٹے ناخن کو چھلچھلا رہی ہے۔

میں نے ایک ایک شے حال ہی میں دھڑکے دھڑکے پر دستک دی۔ اس طوفان بدلال میں وہ جڑہ دھوکا لگوا کر اس کے قتل میں مامول ہونے کے بارے تھا۔ وہ اندر دھال ہوا۔ اس کے پاس تصویر کیونسی وہ سمجھتا ہے کہ چادر مجوسے سے نہایت صاف و دروہیا رنگ۔ میں نے انہیں قید کیا۔

کچھ رنگ۔ اور چندہ جہ تمام ماہر میرے پاس موجود تھے۔ میں ایک

کی دُور کو ”محبلی“ کہنا پڑیگا۔

”روح کی جلا“ نیکی کی ہم معنی نہیں۔ لیکن اس سے متضاد بھی نہیں۔ ”روح کی جلا“ تو ایسی شے ہے کہ اس کے ٹھکانے الوہیت سے ملے ہوئے ہیں۔

”الوہیت“ فطرت کی حقیر امت یا میں بھی جلوہ گر ہوتی ہے۔
 مجھے تو یہ شے غلاب کی نازک گھلائی تہیوں اور ان کی زوال پذیر فطرت
 میں متاثر ہو کر کسی غلاب کے پھول کی تصویر کھینچنے کو توفیق ملا وہ مصرکی
 ہے۔ ورنہ لعلی سے زیادہ نہیں۔ کاش صنعتی مدرسوں میں مدرس
 بجائے یہ کہتے کے

”یہ نفوش غلط ہیں۔ متوازی نہیں۔ بے پروایانہ انداز سے کہنے لگے ہیں۔“
یہ کام کیا؟ یہ نفوش فوق سلیم کے منافی ہیں! انیس تہذیب کی تڑپ نہیں ہے۔“

افسوس ہے کہ صنعت کو ایک سائنس تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ صنعت مذہب کا ایک شعبہ ہے۔ جن دس احکام کی پیروی اللہ ضروری ہے، صنعت ایک کامل وحدت ہے جو ایک درمیانی کڑی کی طرح تخلیق اور خالق میں ایک نہ ٹوٹنے والا رشتہ قائم کرتی ہے۔ (دراغوسٹو، ۱۹۸۰)

تبصرہ

سیر عراق ۱۔

عراق کا جو مرتبہ بہ مدت ہوئی اُس کا اندازہ ایک جتنا کہ الہامی کتابوں اور آسمانی جھنڈوں سے کر لیا گیا تھا مگر اب علوم و فنون کی ترقی اور اثرات نے رادیکالوجی کے ماہروں کی کوششوں سے اس کے پیمانے کو بھی بے مانیوں ہو چکے ہیں۔ کلام الہی اور جدید تحقیق کی مطابقت نے اہل ایمان کے لئے مدعا جاتی تسکین اور اپنے مذہب کی حقانیت کی مزید تصدیق کا سامان ہتیا کر دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شرعی کا یہ خطہ قدرت کے جلال و جبروت اور عظمت کی شہائی کا ایک مظہر ہے۔ کتنے بڑے بڑے نامور درس مرزین سے آئے مگر آخر فنا ہو کر کسی طرح گمراہی و بے لاشائی کی پرور میں چھپ گئے۔

اسلام نے بھی اس سرزمین میں پہنچ کر کوئی مولوی تہی نہیں کی۔ بلایں علوہ و فنون کے عقاب کے لئے یہی خطہ خطہ نعت الہا ربانیت ہوا مگر اسلام کی غنی روایں بھی سب سے زیادہ اسی سرزمین میں دفن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسکی سیاحت مستغنا و کیفیات کی حامل ہوئی ہے۔ نگارہوں کے آثار بہت ندر کی جاگاہوں سے گذر کر عظمت اور اس کے قرب کی بے نشانی انسان کو محو و درجی ہے۔ مارون و ماسون کی یاد۔ علوم و فنون کی تالیفات کا خلیل۔ اسلامی تہذیب و تمدن کی سرزمین کی دیار طبعیت میں مسرت اور خوشی کی اہر اور دوا دیتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی تمدن اسلام اور ادراک کو نہیں داستان کے منتشر اوراق خون کے آئینہ بنائے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ دود و بارش و جھرجھک اس کا ثبات کا ایک ایک ذرہ انسان کو جتنی پستی اور اشرار و قربانی کی دولت دینے لگتا ہے۔ اور کچھ بھی نہ ہو تو کہتے کہ اس خطہ پاک کی سیاحت کرنے والے فاضل کی چوکنی کا کچھ خود مطالعہ کے آپش میں ایمان و ایمان کی ایک پائندہ اور سلی بخش کیفیت محسوس کرتا ہے۔ لاکھوں آدمی جب دنیا کی آلائشوں سے گھرا لیٹتے ہیں تو روحانی تسکین کی گراں مایہ بنس کی تلاش میں اسی منبع کی طرف دوڑتے ہیں۔

فنا تھو لیٹرن ریلوے پر لیا گیا وہی مستحق ہے کہ اُس نے نشا لیقین کی سیاحت کیلئے ایک بے نظیر پروگرام تیار کیا ہے اور کرسس کی چھٹیل عراق کی مقدس سرزمین کی سیاحت میں گرا سنے والوں کے واسطے گرش ادبیا سیمینار ٹیکٹن کہتی اور عراق ریلوے سے ملکر ہندوستان سے

عراق تک کے سفر کا سالانہ کارڈ دیا ہے مسیحوں کی آسانی کیلئے فرائض کی پوری تفصیل کے علاوہ اس تاریخی سیاحت کے شہر و مقامات کی مختصر مگر جامع تاریخ بھی ایک رسالے کی شکل میں جمع کر دی ہے۔ یہی رسالہ اس وقت ہمارے زیر نظر ہے۔ اس میں بقصر۔ بغداد۔ کربلا کے خطے۔ نجف اشرف۔ کاکلین شریفین۔ باقی کربلا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مولد شہر لر وغیرہ کی قدیم و جدید کیفیت نہایت شگفتہ زبان میں بیان کی گئی ہے۔ یہ رسالہ سلیس و آفیسر نار تھ ولیٹرن ریلوے لاہور سے مفت دیکھ سکتا ہے۔

دین دنیا یہ رسالہ ۱۹۲۷ء سے دہلی سے نکل رہا ہے اور اس نے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے ساتھ ہی اردو کی ادبی خدمت میں بھی پیرا ہے۔ کلام الہی کے اسرار۔ دینی فلسفہ علامہ شمس الدین حافظ کا یکدھ۔ مغلستان کے پہول۔ علم و عمل وغیرہ اس کی مستقل نمایاں ہیں۔ انشا اللطیف کے ماعت جو پیرس کلمی جاتی ہیں ان میں ادب کی جاشنی کے علاوہ غور و فکر اور عت و لبریت کا کافی سامان مسیا کو دیا جاتا ہے۔ تقریباً ہر پرچے میں التزام کے ساتھ چھپ انداز بیان میں مغربی تہذیب و تمدن کے برکات پر کھنسی ڈاکٹر مشرق کو اس کی آفتوں سے بچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ چہرہ صفت صفت نازک کے لئے مخصوص ہیں۔ جن کے ذریعے سے ہو بیوں کو مذہبی جلالی اور معاشرتی قلیور دیا جاتی ہے۔ اور انہیں نسوانی و ذمہ داروں کو محسوس کرنے اور ان کو خوش آملی کے ساتھ انجام دینے کے لفظوں کی رہنمائی کی جاتی ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے دلکش اسانے بھی جیسے دلچسپ اور عموماً اخلاقی ہوتے ہیں تعلیم و ادب کی روح کی شرفی کے ماعت پر بیٹھے ہندوستان بھر کے رسائل کی مدد کھینچ کر لکھی جاتی ہے۔ وقتی مکتا پر بھی اسلامی نقطہ نظر سے بحث کی جاتی ہے۔ عام طور پر مذہبی رسالے زبان کی محبت کے لئے دوزی حاصل کرنے کے چار پانچ آسان طریقے بتاتے جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہر صفحے کے سارے سلیس دین و دنیا کے شغف آتھا کچھ بھر دیا جاتا ہے کہ اس سے زیادہ ممکن ہیں جن میں عام طور پر مذہبی رسالے زبان کی محبت اور اسلوب بیان کی جرئت کا خیال نہیں رکھتے مگر دین و دنیا کے ادب طبعی شوکتے علی بھی سہاگ باؤلے سختی میں سلاخوں نے مذہب اور ادب و دین اور دنیا کو کھلیا بی کے ساتھ ایک جاہ جمع کر کے نہ صرف اردو کی

جانا تھا۔ مگر جب سے سردار پولن سنگھ ہتھکڑی لگائی میں آیا ہے۔ بڑے بڑے کدے مشق شاعر کے معنائیں بھی اس میں نظر آئے گئے ہیں۔ اور موجودہ علمی و ادبی کیفیت کے لحاظ سے پنجاب کے بہت سے پرانے رسالوں سے بھی بڑھ گیا ہے۔ اور اس کی تدریجی ترقی کو دیکھتے ہوئے ہمیں امید ہے کہ آئندہ بھی روز بروز اس کا معیار بلند رہتا جائیگا۔ لکھائی، چھاپائی کاغذ ہر چیز اعلیٰ درجے کی ہے۔ ٹائٹل بھی دیدہ زیب ہے۔ ہر پرچہ شکر پختہ کے اہم صفحات پر شائع ہوتا ہے۔ کوٹہ بلاک کی دو ایک تصویروں بھی ہوتی ہیں۔ سالانہ چند ہزار ہے۔

...ص

خدمت کی ہے بلکہ ان لوگوں کے لئے اسلام کے مطالعے کا سامان کر دیا ہے۔ جو خشک مذہبی رسائل اور ان کی شکستہ اور پرآکنڈ زبان کے بچنے سے بچلے ہیں۔ رسالے کی ظاہری شکل و صورت بھی عیسویوں میں ایک برتری ہے۔ اگرچہ کتابت بہت باریک ہو کر گئی ہے مگر صاف ستھری ہونے کی وجہ سے پڑھنے میں وقت نہیں ہوتی۔ کاغذ سفید اور چمکانا لگایا جاتا ہے۔ ہلاک کا چھپا ہوا رنگین ٹائٹل پڑھنے والے کو رسالے کے مطالعے کی دعوت دیتا ہے۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود قیمت قابلِ تعجب حد تک کم یعنی صرف دو روپے سالانہ ہے۔

یہ ادبی رسالہ ستر مہینے لال میلک کے زیرِ ادارت تین چھ مہینے سال سے اتر کر سرے میں چل رہا ہے۔ پہلے صرف نو مشق شاعروں اور دو جوان مصنفین نگاروں کی جدت طرازوں کا نمائندہ مجلہ

زنگی قلم

قیمتی سے قیمتی نو مشق قلم سے زیادہ کارآمد ہے۔ سن و ستائی آپ ہر کسے کے لحاظ سے اس سے زیادہ کوئی دوسری قلم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں نگار حضروں سے بیکر ہندوستانی طلبہ تک اسے کثرت استعمال کرتے ہیں۔ اس میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ سیاہی، مٹی، قدرتی ہے۔ حقدہ ضرورت ہوتی ہے۔ نہ دہے، وغیرہ نہیں دیتا۔ نہ اسے بار بار چھیننا پڑتا ہے۔ اس کے تمام پرزے ہمارے پاس سے ہر وقت مل سکتے ہیں۔ اس نے اگر کوئی چیز اتفاقاً ٹوٹ جائے تو قلم بیکار نہیں ہو جائیگا۔ بلکہ آپ ہم سے چمڑہ منگوا سکتے ہیں۔ ہم مناسب قیمت بیکر پرانے قلم کو نئے قلم سے بدل دیتے ہیں۔ زنگی قلم کی مٹی اعلیٰ مہر گوشت کیرت سونے کی ہوتی ہے۔ اور اس پر چھاپنے کے لئے زنگی کھدا ہوتا ہے۔ تاکہ خریدار دھوکا نہ کھائیں۔ اگر زنگی قلم پسند نہ آئے تو ایک ہفتے تک تبدیل کر سکتے ہیں۔ اگرچہ ہر اعتبار سے زنگی قلم لاجواب ہے۔ اس کو ان اور کابھوں کے طالب علم زنگی قلم کے سوائے دوسرا قلم پسند نہیں کرتے۔

۱، اسکر ویک ۲، سیفٹی ۳، سیلف فلٹنگ ۴، جیبا درکار ہو مگر ایچے۔ قیمت نیچے۔ اگر سہرا پرچہ تک ساتھ بندھ جائے تو قیمت آٹھ روپے آئے گا۔ ہون گے۔ محصول ڈاک بذمہ خریدار۔ زنگی انکٹ سیاہی کی چھوٹی ٹیٹیاں ایک مرس ایک سال کے لئے کافی ہیں۔ ہر رنگ کی دستکی ہیں قیمت فی مرس ایک روپیہ

ملنے کا پتہ زنگی قلم و سیاہی مینوفیکچرنگ کمپنی چاندنی چوک ملی

ضرورت ہے

اس کی شکلیں۔ وہ کس طرح آسان ہو سکتی ہیں۔ یہی حاکم کابھوں نے ثابت کیا ہے۔ کس طرح وہاں رہنا چاہیے۔ مکان کی طرح تلاش کرنا چاہیے۔ نوکری کے واسطے کو کھانا چاہیے۔ کیا خرچ ہوتا ہے۔

سمندر یا ریکی نوکری کی طرح مل سکتی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ مفصل ترکیب ہر مہرہ معنی آسان ہے۔ ہر مہرہ معنی آسان ہے۔

